ہاشم معروف حسنی (لبنان)

سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جامعہ تعلیماتِ اسلامی پاکستان

[illegible]
Soldier Bazar [illegible]
Karachi
[illegible]

سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خلیل

ہاشم معروف حسنی (لبنان)

جامعہ تعلیماتِ اسلامی پاکستان
پوسٹ بکس ۵۴۲۵ - کراچی - پاکستان
ISLAMIC SEMINARY PUBLICATIONS

تالیف ---------------------------- ہاشم معروف حسنی

ترجمہ ------------------------------- سید علی رضا

اصلاح ونظر -------------------------- رضا حسین رضوانی

مطبع --------------------------------- زمزم پرنٹرز۔ کراچی

طبع اول------------------------------ ۲۰۰۴ء

جملہ حقوق محفوظ ہیں یہ کتاب کلی یا جزوی طور پر اس شرط کے ساتھ فروخت کی جاتی ہے کہ جامعہ ہذا کی پیشگی اجازت کے بغیر یہ موجودہ جلد بندی اور سرورق کے علاوہ کسی بھی شکل تجارت یا کسی اور مقصد کی خاطر نہ تو عاریتاً کرائے پر دی جائے گی اور نہ ہی دوبارہ فروخت کی جائے گی۔ علاوہ ازیں کسی آئندہ خریدار یا بطور عطیہ حاصل کرنے والے پر یہ شرط عائد نہ کرنے کے لئے بھی ایسی ہی پیشگی اجازت ضروری ہے۔

اِسلام

''کیا تم نے پوری طرح سمجھ لیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟

اسلام ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد حق و صداقت پر رکھی گئی ہے۔
یہ علم کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جس سے عقل و دانش کے متعدد چشمے پھوٹتے ہیں۔
یہ ایک ایسا چراغ ہے جس سے لاتعداد چراغ روشن ہوتے رہیں گے۔
یہ ایک ایسا بلند رہنما مینار ہے جو اللہ کی راہ کو روشن کرتا ہے۔
یہ اصولوں اور اعتقادات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو حق و صداقت کے ہر متلاشی کو اطمینان بخشتا ہے۔

اے لوگو! جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنی برترین خوشنودی کی جانب ایک شاندار راستہ اور اپنی عبودیت اور عبادت کا بلند ترین معیار قرار دیا ہے۔ اس نے اسے اعلیٰ احکام، بلند اصولوں، محکم دلائل، نا قابل تردید تفوق اور مسلمہ دانش سے نوازا ہے۔

اب یہ تمہارا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو شان اور عظمت بخشی ہے اسے قائم رکھو۔ اس پر خلوص دل سے عمل کرو۔ اس کے معتقدات سے انصاف کرو۔ اس کے احکام اور فرامین کی صحیح طور پر تعمیل کرو اور اپنی زندگیوں میں اسے اس کا مناسب مقام دو۔''

(امام علی علیہ السلام)

قارئین گرامی!

یہ کتاب **جامعہ تعلیماتِ اسلامی پاکستان** کی مطبوعات میں سے ہے۔ اس ادارے کی مطبوعات کا مقصد دورِ حاضر کی روحانی ضروریات کو پورا کرنا اور بالخصوص اسلامی طرزِ فکر کو اجاگر کرنا ہے۔ اس ادارے نے اس بات کی پوری پوری کوشش کی ہے کہ فقط وہی مواد پیش کیا جائے جو معتبر اور مستند ہو۔ اس کتاب کی تیاری میں بھی یہی احتیاط برتی گئی ہے اور ایسی معلومات بھی شامل کی گئی ہیں جو بہت گرانقدر ہیں۔

آپ سے گزارش ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ اسی نقطۂ نگاہ سے کریں جس کے تحت یہ لکھی گئی ہے۔ آپ سے یہ بھی استدعا ہے کہ ہماری مطبوعات پر اپنی بے لاگ آراء تحریر فرما کر بھیجیں جو بڑی خوشی سے اور شکریے کے ساتھ قبول کی جائیں گی۔

دعوت اسلام کو فروغ دینا ایک ایسا کام ہے جس کی انجام دہی کے لئے ہم سب کو تعاون کرنا چاہیئے۔ ادارہ آپ کو اس کارِ خیر میں شرکت کی دعوت دیتا ہے تاکہ اس ارشادِ ربانی کی تعمیل ہو سکے۔

”(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے کہ میں تمہیں بس ایک ہی نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی خاطر اجتماعی اور انفرادی طور پر قیام کرو اور پھر غور کرو۔“

دعا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

تعاون کا طلبگار
سیکریٹری نشر و اشاعت

فہرس

مقدمہ ۱۱
تمہید ۱۵
اصلاح کے لئے عربی تحریک ۲۵
بنی خزاعہ اور عدنانیوں کی درمیان مکے کی سربراہی ۲۸
حضرت عبداللہ کی بی بی آمنہ بنت وہب سے تزویج ۳۷
نبیؐ اکرمؐ کی ولادت ۳۸
حضرت محمدؐ قبیلۂ بنی سعد میں ۳۹
سینہ چاک کئے جانے کا واقعہ ۴۰
آنحضرتؐ اپنے دادا عبدالمطلب کے ساتھ ۴۲
حضرت محمدؐ حضرت ابوطالبؑ کے ساتھ ۴۳
حلف الفضول ۴۶
بحیرا اور یہودی علماء کے ساتھ ۴۷
حضرت محمدؐ اور حضرت خدیجہؑ ۵۰
تعمیر کعبہ ۵۹
امام علیؑ بن ابی طالبؑ کی ولادت ۶۸
آپ کی صفات ۷۴
زوال صنم پرستی کے عوامل ۷۵
بعثت سے پہلے قریش حج میں کیا شامل کئے ہوئے تھے ۸۳
غار حرا میں ۸۷
مردوں میں سابق الاسلام ۹۵
دعوت اسلام کا پہلا مرحلہ ۱۰۶

دعوت عام ۱۱۲
ابوذر غفاریؓ کا قبول اسلام ۱۱۴
عمار بن یاسرؓ کا قبول اسلام ۱۲۰
حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب ۱۳۳
ہجرت حبشہ ۱۳۷
حدیث غرانیق ۱۴۰
حضرت عمر بن خطابؓ کا قبول اسلام ۱۴۵
حبشہ کی جانب دوسری ہجرت ۱۴۹
مقاطعہ کی دستاویزات ۱۵۵
سورۂ عبس وتولّی ۱۶۴
حضرت ابوطالبؑ اور حضرت خدیجہؑ ۱۷۱
حضرت ابوطالبؑ کا اسلام ۱۷۵
نبی اکرمؐ کا سفر طائف ۱۸۹
اسلام کا مدینہ پہنچنا اور پہلی بیعت عقبہ ۱۹۵
دوسری بیعت عقبہ ۱۹۸
سفر شب اور معراج ۲۰۱
ہجرت مدینہ ۲۰۸
مہاجرین و انصار کے درمیان اخوت ۲۲۸
اذان اور اقامت ۲۳۲
مستقبل کے لئے تیاریاں ۲۳۴
ابوقیس بن ابی ایاس ۲۳۹
قبلہ کا کعبہ کی جانب تبدیل ہونا ۲۴۱
اسلام کے ساتھ یہودیوں اور منافقوں کا موقف ۲۴۵
اسلام کے ساتھ سلمان فارسیؓ کا موقف ۲۶۱
غزوۂ عشیرہ ۲۷۲
عبداللہ بن جحش کا سریہ ۲۷۴
امام علیؑ اور حضرت فاطمہ زہراؑ کی شادی ۲۷۹

بدر کبریٰ ۲۸۲
جنگ بدر کے بعد قریش اور قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ۳۰۱
بدر و احد کے درمیان ۳۱۸
مسلمانوں، یہودیوں اور ان کے حلیفوں کے مابین آویزشیں ۳۲۰
بنی قینقاع کا مدینے سے نکالا جانا ۳۲۴
غزوہَ سویق ۳۲۵
غزوہَ غطفان ۳۲۶
سریہ زید بن حارثہؓ ۳۲۸
امام حسنؑ کی ولادت ۳۲۹
جنگ احد ۳۳۲
حضرت حمزہؓ کی شہادت ۳۵۳
سریہ ابی سلمہ ۳۷۲
یوم رجیع ۳۷۳
بئرِ معونہ کا واقعہ ۳۷۶
امام حسینؑ کی ولادت ۳۸۳
غزوہَ ذات الرقاع ۳۸۵
غزوہَ بدر دوم ۳۸۶
دومۃ الجندل ۳۸۹
نبی اکرمؐ کی ازواج مطہرات ۳۹۱
اسلام اور دوسری قوموں میں کئی کئی بیویاں ہونا ۴۰۱
غزوہَ بنی مصطلق ۴۰۶
حدیث افک ۴۱۰
غزوہَ خندق ۴۲۰
غزوہَ بنی قریظہ ۴۳۷
سلام بن ابی الحقیق کا قتل ۴۴۵
غزوہَ بنی لحیان و ذی قرد ۴۴۶
غزوہَ حدیبیہ ۴۵۰

غزوۂ خیبر ۴۶۶
معاملۂ فدک ۴۷۵
دعوت اسلام کی حجاز سے باہر توسیع ۴۸۱
عمرۂ قضا ۴۸۳
عمرۂ قضا اور فتح مکہ کے درمیان سریے اور غزوات ۴۸۷
غزوۂ موتہ ۴۸۸
فتح مکہ ۴۹۵
فتح کے بعد خالد بن ولید کا بنی جذیمہ کی طرف جانا ۵۱۷
غزوۂ حنین ۵۱۹
نبی اکرمؐ کی خدمت میں عربوں کے وفد ۵۳۷
قبیلۂ ثقیف کا قبول اسلام ۵۳۸
غزوۂ تبوک ۵۴۱
مسجد ضرار ۵۵۵
عبداللہ بن اُبی کی موت ۵۵۷
عمرو بن معدی کرب زبیدی کا قبول اسلام ۵۵۸
غزوۂ ذات السلاسل ۵۶۰
قبیلۂ طے کی جانب امام علیؑ کے ساتھ سریہ اور عدی بن حاتم کا قبول اسلام ۵۶۳
قبیلۂ حمیر کا وفد اور ان کی طرف رسول اللہؐ کا مکتوب ۵۶۶
سورۂ توبہ ۵۷۲
سریہ امام علیؑ بطرف یمن ۵۷۴
حجۃ الوداع ۵۷۷
غدیر خم ۵۸۶
اسود عنسی ۵۹۵
لشکر اسامہ ۵۹۷
سقیفہ بنی ساعدہ ۶۱۳
نبی اکرمؐ کی تجہیز و تدفین ۶۱۸
کتابیات ۶۲۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہد سے لحد تک

سیرت کی اس کتاب میں ظہور اسلام سے پہلے کے عربوں، قریشیوں اور ان کے حلیفوں کا اور اس زمانے کے ان واقعات کا بیان شامل ہے جو کعبہ وغیرہ سے متعلق تھے۔ اسی پس منظر میں حضرت رسول اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے لے کر آپؐ کے دربار الٰہی میں بلا لئے جانے تک کی سیرت طیبہ کو پیش کیا گیا ہے اور اس میں وہ مراحل پیش کئے گئے ہیں جن سے آپ اپنے بچپن اور جوانی میں نیز کار تبلیغ کے دوران گزرے جس کی ابتدا مکہ معظّمہ میں ہوئی اور جس کو بعد میں جنگوں اور غزوات سے سابقہ رہا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں جو کار تبلیغ کے دوران پیش آتے رہے۔ ہم نے نبیٔ محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک کے ''خارجی پہلوؤں'' کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے اور ان بعض حقائق کو نمایاں کیا ہے جن کو بیشتر سیرت نگاروں نے نظرانداز کیا ہے۔ اس تمام عمل میں ہم نے مستند ترین، مسلِم اور غیر مسلِم مصنفین کی کتابوں پر انحصار کیا ہے۔

ہاشم معروف حسنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ
وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ
عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ
ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بڑے
سخت اور آپس میں بڑے نرم ہیں۔ ﴿ القرآن ﴾

مُقدمہ

درود وسلام اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کی پاک آلؑ پر جوسب کے سب امت کے برگزیدہ افراد تھے اور حق اور نیکی کی طرف بلانے والے تھے۔

اے اللہ کے رسولؐ مجھے کتنی ہی قدرت، طرز بیان کی خوبی اور فکر کی گہرائی حاصل ہوجائے پھر بھی میرے لئے یہ نہایت دشوار ہوگا کہ آپ کی سیرت مقدسہ کی حدود کا احاطہ کرسکوں کیونکہ آپ کی پوری زندگی کار تبلیغ سے بھری ہوئی ہے جس کے نتیجے میں ایسی امت ابھری جو تمام قوموں کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی اور اس سے دنیائے بشریت کو ایسا اعلیٰ نمونۂ حیات حاصل ہوا کہ اگر سارا عالم اس کی آواز پر لبیک کہہ کر عمل پیرا ہو جائے تو اس کو خاطر خواہ استقامت حاصل ہو جائے اور انسان ترقی کی طویل منزلیں طے کرلے جس سے حیات انسانی کے گوناگوں جوہر آشکارا ہو جائیں۔

اے اللہ کے رسولؐ آپ کی سیرت ایسے فرد کی حیات کا بیان ہے جس کا دل انسان کے رنجوں اور مشکلوں کے احساس سے مملو تھا جس کی وجہ سے آپ اپنے آپ کو پختہ عزم، ثابت قدمی اور قوت تامہ کے ساتھ ظلم اور استبداد کے مقابلے کے لئے مصروف عمل اور ہمہ تن وقف کئے رہے تاکہ انسانوں میں باہمی بھائی چارہ، عدالت، گستری، آزادی، محبت اور مہربانی کی فضا قائم ہو جائے جو تمام انسانوں کے لئے بہترین مستقبل کی ضمانت ہو جائے خواہ وہ ایسے افراد ہوں جو آپ کی نبوت اور رسالت پر ایمان لائے ہوں یا اسے افراد ہوں جو آپ کی ان دو خصوصیات پر ایمان نہ لائے ہوں۔

دسیوں لاکھ مسلمان ایسے ہیں جو آپ کی سیرت اور رسالت کی اس خصوصیت سے واقف نہیں ہیں کہ یہ ان کو ایک ہی وقت میں اسی طرح آسمانی رفعتوں کی جانب لے جانا چاہتی ہے جس طرح دنیا کی بھلائی کی طرف دعوت دیتی ہے۔ یقیناً یہ لوگ اسے صرف تحیر خیز مافوق العادت افعال اور کہانیوں کی حد تک ہی سمجھتے ہیں اور جب وہ آپ کی عظمت کے اعتراف میں آپ پر صلوٰت وسلام بھیجتے ہیں تو صرف اپنے پیشروؤں کی تقلید میں ایک ایک دن میں سیکڑوں بار دہراتے رہتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس طرح صلوٰت وسلام بھیج کر انہوں نے آپؐ کی عظمت اور تقدس کا اعتراف کرلیا۔ خواہ وہ اپنی اغراض اور خواہشات نفسانی کی رو میں آپ کی ان تعلیمات، طریقۂ عمل اور الٰہی پیغامات سے روگرداں ہوگئے ہوں۔ جن کے مطابق اسلام کی خصوصیت عمل ہے نہ کہ محض باتیں۔ ٹھوس حقیقت ہے نہ کہ کھوکھلا پن۔ غیروں کے ساتھ انسانی فلاح و بہبود کے لئے تعاون ہے نہ کہ لوٹ کھسوٹ اور ایک انسان کا اپنے بھائی بندوں کا استحصال کرتے رہنا۔

ان لوگوں نے آپ کی سیرت طاہرہ کو کہانی بنالیا ہے جس کو یہ لوگ آپ کی ولادت اور بعثت کے دنوں میں بیان کرتے رہتے ہیں اور اس میں کھوکھلے فقرے اور الفاظ بھرے ہوئے ہیں جن سے یہ لوگ اپنے گلے پھاڑتے رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو آپ کے روزہائے ولادت و بعثت و معراج کو اپنے ایسے مقاصد کی سودے بازی کے لئے استعمال کرتے ہیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس طرح یہ لوگ دین کی سبق آموز ہدایات اور پند و نصائح سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔

اسی طرح یہ لوگ قرآن کے احکام سے اس کی پابندیوں سے اور اس کے مضامین سے نیز اس کے ان احکام سے جن میں جہاد، سعی عمل، صبر، اللہ کی راہ میں فداکاری اور بلند کردار کی دعوت دی گئی ہے کٹ گئے ہیں۔ یہ لوگ ان تمام چیزوں سے یا ان میں سے زیادہ تر سے دور ہو جانے کے نتیجے میں دنیا بھر کی دست درازیوں سے حتیٰ کہ اسرائیل کی دست درازیوں اور برطانیہ اور ان دونوں کے علاوہ ان دوسروں کی چیخ و پکار سے بھی بے خبر ہوگئے ہیں جو آپ کے لائے ہوئے الٰہی احکام اور آپ کے قرآن کے خلاف برسرپیکار ہیں کیونکہ یہ دونوں چیزیں ان کے وجود، ان کے مقاصد اور ان کے مفادات کے لئے خطرہ بنی ہوئی ہیں۔

چنانچہ طویل اور شدید کوشش کے بعد آپ ان فساد خیز حالات پر قابو پاسکے جو اس زمانے کے انسان کو درپیش تھے اور آپ نے ان مشکلات کے لئے جو انسانیت کے آڑے آئی ہوئی تھیں اور اس کے بلند مستقبل کی راہ میں حائل تھیں ایسے حل تلاش فرمالئے جو دونوں عالموں میں انسان کی عزت، شرافت اور بھلائی کی ضامن ہوسکیں۔ چنانچہ آپ نے اللہ سے انکار کرنے والوں اور انسان کی عزت سے کھیلنے والوں کے خلاف اور دنیا کے مصیبت زدوں اور کمزوروں کی حمایت میں جنگ کرنے کی دعوت دی نیز لوگوں کو اس سے منع فرمایا کہ ظالموں پر بھروسہ کریں اور آپ کے دشمنوں کا ساتھ دیں۔ یا ان لوگوں سے محبت کا رشتہ قائم کریں جو حق، دین اور اخلاق سے روگردانی کرتے ہیں۔ آپ نے اس دنیا کے انسان کو احکام الٰہی سے روشناس کرتے ہوئے فرمایا کہ:

> وَمَالَكُمْ لاَ تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا۝ یعنی تم کو کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے اور نہ ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جو کہتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پالنے والے ہم کو اس بستی سے نکلنے کی توفیق دے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے ایک سرپرست عطا کردے اور ہمارے لئے اپنے پاس سے ایک مددگار مہیا کردے۔ (سورۂ نساء: آیت ۷۵)

اور آپ نے فرمایا کہ:

> وَلاَ تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. یعنی ان لوگوں پر بھروسا نہ کرو جو ظلم کرتے ہیں۔ ورنہ تم کو جہنم میں جانا ہوگا۔ (سورۂ ہود: آیت ۱۱۳)

اور آپ نے فرمایا کہ:

> يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ

كَفَرُوْا بِمَا جَآءَ كُمْ مِّنَ الْحَقِّ اے ایمان والو میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔ وہ تم سے محبت جتاتے ہیں لیکن اللہ کی طرف سے آئے ہوئے حق سے انکار کرتے ہیں۔ (سورۂ ممتحنہ: آیت ۱)

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

فَقَاتِلُوْا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطَانِ اِنَّ كَيْدَالشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيْفًا. شیطان کے دوستوں سے جنگ کیا کرو۔ یقیناً شیطان کی چال کمزور ہوتی ہے۔ (سورۂ نساء: ۷۶)

آپ بار بار اپنی کتاب میں اور اپنے عمل کے ذریعے حکم دیتے رہے، منع کرتے رہے، باز رہنے کی تلقین کرتے رہے، نیک عملی اور بلند اخلاق کی طرف دعوت دیتے رہے، لیکن کیسے شدید افسوس کا مقام ہے کہ خاص کر ہمارے اس دور میں بیشتر وہ افراد جو دعویٰ تو اسلام کا کرتے ہیں لیکن وہ اس سے دور ہوگئے ہیں۔ انہوں نے اس کو بدل ڈالا ہے، اس میں تغیر کر ڈالا ہے۔ وہ کمزوروں اور مصیبت زدوں کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ اسلام کے اور آپ کے دشمنوں سے دوستی کے رشتے استوار کرتے ہیں اور اس دین سے روگرداں ہوگئے ہیں جو آپ نے اللہ کی طرف سے پہنچایا تھا اور جسکی خاطر آپ نے بیس سال یا کچھ زیادہ مدت تک کوشش فرمائی تھی اور قربانیاں پیش کی تھیں۔

اب اسلام اپنے اصولوں اور اپنی روح کے لحاظ سے ذہنوں، دماغوں اور دلوں کے لئے اجنبی ہوگیا ہے جیسا کہ اپنے ابتدائی زمانے میں ہوا کرتا تھا۔ اس کے اصول اور بنیادی خصوصیات کے حامل افراد اور اس کی طرف خلوص اور بے لوثی سے دعوت دینے والے اس زمانے میں اجنبی نظر آتے ہیں کیونکہ اس زمانے میں مادیت نے سر اٹھا رکھا ہے اور دشمنان اسلام اس کے حقائق کو ملیا میٹ کرنے اور اس کے جوہر کو ایسے نئے انداز سے کھوٹا کرنے کے درپے ہیں جو اس سے قبل صلیبی جنگوں میں بھی غیر معروف تھا۔

سلام ہو آپ پر کہ جیسا کہ راویوں نے آپ کے متعلق بیان کیا ہے آپ نے فرمادیا تھا کہ اسلام اجنبی کی حیثیت سے شروع ہوا تھا اور اپنی شروع ہی کی حالت پر پلٹ جائے گا۔ پس اجنبیوں کو خوشخبری ہو۔

بہر حال فی زمانہ مسلمانوں کا قصہ ایسا ہے کہ اس سے دل کو رنج اور دکھ پہنچتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ان آزمائشوں، باہمی رنجشوں، اخلاقی تنزل اور اپنے وجود سے بیزاری سے جن میں یہ گھرے ہوئے ہیں اسی طرح نجات مل سکتی ہے کہ یہ آپ کی سیرت عالیہ کے حقائق اور آپ کی لائی ہوئی کتاب کے احکام کی طرف پلٹ آئیں کیونکہ مشیت الٰہی کا اٹل فیصلہ ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَابِاَنْفُسِهِمْ اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلے۔ (سورۂ رعد: آیت ۱۱)

میں اپنے اس پیش لفظ کو ختم کرنے سے پہلے مختصراً اس امر کی طرف اشارہ کردینا چاہتا ہوں کہ سیرت نبویؐ پر پہلی صدی ہجری کے اواخر تک قلم نہیں اٹھایا گیا۔ البتہ اسی صدی کے آخری سالوں میں اس پر عروہ بن زبیر متوفی ۹۲ھ نے اور ابان بن عثمان متوفی اوائل صدی دوم نے تالیف کا کام لیا اور ان دونوں کے بعد اس پر وہب بن منبہ نے قلم اٹھایا۔[۱]

---

[۱] ان کی سیرت کے بعض حصے جرمنی کے ایک بڑے کتب خانے میں ملتے ہیں۔

دوسری صدی کا پہلا نصف ختم ہونے سے پیشتر شرجیل بن سعد اور ابن شہاب زہری نے اس موضوع پر کتاب تالیف کی۔ پھر عاصم بن عمرو بن قتادہ اور موسیٰ بن عقبہ نے تالیفات تیار کیں۔ نیز ابن اسحٰق نے اپنی ''سیرت'' تالیف کی جن کے متعلق بعض روایت بتلاتی ہیں کہ انہوں نے یہ کام خلیفہ منصور عباسی کی فرمائش پر انجام دیا۔[1] دوسری صدی کے اواخر میں اس موضوع پر ہشام نے کتاب تالیف کی اور انہوں نے جو کچھ اس بارے میں قلمبند کیا اس کے لئے ابن اسحٰق کی تالیف کو بنیاد قرار دیا۔ اسی زمانے میں اس موضوع پر ابن سعد اور واقدی اور ان کے علاوہ دوسرے افراد نے تالیفات تیار کیں۔ پھر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر تالیفات کا سلسلہ چل پڑا۔ جو آج تک جاری ہے اور اس میں علماء مشرق و مغرب سب ہی شریک ہیں۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ہم ان افراد کی عظمت کا اعتراف کرنے سے دریغ نہ کریں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے تالیف کرنے میں پہل کی اور اس کے جابجا پھیلے ہوئے ٹکڑوں کو لوگوں کے حافظوں سے حاصل کر کے یکجا کیا اور اس طرح بعد میں آنے والے مورخوں اور محققوں کے لئے بنیادیں مہیا کر دیں۔ حالانکہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ان لوگوں میں سے بعض نے محبت اور عقیدت کے باعث اور بعض نے دشمنی اور بدنیتی کی وجہ سے اس میں ایسا مواد بھر دیا ہے جو سیرت کا حصہ نہیں ہے۔ علاوہ بریں ان ابتدائی تالیفات میں تلاش کرنے والے کو ایسی کوشش نظر آئے گی جس کا مقصد بعض حقائق پر پردہ ڈالنا اور بعض افراد کو داغدار بنانا ہے جو نہ منطقی طور پر صحیح بیٹھتا ہے، نہ تاریخی واقعات کی رو سے۔ پھر بھی ان کی یہ برائیاں ہمیں ان کی خوبیوں کے اعتراف سے باز نہیں رکھ سکتیں۔

غالباً مجھے انہی وجوہ نے اس موضوع پر لکھنے کے لئے آمادہ کیا اور مجھے امید ہے کہ میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے بعض پہلوؤں کو ان کے حقیقی رنگ میں پیش کرنے کے قابل ثابت ہوں گا۔

غالباً انہی وجوہ نے مجھے اس امر پر آمادہ کیا کہ میں اس موضوع پر لکھوں اور جو کچھ اس میں محبت کرنے والوں یا دشمنی رکھنے والوں کے ہاتھوں کھوٹی اور غیر صحیح چیزیں شامل ہوگئی ہیں ان کی نشاندہی کردوں۔ چنانچہ اس سلسلے میں جو کچھ کوشش، قوت، خلوص، بے لوثی اور نیک نیتی میرے بس میں تھی اسے بروئے کار لایا ہوں اور میں اس کو کافی سمجھوں گا اگر قاری اس میں یہ چیزیں یا ان میں سے کچھ بھی پالے۔ میں اللہ ہی سے توفیق کا اور قبولیت کا طلبگار ہوں۔

درود و سلام اور اللہ کی رحمت و برکت ہو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو ایسی سیرت کے حامل تھے کہ ایسی سیرت اور اللہ کے احکام نہ کسی نبی نے آپ سے پہلے چھوڑے تھے نہ کسی فرد نے آپ کے بعد چھوڑے اور آپ کی آل میں ہونے والے ائمۂ ہدیٰ پر اور آپ کے ان اصحابؓ پر جنہوں نے جو کچھ عہد اللہ اور اس کے رسولؐ سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔

ہاشم معروف حسنی

---

[1] ملاحظہ ہو مقدمۂ سیرت ابن ہشام۔ طبع دوم۔

تمہید

قدیم اور جدید لکھنے والوں میں بعض کی یہ کوشش رہی ہے کہ ماقبل اسلام عرب کی ایسی تصویر پیش کریں کہ گویا وہاں شدید زلزلہ آیا تھا جس نے اس کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا جس کی وجہ سے وہاں کی ہر شے اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی تھی، وہاں بھیڑیا چرواہا بن گیا تھا، ظلم کیش قاضی بنا ہوا تھا، مجرم خوش بخت تھا اور نیکوکار حقوق سے محروم تھا۔ ان کی زندگی کا دارومدار رسم و رواج پر تھا جو ان کو فنا اور تباہی کی طرف کھینچے لئے جا رہا تھا۔

ان لوگوں کے خیال میں اس زمانے کا انسان بدکاری اور گمراہی میں اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ دین سے بے اعتنائی برتتا اور ایک دوسرے سے پیکار کو فضیلت مانتا تھا۔ سود کا استعمال لوٹ کھسوٹ کی حد تک بڑھ گیا تھا۔

یہ لوگ عربوں کو ہر قسم کی معقولیت سے دور ظاہر کرنے میں اس قدر بڑھ گئے کہ ان کو انسانیت سے بھی عاری قرار دیدیا۔ وہ کہتے تھے کہ عرب ایک دوسرے پر شجاعت، سخاوت اور حیا میں فخر کرتے تھے اور ان صفات میں ان قوموں کے افراد کے مقابلے میں بھی فخر کرتے تھے جو ان کے علاقوں سے ملی ہوئی سرحدوں پر آباد تھیں۔ یہ صفات عرب انسان کی زندگی میں رچی بسی ہوئی تھیں لیکن جب اس نے ان کا غلط استعمال کیا تو یہ اس کے لئے وبال بن گئیں۔ چنانچہ اس کی شجاعت نیکوکاروں کے قتل میں بدل گئی، اس کی سخاوت نے فضول خرچی اور بے جا صرف کی جگہ لے لی، اس کی حیا جاہلانہ خودداری بن گئی، اس کی ذہانت فریب دہی اور ارتکاب جرم کے طریقے ایجاد کرنے پر صرف ہونے لگی اور اس کے یہاں جنسی خواہشات کی تسکین کی افراط ہوگئی اور ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ وہ سورج، چاند، بتوں اور پتھروں کی پرستش کی جانب متوجہ ہوگیا اور ہر فرد اس تاک میں رہتا کہ موقع ملتے ہی اپنے ساتھی فرد پر جھپٹ پڑے اور اس کے رزق کے ذریعوں پر قابض ہو جائے۔ چنانچہ اس زمانے میں خونیں جنگیں، لوٹ مار، قتل پراگندگی اور قبائلی خیالات ان کی زندگی پر حادی تھے جن کے باعث ہر قبیلے کا دوسرے سے علیحدہ وجود تھا۔ بس یا تو تباہ کن لڑائیاں چلتی رہتی تھیں یا اگر امن کا زمانہ ہوتا تو وسیع اسباب کی وجہ سے تنزل کا پیش خیمہ ہوتا تھا۔ یہ اور ان سے ملتی جلتی صفات تھیں جن سے لکھنے والے ورود اسلام سے قبل کے عرب کی تصویر کشی کرتے تھے۔

میرے خیال میں ان لوگوں نے جنہوں نے یہ کوشش کی کہ عربوں کو پہلے اور دوسرے دور جاہلیت میں ایسی قوم ظاہر کریں جو صرف جنگلوں اور جھاڑیوں میں رہنے والوں کی مانند ہو اپنے بیان میں حقیقت کی بجائے ظلم سے کام لیا اور ان

کے کردار کو داغدار کرنے میں مبالغہ اور زیادتی کی حد کردی۔ یہ اس لئے ہوا کہ ان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے کو ان میں اور دوسری قوموں مثلاً اہل فارس اور اہل روم میں صرف چند ہی اختلافات ملے جو ان کی سخت صحرائی طبیعت کا خاصہ تھے چونکہ انہیں وہ آسائشیں میسر نہیں تھیں جو دوسری قوموں کو حاصل تھیں اور جن کی بدولت ان کو سکون اور استقلال کی زندگی حاصل تھی اور ان کو یکجا قیام کئے رہنے اور آباد ہونے کی سہولتیں بافراط ملی ہوئی تھیں۔ عرب لکھنے والوں اور مستشرقین میں سے وہ افراد جو اس رائے کے حامل ہیں ان لوگوں سے زیادہ اعتدال پسند ہیں جنہوں نے عربوں کو انسانیت کے زمرے سے خارج کر کے درندوں اور پھاڑ کھانے والے جانوروں کے ہم پلہ قرار دیدیا تھا خاص کر اس زمانے کے لحاظ سے جس کے بعد ہی رسول اللہؐ کی بعثت واقع ہوئی۔ یہ اس لئے کہ عرب ان مستقل آباد قوموں سے جیسے کہ اہل فارس و روم قریبی روابط رکھتے تھے اور تجارت ان کے درمیان باہمی رابطے کا ذریعہ تھی جو ان کو مادی اور ادبی فائدے بھی بہم پہنچاتی تھی۔ اس کے علاوہ اہل فارس اور اہل روم نے ان عرب امارتوں میں جو حیرہ اور شام میں ان کی سرحدوں کے قریب ظہور پذیر ہوگئی تھیں، استقلالی زندگی اور آرام و آسائش کے سامان مہیا کردیئے تھے تاکہ یہ لوگ ان کے لئے ایسے پشتہ کا کام دیں جو اُن کو جزیرہ نمائے عرب وغیرہ کے بدوؤں کی لوٹ مار اور حملوں سے محفوظ رکھ سکے۔ چنانچہ یہ لوگ اپنے پڑوس والوں سے گھل مل گئے تھے اور انہوں نے ان کے بہت سے طور طریقوں، خیالات اور معلومات کو اپنا لیا تھا۔

اور جب ہم اس علاقے کے ادیان و مذاہب کا جائزہ لیتے ہیں اور ادیان کے آئینے میں عربی انسان کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ بت پرستی جزیرہ نمائے عرب میں رائج تھی۔ مگر بت پرستی کے علاوہ ہمیں جزیرہ نمائے عرب میں یہودیت و نصرانیت بھی کچھ علاقوں میں دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ اور اس کے قریبی مناطق یہودیت کا گڑھ سمجھے جاتے تھے اور نجران اور کچھ دیگر علاقوں پر کبھی یہودیت اور کبھی نصرنیت کے اثرات محسوس کئے جاسکتے تھے اور یہود و نصاریٰ اپنے اپنے مذہب کی نشر و اشاعت کے لئے بے حد سرگرم تھے اور ان کے پاس مذہب کی تبلیغ کے لئے مادی وسائل بھی موجود تھے۔ چنانچہ جزیرہ نمائے عرب کی اکثر زرعی زمینیں یہودیوں کے پاس تھیں اور یثرب کے یہودی زراعت کے علاوہ زرگری، آہن گری اور اسلحہ سازی میں بھی بڑی شہرت رکھتے تھے اور وہ اپنی صفت کے بل بوتے پر عام عربوں کا استحصال کرتے تھے اور انہوں نے جزیرہ نما میں اپنا خوب اثر و رسوخ پیدا کرلیا تھا اور انہیں کسی بھی جگہ جانے اور اقامت گزیں ہونے سے کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی تھی۔

مدینے کے اوس وخزرج قبائل کو یہودیوں کی بالادستی انتہائی تلخ محسوس ہوتی تھی لیکن ان کی بالادستی سے چھٹکارا پانا ان کے بس میں نہیں تھا۔ کبھی کبھی طرفین میں تنازعات بھی جنم لیتے رہتے تھے مگر ان تنازعات کے نتیجے میں کوئی فریق مکمل بالادستی حاصل نہ کرسکا تھا۔

یہ بھی بعید نہیں ہے کہ انہی حالات نے اوس اور خزرج کو اس قدر جلدی اسلام قبول کر لینے اور اس کے جھنڈے کے نیچے متحد ہو جانے پر آمادہ کردیا ہوتا کہ وہ یہودیوں کے استحصال سے اور ان کے تسلط سے نجات حاصل کرلیں جو انہوں

نے اس باثروت علاقے کے باشندوں اور ان کے ذرائع معیشت پر حاصل کرلیا تھا۔

باوجودیکہ بت پرستی جزیرہ نما کا سب سے بڑا مذہب تھا لیکن وہاں کے بیشتر باشندے حجاز کی سرحدوں سے ملی ہوئی دوسری قوموں مثلاً یمن، شام وغیرہ سے پیہم تعلقات قائم رکھے ہوئے تھے، خاص طور پر قریش جو خانۂ کعبہ کی مجاوری کرتے تھے اور ہر سال جاڑوں اور گرمیوں میں تجارت وغیرہ کے لئے مختلف شہروں میں جایا کرتے تھے۔

تاریخ عرب کے بعض لکھنے والوں نے صراحت کی ہے کہ روم کی حکومت نے مکہ میں وہاں سے جانے والی برآمدات اور وہاں آنے والی درآمدات کی سہولت کے لئے ایک تجارتی مرکز قائم کیا تھا۔ چنانچہ حجاز کے شہروں میں مکہ ہی وہ مقام تھا جہاں سب سے زیادہ سامان عیش و آسائش پایا جاتا تھا جیسا کہ یہ آیت بھی اشارہ کرتی ہے:

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ یعنی کیا ہم نے ان کو ایسے باعزت اور پرامن مقام پر آباد نہیں کر دیا ہے جہاں ہر قسم کے پھل ہمارے مہیا کئے ہوئے رزق کے طور پر پہنچتے رہتے ہیں۔ البتہ بیشتر لوگ اس سے لاعلم ہیں۔ (سورۂ قصص: آیت ۵۷)

اغانی وغیرہ میں ذکر ہے کہ حبشہ قریش کے ساتھ تجارت کیا کرتا تھا اور قریشی لوگ حبشہ کے شہروں سے تجارت اور دیگر قسم کے دائمی روابط رکھتے تھے۔ یہ براہ راست تعلق جو ادھر بھی اور ادھر بھی تجارتی آمد و رفت سے قائم ہوا تھا ان کو ان ملکوں کی رہن سہن عادات اور عقائد کے بارے میں بکثرت معلومات فراہم کرتا رہتا تھا اور یہ لوگ لازمی طور سے ان سے بڑی حد تک اپنے طور طریقے درست کرنے میں مستفید ہوتے تھے۔

جس طرح حجاز کے عرب اس قسم کے روابط کے ذریعے اپنے پڑوس والوں سے فائدہ اٹھاتے تھے اسی طرح حیرہ کے عرب اپنے فارس کے پڑوسیوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ خاص طور پر جب اس علاقے میں اہل مناذر کی حکومت ہوگئی جس نے ان کو اس علاقے سے آزاد کردیا جو رومی حکومت میں تھا اور اس طرح اس حکومت کے باعث ان کے اور اہل فارس کے مابین براہ راست تعلق قائم ہوگیا۔ کیونکہ یہ جزیرہ کے عربوں سے زیادہ ترقی یافتہ تھے اور مستقل طرز زندگی سے قریب تر تھے جیسا کہ عرب کی ماقبل اسلام تاریخ پر کتابیں بتلاتی ہیں۔ یہ اس لئے کہ حجاز کے عرب دوسروں کے مقابلے میں زیادہ مکمل مستقل طرز زندگی اختیار کئے ہوئے تھے اور اپنے پڑوسی ملکوں سے صرف درآمدات، برآمدات اور تجارتی آمد و رفت کے روابط رکھتے تھے۔ حالانکہ اہل فارس میں سے خاصے افرادان مقامات پر بڑے عہدوں پر فائز تھے اور حکومت کے اداروں اور جملہ کاموں کے نگراں ہوا کرتے تھے۔ البتہ فارس کا حکمران بھی کبھی کبھی کسی عرب کو اپنے بعض کاموں کی انجام دہی کیلئے مقرر کرلیا کرتا تھا۔

تاریخ ابن خلدون کی دوسری جلد میں ہے کہ عدی بن زید فارس کے بادشاہ پرویز کا ترجمان تھا اور اس کا باپ زید شاعر تھا فارسی اور عربی کی کتابیں بھی پڑھ سکتا تھا۔

بعض مصنفوں کا کہنا ہے کہ حیرہ کے عربوں کو یونان کے کچھ علوم وفنون خاموشی کے ساتھ پہنچ گئے تھے۔ ان لوگوں کی یہ رائے اس وجہ سے ہے کہ ہرمز اول کے عہد میں فارس کی حکومت نے کچھ نو آبادیاں بنائی تھیں اور ان کو رومی قیدیوں کے بل بوتے پر قائم کیا تھا۔ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو یونانی ثقافت میں رچے ہوئے تھے۔ چنانچہ اہل فارس یونانیوں کے علوم ہندسہ اور طب میں بہت آگے بڑھ گئے اور یہ لوگ حیرہ میں آباد ہو کر وہاں کے باشندوں میں گھل مل گئے۔

تاریخ عرب کے بعض ماہرین اس کو بعید نہیں سمجھتے کہ حیرہ کے عربوں میں مذہب عیسوی کے پھیلنے کا باعث یہی لوگ ہوئے ہوں۔ اسی کے ساتھ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہند زوجہ نعمان نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا اور اس کی تعلیمات کے زیر اثر آ گئی تھی۔ چنانچہ اس نے ایک عیسائی خانقاہ بنوائی تھی جو تاریخ اسلام کے ابتدائی دور تک ''دیر ہند'' کے نام سے مشہور تھی۔

اسی زمانے میں جبکہ حیرہ اور گردونواح کے علاقے فارس کے فرمانروا کی نگرانی میں اہل مناذر کے زیر حکومت تھے غسانیوں نے شام میں اپنی امارات قائم کر لیں اور ان کا اثر ورسوخ حوران اور بلقاء کے ضلعوں تک پہنچ گیا۔ چنانچہ انہوں نے جولان اور جابیہ کے شہروں کو اپنے لئے دارالحکومت قرار دیا۔

یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے شام کے قریب کے شہر جلق کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔ ان میں اور حیرہ کے فرمانرواؤں میں شدید دشمنی رہتی تھی جس کی وجہ سے ان کے مابین وقتاً فوقتاً خونریز جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں جو دونوں طرف تباہی پھیلاتی رہتی تھیں۔

البتہ جیسا کہ بعض مورخین بتاتے ہیں ان حکمرانوں میں سب سے زیادہ نمایاں حارث بن جبلہ تھا جس کو شہنشاہ جسٹینین نے ۵۲۹ء عیسوی میں شام کے اطراف کے تمام عرب قبیلوں پر معین کر کے اس کو فیلارک یا بطریق کا لقب دیا تھا۔ یہ شخص یعقوبین فرقہ کا عیسائی تھا۔ اس نے اپنی حکمرانی کا پہلا زمانہ حیرہ کے فرمانروا منذر ثالث سے جنگ آزمائی میں صرف کیا اور معرکۂ قنسرین میں اس پر غالب آ گیا۔ چنانچہ غسانیوں کی حکومت طویل عرصے تک چلتی رہی یہاں تک کہ اہل فارس نے روم پر فوج کشی کر کے ۶۱۴ء عیسوی میں یروشلم اور دمشق پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سے غسانیوں کی سربلندی ختم ہو گئی۔ چنانچہ ان کا آخری بادشاہ جبلہ بن ایہم تھا جو ظہور اسلام کے زمانے میں موجود تھا۔

جب شام کا علاقہ مسلمانوں نے فتح کر لیا تو جبلہ بن ایہم نے اسلام قبول کر لیا اور مدینہ چلا گیا۔ وہاں کے لوگوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور عمر بن خطاب اور ان کے حاشیہ نشینوں نے اس کو پسند کیا اور اس کی منزلت اس قدر بڑھائی کہ اس کو اولین مہاجرین کا مرتبہ دیدیا۔ لیکن قبائلی خیالات اس پر غالب تھے۔ چنانچہ وہ یہ برداشت نہ کر سکا کہ ایک فزاری شخص اس کے قدم بہ قدم سوار ہو کر چلے۔ چنانچہ اس کے سر پر پتھر دے مارا گویا کہ وہ اب بھی حاکم ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے۔ وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ اسلام نے تمام امتیازات اور تصورات ختم کر کے ہر فرد کو اس کے حقوق عطا کر دیئے ہیں خواہ وہ کسی بھی اصل یا رنگ کا ہو۔ فزاری نے خلیفہ کے سامنے شکایت کر دی۔ جب اس کو یہ اندازہ ہوا کہ خلیفہ فرازی کا بدلہ اس سے لیں گے تو وہ قسطنطنیہ کی طرف بھاگ گیا اور وہیں مرا۔

البتہ یعقوبی کی روایت یہ بتلاتی ہے کہ جبلہ بن ایہم نے حضرت عمر کے پاس آ کر چاہا کہ اس سے بھی اسی طرح اس کے مال میں سے صدقہ لے لیا جائے جس طرح عربوں کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن حضرت عمر نے اس سے انکار کیا اور اس سے جزیہ لینے پر اصرار کیا اور جزیہ نہ دینے کی صورت میں اس کو اسلامی حکومت سے نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ جبلہ اور اس کے تیس ہزار ساتھی وہاں سے چلے گئے اور رومیوں سے جاملے۔

غسانیوں کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنی طرز فکر میں بہت بلند تھے اور حیرہ کے عربوں سے زیادہ استقلال کی زندگی سے قریب تر تھے کیونکہ یہ لوگ رومی طرز زندگی اور یونانی ثقافت سے گہرے روابط رکھتے تھے اور جزیرہ نمائے عرب کے کثیر التعداد شعراء جیسے کہ نابغہ، اعشی، مرقش الاکبر وغیرہ ان کے یہاں چلے گئے۔ جہاں ان لوگوں نے ان کے اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور ان کو خوب خوب تحفے تحائف دیئے۔ چنانچہ ان شعراء نے جو کچھ وہاں دیکھا اور سنا اس کا اثر جلد ہی نمایاں ہونے لگا جیسا کہ ان کے قصائد کے ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے جن میں وہاں کی کہانیاں، مثالیں اور داستانیں بھری پڑی ہیں۔

بہرحال تاریخ عرب کے اس دور میں عیسائی مذہب متعدد فرقوں میں بٹ گیا تھا اور ان کے عقیدوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی اور عیسائی مذہب کے ہر فرقے کے عقائد دوسرے فرقے کے عقائد سے جدا تھے اور یہ سب فرقے رائے اور عقیدہ کے اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے سے ایسی سخت نفرت کرتے تھے کہ اس کے نتیجے میں باہمی دشمنی اور کدورت پیدا ہوگئی تھی جو طویل مدت تک رہی اور اس کے اثرات آج تک موجود ہیں۔

ان فرقوں میں کچھ وہ تھے جو اس کے قائل تھے کہ حضرت عیسیٰؑ جسم نہ رکھتے تھے بلکہ ایک سایہ رکھتے تھے جس کے روپ میں وہ انسانوں کے سامنے ظاہر ہو جاتے تھے، بعض ان کے روح اور جسم کے روحانی وجود کے قائل تھے، بعض حضرت مریمؑ کی پرستش کرتے تھے، بعض کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے بعد وہ بتول اور باکرہ نہیں رہی تھیں۔ باقی فرقے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ان کے باپ ہونے، ان کا بیٹا ہونے اور ان کی خلقت کے متعلق طرح طرح کے اختلافات میں بٹے ہوئے تھے۔ مستزاد یہ کہ رومی شہنشاہیت نے ان تمام باہم دست و گریباں فرقوں کو ان کی حمایت کر کر کے اور شہہ دیدی اور باہمی پیکار کے اسباب مہیا کردیئے۔ یہاں تک کہ ہر فرقہ برسر اقتدار حکومت کی حمایت پر نظر جمائے رہنے لگا اور عیسائیت منتشر ہو کر رہ گئی اور بالآخر وہ وہاں سے نکل کر فلسطین اور فرات کے دونوں کناروں کی طرف چلی گئی جہاں حیرہ، لخم اور منذر کے باشندوں نے اس کو مذہباً اختیار کرلیا۔

پروفیسر مصطفیٰ جواد کی تاریخ ''عرب قبل الاسلام'' وغیرہ میں ہے کہ نستوریہ اور یعقوبیہ بھی عیسائیت ہی کے فرقے ہیں بلکہ اس کے تمام فرقوں میں سب سے زیادہ حامی اور ماننے والے ہیں۔ ان میں سے اول الذکر حیرہ اور اس کے گرد و نواح میں پھیلا جبکہ آخر الذکر غسانی اور شام کے قبیلوں میں پھیل گیا۔ نجران عیسائیت کے اسی فرقے کا مرکز تھا۔

نجران میں عیسائیت کے داخل ہونے کے سبب کے بارے میں جبکہ وہاں اس سے پہلے بت پرستی کا دور دورہ تھا

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والوں میں سے ایک نیک شخص جس کو فیمیون کہتے تھے روم کے علاقے سے آ کر نجران میں بس گیا اور اس کے اہل و عیال بھی وہیں آ گئے۔ ان کی تعداد بڑھتی رہی یہاں تک کہ ان کے حالات مضبوط ہوگئے اور عیسائیت وہاں پھیل گئی۔ یمن کے فرمانروا ذونواس نے کوشش کی کہ ان کو یہودیت میں داخل کرلے لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکا اور اس نے ان کی بڑی تعداد کو جو سیرت کی بعض کتابوں کے مطابق بیس ہزار سے کم نہ تھے قتل کر ڈالا۔ ہم اس کا بیان کہ ان پر کیا گزری یمن میں یہودیت کے داعیوں کے بیان میں پیش کریں گے۔

المختصر جب عیسائیت نجران میں قائم ہوگئی تو اس کے ماننے والے تجارت، اسلحہ سازی اور کپڑا بافی کی طرف ملتفت ہوگئے۔ چنانچہ یہ لوگ یمانی لباس تیار کرنے میں مشہور ہوگئے۔

ظہور اسلام سے پہلے یہاں کے سیاسی، دینی اور انتظامی امور تین بزرگ افراد کے ہاتھوں میں تھے۔ وہ تھے سید، عاقب اور اُسقُف۔ چنانچہ سیاسی امور جیسے کہ جنگ کا محکمہ اور امور خارجہ اور دوسرے قبیلوں کے ساتھ ان کے تعلقات کا نظام سید کے ہاتھ میں تھے اسی طرح داخلی امور یعنی ان کے اپنے حالات کا محکمہ اور ان کے آپس کے فیصلے چکانا عاقب کے ہاتھ میں تھے اور اُسقُف کی ذمہ داری دینی امور تک تھی۔ جب جزیرہ نما عرب میں اسلام ظہور پذیر ہوا تو یہ تینوں نجران سے ایک وفد لے کر رسول اللہؐ کی خدمت میں مدینے آئے۔ آنحضرتؐ نے ان کے سامنے اسلام قبول کرنے یا مباہلہ کرنے کی پیشکش کی جس کا ذکر ہم عنقریب اسی کتاب کی آئندہ فصلوں میں کریں گے۔ ان لوگوں نے دونوں صورتوں سے انکار کیا البتہ ہر سال کچھ مال دیتے رہنے پر آنحضرتؐ سے مصالحت کرلی۔ یہ صورتحال آنحضرتؐ کی مدت حیات اور اس کے بعد خلیفۂ اول کے زمانۂ حکومت تک چلتی رہی۔ جب خلیفۂ ثانی عمر بن خطاب کا زمانہ آیا تو انہوں نے ان لوگوں کو اس حال پر قائم نہیں رہنے دیا جس پر وہ رسول اللہؐ اور خلیفۂ اول کے زمانے میں رہتے چلے آئے تھے بلکہ ان کو اسلام میں داخل ہوجانے کی پیشکش کی اور ان کے انکار کرنے پر ان کا تمام مال و متاع خرید کر ان سب کو علاقے سے نکال باہر کیا۔ حالانکہ جیسا کہ بعض روایات بتلاتی ہیں، نبی اکرمؐ نے ان سے حسن سلوک کرتے رہنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ خلیفہ کے اس طرز عمل کی وجہ جواز یہ تھی کہ جس زمانے میں مسلمان حجاز کی سرحدوں سے ملحق علاقوں سے جہاد کرنے کے لئے جاتے تھے تو ان لوگوں کی موجودگی خطرہ کا باعث بنی رہتی تھی۔

کتب تاریخ بتاتی ہیں کہ جب خلیفہ عمر بن خطاب نے ۱۳ھ میں اپنا دور خلافت شروع ہوتے ہی نجران کے عیسائیوں کو جلاوطن کیا تو ان لوگوں نے عراق میں پناہ گزیں ہوکر وہیں بود و باش اختیار کرلی۔

معجم یاقوت میں ہے کہ نجران میں بنی عبدالمدان نے کعبہ سے مشابہ ایک مکان بنالیا تھا اور یہ لوگ اس کی ویسی ہی تعظیم کیا کرتے تھے جیسی حجاز کے عرب کعبہ کی کرتے تھے۔ یہ مقام ان لوگوں میں کعبۂ نجران کہلاتا تھا۔ جب عیسائیت نجران پہنچی اور وہاں کے باشندوں پر چھاگئی تو کعبۂ نجران بھی ان کو مل گیا اور وہی لوگ اس کے انتظام کے ذمہ دار ہوگئے۔ نجران کے لئے یہ زمانہ عیسائیت کی طرف دعوت دینے کا بہترین دور قرار پاگیا۔ چنانچہ حجاز کے عربوں میں سے بھی خاصے لوگوں نے

یہ مذہب اختیار کرلیا۔ ان میں سے کچھ افراد نے بہت شہرت پائی جیسے کہ حنظلہ طائی جس کے نام سے خانقاہ حنظلہ مشہور تھی اور قس بن ساعدہ جس نے دنیا اور اس کی لذتوں کو ترک کر کے جنگلوں اور پہاڑوں میں بود و باش اختیار کرلی تھی اور وہ انسانوں سے زیادہ جنگلی جانوروں سے محبت کرنے لگا تھا جیسا کہ بعض مورخین بیان کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ بہت افراد تھے جنہوں نے ظہور اسلام سے پہلے نجران کے عیسائیوں کے اثر سے عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا کیونکہ یہ لوگ عرب کے علاقوں میں آباد ہوگئے تھے اور بازاروں اور میلوں میں جہاں عرب تجارت وغیرہ کے لئے جمع ہوا کرتے تھے اپنے مبلغ بھیجتے رہتے تھے۔

ان مبلغوں کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ عوام کے سامنے قیامت، حساب، جنت اور جہنم کا بیان کیا کرتے تھے اور دنیا اور اس کی لذتوں سے نفرت کی تلقین کرتے اور عالم کے وجود میں غور کرنے اور یہاں کے تغیر و تبدل سے نتیجہ اخذ کرنے کی تبلیغ کرتے رہتے تھے۔

باوجودیکہ یہ لوگ جو نجران سے نکلے ہوئے عیسائی مبلغوں سے متاثر ہوئے تھے کتب تاریخ میں دیئے ہوئے اعداد وشمار کے مطابق تعداد میں کم ہی تھے یہ رائے قابل قبول معلوم ہوتی ہے کہ حجاز کے عرب ان دوسری قوموں سے بھی رابطہ رکھتے تھے جو عیسائی اور یہودی مذہب اختیار کئے ہوئے تھیں۔ چنانچہ یہ لوگ ان کے خیالات وعقائد سے ایک تو اس براہ راست تعلق کی وجہ سے مستفید ہوتے تھے اور دوسرے ان کے طریقۂ ابلاغ اور ان تقریروں کی وجہ سے بھی جو وہ لوگ مجمعوں کے سامنے کیا کرتے تھے اور جن میں وہ عیسائیت کے اصول و مقاصد نیز قیامت، حساب وکتاب، جنت و نار اور دیگر حالات وکیفیات بیان کیا کرتے تھے۔

اسی طرح وہ یہودی بھی جو عربی علاقوں میں بس گئے تھے خاص کر وہ جو جنوبی علاقے میں آباد ہوئے تھے توریت کی تعلیمات، قصے اور فرمانرواؤں اور انبیاء کے بارے میں باتیں نشر کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ کثیرالتعداد عربوں نے یہودی مذہب اختیار کرلیا تھا۔ انہی یہودی ہو جانے والوں میں یمن کا ایک بادشاہ ابونواس حمیری بھی تھا۔ جو اس بت پرستی سے روگرداں ہوگیا تھا جس میں اس کی قوم پڑی ہوئی تھی۔ اس نے یہودی مذہب ان یہودیوں سے حاصل کیا جو یمن آ کر آباد ہوگئے تھے۔ یہ وہی ابونواس حمیری تھا جس نے نجران کے عیسائیوں پر فوج کشی کر کے ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ اس کی مار دھاڑ سے یہودی اثر اتنا بڑھ گیا تھا کہ قریب تھا کہ سارے یمن پر حاوی ہوجائے۔

تاریخ یعقوبی وغیرہ میں ہے کہ زرعہ حمیری جو ابونواس کہلاتا تھا یمن کا ایک بادشاہ تھا جو یہودی مذہب پر تھا۔ اس پر ایسا غرور اور تکبر سوار ہوا کہ اس کے ملک میں جو کوئی عیسائی مذہب پر ہوتا وہ اس کو قتل کر ڈالتا۔ ادھر عیسائی مبلغین میں ایک شخص تھا جو قیمیون کہلاتا تھا، اس نے نجران کے علاقے میں عیسائیت کا اظہار کر کے اس کی تبلیغ شروع کردی۔ وہ حالات کی درستی اور غریبوں اور بیماروں کی دیکھ بھال کا دعویٰ کرتا تھا۔ جب کبھی کسی مریض کے بارے میں خبر پاتا وہ اس کے پاس جاکر وعدہ کرتا تھا کہ اگر وہ یہودیت ترک کردے گا تو وہ اللہ سے اس کے لئے دعا کرے گا۔ جب وہ کسی فقیر کو دیکھتا تو اس کو اس کی حاجت کے مطابق عطا کرتا تھا۔ اس طرح وہ اس علاقے میں لوگوں کے درمیان رہتا رہا۔ چنانچہ لوگ اس پر

بھروسہ کرنے لگے اور عیسائی مذہب اختیار کرتے چلے گئے یہاں تک اس کے پیرو سارے نجران میں غالب ہو گئے۔ جب ذونواس کو اس کی خبر پہنچی تو وہ اپنے پیروؤں کا ایک بڑا لشکر لے کر ان کی طرف نکلا اور ان کو یہودیت کی طرف دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ جب وہ اڑے رہے تو اس نے ان کے لئے کھائی کھدوا کر اس میں آگ جلوائی اور ان کے ایک گروہ کو اس میں جھونکوا دیا اور ایسا ہی کرتا گیا یہاں تک کہ ان میں بیس ہزار سے زیادہ افراد آگ اور تلوار کے ذریعے قتل ہو گئے۔ ان میں سے ایک شخص موت سے بچ نکل کر قیصر روم کے پاس جا پہنچا اور ذونواس کے مقابلے کے لئے اس سے مدد کا طلبگار ہوا۔ قیصر نے نجاشی کو لکھا کہ یمن کے بادشاہ ذونواس سے انتقام لے۔ چنانچہ نجاشی نے ارباط کی زیر قیادت ستر ہزار کا ایک لشکر اس کی طرف روانہ کیا۔ انہی میں ابرہہ اشرم تھا جس نے اس کے بعد کعبہ کو تباہ کرنے کے لئے حجاز پر فوج کشی کی تھی۔ چنانچہ ذونواس اور اس کے پیروؤں کو شکست ہوئی اور وہ اپنے گھوڑے پر سمندر کی طرف بھاگ گیا جس کے بعد یعقوبی کی روایت کے مطابق اس کے بارے میں کچھ نہیں سنا گیا۔

اب یمن پر ارباط کو تسلط حاصل ہو گیا لیکن آخر میں ابرہہ اس سے برسرپیکار ہو گیا اور اسی کو غلبہ حاصل ہو گیا اور حالانکہ نجاشی اس سے ناراض رہا کیونکہ اس نے اس کے بھیجے ہوئے شخص ارباط کو قتل کر کے یمن پر قبضہ کر لیا تھا لیکن وہ نجاشی کو راضی کر لینے میں کامیاب ہو گیا۔

بعض تفسیروں میں ہے کہ سورۂ بروج کی ان آیتوں میں یمن کے عیسائیوں کے ساتھ ذونواس کے قصے کی طرف اشارہ ہے:[1]

> قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ۝ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ۝ اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌ۝ وَّهُمۡ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ شُهُوۡدٌ۝ وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ۝ وہ خندق والے لوگ قتل کر ڈالے گئے۔ اس خندق میں آگ بھری ہوئی تھی اور وہ اس پر بیٹھے مومنوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کو صرف یہی بات بری لگی تھی کہ وہ اللہ پر ایمان لائے تھے جو عزت والا اور سزاوار حمد ہے۔ (سورۂ بروج: آیات ۴ تا ۸)

اس بارے میں روایات میں اختلاف ہے کہ کس بات نے ذونواس کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ عربی علاقے کے اس حصے کے باشندوں کے ساتھ ایسا سخت رویہ اختیار کرے۔ بعض روایات بتلاتی ہیں کہ نجران میں ایک یہودی رہتا تھا۔ وہاں کے لوگوں کی اس کے دو بیٹوں سے دشمنی ہو گئی اور انہوں نے ان دونوں کو بے دردی سے قتل کر ڈالا۔

بعض دوسری روایات بتلاتی ہیں کہ عربی علاقے کے اس حصے پر ذونواس کے اقدام کا محرک یہ تھا کہ وہاں حبشیوں کی مدد سے عیسائیت پھیل گئی تھی اور حبشیوں کا اثر قائم ہو گیا تھا۔ جب اس کو پورے علاقے میں حبشیوں کا خطرہ محسوس ہوا تو وہ ان کے قدم آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تاکہ ایسا نہ ہو کہ حبشیوں کا اثر اس کے علاقے تک پہنچنے لگے۔

۱۔ لیکن معتبر تفسیریں اس کی تصدیق نہیں کرتیں۔ بعید نہیں ہے کہ یہ ان اسرائیلیات میں سے ہو جو کعب الاحبار اور اس جیسے لوگوں نے داخل کر دی ہیں۔

اس طرح یہ خیال دوسرے لوگوں کے خیال کی تائید کرتا ہے کہ جب حبشیوں کو معلوم ہوا کہ نجران میں عیسائیوں پر کیا گزری ہے تو انہوں نے کمر ہمت باندھ کر ارباط اور ابرہہ کی قیادت میں ایک بڑا لشکر روانہ کردیا۔ چنانچہ یہ جنگ ان کے حق میں ٹھیری اور انہوں نے اپنا اثر پورے یمن تک پھیلا لیا۔ اب یہودیوں کا سایہ یمن کے علاقوں سے سمٹتا گیا اور اس کی جگہ عیسائیت لیتی چلی گئی۔ ۵۲۵ء سے یمن، تہامہ اور گردونواح میں حبشیوں کا اثر قائم ہوگیا اور ۵۷۵ء تک قائم رہا یہاں تک کہ اہل فارس یمن کے علاقے پر فوج کشی کر کے داخل ہوگئے اور انہوں نے وہاں سے حبشیوں کو نکال باہر کیا۔ البتہ نجران کے عیسائی اہل فارس کی فوج کشی سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ وہاں رہتے رہے تاآنکہ خلیفہ عمر بن خطاب نے ان کے مال و متاع کی قیمت ادا کر کے ان کو وہاں سے جلاوطن کردیا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

بہرحال ماقبل اسلام عرب کی زندگی کے ان پہلوؤں کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ رائے زیادہ قابل قبول ہے کہ عرب ویسے نہیں تھے جیسا کہ بعض عرب لکھنے والے اور مستشرقین ان کی تصویر کشی کرتے ہیں یعنی گویا کہ ان کی عمارت ایسی تھی کہ اس کے ستون ڈھا گئے تھے اس کی بنیادیں اور پشتے تباہ ہوچکے تھے اور ان لوگوں کی رائے کے مطابق اس میں کوئی چیز اپنی صحیح جگہ پر قائم نہ تھی ان لوگوں نے ان کو معقولیت اور فضیلتوں سے محروم دکھا کر ان کو جنگلی درندوں کے ہم پلہ قرار دیدیا تھا جو جس کسی کو دیکھ پاتے ہڑپ کر جاتے۔ نہ وہ رحم و انصاف کو جانتے تھے، نہ مستقل طور پر رہنے اور آباد ہونے سے واقف تھے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ ان کی تاریخ کے گہرے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ماضی احساس برتری، عظمتوں، عزت خیز خوبیوں، جرأتوں، شعرگوئی، پرعقل اقوال اور دوسری ایسی خوبیوں سے بھرا پڑا ہے جن کی بابت تاریخ اور روایات ہم کو اطلاع دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ تجارت میں منہمک رہتے تھے اور انہوں نے فارس اور روم کی سرحدوں پر امیروں کے زیرنگیں علاقے قائم کر رکھے تھے۔ نیز عرب کے بیشتر علاقوں میں عیسائیت اور یہودیت کے مذہب پھیلے ہوئے تھے۔ یہ سب امور ہم کو اس دوسری رائے کی طرف مائل کرتے ہیں جس کے مطابق یہ لوگ دوسری قوموں کی طرح اپنا ذاتی وجود رکھتے تھے اور بزرگی کی ان تمام خصوصیتوں کے حامل تھے جو ان کی بدوی زندگی اور سخت صحرائی طبیعت میں ناممکن تھیں۔

بڑی بات یہ ہے کہ وہ ان مخصوص نظاموں میں سے کسی ایک کے سامنے نہیں جھکے جو ان کے پڑوس کی بڑی بڑی حکومتیں قبول کئے ہوئے تھیں اور ہر قسم کے ایسے تسلط سے گریزاں رہے جو ان کی انفرادی، خاندانی اور قبائلی آزادی پر پابندی عائد کردے۔ غالباً اسی وجہ سے یا بعض اقتصادی وجوہ سے ان کے پڑوس والی حکومتوں جیسے کہ فارس، روم اور حبشہ نے جزیرہ نمائے عرب کے اس حصے پر قبضہ جمانے کی تمنا نہیں کی کیونکہ یہاں کے باشندے آزادی کے بدلے میں کسی چیز کو گوارا نہ کرتے تھے خواہ اس کی نوعیت کچھ بھی ہو۔

بہرحال ہمدانی اپنی کتاب الوشی المرقوم میں کہتا ہے کہ عرب لوگ دوسری قوموں سے رابطہ رکھنے کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ مکہ دینی مرکز تھا عرب اور عجم کی روایات پر حاوی تھے اور اپنی معلومات کو باہم دیگر منتقل کرتے رہتے تھے۔ اس پر احمد امین نے اپنی کتاب فجر الاسلام میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ہمدانی کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہم کو عرب و عجم کے حالات کے بارے

میں جو کچھ بھی ملا ہے وہ صرف عربوں ہی کے واسطے سے ملا ہے۔ انہوں نے مزید کہا ہے کہ ان میں سے جو لوگ مکہ میں سکونت پذیر تھے وہ اصلی عربوں اور اہل کتاب کی روایات سے واقفیت حاصل کر لیتے تھے کیونکہ وہ لوگ دوسرے علاقوں میں تجارت کی خاطر داخل ہوتے تھے اور لوگوں کی روایات اور قوموں کے حالات سے واقف ہوتے رہتے تھے۔ جو لوگ حیرہ میں بسے ہوئے تھے اور عجمیوں کے پڑوسی تھے، وہ ان کی روایات، حمیریوں کی روایات اور ان کے مختلف علاقوں میں جاتے رہنے کی بابت معلومات اور استقلالی زندگی اور ثقافت کے بارے میں ان کے چھوڑے ہوئے ورثے سے واقف ہو جاتے تھے۔ اسی طرح ان میں سے جو لوگ شام کے علاقوں میں رہتے تھے وہ لازمی طور سے رومیوں، اسرائیلیوں اور یونانیوں کی بیشتر روایات سے واقف ہو جاتے تھے۔ یہی حال بحرین، عمان اور یمن وغیرہ کے اور ان صوبہ جات کے عربوں کا تھا جو اپنے اپنے پڑوسی ملکوں سے روابط رکھتے تھے اور ایک دوسرے سے اجتماعی، اقتصادی حتیٰ کہ بعض اوقات دینی معاملات میں بھی لیتے دیتے رہتے تھے۔

ایک امر جس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے اور اس کو مان بھی لینا پڑے گا یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ دوسری قوموں کی عادات اور ان کی زندگی کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور جن سے وہ مستفید ہوئے وہ محدود اور غیر منظم تھیں کیونکہ اس زمانے میں ایسے سامان موجود نہیں تھے جن سے ان کو منظم کیا جاسکتا اس لئے کہ کچھ فطری رکاوٹیں ایسی تھیں جو ان کو اور غیر قوموں کو علیحدہ علیحدہ رکھتی تھیں۔ مثلاً بیابان اور پہاڑ جن میں وہ پوری پوری زندگیاں کاٹ دیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لئے ایسا نظام اختیار کر لیا تھا جس سے وہ مانوس ہو گئے تھے اور وہ ان کی طرز رہائش اور وجود سے ہم آہنگ تھا۔

اس کے علاوہ ان میں انتہائی حد تک جہالت پھیلی ہوئی تھی۔ چنانچہ ایسے حالات اور باہمی فرق کی موجودگی یہ کسی قوم کے لئے دشوار ہے کہ وہ دوسری قوموں کے ساتھ صرف ایسے تجارتی روابط کے نتیجے میں جو وقتاً فوقتاً قائم ہوتے رہتے تھے یا دین کے تبلیغی علاقوں اور ادبی جلسوں کے نتیجے میں جو زیادہ تر بازاروں اور اجتماعات کا مقصد ہوا کرتے تھے ان دوسری قوموں سے اثر لے سکے اور ان سے توقعات کے مطابق فائدے حاصل کر سکے۔ اسی نقطۂ نظر سے ہم ان باقی عربی علاقوں کو دیکھ سکتے ہیں جو فارس اور روم وغیرہ کے اقتدار کے سامنے جھک جاتے تھے کیونکہ فارس اور روم کا بعض عرب علاقوں پر سیاسی اور اقتصادی مقاصد سے حاصل کیا ہوا غلبہ ان علاقوں میں دور رس نتائج نہیں چھوڑتا تھا جیسا کہ ان تمام حملہ آوروں اور نو آبادیات قائم کرنے والے ملکوں کا معمول ہے کہ وہ مغلوب قوموں پر غلبہ جمائے رکھنے اور ان سے فائدے حاصل کرتے رہنے کے علاوہ کوئی اور مقصد سامنے نہیں رکھتے ہیں۔

حالانکہ یہ معلوم ہے کہ ایک جگہ آباد رہنے والی قومیں بھی مختلف ادوار سے گزری ہیں اور آخر میں وہ اس دور میں پہنچی ہیں جہاں عرب دوسری جاہلیت کے زمانے میں پہنچے تھے۔ یہ عقل کے لئے ناقابل قبول ہے کہ جس مقام پر دوسری قومیں ایسے دسیوں برسوں کے بعد پہنچ پائیں جو حادثات اور انقلابات سے بھرے ہوئے تھے۔ اس پر عرب صرف ان رابطوں کے نتیجے میں پہنچ جائیں جو باہمی مصلحتوں کے ماتحت قائم ہوا کرتے تھے۔

—۱—

اصلاح کیلئے عربی تحریک

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عربوں نے دوسری قوموں سے وہی چیزیں اختیار کیں جن کا برداشت کرنا ان کے لئے آسان تھا اور جس کو وہ اپنے میں سمو سکتے تھے۔ عربی ذہن میں تحریک کے عوامل چھٹی صدی عیسوی کے نصف اول میں ظاہر ہونے لگے تھے اور انہوں نے اپنے بہتر مستقبل کے لئے سوچنا شروع کردیا تھا جس کو لاقانونیت اور فساد کے خلاف قانون یا سخت گیر افراد کی حمایت حاصل ہوفکر کے اس انداز کے ایک طبقے میں ابھرتے ہی یہ تیزی سے پھیلتا چلا گیا یہاں تک کہ جب اس کے اسباب بہت ہوگئے تو عرب کے بعض طبقوں میں ایسے عوامل پیدا ہوگئے جو بھلائی کا پیش خیمہ تھے۔ ایسا ان عہدناموں کے سہارے سے ہوا جو فساد اور سرکشی کا مقابلہ کرنے کے لئے ظہور میں آئے تھے۔ یہ مکہ سے شروع ہوئے کیونکہ اس کو خانہ کعبہ کا شہر ہونے کی خصوصیت حاصل تھی جہاں ہر سمت اور ہر علاقے سے عرب لوگ آتے تھے اور جو تمام عربی اجتماعات اور عرب کے قبیلوں کے درمیان معاہدوں کا سب سے بڑا مرکز تھا جو ان کے درمیان روابط کو مضبوط کرنے کے لئے کئے جاتے تھے۔

ان ہی معاہدوں میں ایک اصلاحی معاہدہ **حلف المطیبین** تھا یعنی خوشبو والے افراد کا معاہدہ۔ اس میں عرب کے نمایاں ترین قبیلے شریک تھے تاکہ فساد اور لاقانونیت کو روکا جائے اور حملہ آوروں اور تخریب کاروں سے کعبہ کو بچایا جائے۔ اس کو یہ نام دیئے جانے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شریک ہونے والوں کے لئے عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خوشبو تیار کی تھی اور ان سب نے اس پر اپنے اپنے ہاتھ رکھے تھے جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ سب اس کو مانیں گے اور ہر اس چیز سے اتفاق کریں گے جس میں سب کی بھلائی ہو یہ بھی روایت ہے کہ یہ اس کی حقیقی بہن ام حکیم بیضاء تھی جس نے سب کو جمع کیا تھا اور ان کے لئے خوشبو تیار کی تھی اور یہ کہ اس معاہدے کا نام **حلف بالطابع الدینی** (دینی چھاپ والا معاہدہ) رکھا گیا تھا کیونکہ یہ خانہ کعبہ کی حفاظت اور حق کی طرف دعوت دینے کے لئے کیا گیا تھا۔

ایک **حلف اللعقہ** تھا جس میں بنی مخزوم، بنی عبدالدار، بنی سہم وعدی وغیرہ شریک ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے

ایک گائے ذبح کر کے اس کے خون میں اپنے اپنے ہاتھ رکھے تھے اس علامت کے طور پر کہ وہ مشکلوں اور مصیبتوں میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ معاہدوں کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا یہاں تک کہ حَلَفُ الْفُضُوْل ظہور میں آیا جس کی تعریف نبی اکرمؐ نے مبعوث ہونے کے بعد فرمائی تھی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں عبداللہ بن جُدعان کے گھر میں ایک معاہدے کے وقت شریک تھا جس سے مجھ کو سرخ اونٹوں سے زیادہ مسرت ہوئی۔ اگر ایسے اور معاہدے میں مجھ کو بلایا جاتا تو میں ضرور قبول کرتا۔

اس معاہدے کا نمایاں ترین سبب ظلم و فساد کے خلاف پکار اور ہر طرح سے مظلوم کی مدد کرنا اور ان مکہ والوں کو جو وہاں آنے والوں اور کمزوروں کے ساتھ برا سلوک کیا کرتے تھے ایسی حرکتوں سے باز رکھنا تھا۔

تاریخ یعقوبی میں ہے کہ بنی اسد کا ایک شخص اپنی تجارت کے سلسلے میں مکہ آیا۔ اس سے عاص بن وائل سہمی نے سودا خریدا لیکن مالک کو قیمت دینے سے انکار کر دیا۔ اس شخص نے قبائل قریش سے اس کے خلاف فریاد کی لیکن کسی نے لبیک نہ کہا۔ تب اس نے کوہ ابوقبیس پر چڑھ کر پوری بلند آواز سے یہ اشعار پڑھے:

یا آل فهر لمظلوم بضاعته ببطن مكة نائى الدار والنفر
و محرم اشعث لم يقض عمرته يا للرجال وبين الحجر والحجر
ان الحرام لمن تمت كرامته ولا حرام بثوب الفاجر الغدر

”اے آل فہر! ایک شخص کا مال خاص مکہ میں لوٹ لیا گیا جبکہ وہ اپنے گھر اور اپنے آدمیوں سے دور ہے۔ وہ حالت احرام میں ہے۔ اس کے بال پراگندہ ہیں لیکن وہ عمرہ بھی ادا نہیں کر پایا ہے۔ اے لوگو! جو حجر اسود کے گرد طواف کر رہے ہو، فریاد ہے۔ حرام اس کے لئے ہے جو شرافت کا مالک ہے لیکن جو بدکردار اور بدعہد ہے اس کے لئے کوئی چیز حرام نہیں ہے۔“

اس پر قریش نے عبداللہ بن جُدعان کے گھر میں جمع ہو کر باہم عہد کیا کہ کسی پر خواہ مسافر ہو یا غیر مسافر، ظلم نہیں ہونا چاہئے اور یہ کہ وہ ظالم سے مظلوم کا حق لیا کریں گے۔ ان جمع ہونے والوں میں بنی ہاشم، بنی اسد، بنی زُہرہ وغیرہ تھے۔ تب قریش نے کہا کہ یہ عہد نامہ سب سے بھی بڑھ کر ہے۔ چنانچہ لوگوں نے اس کا نام ہی حلف الفضول رکھ دیا۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس میں شریک ہونے والے تین افراد کے نام فضل پر تھے، وہ تھے فضل بن قضاعہ فضل بن مشاعہ اور فضل بن بضاعہ۔ اس کے بعد ایک جماعت نے جا کر جس میں زبیر بن عبدالمطلب بھی تھے عاص سے اسدی کا حق حاصل کر لیا۔

عاص بن وائل بدعہدی اور قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کے لئے مشہور تھا۔ اسی کے حال میں یہ آیات نازل ہوئی تھیں: اَفَرَاَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالاً وَّوَلَدًا٥ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا٥ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا٥

(سورۂ مریم: آیت ۷۷ تا ۷۹)

چنانچہ ایک مرتبہ اس نے خباب بن ارت سے کہا کہ اس کے لئے ایک تلوار بنادے۔ جب اس نے اس کو بنا کر کام ختم کرلیا تو اس کے پاس لے گیا تا کہ اس کی قیمت حاصل کرے۔ تب وہ کہنے لگا کہ میں تم کو اس وقت قیمت نہیں دوں گا جب تک تم محمدؐ سے انکار نہ کرو گے۔ اس پر خباب نے اس سے کہا کہ میں اس وقت تک انکار نہ کروں گا جب تک تو مجھ کو مار نہ ڈالے اور دوبارہ اٹھائے نہ۔ اب عاص نے کہا کہ کیا میں مروں گا اور پھر اٹھایا بھی جاؤں گا۔ اس نے کہا کہ ضرور۔ اس پر وہ بولا کہ بس تو مجھ کو رہنے دو۔ جب میں اٹھایا جاؤں گا تب ہی تمہاری قیمت بھی تم کو دوں گا۔ اس کے علاوہ اپنے بازاروں اور اجتماعات کو بھی تجارت اور مشکلوں کے حل کرنے کے لئے استعمال کیا کرتے تھے۔

تاریخ تمدن اسلامی میں ہے کہ عربوں کا مکہ سے باہر ایک بازار لگتا تھا جہاں لوگ محترم مہینوں میں جمع ہو کر خیمہ لگالیتے اور خرید و فروخت کرتے تھے نیز اپنے درپیش معاملات کے بارے میں تبادلہ خیالات کرتے تھے۔ ان کے اور بھی بازار تھے جن میں سب سے زیادہ مشہور عُکاظ کا بازار تھا جس میں جزیرہ نما کے ہر سمت سے عربی قبیلے شرکت کیا کرتے تھے اور شعر گوئی، خطابت، داستان گوئی وغیرہ عنوانات پر ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ نیز مشکلوں کے حل کرنے اور جھگڑوں کے چکانے کے لئے جو اس قسم کے موقعوں پر رونما ہو جایا کرتے ہیں قابل افراد سے رجوع کیا کرتے تھے۔

پروفیسر عبدالرحمٰن بدوی اپنی کتاب **محمد رسول الحریہ** میں لکھتے ہیں کہ: سچ تو یہ ہے کہ عُکاظ کا بازار ایک پورا پورا تہوار ہوتا تھا جس میں صرف اکیلے مکہ ہی کے نہیں سارے عرب کے قبیلے شرکت کرتے تھے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ وہاں جزیرۂ عرب کے ہر طرف کے بادشاہ اور رؤساء آیا کرتے تھے کیونکہ وہاں فارس و روم کا مال اور دوسرے بہت سے علاقوں کا مال پیش کیا جاتا تھا۔ اس میں تقریروں اور شعر خوانی کے لئے ممبر نصب کئے جاتے تھے۔ لوگ ایسے قصیدے منتخب کرتے تھے جو اس لائق ہوں کہ کعبہ میں لٹکائے جاسکیں تا کہ ان کا نام تاریخ میں معلقات میں شامل ہو جائے۔ عُکاظ میں لوگوں کے درمیان فیصلے کئے جاتے تھے اور قبیلے اعلان کیا کرتے تھے کہ وہ بدکاری اور جرموں سے بری ہیں۔

عُکاظ میں کنیزوں کے بازار بھی لگتے تھے جن میں ہر قسم کی کنیزیں ہوتی تھیں کالی حبشی عورتیں، روم کی سفید فام عورتیں اور ہندوستان، مصر، فارس اور وسط ایشیاء کی عورتیں۔

اسی کے ساتھ کمزور افراد کو ایسا موقع بہم ہو جاتا تھا کہ وہ آواز دے دے کر ڈاکوؤں سے مقابلے کے لئے جن سے وہ خود مقابلے کی تاب نہ رکھتے تھے اپنی مدد کے لئے بلائیں کیونکہ یہ راہ زن آئے دن چھوٹے قبیلوں اور کمزوروں کی گزرگاہوں پر داؤں چلاتے رہتے تھے جن میں بے فائدہ خونریزیاں ہوجایا کرتی تھیں۔

یہ بازار تجارت اور مال اور ثقافت کے تبادلے کے لئے عجیب حیثیت رکھتا تھا۔ اس میں شاعروں کے پہلو بہ پہلو جو اپنے نسب نامے اور قابل فخر کارنامے بیان کیا کرتے، راہب ہوتے جو اپنے گرجاؤں کے تسلط کے خلاف انتقام کا مطالبہ کرتے، یہودی ہوتے جو اپنی کتابوں کی تلاوت کرتے، شریف قریشی عورتیں ہوتیں جو شوہروں کی تلاش میں مردوں کے سامنے پیش ہوا کرتیں، نجومی ہوتے جو ہندوستان اور فارس سے حاصل کئے ہوئے حکیمانہ اقوال اپنے آراستا و پیراستا جملوں

میں بیان کرتے، بادشاہ اور باثروت افراد ہوتے جو مال و متاع اور کمیاب جواہر کی باتیں کرتے۔ نیز شراب فروش، واعظ، کباڑی، بھیک منگے، بڑے بڑے سوداگر، تاریخ داں اور نسب ناموں کے ماہر غرضیکہ ہر قسم اور ہر رنگ کے افراد ہوتے تھے۔

حجاز کے شہروں میں سے تین شہر یعنی مکہ، مدینہ اور طائف آباد علاقے سے قریب ترین ہیں اور تینوں میں سب سے قریب مکہ ہے کیونکہ وہ دینی اور تجارتی مرکز ہے۔ چنانچہ تجارتی گزرگاہ پر واقع ہے اور جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں سے ہر سال حج کرنے والے وہاں آتے رہتے ہیں جیسا کہ ہم کئی بار بیان کر چکے ہیں۔

بنی خزاعہ اور عدنانیوں کے درمیان مکہ کی سربراہی

بیشتر مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ جب آرب کا بند پھٹ کر اس کے پانی سے بیشتر آباد علاقے غرق آب ہوگئے تو بنی خزاعہ یمن سے نکل کر مکہ پر قابض ہوئے اور انہوں نے اس پر تسلط حاصل کر لیا۔ چنانچہ بیشتر مؤرخین کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر ان کی سربراہی دو صدیوں سے زیادہ مدت تک چلتی رہی۔ پھر ان سے وہ عدنانیوں کو منتقل ہوگئی اور وہ مکہ اور گرد و نواح پر قابض ہوگئے۔ پانچویں صدی عیسوی کے اول نصف میں ان میں سے ایک شخص قُصَیّ بن کلاب ابھرا اس نے کعبہ کے متولی کی بیٹی سے جو ایک خزاعی تھا شادی کر لی۔ اس عورت سے اس کے متعدد لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں اور ان ہی میں سے ایک عبد مناف بھی تھے جو بنی ہاشم اور بنی امیہ قبیلوں کے جد امجد تھے۔ اس کے خزاعی باپ نے اپنے مرنے سے پہلے وصیت کے ذریعہ کعبہ کی تولیت اپنی بیٹی کے سپرد کر دی تھی لیکن اس نے اس وصیت کے قبول کرنے سے معذوری ظاہر کی کیونکہ عبادت گاہ کی نگہداشت ایسی محنت چاہتی تھی جو اس جیسی عورت انجام نہ دے سکتی تھی۔ اس پر اس کا باپ مجبور ہوا کہ یہ نگہداشت اپنے لڑکے ''محترش'' کے سپرد کر دے اس سے قصی کو موقع مل گیا کہ کعبہ کی نگہداشت قریشیوں کو واپس دلوا دے۔ چنانچہ اس نے محترش کی کمزوری اور بے راہ روی سے فائدہ اٹھا کر کعبہ کی نگہداری اس سے ایک مشک شراب کے عوض خرید لی جیسا کہ ابن کثیر کی روایت میں ہے۔

بنی خزاعہ نے قصی کے اس فعل کو اپنی سربراہی حیثیت پر حملہ اور اپنے اس رسوخ میں کمی کا باعث قرار دیا جس کی بدولت ان کو کعبہ پر شرف حاصل تھا۔ چنانچہ انہوں نے قریش پر حملہ کر دیا اور دونوں جانب ایک زمانہ تک خونریز لڑائیاں ہوتی رہیں۔ بالآخر یہ بعض قریشیوں کے ثالثی فیصلہ کر دینے پر اختتام کو پہنچی جس میں فیصلہ قصی کے حق میں ہوا۔ اس طرح یہ شخص اہلِ مکہ اور دوسروں میں قابل اطاعت سردار مان لیا گیا۔ اس نے مکہ کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک حصہ ایک ایک قبیلہ کے حوالہ کر دیا۔ اس طرح اس کی آبادی میں وسعت پیدا ہوگئی اور لوگ خانہ کعبہ کی جائے وقوع اس میں ہونے کی وجہ سے اس کی طرف ہجرت کر کے آنے لگے۔ خانہ کعبہ کی نگہداشت قصی کے گھرانے میں رہی اور اسلام کے ظہور کے بعد تک ایک مورث سے دوسرے وارث کو منتقل ہوتی رہی۔ چنانچہ قصی کے بعد ان کے بیٹے عبد مناف اس پر متمکن ہوئے جو بنی امیہ اور بنی ہاشم دونوں کے دادا تھے۔ ہاشم بن عبد مناف سے ہاشمیوں کا

سلسلہ جاری ہوا۔ اسی طرح امویوں کا سلسلہ ان کے حقیقی بھائی عبدالشمس سے چلا۔

یعقوبی کی روایت میں ہے کہ کِلاب بن مُرّہ کے دو بیٹے قصیؔ اور زہرہ ان کی بیوی فاطمہ بنت سعد بن سیل ازدی سے تھے جن کے متعلق کسی شاعر نے کہا تھا کہ:

لا اری فی الناس شخصا واحدا　　فعلموا ذاک کسعد بن سیل

''جان رکھو کہ میں نے تمام لوگوں میں سعد بن سیل کی مانند کوئی شخص نہیں دیکھا۔''

جب ان کے شوہر کلاب کا انتقال ہوگیا تو انہوں نے ربیعہ بن حرام عذری سے تزویج کرلی اور وہ ان کو لے کر اپنی قوم کے علاقہ میں چلے گئے چنانچہ اپنے ساتھ وہ اپنے بیٹے قصی کو بھی لے کر چلی گئیں۔ انہوں نے خود اس کا نام زید رکھا لیکن جب وہ اپنے ملک سے دور ہوگئے تو انہوں نے خود ان کا نام قصی رکھوایا چناچہ وہ ربیعہ کی زیرِ تربیت جوان ہوئے۔ ایک روز بنی عُذرہ کے ایک شخص نے ان سے کہا کہ آپ اپنے آپ کو اپنے ہی لوگوں سے منسوب کیجئے کیونکہ آپ ہم میں سے نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ خود ان لوگوں کے علاوہ جن میں وہ رہتے تھے کسی اور کو وہ جانتے ہی نہ تھے۔ جب انہوں نے اپنی ماں سے وہ بات بیان کی جو عذری نے ان سے کہی تھی تو انہوں نے کہا کہ تم اس سے زیادہ باعزت ہو اپنی ذات کے لحاظ سے، باپ کے لحاظ سے بھی، اور نسب کے لحاظ سے بھی، تم کِلاب بن مُرّہ کے بیٹے ہو اور تمہاری قوم اللہ کی آل ہے اور اس کے حرم میں ہے۔ اس طرح انہوں نے ان کے اس احساس کو اُبھار دیا اور ان کو اپنی قوم اور اپنے وطن سے دوری کا احساس ہونے لگا۔ چنانچہ ان کو یہ برا لگنے لگا کہ وہ ایسے لوگوں میں زندگی گزاریں جن سے نسب اور خون کا کوئی رشتہ نہیں ہے لیکن ان کی ماں نے حج کے زمانہ سے پہلے ان کو تنہا مکہ جانے سے منع کردیا۔ البتہ زمانۂ حج میں ان کو قضاعہ کے حاجیوں کے ساتھ تیار کردیا وہ مکہ میں رہنے لگے اور وہاں کے باشندوں میں نمایاں ہوگئے۔ اس زمانہ میں خانۂ کعبہ کی دربانی بنی ایاد کے ہاتھوں میں تھی۔ جب وہ مکہ سے چلے تو انہوں نے کوشش کی کہ خانۂ کعبہ کے رکن کو اپنے ساتھ لئے جائیں لیکن جب وہ اونٹ اٹھ نہ سکا تو انہوں نے اس کو ایسے مقام پر دفن کردیا جس سے ان کے خیال میں کوئی مکی شخص واقف نہ تھا۔ البتہ بنی خزاعہ کی ایک عورت نے ان کو دیکھ لیا تھا حالانکہ وہ اس کو چھپا رہے تھے۔ چنانچہ اس عورت نے اپنی قوم کو اس سے آگاہ کردیا اور ان لوگوں نے اسے اس کے مقام پر واپس لگادیا۔ یہ لوگ ایک مدت تک خانۂ کعبہ کی دربانی کرتے رہے۔ جب قصی بن کلاب جوان ہوکر اس قابل ہوگئے کہ غوث بن مُرّہ کو اجازہ[1] کے عہدہ سے معزول کردیں تو بنی خزاعہ کو خوف ہوا کہ ان سے خانۂ کعبہ کی دربانی جاتی رہے گی اور یہی وہ اہم حیثیت تھی جس میں اہل مکہ وغیرہ کی مکمل سربراہی پیوستہ تھی۔ چنانچہ یہ لوگ اپنے حلیفوں کو لے کر ان سے جنگ کرنے کے لئے اکٹھے ہوگئے۔ ادھر انہوں نے قریشیوں اور ان کے حلیفوں کو اکٹھا کرلیا اور ماں کی طرف سے اپنے بھائی دراج بن ربیعہ بن عوف سے کمک طلب کرلی۔ انہوں نے اپنے آدمیوں کی ایک

---

[1] اجازۃ سے مراد حاجیوں کو اعمال حج شروع کرنے اور عرفات سے چلنے کی اجازت دینا ہے۔ یعنی لوگ ان کی اجازت کے بغیر نہ اعمال حج بجالاسکتے تھے نہ عرفات سے جاسکتے تھے۔

جماعت سے ان کی کمک کی جن کی قیادت انہوں نے خود کی۔ اس طرح وہ اپنے بھائی قصی سے مل کر بنی خزاعہ اور ان کے حلیفوں سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ اس طرح ان کے ہاتھ مضبوط ہوگئے اور ان کے اور مخالفوں کے درمیان مقام ابطح پر خونریز جنگیں شروع ہوگئیں جن میں طرفین سے ہر ایک کے کثیر التعداد ساتھی مارے گئے۔ بالآخر یہ جنگیں اشراف عرب میں سے ایک شخص یعمر بن عوف بن کعب بن لیث کے ثالثی فیصلہ کے ذریعہ ختم ہوئیں۔ انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ خانہ کعبہ کی دربانی اور مکہ کی سربراہی کے لئے خزاعہ سے زیادہ قصیؔ حقدار ہیں اور یہ کہ قصی اور ان کی جماعت نے خزاعہ کے جو آدمی قتل کیے ہیں اس کے لئے ان پر کچھ واجب الادا نہیں ہے البتہ خزاعہ پر قصی کے مقتولین کا خون بہا واجب ہے۔ نیز یہ کہ وہ خانہ کعبہ اور مکہ کو قصیؔ کے لئے رہنے دیں تاکہ وہ جیسی مصلحت سمجھیں ویسا کریں۔

چنانچہ قصی نے وہ ذمہ داری سنبھال لی جو ان کو حاصل ہوئی تھی۔ اور پہلا کام جو انہوں نے فوراً انجام دیا یہ تھا کہ قریشیوں کو حرم میں جمع کر کے ان کو وہاں سکونت پذیر کر دیا کیونکہ وہ اب تک صرف دن میں وہاں قیام کرتے تھے اور شام ہو جانے پر وہاں سے نکل کر اپنے ان مکانوں میں چلے جاتے تھے جو انہوں نے حرم سے باہر اپنے لئے بنالئے تھے۔

اس لحاظ سے کہ اپنے اس عمل میں وہ معمول سے آگے بڑھ گئے تھے اور انہوں نے قریش کو دوسروں پر ایسا امتیاز عطا کر دیا تھا جو ان کی شان کو بڑھا دیتا تھا ان کو عرب کے کنانہ وغیرہ صاحبان وقار سے اس عمل پر نہایت تلخ سلوک کا سامنا کرنا پڑا اور اس کی وجہ سے وہ عربوں کے انتقام کا نشانہ بن گئے۔ لیکن حکمت عملی سے وہ لوگوں کی نظریں اپنے اس عمل پر سے ہٹانے میں کامیاب ہوگئے۔ انہوں نے قریش کو جمع کر کے ہر فرد پر مال کی ایک مقدار مقرر کر دی کہ وہ اس سے زمانہ حج میں آنے والوں کے لئے کھانا تیار کرے اور مکہ آنے والے ہر راستے پر اونٹ نحر کروائے اور مکہ میں ایسے مقامات معین کر دیئے جہاں حاجیوں کے لئے کھانا مہیا رہتا۔ چنانچہ ان سب کو کھانا کھلایا جاتا اور دودھ پلایا جاتا۔ اس طرح لوگوں کو ان کے عہد میں وہ کچھ ملا جو کسی اور کے عہد میں نہ ملا تھا۔ اس لئے وہ لوگ ان کی طرف مائل ہو کر جو کچھ وہ کرتے اس کی حمایت کرنے لگے۔ اور وہ خانۂ کعبہ کی حفاظت اور اس پر اپنی سربراہی قائم رکھنے کے لئے عمل پیرا رہے۔ انہوں نے کعبہ کے لئے ایک حجاب مقرر کر دیا۔ اور بنی خزاعہ اور خانۂ کعبہ کے درمیان رکاوٹ قائم کرنے کے لئے جو کچھ وہ اپنی شان کے مطابق کر سکتے تھے وہ کرتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے مکہ میں اپنا مکان بنوایا جو بعد میں دارالندوہ کے نام سے مشہور ہوگیا اس وقت اس کے علاوہ کوئی ایسا مکان نہ تھا۔ اس کے بعد انہوں نے لوگوں کو وہاں مکان بنوانے پر متوجہ کیا۔ کیونکہ ابتک وہ گھاٹیوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہا کرتے تھے۔ انہوں نے ان سب کو مکہ میں اکٹھا کر دیا اور اس کی وادیوں کو چار حصوں میں قریشیوں کے مابین تقسیم کر دیا۔ اس پر لوگوں نے ان کا نام ''مجمع'' (اکٹھا کرنے والا) رکھ دیا۔ اپنے اس قول میں شاعر نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

ابو کم قصیّ کان یدعی مجمعاً ‏ ‏ ‏ به جمع اللّٰہ القبائل من فھر

''تم سب کے باپ قصی ہیں جو مجمع کہلاتے تھے کیونکہ ان ہی کی بدولت اللہ نے فہر کے تمام قبیلوں کو اکٹھا کر دیا تھا۔''

جب ان کا معاملہ پکا ہوگیا اور قریب اور دور کے عرب ان کے سامنے جھک گئے تو انہوں نے خانۂ کعبہ کو پھر سے مضبوط طریقہ پر بنایا۔ انہوں نے اس کی دیواروں کو کئی گنا اونچا کردیا جتنی کہ وہ پہلے تھیں۔ اور حاجیوں کو آبرسانی اور سربراہی کے لئے اپنے بیٹے مغیرہ کے حق میں وصیت کی جو عبد مناف کہلاتے تھے اور انہوں نے اپنے باقی لڑکوں میں سے ہر ایک کے لئے زمانۂ حج میں کرنے کے لئے ایک ایک کام مقرر کردیا۔ ان کے بعد عبدمناف کے حق میں معاملات درست ہوگئے۔ چنانچہ بنی خزاعہ اور بنی حارث بن عبدمناف بن کنانہ نے آکر ان کے ساتھ حلیف ہونے کا معاہدہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے ان سب کے ساتھ معاہدہ کرلیا جو حلف الاحابیش کہلایا۔[1]

یعقوبی کی روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے یہ عہد خانۂ کعبہ کے قریب کیا اس طرح کہ وہ سب اپنے اپنے ہاتھ رکن پر رکھ کر ہر اس شخص کے خلاف ان لوگوں کی نصرت اور حمایت کا عہد کرتے تھے جو ان کے خلاف سازش کرے اور ہر اس امر سے وفا کرنے کا عہد کرتے تھے جس کے یہ لوگ پابند ہوں۔

تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ قریشی جن کو عرب کی سرداری حاصل تھی اس وجہ سے کہ وہ خانۂ کعبہ پر حکمرانی کرتے تھے اور اس کے دامن میں سکونت پذیر تھے وہی افراد ہیں جو فہر بن مالک کی اولاد ہیں اور قریش کہلاتے تھے۔ جو ان کی اولاد سے نہ ہو وہ قریشی نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا یہ نام پڑجانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بہت طاقتور اور سخت پنڈلیوں والے تھے اور اپنی قوت میں ایک بحری جانور سے مشابہ تھے جس کو "قرش" کہتے تھے۔ وہ ہر اس بحری جانور کو جو اس کے سامنے آتا پھاڑ ڈالتا تھا اور اس پر غالب آجاتا تھا چنانچہ ان کا یہ نام ان کی صفت کی وجہ سے پڑگیا نہ کہ ان کے بارے میں علم کی وجہ سے۔

اس رائے کے مقابلے میں کچھ صاحبان تاریخ نے یہ کہا ہے کہ قریشی اس نام سے قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک سے پہلے واقف نہ تھے اور یہ نام فہر کی اولاد میں ہونے والے افراد کا اس وقت سے پڑگیا جب قصی نے ان سب کو حرم کے اردگرد جمع کرکے اس کے دامن میں آباد کردیا حالانکہ اس سے پہلے وہ مکہ کی گھاٹیوں اور وادیوں میں رہا کرتے تھے اس پر لوگوں نے ان کو قریش کہنا شروع کردیا کیونکہ اس لفظ کے معنی جمع ہونے کے ہیں۔

بہرحال اس گھرانے کو ممتاز کرنے میں قصی کا بہت حصہ تھا کیونکہ اگر ان کی محنت اور تدبیر شامل حال نہ ہوتی تو اس زمانہ میں وہ قابل ذکر شے نہ ہوتا وہ اپنی حکمت عملی سے ایسا کرگئے کہ لوگوں کی نظریں ان کی طرف اٹھنے لگیں اور عرب اس کے چاروں طرف جمع ہونے لگے کیونکہ وہ ایام حج میں آنے والوں کو کھانا کھلاتے تھے ان کی دیکھ بھال کرتے تھے اور ان کے مفادات کی نگرانی کرتے تھے۔ جب ان کے بیٹے عبدمناف کا زمانہ آیا تو وہ بھی اپنی خوش طبعی اور حکمت عملی سے اس سربراہی کو قائم رکھنے اور اس کو مضبوط بنانے میں کامیاب رہے۔ اس کے لئے انہوں نے دوسرے عربوں سے مظلوموں کی مدد کرنے اور زیادتی کرنے والوں اور سرکشی کرنے والوں کی سازش کا مقابلہ کرنے کے لئے معاہدے کئے۔

---

[1] اس کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مکان جس میں اس عہد نامہ کی تکمیل ہوئی جبل حبیش کہلاتا تھا۔ یہ مکہ سے چھ میل پر تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس عہد نامے کیلئے بنی ہون، بنی حرث اور بنی مصطلق اکٹھے ہوئے تھے اور حبیش کے معنی مجتمع یعنی اکٹھا ہونے کے ہیں۔

عربوں کو ان کے زمانہ میں ایسا سکون اور اطمینان حاصل رہا جو ان کے باپ کے زمانہ سے بھی زیادہ تھا۔ ان کے بیٹوں میں سب سے زیادہ ممتاز عمر والعلا تھے جو بعد میں ہاشم کہلائے کیونکہ انہوں نے قحط سالی کے زمانہ میں بھوکوں کو کھانا کھلایا تھا اور ان کے لئے گھٹا ہوا ''ثرید'' تیار کرایا تھا۔ پس ان پر یہ صفت (ہاشم یعنی گھوٹنے والا) عائد ہوگئی تھی اور وہ کسی اور نام سے معروف نہیں رہے۔ وہ قریش کی سرداری پر اپنے حقیقی بھائیوں عبدشمس، مطلب، نوفل، اور ابوعمرو کی موجودگی میں فائز ہوئے۔ قصہ یہ مشہور ہے کہ ہاشم اپنے حقیقی بھائی عبدشمس کے جڑواں بھائی تھے عبدشمس بعد میں پیدا ہوئے لیکن ان کا پچھلا حصہ ان کے پچھلے حصے سے جڑا ہوا تھا جس کی وجہ سے قابلہ کو مجبوراً ان دونوں کو ایک نشتر کے ذریعہ سے جو اس کے ہاتھ میں تھا الگ الگ کرنا پڑا۔ اسی روز یہ کہا گیا ان دونوں میں ایسی دشمنی رہے گی جو کبھی کسی میں نہ رہی ہوگی۔

یہ صحیح پیشنگوئی تھی کیونکہ بنی ہاشم اور بنی عبدشمس میں ایسی دشمنی قائم رہی جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی، اس کی داغ بیل اس وقت پڑگئی جب عمرو العلاء خانۂ کعبہ کی تولیت پر فائز ہوئے۔ کیونکہ اسی عہدہ میں مکہ کی اور عام عربوں کی سربراہی شامل تھی جو فریضۂ حج ادا کرنے اور دوسری ضروریات سے مکہ آیا کرتے تھے۔ عبدشمس کے بیٹے امیہ نے ان سے اس کے لئے جھگڑا کیا اور اس کو خود لینا چاہا۔ جب قریش نے اس کو ثالثی فیصلہ کرانے پر اصرار کیا تو اس نے بنی خزاعہ کے ایک نجومی کو ثالثی بنایا اور دونوں نے یہ شرطیں مان لیں کہ جس کو حق پر قرار دیا جائے گا اس کو پچاس اونٹ ملیں گے اور ہارنے والے کو بیس سال تک مکہ سے دور رہنا پڑے گا۔ اس ثالثی کے فیصلہ کا نتیجہ ہاشم کے حق میں ہوا چنانچہ انہوں نے بھیجے سے اونٹ حاصل کر کے ان کو حاجیوں اور دیگر آنے والوں کے لئے ذبح کرڈالا۔ اور امیہ شام کے علاقہ کی طرف چلا گیا جہاں وہ بیس سال تک حجاز سے جلاوطن ہوکر رہتا رہا۔ اور سربراہی کا شرف اس کے چچا ہاشم کے گھر کو حاصل ہوا۔ اور ان سے ان کے بیٹے شیبہ معروف بہ عبدالمطلب کو منتقل ہوا۔ ان کے والد ہاشم تجارت کے لئے شام کے علاقوں میں جایا کرتے تھے اور جس کسی عربی قبیلے کی طرف سے گزرتے ان کا مال تجارت بھی لے جاتے لیکن ان سے اس کا عوض نہ لیتے تھے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ ان کی موت غزہ میں واقع ہوئی۔ اس پر قریش نے بہت رنج کیا اور ان کو خوف ہوا کہ ان کی سرداری سمٹ کر عرب تک محدود ہو جائے گی۔ چنانچہ عبدشمس نجاشی کے پاس گیا تاکہ اس سے ان معاہدوں کی تجدید کرے جو اس کے اور قریشیوں کے مابین تھے اور نوفل بن عبدمناف عراق گئے تاکہ کسریٰ سے رابطہ کریں لیکن ان دونون کی قسمت میں زیادہ زندگی نہ تھی۔ چنانچہ عبدشمس مکہ واپس آنے کے کچھ دن بعد مرگیا اور نوفل ایک مقام پر جس کو سلمان کہتے تھے وفات پاگئے۔ اب مطلب بن عبدمناف اپنے بھائی ہاشم کے بعد سربراہی پر متمکن ہوگئے۔ ادھر ہاشم کے لڑکوں میں عبدالمطلب اور شفاء تھے جو ان کی بیوی سلمیٰ بنت عمرو بن زید بن خداش بنی نجّار سے تھے اور نضلہ بھی تھے جو ان کی بیوی اُمیمہ بنت عدی سے تھے۔ اور اسد تھے جو امام علیؑ ابن ابی طالبؑ کے نانا اور ان کی بیوی قیلہ بنت عامر بن مالک سے تھے۔ نیز ان کے اور بھی لڑکے لڑکیاں مختلف ماؤں سے تھیں۔

یہ بھی اتفاق ہوا کہ ہاشم اپنی بیوی سلمی اور ان کے بیٹے شیبہ کو لے کر ان کے گھرانہ والوں بنی نجّار کے یہاں

یثرب گئے۔ وہیں سے وہ اپنے آخری تجارتی سفر پر نکلے جس میں ان کی وفات واقع ہوئی۔ جب ان کی بیوی کو ان کی خبر وفات پہنچی تو وہ اپنے بیٹے سمیت اپنے گھرانہ والوں ہی میں رہتی رہیں تا آنکہ وہ جوان ہوگئے۔ اتفاقاً تہامہ کا ایک شخص یثرب کی طرف سے گزرا اور اس نے دیکھا کہ ایک سڑک پر لڑکے کھیل رہے ہیں ان ہی میں ایک لڑکا ہے جو اپنے ساتھیوں سے جیت جاتا ہے تو فخریہ کہتا ہے کہ میں سردار بطحا ہاشم کا بیٹا ہوں۔ اس شخص نے ان سے پوچھا اے بیٹے آپ کون ہیں۔ اس پر انہوں نے اپنا نسب بیان کیا۔ جب یہ تہامی مکہ سے گزرا تو وہاں اس نے مطلب کو صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے پایا اور لوگ ان کے چاروں طرف حلقہ کئے ہوئے تھے۔ اس نے ان سے اس کے بھتیجے کا حال بیان کیا۔

اس کے علاوہ اس نے ان سے یہ بھی کہا کہ اس نے ان سے زیادہ خوش طبع لڑکا نہیں دیکھا۔ مطلب اسی وقت کھڑے ہوگئے اور اپنی سواری تیار کر کے مدینہ روانہ ہوگئے وہاں پہنچ کر قبیلہ بنی نجّار کی طرف روانہ ہوگئے اور وہاں انہوں نے لوگوں کے گروہ میں ایک لڑکے کو دیکھا جس کو وہ سمجھ گئے کہ ان کا بھتیجا ہے۔ پھر بھی ضروری تھا کہ وہ دریافت کرلیں تاکہ بات پکی ہوجائے چنانچہ انہوں نے لوگوں سے ان کے بارے میں دریافت کیا جس پر لوگوں نے اس کے نسب کی بابت بتلادیا۔ جب ان لوگوں کو ان کا مقصد معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو رائے دی کہ وہ ان کو اٹھالیں اور اپنے ساتھ لے جائیں قبل اس کے کہ ان کی ماں کو علم ہو۔ چنانچہ انہوں نے اپنی سواری کو بٹھا کر کہا کہ اے بھتیجے آجاؤ۔ صاحبزادے نے کوئی پس وپیش نہیں کیا بلکہ بڑھ کر چچا کے ساتھ بیٹھ گئے اور ان کے ساتھ مکہ کی راہ پر روانہ ہوگئے۔ جب وہ مکہ میں داخل ہوئے تو لوگ بازاروں میں خرید وفروخت میں مشغول تھے۔ سب نے ان کے پہنچنے پر خیر مقدم کیا اور ان صاحبزادے کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے جواب میں ان لوگوں سے کہہ دیا کہ اسے میں یثرب سے خرید کرلایا ہوں۔ پھر وہ ان کو اپنے گھر لے گئے۔ ان کو اچھا لباس دیا ان کو پیار کیا اور قریب ترین مقام عطا کیا اور اپنے لڑکوں پر افضل قرار دیا۔ جب یہ مکہ کی سڑکوں اور بازاروں میں جاتے تو لوگ کہا کرتے کہ عبدالمطلب (مطلب کا غلام) ہے۔ چنانچہ ان کا یہی نام پڑگیا اور اس کے علاوہ ان کا کوئی اور نام مشہور نہیں ہوا۔

جب مطلب نے یمن کی جانب سفر اختیار کیا تو ان اہم کاموں کی وجہ سے جو ان کو وہاں درپیش تھے ان کے قیام میں طول ہوگیا اور انہوں نے لوگوں کو اپنے حسب ونسب سے آگاہ کیا ان کے چچا نے اپنے اس سفر میں ملک یمن کے ایک مقام ردمان میں وفات پائی۔

صاحبان اخبار کے نزدیک زیادہ قابل ترجیح رائے یہ ہے کہ مطلب ان کے مقام سے (یعنی جہاں ان کے بھتیجے عبدالمطلب تھے) واقف تھے لیکن انہوں نے ان کو ان کی ماں کے پاس رہنے دیا یہاں تک کہ وہ اپنی ذات پر قابو رکھنے کے قابل ہوکر ان سے علیحدہ ہوسکیں جب وہ ایسے سن کو پہنچ گئے کہ اپنی ماں سے علیحدہ رہ سکیں تو انہوں نے مدینہ جاکر ان کی ماں سے ان کو طلب کیا اور انہوں نے ان کو اپنے قبیلہ میں شامل کرلئے جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی، اب ان کے ساتھ یہ ہوا کہ اس کے سبب سے جو ہم بیان کرچکے ہیں ان کا نام عبدالمطلب پڑگیا۔ چنانچہ وہ اپنے چچا مطلب کے ساتھ رہ کر وہ

تمام کام انجام دینے لگے جو وہ ان کے سپرد کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا ستارہ چمکا، ان کی شہرت پھیلی اور کچھ دنوں میں وہ اہل مکہ کی سرداری کے لئے اپنے چچا کے وارث ہوئے۔

ان کی سرداری کو مستحکم کرنے والے ایسے ایسے کام ان کے ہاتھوں انجام پاتے رہے جو کسی اور سے حتیٰ کہ خود ان کے گھرانے سے نہ ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے چاہ زمزم کھدوا کر اس کا پانی اہل مکہ اور حاجیوں کے لئے قابل حصول بنادیا۔ اس کے لئے انہوں نے کسی سے کچھ حاصل نہیں کیا۔ وہ خود اور ان کی قوم والوں میں سے کچھ افراد حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے دین پر قائم رہے۔ اتفاق یہ ہوا کہ حبشہ کے بادشاہ ابرہہ نے اپنے لشکر اور ساتھیوں کو لے کر مکہ پر چڑھائی کردی۔ مکہ والوں میں اس کے مقابلے کی تاب نہ تھی۔ اپنے اس حملے میں اہل مکہ کو خوفزدہ کرنے کے لئے وہ ہاتھی بھی لایا تھا۔ اس کا ارادہ خانۂ کعبہ کو تباہ کرنے کا تھا۔ چنانچہ اہل مکہ میں خوف و ہراس پھیل گیا اور وہ جانوں اور مال کے خوف سے پہاڑوں اور وادیوں کے اندر چلے گئے لیکن عبدالمطلب اپنے اللہ پر پورا بھروسا کئے ہوئے خانۂ کعبہ کے دامن سے لگے رہے کیونکہ ان کو یقین تھا کہ خدا اپنے گھر سے لگے رہنے والے اور اس میں پناہ لینے والے کو تنہا نہ چھوڑے گا۔

جب وہ حملہ آوروں سے ملے تو ان لوگوں کو آپ کی عزت و توقیر کئے بغیر بن نہ پڑی اور انہوں نے آپ سے کہا کہ اپنی حاجتیں بیان کریں۔ اس پر انہوں نے ان سے اپنے وہ اونٹ واپس مانگے، جو حبشی لوگ اہل مکہ کے مال و متاع کے ساتھ اٹھا لے گئے تھے اور خانۂ کعبہ کے معاملے کی بابت کوئی بات نہ کی۔ ان کے اس طرز عمل نے حملہ آوروں کو حیران کردیا کیونکہ وہ اس مطالبے کو حقیر سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ ان سے خانۂ کعبہ سے واپس چلے جانے کا مطالبہ کریں گے کیونکہ وہ ان کے لئے ساری دولت سے زیادہ بیش بہا اور قابل عزت تھا۔ لیکن عبدالمطلب نے یہ کہہ کر ان کو پشیمان کردیا کہ میں نے اپنے اونٹ اس لئے طلب کئے ہیں کہ میں ان کا پالنے والا اور مالک ہوں۔ رہا یہ گھر جس پر تمہاری نظریں ہیں، اس کا بھی مالک اور پالنے والا ہے اور وہی تم کو اس سے دور کرے گا اور پوری طاقت سے اس کی حفاظت کرے گا۔

اخباریوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے خانۂ کعبہ کے پہلو میں کھڑے ہوکر یہ اشعار پڑھے:

لا هم ان المرء يمنع حله   فامنع حلالك

لا يغلبن صليبهم و محالهم   عدوا محالك

ولئن فعلت فانه   امرتتم به فعالك

"(اے اللہ) یہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے کہ تیرے گھر کی حفاظت کرے پس تو خود ہی اپنے گھر کو محفوظ رکھ۔ ان کے حملے اور ان کی چالیں تیری چالوں کے مقابلے میں غلبہ حاصل نہیں کرسکتیں۔ اگر میں کچھ کروں بھی تب بھی معاملے کا سرانجام تیری ہی طرف سے ہوگا۔"

چنانچہ وہ خانۂ کعبہ سے لگے رہے اور اللہ سے مدد مانگتے اور فریاد کرتے رہے۔ جب ان کو پرندوں کے وہ غول دکھائی دیئے جن سے مکہ کی پوری تاریخ ناآشنا تھی تو انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بھیجا کہ صورت حال معلوم کرکے آئیں۔

دیر نہ ہوئی تھی کہ انہوں نے تیزی سے واپس آ کر ان کو یہ خوشخبری سنائی کہ حملہ آوروں پر وہ گزری ہے جس کا بیان ممکن نہیں۔ سوائے اس کے کہ اللہ نے اپنے محترم گھر اور اس کی بقاء کے لئے خاص اہتمام کیا ہے۔

اس نے کافروں کو ان کی چالوں کے باوجود اس طرح واپس پلٹا دیا کہ وہ کچھ حاصل نہ کر سکے اور اللہ نے جنگ میں مومنین کی امداد کی۔ اللہ نے ان کا قصہ اپنی معزز کتاب کی سورۃ فیل میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ○ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ○ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ○ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ○ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ○

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا اس نے ان کی چال کو بیکار نہیں کر دیا اور ان پر دل کے دل پرندے بھیجے جو ان پر پتھر اور مٹی کی کنکریاں پھینکتے رہے۔ پھر ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا۔“

یہ ایسا تاریخی واقعہ ہے جس کی قرآن جیسی کتاب نے تصدیق کر دی ہے جس میں آگے سے یا پیچھے سے غلط چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ نہ اس واقعہ سے عقل کو انکار کی گنجائش ہے بلکہ اس کو تمام مورخوں اور محدثوں نے ایسے اختلافات کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے اس کی تفصیلات اور متعلقات میں تو شک ہوتا ہے لیکن اصل واقعہ میں جس پر اس کا دارومدار ہے شک نہیں ہوتا۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اہل حبش یمن پر قابض ہوئے تو انہوں نے خانۂ کعبہ کو تباہ کرنے کے ارادے سے مکہ کا رخ کیا کیونکہ سارے عرب اپنی عادتوں اور دیگر نمایاں چیزوں میں باہمی اختلافات اور ایک دوسرے سے دور ہونے اور علیحدگی کے باوجود اس کے معاملہ میں متحد تھے اور حملہ آور سمجھتے تھے کہ یہ ان کی قوت اور پڑوسی قوموں سے آزادی برقرار رکھنے کا مرکز تھا۔ اگر یہ ختم ہو جائے تو وہ پراگندہ ہو کر ہر خواہشمند کے لئے شکار کی مانند ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ دسیوں ہزار لڑنے والوں کو لے کر چل پڑے اور اس حملہ میں اپنے ساتھ ہاتھیوں کو بھی لائے تا کہ عربوں اور اہل مکہ کو جنہوں نے اس سے پہلے یہ جانور کبھی نہیں دیکھا تھا خوفزدہ کر دیں اور مکہ کے گرد و نواح سے تمام مویشی اور اونٹ وغیرہ جو اُن کو ملے قبضہ میں لے کر وہیں اتر پڑے۔

ادھر عبدالمطلب نے یہ کیا کہ اہل مکہ سے کہا کہ مکہ کو خالی کر دیں اور خود تنہا خانۂ کعبہ کے دامن میں رہ گئے۔ جب ابرہہ نے اپنی مہم پر عمل درآمد شروع کیا تو اللہ نے اپنا لشکر پرندوں کے غول کی شکل میں بھیج دیا جو کنکریوں کے مشابہ کچھ چیز لئے ہوئے تھے جو ان لوگوں میں سے جس کسی پر بھی پڑتی وہ چیچک کے مرض میں مبتلا ہو جاتا اور اس کا گوشت پھٹ پھٹ کر گرنے لگتا۔ خود ابرہہ پر بھی وہ چیز آ پڑی اور اس سے اس کا گوشت پھٹ گیا اور وہ صنعاء جا کر مر گیا۔ چنانچہ یہ لشکر حواس باختہ اور خوفزدہ ہو کر بے تحاشہ بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ اللہ کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی کتاب مراۃ الاسلام میں رقمطراز ہیں کہ: اس موقع پر عبدالمطلب نے صبر، قوت برداشت، شجاعت اور اللہ پر بھروسے کا وہ نمونہ پیش کیا جو ان کے علاوہ مکہ یا قریشی شرفاء میں سے کسی نے پیش نہیں کیا۔ اس کی وجہ

سے عام عربوں پر ان کا اثر بہت بڑھ گیا اور ان لوگوں کا ان پر اعتماد کئی گنا ہوگیا۔ چنانچہ ان کی سردارانہ حیثیت مکہ سے باہر تک چلی گئی اور ایک طویل مدت تک یہ واقعہ لوگوں کی گفتگو کا موضوع بنا رہا۔ اب لوگ اپنی مشکلات میں پناہ حاصل کرنے کے لئے کعبہ کی طرف رجوع کرنے لگے کیونکہ اللہ نے اس کو ظالموں کی چال اور ایسے حملہ آوروں کے شر سے بچالیا تھا جو اپنی پوری طاقت سے آئے تھے اور خوف پھیلانے کے لئے اپنے ساتھ ہاتھیوں کو لائے تھے۔ اللہ نے ان کی تدبیر کو بیکار کردیا اور ان کو ایسے پرندوں کے ذریعہ تباہی سے ہمکنار کردیا جو سب سے چھوٹے اور انسانوں کی نظر میں سب سے کم ضرر رساں تھے۔ اللہ نے ان حملہ آوروں کے قصے کو دہرایا اور اپنے نبیؐ کے لئے اس وقت بیان کیا جبکہ سارے عرب والے ان کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے اور قریش ان کے خلاف سازشوں میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ اسی لئے اللہ نے اپنے نبیؐ سے ان آیات کے ذریعہ خطاب کیا اور اہل مکہ کے لئے اس واقعہ کو دہرایا جو اُن کے ذہنوں سے دور نہ ہوا تھا کیونکہ ان میں سے بیشتر یہ جانتے ہوں گے اور یاد رکھے ہوئے ہوں گے کہ اللہ نے اس دشمن کے ساتھ کیا کیا تھا جو ان سے زیادہ خطرناک، تعداد اور ساز و سامان میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا۔ پس اس وقت اس نے اپنے نبیؐ سے یہ کہنا چاہا کہ وہ اللہ جس نے ہاتھی والے دشمنوں کو ہلاک کیا اور مایوس ہوکر اور نقصان اٹھا کر واپس جانے پر مجبور کردیا یقیناً اس پر بھی قادر ہے کہ آپ کے خلاف قریشیوں اور تمام ظالموں کی چالوں کو بیکار کردے۔

شیخ محمد عبدہ نے اپنی تفسیر میں اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ ممکن ہے کہ وہ پرندہ جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے ایسے مچھر یا مکھی کی قسم سے ہو جو بعض مہلک امراض کے جراثیم کے حامل ہوتے ہیں اور یہ کنکریاں زہریلی مٹی کی ہوں جن کو ہوا اٹھائے ہوئے ہو اس طرح کہ وہ پرندوں کے پیروں میں پیوست ہوں چنانچہ جب وہ کسی انسان پر پڑیں تو بیماری اس کے جسم میں منتقل ہوجائے اور اس میں زخم پڑجائیں جو آگے بڑھ کر پورے جسم کو فاسد کردیں۔

بہرحال میں اس میں تاویل اور تفسیر کی کوئی وجہ نہیں پاتا جبکہ قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ اللہ نے ان پر پرندے بھیجے جو ان پر ایسی کنکریاں مارتے تھے جو ان کو درخت کے خشک پتوں کی طرح کردیتی تھیں جن کو ہوا ریزہ ریزہ کرکے ہر طرف اڑا دیتی ہے اور وہ ہر اس شے پر قادر ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔

جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں اس واقعہ نے جو اہل مکہ وغیرہ کی سمجھ سے باہر تھا عام عربوں پر گہرا اثر کیا اور مکہ دلوں اور ذہنوں کا مرکز بن گیا۔ عرب اس کی تقدیس اور تعظیم کے لئے ہر مقام سے آنے لگے اس کے باشندوں کو ایسی حیثیت حاصل ہوگئی کہ ان کے لئے تجارت میں آگے بڑھنا آسان ہوگیا اور ان کو آرام و آسائش، ثروت و افراد کے ایسے وسائل حاصل ہوگئے جو جزیرہ نما عرب کے شمالی حصوں میں پھرتے رہنے والے عربوں کو حاصل نہ تھے۔ عبدالمطلب کی سردارانہ حیثیت اور دینی مرکزیت پھیل گئی جس کی وجہ سے ان کے مخالفین دل ہی دل میں گھٹنے لگے اور ان کے دلوں میں کینہ اور حسد اسی طرح چکر کاٹنے لگا جیسے خونخوار بھیڑیا بھیڑ بکریوں کے باڑے کے چکر لگاتا ہے۔

اہل اخبار کا کہنا ہے کہ شروع میں عبدالمطلب کے ہاں حارث کے علاوہ کوئی اور لڑکا نہ تھا اس پر انہوں نے اللہ

سے نذر مانی کی کہ اگر ان کو دس لڑکے عطا ہو جائیں تو وہ ان میں سے ایک کو ذبح کر کے اللہ کے لئے قربانی پیش کریں گے۔
جب عبداللہ کی پیدائش پر دس پورے ہوگئے اور وہ ان سب سے زیادہ خوش رو اور سب سے زیادہ خوش خصائل تھے تو عبدالمطلب نے سب کو جمع کر کے ان کے درمیان قرعہ ڈالا۔ یہ قرعہ عبداللہ پر نکلا۔ چنانچہ انہوں نے ارادہ کرلیا کہ اپنی نذر کو پورا کریں اور اپنے ان بیٹے کی قربانی پیش کریں۔ جب قریش کو اس کا علم ہوا تو سب ان کے پاس آئے تا کہ ان کو اس سے باز رکھیں مبادا یہ عربوں میں رسم نہ قرار پا جائے اور ان لوگوں نے ان سے یہ درخواست کی کہ سو ۱۰۰ اونٹ لے کر ان کے اور عبداللہ کے درمیان قرعہ ڈالیں۔ چنانچہ انہوں نے تین مرتبہ ایسا کیا اور قرعہ اونٹوں کے حق میں نکل آیا۔ پس انہوں نے اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو دے دیئے اور صاحبان اخبار کے مطابق لوگ ان اونٹوں پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔

حضرت عبداللہ کی بی بی آمنہ بنت وہب سے تزویج

جب حضرت عبداللہ کو تزویج کی حاجت ہوئی تو ان کے والد نے یہ کوشش کی کہ ان کے لئے ایسی دوشیزہ منتخب کریں جو قبیلے کے شرف میں بہترین فضائل کا اضافہ کردے۔ چنانچہ انہوں نے خاندانوں اور گھرانوں اور ان کی تاریخ کی اور ہر خاندان کی امتیازی خصوصیات کی چھان بین شروع کی۔ پس وہ خصائل اور گمشدہ شے جس کی اُن کو تلاش تھی اُن کو قبیلہ بنی زُہرہ میں وہب بن عبداللہ کے گھر مل گئی۔ وہ اپنے بیٹے عبداللہ کو لے کر قبیلہ بنی زُہرہ کے سربراہ وہب بن عبداللہ سے ملے تا کہ ان سے ان کی بیٹی آمنہ کا رشتہ اپنے بیٹے عبداللہ کے لئے مانگیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ رشتہ ان کے چچا وہیب سے مانگا کیونکہ ان کے والد مر چکے تھے۔

عبدالمطلب سے رشتہ قائم کرنے کو بنی زُہرہ یا کوئی بھی منع نہ کرتا خصوصاً اس لئے کہ تزویج عبداللہ سے ہونے والی تھی جن کا مثل ونظیر نہ قریش کے بوڑھوں میں موجود نہ تھا نہ جوانوں میں۔ چنانچہ قریش کے ان نوخیز صاحبزادے اور بنی زُہرہ کی دوشیزہ میں یہ تزویج انجام پاگئی۔ یہ تزویج جس نے عرب کی تاریخ بلکہ پوری بشریت کی تاریخ میں ایک نئے انقلاب کی بنیاد رکھدی۔

لیکن قدرت کو یہ منظور تھا کہ اس مبارک تزویج کے بعد عبداللہ کچھ زیادہ مدت زندہ نہ رہیں۔ وہ کچھ ہی عرصہ بعد جو ایک سال سے زیادہ نہ تھا تجارت کی غرض سے قریشیوں کی ایک جماعت کی ہمراہی میں شام کے علاقہ غزہ گئے اور اپنے بیٹے محمد بن عبداللہ کو چھوڑ گئے جو ابھی بروایتے بچہ ہی تھے یا ننھے حمل ہی میں تھے۔ غزہ سے واپسی کے راستے میں وہ یثرب میں رک گئے تا کہ وہاں اپنے ماموں سے ملاقات کرلیں اور قبل اس کے کہ وہاں سے رخصت ہوں ان کو ایسی بیماری ہوگئی جس نے ان کو مکہ کی جانب اپنا سفر جاری رکھنے سے روک دیا۔ ان کے ساتھی مجبور ہوگئے کہ ان کو بیماری کی حالت میں ان کے ماموں کے پاس رہنے دیں۔ البتہ انہوں نے ان کی بیماری کی اطلاع ان کے والد کو پہنچادی۔ اس خبر سے ان کو سخت رنج ہوا۔ ان کو خود بھی کوئی تکلیف تھی اس لئے انہوں نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو مدینہ بھیجا تا کہ اپنے بھائی کے پاس رہیں اور

وہ شفا حاصل کرنے لگیں تو ان کو لے کر واپس آ جائیں۔ لیکن قضا عبداللہ کو تیزی سے موت کی طرف لے جا رہی تھی۔ چنانچہ حارث اپنے بھائی کی وفات کے بعد ہی مدینہ پہنچ پائے۔ پس وہ ان کی وفات کی خبر لے کر ہی اپنے باپ اور ان کی بیوی کے پاس واپس آئے۔ ان دونوں پر اس کا بہت سخت اثر ہوا جو بجلی کی تاثیر سے بھی زیادہ سنگین تھا۔ خصوصاً ان کی زوجہ پر کیونکہ انہوں نے اس تزویج کو اپنی زندگی کے لئے خوش بختی خیال کیا تھا کیونکہ یہ تزویج ایسی تھی کہ قریب و دور والے ان سے حسد کرنے لگے تھے۔ لیکن انہوں نے قضائے الٰہی کے سامنے سر جھکا دیا اور پوری طرح اپنے بچے کی طرف متوجہ ہوگئیں جو اب اپنے باپ کے بعد تنہا ان کی آرزو اور امید رہ گئے تھے۔ خصوصاً اس لئے جیسا کہ صاحبان اخبار کا کہنا ہے کہ انہوں نے اس بچے میں وہ کچھ دیکھا تھا جو اس سے قبل کسی ماں نے اپنے بچے میں نہ دیکھا تھا۔

نبی اکرمؐ کی ولادت

بیشتر روایات کے مطابق آنحضرتؐ کی ولادت اس سال کے دوران ہوئی جب ابرہہ نے کعبہ کو تباہ کرنے کے لئے مکہ پر حملہ کیا تھا جو عام الفیل کہلاتا ہے یہ ۵۷۰ء کے مطابق تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ اس سے پندرہ سال قبل پیدا ہوئے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے اس کے ستر سال بعد پیدا ہوئے۔[۱]

حالانکہ آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ موجود تھیں اور آنحضرتؐ کی خدمت میں ہمہ تن لگی رہتی تھیں پھر بھی آنحضرتؐ، عبدالمطلب کے لئے تنہا مشغلہ ہوگئے تھے حتیٰ کہ ان کی اولاد سے بھی زیادہ اور ان کے لئے سب سے زیادہ قابل قدر تھے۔ انہوں نے آنحضرتؐ کو دودھ پلانے کا فریضہ اپنے بیٹے ابولہب کی ایک کنیز کے سپرد کر دیا جو ثوبیہ کہلاتی تھی اور آنحضرتؐ اور ان کی والدہ کو ان سے ملحق کر دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے طے کیا کہ اپنے یتیم پوتے کو بنی سعد کے صحرائی علاقہ میں بھیج دیں تا کہ وہ دودھ پینے کا زمانہ وہاں گزار کر تربیت پائیں اور صحرائی علاقہ میں بولنا سیکھیں جیسا کہ مکہ کے معزز لوگوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے لڑکوں کو دودھ پلانے کے لئے ان عورتوں کے سپرد کر دیا کرتے تھے جو کہ خشک سالی کے زمانہ میں مکہ آیا کرتیں تھیں۔ یہ سال قبیلہ بنی سعد کے لئے کٹھن تھا۔ چنانچہ اور عورتوں کے ساتھ بنی سعد کی عورتیں بھی بچوں کی تلاش میں آئیں۔ ان کی نظریں بچوں کے باپوں کی سخاوت قلبی اور دینے دلانے پر ہوتی تھیں۔ چنانچہ حضرت آمنہ اور عبدالمطلب نے بھی اپنا بچہ ان کے سامنے پیش کیا لیکن ان کی یتیمی اور بے مائیگی کا علم ہوجانے پر انہوں نے ان کو لینے سے انکار کر دیا۔

یہ قافلہ ان عورتوں کے ساتھ جن میں سے ہر ایک کو ایک ایک دودھ پینے والا بچہ مل گیا تھا واپس ہونے والا تھا۔ البتہ حلیمہ بنت ابو ذویب سعدیہ کو جنہوں نے ابتداء میں آنحضرتؐ کو دیکھ کر دوسری دودھ پلانے والیوں کی طرح قبول نہ کیا تھا، آنحضرتؐ کے علاوہ کوئی بچہ نہ ملا کیونکہ بچوں کی مائیں ان کو ان کی ضعیفی اور دبلے پن کی وجہ سے پسند نہ کرتیں تھیں۔ جب یہ مکہ سے رخصت ہونے والی تھیں ان کو یہ برا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بغیر کچھ لئے ہوئے واپس ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے شوہر سے کہا کہ مجھ کو اپنے ساتھ والیوں میں برا لگ رہا ہے کہ میں کسی کو لئے بغیر واپس ہو جاؤں۔ میں تو اسی یتیم بچے

۱۔ یہ غیر بعید ہے کہ آنحضرتؐ کی ولادت کچھ پہلے یا بعد میں ہوئی لیکن ستر سال کی حد کی تائید تاریخی واقعات سے نہیں ہوتی۔

کے پاس جاتی ہوں۔ ان کے شوہر نے بھی اس کو پسند کیا اور انہوں نے واپس جا کر آنحضرتؐ کو اپنی آغوش میں پرورش کے لئے لے لیا۔ ان کے دل میں رہ رہ کر آرزو اٹھ رہی تھی کہ اس بچہ کے ذریعے سے ان کو وہ کچھ حاصل ہو جائے جو کسی دودھ پلانے والی کو نہ ملا ہو۔

حضرت محمدؐ قبیلہ بنی سعد میں

حلیمہ آنحضرتؐ کو لے کر اپنے قبیلہ واپس آ گئیں کیونکہ ان کو آنحضرتؐ کے علاوہ کوئی بچہ نہ ملا تھا۔ لیکن جب انہوں نے اپنے قبیلے میں قدم رکھا ان کو وہ کچھ ملا جو اُن کے ساتھ والی کسی عورتوں کو نہ ملا تھا۔ حلیمہ اور ان کے شوہر کو یہ محسوس ہوا کہ وہ مکہ سے برکت لے کر پلٹے ہیں نہ کہ وہ بے مائیگی اور یتیمی جن دونوں چیزوں نے عورتوں کو آنحضرتؐ کی طرف رخ کرنے سے روک دیا تھا۔

راوی ان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ ہم عبدالمطلب کے یتیم کو لیکر بنی سعد کے مکانات پر پہنچے تو حال یہ تھا کہ ہماری دانست میں سارے کرۂ ارض پر ہماری زمین سے زیادہ قحط زدہ کوئی زمین نہ تھی لیکن جب سے محمدؐ کا نزول ہمارے درمیان ہوا ہے ہمارے مویشی شکم سیر ہو کر آتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کا دودھ دوہتے اور پی لیتے اور ہمارے اوپر بھلائی ٹوٹی پڑ رہی تھی۔ اب تو قبیلے کا ہر شخص اس یتیم کی تمنا کرنے لگا جس کی برکت سے اللہ نے ہم کو فراخی اور بھلائی میسر کر دی تھی اور ہم سے بے مائیگی اور کلفت کو دور کر دیا تھا۔

حلیمہ اور ان کے شوہر آنحضرتؐ کی نگہداشت کرتے اور آپ کو اپنے بچوں پر مقدم رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ کی عمر دو سال کی ہوگئی اور وہ ان کو ان کی والدہ اور دادا کے پاس لے گئیں جیسا کہ دودھ پلانے والیوں کا دستور تھا حالانکہ یہ خود اُن کو برا لگ رہا تھا۔ آنحضرتؐ کے دادا نے یہ چاہا کہ آنحضرتؐ ان ہی کے پاس رہیں کیونکہ ان کو بیماریوں سے خوف رہتا تھا جس سے مکہ دوچار رہتا تھا کیونکہ وہاں جزیرہ عرب کے تمام علاقوں سے آنے والے آتے رہتے تھے اور خاص اس موقع پر جبکہ صحرا کی فضا طبیعت کی صفائی اور اعضا کے بڑھنے میں مدد بھی دیتی ہے اور اس لئے بھی کہ عبدالمطلب نے دیکھا کہ آنحضرتؐ پر حلیمہ بڑی شفقت کرتی ہیں اور ان کو آنحضرتؐ کی زندگی کی ایسی چاہت ہے جو کسی ماں کو اپنے اکلوتے بیٹے کی بھی نہیں ہوتی۔ بی بی آمنہ نے آنحضرتؐ کے دادا کی خواہش کو مان لیا اور حلیمہ اس کو اپنی خوش بختی سمجھ کر اور فخر کے ساتھ آنحضرتؐ کو لے کر واپس اپنے قبیلے آ گئیں۔

حلیمہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ جب محمدؐ کے دو سال پورے ہونے پر ہم بی بی آمنہ کے پاس مکہ گئے تو ان برکتوں کی وجہ سے جو ہم ان میں دیکھتے تھے، ہماری خواہش یہ تھی کہ وہ ہم ہی میں رہیں۔ چنانچہ ہم نے ان کی والدہ سے بات کی اور کہا کہ آپ ان کو ہمارے پاس اتنا رہنے دیجئے کہ وہ مضبوط ہو جائیں اور قوت پیدا کرلیں خواہ ایک سال اور سہی کیونکہ ہم کو ان کے لئے مکہ کی وبا سے ڈر لگتا ہے۔ پس ہم ان ہی کے پاس رکے رہے یہاں تک کہ انہوں نے ان کو ہمارے ساتھ واپس آ جانے دیا۔ حلیمہ نے مزید کہا کہ جب وہ ذرا بڑے ہوئے اور باہر نکل کر بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے تو

ہم ان کو منع کیا کرتے تھے۔ ایک روز انہوں نے مجھ سے کہا: اے اماں! کیا بات ہے میں دن میں اپنے بھائیوں کو نہیں دیکھتا ہوں۔ ان کے رضاعی بھائی تھے عبداللہ، انیسہ اور شیماء۔ اس پر میں نے کہا کہ میری جان نثار ہو! ہماری بھیڑ بکریاں ہیں۔ وہ ایک رات سے دوسری رات تک ان کو لے جاتے ہیں۔ اس پر انہوں نے مجھ سے کہا کہ مجھ کو بھی ان کے ساتھ بھیج دیجئے۔ پس میں نے ان کو ان سب کے ساتھ بھیج دیا۔ وہ خوشی خوشی جاتے اور خوشی خوشی آیا کرتے تھے۔ ایک مدت تک یہ سلسلہ جاری رہا کہ ایک روز ان کے پاس ایک فرشتہ آیا جس نے آپ کو لٹا کر آپ کا سینہ چاک کر ڈالا۔

تاریخ یعقوبی میں ہے کہ عبدالمطلب نے آنحضرتؐ کو حلیمہ بنت ابی ذویب کے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعہ سعدی کے سپرد کردیا تھا اور آنحضرتؐ بنی سعد میں رہا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں وہ لوگ اپنے یہاں مال میں برکت محسوس کیا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ واقعہ ہوا کہ کوئی مرد کی شکل میں آپ کے پاس آیا اور اس نے آپؐ کا پیٹ چاک کر کے اس کا اندرونی حصہ دھوڈالا۔ یہ واقعہ تمام عرب قبیلوں میں مشہور ہوگیا لیکن وہ لوگ اس کا مقصد نہیں سمجھ سکے بلکہ آنحضرتؐ کی طرف سے خوف کرنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو آپ کے دادا اور ماں کے پاس واپس کردیا۔ اس وقت آنحضرتؐ کی عمر پانچ سال کی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ چار سال کے تھے لیکن آپ بناوٹ اور قوت میں دس سال کے لگتے تھے۔

سینہ چاک کئے جانے کا واقعہ

شرح نہج البلاغہ میں حلیمہ سعدیہ سے روایت ہے کہ جب محمدؐ پورے دوسال کے ہوگئے اور ان کا دودھ چھوٹ گیا تو وہ جوان معلوم ہوتے تھے۔ اُن جیسا کوئی لڑکا نہ تھا۔ پس ہم ان کو ان کی والدہ کے پاس لے گئے اور ہم نے ان سے کہا کہ یہ مضبوط ہیں آپ ان کو ہمارے پاس رہنے دیجئے کیونکہ ہم ان کے لئے مکہ کی وبا سے ڈرتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان ہی کے پاس ٹھہرے رہے یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو ہمارے ساتھ واپس بھیج دیا۔ پس ہم ان کو لے کر بنی سعد کی بستیوں میں پلٹ آئے۔ قسم بخدا! ہم کو آئے ہوئے کچھ ہی مہینے ہوئے ہوں گے کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ ہمارے گھروں کے پیچھے تھے کہ اتنے میں ان کا بڑا بھائی تیزی سے ہمارے پاس آیا اور مجھ سے اور اپنے باپ سے کہنے لگا کہ ہمارے قریشی بھائی کے پاس دوسفید پوش آئے تھے اور انہوں نے ان کو لٹا کر ان کا پیٹ چاک کرڈالا اور وہ دونوں ان کو مارتے رہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں اور ان کا باپ تیزی سے ان کے پاس پہنچے تو دیکھتے کیا ہیں کہ وہ کھڑے ہیں اور ان کے چہرے کا رنگ فق ہے۔ میں اور ان کا باپ ان کو لپٹ گئے اور ہم نے ان سے پوچھا: ''اے بیٹے! آپ کو کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے بتایا کے میرے پاس دوسفید پوش شخص آئے۔ انہوں نے مجھ کو لٹا کر میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں کوئی چیز لگادی جس کو میں نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ پھر ہم اپنے خیموں میں واپس آگئے، تب ان کے باپ نے مجھ سے کہا کہ اے حلیمہ مجھے ڈر ہے کہ یہ بچہ کسی مصیبت سے دوچار ہوگیا ہے۔ پس تم ان کو ان کے اہل خاندان میں پہنچا آؤ۔ چنانچہ میں ان کو ان کی والدہ ماجدہ کے پاس لے گئی۔ تب انہوں نے دریافت کیا کہ اے حلیمہ تم ان کو کیوں لے آئیں؟ تم تو ان کے لئے اور ان کو اپنے

پاس رکھنے کے لئے بہت مشتاق تھیں۔ اللہ نے میرے بیٹے کو بڑا کر دیا ہے۔ میں نے کہا: میں نے ان کے متعلق اپنے فرائض پورے کر دیئے ہیں اور اب میں ڈرتی ہوں کہیں ان کو کچھ ہو نہ جائے۔ میں آپ کو واپس کرتی ہوں جیسا کہ آپ کی خواہش تھی۔ تب انہوں نے کہا: کیا تم ان کے بارے میں شیطان سے ڈرتی ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ انہوں نے کہا: ہرگز نہیں۔ بخدا شیطان کو ان پر کوئی قابو حاصل نہیں ہوسکتا۔ میرا بیٹا ایک خاص مرتبہ کا حامل ہے۔ کیا میں اس کے متعلق بتاؤں؟ میں نے کہا: ضرور بتایئے۔ انہوں نے کہا: جب مجھے ان کا حمل ہوا تو میں نے دیکھا کہ مجھ سے ایسا نور نکلا ہے جس سے میرے لئے شام تک روشنی ہوگئی ہے۔ بخدا میں نے ان کے حمل سے زیادہ ہلکا اور آسان حمل نہیں دیکھا۔ اپنی ولادت کے وقت ہی سے وہ اپنے ہاتھ زمین پر رکھتے اور سر آسمان کی طرف کیا کرتے تھے۔ جاؤ ان کو اپنے ہی پاس رکھو اور اپنے ساتھ لے جاؤ کیونکہ اب تم واقفکار ہوگئی ہو اور صحیح راہ پر آ گئی ہو۔

طبری نے اپنی تاریخ میں یہ قصہ شداد بن اوس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اسے نبی اکرمؐ کو بیان کرتے ہوئے سنا۔ لیکن شداد بن اوس کی روایت یعقوبی کی روایت اور شرح نہج البلاغہ کی روایت سے مقام کے لحاظ سے جہاں یہ واقعہ پیش آیا اور شخصوں کی تعداد کے لحاظ سے جو آنحضرتؐ کے پاس آئے اور اس کیفیت کے بارے میں جو آپ پر طاری ہوئی، مختلف ہے۔

ایک روایت میں تو یہ ہے کہ ایک آدمی نے آپؐ کی آنتیں نکال کر ان کو برف سے دھویا جو اُن کے ساتھ تھی اور پھر ان کو ان کے مقام پر واپس رکھ دیا۔ پھر دوسرے شخص نے آ کر آپ کا دل نکالا اور نبی اکرمؐ اس کو دیکھتے رہے۔ لیکن سمجھ نہ پائے کہ وہ کیا کرنا چاہ رہا ہے۔ پھر اس نے اس کو چیر کر اس میں سے گوشت کا ایک لوتھڑا نکالا اور اس کو پھینک دیا۔ اس کے بعد ایک چیز لایا جو نور کی انگوٹھی کے مانند تھی، جو دیکھنے والوں کی آنکھ کو چکاچوند کئے جا رہی تھی، اس سے اس نے آپ کے قلب پر مہر لگا کر اس کو اس کی جگہ پر واپس رکھ دیا۔

راوی کے خیال کے مطابق آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ آپؐ کے دل میں اس مہر کا احساس ہونے لگا۔ اس کے بعد تیسرا شخص آیا اس نے میرے سینہ سے زیرناف کے حصہ پر اپنا ہاتھ پھیرا جس سے وہ کٹاؤ بھر گیا۔ پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو ہلکا ہلکا ہلایا۔ دیگر باتیں جو طبری نے ان کرامات اور خصوصیات میں بیان کی ہیں اس سے روایات متفق نہیں ہیں۔ یہی اختلافات اس واقعے سے متعلق شک پیدا کر دیتے ہیں۔ خاص طور سے جب ہم ان روایات کی سندوں پر نظر ڈالتے ہیں اور ان کو ان اصولوں پر پرکھتے ہیں جو مقبول روایات میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن صرف یہی ایک امر اس کے لئے کافی نہیں ہے کہ اس واقعے سے سرے سے انکار کر دیا جائے اور داستان گوؤں اور گڑبڑ پھیلانے والوں پر اس کے گھڑنے کا الزام لگا دیا جائے کیونکہ جو کچھ ان روایات میں بیان کیا گیا ہے وہ معجزے کی قسم سے ہے اور اللہ کی قدرت ان امور تک پھیلی ہوئی ہے جو عقل میں نہیں آ سکتے اور نہ ذہن اور قوت فکر ان کو سمجھ سکتے ہیں۔ پس یہ بھی عقل میں نہیں آ سکتا اور آنحضرتؐ کی حیات طیبہ میں متعدد ایسے واقعات لکھے ہوئے ہیں جن کے لئے پڑھنے والا اور جستجو کرنے والا کوئی تفسیر نہیں کر پاتا سوائے اس کے کہ یہ اللہ کا ارادہ ہے اور یہ اللہ کے لئے مشکل نہیں ہے۔

آنحضرتؐ اپنے دادا عبدالمطلب کے ساتھ

بیشتر مورخ اور صاحبان سیرت کہتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ چھ سال یا اس سے کچھ زیادہ کے تھے، آپ کی والدہ ماجدہ یثرب میں اپنے اہل خاندان سے ملنے کے لئے جاتے ہوئے راستے میں مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام پر جو ابواء کہلاتا ہے، وفات پاگئیں جبکہ آپ کی عمر تیس سال کی تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے جدامجد نے اپنی توجہ آپؐ کی طرف منعطف کردی، وہ آپؐ کی تربیت کرتے، آپؐ کو نگاہ میں رکھتے اور اپنی تمام اولاد اور بیٹوں پر ترجیح دیتے تھے۔

ان کا دستور یہ تھا کہ دوپہر کو خانۂ کعبہ کے برابر میں سایہ میں ایک بلند مقام پر بیٹھتے اور ان کے بیٹے اور مکہ کے معززین آپ کے اردگرد ہوتے تھے۔ وہاں آنحضرتؐ جبکہ آپ چھوٹے سے لڑکے ہی تھے آجاتے اور اپنے دادا کے فرش پر چڑھ جاتے اور آپ کے چچا آپ کو ان کے پاس سے ہٹانا چاہتے تو عبدالمطلب ان سے کہتے کہ اس کو رہنے دو میرے اس بچہ کا خاص مرتبہ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ آثار جو آپ کے بارے میں ظاہر ہوتے رہتے تھے اور وہ برکتیں جو آپ کی ولادت کے وقت سے حلیمہ کی، آپ کی والدہ ماجدہ کی اور آپ کے دادا کی آغوش تربیت کے زمانہ بھر آپ کو حاصل رہیں غیر معمولی تھیں، یہ سب عوامل اس یتیم بچے کے خوش بخت اور عظیم واقعات سے بھرے ہوئے مستقبل کی صاف نشاندہی کر رہے تھے۔ البتہ ابھی مکہ اور اس کے سرکش اور زورآور باشندے اس سے بے خبر تھے کہ آنے والے چند برسوں میں عبداللہ کے یتیم فرزند محمدؐ کیا کچھ پوشیدہ رکھے ہوئے ہیں۔

اہل تاریخ کا کہنا ہے کہ نجومیوں اور یہودی عالموں کے اشاروں سے عبدالمطلب سمجھ رہے تھے جو کچھ آنحضرتؐ کے متعلق ہونے والا تھا۔ چنانچہ جب سیف بن ذی یزل یمن پر غالب آگیا اور اس کا قبضہ جم گیا تو عبدالمطلب اشراف مکہ کا ایک وفد لے کر اس کے پاس گئے اور جب سیف بن ذی یزل ان کے پاس تنہائی میں ہوا تو اس نے انہیں یہ بشارت دی کہ قریش کے درمیان مکہ میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمام انسانوں کے لئے رسول ہوگا۔ اس نے ان کو اس کی صفات سے آگاہ کیا۔ اس پر عبدالمطلب نے دیکھا کہ یہ صفات ان کے پوتے کے علاوہ کسی اور میں نہیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فوراً بارگاہ الٰہی میں سجدۂ شکر ادا کیا جس سے سیف نے اندازہ کرلیا کہ وہ بچہ جس سے متعلق اس نے ذکر کیا تھا عبدالمطلب کے گھر میں موجود ہے۔ چنانچہ اس نے ان کو اس کا خیال رکھنے کی ہدایت کی اور ان کو یہودیوں وغیرہ کی طرف سے خبردار کیا۔

مؤرخین اس بات پر قریب قریب متفق ہیں کہ بعض یہودی علماء اور نجومی انجیلوں، توریت اور انبیاء سابقین کے حالات کے ذریعہ سے جانتے تھے کہ اس زمانہ میں ایک نبی ظہور کرنے والا ہے جس کی صفات پوری طرح سے ان عظیم صفات کے مطابق تھیں جس سے نبی کریمؐ آراستا تھے اور وہ کبھی کبھی متوجہ ہونے والوں کو اس کے متعلق بتاتے بھی رہتے تھے۔ چنانچہ حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں اس کی دسیوں مثالیں موجود ہیں۔

حضرت محمدؐ حضرت ابوطالبؑ کے ساتھ

آنحضرتؐ کے دادا کو آپ سے گہرا دلی لگاؤ تھا مگر وہ یتیم پوتے کے سر پر سایہ بن کر زیادہ مدت تک قائم نہیں رہے۔ ابھی آنحضرتؐ آٹھ ہی برس کے ہوئے تھے کہ عبدالمطلب کو اپنی گرتی ہوئی حالت معلوم ہوئی اور انہوں نے محسوس کرلیا کہ صبح و شام میں ان کی موت واقع ہونے والی ہے وہ سو سال یا اس سے کچھ زیادہ کے ہوچکے تھے۔ پس انہوں نے اپنے بیٹوں کو اکٹھا کرکے ان کو ان اہم کاموں سے جو وہ کررہے تھے اور ان خدمات سے جو وہ اہل مکہ کے لئے اور مکہ آنے والے دوسرے لوگوں کے لئے انجام دیا کرتے تھے آگاہ کیا۔ سب سے زیادہ فکر ان کو اپنے اس پوتے کے بارے میں تھی جن کو وہ اس وسیع دنیا میں اس طرح تنہا چھوڑ کر رخصت ہورہے تھے کہ نہ ان کے پاس مال تھا، نہ باپ تھا اور نہ ماں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دسوں بیٹوں کو محمدؐ کے لئے وصیت کی اور ان میں سے عبدمناف کو منتخب کرکے آنحضرتؐ کی نگہداشت ان کے سپرد کی اور ہدایت کی کہ وہ ان کو اپنی اولاد میں شامل کرلیں کیونکہ وہ آنحضرتؐ کے مرحوم والد کے حقیقی بھائی تھے۔ دونوں کی ماں ایک ہی تھیں۔ انہوں نے ان سب کو اس مرتبہ سے بھی آگاہ کردیا جو آنحضرتؐ کو مستقبل میں حاصل ہونے والا تھا۔ چنانچہ یعقوبی کے اپنی تاریخ میں پیش کئے ہوئے بیان کے مطابق انہوں نے اپنی گفتگو کے دوران یہ بھی کہا کہ میں تم میں ایسا عظیم شرف چھوڑ کر جارہا ہوں جس کی بدولت تم سب عوام کی گردنوں پر بلندی حاصل کرلو گے۔ جب آنحضرتؐ کے دادا اس دنیا سے رخصت ہوگئے تو آپ یتیم لڑکے کی حیثیت سے اپنے چچا ابوطالبؑ کے گھر منتقل ہوگئے۔ ابوطالبؑ نے امانتداری کا حق ادا کردیا اور وصیت کا پورا پورا خیال رکھا۔ وہ آنحضرتؐ کی کمسنی میں بہترین کفیل بنے رہے اور جب آنحضرتؐ کو مددگاروں اور پیروؤں کی ضرورت درپیش آئی تو بہترین مددگار ثابت ہوئے۔ محمدؐ کی ذات اور ان کا شغل جس میں وہ منہمک رہتے، انہیں اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ عزیز تھا اور سخت سے سخت مصیبت میں اور تکلیف کے زمانہ میں بھی حتی کہ زندگی کے آخری لمحے تک اسی طرح منہمک رہے جیسا کہ ہم تفصیل سے اسی کتاب کی آنے والی فصلوں میں بیان کریں گے۔

تاریخ یعقوبی وغیرہ میں ہے کہ رسول اکرمؐ کے والد ماجد عبداللہ، ابوطالب، زبیر اور مقدم جو عبدالکعبہ کہلاتے تھے، یہ سب ایک ہی ماں سے تھے اور وہ تھیں فاطمہ بنت عائذ بن عمران بن مخزوم۔ ان کی کنیت ام حکیم بیضاء تھی۔ عبدالمطلب کی باقی اولاد مختلف ماؤں سے تھی گو کہ ابوطالبؑ بے مایہ تھے اور کچھ نہ رکھتے تھے پھر بھی وہ اپنے والد عبدالمطلب کی سرداری کے وارث قرار پائے اور قریب و بعید سب نے ان کو سردار مان لیا۔

امام علیؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میرے باپ بے مائیگی کے عالم میں لوگوں کے سردار ہوئے حالانکہ اس سے پہلے کوئی بے مایہ شخص سردار نہیں ہوا تھا۔''

جیسا کہ ہم بتاچکے کہ ابوطالبؑ کے لئے کوئی شے ایسی اہم نہ تھی جیسی کہ محمدؐ کی نگہداشت اور حفاظت۔ چنانچہ جب وہ مکہ یا حجاز سے باہر جانے پر مجبور ہوجاتے تو آنحضرتؐ کو اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ نبی اکرمؐ کا ان کے ساتھ پہلا سفر بصرہ کی جانب ہوا جبکہ آپ کی عمر نو سال تھی۔ اس وقت بھی ان کو یہ اچھا معلوم نہیں ہوا کہ آنحضرتؐ کو اپنے بچوں میں

چھوڑ جائیں اور خود طویل سفر پر چلے جائیں حالانکہ ان کی بیوی فاطمہ ان پر اپنے بچوں سے زیادہ فریفتہ تھیں اور ان کا رات دن خیال رکھتی تھیں۔

اہل تاریخ کہتے ہیں کہ اس سفر میں آنحضرتؐ کو جن یہودی علماء اور نجومیوں نے دیکھا سب نے ابوطالبؑ کو رائے دی کہ آپ اس سے خبردار رہا کریں اور ان کو ان یہودیوں سے خبردار کیا جو قریش میں اس پیدا ہونے والے کا انتظار کر رہے تھے جس کو اللہ عرب وعجم میں رسول بنانے والا ہے۔

قدیم لکھنے والوں میں سے سیرت نبوی تالیف کرنے والوں کا کہنا ہے کہ اس سفر میں آنحضرتؐ سے ایسی کرامات اور قابل فضیلت باتیں ظاہر ہوئیں جو تصور میں بھی نہیں آسکتیں۔ لیکن کثرت کے اور مؤرخین اور محدثین میں مشہور ہونے کے باوجود یہ روایات ایسی نہیں ہیں کہ درایت کے اصول کے سامنے ٹھیر سکیں۔ جیسا کہ ہم نے ان کے کچھ نقائص کی طرف اپنی کتاب "الموضوعات فی الآثار والاخبار" میں اشارہ کیا ہے۔

حضرت عبداللہ کے یتیم یعنی آنحضرتؐ، اپنے چچا اور ان کی بیوی فاطمہ بنت اسد کی آغوش پرورش میں اس طرح رہتے رہے کہ آپ کو ان کے بچوں کے درمیان نہ اجنبیت کا احساس ہوا اور نہ یتیمی کی کلفت یا بے مائیگی کا خیال۔ آنحضرتؐ کو ان دونوں سے وہ دلی لگاؤ اور نگہداشت نصیب ہوئی جو اس سے بالاتر تھی جس کو کوئی انسان ایسے ماں باپ سے تصور کرسکتا ہے جن کے ایک ہی بیٹا ہو اور دونوں کو پیارا ہو۔

آنحضرتؐ پر فاطمہ بنت اسد کی شفقت کا یہ حال تھا کہ خشک سالی اور قحط کے زمانہ میں جب لوگ بھوک سے مر رہے ہوتے تھے تو یہ اپنے بچوں کا کھانا روک کر آنحضرتؐ کو کھلایا کرتی تھیں وہ آپ کے ساتھ ایسا ہی سلوک برابر کرتی رہیں یہاں تک کہ آپ جوان ہوگئے۔ جب سے آنحضرتؐ نے لوگوں کو ایک خدا کی عبادت کی دعوت دینا شروع کی اور ان بتوں کی اور مختلف شکلوں کی جو انہوں نے اللہ کے علاوہ معبود کے طور پر بنا رکھی تھیں، تحقیر شروع کی تو ان خاتون، ان کے شوہر اور ان کی اولاد نے فوراً آنحضرتؐ کی تصدیق کی اور یہ سب ظاہر و باطن ہر طرح سے آپ کی رسالت پر خلوص کے ساتھ ایمان لے آئے۔ بھلا وہ کریم النفس باوفا محمدؐ جنہوں نے دنیائے انسانیت کو وفا اور حسن عمل کا درس دیا ان خاتون کے اس طرز عمل کو کیسے بھلا سکتے تھے جس کے باعث انہوں نے آپ کو اپنے باپ، ماں اور دادا کی جدائی کبھی یاد نہ آنے دی۔ چنانچہ وہ فوت ہوئیں تو آنحضرتؐ ان پر روئے اور دونوں آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے فرمایا: آج میری ماں فوت ہوگئی ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان کو اپنی قمیص کا کفن دیا، ان کی قبر کے اندر اترے اور اس میں لیٹ گئے۔ آنحضرتؐ نے ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جو کسی مسلمان کے ساتھ اس سے پہلے نہیں کیا گیا تھا۔ جب کسی نے آنحضرتؐ سے اس طرز عمل کے بارے میں سوال کیا جو آپ سے کسی اور کے ساتھ اس سے قبل دیکھنے میں نہ آیا تھا تو آپ نے فرمایا: وہ میری ماں تھیں، وہ اپنے بچوں کو بھوکا رکھتی تھیں اور مجھ کو کھلاتی تھیں، وہ اپنے بچوں کے بال پراگندہ رکھتی تھیں لیکن میرے بالوں میں تیل لگاتی رہتی تھیں، جب سے ان کی آغوش میں آیا مجھ کو یتیمی کا احساس نہیں ہوا۔

بہرحال جس طرح شوہر تھے اسی طرح بیوی اور بچے۔ سب کے سب شفقت، محبت، ایمان اور محمدؐ اور ان کی

رسالت کی راہ میں قربانیاں پیش کرنے میں شریک رہے اور ہر حالت اور ہر موقع پر ان کی اور ان کے پیغام کی حفاظت کرنے والے بنے رہے۔

یہی وہ گھر ہے جس کو دوسروں پر حتیٰ کہ اپنے چچاؤں کے بیٹوں، ان کے بیٹوں، قریبی رشتہ داروں اور تمام نسل میں آنے والوں پر ان تمام منزلوں میں امتیاز حاصل رہا جس میں خود محمدؐ اور ان کے پیغام کو گزرنا پڑا۔ جیسا کہ اسی کتاب کی آنے والی فصلوں میں بیان کیا جائے گا۔ تمام مورخ اور محدث اس بات پر متفق ہیں کہ محمد مصطفیٰؐ اپنے بچپنے اور شباب کی جن منزلوں سے گزرے ان میں جسمانی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے نہایت تیزی سے پیش قدمی کر رہے تھے۔

چنانچہ شباب کی ابتداء ہی میں قابل توجہ شخصیت اور شرافت کے تمام صفات اور بلند اخلاق کی عظیم مثال بن گئے تھے اور اہل مکہ اور قریشی ان میں ایک ایسے عرب سردار کی شخصیت دیکھ رہے تھے جن کو قدرت کی طرف سے سرداری عطا ہوتی ہے اور جن کی طرف مشکلات میں اور باہمی تنازعات کے فیصلہ کرنے کے لئے رجوع کیا جاتا ہے۔ یہی بات کفالت کرنے والے آپؐ کے چچا محسوس کر رہے تھے۔ چنانچہ جنگ فجار میں جو کنانہ اور قیس کے درمیان چھڑی تھی، آنحضرتؐ اور آپؐ کے چچا ظالموں کے خلاف مظلوموں کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ جب یہ لوگ کنانہ کی طرف سے شریک ہوئے تو ان کے حلیف بھی نصر اور قیس کے خلاف تھے۔

یعقوبی کی روایت کے مطابق انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا: اے پرندوں کو غذا مہیا کرنے والے اور حاجیوں کے لئے پانی بہم پہنچانے والے کے فرزند! آپ ہم سے کنارہ کش نہ رہیے کیونکہ ہم آپ کی موجودگی کو باعث فتح وظفر سمجھتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''اگر تم لوگ ظلم، بے راہ روی، قرابت کشی اور بہتان تراشی سے اجتناب کرو گے تو میں تم سے کنارہ کشی نہ کروں گا۔'' اس پر ان لوگوں نے یہی عہد کرلیا۔

بعض اہل تاریخ کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ اس وقت بیس سال کے تھے کہ آپ کِنانہ کے ساتھ شریک کارزار ہوئے۔ آپ نے ابولبراء کے ایک نیزا مارا اور وہ ملاعب الاسنہ یعنی نیزوں سے کھیلنے والا کہلاتا تھا لیکن آپ نے اس کو اس کے گھوڑے سے گرادیا اور بنی کِنانہ کو مخالفین پر غلبہ حاصل ہوگیا۔

کِنانہ اور قیس کے درمیان ان لڑائیوں کے اسباب کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ بَرّاض بن قیس نے بنی ہُذَیل کے ایک شخص پر حملہ کرکے اس کو مار ڈالا۔ وہ حرب بن امیہ کی پناہ میں تھا۔ چنانچہ حرب بن امیہ نے اس کو اپنی پناہ سے خارج کردیا۔ اس پر وہ حیرہ بھاگ گیا اور نعمان بن منذر سے جاملا۔ اس طرح وہ اور عروہ بن عتبہ، نعمان کی پناہ میں آگئے۔ نعمان کا دستور یہ تھا کہ وہ ہر سال ایک قافلہ تجارت کے غرض سے عُکاظ کے میلے میں بھیجا کرتا تھا اور کوئی شخص اس میں رکاوٹ نہیں ڈالتا تھا۔ تا آنکہ نعمان نے بلعاء بن قیس کے ایک بھائی کو مار ڈالا۔ اس پر بلعاء نے نعمان کے قافلوں کو روک کر ان پر قبضہ کرلیا۔ اب نعمان نے عروہ بن عقبہ بن جعفر بن کلاب اور بَرّاض بن قیس دونوں سے امداد طلب کی۔ وہ دونوں اس کے لئے تیار ہوگئے۔ پھر یہ ہوا کہ بَرّاض نے عروہ کو قتل کرڈالا اس پر بنی قیس بَرّاض سے مقابلہ کرنے کے لئے اکٹھا ہوگئے اور کِنانہ نے قریش کی پناہ حاصل کرلی۔ اس طرح طرفین میں رجب کے مہینہ میں جنگ چھڑ گئی جو ایک محترم مہینہ

تھا۔ اسی لئے اس جنگ کا نام حرب الفُجّار (برائیوں کی جنگ) پڑ گیا کیونکہ اس سے ایک محترم مہینہ کی تحقیر ہوئی۔

بعض مورخوں کا کہنا ہے کہ اس جنگ میں زبیر بن عبدالمطلب ہاشمیوں کے قائد تھے جبکہ دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ ابوطالبؑ نے ہاشمیوں کو اس میں شرکت کرنے سے منع کردیا تھا اور اس سے عبداللہ بن جُدعان اور حرب بن امیہ بھی علیحدہ رہے تھے۔

حَلفُ الفُضُول

بیس سال سے زیادہ عمر ہو جانے پر آنحضرتؐ نے حلف الفضول میں حصہ لیا۔ اس معاہدے کی غرض مظلوم کی مدد کرنا اور زیادتی کا مقابلہ کرنا تھا خواہ وہ کسی طرف سے رونما ہو۔

نبی کریمؐ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس کے باوجود کہ اللہ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت اور عذاب سے خبردار کرنے والا بنایا ہے، میں نے عبداللہ جدعان کے گھر میں ایسے معاہدے میں شرکت کی ہے کہ جس سے مجھے ایسی خوشی حاصل ہوئی ہے کہ سرخ اونٹوں سے بھی حاصل نہ ہوتی۔ اگر مجھے اب بھی کسی ایسے معاہدے کے لئے بلایا جائے تو میں ضرور قبول کروں گا۔ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ اس عہدنامے کے وجود میں آنے کا سبب یہ تھا کہ سرکشی اور زیادتیوں کے خلاف جنگ کی جائے اور قریشیوں کی خودسری اور زمانۂ حج میں خانۂ کعبہ کی زیارت کے لئے آنے والوں پر ان کے باربار کے حملوں کو روکا جائے۔

ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ میں ہے کہ اگر حلف الفضول وجود میں نہ آتا تو آنے والوں پر قریش کے جوانوں کے حملے بند نہ ہوتے کیونکہ اس کے شرکاء ان سرکشوں کو خوب لگام دے سکتے تھے۔ چنانچہ جملہ واقعات میں سے یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ بنی خشعم کا ایک شخص حج کرنے کے لئے مکہ آیا اور اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی جو قتول کہلاتی تھی اور عرب کی نہایت خوش رُو عورتوں میں سے تھی۔ اس لڑکی کو بنیہ بن حجاج نے اس سے چھین کر اپنے پاس چھپا لیا تھا۔ تب اس خشعمی نے کہا کہ کون ہے جو مجھ کو یہ لڑکی واپس پہنچا دے؟ اس سے کہا گیا کہ تم حلف الفضول کی مدد حاصل کرو۔ چنانچہ وہ اس کے شرکاء کے پاس گیا اور ان کی پناہ کا طالب ہوا۔ اس پر وہ سب اکٹھا ہو کر بنیہ بن حجاج کے پاس گئے اور قبل اس کے کہ وہ اس لڑکی کو چھوئے اسے مجبور کردیا کہ اس کو واپس کردے۔ اس طرح کی بکثرت مثالیں، مشکلات اور جھگڑے ہیں جن میں اس عہدنامے کے شرکاء نے دخل اندازی کی۔

ظہور اسلام کے بہت زمانہ بعد تک لوگوں کے ذہنوں میں حلف الفضول کا بہت اچھا تصور قائم رہا کیونکہ وہ اپنے اغراض میں اسلام کے اغراض و مقاصد سے ہم آہنگ تھا۔ بنی امیہ کے زمانہ میں اکثر موقعوں پر پُرخلوص لوگوں نے تمنا ظاہر کی کہ یہ عہدنامہ ازسرنو زندہ ہوجائے کیونکہ جیسا کہ ہم نے کہا کہ یہ اپنے اغراض میں اسلام سے مختلف نہ تھا اس کے زندہ کئے جانے سے ان ہی امور کا نفاذ ہوتا جن کی طرف قرآن کریم دعوت دیتا ہے اور حاکموں پر فرض قرار دیتا ہے کہ ان کو دیانتداری اور خلوص سے نافذ کریں۔

البدایہ والنہایہ میں محمد بن ابراہیم بن حارث تمیمی سے روایت ہے کہ امام زین العابدینؑ اور ولید بن عتبہ ابی سفیان کے درمیان ذوالمروہ کے کسی مال کے متعلق جھگڑا پیدا ہوگیا کہ ان میں سے ہر ایک اس کو اپنا قرار دیتا تھا۔ اس زمانہ میں ولید اپنے چچا معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا۔ پس ولید نے حسینؑ پر زبردستی کر کے ان کا حق اس اقتدار کے زور پر جو اس کو حاصل تھا چھین لیا۔ حسینؑ نے اس سے کہا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میرے حق کے بارے میں میرے ساتھ انصاف کرو ورنہ میں اپنی تلوار نکال کر مسجد رسول اللہؐ پر کھڑا ہو جاؤں گا اور حلف الفضول کے زندہ کئے جانے کا مطالبہ کروں گا۔ اس وقت ولید کے دربار میں ممتاز مسلمانوں کے افراد موجود تھے جن میں عبداللہ بن زبیر بھی تھے۔ وہ بول اٹھے کہ میں بھی اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر انہوں نے اس کا سہارا طلب کیا تو میں بھی اپنی تلوار نکال لوں گا اور میں ان کا ساتھ دیتا رہوں گا تاوقتیکہ ان کے حق میں انصاف کا تقاضا پورا کیا جائے یا ہم دونوں مرجائیں۔ ان دونوں کی بات مسعود مخرمہ بن نوفل زہری تک پہنچی تو اس نے بھی ان ہی خیالات کا اظہار کیا۔

جب اس عہدنامے کے احیاء کی تجویز کے متعلق حسینؑ کی بات پھیل گئی اور یہ لوگ آپ کے ساتھ ہوگئے تو عبدالرحمٰن بن عثمان بن عبیداللہ تمیمی جو مسلمانوں میں ایک نمایاں فرد تھے آ کر ان لوگوں کے برابر میں کھڑے ہوگئے۔ اب جو ولید نے حلف الفضول کے احیاء کے لئے یہ نئی تیاری دیکھی تو حسینؑ کے ساتھ انصاف کرنے پر مائل ہوگیا اور جو مال ان سے زبردستی لے لیا تھا ان کو واپس کردیا۔ یہ فطری امر تھا کہ معاویہ اور مختلف ضلعوں میں ان کے حکام ان آوازوں سے جو ظالموں اور غاصبوں کے خلاف اٹھ رہی تھیں کانپ گئے کیونکہ یہ آوازیں سب لوگوں سے زیادہ ان ہی کے خلاف اٹھ رہی تھیں۔ اس لئے کہ ان کی حکومت قائم ہی ظلم، سرکشی، حقوق کی پامالی، آزادی کی گھٹن اور برسراقتدار جماعت کی خاطر تمام دوسری جماعتوں کے استحصال پر تھی اور یہی مطلب ہے ان کے مشہور جملہ کا کہ ''سرداری قریش کے لئے باغ ہے۔'' چنانچہ ان کی تمام ظلم کیش حکومت کے زمانہ بھر یہی ان کی سیرت رہی اور یہی ان کی سیاست جس پر وہ کاربند رہے۔

مختصر یہ کہ حلف الفضول جس کی بنا ابوطالبؑ اور دیگر اہل قریش اور اہل مکہ نے ڈالی تھی اور جس میں محمدؐ بن عبداللہ نے شرکت فرمائی تھی، وہ ان اغراض کی ابتدائی شکل تھی جو آپ کی رسالت میں ظاہر ہوئے اور آپ کی رسالت کے ورود کے بعد اس کا ذکر صرف ضمیروں کے جگانے کے لئے اور احساسات میں حرکت پیدا کرنے کے لئے کیا جاتا رہا تاکہ ہر زمانہ اور ہر دور میں ظلم کے خلاف پابندی لگائی جاسکے اور نیکی کے لئے تعاون کیا جائے خاص کر جب حاکم روگردانی کرکے اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگے اور اپنے فائدے کے لئے رعایا کا مال اور ملک کی آمدنی ہڑپ کرنے لگے۔

بحیرا اور یہودی علماء کے ساتھ

بیشتر مورخوں اور سیرت نویسوں نے آنحضرتؐ کے شام کی جانب ان پے بہ پے سفروں میں جو آپ نے حضرت خدیجہؑ سے تزویج فرمانے سے پہلے اور اس کے بعد اختیار فرمائے، راہبوں اور یہودی علماء سے آپ کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ نیز بحیرا کا ذکر کیا ہے جس نے آپ کو نبوت کی بشارت دی تھی اور آپ کے ساتھ والوں کو آپ کے معاملات

سے آگاہ کرکے ان کو یہودیوں کی طرف سے اور ان تدبیروں کے بارے میں جو عیسائی اور دوسرے مذہبوں کے سربراہ آپ کی ہلاکت کے لئے کررہے تھے خبردار کیا تھا۔ لیکن ان واقعات کے متعلق روایات اور ان سفروں کی ہئیت اور آنحضرتؐ کی کرامات کے بارے میں اس قدر اختلافات پائے جاتے ہیں کہ ان بیانات کے متعلق شک پیدا ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ افراد جنہوں نے ان سفروں اور ان کے متعلقات کو بیان کیا ہے جھوٹ بولنے اور بلاثبوت تاریخی واقعات بیان کرنے کے لئے موردالزام مانے جاتے ہیں۔

ان کے مشکوک ہونے کی طرف بعض مورخوں نے بھی اشارے کئے ہیں ان میں سے ابوالفداء ہیں جن کی تاریخ کبیر میں آیا ہے کہ ان روایتوں کے ایک راوی ابوبکر بن ابوموسیٰ ہیں جنہوں نے اپنے باپ ابوموسیٰ اشعری سے روایت کی ہے۔ یہ اسلام میں ہجرت کے ساتویں سال میں داخل ہوئے تھے۔ چنانچہ مورخ کی رائے میں یہ اس وقت لازمی طور پر صحابہ کی مرسل روایات میں سے ہوں گی اس کے علاوہ انہوں نے ان روایات کے قابل شک ہونے کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ راہبوں اور یہودی علماء نے آنحضرتؐ کے متعلق یہودیوں وغیرہ کے خوف کی وجہ سے ابوطالبؑ کو رائے دی کہ آنحضرتؐ کو مکہ واپس بھیج دیں۔ چنانچہ ابوطالبؑ نے آپ کو راوی کے خیال کے مطابق بلال حبشیؓ اور ابوبکر کے ساتھ واپس کردیا۔ اب اس وقت یہ دونوں عمر میں آنحضرتؐ سے چھوٹے تھے کیونکہ ابوبکر اس وقت دس سال سے زیادہ کے نہ تھے اور بلال حبشیؓ اس سے بھی کم عمر تھے۔ ایسی صورت میں یہ ابوطالبؑ کے متعلق کیسے صحیح ہوسکتا ہے جو اپنے بھتیجے کے لئے سخت فکرمند رہتے تھے کہ وہ ان کو اس طویل مسافت پر اور خوفناک جنگل کے راستا سے دو چھوٹے چھوٹے لڑکوں کے ساتھ واپس بھیج دیں حالانکہ وہ خود کبھی ایک دن کے لئے ان سے جدا نہ ہوتے تھے اور کسی کے پاس حتیٰ کہ ان کے چچاؤں کے پاس بھی نہ چھوڑتے تھے جو بڑی قوت اور ہمت والے ہاشمی تھے۔

میں نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں اس رائے کو ترجیح دی ہے کہ ان سفروں کے بارے میں وہ روایات جن میں آنحضرتؐ سے کرامات منسوب ہیں اسلام کے ان دشمنوں کی من گھڑت ہیں جو یہ چاہتے تھے کہ ان متواتر سفروں کے ذکر سے اور آنحضرتؐ کے بحیرا اور اس جیسے دوسرے راہبوں اور یہودی علماء کی صحبت میں رہنے کے ذکر سے آپؐ کے رسول ہونے کو اور آپ کی نبوت کو مشکوک قرار دیں کیونکہ ایسے افراد دیومالائی کہانیوں کے مرکزی کردار ہوا کرتے ہیں۔ نیز میں نے ان کے متن اور سند دونوں کے عیوب کی نشاندہی بھی کی ہے۔ میں نے اس کتاب میں کہا ہے اور یہاں اپنی کتاب میں پھر کہتا ہوں کہ محمدؐ بن عبداللہ حمل کی شکل میں، بچپن میں، لڑکپن میں، نوخیز جوانی میں، بھرپور جوانی میں اور بڑھاپے میں کسی حالت میں اور زندگی کے کسی مرحلے میں بھی فطری طریق عمل اور قانون سے باہر نہیں رہے۔ آپ کو اپنے بچپن یا جوانی میں، ان عظیم واقعات کی کوئی ضرورت نہیں ہوئی جن سے حدیث وسیرت کی سنی اور شعیہ کتابیں بھری پڑی ہیں۔ خواہ یہ آپ کی ولادت اور بنی سعد میں گزرے ہوئے بچپن کے زمانہ کے عجائب وغرائب ہوں جن میں سے بعض کے بارے میں میں نے اپنی کتاب الموضوعات میں خبردار کیا ہے یا وہ ہوں جن کو محدثوں اور مورخوں نے آنحضرتؐ کے اس سفر کے سلسلہ میں بیان کیا ہے۔ جب آپؐ شام کی طرف جاتے ہوئے ایک قافلہ میں تھے جس میں ایک سو اسی ۱۸۰ تاجر اور ان کے اہالی موالی

تھے جیسے بادل کا قصہ جو آپ پر سایہ کیئے رہتا تھا، پانی کے چشموں کا بیچ صحرا میں پھوٹ نکلنا جبکہ دسیوں مسافروں کی زندگی پیاس کے باعث موت سے دوچار تھی، خشک درختوں میں زندگی پیدا ہو کر فوراً قسم قسم کے پھلوں کا پیدا ہو جانا اور اسی قسم کی بکثرت مثالیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ بحیرا راہب بڑے مجمع کے لئے کھانے کا انتظام کر کے نبی اکرمؐ کو وہاں بلاتا ہے اور ان سب کو بتلاتا ہے کہ آپ کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ اسی قسم کی مثالیں اور دیومالائی طرز کی کہانیاں ہیں جو حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں شامل ہیں اور جن کو دشمنان اسلام نے نبی اکرمؐ کی ذات اور آپ کی رسالت کو مسخ کرنے اور بگاڑنے کے لئے خوب استعمال کیا ہے۔

غالباً کعب احبار، ابوہریرہ وہب بن منبہ، تمیم داری اور ان کے جیسے افراد ایسی کہانیوں کے بنانے والوں میں نمایاں ترین تھے کیونکہ اس کی تائید ان کے اس فعل سے ہوتی ہے کہ انہوں نے احادیث رسولؐ میں تفسیر اور دیگر چیزوں میں اسرائیلی اور عیسائی اعتقادات اور واقعات کو شامل کردیا۔

پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ ان واقعات اور کرامات نے جن کا راوی حضرات دعویٰ کرتے ہیں، خاص کر وہ جو سفر شام کے راستا میں بڑے مجمع کی موجودگی میں ظہور میں آئے، کوئی اثر ان اہل مکہ پر نہ ڈالا جو اس سفر میں آپ کے ساتھ تھے اور نہ آنحضرتؐ نے ان سے اس وقت استدلال کیا جب وہ لوگ آپ کو دربدر اور مکہ کی گھاٹیوں اور وادیوں میں پریشان کر رہے تھے اور نہ کسی مورخ نے یہ بیان کیا کہ اس سفر میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہنے والوں نے ان کا ذکر واپس آ کر مکہ اور گرد ونواح کے لوگوں سے کیا۔ یہ سب باتیں ان کو بعید از امکان قرار دیتی ہیں۔

میں نے اپنی کتاب الموضوعات میں بعض ان روایتوں کے بارے میں منفی موقف اختیار کیا ہے جو مدائینی نے بعض ایسے افراد سے روایت کی ہے جن کو آنحضرتؐ کی صحبت حاصل نہیں رہی تھی اور ان کو دوسرے مؤرخین نے بھی بیان کیا ہے۔ جیسا کہ صدوق نے اکمال الدین و اتمام النعمۃ میں کیا ہے۔ لیکن بحیرا راہب کے قصے کے بارے میں میرا موقف ویسا نہیں ہے کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ یہ روایت صحیح ہو کہ آنحضرتؐ جب اپنے چچا ابوطالبؑ کے ساتھ شام کے سفر پر گئے تھے جبکہ آپ کی عمر تیرہ سال تھی یا جب آپ اپنے چچا کے بغیر حضرت خدیجہؓ کے لئے تجارتی سفر پر گئے تھے تو اس نے نبی اکرمؐ کو دیکھا ہو۔ پس اگر یہ صحیح ہے تو وہ آپ سے ملا ہوگا اور یہ بعید نہیں کہ اس نے آپ میں وہ علامات دیکھ کر جن کا ذکر توریت، انجیل وغیرہ ایسی قدیم کتابوں میں اس نے پڑھ رکھا تھا، آپ کو عطا ہونے والی نبوت کا اندازہ کرلیا ہو۔

یہ بھی بعید نہیں کہ بحیرا نے آنحضرتؐ کے چچا کو رائے دی ہو کہ آپ کو مکہ واپس کردیں اور یہودیوں وغیرہ کے خوف سے جو آپ کو گزند پہنچانے کے درپے ہیں آپ کو اپنی نگہداری میں رکھیں اور ہر طرح سے کوشش کریں کہ ان کی خواہشوں، مخالفتوں اور دوسروں کو فریب میں ڈالنے والی حرکتوں کا سدباب ہو جائے۔ البتہ باقی واقعات اور خلاف عادت حوادث جن کو تاریخ اور حدیث کی کتابیں بیان کرتی ہیں اگر وہ صحیح ہوتے تو ان کا اثر مکہ اور گرد ونواح میں بلکہ سارے جزیرۂ عرب میں باقی رہتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔

— ۲ —

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اور حضرت خدیجہ علیہا السلام

مؤرخین اور سیرت نگار، حضرت محمدؐ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہؑ سے تزویج فرمانے سے پہلے آنحضرتؐ بعض اوقات ان کی تجارت کے سفر پر تشریف لے جایا کرتے تھے اور بعض اوقات ان لوگوں کے خیال کے مطابق اہل مکہ کی بھیڑ بکریاں مزدوری پر چرایا کرتے تھے تا آنکہ آپ دونوں کی تزویج ہوگئی۔ لیکن ان مرحلوں کے بارے میں جن سے آنحضرتؐ اپنی تاریخ کے اس دور سے گزرے روایات میں اختلاف ہے۔ اس پر سب متفق ہیں کہ آنحضرتؐ کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہؑ بنت خُویلد صورت، اخلاق اور صفات کے لحاظ سے قریشیوں اور اہل مکہ کی عورتوں میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھیں۔ اسی کے ساتھ وہ مکہ کے صاحبان ثروت اور ان تاجروں میں شمار ہوتی تھیں جو یمن، حبشہ اور حجاز کی سرحدوں پر واقع دوسرے ممالک سے سامان درآمد کرتے اور اس کو شام کی طرف برآمد کیا کرتے تھے۔ آپ ایسے لوگوں سے جو اس کام سے واقف ہوتے اس طرح کام لیتی تھیں کہ ان کو یا نفع میں شریک کر کے یا ان کا حق محنت معین کر کے اپنی تجارت پر بھیجا کرتی تھیں۔

رسول اللہؐ کے بیشتر سیرت نگاروں نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت خدیجہؑ دنیاوی ثروت کے ساتھ عالی مرتبہ، عفت، عصمت اور بزرگی اپنائے ہوئے تھیں اور اس زمانہ کی مکہ کی خاتون اول مانی جاتی تھیں۔ جب ان ذی مرتبہ خاتون کو حضرت محمدؐ بن عبداللہ کی ان صفات کا علم ہوا جن کی وجہ سے آنحضرتؐ کو قریش کے ذی مرتبہ افراد پر فوقیت حاصل ہوگئی تھی یعنی آپ کی راست گوئی، امانتداری، پاکدامنی اور وہ خدمات جو آپ صاحبان حاجت کے لئے انجام دیا کرتے تھے اور آپ اس معاملہ میں مشہور ہوگئے تھے تو انہوں نے آنحضرتؐ کو دعوت دی کہ معین اجرت پر آپ کا تجارتی مال لے کر شام جائیں۔ یہ اجرت اس سے دگنی تھی جو وہ دوسرے تاجروں کو دیا کرتی تھیں۔

راویوں کے خیال کے مطابق آنحضرتؐ نے اپنے مادی حالات اور اپنے کفیل ابوطالبؑ کے مادی حالات کے پیش نظر اس کو قبول کرلیا اور جب آپ پہلی مرتبہ ان کا مال تجارت لے کر گئے تو ساتھ ان خاتون کا غلام جو میسرہ کہلاتا تھا وہ بھی

گیا تاکہ حسب ضرورت قافلے کے معاملات اور اونٹوں کی دیکھ بھال کرتا رہے۔ پھر یہ سفر ختم ہوا۔ آنحضرتؐ بحیرا راہب سے ملے جیسا کہ راوی کہتے ہیں۔ نیز میسرہ نے وہ سب عجائب وغرائب دیکھے جو ظہور میں آئے تھے اور جن کی مثال اس نے ان سفروں کے درمیان نہ دیکھی تھی جن پر وہ اس سے قبل جاتا رہا تھا۔ اسی کے ساتھ یہ سفر تجارتی رو سے بہت نفع خیز رہا کیونکہ اس تجارت کا نفع عام نفع سے اس قدر زیادہ ہوا کہ جو کسی تاجر کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ چنانچہ یہ قافلہ عنایات الٰہی میں گھرا ہوا واپس آیا۔ میسرہ جلدی سے آنحضرتؐ اور آپ کے ساتھ والے تاجروں کو چھوڑ کر مکہ جا پہنچا تاکہ ان خاتون کو اس سفر کے حالات اور وہ عجیب وغریب اور حیرت انگیز واقعات سنائے جو اس نے آنحضرتؐ اور بحیرا سے متعلق دیکھے تھے۔

آنحضرتؐ دوسرے روز مکہ میں داخل ہوئے اور فوراً حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لے گئے تاکہ ان کی امانت ان کو واپس پہنچا دیں۔ انہوں نے آنحضرتؐ کا خیر مقدم اپنی مشہور بشاشت سے کیا۔ آپ کی محنت کا شکریہ ادا کیا اور آپ کو صحیح و سالم پہنچ جانے پر مبارکباد دی۔ ساتھ ہی انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی زندگی میں ایک نیا موڑ آ رہا ہے انہوں نے ساری رات آنحضرتؐ کے متعلق سوچتے ہوئے گزار دی اور اندازہ لگاتی رہیں کہ آپ کا مستقبل واقعات سے بھرا ہوا ہوگا جو جلد آنے والے چند ہی سالوں میں واضح ہو جائے گا۔ ویسے تو وہ فیصلہ کئے ہوئے تھیں کہ وہ اپنی جوانی کا زمانہ مردوں اور ان کے مسائل سے دور رہ کر گزار دیں گی اور آج تک جبکہ وہ عمر کے چالیسویں سال کے قریب پہنچ چکی تھیں اس فیصلہ پر مضبوطی سے قائم تھیں لیکن انہوں نے ان افراد سے قطع نظر کر کے جنہوں نے اس سے پہلے ان کے مال و دولت کے لالچ میں رشتے کی خواہش کی تھی آنحضرتؐ کے ساتھ رشتے کے متعلق سوچنا شروع کیا اور دل سے چاہنے لگیں کہ یہ معاملہ قائم ہو جائے اور آنحضرتؐ رشتہ طلب کرنے میں پہل کریں۔ لیکن آنحضرتؐ نے اس معاملے میں کچھ نہیں کیا۔ تب انہوں نے آنحضرتؐ کو اہل مکہ کی ایک عورت نفیسہ بنت منبہ کے ذریعہ بلوا بھیجا تاکہ آپ سے دریافت کریں کہ اب جبکہ آپ بیس سال سے زیادہ کے ہو چکے ہیں تو آپ کو تزویج کرنے میں کون سی چیز حائل ہے؟ آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا کہ رکاوٹ کوئی نہیں ہے سوائے اس کے کہ میرے پاس مال کی قسم سے کچھ نہیں ہے۔ جب آپ کو حضرت خدیجہؓ کی رغبت بتائی گئی تو آپؐ اس بات سے خوش ہو گئے اور اس کا ذکر اپنے کفیل چچا ابوطالبؑ اور دیگر چچاؤں سے کیا۔ آپ کے چچاؤں نے اس کو بخوشی قبول کیا کیونکہ سب کے سب حضرت خدیجہؓ کے شرف اور وسیع دولت سے واقف تھے۔ چنانچہ ابوطالبؑ، حمزہؓ بن عبدالمطلب کو ساتھ لے کر حضرت خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسد کے پاس گئے اور ایک روایت یہ ہے کہ یہ لوگ ان کے والد خُوَیلِد کے پاس گئے جو اس وقت تک زندہ تھے۔

یعقوبی نے عمار بن یاسرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہؐ کی حضرت خدیجہؓ سے تزویج کا علم سب سے زیادہ مجھ کو ہے کیونکہ میں نے ان کی تصدیق کی تھی۔ ایک روز ہم لوگ صفا اور مروہ کے درمیان چل رہے تھے کہ اتنے میں خدیجہ بنت خُوَیلِد اور ان کی بہن ہالہ ہمارے راستے میں آ گئیں۔ پس ہالہ میرے قریب آ کر بولیں اے عمارؓ! کیا تمہارے دوست کو خدیجہؓ کا رشتہ مطلوب ہے؟ میں نے کہا: قسم بخدا! مجھ کو نہیں معلوم۔ آنحضرتؐ ابھی ابھی راستے

میں مجھ سے جدا ہوئے تھے۔ میں ان سے جاملا اور انہیں ہالہ کی کہی ہوئی بات بتائی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: جاؤ اور ان سے ملنے کے لئے ایک دن کا وعدہ کرلو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ دن آیا تو حضرت خدیجہؓ نے اپنے چچا کو بلا بھیجا کیونکہ ان کے والد وفات پا چکے تھے۔ ان کی داڑھی میں تیل لگایا اور ان کو اوپر سے لباس پہنا دیا۔ اس کے بعد رسول اللہؐ اپنے چچاؤں کے ہمراہ تشریف لائے جن میں سب سے آگے ابوطالبؑ تھے۔ انہوں نے اپنے خطبہ میں کہا کہ: الحمدللہ الذی جعلنا من زرع ابراھیم و ذریۃ اسماعیل، وجعل لنا بیتاً محجوجاً و حرماً آمناً و جعلناالحکام علی الناس...

''حمد اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے جس نے ہم ابراہیمؑ کی نسل اور اسمٰعیلؑ کی اولاد میں قرار دیا، ہم کو ایسا گھر عطا کیا جس کا حج کیا جاتا ہے۔ وہ قابل احترام اور جائے پناہ ہے۔ اس نے ہم کو عوام الناس پر حاکم قرار دیا اور ہمیں اس شہر میں صاحب برکت بنایا۔ یہ میرا بھتیجا محمدؐ بن عبداللہ جس کا موازنہ قریش کے کسی شخص سے کیا جائے تو یہی افضل نکلے گا اور اس کا جس کسی سے بھی مقابلہ کیا جائے گا یہ اس سے عظیم تر ثابت ہوگا۔ اس کے پاس مال تو کم ہے لیکن مال— رزق کی طرح آتا ہے اور جاتا ہے گویا ایک سایہ ہے جو ڈھل جاتا ہے۔ اِن کو خدیجہؓ کی خواہش ہے اور اُن کو محمدؐ کی خواہش ہے۔ انہوں نے جو مہر معجّل مانگا ہے وہ فوراً میرے مال میں سے واجب الادا ہے۔ بخدا! ان کو بہت بڑے لفظوں سے خطاب کیا جاتا ہے اور ان کی شہرت پھیلی ہوئی ہے۔''

اس طرح ان دونوں کی تزویج اتمام کو پہنچی۔ جب صبح ہوئی تو حضرت خدیجہؓ کے چچا لوگوں پر ناراض ہوئے۔ تب ان کو بتایا گیا کہ تمہارے داماد محمدؐ بن عبداللہ ہیں۔ میں انہیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ وہ بولے: تم نے کب ان کی تزویج کی؟ میں نے کہا: ''کل۔'' تو کہنے لگے: تم نے ایسا نہیں کیا۔ اس پر جو لوگ وہاں موجود تھے انہوں نے ان کے سامنے گواہی دی کہ ہاں انہوں نے یہ کام انجام دیدیا ہے۔ جب انہوں نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو بول پڑے: سب لوگ گواہ رہنا کہ کل میں نے ان کی تزویج نہیں کی تھی تو آج ان کی تزویج کردی ہے۔ عمارؓ بن یاسرؓ نے مزید کہا کہ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کو اپنی تجارت کے لئے اجرت پر نہیں رکھا تھا اور نہ آنحضرتؐ نے کبھی کسی کا کام اجرت پر کیا۔ اس روایت کو ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۹۵، ۲۹۶)

تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ جب آنحضرتؐ، حضرت خدیجہؓ کے تجارتی سفر سے واپس آئے اور میسرہ نے نبی اکرمؐ کی وہ کرامات بیان کیں جو اس نے دیکھی تھیں تو انہوں نے آنحضرتؐ سے براہ راست بات کی اور آپ سے درخواست کی کہ ان سے تزویج فرمالیں اور اُن کا مہر بیس جوان اونٹ تھے۔ الختصر یہ کہ عمارؓ بن یاسر کی روایت اس کو غلط قرار دیتی ہے کہ نبی اکرمؐ نے کبھی کسی اہل مکہ کی بھیڑ بکریاں چرائی ہوں۔ جیسا کہ ابوہریرہ کی بیان کی ہوئی روایت میں ان ہی سے منقول ہے۔ اسی طرح اس کو بھی غلط قرار دیتی ہے کہ نبی اکرمؐ نے کسی کے لئے حتیٰ کہ حضرت خدیجہؓ کے لئے اجرت پر کام کیا ہو۔ غالباً یہ سند کے لحاظ سے ان روایات کے مقابلہ میں صحت سے قریب تر ہے جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ بیس یا پچیس سال کی عمر کو پہنچنے تک اپنی روزی کے لئے اجرت پر بھیڑ بکریاں اور اونٹ چرایا کرتے تھے جس کے بعد آپ نے حضرت خدیجہؓ سے تزویج فرمائی اور انہوں نے آپ کو اپنی دولت و ثروت سے سہارا بہم پہنچا دیا۔

یہ لوگ مزید کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے: ''میں کبھی کسی چیز سے جو اہل جاہلیت کیا کرتے تھے فکرمند نہیں ہوا سوائے دو مرتبہ کے۔ اللہ تعالیٰ میرے اور اس چیز کے درمیان جس سے میں فکرمند ہوتا حائل رہتا تھا تا آنکہ اس نے مجھ کو عہدۂ رسالت سے معزز فرمایا۔

ایک رات میں نے اس لڑکے سے جو میرے ساتھ بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا کہا: تم میرے جانوروں کو دیکھتے رہو تاکہ میں مکہ جاکر آج رات ان خوش فعلیوں میں گزارلوں جیسے دوسرے نوجوان کرتے ہیں۔ اس نے کہا: آپ جائیے۔ میں چل پڑا یہاں تک کہ مکہ کے پہلے گھر پر پہنچ گیا۔ وہاں میں نے موسیقی سنی، جب میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو لوگوں نے بتایا کہ فلاں کی شادی ہو رہی ہے، میں وہیں بیٹھ کر سننے لگا، اللہ نے مجھے سلا دیا اور سورج کی حرارت سے ہی میری آنکھ کھلی، تب میں اپنے ساتھی کے پاس واپس آیا اور اس کو اپنی آپ بیتی سنائی۔ میں نے اگلی رات بھی اس سے وہی کہا اور مکہ چلا گیا آج بھی میرے ساتھ وہی ماجرا ہوا جو پہلے ہوا تھا۔ اس کے بعد سے میں نے کسی برے کام کے متعلق سوچا ہی نہیں۔[۱]

ابوہریرہ نے آنحضرتؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ نے کوئی نبی مبعوث نہیں کیا مگر یہ کہ اس نے بھیڑ بکریاں چرائی ہیں۔''

ابوہریرہ کے خیال کے مطابق اصحابؓ نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا: ''اور آپ؟'' اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: ''ہاں میں بھی مزدوری پر اہل مکہ کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا۔''

یہ بعید نہیں کہ ابوہریرہ ہی وہ شخص ہوں جنہوں نے اس قسم کی روایتیں تیار کی ہوں کیونکہ وہ ایک طویل مدت تک چرواہے کا کام کرتے رہے، ان پر یہ نام چھا گیا تھا۔ نیز وہ ایک بلی اٹھائے رہتے تھے جس سے وہ کھیلتے رہتے تھے۔ جب وہ مسلمانوں سے آملے تو یہ نام ان سے لگا رہا۔ وہ یہ دیکھتے تو ان پر خاموشی چھا جاتی۔ اسی لئے انہوں نے یہ حدیث گھڑلی تاکہ اپنی پردہ پوشی کرلیں اور اپنے آپ کو اس حقیر حیثیت سے بلند کرلیں جو وہ اس پیشے میں محسوس کرتے تھے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جن لوگوں نے اس قسم کی حدیثیں روایت کی ہیں اور ان کو اپنی تاریخوں اور حدیثوں کے مجموعوں میں شامل کیا ہے، انہوں نے ان ہی کے پہلو بہ پہلو رسول اللہؐ کے بارے میں عبدالمطلب اور ابوطالبؑ کے موقف کو اور آنحضرتؐ کے ساتھ ان کے شدید لگاؤ کو بھی بیان کیا ہے کہ یہ دونوں حضرات محبت میں آنحضرتؐ کو اپنے بچوں پر ترجیح دیتے تھے اور یہ کہ ابوطالبؑ ایک لحظہ کے لئے بھی آنحضرتؐ کو تنہا نہ چھوڑتے تھے خاص طور پر جب سے انہوں نے بحیرا وغیرہ سے سنا تھا کہ یہودی اور عیسائی درپردہ آپ کو گزند پہنچانے اور آپ کے ساتھ دھوکا کرنے کے درپے ہیں۔ یہ ان

۱۔ یہ حدیث حاکم وغیرہ نے ابن اسحٰق کے سلسلہ سے اختیار کی ہے اور اہل سنت کے محدثین کی ایک جماعت نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور باقی نے ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس کی سند ایسی جماعت پر مشتمل ہے جن پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔ ان میں محمد بن عبداللہ بن قیس ہے جس کو ابن حبان کے علاوہ کسی نے قابل اعتماد قرار نہیں دیا اور اس کا بااعتماد قرار دینا بے معنی ہے کیونکہ وہ تنہا ہی توثیق کرنے والا ہے اور اس کے متعلق یہ ثابت ہے کہ وہ نامعلوم افراد کی توثیق کردیا کرتا تھا۔

روایات کے ساتھ کیسے ٹھہر سکتی ہے جو آنحضرتؐ کو اپنے لڑکپن اور جوانی میں اہل مکہ کے لئے اجرت پر کام کرتا ہوا قرار دیتی ہیں جب وہ مویشیوں کے ساتھ میدانوں اور پہاڑوں پر اپنے گھر والوں، رشتہ داروں اور تمام انسانوں سے دور رہتے تھے۔

بہر صورت کام اور روزی حاصل کرنے کے لئے محنت رسولوں کا طریقہ عمل رہا ہے اور آنحضرتؐ سے پہلے رسولوں کی ایک جماعت ہاتھ سے کام کرکے زندگی گزارتی رہی ہے۔ چنانچہ ان حضرات نے بعض شریف پیشے اختیار کئے تاکہ وہ عوام الناس میں سے کسی کو بھاری نہ لگیں۔ قرآن کریم نے حضرت موسیٰؑ اور دوسرے نبیوں کے قصے بیان کئے ہیں جو اپنی حاجتیں اور معاشی ضروریات پوری کرنے کے لئے کام کیا کرتے تھے۔ شریعت میں سب سے زیادہ نمایاں قوانین عمل کی ترغیب اور کاہل آدمیوں کی تحقیر کے بارے میں ہیں۔ اسلام نے دنیا و آخرت دونوں کے لئے عمل کرنے کی ہدایت کی ہے چنانچہ اللہ کریم فرماتا ہے:

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَا الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ''جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے اس میں دار آخرت حاصل کرو اور دنیا میں سے بھی اپنے حصے سے غافل نہ ہو۔'' (سورۂ قصص: آیت ۷۷) لفظ نصیب (حصہ) یہ اشارہ کررہا ہے کہ زمانہ اور مقام کے لحاظ سے شریفانہ زندگی اور نیک معاشرت ہر انسان سے اس کی قوت اور قابلیت کے مطابق محنت عمل اور قربانی کا مطالبہ کرتی ہے اور یہ ممکن نہیں جب تک کہ ہر انسان اس میں شریک ہو کر اپنے حصے کو پورا نہ کرتا رہے۔

رسول خداؐ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ اہل وعیال اور دوسرے زیر کفالت افراد کے لئے طلب رزق میں عمل اور کوشش کو عبادت کی ایسی قسم جو تقرب الٰہی کا باعث ہو بلکہ بوقت ضرورت مستحب نماز سے بھی زیادہ افضل قرار دیتے تھے، نیز مشہور ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ایک روز کا عمل سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔

یہ ثابت ہے کہ آنحضرتؐ نے مہاجرین اولین پر زور دیا تھا کہ وہ لوگ انصار کے باغوں میں اور دوکانوں پر کام کیا کریں تاکہ اوس اور خزرج پر بوجھ نہ بن جائیں حالانکہ یہ دونوں قبیلے ہر اس شے سے خوش رہتے تھے جو ان کو رسول خداؐ اور ان کی رسالت کی راہ میں مل جائے۔ پس کام نہ شان و شوکت کے منافی ہے نہ نبوت کے اور نہ انسان کی حیثیت کو گراتا ہے۔ خواہ وہ کسی قسم کا ہو اور جب وہ اہل وعیال کے لئے اور انسانوں کی بھلائی کے لئے ہو تو سب سے افضل اطاعت ہے۔ لیکن جو کوئی آنحضرتؐ کی ولادت سے لے کر آپ کے بڑے ہونے تک آپ کی حیات کا مطالعہ کرے اور دیکھے کہ آپ ایسی خاتون کے شوہر ہوئے جو عورت کی تاریخ میں اخلاق، ایثار اور جہاد فی سبیل اللہ کی رو سے بہترین عورت تھیں اور آنحضرتؐ کے دادا اور چچا کا طرز عمل دیکھے اور ملاحظہ کرے کہ وہ آپؐ کی کس حد تک عزت کرتے تھے اور کس قدر مہربان تھے۔ نیز آپ رات دن کبھی ان دونوں سے جدا نہ ہوتے تھے اور وہ دونوں آپ کی انتہائی راحت رسانی اور آرام کے لئے ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ جو شخص یہ سب دیکھے گا اور معلوم کرے گا کہ یہ دونوں آپ کے بچپن سے ہی یہ توقع کر رہے تھے کہ آپ مستقبل میں دنیا کی اس سرے سے اس سرے تک کایا پلٹ دیں گے اور انسانیت کی تاریخ میں عظیم انقلاب برپا

کریں گے۔ اسی لئے تو ان دونوں کو آپ کے لئے دوسرے مذاہب کے مبلغوں اور عرب کے خودسر لوگوں کی طرف سے خوف رہتا تھا۔ لازمی طور پر وہ شخص اس قسم کی شک انگیز روایات کو ذرا بھی اہمیت نہ دے گا جو یہ ظاہر کریں کہ آپ اہل مکہ کی بھیڑ بکریاں چیزوں کے بدلے یا مقررہ اجرت پر چرایا کرتے تھے اور اس کے بعد حضرت خدیجہؑ اور قریش کے دوسرے تاجروں کی تجارت کے لئے نفع میں شریک ہونے کے طور پر شام کے سفر پر جانے لگے تھے۔ خصوصاً عمارؓ کی اس روایت کے بعد کہ آنحضرتؐ نے نہ کبھی کسی کے لئے مویشی چرانے کا کام کیا اور نہ تجارت کا اور یہ کہ حضرت خدیجہؑ سے تزویج سے پہلے دونوں کے درمیان کوئی لین دین کا معاملہ نہیں ہوا تھا بلکہ یہ تزویج حضرت خدیجہؑ کی پسند کی وجہ سے ہوئی تھی کیونکہ انہوں نے آنحضرتؐ کو ایسا شخص پایا تھا جن سے ان کو راحت حاصل ہوسکتی تھی۔ حالانکہ وہ چالیس سال کی ہوگئیں تھیں اور قریش کے باعزت افراد ان سے ان کی دولت کے لالچ میں تزویج کے خواہشمند تھے۔

البتہ ان معلومات کی بنا پر جو حضرت خدیجہؑ کو کثرت سے پہنچتی رہتی تھیں ان کو حضرت محمدؐ بن عبداللہ کی ہستی میں ایسا شخص نظر آیا جس کو دنیاوی دولت فریب میں نہ ڈال سکتی تھی اسی لئے انہوں نے آنحضرتؐ کو اپنے لئے منتخب کیا اور آپ کے پاس اس فرد کو بھیجا جو آپ کو ان کے باپ یا چچا کی طرف سے ان کے رشتہ کے لئے آمادہ کرلے جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔ حضرت خدیجہؑ ایسی بافضیلت خاتون کیلئے یہ تعجب خیز امر نہیں کہ انہوں نے اپنے لئے حضرت محمدؐ بن عبداللہ ایسے فرد کو منتخب کیا اور آپ کو مکہ کے دوسرے سرداروں اور ذی مرتبہ افراد پر ترجیح دی کیونکہ آنحضرتؐ میں وہ صفات بدرجہ اتم موجود تھیں جن کی مثال عرب کے ماضی وحال میں مفقود تھی۔ آپ کے دشمن اس کوشش میں رہے کہ آپ کی حیات میں ایسی چیز تلاش کریں خواہ شمہ بھر سہی جو آپ کی پرازشرف تاریخ کو داغدار بنادے۔ یا حصول جاہ یا تلاش دولت کے لئے آپ کی کوئی کوشش معلوم کرلیں یا جوانی کے جوش میں جو بعض اوقات عقل اخلاق اور دانائی کو پس پشت ڈال دیتی ہے آپ کی کوئی بے راہ روی معلوم کرلیں لیکن ایسی کوئی چیز معلوم نہ کرسکے۔ دراصل آپؐ میں یہ صفات عالیہ ایسی شکل اور ایسی خوبصورت ترکیب سے پائی جاتی تھیں جو کسی شخص میں کبھی یکجا نہیں ہوئیں جیسا کہ آپؐ کے سب جاننے والے بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ عمرو بن شمر کی روایت میں ہے کہ انہوں نے جابر سے روایت کی کہ میں نے امام محمد باقرؑ سے فرمائش کی کہ میرے لئے رسول اللہؐ کے خدوخال بیان فرمایئے۔ امامؑ نے فرمایا کہ اللہ کے نبی کا چہرہ سرخی مائل سفید تھا، آنکھیں بڑی بڑی سیاہ تھیں، بھویں جڑواں تھیں، اطراف سخت تھے، پنجوں پر جیسے سونا چڑھا ہوا تھا، شانوں کی ہڈیاں بڑی بڑی تھیں، آپ کسی طرف متوجہ ہوتے تو نرم مزاجی کے باعث پورے متوجہ ہوتے تھے، آپ کے سینہ کے اوپری حصہ سے ناف تک خط پڑا ہوا تھا جیسے وہ صاف کی ہوئی چاندی کا درمیان ہے، آپ کی گردن سینہ کے جوڑ تک چاندی کی صراحی کی مانند تھی، آپ کی ناک ایسی تھی کہ پانی پیتے وقت معلوم ہوتا تھا واپس آجائے گا، جب آپ چلتے تو آگے کی طرف جھکے ہوئے گویا نیچائی کی طرف اتر رہے ہوں، آپ کے مثل نہ آپ سے پہلے دیکھا گیا ہے نہ آپ کے بعد۔ (کافی جلد ا صفحہ ۴۴۳)

پس یہ قابل تعجب نہیں ہے کہ حضرت خدیجہؑ نے اپنے لئے آنحضرتؐ سے رشتہ کی درخواست کی اور آنحضرتؐ کے

دکھوں میں شریک ہو کر اپنی عقل، اپنے دل اور اپنے مال سے آپ کی امداد فرماتی رہیں تا آنکہ مدینہ کی جانب ہجرت سے ایک یا دو سال پہلے پینسٹھ سال کی عمر میں اپنے پروردگار سے جاملیں۔

آنحضرتؐ سے آپ کے لڑکے اور لڑکیاں ملا کر چھ اولادیں ہوئیں۔ قاسم جن سے آنحضرتؐ کی کنیت قائم ہوئی، زینب، رقیہ، ام کلثوم، عبداللہ اور فاطمہؑ۔ قاسم ایسے سن تک پہنچنے کے بعد وفات پا گئے کہ وہ سواری کے جانور پر سوار ہو لیتے تھے اور سدھے ہوئے جانور کو چلا بھی لیتے تھے۔ جیسا کہ شیخ غزالی نے اپنی کتاب فقہ السیرۃ میں لکھا ہے۔ عبداللہ بچپن میں فوت ہو گئے۔ ان کا لقب طیب اور طاہر بھی تھا۔ آنحضرتؐ کی تمام بیٹیاں آپ کی زندگی ہی میں وفات پا گئیں سوائے حضرت فاطمہؑ کے جو اپنے والد بزرگوارؐ کے بعد پچھتر روز تک زندہ رہیں جبکہ کلینی کی روایت میں آیا ہے یا چھ مہینہ تک جیسا کہ مؤرخین بیان کرتے ہیں۔

آپ کی رسالت کے اعلان کے بعد عرب آپ کو اس کا طعنہ دیا کرتے اور کہتے کہ ان کا نشان ہی مٹ جائے گا اور یاد بھلا دی جائے گی کیونکہ ان کی نرینہ اولاد نہیں ہے اور لڑکیوں کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا ہے۔

عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ قریش نے سرکشی اور کفر کے معاملہ میں ایکا کر لیا تھا اور کہتے تھے کہ ہم اس صنوبر (کے اُس درخت جس کی جڑ ٹوٹ گئی ہو) کے مقابلے میں زیادہ حق پر ہیں جس کی آگے نسل ندارد ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ جب محمدؐ انتقال کریں گے تو ان کا وارث نہ ہوگا۔

اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَالْاَبْتَرُ. ''تمہارا بدخواہ ہی بے نسل رہے گا۔''

آنحضرتؐ کی تین بیٹیاں زینب، رقیہ اور ام کلثوم آنحضرتؐ کے مبعوث برسالت ہونے سے قبل ہی جوانی کے قریب پہنچ گئیں اور ان میں ایسا حسن نکھرنے لگا کہ شریف لوگوں کے بیٹے اس گھرانہ سے رشتہ کرنے کی خواہش کرنے لگے کیونکہ ان میں دولت، ثروت، شرف، مرتبہ، اور بزرگی کی تمام صفات اس طرح جمع تھیں کہ ان کے علاوہ کسی اور گھرانہ میں نہ ملتی تھیں۔ چنانچہ مکہ کے ہر ذی شرف و باثروت گھرانہ کے جوانوں کی نظریں اس گھر میں رشتہ کے لئے اٹھنے لگیں۔

اس بارے میں سب سے جلدی قدم ابوالعاص بن ربیع کی ماں ہالہ نے اٹھایا جو حضرت خدیجہؑ کی بہن تھیں کہ حضرت خدیجہؑ کی سب سے بڑی بیٹی زینب کا رشتہ اپنے بیٹے کے لئے طلب کرنے آئیں جو اہل مکہ میں اپنے مرتبہ دولت امانتداری اور مروت میں مشہور تھا ان کے ساتھ ان کے شوہر ربیع بھی آئے۔ حضرت خدیجہؑ کو اپنی حقیقی بہن میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس کی وجہ سے وہ ان کی اس درخواست کو قبول کرنے سے انکار کر دیں بشرطیکہ آنحضرتؐ منظور فرمالیں۔

چنانچہ جب انہوں نے معاملہ آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیا اور آپ نے ان کی خواہش کا اندازہ لگایا تو آپ نے بھی منع نہیں فرمایا اور دونوں میں یہ تزویج انجام پا گئی۔

حضرت خدیجہؑ نے چاہا کہ اپنی بیٹی زینب کے لئے اس لحاظ سے خرچ کریں جیسا کہ لوگ ان کی دولتمندی، ان کے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہنے اور ان کی سخاوت کے لحاظ سے توقع کر رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کے لئے اپنی

سب سے بیش قیمت چیزیں صرف کرڈالیں اور ان کی شادی کے موقع پر ان کو اپنا وہ عمدہ ہار بھی دے ڈالا جو وہ اپنی دوشیزگی کے زمانہ میں اور آنحضرتؐ سے تزویج کے وقت پہنے رہی تھیں۔

ابوالعاص بن ربیع ایک زمانہ تک حضرت خدیجہؓ کے بچوں کی طرح رہتے رہے۔

رقیہ اور ام کلثوم گھر میں رہیں البتہ لوگوں کی نظریں ان دونوں پر بھی لگی ہوئی تھیں اور اہل مکہ اور قریشیوں کے بڑے لوگوں کے بیٹے اس تمنا میں تھے کہ یہ دونوں جلدی سے منزل شباب میں داخل ہو جائیں تا کہ ہم پیغام دیں۔ ادھر ام جمیل بنت حرب بن امیہ جو حضرت خدیجہؓ کی پڑوسن تھی اپنی پڑوسن کی خوشحالی دیکھتی رہتی تھی وہ وقت کا انتظار کرتی رہی کہ ان دونوں کا رشتہ اپنے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے لئے طلب کرے۔ اس نے اپنے شوہر عبدالعزیٰ عرف ابولہب سے جو آنحضرتؐ کا چچا تھا، اصرار کیا کہ قبل اس کے کہ قریش کا کوئی اور شخص پہل کرے ان دونوں کا رشتہ اپنے بیٹوں کے لئے طلب کرلے۔

اسے یہ بات معلوم ہوئی کہ بعض اہل شرف اور اہل دولت اس گھرانے کی طرف نظریں لگائے ہوئے ہیں اور رشتۂ ازدواج قائم کرنے کی فکر میں ہیں۔ اُسے یہ راز بھی معلوم ہوگیا کہ عثمان بن عفان بھی دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو اپنے لئے چاہتا ہے۔ وہ یہ سمجھتی تھی کہ اگر وہ آنحضرتؐ کے پاس پہلے پہنچ گیا تو آپ اُسے انکار نہ کریں گے اور شاید یہ لڑکی رقیہ ہو کیونکہ عثمان کی خالہ سعدی حضرت خدیجہؓ سے ملنے آتی رہتی تھی اور ان سے لگاؤ کا اظہار کرتی رہتی تھی۔ پس اُسے خوف تھا کہ اگر سعدی رقیہ کو اپنی بہن کے بیٹے کے لئے طلب کرے گی تو وہ منع نہ کریں گی۔ چنانچہ بہتر یہی تھا کہ وہ وقت ضائع کئے بغیر ان دونوں لڑکیوں کے لئے جلدی سے کام لے اور اس نے اپنے معمول کے خلاف حضرت خدیجہؓ سے محبت ظاہر کرنا شروع کردی اور ان سے اس معاملے کی بات بھی اٹھائی ساتھ ہی اس نے اپنے شوہر کو بھی لگا دیا کہ وہ بھتیجے سے خواہش ظاہر کریں۔ لیکن ڈر رہی تھی کہ کہیں وہ انکار نہ کردیں اور اگر انکار کردیں گے تو وہ ان کی شکایت ان کے کفیل چچا ابوطالبؑ سے کرے گی تا کہ وہ ان کو راضی کرنے کی کوشش کریں کیونکہ آنحضرتؐ اور حضرت خدیجہؓ کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ اگر ابوطالبؑ ارادہ کرلیں اور راضی ہوجائیں تو وہ دونوں انکار کرسکیں۔

یہ دونوں اپنے ارادے پر اڑے رہے اور کوشش میں لگے رہے تا آنکہ ان دونوں حضرات کو مجبور کرلیا گیا اور ان کو ماننے ہی بنی۔ پس رقیہ کا رشتہ عتبہ سے اور ام کلثوم کا عتیبہ سے ہوگیا اور اب وہ اس وقت کا انتظار کرنے لگے کہ تزویج انجام پاجائے ام جمیل اور اس کا شوہر یہ چاہتے تھے کہ دونوں لڑکیاں گھرداری کی عمر کو پہنچ جائیں تو تزویج ہو اور وہ نئے گھر میں منتقل ہوکر ازدواجی زندگی گزارنا شروع کردیں۔

ادھر رسول اکرمؐ اور حضرت خدیجہؓ اپنی ان دونوں بیٹیوں کی طرف سے مطمئن ہوگئے کہ یہ دونوں اپنے قرابتداروں میں ہم پلہ افراد سے منسلک ہوگئیں۔ اب گھر میں حضرت فاطمہؑ کے علاوہ کوئی نہیں بچا۔ لیکن ابھی وہ چھوٹی بچی ہی تھیں اور ان کے لئے مشیت الٰہی کا انتظار تھا جو اٹل ہوتی ہے کہ وقت گزرنے پر ان کے لئے بھی جیسا اللہ چاہے گا ہم پلہ رشتہ مہیا کردے گا۔

شرح نہج البلاغہ وغیرہ میں ہے کہ جب اللہ نے آنحضرتؐ کو رسالت سے مشرف فرمایا تو حضرت خدیجہؑ اور ان کی بیٹیوں نے اسلام کی طرف سبقت کی۔ اس پر قریش آنحضرتؐ پر ہر قسم کی سختی اور دباؤ ڈالنے لگے۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے تم نے محمدؐ اور ان کے معاملے کو ایسے ہی چھوڑ دیا، ان کی بیٹیوں کو لے کر انہیں مطمئن کردیا، ان کی صاحبزادیوں کو گھر سے علیحدہ کردو اور باپ کے گھر واپس بھیج دو تاکہ ان کی وجہ سے ان کو پریشانی ہو۔ چنانچہ لوگوں نے ابوالعاص بن ربیع سے جا کر کہا کہ تم اپنی بیوی کو جو محمدؐ کی بیٹی ہے الگ کردو۔ ہم تمہاری تزویج قریش کی ایسی عورت سے کردیں گے جس کو تم پسند کرو گے۔ اس نے کہا: ہرگز نہیں میں اپنی بیوی کو کبھی الگ نہیں کروں گا میں نہیں چاہتا کہ اس کے ساتھ میرے پاس قریش کی کوئی اور عورت ہو۔ قریشیوں کے دباؤ کے باوجود وہ اپنے موقف پر جمے رہے اور ان کی طرف سے ان صاحبزادی کیلئے کوئی قابل ملال بات سرزد نہیں ہوئی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے انؑ کے اس شریفانہ عمل کو سراہا اور مختلف مواقع پر ان کی تعریف کی۔

شرح نہج البلاغہ میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ قریشیوں نے اس بدبخت عتبہ بن ابولہب سے جا کر کہا کہ تو اپنی بیوی کو طلاق دیدے، ہم تیری تزویج جس عورت سے چاہے گا کردیں گے۔ اس پر اس نے کہا کہ اگر تم میری تزویج ابان بن سعید بن العاص کی بیٹی سے یا سعید بن العاص کی بیٹی سے کرادو تو میں طلاق دے دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے اس کی تزویج سعید بن العاص کی بیٹی سے کرادی اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ قریش نے یہی اس کے بھائی عتیبہ کے ساتھ کیا۔

زینب، ابولعاص ہی کے پاس رہیں باوجودیکہ وہ مشرک رہا کیونکہ نبی اکرمؐ کو یہ مناسب معلوم نہیں ہوا کہ ان کو اس سے علیحدہ کرالیں۔ جب رسول اکرمؐ مکہ سے ہجرت فرما گئے اور بدر کی جنگ واقع ہوئی۔ اس وقت ابوالعاص مشرکین کی طرف تھا۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوگیا۔ جب اہل مکہ نے قیدیوں کے لئے فدیے بھیجے تو زینب نے ابوالعاص کے لئے فدیہ بھیجا۔ ان کی بھیجی ہوئی چیزوں میں وہ ہار بھی تھا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہؑ نے ان کو ان کی شب زفاف میں ابوالعاص کے پاس بھیجتے ہوئے دیا تھا۔ رسول اکرمؐ نے اس کو دیکھا تو آپ کو حضرت خدیجہؑ اور ان کا زمانہ یاد آگیا اور آپ کا دل پسیج گیا۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں سے کہا: اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو زینب کے قیدی کو واپس کردو اور جو مال انہوں نے فدیہ کے طور بھیجا ہے اس کو بھی واپس کردو۔ ان سب نے کہا: ضرور یارسول اللہؐ! ہم خود اور ہمارا مال سب آپ پر فدا ہو۔ اس طرح انہوں نے وہ سب مال جو زینب نے بھیجا تھا ان ہی کو واپس کردیا اور ابوالعاص کو فدیہ کے بغیر رہا کردیا۔

جب مسلمانوں نے ان کو رہا کیا تو آنحضرتؐ نے ان سے عہد لیا کہ وہ آپ کی بیٹی زینب کو مدینہ بھیج دیں گے۔

جب وہ مکہ واپس چلا گیا تو کچھ روز کے بعد رسول اکرمؐ نے زید بن حارثہ اور انصار میں سے ایک شخص کو بھیجا اور حکم دیا کہ وہ دونوں مکہ سے باہر ایک مقام پر جو آپؐ نے ان دونوں کو بتا دیا تھا ان کا انتظار کریں اور ابوالعاص کو بھی اس بارے میں سمجھا دیا تھا۔ ابوالعاص نے مکہ پہنچتے ہی زینب سے کہہ دیا کہ اپنے والد بزرگوارؐ کے پاس جانے کی تیاری کریں۔

ابن اسحٰق نے زینب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں اپنے والد بزرگوارؐ کے پاس جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ مجھ سے ہند بنت عتبہ نے ملاقات کی اور کہا: ''اے بنت محمدؐ! مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے باپ کے پاس جارہی ہو۔ میں نے کہا: میرا تو ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اس پر وہ بولی: اے میرے چچا کی بیٹی! ایسا نہ کرنا اور اگر تم اس کا

ارادہ کرو اور تم کو اپنے سفر کے لئے کسی مال یا متاع کی ضرورت ہو تو میں تم کو تمہاری ضرورت کے مطابق دے سکتی ہوں، تم مجھ سے کوئی پرہیز نہ کرنا کیونکہ جو بات عورتوں کے مابین ہوتی ہے وہ مردوں کے مابین نہیں ہوتی۔ قسم بخدا! میں اس کو ہرگز سچا نہیں سمجھتی تھی بلکہ میں اس سے خوفزدہ تھی۔ چنانچہ میں ایسے ارادے سے انکار ہی کرتی رہی۔ جب میں اپنی تیاری کر چکی تو میرے شوہر کے بھائی کنانہ بن ربیع مجھ کو اونٹ پر بٹھا کر اور اپنی کمان اور ترکش ساتھ لے کر دن کے وقت میرا اونٹ ہنکاتے ہوئے چل نکلے۔ اب تو مردوں اور عورتوں میں اس کا چرچا ہوگیا اور لوگوں نے مجھ کو برا کہنا شروع کردیا۔ چنانچہ وہ میری تلاش میں نکل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ مجھ کو ذی طویٰ کے مقام پر آلیا۔

ابن اسحٰق نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ جو شخص سب سے پہلے ان کی طرف بڑھا وہ ہبار بن اسود بن عبدالمطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ تھا۔ ہبار نے ان کو اپنے نیزہ سے ڈرایا۔ چنانچہ جب وہ مدینہ پہنچیں تو ان کا حمل ضائع ہوگیا۔ اسی وجہ سے رسول اللہؐ نے فتح مکہ کے روز ان کا خون حلال قرار دیدیا تھا جیسا کہ سیرت نگاروں کا بیان ہے۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ کنانہ بن ربیع نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر آواز دی کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ کوئی بھی شخص قریب نہ آئے ورنہ میں اس میں اپنا تیر پیوست کردوں گا۔ چنانچہ لوگ ان کے پاس سے دور ہٹے رہے۔ اس کے بعد ابوسفیان نے آکر اس سے کہا: اے شخص! تم نے یہ اچھا کام نہیں کیا کہ لوگوں کے سامنے کھلم کھلا ایک عورت کو لیکر چل پڑے حالانکہ تم جانتے ہو کہ اس کے باپ کی وجہ سے ہم کن مصیبتوں اور پریشانیوں میں گرفتار ہیں۔ ابھی تم ان کو واپس لے جاؤ اور جب شور کم ہو جائے ان کو خاموشی سے نکال کر ان کے باپ کے پاس پہنچا دینا کیونکہ ہمیں ان سے کچھ نہیں لینا ہے۔ چنانچہ وہ ان کو واپس لے گیا اور کچھ دنوں کے بعد انہیں لا کر زید بن حارثہ اور ان کے ساتھی کے حوالے اس مقام پر کر گیا جو رسول اللہؐ نے ان کو بتایا تھا۔ (شرح نہج البلاغہ جلد۳ صفحہ ۲۵۲۔۲۵۱)

تعمیر کعبہ

خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تاریخ آنحضرتؐ کی تاریخ سے ملی ہوئی ہے۔ اس وقت آپ کی عمر تیس سال یا کچھ زیادہ تھی اور آپؐ نے اس کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیکر اس اختلاف کو ختم کردیا جو اہل مکہ میں پیدا ہوگیا تھا اور قریب تھا کہ ان میں آپس میں مار دھاڑ ہو جاتی۔ آنحضرتؐ نے اپنی دانشمندی اور خلوص نیت سے معاملے کا ایسا حل نکالا کہ سب لوگ مطمئن ہوگئے۔

خانۂ کعبہ کی تاریخ اس قدر طویل ہے کہ پیغمبر خدا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تاریخ سے جا ملتی ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم مختصراً اس کی تاریخ اور ان منزلوں کو بیان کردیں جن سے اس کو اس زمانہ تک گزرنا پڑا جب اہل مکہ اور آنحضرتؐ اس کو ازسرنو بنانے پر اکٹھا ہوئے۔

قرآن کریم میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ سب سے پہلے اس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے اس وقت تعمیر کیا جب وہ اپنی بیوی ہاجرہؑ اور اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کے ساتھ ہجرت کر کے حجاز آگئے۔

چنانچہ اللہ فرماتا ہے: وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ... الخ ''ایک وقت تھا جب ابراہیم خانۂ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے۔''

تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی کنیت ابوالضیفان تھی۔ وہ بابل میں پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش کے وقت ان کے والد تارخ کی عمر پچھتر سال تھی۔ ایک قول کے مطابق وہ دمشق کے نواح میں کوہ قاسیون پر واقع ایک بستی میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے بیس سال سے زیادہ عمر ہو جانے کے بعد حضرت سارہؓ سے شادی کی۔ ان کے والد تارخ ان دونوں کو لے کر کلدانیوں کے ملک سے کنعانیوں کے ملک میں بیت المقدس کے علاقہ میں چلے گئے۔ وہاں وہ شہر حران میں قیام پذیر ہوئے اور ان کے والد نے وہیں دو سو پچاس سال کی عمر میں وفات پائی۔ یہ لوگ سات ستاروں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ دمشق کے ہر دروازہ پر ایک ایک ستارے کا مندر بنا ہوا تھا۔

جب اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنی رسالت کے لئے منتخب کیا تو انہوں نے لوگوں کو ایک اللہ کی عبادت کرنے کی اور اس کے علاوہ جس کسی کی پرستش کرتے تھے ان سب کو ترک کر دینے کی تبلیغ شروع کر دی۔

اسی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اِبْرَاهِيمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عَالِمِيْنَ ''یقیناً ہم نے ابراہیمؑ کو درست روی عطا کی اور ہم ان کو جانتے تھے۔'' (سورۂ انبیاء: آیت ۵۱)

وَاِبْرَاهِيمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ○ ''اور وہ وقت تھا جب ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو، یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم اس کو جانو۔ تم اللہ کے بجائے بتوں کی اور ان چیزوں کی پرستش کرتے ہو جو تمہارے لئے روزی پیدا نہیں کرتے۔ تم کو چاہئے کہ اللہ سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کیا کرو۔ اُسی کی طرف تم واپس کئے جاؤ گے۔'' (سورۂ عنکبوت: آیت ۱۷)

نیز ان کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں جن میں اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کی تبلیغی کاروائی اور قوم کو ان کی نصیحتوں کا ان کو تکلیفیں پہنچائے جانے کا، جھٹلائے جانے کا اور اپنے باپ آزر کو نصیحت کرنے کا ذکر کیا ہے۔ آیۂ کریمہ میں ان کے باپ کے اسی نام سے ذکر ہے۔ البتہ عبداللہ بن عباس اور دیگر مفسرین نے روایت کی ہے کہ ان کے باپ کا نام تارخ تھا اور یہ کہ اس آیت میں آزر اس بت کی نسبت سے آیا ہے جو اسی نام سے منسوب تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں بات یہ ہے کہ انبیاءؑ کی تاریخ اور ان کے حالات کے بارے میں اسرائیلی دیومالائی کہانیوں نے بڑے گل کھلائے ہیں اور صحابہؓ نے انہیں سے روایات لے لی ہیں۔

جب تاریخ سازی کا زمانہ آیا تو قدیم صاحبان اخبار اور سیرت نگاروں نے حتیٰ کہ مفسرین قرآن نے بھی ان ہی کو ان کی اسناد اور ان کے بیانات کی چھان بین کئے بغیر اختیار کرلیا اور یہ روایات تفسیر اور حدیث کے مجموعوں میں صحیح بن کر شامل ہوگئیں۔ اس طرح حق و باطل، صحیح و غلط مل جل گئے اور اسلام کو مسخ کرنے والوں نے اپنے زہریلے خیالات پھیلانے کے لئے ان کو خوب استعمال کیا۔

بہرحال ہم کو حضرت ابراہیمؑ یا ان کی پیام رسانی کی یا ان مراحل کی جن سے وہ گزرے، تاریخ بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ ہم کو اس کتاب میں ان کے متعلق صرف ان کی خانۂ کعبہ کی تعمیر کے بارے میں اشارہ کرنا ہے کیونکہ وہی سب سے پہلے فرد تھے جنہوں نے اللہ کا حکم پانے پر اس کی تعمیر کے لئے پہلا پتھر رکھا جیسا کہ بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے۔

مورخوں کا کہنا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے شام اور فلسطین کے علاقہ سے مصر کی جانب ہجرت کی اور وہاں سے ارض مقدس چلے گئے۔

چنانچہ البدایہ والنہایہ وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ مصر کے علاقہ سے اپنے گھر بار سمیت ارض مقدس کی جانب چلے تو ان کے ساتھ ان کے مویشی، غلام، کثیر مال و دولت اور ان کی قبطی کنیز ہاجرہ یہ سب تھے۔ جب انہوں نے وہاں سکونت اختیار کرلی تو ان کی بیوی سارہ نے ان کو مشورہ دیا کہ ہاجرہ سے تزویج کرلیں کیونکہ وہ خود بانجھ تھیں اور ازدواجی زندگی کے طویل زمانہ میں ان کے اولاد نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ جب سارہ نے ان کو ہاجرہ ہبہ کردی اور وہ ان سے ہم بستر ہوئے تو ان کو حضرت اسمٰعیلؑ کا حمل قرار پاگیا۔ اب سارہ کو ایسی غیرت لاحق ہوئی جو اکثر عورتوں کو لاحق ہوتی ہے۔ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ سے اپنی غیرت کا شکوہ کیا۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے ان سے کہا کہ تم ان کے ساتھ جیسا چاہو سلوک کرو۔ پس انہوں نے ان کے ساتھ بدسلوکی کرنا چاہی۔ جب ان خاتون نے ان کی طرف سے بدسلوکی کا اندازہ کیا تو وہ ان سے علیحدہ ہوگئیں۔ اس وقت فرشتے نے آکر ان کو حضرت اسمٰعیلؑ کی بشارت دی۔ چنانچہ انہوں نے واپس آکر اپنی مصیبت پر صبر کرلیا۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ کی ولادت ہوئی تو اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی سال کی تھی۔ اس کے بعد اللہ نے ان کو ان کی بیوی سارہ سے حضرت اسحٰقؑ کی بشارت دی جبکہ وہ بڑھاپے کی حدود میں داخل ہوچکی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی عمر کے نوے سال میں تھیں۔

اللہ قرآن کریم میں ان کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ کہنے لگیں کہ ءَ اَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ''کیا میرے بچہ ہوگا؟ حالانکہ میں بوڑھی ہوچکی ہوں اور یہ میرا شوہر بھی بہت کبیر السن ہے۔'' (سورۂ ہود: آیت ۷۲)

سارہ برابر ہاجرہ پر سختیاں کرتی رہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ مجبور ہوگئے کہ ان کو اور ان کے بچے حضرت اسمٰعیل کو لے کر ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ وہ وہاں سے چلے اور حجاز میں داخل ہوگئے۔ چلتے چلتے خانۂ کعبہ کی جگہ پر پہنچ گئے جو اس وقت ایسا اجاڑ مقام تھا کہ نہ وہاں کوئی تعمیر تھی، نہ درخت، نہ پانی، نہ انسان۔ جب انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا تو جناب

ہاجرہ ان سے لپٹ کر کہنے لگیں کہ آپ ہمیں اس ویرانے میں کہاں چھوڑے جا رہے ہیں جہاں نہ انسان ہے نہ پانی؟ اس پر انہوں نے فرمایا: مجھے اللہ نے یہی حکم دیا ہے۔ اللہ کے حکم کی وجہ سے وہ مطمئن ہوگئیں اور انہوں نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔ جب وہ ان سے رخصت ہوئے انہوں نے یہ دعا فرمائی جس کا ذکر اللہ نے سورۂ ابراہیم میں کیا ہے:

رَبَّنَا اِنِّی اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِی بِوَادٍ غَیْرِ ذِی زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ۝

"اے اللہ! میں نے اپنی ذریت کو ایک بے آب و گیاہ وادی میں تیرے مقدس گھر کے قریب بسا دیا ہے۔ اے ہمارے پالنے والے! یہ اس لئے کیا ہے کہ وہ نماز قائم کریں۔ پس تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو روزی پہنچا پھلوں سے تاکہ وہ شکر گزار رہیں۔" (آیت ۳۷)

جناب ہاجرہ اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو دودھ پلاتی رہیں اور خود وہ پانی پیتی رہیں جو حضرت ابراہیمؑ ان کے لئے چھوڑ گئے تھے یہاں تک کہ برتنوں میں جتنا پانی تھا وہ ختم ہوگیا اور دونوں کو پیاس لاحق ہوئی تو وہ پانی کی تلاش میں نکلیں اور اس مقام تک پہنچیں جو صفا کے نام سے مشہور ہے۔ یہ پہاڑ ہے جو اس مقام سے قریب ترین تھا جہاں حضرت ابراہیمؑ ان کو چھوڑ گئے تھے۔ ان کو وہاں کوئی نظر نہیں آیا تو وہ پانی کی تلاش میں نیچے اتر گئیں اور اس مقام پر پہنچ گئیں جو مروہ کہلاتا ہے۔ انہوں نے ان دونوں مقاموں کے درمیان سات چکر کاٹے اور بے ہوشی کے قریب ہوگئیں۔ وہ رنج اور خوف سے بے حال ہو رہی تھیں کہ اللہ نے ان کے پاس ایک فرشتہ کو بھیجا جس نے ان کے لئے اس مقام پر پانی نکال دیا جو زمزم کہلاتا ہے۔ انہوں نے اس سے اپنی مشک بھری اور اپنے بچے کے پاس واپس آ گئیں۔

نیز بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا جس نے ان کو حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے کے ذریعے خانۂ کعبہ کی تعمیر کئے جانے کی بشارت دی جس کا مقام زمین سے پہاڑ کی طرح بلند تھا اور اس کے دائیں اور بائیں جانب میدان تھے۔

حضرت ہاجرہ اس مقام پر رہتی رہیں یہاں تک کہ مکہ کے علاقہ سے قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ گزرے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک پرندہ آ جا رہا ہے ان کو خیال ہوا کہ یہ پرندہ پانی کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ انہوں نے آدمی بھیج کر اس پرندے کا حال معلوم کرایا۔ انہوں نے اس کے قریب حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو پایا۔ ان لوگوں نے ان سے اجازت چاہی کہ وہ چشمہ کے قریب پڑاؤ ڈالیں۔ حضرت ہاجرہ نے ان کو اس شرط پر اجازت دیدی کہ وہ صرف اپنی ضرورت بھر پانی لے سکیں گے۔ اس طرح ایک زمانہ گزر گیا جس کے دوران حضرت اسمٰعیلؑ جوان ہوگئے۔ انہوں نے ان لوگوں سے عربی سیکھ لی اور ان ہی سے ایک کی بیٹی سے تزویج کر لی۔ حضرت اسمٰعیلؑ قبیلہ جرہم کے ساتھ رہتے تھے تا آنکہ حضرت ابراہیمؑ ان کے پاس آ پہنچے اور اس طویل مدت کے بعد ان سے نہایت محبت سے ملے۔ پھر انہوں نے ان سے کہا کہ مجھ کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں اس مقام پر ایک مکان تعمیر کروں اور اس مقام کی جانب اشارہ کیا جس کا ہم ذکر کر چکے

ہیں کہ وہ چاروں طرف کی زمین سے بلند تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ خانۂ کعبہ کی تعمیر میں مصروف ہوگئے۔ حضرت اسمٰعیلؑ پتھر لاتے جاتے اور حضرت ابراہیمؑ چنائی کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب بنیادیں بلند ہوگئیں تو وہ ایک پتھر لے آئے جس کے اوپر حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہوگئے اور اب حضرت اسمٰعیلؑ ان کو حسب ضرورت چیزیں دیتے جاتے جیسا کہ یہ آیت اشارہ کرتی ہے: وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمَاعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُo ''ایک وقت وہ تھا کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ خانۂ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اے ہمارے پالنے والے ہماری خدمت قبول فرما بے شک تو دعا سننے والا ہے۔'' سورۂ بقرہ: آیت ۱۲۷)

اور ایک دوسری آیت میں ہے کہ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرَاھِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّاتُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا وَّطَھِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِo وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالاً وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍo ''ایک وقت وہ تھا جب ہم نے ابراہیمؑ کے لئے خانۂ کعبہ کو جائے قیام قرار دیا اس وعدہ پر کہ شریک نہ کریں میرے ساتھ کسی چیز کو اور پاک رکھیں میرے گھر کو طواف کرنے والوں قیام کرنے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے۔ اور اعلان کردیجئے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آئیں تو آپ کے پاس پیدل اور پر ہر قسم کے اونٹ پر اور آئیں ہر گہری وادی سے۔'' (سورۂ حج: آیت ۲۶و۲۷)

بعض روایات میں ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم فرمایا کہ زمین کے باشندوں کے لئے اس کے نام سے ایک گھر تعمیر کریں جو ان عبادت گاہوں کی مانند ہو جیسی آسمان پر فرشتوں کے لئے ہیں اور ان کو خانۂ کعبہ بنانے پر توجہ دلائی۔

البدایہ والنہایہ میں درج ہے کہ کسی معصوم سے ایسی کوئی صحیح روایت وارد نہیں ہوئی ہے کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر حضرت ابرہیم خلیل اللہؑ سے پہلے ہوئی ہو۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ صفحہ ۱۶۰)

تاریخ یعقوبی میں ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم فرمایا کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر کریں اور اس کی بنیادیں بلند کریں۔ لوگوں میں حج کا اعلان کریں اور ان کو ارکان حج کی تعلیم دیں۔ پس حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے اس کی بنیادوں کو اس قدر بلند فرمایا کہ وہ حجر اسود کے مقام تک پہنچ گئیں۔ اس وقت انہوں نے اس کو کوہ ابوقبیس سے لاکر اس کے مقام پر نصب کردیا۔ کہا گیا کہ وہ سفید تھا، پھر بنی آدم کے گناہوں کی وجہ سے سیاہ ہوگیا۔ نیز بیان کیا گیا ہے کہ اس کو جبرئیلؑ جنت سے لائے تھے۔ پھر اللہ نے حکم دیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کیا جائے۔ چنانچہ یوم ترویہ آیا تو اللہ نے ان کو حکم دیا کہ اس کو پانی سے دھوڈالا جائے اور اسی لئے اس روز کا نام یوم ترویہ پڑ گیا۔ پھر وہ منیٰ پہنچے اور اللہ نے حکم دیا کہ وہاں سوئیں اور ایک مسجد تعمیر کردیں۔ جب وہ عرفات تک جا پہنچے تو اللہ نے ان سے کہا۔ یہ عرفات ہے اس کو پہچان میں رکھنا۔ چنانچہ اس کا نام عرفات ہوگیا۔ جب وہ عرفات سے آگے بڑھے اور خشک صحرا کے بالمقابل پہنچے تو حکم ہوا کہ ''ازدلف'' یعنی آگے بڑھے چلو اسی لئے اس کا نام مزدلفہ ہوگیا۔ اور اسی طرح کی بہت سی روایتیں اس موضوع پر ہیں جو ایک دوسرے سے اختلاف رکھتی ہیں۔ (تاریخ یعقوبی، جلد ۱، صفحہ ۱۸) جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ ایسے جھوٹ گھڑنے والے اور قصہ

گویوں کی تیار کی ہوئی ہیں جیسے کعب احبار، تمیم داری وغیرہ، جنہوں نے رسول اللہؐ کے بعد اسلام اور اس کے اصولوں کو بگاڑنے اور مسخ کرنے کے لئے ایسی دسیوں کہانیاں تاریخ، حدیث اور تفسیر میں شامل کردیں۔

جس چیز میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی اور اس کی بنیادوں کو اونچائی تک اٹھایا۔ رہی یہ بات کہ آیا وہ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے تھا اور انہوں نے اس کی تجدید کی اور بعض اصلاحات کیں یا وہ تھا ہی نہیں جیسا کہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے جن میں سے کچھ کا ذکر ہم نے کیا اور حضرت ابراہیمؑ نے اس کو اللہ کے حکم سے پہلی بار تعمیر کیا۔ اس معاملہ میں روایات ایک دوسرے سے ٹکرائی ہوئی ہیں جیسے کہ ہم بیان کر چکے۔ وہ آیات بھی جو اس موضوع کو پیش کرتی ہیں ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کی صریحی وضاحت نہیں کرتیں۔

خانۂ کعبہ برسوں عرب کے لئے عبادت گاہ بنا رہا اور وہ اس کی تعمیر اور ترمیم کرتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ چند صدیاں گزرنے پر وہ گر کر تباہ ہوگیا۔ چنانچہ عمالقہ نے اس کی دوبارہ تعمیر کی اس کے بعد وہ پھر گر گیا اور جرہم نے اس کو بنایا۔ یہ ان کی تولّیت میں آ گیا جس کے بارے میں عامر بن حارث برہمی نے ان اشعار میں ذکر کیا ہے:

وکنا ولاۃ البیت من بعد ثابت   نطوف بذاک البیت والامر ظاهر

''ثابت کے بعد ہم ہی خانۂ کعبہ کے سرپرست رہے اور ہم ہی اس مقدس گھر کا طواف کرتے تھے جو ایک کھلی ہوئی بات ہے۔''[۱]

کان لم یکن بین الحجون الی الصفا   انیس ولم یسمر بمکة سامر

بلی نحن کنا اهلها فابادنا   صروف اللیالی والجدود العواثر

''گویا نہ حجون سے صفا تک کوئی ہمدرد ہوتا تھا نہ مکہ میں رات گزارنے والا ہوتا تھا۔ بس ہم ہی اس کے ذمہ دار تھے لیکن ہم کو زمانہ کے انقلابات اور یکے بعد دیگرے آنے والی مصیبتوں نے برباد کر کے رکھ دیا۔''

ابوالفداء اپنی تاریخ میں کہتا ہے کہ جرہم نے سرکشی کی اور حرام چیزوں کو حلال قرار دیدیا۔ پس اللہ نے ان کو برباد کردیا اور خانۂ کعبہ کی تولّیت ان کے بعد خزاعہ کو اور پھر ان کے بعد قریش کو مل گئی۔

یعقوبی نے خانۂ کعبہ کے گرنے اور پھر سے تعمیر کئے جانے کے متعلق دو روایتیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ سیلابوں کی زد میں آنے کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا۔

اور دوسری یہ کہ ایک عورت خانۂ کعبہ کو دھونی دے رہی تھی کہ اس میں سے ایک چنگاری اڑی جس نے اس کے دروازے کو اور جو کچھ لکڑی کا سامان اس میں لگا ہوا تھا جلا ڈالا۔ اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں جب لوگوں نے اس کو گرانے کا ارادہ کیا تو اس کی ہیبت سے خوفزدہ ہوگئے لیکن ولید بن مغیرہ نے اس کام کو جلدی سے انجام دے ڈالا۔

۱۔ ابوالفدا کی روایت میں ہے کہ ثابت حضرت اسمٰعیلؑ کے بیٹے تھے جو ان کی وفات کے بعد خانۂ کعبہ کے متولی ہوئے تھے۔

یہاں پہنچ کر بیشتر مؤرخین یہ کہتے ہیں کہ جب وہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کی بنائی ہوئی بنیادوں تک پہنچ گئے اور انہوں نے اس کا ایک پتھر اکھاڑا تو وہ ازخود اپنی جگہ واپس چلا گیا تب وہ لوگ اس کے گرانے سے رک گئے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان لوگوں میں جس شخص نے اس کو گرانے میں پہل کی وہ وہب بن عامر بن عائذ بن عمران مخزومی تھا۔ اس کے بعد ایک اژدھا نکل کر ان کے کام میں حائل ہوگیا تب یہ سب مل کر ابوطالبؑ کے پاس گئے۔ انہوں نے ان سب سے کہا کہ یہ معاملہ صرف اس وقت ٹھیک ہوسکتا ہے کہ اس میں صرف نیک کمائی کی دولت خرچ کی جائے۔ پس تم لوگ اس میں ایسی رقم مت لگاؤ جو ظلم اور سرکشی کے ذریعہ حاصل کی گئی ہو۔ تب ان لوگوں نے اپنی دولت میں سے وہ مال جمع کیا جس میں حرام مال شامل نہیں تھا۔ اس زمانہ میں نبی اکرمؐ ان لوگوں کے ساتھ تھے۔

راوی کہتے ہیں کہ اللہ نے ایک بڑے سے پرندے کو بھیجا جس نے اس اژدھے کو ہڑپ کرلیا تب ان لوگوں نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کا کام شروع کیا۔ اس میں مکہ اور قریش کے بڑے بڑے لوگوں نے شرکت کی۔ جب حجراسود کے مقام تک تعمیر مکمل ہوگئی تو ان لوگوں میں اس بات پر جھگڑا ہوگیا کہ کون حجراسود کو اپنے مقام پر رکھنے کے لئے اٹھائے؟ سب لڑنے کے لئے تیار ہوگئے اور تعمیر کا کام چھوڑ کر ہر ایک اپنے اپنے حلیف ملانے لگا کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ جو بھی حجراسود کو اس کی جگہ پر نصب کرے گا سرداری اور بزرگی حاصل کرلے گا۔

ابن ہشام اپنی ''سیرت'' میں کہتے ہیں کہ ابوامیہ بن مغیرہ بن عبداللہ مخزومی نے جو اس وقت عمر میں سب سے بڑے تھے ان سب کو جمع کر کے مشورہ دیا کہ حجراسود کو وہ شخص رکھے جو باب نبی شیبہ سے سب سے پہلے اندر آئے۔ وہ سب اس پر راضی ہوگئے۔ اب ہوا یہ کہ اس دروازہ سے سب سے پہلے آنحضرتؐ محمد بن عبداللہ داخل ہوئے۔ جب ان لوگوں نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو آپ کے تشریف لانے کو قابل بشارت خیال کیا اور کہنے لگے کہ ''لو تمہاری طرف وہ آپہنچے جو صادق بھی ہیں اور امین بھی۔'' یہ وہ اسم صفت تھا جو آنحضرتؐ کے لئے آپ کے ابتداء شباب سے مشہور ہوگیا تھا۔ جب آنحضرتؐ ان لوگوں تک پہنچ گئے تو انہوں نے آپ کو بتلایا کہ وہ کس امر پر متفق ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اچھا میرے پاس ایک کپڑا لاؤ۔ چنانچہ ایک بڑا کپڑا لایا گیا آپؐ نے اپنے ہاتھ سے حجراسود اٹھا کر اس پر رکھدیا۔ پھر ان میں سے بڑے لوگوں کی طرف ملتفت ہوکر فرمایا: ہر قبیلہ اس کا ایک ایک کنارہ پکڑ لے پھر سب مل کر اس کو اوپر اٹھائیں۔ ان سب نے اس کو بہت پسند کیا اور ان کو اس میں ایسا حل نظر آیا جس سے وہ سب حق پر قائم رہے اور کسی کو کسی پر کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوا۔ چنانچہ ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص آگے بڑھا اور سب نے مل کر اس کپڑے کو کنارے سے پکڑ کر باہم مل کر اوپر اٹھایا تاآنکہ جب وہ حجراسود کے مقام کے بالمقابل پہنچ گئے تو آنحضرتؐ نے اس کو اپنے دست مبارک و طاہر سے اٹھا کر اس کے مقام پر رکھ دیا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے منصوبہ کے مطابق اس کی تعمیر مکمل کی۔

یعقوبی کی روایت میں ہے کہ کعبہ کی لمبائی نو ہاتھ تھی۔ ان لوگوں نے اس کو اٹھارہ ہاتھ کردیا۔

کافی میں امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی قائم کی ہوئی عمارت کا طول تیس ہاتھ اور عرض

بائیس ہاتھ تھا اور اونچائی نو ہاتھ تھی۔ اس پر راوی نے امام جعفر صادقؓ سے مزید روایت کا اضافہ کیا ہے کہ جب لوگوں نے اس پر چھت ڈالنے کا ارادہ کیا تو ان کو اس طرح آسانی پیدا ہوگئی کہ شاہ روم نے لکڑی کی کچھ کڑیاں اور تختے ایک کشتی کے ذریعے حبشہ میں ایک گرجا گھر کی تعمیر کے لئے بھیجے تھے۔ لیکن طوفانی ہواؤں نے ان کو سمندر کے ساحل پر پہنچا دیا۔ قریشیوں کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے ساحل پر جا کر خانۂ کعبہ کی چھت کے لئے مناسب لکڑیاں اور تختے خرید لئے۔

ابن کثیر نے اپنی البدایہ میں اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اہل مکہ نے قبطی بڑھئیوں سے کام کرایا کیونکہ وہ اس فن میں بہت ماہر تھے۔

محدثین اور سیرت نگاروں سے معلوم ہوتا ہے کہ حجر اسمٰعیلؑ خانۂ کعبہ کے اندر کی جانب تھا اور البدایہ والنہایہ میں ابن کثیر کے کہنے کے مطابق شام کے رخ کی طرف سے چھ یا سات ہاتھ پر تھا۔ جب لوگوں نے اس کی تعمیر اس مال سے شروع کی جو انہوں نے اپنی پاک اور حلال دولت میں سے جمع کیا تھا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں تو یہ مال اتنی عمارت کے لئے جو حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے چلی آ رہی تھی کافی نہیں ہوا۔ اس پر ان لوگوں نے اس پتھر کو وہاں سے ہٹا کر مشرق کی جانب صرف ایک دروازہ رہنے دیا اور اس کو بلند کر دیا تا کہ ہر کوئی اس میں داخل نہ ہو سکے۔

بخاری اور مسلم کی صحیحوں میں ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ تم نہیں دیکھتیں کہ تمہارے لوگوں کے پاس خرچ کرنے کے لئے رقم کم پڑ گئی تھی اور اگر وہ کفر پر قائم رہنے کی نہ ٹھانے ہوتے تو میں کعبہ کو توڑ کر اس میں مشرق و مغرب کی جانب دو دروازے قرار دیتا اور حجر اسود کو اس کے اندر کی جانب کر دیتا۔ پس خانۂ کعبہ اپنی اسی حالت پر رہا تا آنکہ عبداللہ بن زبیر کا زمانہ آ پہنچا۔ انہوں نے اس کی عمارت کو توڑ کر پھر ویسا ہی بنا دیا جیسا وہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں تھا۔ حجر اسمٰعیل کو اندر کی جانب شامل کر دیا اور اس میں دو دروازے بنا دیئے جو زمین سے ملحق تھے تا کہ جو اس میں داخل ہونا چاہے وہ ایک دروازے سے جائے اور دوسرے سے نکل آئے۔ جب حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیر کو کعبہ کے اندر قتل کر دیا اور اس کی ایک جانب اس منجنیق کی وجہ سے گر گئی جو اس پر نصب کی گئی تھی تو اس نے عبدالملک بن مروان کو لکھا اور اس کے بنائے جانے کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ اس نے اس کو حکم دیا کہ اسی حالت پر بنوا دے جیسا وہ نبی اکرمؐ کے زمانہ میں تھا۔ پس اس نے مغرب کی جانب والا دروازہ بند کر دیا اور حجر اسود کو باہر نکال لیا اور اس کے تمام پتھر اور ساری مٹی کو اسی زمین پر رہنے دیا جس کی وجہ سے اس کی زمین مسجد سے اونچی ہوگئی۔ نیز مشرقی دروازے کو اونچا کر دیا جیسے وہ پہلے تھا۔ امویوں کے عہد حکومت میں خانۂ کعبہ اسی صورت میں قائم رہا۔ جب عباسی خلیفہ مہدی نے حکومت سنبھال لی تو اس نے اس میں کچھ اصلاحات کیں اور چاہا کہ اس کو ویسا کر دے جیسا وہ عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں تھا۔ اس نے امام مالک سے مشورہ کیا اور انہوں نے اس کو اس میں دخل دینے سے منع کر دیا۔ اس دلیل سے کہ اس سے حکمرانوں کے لئے موقع بہم پہنچ جائے گا کہ جیسا چاہیں گے اس میں دخل اندازی کرتے رہا کریں گے۔ چنانچہ جیسا کہ ابن کثیر نے بتایا ہے وہ اب تک اسی صورت میں موجود ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۳۰۴)

ابان بن تغلب کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حجاج بن یوسف کے خانۂ کعبہ کی عمارت گرانے کے بعد اس کی بنیاد

امام زین العابدینؑ نے قائم فرمائی لیکن اس روایت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ عبداللہ بن زبیر نے اس کی عمارت میں کیا کیا تبدیلیاں کی تھیں جن کو بعض مؤرخین بیان کرتے ہیں۔

البتہ اس میں یہ ذکر ہے کہ جب حجاج نے کعبہ کو گرادیا اور لوگوں نے اس کی مٹی لوٹ لی اور پھر اس کو بنانے چلے تو ایک سانپ نکل آیا اور اس نے ان کو تعمیر کے کام سے روک دیا۔ لوگوں نے اس کی اطلاع حجاج کو دی تو اس کو ڈر ہوا کہ یہ اس پر اللہ کا عذاب نازل ہوا ہے۔ پس اس نے لوگوں کو بلوایا اور منبر پر جاکر کہنے لگا کہ میں اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ جس کسی بندۂ خدا کو اس کا علم ہو کہ ہمارے اوپر یہ مصیبت کیوں آئی ہے تو ہم کو بتادے؟ اس پر ایک بوڑھے نے کھڑے ہو کر کہا کہ اگر اس کا علم کسی کو ہوسکتا ہے تو میری رائے میں وہ امام زین العابدینؑ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حجاج نے امام کو بلایا۔ جب آپ تشریف لائے تو اس نے آپ کو سانپ کے متعلق بتایا۔ اس پر امامؑ نے فرمایا کہ اے حجاج! تم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی عمارت پر اپنا قبضہ جمالیا اور اس کو بر سر راہ لوٹ لیا گیا گویا کہ وہ تم کو اپنے باپ سے ورثہ میں ملی ہو۔ منبر پر جاکر لوگوں کو قسم دلاؤ کہ جس کسی کے پاس جو کچھ ہو وہ واپس کردے۔ حجاج نے لوگوں سے یہی کہا اور ان سب نے جو کچھ مٹی خانۂ کعبہ کی لی تھی واپس کردی۔ تب اس نے امام زین العابدینؑ کو بلایا تاکہ بنیاد رکھیں۔ آپ نے آگے بڑھ کر ان لوگوں کے لئے بنیاد قائم کردی اور ان کو کھدائی کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت وہاں سے سانپ غائب ہوگیا۔ جب انہوں نے ستونوں کے مقام تک کام پورا کرلیا تو امامؑ نے ان کو وہاں سے ہٹا دیا اور خود بنیادوں کے پاس جاکر ان کو اپنے کپڑے سے ڈھک دیا۔ پھر آپ روئے اور پھر ان پر اپنے ہاتھ سے مٹی ڈالی اور کاریگروں کو حکم فرمایا کہ تعمیر کا کام کریں۔ جب دیواریں کچھ ابھر آئیں تو آپ نے حکم دیا کہ اس کے اندر مٹی بھر دی جائے۔ اس طرح اس کی زمین مسجد سے زیادہ بلند ہوگئی اور اسی کے ساتھ اس کا دروازہ بلند ہوگیا۔ (کافی از کلینی۔ جلد۴، صفحہ۲۲۲)[1]

یہ روایت بتلاتی ہے کہ خانۂ کعبہ کی موجودہ شکل امام زین العابدینؑ کی تشکیل کے مطابق ہے۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ عبداللہ بن زبیر نے اس کی عمارت میں دخل اندازی کی تھی اور حجر اسود کو اندر کی جانب کردیا تھا جیسا کہ لوگوں کا کہنا ہے اور یہ کہ ان کی یہ دخل اندازی شرع کے مطابق اور وحی پر مبنی تھی جیسا کہ رسول اللہؐ سے روایت ہے کہ حجر اسود، خانۂ کعبہ کے اندر واقع تھا اور یہ کہ قریش نے اس کو وہاں سے ہٹایا۔ پس اگر ایسا ہوتا تو کیا یہ امام کے لئے ممکن نہ تھا کہ اس کو اسی مقام پر واپس فرمادیں جہاں یہ نبی اکرمؐ کے زمانہ میں تھا کیونکہ جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے حجاج نے خانۂ کعبہ کی عمارت کی تشکیل کا پورا معاملہ امامؑ کے سپرد کردیا تھا۔

جو بھی صورت حال ہو ہمیں تعمیر کعبہ کے معاملہ میں صرف اسی سے سروکار ہے کہ آنحضرتؐ اس کی تعمیر میں قریش کے ساتھ شریک ہوئے اور اگر آپ شریک نہ ہوئے ہوتے تو حجر اسود کے نصب کرنے کے بارے میں ان لوگوں کی باہمی نزاع مکہ کے قبائل میں جنگ چھڑ جانے کا باعث ہوجاتی جو دسیوں انسانوں کے قتل پر تمام ہوتی جیسا کہ ہم بیان کر آئے

۱۔ یہ روایت ان روایتوں میں سے ہے جن پر سند کے لحاظ سے اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

ہیں۔ رہا حجر اسمٰعیل کے متعلق اور دوسرے معاملات کی تحقیق کا مسئلہ تو ہمیں اس کتاب میں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی نے مکہ کے قبیلوں کا اور نبی اکرمؐ کا اس روز کا طرزِ عمل اپنے ان اشعار میں بیان کیا ہے:

تشاجرت الاخیار فی فصل خطة — جرت بینهم بالنحس من بعد اسعد

تلاقوا بها بالبغض بعد مودة — و اوقد نارًا بینهم شر موقد

فلما رأینا الامر قد جد جده — ولم یبق شیء غیر سل المهند

رضینا وقلنا العدل اول طالع — یجیء من البطحاء فی غیر موعد

ففاجأنا هذا الامین محمدٌ — فقلنا رضینا بالامین محمدٌ

''نیک افراد ایک معاملے کا فیصلہ کرنے میں باہم دیگر نزاع پر اتر آئے اور اس طرح ایک نیک کام میں خرابی کی صورت پیدا ہوگئی۔ محبت کی جگہ دشمنی نے گھر کرلیا اور شدید آگ بھڑک اٹھی۔ جب ہم نے دیکھا کہ معاملہ حد سے بڑھا جارہا ہے اور تلوار کھنچ جائے گی تو ہم سب اس پر تیار ہوگئے کہ بطحا کی طرف سے بغیر بلائے ہوئے جو پہلا شخص یہاں پہنچے وہی ہمارے درمیان فیصلہ کرے۔ چنانچہ یکایک ہمارے پاس آنحضرتؐ تشریف لے آئے جو امانتداری میں مشہور تھے اور ہم سب پکار اٹھے کہ ''لو ہمارے امانتدار محمدؐ آگئے ہم ان ہی کے فیصلے پر راضی ہیں۔''

امام علیؑ بن ابی طالبؑ کی ولادت

فاطمہ بنت اسد بن عبد مناف کے یہاں ان کے شوہر ابوطالبؑ سے چار لڑکے پیدا ہوئے۔ طالب جو اُن میں سب سے بڑے تھے اور ان ہی پر ابوطالبؑ کی کنیت قرار پائی تھی۔ دوسرے عقیل، تیسرے جعفرؑ اور چوتھے علیؑ۔ علیؑ سن میں سب سے چھوٹے تھے لیکن صورت اور سیرت میں سب سے کامل تھے۔ جب ان خاتون کو دردِ زِہ شروع ہوا تو وہ اللہ سے مدد طلب کرنے کے لئے خانۂ کعبہ تشریف لائیں۔ اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور خانۂ کعبہ کے دامن میں ان کے بچے کی ولادت کو اُن کے لئے آسان کردیا۔

محمد بن عبداللہ بن مسکان نے اپنے باپ سے اور انہوں نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: فاطمہ بنت اسد نے ابوطالبؑ کے پاس آکر نبی اکرمؐ کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی تو ابوطالبؑ نے ان سے کہا کہ سبت بھر صبر کرو میں بھی تم کو ایسی ہی خوشخبری سناؤں گا ماسوائے نبوت کے۔ راوی اس پر اضافہ کرتا ہے کہ سبت تیس سال کے عرصہ کو کہتے ہیں اور نبی اکرمؐ اور ان کے وصی کی ولادت میں تیس سال کا فرق تھا۔ (کافی، جلد ا صفحہ ۴۵۲)[1]

کثیر التعداد روایات میں آیا ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد کے یہاں امام علیؑ پیدا ہوئے تو تین روز تک انہوں نے

---

[1] سبت وقت کے عرصہ کو کہتے ہیں۔ اس حدیث میں اس سے تیس یا پچیس سال مراد ہیں۔

ان کا دودھ نہیں پیا۔ پس ان دنوں میں آنحضرتؐ ان کو اپنا لعاب دہن چساتے رہے۔ آنحضرتؐ اپنی زبان ان کے منہ میں دے دیتے تھے تا آنکہ وہ اس کو چوس چوس کر سیر ہو جاتے۔

اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس امر کی جانب اشارہ کرتی ہے کہ جب سے امام علیؑ نے اس دنیا میں ظہور کیا تب ہی سے نبی اکرمؐ نے ان کی تربیت شروع فرما دی تھی تاکہ ان کو اس ذمہ داری کے اٹھانے کے لئے تیار کر دیں جو انہوں نے آنحضرتؐ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد اٹھائی۔

چنانچہ ان کی سب سے پہلی غذا رسول اکرمؐ کی اس زبان سے ملی جو آنحضرتؐ کے بچپن سے لے کر اس وقت تک جب اللہ نے آپ کو اپنی بارگاہ میں واپس بلایا کبھی حق اور سچ بولنے کے علاوہ حرکت میں نہیں آئی۔ حتیٰ کہ ہر قریب وبعید اس سے واقف تھا اور آپ پر نبوت سے پہلے ہی سچا اور امانتدار ہونے کی صفت چھا گئی تھی اور آپ اپنے نام اور نسب کی بہ نسبت ان صفات سے زیادہ جانے پہچانے جاتے تھے۔

رسول اللہؐ نے اس لمحہ سے امام علیؑ کو غذا دینا شروع کی جب سے وہ انسانوں کی اس دنیا میں آئے جس کے رہنے والوں پر غلط روی، بے وفائی اور بھلائی کے پردے میں برائی چھائی ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ نے ان کو اس زبان سے غذا پہنچائی جو حق اور سچائی کے علاوہ کچھ جانتی ہی نہ تھی تاکہ وہ فطرت اور طبعیت ہی سے حق پر قائم اور باطل اور غلط روی کے سخت مخالف ہو جائیں۔ آنحضرتؐ نے چاہا کہ ان کی زبان پر دانش کی ایسی چھاپ لگ جائے کہ وہ کبھی حق اور دانش کے علاوہ کوئی کلام نہ کریں اور ایک چیونٹی کے معاملہ میں بھی جس کو اس کی ساتھ والی نے لوٹ لیا ہو حق سے انحراف نہ کریں خواہ ان کو ہفت اقلیم عطا کئے جائیں۔ اسی طرح آنحضرتؐ نے ان کو اپنی ذات سے بھی آگاہ فرمایا۔ ان کو اپنی زبان مبارک سے غذا دینے کے بعد آنحضرتؐ نے ان کو ان کی مادر گرامی کے سپرد کر دیا جنہوں نے ان کو اپنے دودھ سے غذا مہیا کی اور اپنی مہر ومحبت سے اسی طرح ان کی تربیت کی جس طرح اس سے پہلے ان کے مربی اور معلم رسول اللہؐ نے فرمائی تھی۔

ابھی آپ کی عمر چھ یا آٹھ سال کی نہ ہونے پائی تھی کہ قریش پر ایسا وقت آن پڑا جس میں زندگی کے وسائل سخت ہو گئے اور ابوطالبؑ پر اس کا اثر بہت سخت ہوا کیونکہ ان کے پاس دولت کی اس قدر کمی تھی کہ وہ آپ کی اس سردارانہ حیثیت میں کافی نہ تھی۔ پس آنحضرتؐ نے اپنے چچاؤں حمزہؓ اور عباسؓ سے کہا کہ کیوں نہ ہم اس موقع پر ابوطالبؑ کا کچھ بار اپنے اوپر لے لیں۔ انہوں نے آنحضرتؐ کی اس تجویز کو مان لیا اور ابوطالبؑ سے کہا کہ اپنے بیٹوں کو انہیں دے دیں تاکہ وہ ان کی کفالت کریں۔ انہوں نے کہا کہ عقیل کو میرے پاس چھوڑ کر جس کو چاہو تم لوگ لے جاؤ۔ چنانچہ عباسؓ نے طالبؑ کو، حمزہؓ نے جعفرؓ کو اور آنحضرتؐ نے علیؑ کو لے لیا۔ اس طرح آنحضرتؐ ہی امام علیؑ کے بچپن سے لیکر اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک پالنے والے، تعلیم دینے والے اور نگہداشت کرنے والے رہے۔ وہ خود ان چھپی ہوئی صفات اور طاقتوں کی بدولت جو اللہ نے ان کو ودیعت فرمائی تھیں آنحضرتؐ سے وہ علم حاصل کرنے میں کامیاب رہے کہ اگر وہ اصحاب وغیرہ میں سے کسی بڑی جماعت کو مل جاتا تو ان میں سے ہر شخص کو وہ خصوصیت حاصل ہو جاتی کہ وہ ممتاز افراد کی صف میں شامل ہو جاتا۔

رسول اللہؐ نے ان کو علم عطا فرمایا اور ان کی روح پُر حکمت کی باریکیاں اور خلقت و معرفت کے اسرار آشکارا کئے اور ان کو آسمانوں اور زمین کی خلقت دکھلائی۔ ان میں جو بھی صفت تھی وہ نبی اکرمؐ کی صفات میں سے کسی نہ کسی صفت پر مبنی تھی۔ زمانۂ جاہلیت کے جن حالات اور برائیوں کو نبی اکرمؐ دل سے ناپسند فرماتے تھے ان ہی کو امام علیؑ بھی دل سے ناپسند کرتے تھے۔ ان کو مخلوقات کے وجود اور بقا کے متعلق تمام حقائق اور قوانین کی معرفت حاصل تھی۔ وہی یہ فرماتے تھے: لَقَدْ عَبَدتُّ اللّٰهِ قَبْلَ اَنْ یَّعْبُدُهٗ اَحَدٍ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بِسَبْعَ سَنَوَاتٍ. ''میں نے اللہ کی عبادت اس امت کے ہر فرد سے سات سال پہلے کی ہے۔''

ان کے چاہنے والے اور ان کے دشمن سب اس پر متفق ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں میں سب سے زیادہ صاحبِ علم، سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ عبادت کرنے والے اور زہد پر عمل کرنے والے، صاحب فہم و عقل اور مظلومین کے ساتھ انصاف اور عدل کرنے کے لئے سب سے زیادہ خواہشمند تھے۔ عبداللہ بن عباس سے جو امت میں بڑے صاحب علم مانے جاتے تھے پوچھا گیا کہ آپ کا علم آپ کے ابن عم (یعنی امام علیؑ) کے علم کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اس پر انہوں نے کہا کہ جیسے عظیم سمندر کے مقابلے میں بارش کا ایک قطرہ۔

ہوسکتا ہے کہ یہ سوال اٹھایا جائے کہ اس زمانہ میں جب امام علیؑ، آنحضرتؐ کی زیر تربیت تھے خود آنحضرتؐ نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے تاکہ وحی کے ذریعے علم حاصل کرتے اور امام علیؑ کو سکھا دیتے اس کے علاوہ آنحضرتؐ ناخواندہ تھے نہ پڑھ سکتے تھے نہ لکھ سکتے تھے۔ پھر ان کے پاس علم کہاں سے آیا اور کیسے ان کو وہ معرفت حاصل ہوئی کہ کسی اور کو تعلیم دیتے اور مخلوقات کے اسرار اور اشیاء کے حقائق سے آگاہ فرماتے؟

قاری اس قسم کے خیالات پیش کرسکتا ہے لیکن میرے نزدیک اس قسم کے سوالات کا جواب دینے کے لئے زیادہ سوچنے یا طویل غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر طالب حقیقت عظیم لوگوں، ممتاز انسانوں اور انبیاء کی تاریخ کی طرف رجوع کرے تو اس کو معلوم ہوجائے گا کہ سوچنے کے معقول طرز کا اور بیشتر حقائق و صحیح طور پر سمجھنے کا دار و مدار تعلیم حاصل کرلینے اور قواعد و قوانین میں مہارت حاصل کرلینے پر نہیں ہے اور نہ ہر وہ شخص جو تعلیم حاصل کرلے اس قابل ہوجاتا ہے کہ معاملات کی حقیقت اور اشیاء کی ماہیت سے آگاہ ہوجائے کیونکہ بیشتر پڑھنے والے بے سمجھے بوجھے طوطوں کی طرح سنا ہوا رٹتے رہتے ہیں۔ بچے بھی بعض خیالات اور نظریات کو حفظ کرلیتے ہیں لیکن ان باتوں، خیالات اور نظریات کو حفظ کرلینے سے بچے مفکر نہیں بن جاتے۔ نہ طوطے جملوں کو دہرانے سے انسان بن جاتے ہیں۔ ہمیں ایسے عالم بھی ملتے ہیں جو حفظ کرلیتے ہیں، سمجھتے بھی ہیں اور گہرائی بھی حاصل کرلیتے ہیں لیکن علم بذات خود ان کے لئے بھلائی کا باعث نہیں ہوتا اور نہ ان کو برائی سے محفوظ رکھتا ہے تاوقتیکہ ان کے ساتھ ہی ساتھ ان کا نفس پاکیزہ نہ ہوجائے اور روح بھلائی اور شرافت کی طرف مائل نہ ہو۔ اللہ نے ان یہودی علماء کو جو توریت لادے پھرتے تھے لیکن نہ اس سے اخلاق سیکھتے تھے نہ اس کے مضامین پر عمل کرتے تھے ایسے گدھوں سے تشبیہ دی جاتی ہے جو بوجھ لادے رہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ کہتا ہے:

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوْا التَّوْرَاۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَاراً ''ان لوگوں کی مثال جو توریت اٹھائے پھرتے ہیں اور اس کو استعمال نہیں کرتے اس گدھے کی سی ہے جو بوجھ لادے پھرتا ہے۔'' (سورۂ جمعہ: آیت ۵)

آنحضرتؐ سے روایت کی ہوئی ایک حدیث میں ہے کہ غیر مناسب لوگوں کو علم حوالہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جو سور کو قیمتی پتھر کا ہار پہنائے اور اس کی گردن میں موتی اور سونا لٹکائے۔

ہم بارہا دیکھتے ہیں کہ لوگ طویل مدت تک علم حاصل کرتے رہتے ہیں اور اس کے باوجود وہ حقائق کے سمجھنے اور اشیاء کی ماہیت سے واقف ہونے میں اتنے ہی گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں جیسے ایک اندھا اپنے راستے کے معاملے میں۔ ان کا علم ان کو اس شخص کے برابر بھی نہیں بنا سکتا جو بے لکھا پڑھا ہو لیکن اس کو تعلیم حاصل کرنے اور سبق آموزی کے بغیر فطری دانشمندی عطا ہوئی ہو۔

حضرت محمدؐ بن عبداللہ نے اگرچہ علم حاصل نہیں کیا تھا لیکن اپنے آپ صحیح فکر کے بلند انداز اور درست نظر کے زریعہ دلوں کو اس طرح بیدار کرتے تھے گویا نشہ میں چور افراد اور غافلوں کو للکار رہے ہوں۔ آپ مکہ کے سنسان پہاڑوں اور گھاٹیوں، پھیلے ہوئے چٹیل صحرا میں نیز اس کی کم حیثیت آبادیوں میں رات دن کی طویل خاموشی سے استفادہ کرتے تھے یعنی اس خاموشی کے ذریعے موجودات کے بارے میں غور و فکر کرتے، حقائق کی معرفت حاصل کرتے اور اپنے آپ کو دنیاوی لذتوں کی جانب مائل کرنے والی ان تمام نفسانی خواہشات سے دور رکھتے تھے جو صاحبان عقل پر قابو اور فکر و فہم پر غلبہ حاصل کر لیتی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت محمدؐ نے کسی مذہبی عالم یا منجم سے علم حاصل نہیں کیا اور نہ ان فلسفیوں سے لیا جو آپ کے زمانہ میں تھے یا آپ سے پہلے گزر چکے تھے۔ لیکن آپ نے اپنی عظیم عقل اور پاکیزہ فطرت کی مدد سے زندگی کی حقیقت اور انسانوں اور جماعتوں کے حالات کو پوری طرح سمجھ لیا تھا اور ان کی بے سود باتوں سے کنارہ کش اور رسم و رواج سے علیحدہ رہتے اور اپنے بارے میں پوری ہوشمندی کے ساتھ لوگوں میں مل جل کر رہتے تھے۔ چنانچہ آپ ان میں جو چیز اچھی پاتے اس میں ان کے ساتھ شریک ہو جاتے اور جو چیز بری ہوتی اس سے پرہیز فرماتے اور علیحدہ رہتے اور اپنے آپ کو ان افراد سے دور رکھتے تھے جن کو دولت نے خدا فراموش بنا دیا تھا اور آسائشوں نے فساد میں ڈال دیا تھا اور جو غصہ کی حالت میں بیوقوفی، بے حیائی اور بے شرمی پر اتر آتے تھے۔

آنحضرتؐ سے روایت ہے کہ آپ نے بارہا فرمایا کہ میں نے اپنی زندگی میں کسی ایسے کام کا ارادہ نہیں کیا جو اہل جاہلیت کیا کرتے تھے تا آنکہ اللہ نے مجھ کو نبوت سے سرفراز کیا۔ جب کبھی میرا نفس ان کی کسی بیہودہ بات کی طرف اکساتا تو اللہ میرے اور اس کے درمیان حائل ہو جاتا تھا۔

حضرت محمدؐ بن عبداللہ موجودات اور ان کے اسرار حیات، اس کے انقلابات، انسان اور اس کی گمراہی اور ہٹ

دھرمی میں پڑے رہنے کے بارے میں غور وفکر فرماتے رہتے تھے جبکہ معاشرے میں نہ ہدایت کرنے والے تھے نہ اصلاح کرنے والے۔ جب رات گزر کر صبح نمودار ہوتی تو پچھلی گمراہیوں میں ایک نئی گمراہی کا اضافہ کرتی تھی۔ آنحضرتؐ ان سب کے بارے میں سوچتے اور ان کے حل پر غور فرماتے۔ لیکن آپ کو یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ کو مستقبل میں ملنے والی نبوت وہ حل لئے ہوگی جو اللہ نے دنیائے انسانیت کی مشکلات کے لئے قرار دیئے ہیں۔ آپ اس پر گامزن ہوں گے اور اس کے ذریعے ایسا ہمہ گیر نظام قائم فرمائیں گے جو پوری زندگی کا ساتھ دے سکے اور ہر زمانہ اور ہر مقام کے لئے اچھا ہو۔

حضرت محمدؐ بن عبداللہ کا ظہور عربوں اور ان کی طبیعتوں کے لئے ایک اجنبی چیز تھا۔ آپ کسی ایسی طاقت کے زور پر ظہور میں نہیں آئے تھے جیسی جرار لشکروں کی ہوتی ہے جو ملکوں کو تباہ اور قلعوں کو مسمار کرتے چلے جاتے ہیں اور جس کا دارومدار تلواروں کی باڑھوں اور گھوڑوں پر ہوتا ہے۔ حالانکہ قدیم اور جدید تاریخ کے تمام انقلابی حادثے طاقت اور لالچ ہی کی بنا پر معرض وجود میں آئے ہیں۔ سوائے اس انقلاب کے جو حضرت محمدؐ بن عبداللہ ایسے بے مایہ یتیم فرد کے ذریعے سے آیا کیونکہ یہ آپ کی خاص شخصیت کے ذریعہ آیا جو فکر کی گہرائی میں اور حق، صحیح رائے زنی سچائی اور امانت داری پر ثابت قدم رہنے میں ممتاز تھی۔ آپ کی ہر صفت میں آپ کی شخصیت کی ہر خوبی میں اور آپ کی حیات کے ہر لمحہ میں جو آپؐ نے نبوت سے پہلے خوفناک طوفانوں اور زمانوں میں یعنی جاہلیت کے طوفانوں اور زمانوں میں گزارا ان سب میں ہر چیز حیران کن فکر انگیز اور دہشت اور تحیر میں ڈالنے والی ہے اور ایسے تاریخ ساز افراد اور ان کے درمیان حد فاصل قائم کرتی ہے جو اپنی حکومتیں اور دبدبہ انسانوں کو قتل کر کے، ان کو سرنگوں کر کے اور آزادیوں کا گلا گھونٹ کر قائم کرتے رہے۔

جو کوئی حضرت محمدؐ کو آپ کی نبوت سے پہلے جان لے اور آپ کی تاریخ اور آپ کی قوم اور ان کے بتوں اور دوسری بیہودگیوں کے متعلق آپ کے موقف کو سامنے رکھے تو اس کے لئے یہ تعجب کی بات نہ ہوگی کہ وہ امام علیؑ سے بھی واقف ہو جائے جن کی روح میں حکمت کی باریکیاں اور موجودات کے اسرار ابھرے ہوئے تھے اور اسی وجہ سے جونہی نبی اکرمؐ نے ان کو اسلام کی طرف دعوت دی انہوں نے اس کو شوق، ولولہ، ایمان راسخ کے ساتھ ایسے دل سے قبول کیا جو اس کی تعلیمات، اصول اور احکام کے لئے کھلا ہوا تھا جبکہ آپ کی عمر جب آپ نے اسلام قبول کیا روایات کے اختلاف کے لحاظ سے چودہ سال یا اس سے کم یا زیادہ تھی اور اس وقت صفحۂ ارض پر محمدؐ، علیؑ اور خدیجہؑ کے علاوہ اس دین کے مطابق اللہ کی عبادت کرنے والا اور کوئی نہ تھا۔ جب سے امام علیؑ، رسول اللہؐ کے ہاں رہنے کیلئے آ گئے تھے آپ برابر ان کے ساتھ رہے۔ اس وقت آپ کی عمر چھ سال تھی۔ چنانچہ آپ کی تربیت اس گھر میں ہوئی جہاں سے اسلام کا آغاز ہوا۔ آپ کو اپنے ابن عم یعنی نبی اکرمؐ کی جانب نسبتی قرابت کی بہ نسبت روح اور عقیدہ کی قرابت زیادہ باعث کشش تھی۔ چنانچہ یہ نیا دین ان کے ایسے قلب میں جاگزیں ہوا جس میں پہلے سے کوئی عقیدہ موجود نہ تھا اور نہ کوئی گندگی تھی جو اس کی صفائی کو میلا کر سکتی۔

تمام محدثین اور راوی اس پر متفق ہیں کہ دین اسلام کسی ایسے شخص سے واقف نہیں ہے جو امام علیؑ سے زیادہ سچا اور دین کو اپنے اندر جذب کر لینے میں آپ سے زیادہ گہرا ہو۔ آپ کے اس دنیا سے رخصت ہونے تک اور جب تک دنیا باقی

رہے گی آپ تاریخ میں تمام قوموں اور نامور شخصیتوں کے لئے مسلمان کی ایسی مثال بنے رہے اور بنے رہیں گے کہ اپنے اقوال، افعال اور تمام کارناموں میں قرآنی تعلیمات اور نبی اکرمؐ کی سیرت کا مجسمہ تھے۔ اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ تاریخ بشریت میں کسی شخص کے ساتھ وہ عمل ظہور میں نہیں آیا جیسا امام علیؑ کے ساتھ آیا کیونکہ وہ سب لوگ جو آپ کے ہم عصر تھے اپنے ذاتی میلانات اور خواہشات میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھنے کے باوجود اور وہ مورخ اور تحقیق کرنے والے حتیٰ کہ عجائبات اور دیومالائی کہانیوں میں دلچسپی رکھنے والے افراد جو مختلف زمانوں میں آپ کے بعد آئے سب ہی آپ کی عظمت شناسی میں شریک ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے آپ سے ایسی ایسی خلاف عادت چیزیں منسوب کردیں جو عقل میں نہیں سماتی ہیں۔ جنگوں کے موقعوں پر ان کے ایسے ایسے مقابل کھڑے کردیئے جن کو اللہ نے خلق ہی نہیں کیا۔

کچھ لوگوں نے آپ کے بارے میں اس قدر غلو کیا کہ آپ کو اللہ کے مرتبے تک بڑھا کر اللہ کی بجائے آپ کی پرستش پر اتر آئے اور آپ کے بارے میں اپنے غلو پر اس قدر اڑے رہے کہ بالآخر آپ نے ان کو گھسیٹ کر ایک گڑھے میں پھنکوا دیا اور اس میں آگ جلوادی تاکہ وہ اس میں جل مریں۔

بنی امیہ اپنی حکومت کے سارے زمانہ بھر ہر طریقہ سے اس کوشش میں لگے رہے کہ کسی ایک آدمی کے ذریعہ کوئی جھوٹا عیب ہی آپ پر لگادیں لیکن ان کو مایوس ہوکر منہ کی کھانا پڑی۔

آپ کے حالات اور آپ کے دوستوں اور دشمنوں کے موقف کا مطالعہ کرنے والوں میں سے کسی نے کہا ہے کہ ''میں ایسے شخص کے بارے میں کیا کہوں جس کے دوست قتل اور دربدری کے خوف سے اس کے فضائل بیان کرنے سے رکے رہے اور دشمنوں نے حسد اور مخالفت کی وجہ سے ان کے فضائل کو چھپایا لیکن پھر بھی وہ ادھر ادھر سے اس قدر ظاہر ہوگئے کہ مشرق سے مغرب تک بھرے پڑے ہیں۔''

حتیٰ کہ وہ خارجی بھی جنہوں نے آپ کے کافر ہو جانے کا اعلان کردیا تھا اور جو آپ کو بنی امیہ ہی کی طرح گالیاں دینے لگے تھے آپ سے اس کے علاوہ کوئی اور عیب منسوب نہ کرسکے کہ آپ نے قرآن کی طرف رجوع کرکے اس وقت ثالثی فیصلہ قبول کرلینے میں غلطی کا ارتکاب کیا جب اہل شام نے نیزوں پر قرآن شریف بلند کردیئے تھے تاکہ اس شکست سے بچ جائیں جس سے بچنے کے لئے معاویہ اور ان کے ساتھیوں کو اس سوا کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی کہ اس طرح لوگوں کو مغالطے میں ڈال کر ان حملہ آوروں کو روک دیں جو عنقریب ان کے خیموں میں پہنچنا چاہتے تھے اور ان سے صرف ایک گھوڑے یا ایک بکری کی دوڑ بھر دور رہ گئے تھے جیسا کہ اس روز حملہ کی قیادت کرنے والے نے خود بیان کیا ہے۔

اللہ کا سلام ہو اس امانتدار رسولؐ پر جس نے ان بیشتر چیزوں کی خبر دیدی تھی جو امام علیؑ کے ساتھ ان کے دوست اور دشمن کرنے والے تھے اور فرما دیا تھا کہ ''اے علیؑ! تمہاری بابت دو قسم کے لوگ تباہی میں پڑیں گے، غلو کرنے والا دوست اور کینہ رکھنے والا دشمن۔''

خود امام علیؑ نے ان دونوں گروہوں یعنی اپنے دوستوں اور دشمنوں کو برا کہتے ہوئے فرمایا کہ ''مجھ سے کچھ لوگ ایسی محبت کریں گے کہ اس محبت کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ دوسرے لوگ دشمنی کریں گے اور مجھ سے دشمنی کے باعث

جہنم میں جائیں گے۔

آپ کی خوبیوں اور آپ کے بارے میں لوگوں کے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے عقاد مرحوم کہتے ہیں کہ یہ بحث و جدال کا ایسا وسیع میدان ہے کہ دنیا کی ان عظیم ہستیوں کی تاریخ میں جو لوگوں کی محبت اور دشمنی سے دوچار ہیں کوئی اور میدان اس قدر وسیع نہیں ہے۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ خدا ہیں اور کچھ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کافر ہیں اور اللہ کی رحمت سے خارج کردیئے گئے ہیں۔

آپ کی صفات

آپ کے متعلق تمام بیان کرنے والوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اپنے تینوں بھائیوں کے بعد آپ پہلے ہاشمی ہیں جو دونوں طرف سے ہاشمی ہیں۔ چنانچہ آپ کے والد بزرگوار ابوطالبؑ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف ہیں اور آپ کی والدہ گرامی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبدمناف ہیں۔ اس طرح آپ میں ان صفات کا نچوڑ یکجا ہوگیا جن کے لئے یہ باشرف گھرانہ مشہور چلا آرہا تھا اور جن کی عظمت اور تابندگی اس کے کثیر التعداد گزرے ہوئے افراد میں پائی جاتی تھی۔ جیسے کہ شرافت طبع، قوت، شجاعت، مروت، دانشمندی کے علاوہ ان صفات کے جو اللہ نے خاص کر آپ کو عطا کی تھیں اور جن میں آپ نے شہرت پائی یعنی جسمانی خوبیاں جو آپ کے آباؤاجداد میں سے کسی میں اس فراوانی سے موجود نہ تھیں۔ ان پر آپ کے بچپن کی صفات تھیں یعنی یہ کہ آپ اپنے ہم عمر بچوں کے مقابلے میں فہم میں، قدرت میں اور بڑھنے میں سب سے آگے تھے۔ آپ سات آٹھ سال کی عمر میں نبی اکرمؐ کے موقف کو سمجھتے تھے جبکہ آنحضرتؐ وحی سے پہلے خود ہی خود تنہائی میں غور و فکر کیا کرتے تھے اور آپ پر گہری سوچ اور خاموشی طاری رہتی تھی۔ امام علیؑ یہ سب کچھ اپنے بچپن میں سمجھتے تھے جیسا کہ آپ نے خود اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے: لَقَدْ عَبَدتُّ اللّٰهِ قَبْلَ اَنْ يَّعْبُدُهٗ اَحَدٍ مِّنْ هٰذِهِ الاُمَّةِ بِسَبْعَ سَنَوَاتٍ ''میں نے اللہ کی عبادت اس امت کے ہر فرد سے سات سال پہلے کی ہے۔''

آپ کو بیان کرنے والوں کا کہنا ہے کہ آپ کا قد میانہ اور رنگ تیز گندمی تھا، سر کے بال اڑے ہوئے اور آنکھیں بھاری تھیں جن کی سیاہی وسیع تھی، چہرہ حسین تھا جس پر بشاشت نمایاں رہتی تھی، آپ نرم پوست تھے، گردن چاندی کی صراحی جیسی تھی، شانے چوڑے تھے، ان میں شیر اور چیتے جیسی پھرتی تھی، آپ کے ہاتھ کا نچلا حصہ کلائی سے فرق نہ رکھتا تھا بلکہ دونوں حصے بالکل ملے ہوئے تھے۔ آپ کا پیٹ بھاری تھا۔ فربہ اندام تھے، پنڈلیوں اور بازوؤں پر گوشت کی زیادتی نہ تھی، ہتھیلیاں بھاری تھیں، چلنے میں آگے کی جانب جھکے رہتے اور چال میں نبی اکرمؐ سے ملتے جلتے تھے، جنگ میں پیش قدمی کرتے آگے بڑھتے اور دیر نہ لگاتے تھے۔ (اصابہ از ابن حجر۔ الاستیعاب از ابن عبدالبر)

چونکہ ہم رسول اکرمؐ کی سیرت مقدسہ لکھ رہے ہیں اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ آنے والی فصلوں میں امام علیؑ کی سیرت کا بیان اسی حد تک کریں جتنا ان دونوں میں ان تمام مراحل کے دوران اشتراک عمل اور اتحاد رہا جن سے نبی اکرمؐ ہجرت سے پہلے اور بعد گزرے تا آنکہ اللہ نے آنحضرتؐ کو اپنے پاس بلالیا۔

زوال صنم پرستی کے عوامل

مؤرخین کا اتفاق ہے کہ رسول اکرمؐ کی بعثت سے پہلے ہی جزیرۂ نما کے عربوں میں بت پرستی سے ناپسندیدگی کے عوامل ظاہر ہونے لگے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں میں کچھ ایسے تھے جن کو ان بیہودہ طریقوں سے رنج پہنچتا تھا اور وہ عربوں کی بت پرستی کو تمسخر کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان میں کچھ ایسے تھے جو اصلاح کی کوشش کرتے تھے لیکن اتنی طاقت نہ رکھتے تھے کہ ایسا کر سکیں۔ بعض ایسے تھے جو ایسے مصلح کی آمد کے انتظار میں تھے جو ان کو بتوں اور مورتیوں کی پرستش سے ہٹا کر ایک اللہ کی عبادت کی طرف منتقل کردے جو ایسا ایک ہے کہ اس کا نہ کوئی ساتھی ہے اور نہ اس کا مثل۔ چنانچہ بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں ابن عمر وغیرہ سے اور انہوں نے رسول اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نزول وحی سے پہلے زید بن عمرو سے ملے۔ آپ نے انہیں کھانا پیش کیا جس میں گوشت تھا۔ انہوں نے اسے کھانے سے انکار کردیا اور بولے کہ ''میں ایسی چیز نہ کھاؤں گا جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو یا جو آپ لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔'' وہ سمجھ رہے تھے کہ نبی اکرمؐ بھی اسی قوم کے دین پر ہیں جو بتوں کے نام پر ذبح کرتے اور اللہ کی بجائے بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔

وہ قریش کو ذبیحوں کے بارے میں عیب لگایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ نے بکری پیدا کی، اس کے لئے آسمان سے پانی نازل کیا، اس کے لئے سبزہ اُگایا اور تم لوگ اللہ کی بجائے دوسروں کے نام پر اس کو ذبح کرتے ہو۔

زید بن عمرو شام کے علاقے کی طرف گئے تاکہ ایسا دین تلاش کریں جو اُن کو خوش کر سکے اور جس سے وہ مطمئن ہو جائیں۔ ان کی ملاقات ایک یہودی عالم سے ہوگئی۔ انہوں نے اس سے ان لوگوں کے دین کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ تم ہمارے دین میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک اللہ کے غضب سے اپنا حصہ حاصل نہ کرلو۔ اس پر زید نے اس سے کہا کہ میں اللہ کے غضب ہی سے بھاگ کر یہاں آیا ہوں اور میں تو اس کا تھوڑا سا غضب بھی برداشت نہیں کروں گا تم مجھے کسی اور کے پاس بھیج دو۔ اس نے کہا کہ میں تو کچھ نہیں جانتا سوائے اس کے کہ تم حنیفیہ ہو جاؤ۔ انہوں نے پوچھا کہ حنیفیہ کیا ہوتا ہے؟ اس نے کہا کہ دین ابراہیمؑ۔ زید وہاں سے چلے آئے اور ایک عیسائی عالم سے ملے اور اس سے بھی انہوں نے وہی کہا۔ اس نے کہا کہ تم ہمارے دین پر نہیں ہو سکتے جب تک اللہ کی لعنت میں سے اپنا حصہ نہ لے لو۔ انہوں نے کہا کہ میں اللہ کی لعنت ہی سے بھاگ کر تو آیا ہوں۔ میں اللہ کی ذرا سی لعنت بھی برداشت نہ کروں گا۔ کیا تم مجھے کسی اور کے پاس پہنچا دو گے؟ اس نے کہا کہ میں نہیں جانتا سوائے اس کے کہ تم حنیفیہ ہو جاؤ اور وہ دین ابراہیمؑ ہے۔

زید نے دین ابراہیمؑ اختیار کرلیا کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ یہودیوں کو یہ احساس ہے کہ وہ زمین پر دربدر پھر رہے ہیں اور سب لوگوں نے ان کو دھتکار دیا ہے اور جو بھی ان کے دین میں داخل ہوگا اس کا بھی یہی حال ہوگا۔ عیسائیوں کے درمیان حضرت عیسیٰؑ اور مادر عیسیٰؑ کی شخصیتوں کے بارے میں ایسا جھگڑا پڑا ہوا ہے جس نے ان کو سخت جنگ تک پہنچا دیا ہے اور وہ فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں جو ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں۔ وہ عالم جس سے زید نے دریافت کیا

تھا یعقوبین میں سے تھا جو رومی کنیسا کے مخالف ہیں اور یہ لوگ ان پر لعنت کرتے اور ان کی بے دینی اور عیسائیت سے خارج ہو جانے کا الزام لگاتے ہیں۔ زید سمجھ گئے تھے کہ اگر وہ ان کے مذاہب میں شامل ہوئے تو ان کا بھی یہی حال ہوگا۔

ایک روایت میں اسماء بنت ابی بکر سے منقول ہے، انہوں نے کہا ہے کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا کہ وہ خانۂ کعبہ سے کمر ٹکائے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اے اہل قریش! میرے علاوہ تم میں کوئی دین ابراہیمؑ پر نہیں ہے۔

وہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کی مذمت کرتے تھے۔ جو اپنی بیٹی کو قتل کرنا چاہتا اس سے کہتے کہ میں تم کو اس سے اور اس کی کفالت سے بے نیاز کئے دیتا ہوں اور وہ اس کو اس آدمی سے لے لیتے تھے۔ جب وہ پل بڑھ جاتی تھی تو اس کے باپ سے کہتے کہ اگر تم چاہو تو میں اس کو تمہارے سپرد کردوں اور اگر تم چاہو تو اس کو میرے پاس چھوڑے رکھو اس کا خرچ میں اٹھاتا رہوں گا۔

ابن اسحٰق سے روایت ہے کہ وہ کعبے کے پہلو میں کھڑے ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ اے اللہ! اگر میں جانتا ہوتا کہ کس طریقے پر تجھ کو عبادت پسند ہے تو میں اسی طرح تیری عبادت کرتا لیکن مجھ کو معلوم نہیں ہے۔ پھر وہ اپنی ہتھیلیوں پر سجدہ کرتے تھے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ ان کے بیٹے سعید بن زید اور ان کے چچا عمر بن خطاب نے ظہور اسلام کے بعد نبی اکرمؐ سے کہا کہ کیا ہم زید بن عمرو کے لئے طلب مغفرت کریں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ضرور کرو کیونکہ ان اکیلے کو پوری امت کی مانند اٹھایا جائے گا۔ (سیرت ابن ہشام جلد اصفحہ ۲۲۶)

طبقات ابن سعد میں عامر ربیعہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے زید عمرو بن نفیل کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں ایک نبی کا انتظار کر رہا ہوں جو اولاد اسمٰعیلؑ اور اولاد عبدالمطلب سے ہوگا لیکن میرا خیال ہے کہ میں ان سے مل نہ پاؤں گا حالانکہ میں ان پر ایمان رکھتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہیں۔ اگر تم اتنی مدت تک رہو کہ ان سے مل لو تو ان کو میرا اسلام کہنا۔ میں تم کو ان کی صفات بتائے دیتا ہوں تا کہ وہ تم پر پوشیدہ نہ رہیں۔ میں نے کہا کہ بتایئے تو وہ کہنے لگے کہ وہ ایک ایسے شخص ہیں کہ نہ طویل نہ پستہ قامت، نہ ان کے زیادہ بال ہوں گے نہ کم، آنکھوں میں ہمیشہ سرخی دوڑتی ہوگی، ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، ان کا اسم گرامی احمدؐ ہے، اسی شہر میں پیدا ہوں گے اور یہیں مبعوث ہوں گے، پھر ان کی قوم والے ان کو نکال دیں گے کیونکہ وہ ان کے لائے ہوئے پیام کو ناپسند کریں گے تا آنکہ وہ یثرب کی طرف ہجرت کر جائیں گے جہاں ان کے معاملہ میں کامیابی ہوگی۔ خبردار ان سے دھوکہ نہ کرنا کیونکہ میں نے تمام مقامات کی گشت کی اور دین ابراہیمؑ تلاش کرتا رہا لیکن یہودیوں، عیسائیوں، اور مجوسیوں میں سے جس کسی سے بھی دریافت کیا وہ یہی کہتے تھے کہ وہ تمہارے پاس آئے گا اور اس کی وہی صفتیں بیان کرتے تھے جو میں نے تم سے بیان کی ہیں۔ یہ بھی کہتے تھے کہ ان کے علاوہ کوئی نبی نہیں ہوگا۔

عامر بن ربیعہ کہتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ کو رسالت عطا ہوئی اور میں نے اسلام قبول کیا تو میں نے آنحضرتؐ کو زید کی بات بتائی اور آپ کو ان کا سلام پہنچایا۔ آنحضرتؐ نے جواب سلام کہا اور ان کے لئے طلب رحمت فرمائی اور فرمایا کہ

میں نے ان کو جنت میں دیکھا کہ فخریہ دامن پھیلائے پھر رہے ہیں۔ (فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ، جلدا، صفحہ۱۳۱)[۱]

ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے کہ جب صفیہ بنت حضرمی نے دیکھا کہ زید مکہ سے دین حنیف کی تلاش میں جانے کی تیاری کررہے ہیں تو ان کے چچا خطاب بن نفیل کو مطلع کردیا تاکہ ان سے مل کر ان کو ان کے ارادہ سے روکیں۔ جب زید نے جانے پر اصرار کیا تو خطاب نے ان کو اذیت پہنچائی اور مکہ سے باہر نکال دیا اور وہ حرا میں رہنے لگے۔ پھر خطاب نے ان پر قریش کے جوانوں اور اوباشوں کی ایک جماعت لگادی اور ان سے کہہ دیا کہ ان کو مکہ میں داخل نہ ہونے دینا۔ چنانچہ وہ صرف چھپ چھپا کر وہاں جایا کرتے تھے۔ جب ان لوگوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے خطاب کو بتادیا۔ اس نے ان کو نکل دیا مبادا وہ ان کے دین میں خرابی ڈالیں اور پابندی لگادی کہ کوئی جاتے وقت راستے میں ان کے ساتھ نہ جائے۔ پھر وہ دین حنیف کی تلاش میں حجاز سے چلے گئے اور رہبانوں اور یہودی علماء سے پوچھتے رہے یہاں تک کہ موصل اور جزیرہ (عراق) پہنچ گئے اور شام کے علاقوں میں پھرتے رہے۔ آخر میں مقام بلقاء کی ایک بلند زمین پر ایک راہب سے جاملے جس کو عیسائیت کے علم میں کمال حاصل تھا۔ اس سے انہوں نے دین ابراہیم کے متعلق دریافت کیا تو ان کو بتایا گیا کہ تم ایسے دین کو تلاش کررہے ہو جس کے لئے اس زمانہ میں تم کو کوئی شخص ایسا نہ ملے گا جو تم کو اس تک پہنچا دے لیکن ایک مدت دراز کے بعد اسی علاقے سے جس سے تم آئے ہو ایک نبی دین ابراہیم پر مبعوث ہوگا، بس وہ حال ہی میں مبعوث ہوگا۔ یہی اس کا زمانہ ہے انہوں نے یہودی اور عیسائی مذہبوں سے بھی واقفیت حاصل کی لیکن وہ ان میں کسی کی کسی چیز پر مطمئن نہ ہوئے۔ چنانچہ راہبوں سے یہ سب سننے پر جلدی جلدی مکہ کی جانب چل پڑے۔ یہاں تک کہ لخم کے علاقے میں پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے ان پر حملہ کرکے قتل کردیا۔ جب ان کی خبر ورقہ بن نوفل کو ملی تو وہ ان پر روئے اور ان کے مرثیے میں یہ اشعار کہے:

رشدت و انعمت ابن عمرو و انما	تجنبت تنورًا من النار حامیا
بدینک ربا لیس رب کمثله	وترکک اوثان الطواغی کما هیا
و ادرکک الدین الذی قد طلبته	ولم تک عن توحید ربک ساهیا
فاصبحت فی دار کریم مقامها	تعلل فیها بالکرامة لاهیا

''اے ابن عمرو تمہیں ہدایت اور نعمت حاصل ہوگئی اور تم نار جہنم سے نجات پاگئے۔ تم نے اپنے دین میں ایسے رب کو مانا جس کی مانند کوئی رب نہیں ہے۔ تم کو بتوں سے چھٹکارا مل گیا اور وہ ویسے ہی ہیں جیسے تھے۔ تم کو وہ دین مل گیا جس کو تم تلاش کرتے تھے اور تم کبھی بھی توحید الٰہی سے غافل نہیں رہے۔ اب تم اس معزز مقام (جنت) میں ہو جہاں تم کو عزت ہی عزت حاصل ہے۔''

۱۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ زید آنحضرتؐ کے ہم عصر نہیں تھے اور ان کی ذات سے متعارف نہیں تھے۔ حالانکہ بخاری کی روایت جس کو ہم نے ابتدائے بیان میں نقل کیا ہے بتاتی ہے کہ آنحضرتؐ ان سے ملتے تھے اور ان کے سامنے کھانا پیش کیا تھا جس میں گوشت تھا اور جس کو کھانے سے زید نے انکار کردیا تھا اس لئے کہ اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا تھا۔ اس سے ان روایات کی صحت میں شک پیدا ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ زید تنہا وہ شخص نہ تھے جو پتھروں، بتوں، اور مورتیوں کی پرستش سے جس پر پورے جزیرے کے عرب عمل پیرا تھے، نفرت کرتے ہوں اور اس کا مذاق اڑاتے ہوں بلکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو گناہ سے بچے رہتے تھے، دین حنیف کو مانتے اور ایسی ہر شے کی پرستش سے دور رہتے جو خود نہ عقل رکھتی ہو نہ فہم۔ یہ لوگ اپنے ملکوں اور علاقوں سے نکل کر ایسے دین کی تلاش میں تھے جس سے ان کے دل مطمئن ہوسکیں اور جس کو ان کی عقلیں قبول کرلیں جیسے ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ، عثمان بن حویرث بن اسد اور عبیداللہ بن جحش جو بنی اسد بن خزیمہ سے تھے۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ ورقہ بن نوفل نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا اور اس کے پیروؤں سے رابطہ رکھتے تھے۔ اُن کو ان لوگوں کی کتابوں اور انجیلوں میں بعض وہ خبریں مل گئیں تھیں جن میں نبی اکرمؐ کے ظہور کی بشارتیں موجود تھیں۔ چنانچہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے حضرت خدیجہؓ کو اس امر کی خوشخبری سنائی تھی جب ان خاتون نے آکر ان سے آنحضرتؐ کی اس وقت کی کیفیت بیان کی تھی جب آپ پر پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی تھی اور آپ خوف میں کانپتے ہوئے ان خاتون کے پاس آئے تھے اور وہ آنحضرتؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں تاکہ آپ ان سے سب ماجرا بیان فرما دیں۔ جب نوفل نے وہ سب کچھ سنا جو آنحضرتؐ نے دیکھا یا سنا تھا تو آنحضرتؐ سے کہنے لگے کہ یہ تو وہی فرشتہ ہے جس کو اللہ نے موسیٰ پر نازل کیا تھا۔ کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔

اس پر رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ کیا لوگ مجھ کو نکالیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ضرور کیونکہ جب کوئی شخص ایسا پیام لے کر آیا ہے جیسا کہ آپ لے کر آئے ہیں تو اس کی قوم نے اس کو نکالا ہے اور اس کی تحقیر کی ہے۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو ضرور آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔ لیکن ورقہ کی قسمت میں زیادہ طویل زندگی نہ تھی اور نبی اکرمؐ کی عام کار تبلیغ شروع ہونے سے پہلے ہی ان کی موت واقع ہوگئی۔

عبیداللہ بن جحش کے متعلق روایت ہے کہ وہ شریعت ابراہیم پر قائم تھے اور اسلام کے ظہور تک زندہ رہے اور انہوں نے اپنے اسلام لے آنے کا اعلان بھی کیا۔ پھر حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے جہاں انہوں نے مذہب عیسائیت اختیار کرلیا تھا اور اسی مذہب کی حالت میں انتقال کیا۔ وہ ان مسلمانوں سے ملتے جو وہاں ہجرت کر کے گئے تھے تو ان سے کہا کرتے تھے کہ ''ہماری تو آنکھیں کھل گئیں اور تم ابھی ان کو مل ہی رہے ہو۔'' (یعنی ہم دیکھنے بھی لگے جبکہ تم دیکھنے کی کوشش ہی میں لگے ہوئے ہو۔)

عثمان بن حویرث ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے قرابتدار تھے۔ وہ روم چلے گئے اور عیسائی ہوگئے۔ پھر وہ روم کے بادشاہ قیصر کے پاس جا پہنچے جس نے ان کی عزت کی اور ان کو بڑا مرتبہ عطا کیا۔

ان کے متعلق ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کوشش کی کہ مکہ پر روم کا اثر قائم ہوجائے اور ان کے زیر حمایت آجائے۔ وہ خود قیصر کی طرف سے اس پر حاکم ہو جائیں۔ لیکن اہل مکہ نے ان کو دھتکار دیا۔ اس پر وہ شام کے علاقے میں غسانیوں کے سایۂ عاطفت میں چلے گئے اور یہ ارادہ کیا کہ مکہ کے تجارتی راستا پر رہزنی کریں۔ اہل مکہ کو اس کا علم ہوا تو

انہوں نے غسانیوں کو تحفے بھیجے اور ان کا یہ ارادہ پورا نہ ہوا۔ بالآخر وہ ان ہی کے پاس زہر سے مارے گئے۔ ان کے علاوہ اور لوگ بھی تھے جو اپنی قوم کی بتوں اور مورتیوں کی پرستش پسند نہ کرتے تھے اور اپنے ذہنوں میں، آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان پائی جانے والی تمام قسم کی مخلوقات کی خلقت کے بارے میں سوچتے رہتے تھے اور دنیا کے مختلف وسیع خطوں میں پھیل گئے تھے تاکہ ایسا دین تلاش کریں جس کو ان کے ذہن قبول کرلیں اور ایسا نظام پالیں جس میں ان کو اپنی مشکلات کے خاطر خواہ حل مل جائیں۔ چنانچہ اللہ پر ایمان کا تصور اور عربوں کے دین اور اعتقادات کے خلاف خیالات کا اظہار ایام جاہلیت کے اشعار میں بھی پایا جاتا ہے جو دوسری چیزوں سے زیادہ حقیقت حال کی عکاسی کرتے ہیں۔ مثلاً امراء القیس کے معلقہ میں جس میں وہ اپنی معشوقہ سلمیٰ سے گفتگو کرتا ہے آیا ہے کہ:

سموت الیها بعد ما نام اهلها　　　سمو حباب الماء حالاً علی حال

فقالت سباک الله انک فاضحی　　　الست تری السمار والناس احوالی

فقلت یمین الله ابرح قاعدًا　　　ولو قطعوا رأسی لدیک و اوصالی

حلفت لها بالله حلفة فاجر　　　لناموا فما ان من حدیث ولا صال

''میں نے اپنی معشوقہ کو ایسے وقت میں جب اس کے گھر والے سوگئے تھے ایسی آواز میں پکارا جیسے پانی کا بلبلہ بار بار پیدا کرتا ہے۔ تو اس نے کہا کہ اللہ تم کو سمجھے۔ تم مجھ کو بدنام کر ڈالو گے۔ دیکھتے نہیں کہ میرے چاروں طرف لوگ باتیں بنا رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ اللہ کی قسم میں یہیں بیٹھا رہوں گا چاہے لوگ میرا سر اور سارے اعضاء تیرے پہلو میں بیٹھے ہوئے کاٹ دیں۔ میں نے اس سے اللہ کی قسم ایک بدکار کی طرح کھالی کہ سب لوگ سو رہے ہیں نہ کسی کی بات کرنے کی آواز آرہی ہے اور نہ خراٹوں کی۔''

امراء القیس کے ساتھ ایسا اتفاق ہوا کہ وہ اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لئے جارہے تھے۔ راستے میں ان کا گزر ذی الخلصہ کی طرف سے ہوا جو ایک بت تھا جس کی عرب لوگ تعظیم کرتے تھے۔ انہوں نے اس کے پاس اپنے تینوں تیروں آمر (کسی کام کے کرنے کی اجازت دینے والا) ناہی (کسی کام سے منع کرنے والا) اور متربص (ٹھہرے رہنے کا حکم دینے والا) سے فال نکالی۔ پہلا تیر گھمایا تو فال منع کرنے والی نکلی۔ دوسری اور تیسری مرتبہ گھمایا تب بھی فال منع ہی کرنے والی نکلی۔ امراء القیس کو غصہ آیا اور انہوں نے سارے تیروں کو جمع کرکے توڑ ڈالا اور ان ہی سے اس بت کو مارا اور اس کو برا کہا نیز ان لوگوں کو بھی برا کہا جو اس کی تعظیم کرتے تھے اور یہ اشعار پڑھنے لگے:

لو کنت یا ذا الخلص الموتورا　　　مثلی وکان شیخک المقبورا

لم تنه عن قبل العداة زورا

''اے ذوالخلصہ کاش! تمہارے بھی عزیز مارے گئے ہوتے اور تمہارے باپ کو قتل کردیا گیا ہوتا تو تم اس طرح دشمنوں سے نمٹنے سے منع نہ کرتے۔''

بعدہٗ انہوں نے بنی اسد پر حملہ کردیا اور ان پر فتح حاصل کر لی اور زندگی بھر بتوں کے ذریعہ کبھی فال نہیں نکالی۔
مالک بن حارثہ کے بارے میں روایت ہے کہ اس کا باپ دودھ لے کر اس کو دیتا کہ جا کر ان کے بت ''ود'' کو پلا آئے۔ لیکن وہ خود پی لیتا اور باپ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔
مالک بن کلثوم شجعی بھی باعزت لوگوں میں سے تھا اور ''فلس'' نام کے بت کی توہین کیا کرتا تھا۔ عدی بن حاتم اس توقع میں رہتا تھا کہ اس کی وجہ سے اس پر کوئی مصیبت آئے گی لیکن جب اس کو کچھ بھی نہ ہوا تو عدی بن حاتم نے اس کی اور تمام بتوں کی پرستش ترک کردی اور عیسائی ہوگیا۔ عیسائیت پر ہی قائم رہا تا آنکہ اسلام کا ظہور ہوا اور وہ مسلمان ہوگیا۔
فرینہ کا ایک بت تھا جو ''نہم'' کہلاتا تھا۔ اس کے مجاور نے اس کو توڑ ڈالا اور یہ اشعار پڑھے:

ذهبت الى نهم لا ذبح عنده　　عنيزة نسک کالذی کنت افعل
فقلت لنفسی حین راجعت عقلها　　اهذا اله ابکم لیس بعقل
ابیت فدینی الیوم دین محمدٌ　　اله السماء الماجد المتفضل

''میں نہم کے پاس گیا تاکہ قربانی کے طور پر ایک بکری ذبح کروں جیسے میں کیا کرتا تھا۔ لیکن میرا شعور بیدار ہوگیا اور میں نے اپنے آپ سے کہا کہ کیا یہی خدا ہے جو نہ بولے نہ سمجھے؟ میں نے اس سے انکار کردیا اور اب میرا دین محمدؐ کا دین ہے جس کا خدا وہ ہے جو پوری کائنات کا خدا ہے اور بزرگی اور عظمت والا ہے۔''
اعشیٰ کے شعر میں آیا ہے کہ:

وذا النصب المنصوب لا تنسکنه　　ولا تعبد الاوثان واللّٰه فاعبدا

''ان خود ساختہ بتوں کے سامنے ہرگز قربانی پیش نہ کرو اور نہ بتوں کی پوجا کرو بلکہ اللہ کی عبادت کرو۔''
عبیدہ بن ابرص کے اشعار میں ہے کہ:

من یسأل الناس یحرموه　　وسائل اللّٰه لا یخیب
واللّٰه لیس له شریک　　علام ما اخفت القلوب

''جو کوئی انسانوں کے سامنے دست سوال پھیلاتا ہے وہ اس کو محروم ہی رکھتے ہیں، البتہ اللہ سے مانگنے والا مایوس نہیں ہوتا۔ اللہ وہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ دلوں میں چھپی ہوئی باتوں سے بھی واقف رہتا ہے۔''

زہیر کے معلقہ میں یہ اشعار ملتے ہیں:

فلا تکتمن اللّٰہ ما فی صدورکم　　　لیخفی و مهما یکتم اللّٰہ یعلم

یؤخر فیوضع فی کتاب فیدخر　　　لیوم الحساب او یعجل فینقم

''جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے اللہ سے مت چھپاؤ کیونکہ کتنی ہی کوئی چیز اللہ سے چھپائی جائے وہ اس سے واقف ہوجاتا ہے۔ یا تو دیر کرتا ہے اور اس کو کتاب میں درج کر دیتا ہے کہ یوم حساب کے لئے محفوظ کرلے یا جلدی کرتا ہے۔ بہرحال بدلہ ضرور دیتا ہے۔''

امیہ بن ابوصلت کہتا ہے:

کل دین یوم القیامة عند اللّٰہ　　　الا دین الحنیفة زور

''قیامت کے روز اللہ کے سامنے دین حنیف کے سوا سب جھوٹے ثابت ہوجائیں گے۔''

اسلام سے پہلے کے عربوں کے متعلق اس قسم کی بہت سی روایات ہیں جو بتلاتی ہیں کہ عربوں میں ایسے افراد بھی تھے جو بتوں اور ان کی پرستش کا مذاق اڑاتے تھے اور ایک اللہ پر اعتقاد رکھتے تھے جو ثواب بھی دیتا ہے، عقاب بھی عطا کرتا ہے اور محروم بھی رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور ذات عبادت کی سزاوار نہیں ہے۔ یہ خیالات جزیرۂ عرب میں رسول اکرمؐ کی بعثت سے پہلے ان یہودیوں اور عیسائیوں کے ذریعہ سے پھیل گئے تھے جو نبی اکرمؐ کی رسالت کے بارے میں بشارت تو دینا نہ چاہتے تھے لیکن مناسب موقعوں پر ایسے خیالات کو ظاہر کردیا کرتے تھے جو ان کو اپنے اسلاف سے ورثہ میں ملے تھے اور جن کو وہ لوگ اپنی توریتوں اور انجیلوں میں پاتے تھے۔

چنانچہ عاصم بن عمرو بن قتادہ نے اپنی قوم کے افراد سے روایت کی ہے کہ جس چیز نے ہم کو اسلام اور رحمت الٰہی کی طرف بلایا اور ہم کو اس کی ہدایت عطا کی وہ باتیں ہیں جو ہم یہودیوں سے سنا کرتے تھے کیونکہ ہم اہل شرک میں سے تھے اور بتوں کے ماننے والے تھے جبکہ ان اہل کتاب کے پاس وہ علم تھا جو ہمارے پاس نہیں تھا۔ جب کبھی ہمارے اور ان کے درمیان چھیڑ چھاڑ ہوجاتی اور ان کو ہماری طرف سے تکلیف پہنچتی تو وہ ہم سے کہتے تھے کہ ایک نبی کا زمانہ قریب آرہا ہے جونہی وہ مبعوث ہوگا ہم اس کے ساتھ مل کر تم کو عاد اور ارم قوموں کی طرح قتل کر ڈالیں گے۔ ہم کو ان سے ایسی بہت سی باتیں سننے میں آئی تھیں۔ چنانچہ جب رسول اللہؐ مبعوث ہوئے اور آنحضرتؐ نے ہم کو اللہ کی طرف بلایا تو ہم نے قبول کیا اور اب ہم سمجھے کہ وہ لوگ ہم کو کس بات سے ڈرایا کرتے تھے۔ چنانچہ ہم ان لوگوں سے زیادہ جلدی اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس پر ایمان لے آئے لیکن وہ خود اس کے منکر رہے۔ پس ہمارے اور ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَمَّا جَآءَ هُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ ○ ''جب ان کے پاس اللہ کے پاس سے کتاب آئی اور اس نے ان باتوں کی تصدیق کی جو ان کے پاس تھیں اور

حالانکہ وہ پہلے تو ان لوگوں پر جو اس وقت کفر اختیار کئے ہوئے تھے کامیابی جتایا کرتے تھے لیکن جب ان کے پاس وہ چیز آئی جس کو وہ پہچانتے تھے تو انہوں نے اس سے انکار کردیا۔ پس اللہ کی لعنت ہو انکار کرنے والوں پر۔" (سورۂ بقرہ: آیت۸۹)

سیرت ابن ہشام میں ابن اسحٰق سے ان کی اپنی سند سے جو سلمہ بن سلامہ بن وقش پر منتہی ہوتی ہے جو جنگ بدر میں نبی اکرمؐ کی معیت میں شریک تھے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ:

ہمارا پڑوسی ایک یہودی تھا۔ ایک روز وہ اپنے گھر سے نکل کر ہم لوگوں میں آیا اور بنی عبدالاشہل میں کھڑا ہوگیا۔ ان دنوں میں عمر میں ان سب سے چھوٹا تھا۔ میں اپنی ایک چادر میں لپٹا ہوا اپنے گھر کے صحن میں تھا۔ اس شخص نے قیامت، دوبارہ زندہ کئے جانے، حساب، میزان، جنت اور جہنم کے متعلق باتیں کرنا شروع کیں۔ وہ مشرکوں کی ایسی جماعت سے گفتگو کر رہا تھا جو نہ دوبارہ زندہ کئے جانے کو مانتے تھے، نہ موت کے بعد حساب کو۔ وہ کہنے لگے کہ افسوس ہے تجھ پر کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ ہونے والا ہے اور یہ کہ لوگ مرجانے کے بعد ایک ایسے مقام کے لئے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے جس میں جنت اور جہنم ہوں گی اور وہاں ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس نے کہا کہ ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم کھائی جاتی ہے جب کسی شخص کو اس کے اعمال کی بدولت اس آگ کے پاس لے جایا جائے گا جو دار آخر میں آگ کا سب سے بڑا تنور ہے، اس کو گرم کریں گے اور اس کو اس میں ڈال دیں گے۔ پھر اس کے اوپر مٹی ڈالیں گے تاکہ وہ اس سے دوسرے روز نجات پاجائے۔ اس پر ان لوگوں نے کہا کہ وائے ہو تجھ پر اس کی علامت کیا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ نبی جو اس علاقے میں مبعوث ہوگا اور اس نے اپنے ہاتھ سے مکہ اور یمن کی جانب اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم کب ان کو دیکھیں گے؟ تب اس نے میری طرف نظر ڈالی اور میں اُن میں سب سے کم عمر تھا اور کہا کہ اگر یہ لڑکا اس وقت تک رہ گیا تو یہ ان کو دیکھ پائے گا۔

سلمہ بن سلامہ کہتا ہے کہ قسم بخدا! کچھ ہی دن گزرے تھے کہ اللہ نے آنحضرتؐ کو اپنا رسولؐ مبعوث کیا۔ اس وقت وہ شخص ہم لوگوں کے درمیان موجود تھا۔ چنانچہ ہم آنحضرتؐ پر ایمان لے آئے اور اس شخص نے بدخواہی اور حسد کے باعث انکار کیا۔ تب ہم نے اس سے کہا کہ وائے ہو تجھ پر اے شخص! کیا تو ہی وہ نہیں ہے جس نے ہم سے آنحضرتؐ کے بارے میں وہ سب کچھ کہا تھا۔ کہنے لگا کہ ہاں کہا تھا لیکن یہ وہ نہیں ہیں۔

ابن اسحٰق کی روایت میں عاصم بن عمر بن قتادہ سے اور انہوں نے بنی قریظہ کے ایک شیخ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ کیا تم جانتے ہو کہ ثعلبہ بن سعیہ، اسعید بن سعیہ اور اسد بن عبید کس طرح اسلام لائے اور یہ لوگ بنی ہذیل کے افراد تھے جو بنی قریظہ کے بھائی تھے اور جاہلیت کے زمانہ میں ان کے ساتھ تھے۔ پھر زمانۂ اسلام میں ان کے سردار بن گئے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ قسم بخدا میں نہیں جانتا۔ تب انہوں نے کہا کہ اہل شام میں سے ایک یہودی جس کو ابن ہیبان کہتے تھے ظہور اسلام سے چند سال پہلے ہمارے پاس آکر ہمارے درمیان رہنے لگا۔ قسم بخدا

ہم نے اس سے بہتر پانچ وقت کی نمازیں پڑھتے کسی کو نہیں دیکھا۔ جب ہمارے یہاں خشک سالی سے قحط پڑ گیا تو ہم نے اس سے کہا کہ اے ابن ہیبان ذرا باہر نکل کر ہمارے لئے طلب باراں کرو۔ اس نے کہا کہ قسم بخدا میں ایسا اس وقت کروں گا جب تم مجھ کو صدقہ کے طور پر ایک ایک صاع کھجوریں اور دو دو مد جو لا دو گے۔ ہم نے اس کو وہ چیزیں لا دیں۔ تب وہ ہمارے ساتھ ہمارے خشک علاقہ سے باہر نکلا اور اللہ سے طلب باراں کیا۔ قسم بخدا وہ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ بادلوں نے آ کر ہم کو سیراب کر دیا۔ اس نے کئی بار ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد ہم ہی میں اس کی موت کا وقت آ پہنچا۔

جب اس کو علم ہوا کہ وہ مرنے والا ہے تو کہنے لگا: اے قوم یہود! کیا تم دیکھتے ہو کس چیز نے مجھ کو آرام و آسائش کی جگہ سے پریشانی اور بھوک کی جگہ لا ڈالا ہے؟ ہم نے کہا کہ تم ہی بہتر جانتے ہو۔ تب اس نے کہا کہ میں اس شہر میں ایک نبی کی توقع میں آیا تھا جس کے ظہور کا زمانہ آ پہنچا ہے اور یہی بستی ان کی جائے پناہ ہے۔ میں امید کر رہا تھا کہ ان کا ظہور ہو جائے اور میں ان کی پیروی کروں۔ تم کو ضرور اس کا زمانہ ملے گا تو اے قوم یہود اس کی طرف جانے میں کوئی تم پر سبقت نہ لے جائے کیونکہ وہ اسی حکم کے ساتھ بھیجے جائیں گے کہ جو کوئی ان کی مخالفت کرے ان کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے۔ پس تم اس کی وجہ سے اس سے دور نہ رہنا۔

چنانچہ جب رسول اللہؐ مبعوث ہوئے اور آپ نے غزوۂ احزاب کے بعد بنوقریظہ کا محاصرہ کیا تو ان لوگوں نے جو سب کے سب نوجوان تھے کہا کہ اے بنوقریظہ! یہ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں ابن ہیبان تم سے وعدہ لے گیا تھا۔ ان لوگوں نے کہا کہ کیا واقعی یہ وہی ہیں؟ ان جوانوں نے کہا: ضرور! قسم بخدا اپنی صفات کے لحاظ سے یہ وہی ہیں۔ پس ان لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور اسلام میں داخل ہو گئے اور اس طرح انہوں نے اپنی جانیں، اموال اور اپنے بال بچوں کو محفوظ کر لیا۔

یہ ان روایات کے علاوہ ہیں جن میں رسول اللہؐ کے سیرت نگاروں نے ان افراد کے بارے میں بیان کیا ہے جنہوں نے قدیم کتابیں پڑھی تھیں نیز کاہنوں، عالموں اور راہبوں سے وہ خبریں حاصل کی تھیں جن میں ایک ایسے عالی خاندان عرب بچہ کے ظہور کرنے کی پیشگوئیاں پائی جاتی تھیں جو توحید، یکجائی اور محبت کی طرف اور بتوں اور مورتیوں کو ترک کر دینے کی طرف دعوت دے گا اور دنیا میں ایسا انقلاب برپا کر دے گا جو اس سے پہلے کسی نے نہ کیا ہوگا۔ بعض لوگوں نے ان روایات میں ایسے واقعات اور خلاف عادت کرامات شامل کر دیں جو ان کے خیال کے مطابق آنحضرتؐ کی ولادت سے لے کر مبعوث ہونے تک آپ کی حیات میں واقع ہوتی رہیں اور جو حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں بھری پڑی ہیں حالانکہ ان میں سے بیشتر روایات عالمانہ تنقید کے سامنے اپنی سندوں اور اپنے متن کے لحاظ سے صحیح ثابت نہیں ہو پاتیں۔ البتہ ان کی بدولت مطالعہ کرنے والا ایسے واقعات سے خالی ہاتھ نہیں رہتا جو آپ کی حیات میں چالیس سال کی عمر میں ہونے سے پہلے پہلے واقع ہوتے رہے اور جو آپ کی نبوت و رسالت کی پیشگوئی کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ جو کوئی اس زمانہ کے واقعات اور ان حالات کا مطالعہ کرے گا جن سے اس زمانہ کے لوگ پریشان تھے یہ یقین کر لے گا کہ دنیا کو ایسے شخص کی شدید حاجت تھی جو اس کو اس گمراہی، لاقانونیت، مصیبت اور بدبختی سے نکال سکے جس

میں وہ گھری ہوئی تھی۔ اب یہ تاریخی حقیقت ہے کہ آنحضرتؐ ہی وہ نجات دینے والے ہیں جن کو اللہ نے اپنی رسالت کے لئے منتخب کیا اور ان ہونے والے واقعات اور تاریخی حقائق کے بعد ان کی رسالت میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

یہی وہ رسالت ہے جس کی توقع زید بن نفیل، ورقہ بن نوفل، عثمان بن حویرث، عبداللہ بن حرث اور امیہ بن صلت وغیرہ کو تھی جس کی وجہ سے وہ بتوں کو اور بتوں کی پرستش کرنے والوں کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے۔ وہ اپنے وطنوں سے ایسے دین کی تلاش اور جستجو میں نکلے تھے جس کو ان کی عقلیں قبول کریں اور جس سے ان کے ذہن مطمئن ہو جائیں۔ وہ تلاش اور غور وفکر سے اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ قابل عبادت وہی اللہ ہے جو انسان، حیوان، زمین، آسمانوں اور جو کچھ ان کے اندر اور ان کے درمیان ہے سب کا خالق ہے اور وہی قوت اور دانش کا سرچشمہ ہے۔

بعثت سے پہلے قریش حج میں کیا شامل کئے ہوئے تھے

تاریخ ابن کثیر اور دیگر سیرت نبوی لکھنے والوں کی تالیفات میں لکھا ہے کہ قریشی خانۂ کعبہ کی تعظیم و تقدیس میں بہت بڑھے ہوئے تھے اور کہتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں، حرم والے ہیں، خانۂ کعبہ کے متولی ہیں اور مکہ کے رہنے والے ہیں۔ پس عرب میں کسی اور کا نہ ہمارے جیسا حق ہے اور نہ ہمارے جیسا مرتبہ۔ نہ عرب کے لوگ کسی دوسرے کو ایسے مرتبے والا سمجھتے ہیں جیسا ہمیں سمجھتے ہیں۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے رہتے تھے کہ کسی چیز کی ایسی عظمت نہ کریں جیسی حرم کی۔ انہوں نے عرفات میں ۹/ذی الحجہ کو قیام کرنا اور وہاں جانا ترک کر دیا تھا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ عمل تھا۔ ان عربوں کو جو حل اور حرم کے رہنے والوں میں سے پیدا ہوئے اپنے ہی مثل قرار دیتے تھے۔ ان کے لئے بھی وہ سب کچھ حلال سمجھتے جو اپنے لئے حلال سمجھتے اور وہی کچھ ان کے لئے بھی حرام سمجھتے جو خود ان پر حرام تھا۔ اپنے آپ کو حمس (کٹر) کہتے تھے۔[1]

اسی کے ساتھ اس زمانہ میں یہ لوگ بھیڑ بکری کے دودھ سے نہ پنیر نکالتے، نہ چربی اور نہ گوشت چھیلتے۔ بالوں کے بنے ہوئے گھر میں داخل نہ ہوتے اور اگر سائے کی ضرورت ہوتی تو صرف چمڑے کے بنے ہوئے مکان میں داخل ہوتے۔ وہ کہتے تھے کہ حل کے رہنے والوں کے لئے وہ کھانا جائز نہیں جو وہ حل سے اپنے ساتھ حرم لائے ہوں جبکہ وہ حج یا عمرہ کرنے آئے ہوں۔ وہ خانۂ کعبہ پہنچ کر پہلا طواف صرف کھردرے کپڑوں ہی میں کرتے تھے۔ اگر ایسے کپڑے نہ مل سکیں تو خانۂ کعبہ کا طواف برہنہ کرتے تھے۔ ابن ہشام اپنی سیرت میں اس پر اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ اگر ان میں کوئی صاحب غیرت مرد یا عورت ہوتی اور ان کے پاس کھردرے کپڑے نہ ہوتے تو ان ہی کپڑوں میں طواف کر لیتے جن میں وہ حل سے آئے تھے۔ البتہ طواف کر چکنے کے بعد ان کو پھینک دیتے تھے اور پھر استعمال میں نہ لاتے تھے۔ نہ خود چھوتے تھے

۱۔ حمس جمع ہے احمس کی۔ اس کے معنی وہ شخص جو دین میں سخت اور بے لچک ہو۔ وہ لوگ اپنے آپ کو ایسا اس لئے کہتے تھے کیونکہ انہوں نے حج میں نئی نئی چیزیں داخل کر کے دین میں سختی کی تھی۔

نہ کوئی اور ان کو چھوتا تھا۔ اس کپڑے کو وہ "اللقی" یعنی اتارا ہوا کہتے تھے۔

اس کے متعلق ایک شاعر نے کہا ہے:

کفی حزنًا کری علیه کأنه لقی بین ایدی الطائفین حریم

"کیسے افسوس کا مقام ہے کہ اس کے اوپر اس طرح ٹوٹے پڑ رہے ہیں گویا طواف کرنے والوں کے سامنے کوئی عورت آ گئی ہے۔"

جب کسی عورت کو طواف کرنا ہوتا اور اس کے پاس کھردرے کپڑے نہ ہوتے تو وہ خاص مقام پر ہاتھ رکھ کر برہنہ طواف کرتی تھی۔ ابن ہشام کے مطابق وہ تمام کپڑے اتار دیتی تھی سوائے خاص مقام کو ڈھکنے والے کپڑے کے اور اسی سے طواف کرتی تھی۔ چنانچہ ضباعہ بنت عامر بن صعصعہ نے ایسی ہی حالت میں طواف کیا اور وہ یہ شعر پڑھتی جاتی تھی:

الیوم یبدو بعضه او کله وما بدا منه فلا احله

"آج کے روز خواہ پورا جسم کھلا ہوا ہو یا کچھ حصہ، میں جو کھلا ہوا ہے اس کو بھی حلال قرار نہیں دیتی ہوں۔"[۱]

یہ طریقے ان لوگوں میں رائج رہے تا آنکہ اللہ نے آنحضرتؐ کو مبعوث فرمایا۔ تب آپ نے اللہ کی طرف سے منع کئے جانے پر ان کو باطل قرار دے دیا۔ چنانچہ اللہ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ○

"پھر آگے بڑھ جاؤ جہاں سے لوگ آگے بڑھتے ہیں اور اللہ سے طلب مغفرت کرو۔ بے شک اللہ بخشنے والا رحیم ہے۔" (سورۂ بقرہ: آیت ۱۹۹)

ایک دوسری آیت میں ہے:

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّکُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا وَلَا تُسۡرِفُوۡا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ○ "اے اولاد آدم! ہر مسجد میں اپنی زینت اختیار کرو اور کھاؤ پیو لیکن فضول خرچی نہ کرو کیونکہ اللہ فضول خرچ کو دوست نہیں رکھتا۔" (سورۂ اعراف: آیت ۳۱)

قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَةَ اللّٰهِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ قُلۡ هِیَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا خَالِصَةً یَّوۡمَ الۡقِیٰمَةِ "کہہ دیجئے کہ کس نے زینت کی چیزوں کو جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو حرام کیا ہے۔ کہہ دیجئے کہ یہ ان لوگوں کے

۱۔ سیرت طیبہ کے ایک ضمیمہ میں مذکور ہے کہ بعثت کے بعد رسول اللہؐ نے ارادہ فرمایا تھا کہ اس عورت سے تزویج کرلیں لیکن آنحضرتؐ سے کہا گیا کہ وہ بوڑھی ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ روایت جھوٹی ہے کیونکہ اگر یہ صحیح ہے کہ وہ لوگوں کے بیچوں بیچ ننگی طوائف کررہی تھی تو یہ ناممکن ہے کہ نبی اکرمؐ ایسی بے شرم عورت سے تزویج کرتے۔

لئے ہے جو ایمان لائے ہیں دنیا میں بھی اور قیامت کے روز بھی۔" (سورۂ اعراف: آیت ٣٢)
(سیرت ابن ہشام۔ جلد١، صفحہ ٢٠٢ و ٢٠٣)

بعض سیرت نگاروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عام عربوں نے قریشی اور ان کے حلیفوں کا ساتھ ان تبدیلیوں میں نہیں دیا جو انہوں نے شروع کیں تھیں اور جن کو وہ چاہتے تھے کہ عام انسانوں پر عائد کردیں کیونکہ کچھ لوگ برابر ٩/ذی الحجہ کو عرفات اور وہاں سے مزدلفہ جایا کرتے تھے تا کہ بقیہ مناسک حج ادا کریں۔

جبیر بن مطعم سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہؐ کو وحی نازل ہونے سے پہلے دیکھا کہ آنحضرتؐ عرفات میں لوگوں کے درمیان اپنے اونٹ پر اس انتظار میں کھڑے تھے کہ ان کے ساتھ وہاں سے نکل چلیں۔

سیرت حلبیہ میں ہے کہ قریشیوں اور ان کے حلیفوں نے ان طریقوں کو اپنے علاوہ باقی عربوں پر عائد نہیں کیا اور ان کو اس کی اجازت دیئے رہے کہ وہ عرفات میں قیام کرکے وہاں سے آگے بڑھ جائیں اور جو چاہیں اور جو پسند کریں کھائیں جیسی ان کو زمانۂ قدیم سے عادت چلی آرہی ہے۔

اسی طرح عورتوں کا برہنہ ہو کر طواف کرنا عرب میں عام دستور نہیں تھا جیسا کہ بعض مؤرخین نے کہا ہے۔ چنانچہ انساب الاشراف میں ابن حبیب کی کتاب المنمق سے عبداللہ بن عباس پر منتہی ہونے والی سند سے روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ضباعہ بنت عامر، ہوذہ بن علی بن ثمامہ حنفی کی بیوی تھی۔ اس کے مرنے پر اس کو بہت سی دولت ملی۔ اب عبداللہ بن جُدعان نے اس سے شادی کرلی اور وہ اس کے بعد ایک مدت تک زندہ رہی۔ ایک مرتبہ وہ خانۂ کعبہ کا طواف کررہی تھی کہ ہشام بن مغیرہ نے اس کو دیکھ لیا۔ وہ اس کو بہت پسند آگئی۔ چنانچہ اس نے اس سے کہا کہ تم کیسے اس جوانی اور حسن کے باوجود اس بوڑھے کے ساتھ گزارا کرتی ہو؟ اگر تم اس سے جدائی حاصل کرلو تو میں تم سے شادی کرلوں گا۔ اس عورت نے ابن جدعان سے رجوع کیا اور اس سے کہلوایا کہ وہ اس کو طلاق دیدے۔ اس نے منع کردیا لیکن بعد میں طلاق دیدی۔ البتہ یہ شرط رکھی کہ ہشام بن مغیرہ سے شادی نہ کرے اور اگر کرے تو خانۂ کعبہ کا طواف برہنہ ہوکر کرے اور کئی اونٹ نحر کرے اور مکہ کے پہاڑوں کے درمیان اون کاتے۔ اس نے اس شرط کو مان لیا اور ہشام کو پورے معاملے کی خبر دیدی۔ اس نے کہلا بھیجا کہ میں کوشش کررہا ہوں کہ قریش سے کہوں کہ تمہارے لئے خانۂ کعبہ خالی کرادیں تا کہ تم صبح سے پہلے پہلے رات کی تاریکی میں طواف کرلو۔ چنانچہ اس کا انتظام ہوگیا اور اس نے رات کی تاریکی میں برہنہ طواف کرلیا۔ بعض راوی کہتے ہیں کہ جب ہشام کی موت واقع ہوگئی تو رسول اللہؐ نے اس سے تزویج کی خواہش کی لیکن خلقی وجوہ کی بنا پر آپ نے ارادہ ترک فرمادیا۔ (انساب والاشراف، جلد١، صفحہ ٤٦١)

—۳—

غارِ حرا میں

محدثین اور مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی اکرمؐ اور بنی ہاشم میں سے کچھ افراد آنحضرتؐ کی نبوت سے پہلے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے دین پر تھے اور ان حضرات نے اللہ کے سوائے کسی اور کے سامنے نہ اپنے سر جھکائے اور نہ دل۔ وہ اللہ جو ایک ہے اور ایسا ایک کہ نہ کوئی اس سے پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کا جیسا ہے۔

ایک سوال جو اس مقام پر اٹھتا ہے اور مطالعہ کرنے والوں کی کثیر تعداد کے ذہنوں سے دور نہیں ہوتا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ بلا استثناء تمام انسانوں کے لئے نبی تھے اور بعد میں آنے والے شرعی قوانین پہلے گزر جانے والے قوانین اور دینوں کو منسوخ کر دیتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ، حضرت موسیٰؑ و حضرت ابراہیمؑ اور دوسرے انبیاء کے بعد آئے تھے لہٰذا ضروری تھا کہ ان کی شریعت اور رسالت اس وقت تک جاری اور قائم رہتی جبکہ حضرت محمدؐ بن عبداللہ مبعوث ہوئے۔ یہ ایسی حقیقت ہے کہ اس میں کلام کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایسی صورت میں حضرت محمدؐ بن عبداللہ اپنی نبوت سے قبل شریعت ابراہیمی پر کیوں تھے اور حضرت عیسیٰؑ کی شریعت پر کیوں نہیں تھے جس کو اللہ نے تمام انسانوں پر فرض قرار دیا تھا اور جو اس وقت تک قائم تھی جب حضرت محمدؐ بن عبداللہ مبعوث ہوئے۔

اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ تمام انبیاء اور تمام رسول اس امر میں مشترک ہیں کہ سب کے سب دعوت دیتے ہیں ایک ہی اللہ کی طرف جس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ اس کا مثل ہے اور دعوت دیتے ہیں حسن سلوک کی، سرکشی اور بے راہ روی کی مخالفت کرنے کی اور اسی قسم کی اور باتوں کی جس میں تمام انسانوں کی بھلائی ہو۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ بعد میں آنے والا ایسے نئے قوانین اور ہدایات لے کر آئے جو زمانہ کے تقاضوں، زندگی کے ارتقائی مرحلوں اور ان مصلحتوں کے مطابق ہوں جن پر اللہ کے علاوہ کسی اور کو قابو حاصل نہیں ہے۔

اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کو یقیناً تمام انسانوں کے لئے مبعوث کیا لیکن قبل اس کے کہ اللہ ان کو اپنی طرف واپس اٹھائے ان کے پیروؤں نے ان کے بارے میں بہت بری طرح سے غلو کرنا شروع کر دیا اور اللہ کی بجائے ان کی اور ان کی

ماں کی پرستش کرنے لگے جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیت ۱۱۶ میں آیا ہے:

يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ. ''اے عیسیٰؑ! کیا آپ نے لوگوں سے کہا ہے کہ مجھ کو اور میری ماں کو اللہ کے بجائے دو خدا مانیں۔''

اور حضرت عیسیٰؑ کا جواب یہ تھا:

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ. ''میں نے ان سے صرف وہی کہا ہے جو تو نے مجھ کو حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو۔'' (سورۂ مائدہ: آیت ۱۱۷)

اس شدید غلو کے ساتھ ساتھ ان کے درمیان حضرت عیسیٰؑ اور ان کی ماں کی حیثیت اور ان کی ولادت کے بارے میں سخت اختلاف ہوگیا۔ پھر وہ لوگ فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے جو ایک دوسرے پر لعنت کرتے، ایک دوسرے کو برا کہتے، کفر کا الزام لگاتے تھے اور صدیوں تک ان میں خونریز جنگیں ہوتی رہیں۔

یعقوبی عیسائیوں نے رومی کنیسہ سے علیحدگی کا اعلان کردیا۔ البتہ نسطوری لوگوں نے اس سے اپنا لگاؤ قائم رکھا۔ چنانچہ اس زمانہ کے انسانوں پر حیرت چھاگئی اور اس نے حضرت عیسیٰؑ کے لائے ہوئے تمام اصول وقوانین پر تاریکی کے گہرے پردے ڈال دیئے۔ حتیٰ کہ عیسائیت ایسی متضاد باتوں کا مجموعہ بن کر رہ گئی جس کو نہ عقل قبول کرتی تھی نہ فہم سمجھ سکتی تھی۔ جیسا کہ اس سے پہلے یہودیت کا حال ہوا تھا۔ ایسی پریشان حالی کی صورت میں جو حضرت محمدؐ بن عبداللہ کو ملی جبکہ عیسائیت نہ معقول رہ گئی تھی نہ مقبول۔ آنحضرتؐ جیسے انسان کے لئے جنہوں نے اپنی پاکیزہ فطرت کے ذریعہ سے بت پرستی کی خرابیوں، عیسائیت کی متضاد باتوں اور اصل الٰہی پیغام سے کنارہ کشی نیز اپنی قوم کی گمراہی کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا، کیسے ممکن تھا کہ وہ اس کی طرف ملتفت ہوکر اس کو دین کے طور پر اختیار فرما لیتے جبکہ ہر طرف متعدد دین پھیلے پڑے تھے اور ہر ایک کے اپنے اپنے ماننے والے اور پیرو تھے جو ایک دوسرے کو کافر کہتے رہتے تھے۔

ایسی فضاء میں جو آنحضرتؐ کو ملی آپ عیسائیت پر نظر ڈالتے تو دیکھتے کہ اس میں صرف ایسی چیزیں ہیں جو عقل کو حیرت اور پریشانی میں ڈالدیں۔ آپ اپنی قوم کو دیکھتے کہ وہ بتوں اور پتھروں کی پرستش کی گمراہی میں پڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ آپ اپنے زمانہ کے انسان سے بہت دور تھے، اپنے خیالات میں غرق ہوجاتے اور اللہ کی عبادت کرتے جو زمین، آسمان اور ان میں پائی جانے والی ساری مخلوقات کا اللہ ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ اس کا مثل ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان جیسے دوسرے انبیاء کرتے تھے کیونکہ کسی نبی کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اس سے روگرداں ہوکر لوگوں کو اللہ کے علاوہ کسی اور ذات کی طرف بلائے خواہ ان دینوں کے پیرو جہالت اور خواہشات کی رو میں بہہ گئے ہوں اور وہ سب ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہوں اور اس طرح ہر کوئی جو عیسائیت کا پیرو تھا مورد لعنت بنا ہوا تھا۔ چنانچہ سیرت رسولؐ پر لکھی جانے والی کتابیں بتلاتی ہیں کہ یہ بات زید بن عمرو بن نفیل کو اس عیسائی عالم نے بتائی تھی جس سے انہوں نے عیسائیت کے بارے میں دریافت کیا تھا تاکہ اس کو اپنے دین کے طور پر اختیار کرلیں۔

بہرحال آنحضرتؐ نے اپنے زمانۂ شباب ہی سے یہ عادت اختیار کرلی تھی کہ آپ اللہ کی مخلوقات اور اس دنیا میں حالات اور انقلابات کے بارے میں غور وفکر کرتے رہتے اور کوئی شے آپ کو دنیا میں اٹھنے والے ان فتنوں، سرکشی اور مظالم کے متعلق غور وفکر کرنے سے روگرداں نہ کرسکتی تھی۔ آپ افسوس، رنج اور حیرت میں ڈوبے رہتے تھے کیونکہ آپ اس گمراہی کا جو لوگوں کی آنکھوں کو اندھا کئے ہوئے تھی اور جس سے بشریت حواس باختہ ہو رہی تھی علاج نہ کرسکتے تھے۔

چنانچہ سکوت اور غور وفکر آپ کی زندگی کا جز بن گئے۔ آپ کی خاموشی میں ہدایت کے اسباب اور زندگی اور اس کے مسائل کے بارے میں آپ کے غور وفکر میں تمام انسانوں کی خوش بختی پوشیدہ تھی کیونکہ آپ چاہتے تھے کہ ان کو جہالت کی تاریکی سے نور اور ہدایت کی طرف اور باطل میں پڑے رہنے کی بجائے دائرۂ حق کی طرف نکال لے جائیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ اس طرح نجومی یا پیشنگو بن جائیں جو لوگوں کو ان کی پوشیدہ باتیں اور قریب و بعید مستقبل میں پیش آنے والے واقعات بتادیتے ہیں یا یونان کے سے حکیم اور فلسفی بن جائیں۔

آنحضرتؐ نے اپنے مبعوث ہونے سے پہلے ہی مکہ کے پہاڑوں اور گھاٹیوں کو اپنا ٹھکانا بنا لیا تھا تاکہ آپ انسانوں کی بیہودہ باتوں اور شور وغل سے دور رہ سکیں۔ چنانچہ آپ کو غار حرا میں وہ تنہائی مل گئی کہ جہاں کوئی دخل دینے والا نہ تھا۔ پس آپ وہاں ہر سال ماہ رمضان میں جاکر پورے مہینے قیام فرماتے اور اس معمولی خوراک پر گزارا کرتے جو آپ کی زوجہ حضرت خدیجہؓ آپ کو دے آتی تھیں وہاں آپ حقیقی تنہائی کی تلاش میں جاتے تھے تاکہ آپ تن تنہا آسمان، ستاروں، سیاروں، صحراؤں اور ان کی تپش کے بارے میں جب آفتاب کی جھلسا دینے والی شعاعیں پڑ رہی ہوں اور سمندروں اور ان کی موجوں اور زمین اور اس کے درخت، ہریالی، پھلوں، پھولوں، فصلوں اور تبدیلیوں اور حیرت میں ڈال دینے والی مخلوقات کے بارے میں غور وفکر میں غلطاں رہیں۔

آپ غار حرا میں ان تمام چیزوں کے بارے میں غور وفکر فرماتے رہتے تھے تاکہ آپ اس حقیقت عالیہ کو پالیں جو ان ظاہری موجودات کے ماوراء ہے۔ آپ یقین رکھتے تھے کہ زندگی کے جو طریقے ان کی قوم والے اختیار کئے ہوئے ہیں اور جس طرح وہ اپنے خداؤں سے تقرب حاصل کرتے ہیں وہ محض جہالت اور گمراہی ہے اور اس طرح وہ ہر ساعت بلکہ ہر لحہ جہالت پر جہالت اور گمراہی پر گمراہی بڑھاتے چلے جارہے ہیں کیونکہ وہ ان بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ تو نقصان پہنچاسکتے ہیں نہ نفع، نہ وہ کسی کو پیدا کرسکتے ہیں نہ رزق دے سکتے ہیں، نہ کسی شخص پر آئی ہوئی مصیبت کو دور کرسکتے ہیں۔

ہبل، لات اور منات نیز وہ سارے بت اور پتھر کی مورتیاں جو کعبہ کے چاروں طرف اندر باہر پڑی ہوئی تھیں نہ تو یہ سب کسی روز کسی مکھی تک کو خلق کرسکیں اور نہ کسی شخص پر سے ایک مکھی تک کی برائی کو دور کرسکیں، نہ مکہ اور اس کے باشندوں کے لئے کوئی بھلائی کرسکیں۔ وہ تو صرف لکڑی اور پتھر تھیں جن کو خود انسان نے اپنے ہاتھ سے مورتیوں کی شکل دیدی تھی اور جہالت اور گمراہی کی بدولت دل اور زبان دونوں سے اللہ کی بجائے ان سے لو لگائے ہوئے تھے۔ جب آنحضرتؐ دیکھتے کہ لوگ ان بتوں سے پناہ طلب کررہے ہیں تو آپ کو رنج بھی ہوتا اور حیرت بھی ہوتی اور آپ تمنا کرتے

کہ ان کو ایسی ہدایت حاصل ہو جائے کہ وہ اس اللہ کی عبادت کیا کریں جو اُن کو بھوک میں رزق دیتا ہے اور خوف کے موقعوں پر سلامت رکھتا ہے۔

اپنی بعثت سے پہلے ہر سال ماہ رمضان میں حضرت محمدؐ بن عبداللہ غار حرا میں چلے جاتے تھے۔ آپ کا سن چالیس کے لگ بھگ تھا۔ آپ اپنے دل و دماغ کو خالق کائنات اللہ کی جانب مرکوز کئے ہوئے اور جسم و روح کو جاہلیت اور بت پرستی کی آلائش اور برائیوں سے دور رکھے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کا پاکیزہ نفس اس منزل پر پہنچ گیا جہاں اس میں عالم غیب کا پرتو نظر آنے لگا۔ آپ خواب دیکھتے تو وہ صبح کے پو پھٹنے کی طرح سامنے آجاتا۔ مہینہ ختم ہو جاتا تو آنحضرتؐ مکہ واپس چلے آتے۔ ان مشکلات کے باعث جن سے آپ کی قوم والے اور دنیا کے کمزور افراد دوچار تھے آپ کا چہرۂ مبارک اترا ہوا رہتا اور آپ کے جسم پر کمزوری کے آثار نمایاں رہتے تھے۔ آپ کی زوجہ آپ کا خیر مقدم کرتیں جو نہایت وفادار اور راست باز خاتون تھیں۔ وہ آپ کی طرف سے فکر مند رہتی تھیں لیکن ان کے بارے میں یہ نہ جانتی تھیں کہ کیا ہونے والا ہے۔ آپ پھر اپنی روز مرہ کی زندگی شروع کر دیتے اور اپنے معاملات کی دیکھ بھال کرنے لگتے۔ ادھر مکہ اور اس کے باہر کے وہ عرب جو آپ کو جانتے تھے آپ کو عظمت اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔ اس کے باوجود آپ انکساری اور بے مایہ افراد اور تکلیفوں میں گھرے ہوئے لوگوں کے ساتھ مہربانی میں برابر بڑھتے جاتے تھے۔ جب سال پورا ہو جاتا اور وہ مہینہ آتا جس میں آپ غار حرا میں جاگزیں ہو جایا کرتے تو آپ پھر اللہ کی عبادت اور غور و فکر میں مصروف ہو جاتے۔ آپ کے نفس کی پاکیزگی اور نورانیت بڑھتی جاتی۔ حقیقتیں آپ پر یکے بعد دیگرے کھلتی جاتیں اور آپ کے قلب پر دکھائی دینے لگتیں۔ آپ ہر روز یہ دیکھ لیتے کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ پھر آپ ان چیزوں پر توجہ دیتے جو آپ سے پہلے کے انبیاء حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی چھوڑی ہوئی ہدایتیں لوگوں کے پاس موجود تھیں تو دیکھتے کہ نفسانی خواہشات کے بندوں نے ان کو ملیا میٹ کر دیا ہے۔ ان میں تبدیلیاں کر ڈالی ہیں اور جن لوگوں کے پاس یہ چیزیں ہیں انہوں نے ان کو اپنی مصلحتوں کی خاطر اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے عیسائیوں اور یہودیوں کی جہالت نے ان کی عقلوں کو اس قابل نہیں چھوڑا ہے کہ وہ ان الٰہی پیغامات کی حقیقت کو سمجھ پائیں۔ چنانچہ وہ گمراہ ہو کر صحیح راستے سے بھٹک گئے تھے اور ان صاحبان ہدایت کا لایا ہوا پیام الٰہی مٹی میں ملے ہوئے جواہر کی مانند ہو گیا تھا جو ایسی تاریک کان میں پڑے تھے جہاں کوئی شخص کتنی ہی کوشش کر ڈالتا وہاں تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر ان پیروؤں کے پاس کوئی حق بات تھی بھی تو اس کے پہلو بہ پہلو غلط تصورات اور بت پرستی کے اتنے طریقے پھیلے ہوئے تھے کہ اس سے استفادہ ممکن نہ تھا اور یہ بھی مشکل تھا کہ وہ متفق طور پر حق کا ساتھ دیں جو خالص ہوتا ہے اور اس میں یہ جھگڑے اور لڑائیاں نہیں ہوتیں جن میں یہ لوگ پڑے ہوئے تھے حالانکہ یہ لوگ اہل کتاب تھے۔

یہ حق جو آنحضرتؐ کے سامنے جلوہ فگن ہوا جس طرح آپ سے پہلے دوسرے نبیوں پر جلوہ فگن ہوا تھا ان چیزوں کے مقابلہ میں اجنبی تھا جن پر آپ کی قوم والے ایمان لائے ہوئے تھے۔ وہ تھے تو اہل کتاب لیکن انہوں نے حضرت عیسیٰؑ

اور ان کی ماں دونوں کو اللہ کے بجائے خدا مان لیا تھا۔ جس طرح ان سے پہلے یہودیوں نے حضرت عزیرؑ کو خدا مان کر اللہ کی بجائے ان کی پرستش شروع کردی تھی۔

غار حرا نے آنحضرتؐ کے لئے ایسا نور پھیلا دیا تھا جس نے وحی مبارک آتے وقت آپ کے قلب کو الہام اور ہدایت سے منور کردیا اور آپ کے دل میں آواز پہنچی کہ ''پڑھو اے محمد!'' آپ نے گھبرا کر اور حیرت سے اس کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا کہ ''میں کیا پڑھوں؟'' دونوں میں حکم اور استفسار کا سلسلہ چلتا رہا بالآخر جبرئیل امینؑ نے سورۂ علق کی ابتدائی آیات پڑھنا شروع کیں اور آنحضرتؐ بھی ان کے ساتھ ساتھ پڑھتے رہے:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ○ ''پڑھیے! اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، پیدا کیا انسان کو خون کے لوتھڑے سے۔ پڑھیے! آپ کا رب عزت والا ہے، اسی نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی۔ انسان کو تعلیم دی اس کی جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

ابن اسحٰق نے عبدالملک بن عبیداللہ بن ابی سفیان بن العلا بن جاریہ ثقفی سے جو ابن اسحٰق کے خیال کے مطابق اہل علم میں نہایت روشن دماغ تھے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ جب اللہ نے رسول اللہؐ کو اعزاز بخشنے کا ارادہ کیا اور ان کی نبوت کی ابتداء کی تو یہ ہوتا تھا کہ جب آنحضرتؐ کسی ضرورت سے باہر تشریف لے جاتے اور اتنی دور چلے جاتے کہ مکانات آپ سے غائب ہو جائیں اور مکہ کی گھاٹیوں اور وادیوں کے قریب پہنچ جاتے تو جب بھی آپ کسی پتھر یا درخت کے برابر سے گزرتے تو آپ ہاتف کو کہتے ہوئے سنتے کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ''سلام ہو آپ پر اے اللہ کے رسولؐ!'' تو آپ پیچھے اور دائیں بائیں متوجہ ہوتے لیکن کوئی چیز دکھائی نہ دیتی پھر آپ دیکھنے اور سننے کے لئے ٹھہر جاتے اور اتنی دیر ٹھیرے رہتے جتنی اللہ کی مرضی ہوتی تا آنکہ اللہ کے اعزازات لے کر جبرئیلؑ آپ کے پاس آجاتے اس وقت وہ ماہ رمضان میں غار حرا میں ہوتے۔

جس سال آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوئی آپ اپنی عادت کے مطابق غار حرا میں تشریف لے گئے تا آنکہ جب رات ہوئی اور اللہ نے آپ کو نبوت سے سرفراز کیا تو جبرائیلؑ، اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے پاس آئے۔ آپ ریشمی بستر پر محوخواب تھے۔ انہوں نے کہا: پڑھیے۔ میں نے پوچھا: کیا پڑھوں؟ اس پر انہوں نے مجھ کو اس میں لپیٹ دیا حتیٰ کہ مجھ کو گمان ہوا کہ یہ موت ہے۔ پھر انہوں نے مجھ کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور کہا: پڑھیے۔ میں نے پوچھا: کیا پڑھوں؟ انہوں نے دوبارہ مجھ کو اس میں لپیٹ دیا یہاں تک کہ میں سمجھا کہ یہ موت ہے اور انہوں نے مجھے پھر ڈھیلا چھوڑ دیا اور کہا: پڑھیے۔ میں ڈرا کہ میرے ساتھ پھر وہی کیا جائے گا۔ تب انہوں نے کہا:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ○

پس میں نے پڑھا یہاں تک کہ پورا ہوگیا۔ پھر وہ میرے پاس سے چلے گئے اور میں نیند سے اٹھ کھڑا ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا گویا میرے دل پر لکھ دیا گیا ہے۔ اب میں باہر نکل کر چل پڑا یہاں تک کہ پہاڑ کے بیچ میں پہنچ گیا۔ میں نے آسمان سے ایک آواز سنی کہ اے محمدؐ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیلؑ ہوں۔ مین نے دیکھنے کے لئے آسمان کی طرف سر اٹھایا تو دیکھا کہ جبرائیلؑ انسان کی شکل میں اپنے دونوں قدم آسمان کے افق پر پھیلائے ہوئے کہہ رہے ہیں: ''اے محمدؐ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیلؑ ہوں۔'' میں ان کی جانب دیکھنے کے لئے ٹھہر گیا اور اپنا چہرہ آسمان کے افق میں ان پر سے ہٹانے لگا لیکن جس طرف بھی دیکھتا وہی نظر آتے۔ میں اسی جگہ پر کھڑا رہا یہاں تک کہ حضرت خدیجہؓ نے مجھ کو بلانے کے لئے اپنے آدمی روانہ کئے۔ وہ لوگ مکہ کے بلند ترین مقام پر پہنچ کر واپس ہوگئے اور میں اپنے اسی مقام پر کھڑا ان کو دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ میرے پاس سے چلے گئے اور میں اپنے گھر والوں کی طرف واپس ہوگیا تا آنکہ میں حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچ کر ان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اب وہ بولیں کہ اے ابوالقاسم! آپ کہاں تھے قسم بخدا میں نے آپ کو بلانے کے لئے اپنے آدمی بھیجے یہاں تک کہ وہ مکہ کے بلند ترین مقام پر پہنچ کر واپس آگئے۔ تب میں نے جو کچھ دیکھا تھا ان سے بیان کیا۔ اس پر وہ بولیں کے اے میرے شوہر! مبارک ہو آپ ثابت قدم رہئے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھ کو خیال ہوتا ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے۔

اس کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنا لباس درست کر کے ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے پاس گئیں جو ان کے چچازاد بھائی تھے اور عیسائی ہوگئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کو خدا رسیدہ مانا جاتا تھا۔ انہوں نے کتابیں پڑھیں تھیں اور صاحبان تورات و انجیل سے فیض سماعت بھی حاصل کیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے ان کو وہ سب بتلا دیا جو رسول اللہؐ نے دیکھا اور سنا اور ان کو بتایا تھا۔ اس پر ورقہ بن نوفل بولے: قدوسٌ قدوسٌ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ورقہ کی جان ہے اگر تم سچ بیان کر رہی ہو تو اے خدیجہؓ ان کے پاس وہی بزرگ فرشتہ آیا ہے جو موسیٰؑ بن عمران کے پاس آیا کرتا تھا۔ وہ ضرور اس امت کے نبی ہیں۔ اُن سے کہہ دو کہ ثابت قدم رہیں۔

حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہؐ کی خدمت میں واپس آ کر آپ کو ورقہ بن نوفل کی گفتگو سے آگاہ کر دیا۔ اس کے بعد ورقہ کی ملاقات آنحضرتؐ سے ہوگئی جبکہ آپ خانۂ کعبہ میں طواف فرما رہے تھے۔ تب انہوں نے آپ سے کہا کہ اے بھتیجے! مجھ کو بھی بتایئے کہ آپ نے کیا سنا اور کیا دیکھا۔ آنحضرتؐ نے ان کو سب کچھ بتایا۔ جس پر ورقہ نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ضرور آپ اس امت کے نبی ہیں اور آپ کے پاس یقیناً وہی بزرگ فرشتہ آیا ہے جو موسیٰؑ کے پاس آیا کرتا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کو آگاہ کیا کہ قریش آپ کے ساتھ کیا کریں گے اور کہا اگر میں اس وقت موجود ہوا تو ضرور آپ کی ایسی مدد کروں گا کہ سب کو معلوم ہو جائے گی۔ پھر انہوں نے اپنا سر جھکا کر آپؐ کے سر پر بوسہ دیا اور دونوں اپنے اپنے مکان کی طرف چلے گئے۔

حضرت خدیجہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہؐ سے کہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ جب یہ آنے والا آپ کے

پاس آئے تو مجھ کو بتادیں۔ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ چنانچہ جب وہ فرشتہ آیا تو رسول اللہؐ نے ان کو بتایا کہ یہ جرائیلؑ میرے پاس آئے ہیں۔ وہ آپ کے پاس گئیں اور بولیں کہ کھڑے ہوکر میری بائیں ران پر بیٹھ جایئے۔ آپ کھڑے ہوکر اس پر بیٹھ گئے۔ اب انہوں نے آپ سے پوچھا: کیا آپ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اب انہوں نے رسول اللہؐ کو اپنی دائیں ران پر کرلیا اور پوچھا: کیا آپ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اب انہوں نے آپ کو اپنی گود میں لے لیا اور پوچھا: کیا آپ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اس پر انہوں نے اپنا سر کھول کر اپنا دوپٹہ ایک طرف ڈال دیا اور دریافت کیا: کیا آپ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ تب انہوں نے آپ سے کہا: آپ ثابت قدم رہئے اور خوشخبری لیجئے۔ قسم بخدا یہ فرشتے ہیں شیطان نہیں ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ خوشخبری لیجئے قسم بخدا! اللہ آپ کو کبھی شرمسار نہیں کرے گا کیونکہ آپ قرابت داری کا خیال رکھتے ہیں۔ بات میں سچے ہیں، امانتیں واپس کرتے ہیں، مصیبت کو برداشت کرتے ہیں، مہمان کی خاطر داری کرتے ہیں اور حق کے معاملے میں مصائب کا مقابلہ کرتے ہیں۔

اسی روایت میں ہے کہ جب حضرت خدیجہؓ نے اپنے چچازاد بھائی ورقہ کو بتلایا کہ آنحضرتؐ پر کیا کیفیت گزرتی ہے تو انہوں نے آپ کو بلایا۔ چنانچہ آپ نے ان کو وہ سب کچھ سنایا جو دیکھا اور سنا تھا۔ اس پر انہوں نے آپ کو نبوت کی خوشخبری دی اور آپؐ سے کہا کہ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم والے آپ کو نکالیں گے۔ اس پر رسول اللہؐ نے کہا کہ کیا یہ لوگ مجھ کو نکالیں گے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ جو کوئی بھی ایسا پیام لایا ہے جیسا آپ لائے ہیں تو اس سے عداوت کی جاتی ہے اور اس کو تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں۔ اگر میں اس روز تک موجود رہا تو میں آپ کی ضرور مدد کروں گا۔ لیکن ورقہ جلد ہی وفات پاگئے۔ اس کے بعد کچھ مدت تک اور ایک قول کے مطابق تین سال تک حضورؐ سے وحی کا سلسلہ رکا رہا۔ چنانچہ رسول اللہؐ کو اس خوف سے رنج ہوا کہ یہ بندش آپ کو اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر نہ ہو۔

آپ اپنی عادت کے مطابق غارحرا جاتے اور غور وفکر کرتے رہتے اور انتظار میں رہتے کہ وہ فرشتہ جس نے پہلے آکر نبوت کی بشارت دی تھی اب میرے پاس نہیں آتا۔ آپ غور وفکر میں غرق تھے کہ دیکھتے کیا ہیں کہ جرائیلؑ نے آپ کے پاس آکر کہا: اے محمدؐ! آپ برحق اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر آپ مسرور ہوگئے اور آپ کے نفس کو چین مل گیا، آپ کے چہرۂ انور پر اطمینان کی مسکراہٹ دوڑ گئی، آپ کے ہونٹ اظہار شکر وحمد کے لئے وا ہوگئے۔ وہ خوف اور اندیشہ جو آپ کو لاحق ہوا تھا کہ اللہ آپؐ کو ناپسند کرتا ہے اور آپ سے روکش ہوگیا ہے، باقی نہیں رہا۔ آپ پر ان چیزوں کا اثر بالکل نہیں رہا۔ چنانچہ آپ نے ضروری خیال کیا کہ گھر واپس آکر حضرت خدیجہؓ کو اس کی اطلاع دیں تاکہ ان کے دل کو بھی اطمینان ہو جائے کہ آپ کے پاس وحی پھر آنے لگی ہے جبکہ ایک طویل مدت سے اس کا آنا بند ہوگیا تھا جس کی وجہ سے وہ بھی اس خاص معاملہ میں پریشانی اور شک میں پڑگئی تھیں جس کی امید ان کو اپنے عظیم شوہر کے لئے پیدا ہوگئی تھی خصوصاً ان بشارتوں کے بعد جو اُن کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے سنائی تھیں۔

اس آواز نے آنحضرتؐ کے دل پر اچھا اثر چھوڑا اور آپ کے اندیشے زائل ہوگئے۔ آپ کو آرام محسوس ہوا اور آپ کو نیند آ گئی حالانکہ اس طویل مدت میں آپ کو بہت ہی کم نیند میسر آئی تھی۔ حضرت خدیجہؓ آپؐ کے پہلو میں بیٹھ گئیں اور آپ کو نیند سے جگانا چاہتی تھیں لیکن آنحضرتؐ کے لئے ان کا جذبۂ شفقت ابھر آیا اور وہ آپ کے مبارک چہرے کو غور سے دیکھنے لگیں۔ وہ ابھی اپنے افکار میں غرق تھیں کہ آنحضرتؐ نے خود ہی جنبش فرمائی اور بے چین ہوگئے۔ آپ کے چہرے پر پسینہ نمودار ہوگیا اور آپ نیند سے بیدار ہوکر اس وحی کو سننے لگے:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ۝ ''اے چادر میں لپٹے ہوئے (رسولؐ) اٹھئے! لوگوں کو تنبیہہ کیجئے اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے اور اپنے لباس کو پاک رکھئے اور برائی سے دور رہئے۔ اس طرح نہ ہو جایئے کہ احسان کر کے زیادہ کے طلبگار بن جائیں اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجئے۔''

حضرت خدیجہؓ، آنحضرتؐ کا حال دیکھ کر پریشان ہوگئیں اور آنحضرتؐ کے لئے ان کے جذبۂ شفقت میں زیادتی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ وہ نہایت انکساری سے آنحضرتؐ کی طرف بڑھیں کہ آپ کو کچھ آرام پہنچائیں۔ اُس پر آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ اے خدیجہؓ! نیند اور آرام کا زمانہ ختم ہوگیا کیونکہ میرے رب نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں لوگوں کو خبردار کروں اور ان کو اللہ اور اس کی عبادت کی طرف بلاؤں۔ تو میں کس کو بلاؤں۔ کون میری بات مانے گا؟ انہوں نے پوری کوشش کی کہ آنحضرتؐ کے کام میں آسانی اور آپ کے ارادے میں پختگی پیدا کریں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کی بات دہرائی اور اسی وقت اپنے اسلام اور آپ کی دعوت پر ایمان لانے کا اعلان کردیا۔ یہ فطری عمل تھا کہ آنحضرتؐ کی رسالت پر ایمان لانے میں جلدی کرتیں کیونکہ وہ آنحضرتؐ کی پوری حیات سے واقف تھیں، انہوں نے آپ میں امانت داری، سچائی، بلندنفسی اور انسانی بھلائی کے علاوہ کچھ نہ پایا تھا۔ انہوں نے آنحضرتؐ کو غار حرا میں آپ کی تنہائی میں اور اس کے بعد جب فرشتے نے آکر آپ کو نبوت کی خوشخبری سنائی تھی دیکھا تھا۔ انہوں نے واقف کار لوگون سے، نجومیوں سے اور یہودی اور عیسائی عالموں سے آنحضرتؐ کی رسالت کی خبریں سنی تھیں اور خود اس کا علم اس روز حاصل کیا تھا جب آنحضرتؐ کو اپنی ران پر اور گود میں بٹھایا تھا اور آپؐ برابر اس فرشتہ کو دیکھتے رہے جو صبح و شام آپ کے پاس آیا کرتا تھا اور جب انہوں نے اپنا دوپٹہ الگ کیا تو وہ ان کی نظروں سے غائب ہوگیا تھا جیسا کہ آنحضرتؐ کے سیرت نگاروں کی روایت بتلاتی ہے۔ اس وقت ان کو یقین ہوگیا تھا کہ آنحضرتؐ کے پاس آنے والا فرشتہ ہے شیطان نہیں اور اس کی تصدیق ان کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ سے ہوگئی تھی۔

اس سب کچھ کے بعد یہ فطری امر تھا کہ وہ آنحضرتؐ کی تصدیق کریں، آپ کی دعوت پر ایمان لے آئیں اور اس کی راہ میں اپنی کل دولت قربان کردیں۔

بھلا یہ خاتون آپؐ کی سچائی میں کیسے پس و پیش کرسکتی تھیں جبکہ انہوں نے پندرہ سال سے زیادہ کی مدت میں جس

میں وہ آنحضرتؐ کے ساتھ رہیں، آنحضرتؐ کے قدم میں کوئی لغزش نہیں پائی اور وہ آج ان کو دعوت دیتے ہیں اللہ کی عبادت کی، حقدار کا حق ادا کرنے کی، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے ساتھ حسن سلوک کی، بدکاری، بدسلوکی اور سرکشی سے روگرداں رہنے کی۔ اس طرح آنحضرتؐ ان کو ایسی خصلتوں کی طرف دعوت دیتے ہیں جن کو وہ خود حضرت محمدؐ بن عبداللہ کی زوجیت میں آنے سے پہلے محبوب رکھتی تھیں۔ پس آج وہ ان کو قبول کرنے میں کیسے پس و پیش کرتیں کیونکہ اب تو اللہ نے حضرت محمدؐ بن عبداللہ کو ان چیزوں کا حکم دیا تھا کہ آنحضرتؐ ان کو تمام انسانوں پر فرض قرار دیدیں۔

مردوں میں سابق الاسلام

تمام مورخین اور محدثین اس پر متفق ہیں کہ امام علیؑ سب سے پہلے اسلام لائے البتہ ان لوگوں میں آپ کے اسلام لانے کے وقت عمر کے بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حسن بصری اور محدثوں کی ایک جماعت کی رائے میں آپ اس وقت پندرھویں سال میں تھے۔ ابوجعفر اسکافی بتاتے ہیں کہ اس سے زیادہ عمر تھی۔ لیکن کافی میں شیخ کلینی کی عبارت یہ بتاتی ہے کہ اسلام لانے کے روز آپ کی عمر دس اور تیرہ سال کے درمیان تھی۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ان کے خیال کے مطابق آپ آنحضرتؐ کی ولادت کے تیس سال بعد پیدا ہوئے اور بعثت کے وقت آپؐ کی عمر اختلافات روایات کی وجہ سے چالیس اور تینتالیس سال کے درمیان تھی۔ اس طرح شیخ کلینی کی نظر میں امام علیؑ کی عمر دس اور تیرہ سال کے درمیان ہے۔

حذیفہ بن الیمانؓ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ہم لوگ پتھروں کی پرستش کرتے تھے، شراب پیتے تھے اور امام علیؑ بن ابی طالبؑ جو اس وقت چودہ سال کے تھے رات دن نبی اکرمؐ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔ قریش نبی اکرمؐ کے ساتھ بدسلوکی کیا کرتے اور امام علیؑ، آنحضرتؐ کو ان سے بچایا کرتے تھے کیونکہ ان کے اور ان کے والد ماجد ابوطالبؑ کے علاوہ آنحضرتؐ کا کوئی مددگار نہ تھا۔

ابن ابی شیبہ نے جریر بن عبدالحمید سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ امام علیؑ اسلام لائے جب وہ چودہ سال کے تھے۔ جاحظ کا کہنا ہے کہ امام علیؑ اسلام لائے تو وہ سات سال کے تھے۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ وہ روایات جو اسلام لانے کے وقت امام علیؑ کی عمر کا ذکر کرتی ہیں ان میں سے کسی میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے کہ امام علیؑ اس وقت اس سن کے تھے۔ جاحظ نے بھی اس بارے میں کسی روایت پر اعتماد نہیں کیا بلکہ جیسا کہ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ انہوں نے اختلافات کو سامنے رکھ کر درمیانی قول اختیار کرلیا ہے۔ اس کی وجہ سے بعض محدثوں اور مورخوں نے ان پر سخت حملے کئے ہیں اور ان کو جاہل اور حق کا دشمن کہا ہے جیسا کہ ابوجعفر اسکافی کی زبان پر آیا ہے۔ بلکہ جیسا کہ شرح نہج البلاغہ، جلد۳، صفحہ ۲۶۴ و ۲۶۵ میں ہے۔ اسکافی نے مزید کہا ہے کہ چھوٹے، بڑے عالم اور جاہل جس کسی کو امام علیؑ کے متعلق اطلاعات حاصل ہوئی ہیں اور رسول اکرمؐ کی بعثت سے واقف ہے، جانتا ہے کہ امام علیؑ اسلام کے زمانہ میں پیدا نہیں ہوئے اور ان کو رسول اللہؐ نے قحط سالی کے زمانہ میں اپنے ساتھ لیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ چنانچہ سات سال تک آنحضرتؐ کے ساتھ

رہتے رہے تا آنکہ جبرائیلؑ، آپؐ کے پاس رسالت لے کر آئے۔ اس وقت وہ بلوغ کو پہنچ چکے تھے اور عقل اور سمجھ میں کامل ہو گئے تھے۔ پس وہ غور و فکر کر کے اور دیکھ بھال کر اسلام لائے۔ خود ان ہی کے کلام میں یہ وارد ہوا ہے کہ انہوں نے دوسرے لوگوں سے سات سال پہلے سے نماز پڑھی ہے۔ اس سے انہوں نے وہ سات سال مراد لئے ہیں جب وہ رسول اللہؐ کے ساتھ بعثت سے پہلے رہتے تھے۔ اس وقت نہ دعوت تھی نہ رسالت۔ البتہ رسول اللہؐ ملت ابراہیمی اور دین حنیف کے مطابق عبادت کیا کرتے تھے اور امام علیؑ، آنحضرتؐ کی پیروی کیا کرتے تھے۔ جب وہ حد بلوغت کو پہنچ گئے اور نبی اکرمؐ مبعوث ہو گئے تو آنحضرتؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے دیکھ بھال کر اور سمجھ کر اسلام کو قبول کیا نہ کہ دیکھا دیکھی جیسے سات یا نو سال کے بچے کرتے ہیں۔

روایت میں ہے کہ نبی اکرمؐ پیر کے روز مبعوث ہوئے اور امام علیؑ نے آنحضرتؐ کے ساتھ منگل کے روز نماز پڑھی۔

چونکہ تمام بیانات اس پر متفق ہیں کہ امام علیؑ کو اسلام لانے میں ہر ایک پر سبقت حاصل ہے اور ان کے دشمنوں کو اس سے مفر نہیں تو وہ اس قسم کی توڑ مروڑ اور گمراہی کی باتوں پر اتر آئے۔ چنانچہ کہنے لگے کہ وہ بچپنے میں اسلام لائے جبکہ دوسرے لوگ عقل کی پختگی اور سمجھ کے ساتھ اسلام لائے۔ اس لئے دوسروں کا اسلام بچوں کے اسلام سے کامل تر اور برتر ہے کیونکہ وہ دیکھ بھال اور غور و فکر کے بعد فیصلے پر مبنی ہے اور بچوں کا اسلام محض دیکھا دیکھی، نقل میں اور بغیر سوچے سمجھے ہوتا ہے۔ بہرحال علیؑ کے دشمنوں نے ہر طریقہ سے کوششیں کر ڈالیں کہ آپ کے مرتبے کو گرائیں لیکن ان کو ایسی کوئی برائی نہ مل سکی جس سے وہ آپ کے اسلام، جہاد، خلوص اور قربانیوں پر داغ لگا سکیں۔ تب انہوں نے یہ گھماؤدار طریقہ اختیار کیا کہ ابوبکر اور دوسرے ان لوگوں کا اسلام جو عمر بڑھ جانے پر اسلام لائے، بچوں کے اسلام سے بہتر تھا جیسے امام علیؑ اور ان کی مانند دوسرے۔

میرے خیال میں یہ لوگ جو اس قسم کی غلط روش اور گمراہی میں پڑے اپنے اموی اور عباسی فرمانرواؤں کو خوش کرنا چاہتے تھے اور ان لوگوں نے امام علیؑ کے اسلام ہی کو داغدار بنانے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ایسی حدیثیں بیان کرنے پر اتر آئے جو یہ دکھلاتی ہیں کہ آپ کے والد ماجد جو اسلام کے حامی اور اس کے جھنڈے کو بلند رکھنے والے تھے مشرک مرے۔ ایسی روایات کے ذریعہ مختلف زمانوں میں بیشتر محدثوں، مورخوں اور عوام کے ذہنوں کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حالانکہ ابوطالبؑ کی خطا صرف اتنی تھی کہ وہ امام علیؑ کے والد اور طالبیوں کے دادا تھے جن کو بنی امیہ اور بنی عباس اپنی جابر حکومت، مغرور اور ظالم ریاست کے لئے اول درجے کا مخالف سمجھتے تھے اور ان کے مقابلے پر دوسروں کے لئے اسلام اور ایمان ثابت کرتے، ان کو تمام مسلمانوں پر افضل قرار دیتے، ان کو صدیق اور نیکوکار ہونے کا لباس پہناتے، خواہ وہ لباس جو وہ ان کو پہناتے خود ان ہی حضرات کا لباس ہوتا۔ رسول اللہؐ کے ساتھ ان کے تمام مواقف مل کر بھی حضرت ابوطالبؑ کے اسلام کی خاطر اختیار کئے ہوئے ایک موقف کے برابر نہیں پہنچتے تھے جیسا کہ حضرت ابوطالبؑ کے موقف کے باانصاف مطالعہ کرنے پر آشکارا ہو جاتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ ہم اس کتاب کے آئندہ ابواب میں حضرت ابوطالبؑ کے اسلام کو پیش کریں اور ان کے اسلام اور ایمان پر متعدد ثبوت مہیا کریں۔

محمود عقاد نے اپنی کتاب عبقریۃ الاسلام میں امام علیؑ کی ولادت اور اسلام کے متعلق بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ امام علیؑ کعبہ کے اندرونی حصہ میں پیدا ہوئے اور اللہ نے آپ کے چہرۂ مبارک کو یہ عزت بخشی کہ اس کو بتوں کے سامنے سر جھکانے سے محفوظ رکھا۔ گویا آپ کی ولادت کعبہ کے لئے اور اس میں انجام دی جانے والی عبادت کے لئے ایک نئے عہد کے وارد ہونے کی علامت تھی۔ بلکہ اگر ہم عقیدہ اور روح کی ولادت پر نظر رکھیں تو آپ یقیناً مسلمان پیدا ہوئے کیونکہ آپ نے اسلام پر آنکھیں کھولیں اور کبھی بتوں کی پرستش سے روشناس نہیں ہوئے۔ آپ کی تربیت اس گھر میں ہوئی جہاں سے دعوت اسلامی کی ابتداء ہوئی اور آپ عبادت سے نبی اکرمؐ اور ان کی زوجہ طاہرہ کی نماز کے ذریعے واقف ہوئے قبل اس کے کہ آپ اپنے باپ اور ماں کی نماز سے واقف ہوتے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ اجنبی افراد بھی آنحضرتؐ سے محبت کرتے اور اپنے آباء اور رشتہ داروں پر ترجیح دیتے۔ پس یہ تعجب کی بات نہیں کہ وہ ویسی ہی محبت ان سے بھی کرتے جن کے دادا اور آنحضرتؐ کے دادا ایک تھے جو دونوں ایک ہی گھر میں رہتے تھے، جو دونوں ایک ہی حسن سلوک کے زیراحسان تھے یعنی ابوطالبؑ کا حسن سلوک جو وہ آنحضرتؐ کے ساتھ کرتے تھے اور حضرت محمدؐ کا حسن سلوک جس سے امام علیؑ ابن ابی طالبؑ مستفید ہوتے اور اس کی پناہ میں رہتے تھے۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ لوگوں نے آپ کے اسلام لانے کے وقت آپ کی عمر کے بارے میں اختلاف کیا ہے اور چھ سال سے سولہ سال تک بتائی ہے۔ غالباً آپ دس سال کی عمر میں اسلام لائے کیونکہ آنحضرتؐ کے اعلان نبوت کے وقت آپ اس عمر کے قریب پہنچ رہے تھے اور اعلان سے طویل مدت پہلے سے آپ گھر میں اسلام کی عبادت کیا کرتے تھے اور کوئی وجہ نہیں کہ آپ اپنے باشعور بچپن میں اس کو بلاوجہ ناپسند کرتے اور اس سے گریزاں رہتے تو ایسی عمر کو پہنچنے کے بعد جب آباؤاجداد کی عبادت کی سزا سے واقفیت ہوجاتی ہے آپ کیسے اس کی طرف واپس آتے اور پسند یا قبول کر سکتے تھے۔

اگر امام علیؑ کو اپنے ابن عم اور کفیل سے خاص قربت نہ ہوتی تو محض رشتہ داری آپ کو اس دین کو قبول کرنے کے لئے کافی نہ ہوتی جس کی طرف آنحضرتؐ نے آپ کو دعوت دی تھی کیونکہ آنحضرتؐ کے بہت سے رشتہ دار طویل زمانہ تک شرک پر باقی رہے۔

وہ مزید کہتے ہیں: چنانچہ یہ نیا دین ایسے قلب میں سرایت کر گیا جس میں اس سے ٹکرانے کے لئے پہلے کوئی مخالف عقیدہ موجود نہ تھا اور نہ اس کی صاف کیفیت کو کسی گندگی نے میلا کیا تھا۔ چنانچہ یہ برحق کہا گیا ہے کہ امام علیؑ اپنی اصلی فطرت میں خالص مسلمان تھے۔ یہ نیا دین کسی ایسے فرد سے واقف نہیں ہے جو اسلام میں آپ سے زیادہ سچا ہو اور جس میں وہ آپ سے زیادہ سرائیت کئے ہوئے ہو۔ وہ یقیناً مسلمان تھے، عبادت میں، علم میں اور عمل میں اور قلب کی رُو سے بھی اور عقل کی رُو سے بھی۔ تاآنکہ ان کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ طبیعتاً اسلام پر تھے ان کو معرفت سے صرف اسی قدر زیادتی حاصل ہوئی جتنی طبیعت کو تعلیم سے ہوتی ہے۔

بہرصورت کسی کو اس میں شک نہیں ہے کہ آپ سب سے پہلے اسلام لائے اور آنحضرتؐ کے لائے ہوئے پیغام

پر ایمان لائے البتہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں آپ کی عمر کے طے کرنے کے بارے میں مختلف روایات ہیں اور خیالات میں شدید ٹکراؤ ہے۔

صحیح ابن ماجہ صفحہ ۲۶ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اللہ کے رسولؐ کا بھائی ہوں، صدیق اکبر (سب سے بڑا رسالت کی تصدیق کرنے والا) ہوں، میرے بعد جھوٹے کے سوا یہ دعویٰ کوئی نہ کرے گا، میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے۔ اس کو حاکم نے مستدرک صحیحین میں روایت کیا ہے، اس میں ہے کہ میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی قبل اس کے کہ اس امت میں سے کوئی بھی اللہ کی عبادت کرے۔ اس کو محمد بن جریر طبری نے بھی اپنی تاریخ کی دوسری جلد میں روایت کیا ہے۔

مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ امام علیؑ نے فرمایا کہ ابوطالبؑ ہمارے پاس آئے جبکہ میں رسول اللہؐ کے ساتھ تھا اور ہم کھجوروں کے درمیان میں نماز پڑھ رہے تھے۔ تب انہوں نے کہا کہ اے میرے بھتیجے! یہ تم دونوں کیا کر رہے ہو؟ نبی اکرمؐ نے ان کو اسلام کے متعلق بتلایا تو وہ کہنے لگے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس میں بالکل خوف نہ کرنا۔ پھر امام علیؑ نے کہا کہ ''اے اللہ میں اس امت میں تیرے بندوں میں سے کسی ایسے کو نہیں جانتا جس نے تیرے نبی کے علاوہ مجھ سے پہلے تیری عبادت کی ہو۔ میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے۔''

کنز العمال کی چھٹی جلد میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے اللہ کی عبادت اس سے چھ سال پہلے کی ہے جب اس امت کے کسی فرد نے کی ہو۔ خصائص نسائی میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ کی عبادت اس سے نو سال پہلے کی ہے کہ جب کسی اور نے اس کی عبادت کی ہو۔

کنز العمال جلد ۷، صفحہ ۵۷ میں ابن مسعود سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ پہلی بات جو مجھ کو رسول اللہؐ کے معاملہ میں معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ میں اپنے چچاؤں کے ساتھ مکہ گیا تو وہ مجھ کو عباس بن عبدالمطلب کی خدمت میں لے گئے۔ جب ہم ان تک پہنچے تو وہ زم زم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ہم بھی ان ہی کے پاس بیٹھ گئے۔ ہم ان کے پاس ہی تھے کہ باب صفا سے ایک شخص آیا کہ جس کا رنگ سرخی مائل سفید تھا، اس کے دونوں کانوں کے بیچ میں گھنگریالے بالوں کی لٹ تھی، ناک جھکی ہوئی تھی، دانت سفید تھے، آنکھیں سیاہ تھیں، داڑھی گھنی تھی، سینہ پر ہلکے بال تھے، ہتھیلیاں اور پیر کے پنجے دبیز تھے، وہ دو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا گویا پوری رات کا چاند ہے۔ ان کے داہنی جانب ایک خوش رو بے داڑھی مونچھ والا لڑکا چل رہا تھا جو بالغ تھا یا بلوغ کو پہنچنے والا تھا۔ ان کے پیچھے ایک عورت تھی جس کے مقامات حسن ڈھکے ہوئے تھے۔ اس شخص نے آگے بڑھ کر حجر اسود کو چوما، پھر اس لڑکے نے اس کو چوما، پھر اس عورت نے اس کو چوما۔ پھر اس نے سات مرتبہ خانۂ کعبہ کا طواف کیا اور وہ لڑکا اور عورت ان کے ساتھ طواف کرتے رہے۔ تب ہم نے کہا کہ اے ابوالفضل یہ دین ہم نے تم میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کیا کچھ واقعہ ہوا ہے؟ تب انہوں نے کہا کہ یہ میرا بھتیجا محمدؐ بن عبداللہ ہے۔ یہ لڑکا علیؑ بن ابی طالبؑ اور یہ عورت اس شخص کی بیوی خدیجہؑ ہے۔ قسم بخدا! ہمارے علم میں صفحۂ ارض پر

ان تین کے علاوہ کوئی اس طریق پر اللہ کی عبادت کرنے والا نہیں ہے۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد جلد ۹، صفحہ ۲۲۲ میں طبرانی سے مزید روایت کی ہے کہ حجر اسود کو چومنے والا وہ شخص کھڑا ہوگیا جبکہ وہ لڑکا ان کے داہنی جانب اور وہ عورت ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔ اس شخص اور لڑکے نے تکبیر کہی اور اس عورت نے بھی تکبیر کہی۔ وہ شخص دیر تک قیام کی حالت میں رہا اور وہ لڑکا اور عورت ان کی پیروی کرتے رہے۔ پھر اس شخص نے دیر تک رکوع کیا اور سجدے کئے اور وہ دونوں اس کی پیروی کرتے رہے تا آنکہ نماز ختم ہوگئی۔ تب عباس نے کہا کہ صفحۂ ارض پر ان تین افراد کے علاوہ کوئی اللہ کی عبادت اس دین پر نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ اور بہت سی روایات سنی اور شیعہ مجموعوں میں پائی جاتی ہیں اور سب اسی پر زور دیتی ہیں کہ آپ کو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے میں سب لوگوں پر سبقت حاصل ہے اور آپ دوسروں سے پانچ سال سے زیادہ پہلے سے اللہ کی عبادت کرتے رہے تھے۔

وہ سات، چھ اور نو سال کی روایات جو بیشتر سنی محدثوں نے بیان کی ہیں ثابت کرتی ہیں کہ اسلام لانے کے وقت آپ چودہ اور سولہ سال کے درمیان تھے کیونکہ جب آپ نبی اکرمؐ کے یہاں آئے ہیں تو آٹھ سال کے تھے۔ اگر اس میں وہ سات سال جوڑے جائیں جبکہ آپ نزول وحی سے پہلے نبی اکرمؐ کے ساتھ نماز پڑھتے رہے تھے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام لانے کے وقت آپ چودہ اور سولہ سال کے درمیان رہے ہوں گے۔ کنز العمال میں ابن مسعود کی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس میں ہے کہ آنحضرتؐ تشریف لائے اور آنحضرتؐ کے ساتھ ایک لڑکا قریب بلوغ عمر کا تھا اور کسی لڑکے کو چودہ سال کی عمر سے پہلے اس طرح بیان نہیں کیا جاتا ہے۔ (فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ، جلد ۱، صفحہ ۱۹۴)

اس امر کی مزید وضاحت اور تائید دعوت ذوالعشیرہ کے واقعے سے ہوتی ہے جبکہ اللہ کے حکم سے آنحضرتؐ نے اپنے قرابت داروں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بلوایا تھا۔

چنانچہ اس کے متعلق روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے علیؑ کو حکم دیا کہ آنحضرتؐ کے اہل قرابت کے لئے کھانا تیار کر کے ان کو بلائیں۔ یہ سب چالیس سے زیادہ افراد تھے۔ امام علیؑ نے یہ کام انجام دے دیا۔ وہ لوگ آئے، کھانا کھایا اور بغیر اس کے کہ نبی اکرمؐ ان سے کوئی بات کریں چلے گئے۔ دوسری مرتبہ آنحضرتؐ نے ان کو اسلام کی طرف دعوت دی اور ضمانت فرمائی کہ ان میں سے جو کوئی آپ کا ہاتھ بٹائے گا اور آپ کی مدد کرے گا وہ آپ کا بھائی ہوگا، آپ کا وصی ہوگا اور آپ کے بعد آپ کا جانشین ہوگا۔ امام علیؑ کے سوا کسی اور نے بات نہیں کی اور نبی اکرمؐ پیغام کو دھراتے رہے لیکن امام علیؑ کے علاوہ کوئی جواب نہ دیتا تھا۔ جب آنحضرتؐ نے ان لوگوں کی طرف سے عدم تعاون دیکھا اور امام علیؑ کی جانب سے مدد کرنے اور اللہ کی راہ میں قربانیوں پر آمادگی ملاحظہ فرمائی تو نبی اکرمؐ نے اعلان فرمایا کہ یہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرے بعد میرا جانشین ہے۔ اس پر وہ سب لوگ مذاق اڑاتے اور ہنستے ہوئے اس مجلس سے اٹھ گئے اور ابو طالب سے کہنے لگے کہ ''لو اپنے بیٹے کی فرمانبرداری کیا کرنا کیونکہ محمدؐ نے اس کو تمہارے اوپر حاکم بنا دیا ہے۔

کیا کھانا تیار کرنے اور قوم والوں کو بلانے کا کام ایسے بے شعور بچے کے سپرد کیا جاسکتا ہے جو عمر میں سات اور

دس سال کے درمیان ہو؟ اور کیا بڑی عمر والوں اور بوڑھوں کے ساتھ اس عام دستور کے مطابق جس سے آنحضرتؐ دعوت اور اس کے طریقوں کے بارے میں غافل نہیں تھے ایسے بے شعور کو بلایا جاتا ہے اور اس کو اتنے بڑے کام کی ذمہ داری سونپی جانا صحیح ہے؟ کیا نبی اکرمؐ اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ پر رکھ کر اُن کو اپنا بھائی اور اپنے بعد اپنا خلیفہ مقرر کرسکتے تھے بغیر اس کے کہ وہ اس کے اہل ہوں اور اس عمر کو پہنچ گئے ہوں کہ فرائض اور معاہدوں اور ان کی اُن لوازمات کی ذمہ داری اٹھاسکیں جن کا آگے چل کر دور رس اثر ہونے والا تھا۔ نبی اکرمؐ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر امام علیؑ عقل میں پختہ نہ ہوں گے اور اپنے منصبی کام کو سمجھتے نہ ہوں گے اور ان کو اس کی متعلقہ ذمہ داری کا احساس نہ ہوگا تو خود آنحضرتؐ پر تنقید کی جائے گی اور آپ کے گھر والے اور اقرباء تک آپ کا مذاق اڑائیں گے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے ثبوت اور دلیلیں ہیں جن کے ذریعہ سے ابوجعفر اسکافی نے جاحظ اور ابوبکر اصم کے خلاف استدلال کیا ہے کیونکہ ان لوگوں کی کوشش تھی کہ امام علیؑ کے اسلام میں نقص نکالیں اور ابوبکر وغیرہ کے اسلام کو امام علیؑ کے اسلام سے برتر قرار دیں۔ اگر ان لوگوں کو یہ کہنے کا کہ ابوبکر کو اسلام لانے میں امام علیؑ پر سبقت حاصل تھی، ذرا سا بھی راستا مل جاتا خواہ وہ مکڑی کے جالے سے زیادہ ہی کمزور ہوتا تو وہ اس میں پس و پیش نہ کرتے۔ لیکن اس موضوع پر مسلسل روایات نے ان کو امام علیؑ کے سابق الاسلام ہونے کا اعتراف کرنے پر مجبور کردیا۔ پھر انہوں نے سوچا کہ اس قسم کی گمراہ کن ترکیب، گھماؤ پھیر اور چکر بازی سے وہ آپ کے اسلام کی پاکیزگی میں داغ لگاسکیں گے۔ لیکن اللہ اپنے نور کو مکمل ضرور کرتا ہے خواہ مخالفین کتنا ہی بددل ہوتے رہیں۔

نہج البلاغہ کے ایک خطبے میں آپ خود اپنے اسلام اور اپنے بچپن سے رسول اللہؐ سے متصل رہنے کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''میں نے تو بچپن ہی میں عرب کا سینہ پیوند زمین کردیا تھا اور قبیلہ ربیعہ و مضر کے ابھرے ہوئے سینگوں کو توڑ دیا تھا، تم جانتے ہی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب کی عزیزداری اور مخصوص قدر و منزلت کی وجہ سے میرا مقام ان کے نزدیک کیا تھا! میں بچہ ہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے گود میں لے لیا تھا، اپنے سینے سے چمٹائے رکھتے تھے، بستر میں اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے، اپنے جسم مبارک کو مجھ سے مس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے تھے۔ پہلے آپؐ کسی چیز کو چباتے پھر اس کے لقمے بنا کر میرے منہ میں دیتے تھے۔ انہوں نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ پایا، نہ میرے کسی کام میں لغزش و کمزوری دیکھی، اللہ نے آپؐ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت فرشتے (روح القدس) کو آپؐ کے ساتھ لگا دیا تھا جو آپؐ کو شب و روز بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا اور میں آپؐ کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپؐ ہر روز میرے لئے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور ہر سال (کوہ) حرا میں کچھ

عرصے قیام فرماتے اور وہاں میرے علاوہ کوئی آپؐ کو نہیں دیکھتا تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام نہ تھا، البتہ تیسرا ان میں، میں تھا۔ میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ جب آپؐ پر (پہلے پہل) وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی، جس پر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ یہ آواز کیسی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے کہ جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہوگیا ہے، (اے علیؑ) جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو فرق اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ (میرے) وزیر و جانشین ہو اور یقیناً بھلائی کی راہ پر ہو۔''

محدثین اور مؤرخین کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ علیؑ کے بعد زید بن حارثہؓ اسلام لائے۔ ان کو رسول اللہؐ نے حضرت خدیجہؓ کے لئے خریدا تھا۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے ان کو نبی اکرمؐ کو ہبہ کردیا اور آنحضرتؐ نے ان کو آزاد فرما کر بیٹا بنا لیا تھا۔ اس کے بعد اپنی خالہ کی بیٹی زینب سے ان کی تزویج فرمادی تھی۔ جب زید نے ان کو طلاق دیدی تو رسول اکرمؐ نے ان سے تزویج فرمائی جس کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے۔ ہم اس واقعے کے حالات ازواج نبی اکرمؐ کے بیان میں پیش کریں گے۔

علامہ مجلسیؒ کی بحارالانوار کی روایت میں علی بن ابراہیم سے روایت ہے کہ جعفر بن ابی طالبؑ، زید بن حارثہؓ اور ابوبکرؓ وغیرہ سے جو آگے پیچھے اسلام لائے پہلے اسلام لائے تھے۔

اسی میں روایت ہے کہ جب نبی اکرمؐ سینتیس سال کے ہوگئے تو آپ خواب میں دیکھتے کہ ایک آنے والا آ کر کہہ رہا ہے کہ ''یارسول اللہؐ!'' تو آنحضرتؐ اس سے فرماتے کہ تم کون ہو؟ وہ کہتا کہ میں جبرئیلؑ ہوں، مجھ کو اللہ نے آپ کے پاس بھیجا ہے کیونکہ وہ آپ کو رسول بنانا چاہتا ہے۔ رسول اکرمؐ اس کو چھپائے رہتے۔ اس کے بعد جبرائیلؑ آسمان سے پانی لے کر آئے اور بولے کہ اے محمدؐ! وضو فرمایئے اور ان کو وضو سکھایا۔ اسی طرح ان کو نماز سکھائی اس کے بعد امام علیؑ، رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچ گئے اور وہ نماز پڑھ رہے تھے اور چالیس سال کے ہو چکے تھے۔ جب امام علیؑ نے آنحضرتؐ پر نظر ڈالی تو پوچھا کہ ابوالقاسم یہ کیا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ نماز ہے، اللہ نے مجھ کو اس کا حکم دیا ہے۔ پس آنحضرتؐ نے ان کو اسلام کی طرف دعوت دے دی اور انہوں نے اسلام کو قبول کرلیا اور آنحضرتؐ کے پیچھے نماز پڑھی۔ حضرت خدیجہؓ نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ چنانچہ صفحۂ ارض پر ان افراد کے علاوہ کوئی اور نماز پڑھنے والا نہ تھا۔ اس کو چند روز ہوئے تھے کہ ابوطالبؑ، رسول اللہؐ کے گھر پر آئے، جعفرؓ ان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے دیکھا رسول اللہؐ اور ان کے پہلو میں امام علیؑ نماز پڑھ رہے تھے۔ اس پر انہوں نے اپنے بیٹے جعفرؓ سے کہا کہ تم اپنے ابن عم کے بازو میں نماز ادا کرو۔ پس جعفرؓ بن ابی طالبؑ دوسری جانب کھڑے ہوگئے۔ ایک مرتبہ رسول خدا بازار تشریف لے گئے۔ وہاں آنحضرتؐ نے زید بن حارثہ کو دیکھا اور اُن کو حضرت خدیجہؓ کے لئے خرید فرمالیا۔ آنحضرتؐ نے ان کو عقلمند لڑکا پایا۔ پھر حضرت خدیجہؓ نے ان کو آنحضرتؐ کو ہبہ

کردیا اور وہ آنحضرتؐ کے پاس آپ ہی کے گھر میں رہتے رہے یہاں تک کہ آپ مبعوث برسالت ہوئے۔ تب وہ اسلام لے آئے اور بڑے پُرخلوص مسلمان ہوئے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نماز پڑھتے تو ان کے ساتھ علیؑ، جعفرؑ، زید بن حارثہؓ اور آنحضرتؐ کی بیوی حضرت خدیجہؑ ہوتی تھیں۔

چنانچہ شرح نہج البلاغہ میں ہے کہ ایک روز ابوطالبؑ کو نبی اکرمؐ کہیں نہ ملے۔ ان کو یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ قریش ان کو دھوکے سے نہ مار ڈالیں تو وہ اپنے بیٹے جعفرؑ کے ساتھ ان کی تلاش میں نکلے۔ وہ ان کو مکہ کے جوانوں کے درمیان نماز پڑھتے ہوئے ملے اور امام علیؑ ان کے داہنی طرف ان کے ساتھ تھے۔ ابوطالبؑ نے ان دونوں کو دیکھا تو اپنے بیٹے جعفرؑ سے بولے کہ جاؤ اپنے ابن عم کے پہلو میں تم بھی نماز میں شریک ہوجاؤ۔ پس جعفرؑ، نبی اکرمؐ کی بائیں جانب کھڑے ہوگئے۔ جب وہ تین ہوگئے تو رسول اللہؐ آگے ہوگئے اور وہ تینوں پیچھے۔ اس پر ابوطالبؑ رو کر کہنے لگے:

> ''علیؑ وجعفرؑ دکھ دینے والی مشکلوں اور مصیبتوں میں میرے لئے قابل بھروسا ہیں۔ تم دونوں اپنے اس چچا کے بیٹے کا ساتھ نہ چھوڑنا اور ان کی مدد کرتے رہنا جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے میرے بھائی ہیں۔ قسم ہے اللہ کی نہ میں نبیؐ کو چھوڑوں گا اور نہ میرے بچے ان کو چھوڑیں گے جو سب مرتبہ والے ہیں۔''

سیرت ابن ہشام میں ابن اسحٰق سے روایت ہے کہ جس نے امام علیؑ کے بعد اسلام قبول کیا وہ زید بن حارثہؓ ہیں۔ ان کے بعد ابوبکرؓ اسلام لائے اور ان سب کے بعد عثمان بن عفانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ۔ ان آٹھ کے بعد ابوعبیدہ بن جراحؓ، ابوسلمہ بن عبداللہ اسدیؓ اور ارقم بن ابی ارقمؓ اسلام لائے۔ ان کے بعد اسلام مکہ میں پھیلنے اور بڑھنے لگا۔

ابن ہشام نے اپنی سیرت میں اس پر اضافہ کیا ہے کہ زید بن حارثہؓ، حضرت خدیجہؑ کے غلام تھے جنہوں نے ان کو آنحضرتؐ کو ہبہ کردیا تھا۔ وہ تھے ابن کعب بن عبدالعزیٰ بن امرئ القیس۔ پھر مزید کہتے ہیں کہ حکیم بن حزام بن خُویلد شام سے کچھ غلام لے کر آئے ان میں زید بن حارثہؓ بھی تھے۔ ان سے ان کی پھوپھی خدیجہ بنت خُویلد ملنے گئیں۔ ان دنوں وہ رسول اللہؐ کے ساتھ تھیں۔ تب انہوں نے ان سے کہا کہ اے پھوپھی! آپ ان غلاموں میں سے جس کو چاہیں پسند کرلیجئے وہ آپ کا ہوجائے گا۔ انہوں نے زید کو منتخب کیا اور ان کو لے گئیں، رسول اللہؐ نے ان کو ان کے پاس دیکھا تو ان سے مانگ لیا اور انہوں نے ان کو آنحضرتؐ کو ہبہ کردیا۔ رسول اللہؐ نے ان کو آزاد کرکے اپنا بیٹا بنالیا۔ یہ واقعہ آنحضرتؐ کی بعثت سے قبل کا ہے۔ ان کے باپ ان کی جدائی میں بے چین تھے اور انہوں نے ان کے بارے میں اشعار کہے تھے منجملہ ان کے یہ بھی تھے:

> ''میں زید پر روتا ہوں اور نہیں جانتا کہ اس پر کیا گزری۔ آیا وہ زندہ ہے یا اس کو موت آگئی ہے؟ قسم ہے اللہ کی مجھ کو کچھ نہیں معلوم۔ میں تو کہتا ہوں کے میرے بعد چاہے تم کو میدان کھا

جائے یا پہاڑ کھا جائے۔''

جب ان کو زید کے ٹھکانے کا علم ہوا تو وہ ان کی تلاش میں نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تب نبی اکرمؐ نے زید سے فرمایا کہ چاہے میرے پاس رہو چاہے اپنے باپ کے ساتھ چلے جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ چنانچہ وہ رسول اللہؐ کے پاس رہتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی۔ پس امام علیؑ کے بعد سب سے پہلے وہی اسلام لائے جیسا کہ بعض روایات میں ہے اور بعض دوسری میں ہے کہ جعفرؓ بن ابی طالبؑ کے بعد اسلام لائے اور تیسری میں ہے کہ ابوبکرؓ کے بعد اسلام لائے۔

بہرصورت تمام محدثین و مؤرخین کے نزدیک مردوں میں سب سے پہلے امام علیؑ اسلام لائے۔ دوسرے نمبر پر ان تینوں میں سے کوئی ایک۔ جعفرؓ، زید بن حارثہ اور ابوبکر۔ پیشتر روایات بتاتی ہیں کہ زید نے ان دونوں سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ اسی طرح وہ روایات جو بتلاتی ہیں کہ جعفر و زید پہلے اسلام لائے دوسری روایات سے زیادہ قریب صحت ہیں۔

مورخوں اور نبی اکرمؐ کے سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ ابوبکر اسلام کی تبلیغ کیا کرتے تھے اور ان کے ذریعہ سے بہت سے افراد اسلام لائے۔ جن میں یہ لوگ تھے: عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، وغیرہ جو مسلمانوں کے پہلے طبقے میں شمار ہوتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ شرح نہج البلاغہ میں ہے کہ ابوجعفر اسکافی وغیرہ ان روایات کی صحت کو مشکوک قرار دیتے ہیں جو ابوبکر کو اہمیت دیتی ہیں کہ ان کو مسلمانوں کے اس طبقے پر فوقیت حاصل تھی جیسے عثمان، زبیر، طلحہ وغیرہ اور دوسرے وہ افراد جن کے بارے میں مورخوں کا کہنا ہے کہ وہ ابوبکر کے زیراثر اسلام لائے حالانکہ یہ وہ طبقہ ہے جس کا مکہ میں اپنا مستقل وجود تھا۔

ابوجعفر اسکافی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ افراد نہ ان کے اصحاب میں سے تھے، نہ ان کے ہم نشینوں میں تھے اور وہ خود اپنے باپ ابوقحافہ کو قائل نہ کر سکے اور اپنے بیٹے عبدالرحمٰن تک کو قائل کرنے میں ناکام رہے۔ جو متواتر تیرہ سال تک جب تک آنحضرتؐ مکہ میں رہے کفر پر قائم رہے۔ نبی اکرمؐ کے خلاف جنگوں میں کفار کی طرف سے شریک ہوتے رہے اور فتح مکہ تک اپنے شرک پر ڈٹے رہے۔ اسی طرح ابوبکر کی زوجہ نحلہ بنت عبدالعزیٰ، ام عبداللہ اسلام لائی ہی نہیں۔

اسکافی مزید کہتے ہیں کہ ابوبکر اسلام کے مبلغوں میں سے نہیں تھے جیسا کہ جاحظ اور ان کے پیرو دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن تک کو اسلام کا قائل نہ کر سکے اور وہ کفر پر قائم رہے تا آنکہ معرکہ اُحد واقع ہوا۔ اس روز وہ مشرکوں کے لشکر سے اپنے باپ کے ارادہ سے للکارتے ہوئے نکلے اور کہتے جاتے تھے کہ میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر ہوں اور مقابل آزمائی کے لئے آواز دے رہے تھے۔ چنانچہ وہ فتح مکہ تک شرک پر ہی قائم رہے۔ البتہ اس روز دوسرے اہل قریش اور اہل مکہ کے ساتھ وہ بھی اسلام لے آئے۔ پس ابوبکر کی نرم گفتاری اور حسن استدلال کہاں چلا گیا تھا کہ وہ اپنے باپ کو بھی اسلام میں داخل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے جبکہ دونوں ایک ہی گھر میں رہتے تھے اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ وہ فتح مکہ کے دن تک مشرک رہے۔ تب ان کے بیٹے ان کو نبی اکرمؐ کی خدمت میں لائے۔ اس وقت وہ بوڑھے تھے اور مورخوں کے کہنے کے مطابق ان کا سر بالکل سفید تھا۔ رسول اللہؐ نے ان سے نفرت فرمائی اور کہا کہ اس کو

بدلو۔ لوگ ان کو واپس لے گئے اور ان کے بالوں کو خضاب کر کے ایک بار پھر لے آئے۔ اس طرح وہ اور ابوسفیان اور اس قسم کے دوسرے افراد اسلام لے آئے کیونکہ اب سوائے قتل کے اور کوئی صورت نہ تھی۔

ابوقحافہ بے مایہ، تہی دست اور بدحال تھے حالانکہ جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ابوبکر دولتمند اور کثیر المال تھے۔ نہ معلوم کیوں انہوں نے اپنے باپ کو ایسا فقیر چھوڑ دیا تھا جیسا کہ مورخ ان کے بارے میں تصویر کشی کرتے ہیں حالانکہ ان ہی لوگوں کے خیال کے مطابق وہ حسن سلوک کرنے والے تھے اور اپنے حسن سلوک اور مال و دولت کے ذریعہ سے لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرلیا کرتے تھے۔

ان کی بیوی نحلہ بنت عبدالعزیٰ بن اسعد العامری شرک پر قائم رہیں تا آنکہ ابوبکر نے ہجرت کی۔ پس جب اللہ نے اپنے رسولؐ پر یہ آیت نازل فرمائی کہ: ولا تمسکوا بعصھم الکوافر. ''کافر عورتوں سے تعلق باقی نہ رکھو'' تب انہوں نے ان کو طلاق دیدی۔

اس کے بعد اسکافی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ شخص جس کے باپ، بیٹے اور بیوی نے ان کی نرم گفتاری، استدلال اور خرچ بند کرلئے جانے اور مشکلات میں گرفتار ہوجانے کے خوف کے باوجود اسلام قبول نہ کیا تو غیر افراد ان کے ذریعہ سے اسلام قبول کرنے میں اور بھی کم اور ان کی مخالفت میں زیادہ رہے ہوں گے۔

نیز وہ ان لوگوں کے جواب میں جو ابوبکر کے لئے ان کے نئے نئے اسلام سے فضیلت پیدا کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جن افراد نے ابوبکر کے دعوت دینے سے اسلام قبول کیا وہ ان سے زیادہ ہیں جو جنگ کے ذریعہ اسلام لائے اور اس کا استدلال اسماء بنت ابوبکر کی اس روایت سے کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے اپنے باپ کی معرفت حاصل نہیں کی مگر جب وہ اس دین کے پابند تھے۔ جس روز وہ اسلام لائے تو انہوں نے ہمارے پاس واپس آ کر ہم کو اسلام کی دعوت دی اور ہم نے اسلام قبول کرلیا اور بیشتر بیٹھنے والوں نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ ان میں سے پانچ وہ تھے جو اہل شوریٰ میں سے تھے اور ان میں سے ہر ایک خلافت کا مستحق تھا۔ وہ سب امام علیؑ کے ہم پلہ تھے اور انہوں نے امام علیؑ سے حکومت اور امامت کے معاملے میں جھگڑا کیا تھا۔

ابوجعفر ان لوگوں کے جواب میں جو کچھ کہتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی بیوی اسلام نہیں لائیں۔ ان کے بیٹے اور باپ اسلام نہیں لائے۔ ان کی بہن ام فروہ اسلام نہیں لائیں۔ عائشہ اس زمانہ میں دنیا میں تشریف ہی نہ لائی تھیں۔ ان کے بیٹے محمد، آنحضرتؐ کی بعثت کے تیئس سال بعد پیدا ہوئے۔ ان کی بیٹی اسماء جو اس حدیث کی راویہ ہیں نبی اکرمؐ کی بعثت کے وقت زیادہ سے زیادہ حساب لگانے پر بھی چار سال کی تھیں۔ تو ان کے گھر والوں میں سے وہ کون سے افراد تھے جو ایمان لائے جیسا کہ ان کے حامی اور پیرو دعویٰ کرتے ہیں؟ اور یہ چاہتے ہیں کہ اس افترا پردازی کے ذریعہ سے وہ ابوبکر کو ایسا داعی اسلام قرار دے دیں گے جن کے اثرات خود صاحب دعوت حضرت محمدؐ بن عبداللہ کے اثرات سے کم نہیں ہیں۔

اسی طرح سعد، زبیر، عبدالرحمٰن اور طلحہ پر ان کو کیونکر دسترس حاصل ہوسکتی ہے جبکہ وہ لوگ ان کے نہ ہم پلہ تھے نہ

ہم نشین، نہ ان لوگوں کے اور ان کے درمیان دوستی یا محبت تھی۔ پھر وہ کیسے ان دور والوں کو دعوت دے کر ان پر اثرانداز ہوئے اور ان کو اپنی جانب کھینچ لانے میں کامیاب ہوئے جبکہ ربیعہ کے دونوں بیٹوں عتبہ و شیبہ کو چھوڑ دیا جو ان کے ہم نشین تھے اور ان کو بڑا مانتے تھے اور جیسا کہ ان کے حامیوں کا خیال ہے ان کی باتیں اور خوش گپیاں سنا کرتے تھے۔

کیا بات ہے کہ انہوں نے جبیر بن مطعم کو اسلام میں داخل نہیں کیا حالانکہ انہوں نے ہی ان کو ادب اور علم سکھایا تھا اور عربوں اور قریش کے نسب، حالات اور تاریخ سے روشناس کیا تھا جیسا کہ تم لوگ دعویٰ کرتے ہو۔

اس زمانہ میں عمر بن خطاب نے ان سے اسلام کیوں نہ حاصل کیا جبکہ وہ ان کے سچے دوست تھے اور بیشتر حالات میں ان سے مشابہ ہونے میں دوسرے لوگوں کے مقابلے میں سب سے قریب تر تھے۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اگر تم انصاف سے کام لو تو تم یقیناً جان لوگے کہ یہ سب لوگ صرف رسول اللہؐ ہی کی دعوت دینے پر اور آنحضرتؐ ہی کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے۔

اسکافی کہتے ہیں کہ اگر تم صحیح اور نتیجہ خیز طریقہ کی طرف رخ کرو تو دیکھو گے کہ اسلام کی طرف دعوت دینے کا ابوطالبؑ کا طریقہ ابوبکر وغیرہ کے طریقہ سے زیادہ موثر اور نتیجہ خیز رہا۔

اسکافی نے ایک طویل بحث ان لوگوں کے جواب میں کی ہے جو امام علیؑ کے اسلام میں نقص نکالنے کے درپے تھے۔ ان کے خیالات کو ایسے اسلوب سے باطل کیا ہے جو منطق پر مبنی ہے اور جس کی تائید مستند بیانات سے ہوتی ہے۔ ان کو شارح نہج البلاغہ نے بیان کیا ہے اور ہم نے وہیں سے کچھ جملے حسب ضرورت چن لئے ہیں۔ (شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید معتزلی، جلد ۳، صفحہ ۲۷۲ و ۲۷۳)

اگر ہم اس سے چشم پوشی کرلیں اور مان لیں کہ امام علیؑ حد بلوغ کو پہنچنے سے پہلے اسلام لائے تھے تب بھی وہ مستند بیانات جن میں آپ کے اسلام کی کیفیت کا ذکر ہے بتلاتے ہیں کہ آپ کا اسلام نبی اکرمؐ کے حکم کی تعمیل میں بچوں کے افعال کے مانند بے سوچے سمجھے کا نہیں تھا جیسا کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے ہوا خواہ دعویٰ کرتے ہیں بلکہ دلی عقیدہ، اسلام کو صحیح ماننے اور دعوت دینے میں رسول اکرمؐ کو سچا ماننے پر مبنی تھا۔

چنانچہ آپ کے اسلام کی کیفیت کے بارے میں روایت ہے کہ امام علیؑ، آنحضرتؐ اور حضرت خدیجہؑ کی خدمت میں تشریف لے گئے جبکہ وہ دونوں نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کھڑے ہوکر دونوں کو دیکھنے لگے۔ وہ دونوں رکوع اور سجدے کرتے رہے۔ آنحضرتؐ حسب آسائش قرآن پڑھتے جاتے اور تسبیح اور حمد کرتے جارہے تھے۔ جب نبی اکرمؐ اپنی نماز سے فارغ ہوگئے تو امام علیؑ نے اس کے متعلق پوچھا۔ آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا کہ ہم اللہ کی نماز پڑھتے ہیں جس نے مجھ کو نبی مقرر کیا ہے اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں لوگوں کو اس کی عبادت کی دعوت دوں۔ پھر نبی اکرمؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے مہلت طلب فرمائی تاکہ اس معاملہ میں اپنے والد سے مشورہ کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے رات اسی غور و فکر میں گزاری۔ صبح ہونے پر وہ نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اسلام کا اور اس پیغام پر اپنے ایمان کا اعلان فرمادیا

اور فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو ابو طالبؑ سے مشورہ کئے بغیر خلق کیا تو میں کوئی وجہ نہیں پاتا کے ان سے اپنے خالق کی عبادت کے بارے میں کوئی مشورہ کروں جس نے مجھ کو خلق کرنے میں کسی سے مشورہ نہیں کیا تھا۔ (حیات محمدؐ از ہیکل، طبع پنجم، صفحہ ۱۴۰)

امام علیؑ کے اسلام لانے کی روایت وضاحت کرتی ہے کہ آپ گہرے فکر اور طویل غور کے بعد نیز اللہ کی نعمتوں اور قدرت کو جن کو عقلیں پوری طرح سے سمجھنے سے قاصر ہیں پیش نظر رکھنے کے بعد اسلام لائے۔ چنانچہ آپ نے معلوم کیا کہ اللہ ہی وہ خالق اور صاحب نعمت ہے جو خلق کرنے میں کسی سے مشورہ نہیں کرتا اور کوئی اس کے کار تدبیر میں اس کی مخالفت نہیں کرسکتا۔ پس وہی کرنے نہ کرنے کا مختار ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ آپ نے یہ بھی پیش نظر رکھا کہ قریش وغیرہ کیسی حماقت اور گمراہی میں ہیں کہ بتوں اور پتھروں اور مورتیوں کی پرستش کرتے ہیں جن کو وہ خود اپنے ہاتھ سے بناتے ہیں اور اللہ کے بجائے ان کو پروردگار مان لیتے ہیں۔

ابوبکر ضرور ایک عاقل مرد تھے اور اسلام لانے کے وقت ایک بڑی عمر کے تھے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن وہ اسلام لائے تو اس سے پہلے طویل عرصہ تک بتوں کی پرستش کرتے رہے تھے۔ وہ ان لوگوں میں نہیں تھے جو اپنے زمانہ جاہلیت کے طریقوں اور اپنی قوم والوں کی عادتوں اور عقیدوں کے خلاف تھے جیسے ورقہ بن نوفل، زید بن عمر، امیہ بن ابوصلت، قُس بن ساعدہ اور ان جیسے دوسرے افراد جو بتوں اور ان کی پرستش کا مذاق اڑاتے تھے اور اس کو جہالت اور گمراہی مانتے تھے۔

ان سب باتوں سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ ابوبکر وغیرہ کے اسلام میں نقص نکالوں اور نہ یہ کہ اولین مسلمین میں کسی کے مرتبہ اور نیک عمل پر تنقید کروں کیونکہ ابوبکر وغیرہ کو شروع زمانہ میں اسلام لانے اور اسلام کے اس ابتدائی دور میں آنحضرتؐ کی صحبت کا شرف حاصل رہا ہے جب اسلام کو جابروں سرکشوں کے مقابلہ کے لئے مدد کرنے والوں اور پیروؤں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ابوبکر وغیرہ نے ابوجہل اور ابوسفیان وغیرہ ایسے سخت ترین دشمنوں کے خلاف رسول اللہؐ کے اقدامات کو قوت بہم پہنچائی۔

دعوت اسلام کا پہلا مرحلہ

جب اللہ نے آنحضرتؐ کو نبوت پر سرفراز کیا تو تقریباً تین سال آپ کار رسالت چھپا کر انجام دیتے رہے اور اس کو عوامی رائے اور قریش کے ظالموں سے دور رکھے رہے۔ اسی لئے کم ہی افراد ایمان لائے اور وہ بھی اپنے اسلام کو چھپائے رہتے تھے تاکہ مصیبت اور تکلیف سے دوچار نہ ہوں۔ پھر بھی آنحضرتؐ کی رسالت کی خبر ادھر ادھر سے اہل مکہ میں پھیل گئی اور لوگ آپس میں اس کے متعلق گفتگو کرنے لگے۔ لیکن تاریخ کی اس منزل میں ان کو اس کے خطرات کا اندازہ نہیں ہوا اور وہ اس کے متعلق خبروں کو نجومیوں اور الٰہیین کی باتوں سے زیادہ نہ مانتے تھے جیسے قُس بن ساعدہ، زید بن عمرو اور امیہ بن ابوصلت وغیرہ جنہوں نے بتوں کی عبادت چھوڑ دی تھی اور مکہ سے باہر ایسے دین کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے جس کو ان کی عقلیں قبول کرلیں اور جس سے ان کو اطمینان حاصل ہو جائے۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ آنحضرتؐ اور ان کے پیرو بھی اپنے

آباؤاجداد کے دین پر واپس ہوجائیں گے۔ ان لوگوں کے خیال میں بالآخر غلبہ ان ہی کے خداؤں کو حاصل ہوگا نہ کہ کسی اور کو۔

آنحضرتؐ کی بعثت کے تین سال کے بعد اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے کام کو آشکارا کردیں اور اپنی قوم والوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ چنانچہ اللہ نے آیت نازل کی:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۝

یہ احکام گویا رسول اللہؐ کے لئے اطلاع تھی کہ ماضی کا زمانہ ختم ہوگیا اور یہ کہ اب وہ ایک نئے لائحہ عمل اور سخت فرائض کے سامنے ہیں جس میں ہوش مندی، ہوشیاری اور قربانیوں کی ضرورت رہے گی اور مشقت برداشت کرنا ہوگی تاکہ لوگوں کو خالص وحدانیت سے روشناس کرایا جائے جس کے معنی یہ ہیں کہ انسان نہ زمین کی کسی شے کا بندہ ہے اور نہ آسمان کے کسی کرشمہ کا کیونکہ آسمان اور زمین میں ہر چیز اللہ کی محکوم ہے، اسی کی عظمت کی تابع حکم ہے، اسی کے سامنے سرنگوں ہے اور اسی کے حکم پر چلنے والی ہے اور دارآخر کی طرف دعوت دیں جس میں لوگ اپنے پروردگار سے ملاقات کریں گے اور وہ ان سب کا تفصیل سے حساب لے گا۔ جس کسی نے ذرہ برابر بھی نیک عمل کیا ہوگا وہ اس کی نظروں کے سامنے آجائے گا اور جس کسی نے ذرہ برابر بھی بدعمل کیا ہوگا وہ اس کی نظروں کے سامنے آجائے گا۔ اس کے بعد یا تو بھرپور نعمتوں کا مقام ہوگا جہاں نیکوکار آرام و آسائش سے رہتے رہیں گے یا جہنم کا ٹھکانہ ہوگا جہاں بدکردار لوگ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ اپنے آپ کو پاکیزہ رکھنے کی طرف بلائیں تاکہ جو اللہ حکم دے وہی کریں اور جس سے وہ منع کرے اس کو چھوڑے رہیں اور اس کے کرنے سے ہوشیار رہیں۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ط ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۝ ”کہہ دیجئے کہ آؤ میں تم کو بتاتا ہوں کہ اللہ نے کیا کیا حرام کیا ہے۔ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دو۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہو۔ تنگدستی کی وجہ سے اپنے بچوں کو مار نہ ڈالو، تم کو بھی اور ان کو بھی ہم رزق مہیا کرتے ہیں۔ اور بدکاریوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ کھلی ہوئی یا چھپی ہوئی۔ کسی کو جسے اللہ نے قابل احترام قرار دیا ہے قتل نہ کرو سوائے حق کے لئے۔ یہی ہے جس کی نصیحت اللہ تم کو کرتا ہے تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔ اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ سوائے اس کی بھلائی کے لئے، تاآنکہ وہ عمر بلوغ کو پہنچ جائے۔ تول کرلینے اور وزن کرکے دینے میں دیانت سے کام لو۔ ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ فرض عائد نہیں کرتے۔ جب تم بات

کہو تو انصاف سے کہو خواہ صاحب قرابت ہی ہو۔ اور اللہ کے ساتھ کئے ہوئے پیمان کو پورا کرو۔ یہ ہے جس کی نصیحت اللہ تم کو کرتا ہے تا کہ تم نصیحت اختیار کرو۔'' (سورۂ انعام: آیت۱۵۱)

ان آیات میں وہ تمام اصول یکجا ہیں جن کی طرف رسول اللہؐ نے مکہ میں دعوت دی۔ یہ فطری امر تھا کہ آنحضرتؐ اپنی قوم کی ہدایت کے لئے فکر مند ہوں اور ان کے سامنے اپنے نظریئے اور وہ اصول پیش کردیں جن کے پہنچانے کا اللہ نے ان کو حکم دیا تھا کیونکہ اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ اندر کی جانب سے شروع کیا جائے تا کہ جب آپ کے اہل خانہ اور قوم والے قبول کرلیں تب آپ دوسروں کی طرف متوجہ ہوں۔ اس کے بعد آپ کی تبلیغ زیادہ نفع خیز ہوسکتی تھی۔ اس کی تصدیق زیادہ جلد ہوسکتی تھی اور دلوں اور ذہنوں پر اس کا زیادہ اثر ہوسکتا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ پر وحی آئی جس نے تاکید کی کہ آپ عوام الناس سے پہلے ان لوگوں سے ابتداء فرمائیں:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَکَ الْاَ قْرَبِيْنَ○ وَ اخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ○ فَاِنْ عَصَوْکَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ○ ''آپ اپنے قریبی رشتہ داروں تک پیغام نصیحت پہنچایئے اور جو مومنین آپ کی عملی پیروی کریں ان کے ساتھ نرم برتاؤ کیجئے لیکن جو آپ کی نافرمانی کریں ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہارے عمل کی ذمہ داری سے آزاد ہوں۔'' (سورۂ شعراء: آیت۲۱۶)

بعض روایات میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے کوہ صفا پر چڑھ کر جو مکہ میں ایک مقام ہے آواز دینا شروع کی کہ اے بنی فہر، اے بنی عدی، اے بنی عبدالمطلب اور آپ قریب سے قریب تر کا ذکر فرماتے گئے تا آنکہ وہ لوگ جمع ہوگئے۔ جو کوئی آپ تک نہیں آسکا اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا تا کہ دیکھ کر آئے کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ پس نبی اکرمؐ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک لشکر نکل کر تم پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو کیا تم مجھ کو سچا مان لوگے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں قسم بخدا! کیونکہ ہم کو آپ سے کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا۔ تب آپ نے فرمایا: میں تم کو خبردار کرتا ہوں کہ تم شدید عذاب سے دوچار ہو۔ اس پر ابولہب بولا: تم کو سارے دن تباہی نصیب ہو۔ کیا تم نے ہم کو اسی لئے اکٹھا کیا تھا؟ تب اللہ نے یہ آیت نازل کی:

تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ○ مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا کَسَبَ○ سَيَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ○ وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ○ ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ تباہ ہو جائے۔ اس کا مال اور اس کی کمائی اس کو فائدہ نہ دے گی۔ وہ عنقریب شعلوں والی آگ میں پہنچ جائے گا۔ اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوگی۔''

ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ جب آنحضرتؐ پر وہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے صفا پر ان لوگوں کو پکارا کہ آکر آپ کو سنیں اس وقت آپ نے ان سے فرمایا: اے گروہ قریش! اپنا خود خیال کرو کیونکہ میں اللہ کے سامنے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاؤں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ کے سامنے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاؤں گا۔ اے اولاد عبدالمطلب!

میں اللہ کے سامنے تم کو کوئی فائدہ نہ پہنچاؤں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ کے سامنے تم کو کوئی فائدہ نہ پہنچاؤں گا۔اے فاطمہؑ بنت محمدؐ! میرے مال سے جو چاہتی ہو مانگ لو میں اللہ کے سامنے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاؤں گا۔

صحیح بات یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ نے لوگوں کو پہلی مرتبہ بلایا اور ان کو صفا پر سے آواز دی تو یہ دعوت آپ کے قرابت داروں تک محدود تھی اور آپ نے ان لوگوں کو اسلام سے زیادہ کسی امر کی دعوت نہیں دی۔ اس پہلی مرتبہ میں آنحضرتؐ کی بات کو آپ کے چچا ابولہب نے کاٹ دیا تھا اور قوم والے چلے گئے تھے۔ اس طرح یہ تبلیغ صرف اسلام کے لئے اور بتوں کی پرستش چھوڑ دینے کے لئے تھی۔

رہا یہ سابق الذکر جملہ جو ابوہریرہ نے روایت کیا ہے، ممکن ہے کہ یہ اس وقت کا ہو جب اسلام پھیل گیا تھا اور اس کے حالات مستحکم ہوگئے تھے۔ علاوہ بریں آنحضرتؐ کی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ دعوت اسلام کے شروع میں چھوٹی بچی تھیں اور آپ کی عمر دو سال سے زیادہ نہ تھی۔ نیز آپ کے علاوہ آنحضرتؐ کی تین بیٹیاں اور بھی تھیں۔ پھر آنحضرتؐ ان سب کو نظر انداز کر کے خاص طور پر آپ ہی کی طرف اس تنبیہہ کے لئے کیوں متوجہ ہوئے؟

علاوہ بریں یہ اسلوب کلام آنحضرتؐ کا نہیں ہے کیونکہ آنحضرتؐ نے اس کو دعوت اسلام کے پھیل جانے کے بعد استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ روایات تاکید کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ اپنی وفات سے قبل اس اسلوب کو اپنی آل اور قریبی رشتہ داروں کے بارے میں بار بار استعمال فرماتے تھے اور ان کو اپنے حسب ونسب پر اعتماد کرنے سے خبردار کرتے رہتے تھے۔

بہرحال مؤرخین کا اس پر اجماع ہے کہ جب اللہ نے نبی اکرمؐ کو حکم دیا کہ اپنے خاندان کے قریبی رشتہ داروں کو پیغام نصیحت پہنچائیں تو آپ نے امام علیؑ کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ کھانا تیار کرو اور اس پر بکری کا ایک پیر رکھ دو اور ایک کاسہ دودھ کا بھرو اور میری طرف سے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو بلا لاؤ تاکہ میں ان سے بات کر کے اسلام کی طرف دعوت دوں اور ان تک وہ پیغام پہنچا دوں جس کا مجھ کو حکم ہوا ہے۔ امام علیؑ نے وہ کام کردیا جس کا حکم آنحضرتؐ نے دیا تھا اور ان سب بھی کو بلالیا۔ وہ سب ایک کم یا ایک زیادہ چالیس آدمی تھے۔ ان میں آنحضرتؐ کے چچا ابوطالبؑ، حمزہؓ، عباسؓ، ابولہب اور آنحضرتؐ کے چچاؤں کے بیٹے تھے۔ امام علیؑ نے ان کے سامنے کھانا رکھا اور سب نے پیٹ بھر کر کھالیا۔ امام علیؑ سے روایت ہے کہ آپ نے بیان کیا کہ ان میں سے ایک ہی شخص وہ کھانا کھا سکتا تھا جس سے وہ سب سیر ہوگئے۔ جب کھانے سے فارغ ہوگئے اور نبی اکرمؐ نے ان سے گفتگو کرنا چاہی تو آپ کے چچا ابولہب نے رخنہ ڈالدیا اور کہنے لگا تمہارے اس ساتھی نے تمہارے اوپر سخت جادو کردیا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ سب کے سب چل دیئے اور نبی اکرمؐ ان سے بات نہ کرپائے۔ چند روز کے بعد آنحضرتؐ نے پھر امام علیؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ! تم نے دیکھا اس شخص نے کس طرح مجھ سے پہلے بات کرڈالی، تو اب پھر وہی کرو جو پہلے کیا تھا اور ان لوگوں کو اکٹھا کرو شائد میں ان سے وہ گفتگو کرپاؤں جس کا مجھ کو اللہ نے حکم دیا ہے۔ چنانچہ امام علیؑ نے ان کے لئے کھانا تیار کیا اور جب وہ کھاپی چکے تو نبی اکرمؐ نے ان سے کہا کہ میں کسی عرب کو نہیں جانتا ہوں جو اپنی قوم کے پاس وہ چیز لے کر آیا ہو جو میں تمہارے لئے لایا ہوں۔ میں تمہارے لئے دنیا

اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں اور اللہ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں تم لوگوں کو اس کی طرف بلاؤں۔ پس کون ہے جو اس معاملے میں میرا ہاتھ بٹائے اس شرط پر کہ وہ میرا بھائی، وصی اور میرے بعد تم میں میرا جانشین ہو جائے؟ اس پر امام علیؑ کے علاوہ سب خاموش ہو گئے حالانکہ وہ اس وقت ان سب میں سب سے کم عمر، سب سے زیادہ تیز نظر اور سب سے زیادہ کمزور پنڈلیوں والے تھے۔ انہوں نے کہا کہ "میں! اے اللہ کے نبیؐ"۔ نبی اکرمؐ نے ان کو بیٹھے رہنے کا حکم دیا اور ان سب لوگوں کے سامنے اپنی بات کو دہرایا۔ لیکن امام علیؑ کے سوا کسی نے آنحضرتؐ کو جواب نہ دیا۔

جب نبی اکرمؐ نے ان سب کا سکوت اور علیؑ کا اصرار دیکھا تو آپ نے ان کی گردن پکڑ کر فرمایا کہ یہ میرا بھائی، میرا وصی اور تم لوگوں میں میرا جانشیں ہے۔ پس تم لوگ اس کی بات کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا۔ اس پر وہ سب ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ابوطالبؑ سے کہتے جاتے تھے کہ محمدؐ نے تم کو حکم دیا ہے کہ تم اپنے بیٹے کی بات سننا اور اطاعت کرنا۔ (تاریخ ابوالفداء، عماد الدین ابوالفداء صاحب حماۃ، جلد ا و ۲، صفحہ ۲۴ و ۲۵)

دعوت ذوالعشیرہ میں آنحضرتؐ نے امام علیؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ! تم میرے بھائی، میرے وصی اور میرے بعد میرے جانشین ہو۔ کنزالعمال، جلد ۶، صفحہ ۳۹۷، میں ہے اور اس کو ابن اسحٰق، ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابونعیم نے اور بیہقی نے دلائل میں راویوں کے سلسلے کے ساتھ درج کیا ہے۔ اس کو اسی طریقے سے بیان کیا ہے جیسے ابوالفداء اور ابن جریر طبری نے جلد ۲، صفحہ ۶۲ پر کیا ہے۔ (فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ)

شیخ محمد جواد مغنیہ کی فلسفہ التوحید والولایۃ میں ہے کہ جن لوگوں نے علیؑ کی خلافت کے بارے میں نبی اکرمؐ کے اس وقت کے صریحی ارشاد کو روایت کیا جب آنحضرتؐ نے اپنے قرابت داروں کو بلا کر ان کو اپنے رب کا پیغام پہنچایا تھا ان میں یہ افراد ہیں: امام احمد نے مسند میں، ابن کثیر نے کامل جز ۲ طبع قدیم میں، محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب حیات محمدؐ کی پہلی طبع میں، محمد عبداللہ عنان نے اپنی کتاب تاریخ الجمعیات میں۔ البتہ ہیکل نے دوسری اور اس کے بعد کی اشاعتوں میں حدیث مذکور کو مسخ کر کے اس میں سے "خلیفتی من بعدی" یعنی میرے بعد میرے جانشین کا فقرہ حذف کر دیا اور اس تحریف کے لئے ایک جماعت سے پانچ سو جنیہ وصول کئے۔ (فلسفۃ التوحید والولایۃ، صفحہ ۱۳۲ و ۱۷۹)

اعیان الشیعہ کے حاشیہ پر ہے کہ ڈاکٹر ہیکل نے اس حدیث کو دوسری طبع میں ایک ہزار نسخے خریدے جانے کے عوض تحریف کر کے مسخ کر دیا اور اس کو صرف اس فقرہ تک محدود کر دیا یعنی "ایکم یؤازرنی علٰی ھٰذا الامر"، تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے۔

شیخ مغنیہ آیۂ انذار کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے علیؑ کی خلافت کے متعلق اس موقع پر آنحضرتؐ کے اس ارشاد کو روایت کیا ہے ان میں ان لوگوں کے علاوہ جن کا ہم ذکر کر چکے نسائی، (تفسیر) ثعلبی (تفسیر) سیوطی، بغوی اور علی بن برہان الدین شافعی (سیرۃ الحلبیہ) شامل ہیں۔ (تفسیر الکاشف، جلد ۵، صفحہ ۵۲۱)

اعیان الشیعہ کی تیسری جلد میں ہے کہ موجودہ صراحت کے ساتھ یہ حدیث طبری وغیرہ سنی کتب احادیث و

تاریخ میں ہے اور اس کو ممتاز سنیوں کی ایک جماعت اور محدثین نے روایت کیا ہے اور ان لوگوں میں اس کو اسی مضمون کے ساتھ نقل کیا جاتا رہا ہے۔

ابن تیمیہ وغیرہ ایسے بعض متعصب افراد نے کوشش کی ہے کہ اس حدیث کو موضوع حدیثوں میں شامل کر دیں اس دلیل سے کہ اس حدیث کو جن سندوں سے روایت کیا گیا ہے ان میں کچھ ایسے اشخاص ہیں جو علیؑ وآل علیؑ کے بعض فضائل روایت کرتے ہیں اور ابن تیمیہ اور ان جیسے دوسرے متعصب سنیوں کے نزدیک ہر وہ شخص جو اس قسم کی کوئی شے روایت کرے اس کی روایت پر ثبوت کے لئے رک جانا ضروری ہے۔

کتب رجال اور تنقید حدیث کے مطالعہ کرنے والے کو ایسے دسیوں راوی ملیں گے جن کو صرف اس وجہ سے جھوٹ، انحراف اور حدیثیں گھڑنے کا مورد الزام ٹھیرایا جاتا ہے کہ وہ علیؑ اور آل علیؑ کے بعض فضائل روایت کرتے ہیں حالانکہ یہ لوگ خود نہ کسی کو جھوٹ کا متہم قرار دیتے ہیں نہ کسی کی اعتمادیت یا عدالت پر دھبہ لگاتے ہیں خواہ وہ دوسرے صحابہ کے فضائل کے سلسلہ میں عجیب وغریب چیزیں حتیٰ کہ مہمل باتیں بھی بیان کر جائیں۔ ہم نے اس کی مثالیں اپنی کتاب دراسات فی الکافی للکلینی والصحیح للبخاری میں پیش کی ہیں۔

بہرحال اس حدیث کو ان مشہور سنی محدثوں اور مورخوں کے علاوہ جن کا ذکر ہم نے کیا تمام شیعہ محدثوں نے اہلبیت کرامؑ سے اور دوسرے راویوں سے روایت کیا ہے۔ اس طرح یہ حدیث اپنے مضمون اور معانی کے اعتبار سے متواتر احادیث کی صف میں آجاتی ہے۔ اس میں شک بھی نہیں ہے کہ اگر رسول اللہؐ کی وفات کے بعد مسلمان امام علیؑ کی طرف رجوع کرتے اور اقتدار کی کنجیاں ان کو تفویض کر دیتے تو یہ اور امام علیؑ کی خلافت کے متعلق دوسرے صریحی احکامات ضرورتاً قرآنی احکام کے برابر مان لئے جاتے۔ لیکن جب اسلامی خلافت نے غیر شرعی سمت اختیار کر لی اور اس شکل پر چلی جو اس نے اختیار کر لی تھی تو مسلمانوں نے اپنے آپ کو ایسی صورت حال سے دوچار پایا جس سے نکلنا ناممکن تھا لیکن یہ صورت ان احکامات کے خلاف تھی جو رسول اللہؐ کے بعد امام علیؑ کی خلافت پر زور دیتے تھے۔ ان حالات میں مسلمان اس صورت حال میں جو انہوں نے اختیار کر لی تھی اور اس صورت میں جو نبی اکرمؐ چاہتے تھے موافقت صرف اسی طرح پیدا کر سکتے تھے کہ ان میں سے ایسے احکامات میں جن کی بابت یہ شک نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ نبی اکرمؐ کی طرف سے آئے ہیں توڑ مروڑ کر ادل بدل کر لی جائے اور جن احکامات میں توڑ مروڑ نہ ہو سکے یا حسب خواہش معنی نہ نکالے جاسکیں، ان سے انکار کر دیا جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے بعض احکامات میں ادل بدل اور بعض سے انکار کا راستا اختیار کر لیا اور بعض کے ایسے معنی نکالے جو نہ کلام کے ظاہری شکل سے متفق ہوتے ہیں نہ اس کے اسلوب یا موقع کی مناسبت سے تاکہ جو کچھ ہو گیا ہے اس کو شرعی شکل دے دی جائے اور بنیادی طور پر ہر زمانہ اور ہر مقام پر چلتے اسی راہ پر رہیں جو لوگوں کی اکثریت نے اختیار کر لی تھی خواہ وہ حق وانصاف کے منافی ہو اور نیکوکار اور پارسا افراد کی لاشوں پر قائم ہو۔

ہم اس موضوع پر اس وقت گفتگو کریں گے جب بیعت غدیر اور ان دوسرے موقعوں کا بیان کریں گے جب نبی اکرمؐ کبھی صراحۃً اور کبھی اشارۃً اپنے بعد امام علیؑ کی خلافت کا ذکر فرماتے رہے تھے۔

— ۴ —

دعوتِ عام

ان واقعات کے بعد مکہ میں سب لوگ آنحضرتؐ کی دعوت حق کے متعلق باتیں کرنے لگے اور اس کی خبر مکہ سے باہر بھی جا پہنچی۔ جب سے آنحضرتؐ نے اس کا اعلان اپنے چچاؤں کے بیٹوں اور دوسرے قریبی رشتہ داروں میں کیا تھا یہ بات مکہ اور گرد و نواح کے رہنے میں سے کسی سے پوشیدہ نہیں تھی۔ ان ہی لوگوں میں ابولہب بھی تھا جو نبی اکرمؐ کے بلائے ہوئے رشتہ داروں کے جلسہ سے اٹھ کر قریشیوں اور اہل مکہ کو اپنے بھتیجے کے خلاف اکسانے میں لگ گیا۔ چنانچہ اس تبلیغی اعلان کا قریشی سرکشوں اور ممتاز افراد پر برا ردعمل ہوا کیونکہ یہ لوگ اقتدار کے مالک تھے۔ مکہ اور گرد و نواح کے غریبوں، غلاموں اور کمزوروں کا استحصال کرتے رہتے تھے۔ لوگوں کے اس طبقے میں اس خبر نے اس لئے برا ردعمل پیدا کیا کہ حضرت محمدؐ مظلوموں کا ساتھ دیتے تھے۔ استحصال کرنے والوں سے برسرپیکار رہتے تھے، ہر انسان کی آزادی اور عزت نفس پر زور دیتے تھے اور تمام انسانوں کے لئے مساویانہ طور پر خواہ وہ آپ پر ایمان لائے ہوں یا نہ لائے ہوں ایسی پاکیزہ باعزت زندگی کے خواہاں تھے جس میں عدالت، محبت اور باہمی ہمدردی کا دور دورہ ہو۔

آنحضرتؐ یہ دیکھنا نہیں چاہتے تھے کہ لوگ اس طرح حیات و موت کی منزلیں طے کریں کہ رزق کی تلاش میں سرگرداں رہیں لیکن حاصل نہ کر پائیں جبکہ بڑے بڑے سوداگروں اور تاجروں کی دولت کمزوروں، غلاموں اور محنت کشوں کے خون کی بدولت روز افزوں بڑھتی رہے۔ یہ سرکش سمجھ رہے تھے کہ یہ جماعتیں عنقریب آنحضرتؐ کے چاروں طرف جمع ہو جائیں گی اور آپ کے زیرسایہ ان کو اپنی پوری پوری آزادی اور غصب کئے ہوئے حقوق حاصل ہو جائیں گے کیونکہ پہلی چیز جس کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ ہے سرکشوں اور آجروں کے تسلط سے اور بتوں اور مورتیوں کی پرستش سے آزادی اور اللہ کی طرف توجہ جو زمین و آسمان کا اور دونوں کے درمیان پائی جانے والی عجیب سے عجیب مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسی کے ساتھ آپ ایسے عمل کی دعوت دیتے ہیں جو انسان کے لئے نفع بخش ہو اور برائیوں سے روکے اور اس روز پر ایمان کی دعوت دے جب ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا اور اس کا حساب لیا جائے گا اور سزا دی جائے گی۔

آنحضرتؐ نے ملاحظہ فرمایا لوگوں کی نظریں آپ کی جانب متوجہ ہیں اور آپ کی پکار کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ پس آپ بھی اس حد تک مصروف عمل ہوگئے کہ کوئی دن نہ جاتا تھا کہ کچھ نہ کچھ نئی باتیں ایک طرف آپ کی قوم کے خلاف دوسری طرف اہل مکہ کے طریقوں اور عادتوں کے خلاف اور تیسری طرف ان کے سرداروں کے خلاف اٹھتی رہتی تھیں۔ چنانچہ آپ خفیہ طور پر اللہ کی طرف دعوت دیتے رہتے تھے۔

بہرحال نبی اکرمؐ کے خفیہ رکھنے کے باوجود اس کی خبر تمام طبقوں میں پھیل گئی اور وہ وقت آپہنچا کہ آپ اس کا اعلان سب لوگوں کے سامنے کردیں خواہ اس کے نتائج اور امکانات کچھ بھی ہوں۔ پس جیسا کہ تاریخ طبری اور سیرت ہشام میں ہے کہ ایک روز آپ نے صفا پر چڑھ کر اسی انداز سے آواز دی جیسے ابھی پچھلے دنوں بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو آواز دی تھی۔ لوگ ہر طرف سے آپ کی بات سننے کے لئے امڈ آئے۔ جب آپ نے دیکھا کہ لوگ آپ کی بات سننے کے لئے آپہنچے ہیں تو آپ اس طرح گویا ہوئے: ''کیا خیال ہے تمہارا! اگر میں تم کو بتاؤں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک لشکر تمہارے اوپر چڑھ آیا ہے، کیا تم مجھ کو سچا مانو گے؟'' سب نے یک زبان ہوکر کہا: ضرور آپ ہم میں بالکل بے داغ ہیں۔ ہم نے آپ سے کبھی جھوٹ نہیں سنا۔ اب آپ نے کہا: میں تم کو سخت عذاب سے متنبہ کرتا ہوں۔

اے بنی عبدالمطلب! اے بنی عبدمناف! اے بنی زُہرہ! اے بنی تمیم! اور اے بنی مخزوم واسد! اور آپ مکہ کے تمام قبیلوں اور ان کی شاخوں کو شمار کرتے چلے گئے۔ پھر فرمایا: اللہ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس کے عذاب سے خبردار کروں میں تم سے نہ دنیا کا کوئی نفع چاہتا ہوں نہ آخرت کا سوائے اس کے کہ تم کہو کہ کوئی خدا نہیں ہے سوائے اللہ کے۔ اس پر ابولہب نے جو راوی کے مطابق قوی ہیکل اور جلد غصے میں آنے والا شخص تھا کھڑے ہوکر چلایا کہ تم کو دن بھر تباہی نصیب ہو، کیا اسی لئے تم نے سب کو اکٹھا کیا تھا؟ وہ سب لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہوگئے اور مشورے اور تیاری کرنے لگے کہ آپ کی تبلیغ کو ابتدائے کار ہی میں ختم کردیا جائے قبل اس کے کہ اس کا خطرہ بڑھے اور مکہ سے باہر پھیلے۔ چنانچہ شروع میں سب لوگ اس پر متفق ہوئے کہ آپ کا مقابلہ اس طرح کیا جائے کہ آپ کو جھٹلایا جائے اور مذاق اڑایا جائے اور ہر اس شخص کو جو آپ سے ملے اور آپ کی تصدیق کرے اذیت دی جائے۔

آنحضرتؐ اپنے راستا پر گامزن رہے۔ اللہ کی طرف دعوت دیتے رہے۔ دعوت دینے اور ان اصولوں کے پیش کرنے میں جن کی طرف آپ دعوت دیتے تھے نرمی سے کام لیتے رہے۔ آپ بت پرستی اور مورتیوں کی پوجا کی ذلت کو آشکارا کرتے رہتے اور اس کی پرواہ نہ کرتے تھے کہ کون آپ کو سن کر یا دیکھ کر آپ کی نقلیں اتارتا اور توہین کرتا ہے۔ آپ افراد اور جماعتوں کے سامنے یکے بعد دیگرے تبلیغ فرماتے رہے۔ مجال نہ تھی کہ آپ کے ذہن میں ناامیدی پیدا ہو اور نہ آپ کو اللہ کے اس وعدے کی بابت کوئی شک ہوا کہ بالآخر اس کی مدد شامل حال رہے گی۔ ان لوگوں نے اپنے غنڈوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ جہاں کہیں آپ ملیں آپ پر جھوٹ اور جادو کی تہمت لگایا کریں۔

آپ کے چچا ابولہب کی بیوی ام جمیل، لونڈوں اور لونڈیوں کو آپ کے پیچھے لگاتی رہتی تھی اور ان کو آپ کے ساتھ

بدسلوکی کرنے پر اکسایا کرتی تھی حالانکہ آپ ان ہی لوگوں کے لئے استحصال اور اذیت کی اس زندگی سے جو یہ لوگ کاٹ رہے تھے بہتر زندگی چاہ رہے تھے اور ان کی اور دوسرے دبے ہوئے لوگوں کی وجہ سے اپنے چچا ابولہب اور اس کی لکڑیاں ڈھونے والی بیوی کی طرح طرح کی اذیتیں اور توہین برداشت فرما رہے تھے جس کے لئے اس نے سرداران قریش کو بھڑکا رکھا تھا کہ آپ کی توہین کیا کریں آپ کے پیروؤں کو اذیت دیں اور آپ کو کبھی جھوٹ اور کبھی جادو اور پاگل پن سے متہم کریں حالانکہ شروع شروع میں یہ لوگ آپ کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوئے بنوہاشم کے غصہ اور ہیبت سے خوف کھاتے تھے۔

اس سب کے باوجود آنحضرتؐ کی تعلیمات پھیلتی رہیں اور باوجودیکہ آپ کے پاس آنے والوں اور آپ کے پاس سے جانے والوں پر سخت نگرانی ہوتی تھی۔ آپ کی خدمت میں غلام اور آزاد افراد رات کی تاریکی میں چھپ کر آتے اور نتائج سے بے نیاز ہوکر اسلام قبول کرتے جن میں یہ لوگ شامل ہیں یعنی ابوذرؓغِفاریؓ، عمار بن یاسرؓ، ابوبکر بن قحافہؓ، ابوعبیدہ بن جراحؓ، عبداللہ بن اسد بن ہلال عرف ابوسلمہؓ، عبدمناف بن اسد عرف ابن ارقمؓ، عثمان بن مظعونؓ اور ان کے دونوں بھائی قدامہ بن مظعونؓ اور عبداللہ بن مظعونؓ، عبیدہ بن حارث بن مطلبؓ، صہیب مولیٰ عبداللہ بن جُدعانؓ، عمیر بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے علاوہ دوسرے سب ملاکر چالیس کے قریب افراد ہوتے تھے۔ نبی اکرمؐ نے ارقم بن ابی ارقمؓ کا مکان اپنے قیام کے لئے لے لیا تھا جہاں آپ لوگوں کو خفیہ طور پر اسلام کی طرف دعوت دیتے تھے۔ جب چالیس افراد ہوچکے تب عمر بن خطابؓ اسلام لائے جیسا کہ ہم ان کے اسلام لانے کے بیان میں بتائیں گے۔

ابوذرؓغِفاریؓ کا قبول اسلام

ابوذر اول اسلام لانے والوں میں سے تھے اور جیسا کہ بعض روایات بتاتی ہیں اللہ کے ماننے والے تھے، ان کا نام جندب تھا۔ رسول اللہؐ نے ان کا نام عبداللہ رکھ دیا تھا اور یہ نام ان کو اس نام سے زیادہ پسند تھا جا ان کی ماں نے رکھا تھا۔

ان کی حالات زندگی کے سلسلے میں راوی بیان کرتے ہیں کہ ابتداء میں یہ لوگوں کو راہ میں لوٹ لیا کرتے تھے اور جو چاہتے وہ مال ان سے رات دن اینٹھتے رہتے تھے۔ ان کو اس کام میں کوئی مانع نہیں تھا۔ اس زمانہ میں وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے خاص کر ایک بت کی جس کو ''منات'' کہتے تھے اور وہ ان کے قبیلے کا بت تھا۔ لیکن بتوں کی پرستش میں غرق رہنے اور اس کو باطل قرار دینے کی بجائے ان کے سامنے سرتسلیم خم کئے رہنے سے جو ایک عادت سی ہوگئی تھی ابوذر کے ذہن میں بعض اوقات ایسے خیالات ابھرتے تھے اور وہ اس کے بارے میں سوچ میں پڑ جاتے تھے۔

چنانچہ ان کے بارے میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ اپنے بت منات کے پاس دودھ لے کر حاضر ہوئے اور وہاں سے دور ہٹ گئے وہ سوچ ہی رہے تھے کہ یہ اس کے متعلق کیا کرے گا کہ اتنے میں ایک لومڑی دودھ کے برتن کی طرف جھپٹی اور جو کچھ اس میں تھا اس کو پی گئی۔ اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس نے بت پر پیشاب کردیا۔ اس واقعہ نے ان پر خاصا اثر کیا اور وہ اپنے اس معبود کے بارے میں سوچنے لگے کہ یہ اپنے آپ کو ایک لومڑی سے نہ بچا سکا تو ان دوسرے افراد کو کیسے بچائے گا جو اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس سے اپنی تکلیفیں اور پریشانیاں دور کرنے کی توقع کرتے ہیں۔

وہ مزید سوچتے رہے کہ یہ معبود جس کی میں پرستش کرتا ہوں ایک بے جان پتھر ہی تو ہے اس کو یہ قدرت کہاں سے حاصل ہے کہ اپنا ہاتھ ہلا کر ایک شریر جنگلی جانور کو جس نے اس کو اپنے پیشاب سے تربتر کرڈالا ہے اپنے پاس سے ہٹا سکے۔ غرضیکہ وہ اسی طرح سوچتے رہے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ سے یہ کہنے لگے:

''کیا معبود ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ لومڑیاں اس کے سر پر پیشاب کردیا کریں؟ یقیناً یہ ذلیل ہستی ہے جس پر لومڑیاں پیشاب کرتی رہتی ہیں کیونکہ اگر وہ خدا ہوتا تو اپنے آپ کو بچا سکتا۔ ایسے خدا میں کوئی خوبی نہیں جو اپنے مقصد ہی میں ناکام رہتا ہو۔ میں بتوں سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں جو سب کے سب باطل ہیں اور اللہ پر ایمان لاتا ہوں جو قوت والا ہے۔''

اس طرح وہ منات اور اس قسم کی پتھر اور لکڑیوں کی مورتیوں سے دست بردار ہوگئے جن کو نہ کسی معاملے میں قوت حاصل ہے اور نہ وہ اپنے آپ کو کتوں اور لومڑیوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ اُن کا دل و دماغ اس ذات پر مرکوز ہوگئے جس نے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کا شامیانہ نصب کیا، پانی برسایا اور تمام ذی حیات چیزوں کو خلق کیا، ان کا رزق مہیا کیا اور ہر ذی روح کو راہ ہدایت دکھائی۔ وہ اسلام سے کچھ عرصہ پہلے تک بتوں کو اور ان کی پرستش کرنے والوں کو برا کہتے رہے اور آسمانوں، زمیں اور تمام موجودات کے خلق ہونے کے بارے میں غور و خوض کرتے رہے یہاں تک کہ اس اللہ پر ایمان لے آئے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا، عمروں اور روزیوں کا مقرر کرنے والا، آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کو گردش میں رکھنے والا اور تمام موجودات کا پیدا کرنے والا ہے۔

یہ بھی ان ہی چیزوں پر ایمان لائے جن پر زید بن عمرو بن نفیل، ابن حویرث، ورقہ بن نوفل، عبدالمطلب بن ہاشم، ابوطالبؑ اور وہ تمام افراد جو بتوں اور مورتیوں کو ناقابل اعتناء سمجھتے تھے ایمان رکھتے تھے۔

ان کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن صلت غفاری سے کہا: اے بھتیجے میں رسول اللہؐ کے ساتھ ملاقات کرنے سے تین سال پہلے سے نماز پڑھا کرتا تھا۔ انہوں نے پوچھا: کس لئے۔ وہ بولے اللہ کے لئے اور میں اپنا رخ جس طرف اللہ کردیتا اسی طرف رکھتا تھا۔ میں رات میں نماز پڑھتا یہاں تک کہ جب صبح کا آخری وقت ہوتا تو میں اس طرح پڑ جاتا جیسے مجھ کو ڈھک دیا گیا ہے تا آنکہ آفتاب مجھ کو بیدار کرتا۔

انہوں نے کوشش کی کہ اپنی ماں رملہ اور اپنے بھائی انیس کو بھی اپنے عقیدہ کا اور بتوں کی پرستش کرنے والوں کی گمراہی کا قائل کردیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ذہن میں گھومنے والی دلیلیں اور ثبوت ان کے سامنے پیش کئے۔ وہ دونوں ان کے خلاف کچھ نہ کہہ سکے اور ان کے دلوں میں بتوں اور ان کی پرستش کے بارے میں شکوک پیدا ہوگئے تا آنکہ وہ ان سے روکش ہوکر اللہ پر ایمان لے آئے۔

ابوذر اپنی پاکیزہ فطرت کی بدولت جس نے ان کو حقیقت سے روشناس کرایا تھا اللہ کی عبادت کرتے رہے۔ نہ وہ کبھی پلٹے نہ انہوں نے پس و پیش کیا۔ وہ صرف اس چیز کی طرف جھکتے جس کو وہ حق، صحیح اور موافق انصاف سمجھتے۔ اسلام

کے بعد سے ان میں حق کے لئے سختی، مضبوطی اور گفتار کی سچائی پیدا ہوگئی جس کو ہر قریب و بعید شخص نے محسوس کرلیا۔ چنانچہ ان کی شان میں نبی اکرمؐ نے اپنا مشہور جملہ فرمایا:

ما اظلت الخضراء وما اقلت الغبراء من ذی لهجة اصدق من ابی ذر. گنبدِ آسمان کے نیچے اور سطح زمین کے اوپر کوئی شخص ابوذرؓ سے زیادہ سچ بولنے والا نہیں ہے۔

ابوذرؓ ایک مدت تک اپنے گھر والوں اور خاندان والوں میں ایک اللہ پر ایمان رکھتے بھی ہوئے رہتے رہے اور اپنی پاکیزہ فطرت کے سہارے جیسی تقدیس اور تعظیم کی طرف ان کا ذہن ان کی ہدایت کرتا رہا اسی طرح وہ اللہ کی عبادت کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی قوم کا ایک شخص ان کے پاس آیا جس نے نبی اکرمؐ کی مکہ میں دعوت اسلام کی خبر سنی تھی۔ اس نے ان سے کہا کہ اے ابوذر مکہ میں ایک شخص ہیں جو تمہاری طرح سے باتیں کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ وہ نبی ہیں۔ وہ لوگوں کو اللہ کی دعوت دیتے ہیں۔ اس پر ابوذر کے گویا جان میں جان آ گئی اور ان کا ذہن منور ہوگیا وہ فوراً اس شخص کی دی ہوئی خبر کے متعلق معلومات حاصل کرنے پر تیار ہوگئے کہ کس چیز کی دعوت دی جارہی ہے۔ انہوں نے فوراً اپنے بھائی انیس کو مکہ بھیجا اور ہدایت کردی کہ جلدی معاملات حاصل کرکے واپس آئیں تاکہ ان کو آنحضرتؐ کے بارے میں معلومات سے اطمینان ہوسکے۔ چنانچہ ان کے بھائی نے یہ کام کرڈالا اور ہر قریب و بعید شخص سے آنحضرتؐ کے بارے میں خبریں سنیں۔

اب وہ اپنے بھائی کے پاس واپس آگئے تاکہ جو کچھ سنا اور دیکھا اس کو اپنے بھائی سے بیان کردیں۔ انہوں نے ان سے کہا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ برائی، سرکشی، قابل نفرت چیزوں اور بے راہ روی سے منع کرتے ہیں۔ وہ ایک اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں جس کا نہ کوئی شریک ہے نہ مثل ہے۔ وہ بتوں اور ان کی پرستش کو قابل حقارت سمجھتے ہیں۔ ان فقروں کا ابوذر کے دل پر بہت اچھا اثر ہوا کیونکہ یہ ان کے ضمیر کی آواز اور ان کے خیالات و تصورات کے عین مطابق تھا۔ چنانچہ انہوں نے بذات خود مکہ جانے کا فیصلہ کیا تاکہ اس عظیم شخص کے بارے میں واقفیت حاصل کریں جو عوام الناس کا مرکز گفتگو بنے ہوئے تھے۔ ان کی ماں اور ان کے بھائی بھی ان کے ساتھ نجد کی طرف روانہ ہوئے تاکہ وہاں اپنے ماموؤں سے مل کر مکہ مکرمہ چلے جائیں جہاں حضرت محمدؐ، اللہ کی طرف دعوت دے رہے تھے۔

جب یہ لوگ مکہ پہنچے تو ان کی ماں اور بھائی شہر سے باہر ہی ٹھہر گئے اور وہ خود تنہا مکہ میں داخل ہوکر اس کی گلیوں میں گھومنے لگے تاکہ لوگوں سے معلوم کریں کہ یہ محمدؐ کون ہیں؟ وہ لوگوں سے مل جل کر ان کی باتیں سنتے رہے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا اور رات کی تاریکی چھاگئی اور خانۂ کعبہ بھی آنے والوں سے خالی ہوگیا۔ ابھی وہ اپنے معاملے میں حیران و سرگرداں ہی تھے کہ اتنے میں ایک جوان شخص خانۂ کعبہ کا طواف کرنے کے لئے آئے اور ان کے پاس سے گزرے اور انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں بنی غفار سے ہوں۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ اٹھو اور قیام گاہ چلو۔ وہ کھڑے ہوکر ان کے ساتھ ان کے گھر چل پڑے اور کسی نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں پوچھی۔ صبح کو ابوذر اپنی مقصد براری کے لئے نکلے اور سارا دن اس شخص کے متعلق خبریں معلوم کرتے رہے جس کے

لئے وہ آئے تھے لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ البتہ ان کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوا کہ کسی سے ان کے متعلق دریافت کریں۔ آج پھر امام علیؑ کا گزر ان کی طرف سے ہوا تو انہوں نے کہا کہ کیوں نہ قیام گاہ چلو۔ ابوذرؓ ان کے ساتھ چل دیئے اور رات وہیں بسر کی لیکن کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہیں پوچھا۔ تیسرے روز ابوذرؓ نے امام علیؑ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جو لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینے نکلا ہے اور ان سے وعدہ لیا کہ وہ ان کا معاملہ راز میں رکھیں گے۔ اس پر امام علیؑ نے کہا کہ میں ان ہی کی خدمت میں جارہا ہوں تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ اگر میں تمہارے لئے کوئی خطرے کی چیز دیکھوں گا تو میں اس طرح ٹھہر جاؤں گا گویا پانی بہا رہا ہوں۔ اگر میں کسی کو نہ دیکھوں تو میرے پیچھے چلتے رہنا تا آنکہ تم بھی اسی طرح داخل ہوجانا جیسے میں داخل ہوں۔ پس انہوں نے امام علیؑ کے مشورے کے مطابق عمل کیا اور ان کے پیچھے پیچھے نبی اکرمؐ کی خدمت میں جا پہنچے۔ اب انہوں نے آنحضرتؐ کو اپنے متعلق بتایا اور آپ کی گفتگو سن کر اسلام قبول کیا۔ پھر کہا: یارسول اللہؐ! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ نبی اکرمؐ نے فرمایا: میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی قوم والوں میں واپس جاؤ تا آنکہ میرا حکم پہنچے۔ اس پر ابوذر نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں واپس نہ جاؤں گا تاوقتیکہ اپنے اسلام کا خانۂ کعبہ میں اعلان نہ کرلوں۔

اس کے بعد وہ قریش کو للکارتے ہوئے خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے اور پورے زور سے چیخ کر بولے: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اس پر قریش ان پر جھپٹ پڑے اور کہنے لگے کہ یہ شخص بے دین ہوگیا ہے۔ ان کو اتنا مارا کہ وہ گر پڑے۔ عباس بن عبدالمطلب نے آکر ان کو بچایا اور ان کے ہاتھوں سے چھڑا کر کہنے لگے: اے گروہ قریش! تمہاری تجارت کا راستا بنی غفار سے ہوکر گزرتا ہے۔ اگر ان کے ساتھ برا سلوک کروگے تو وہ تم کو راہ میں لوٹ لیا کریں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے دوسرے روز پھر اپنے اسلام کے اعلان کو اور آنحضرتؐ کی رسالت کو دہرایا اور پھر پہلے روز کی طرح عباس نے ان کو ان لوگوں کے ہاتھوں سے چھڑایا۔ اور ان کو بنی غفار کے بدلہ لینے سے ڈرایا کیونکہ ان کو اپنی شام کی طرف تجارت کے لئے بنی غفار سے ہوکر گزرنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد ابوذرؓ، نبی اکرمؐ سے رخصت ہوئے لیکن قریش اور ان کے پُرغرور رویہ سے سخت برہم تھے۔ وہ عسفان پر ٹھہر گئے یہاں تک کہ قافلوں نے گزرنا شروع کیا۔ چنانچہ جونہی قریش کا کوئی قافلہ نمودار ہوتا یہ اس کے سدراہ ہو جاتے تا آنکہ وہ کہیں: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ جو کوئی یہ کہہ دیتا وہ اس کو جانے دیتے اور جو کوئی انکار کرتا اس کو سزا اور اذیت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

ابن سعد کی طبقات الکبریٰ میں ہے کہ ابوذرؓ قریش اور ان کی تجارت کے ساتھ اپنے اسی طرز عمل پر قائم رہے یہاں تک کہ رسول اکرمؐ نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ پھر جب آنحضرتؐ اور مشرکین کے مابین بدر اور احد کی جنگیں ہوئیں اور ان کی وساطت سے بنی غفار اور دیگر افراد نے اسلام قبول کیا تو ابوذرؓ، رسول اکرمؐ سے وابستہ ہوگئے اور زندگی بھر آنحضرتؐ کے ساتھ وابستہ رہے۔ چنانچہ بیشتر معرکوں اور دوسرے موقعوں پر آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ رہے۔ وہ اپنے اعمال

میں ایسے خلوص کے ساتھ اسلام کے وفادار رہے کہ کسی کے ساتھ رعایت نہ کرتے تھے خواہ اپنے لحاظ سے کسی مرتبے یا رنگ کا ہو۔ وہ باطل اور اہل باطل سے برسر پیکار رہے۔ اپنی گفتار اور ایمان میں سچے تھے یہاں تک کہ رسول اللہؐ نے ان کے بارے میں وہ فقرہ فرمایا جو راویوں اور محدثوں میں مشہور چلا آ رہا ہے کہ ''گنبد آسمان کے نیچے اور سطح زمین کے اوپر کوئی شخص ابوذرؓ سے زیادہ سچ بولنے والا نہیں ہے۔''

ابوذر اسلام سے روکش رہنے والوں سے برسر پیکار رہتے تھے۔ اپنے زمانہ کے حکام سے غلاموں کے حالات کے بارے میں طالب انتقام رہتے تھے نیز اس وجہ سے بھی کہ عثمان بن عفان نے مروان بن حکم، حرث بن حکم اور زید بن ثابت کو حد سے زیادہ عطیہ جات دلوائے تھے اور مسلمانوں کا مال بے دریغ خرچ کر ڈالا تھا اسی کے ساتھ بنی امیہ اور مروانیوں کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا تھا جو لوگوں کے مال اور آبرو سے کھیلتے رہتے تھے اور علانیہ حرام افعال کے مرتکب ہوتے رہتے تھے۔ ابوذر ان حرکات کو طشت ازبام کرتے رہتے تھے۔ ان میں ملوث افراد سے جنگ پر تیار رہتے تھے۔ وہ ان لوگوں کو بھرے مجمع میں برا کہتے تھے اور لوگوں کے ذہنوں کو ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے اللہ کا قول یاد دلاتے رہتے تھے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ○

''ان لوگوں کو جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تکلیف دہ عذاب سے آگاہ کر دیجئے۔'' (سورۂ توبہ: آیت ۳۴)

ان لوگوں کے لئے جو عوام کے مال سے کھیلتے رہتے تھے ایسی آواز کا سننا ناگوار ہوتا تھا جو ان کے اعمال اور کرتوتوں پر نکتہ چینی کرے۔ چنانچہ مروان بن حکم نے عثمان بن عفان سے ان کی شکایت کی تو انہوں نے اپنے غلام کے ذریعے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ خاموشی اختیار کریں اور ان کو دھمکی دی کہ اگر وہ اپنے طریق عمل پر رہیں گے تو سزا پائیں گے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ کیا عثمان مجھ کو قرآن پڑھنے سے اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو برا کہنے سے روکتے ہیں؟ قسم بخدا میرے لئے عثمان کو خفا کر کے اللہ کی رضا حاصل کرنا زیادہ محبوب اور بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ میں عثمان کو خوش کر کے اللہ کا غصہ حاصل کر لوں۔

ان کی اس بات کی یہ خبر پھیلی تا آنکہ عثمان تک پہنچ گئی۔ انہوں نے ان کو بلا بھیجا اور ان کو لالچ دلانا چاہا لیکن اس میں کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ تب انہوں نے ان کو شہر بدر کر کے شام بھیج دیا تاکہ وہ معاویہ اور ان کے افسروں کی نگرانی میں رہیں۔

معاویہ نے ان کے اوپر بہلانے پھسلانے نیز ڈرانے دھمکانے کے سب ہی طریقے استعمال کر ڈالے لیکن شام میں بھی ان کا موقف مدینہ کے موقف سے کسی طرح نرم نہیں ہوا۔ ابوذر برابر عوام الناس کے سامنے کھڑے ہوتے گو حکام وقت کی تلواریں ان کے سر پر کھینچی رہتیں لیکن وہ کہتے رہے کہ قسم بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ حق کی روشنی کو بجھایا جا رہا ہے،

باطل کو حیات بخشی جارہی ہے، سچے کو جھٹلایا جارہا ہے، تقوے کے بغیر فضیلت دی جارہی ہے اور نیکوکار کا استحصال کیا جارہا ہے۔ ابوذر کے یہ کلمات اور چیخ و پکار عوام الناس میں اس طرح پھیل گئیں جیسے خشک گھاس پھوس میں چنگاری اور معاویہ کو یقین ہوگیا کہ ان کا شام میں موجود رہنا اموی حکومت کے لئے ایسا خطرہ ہے جس کی تلافی ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے عثمان کو ان کی شکایت لکھ بھیجی اور ان کو ابوذر کے ان شہروں میں موجود رہنے سے ڈرایا کیونکہ بہت ممکن تھا کہ عوام الناس ان کے ساتھ ہو جائیں۔

اس پر عثمان نے ان کو لکھا کہ جونہی تم کو میرا یہ خط ملے تم جندب (ابوذر) کو بدترین سواری پر بٹھا کر میرے پاس روانہ کردو۔ پس معاویہ نے ان کو زنجیروں میں جکڑ کر اپنے خاص آدمیوں کے ساتھ بھیج دیا اور ان لوگوں کو ہدایت کردی کہ رات ہو یا دن اُن پر کسی قسم کی نرمی نہ کریں۔ چنانچہ جب وہ مدینہ پہنچے تو مشقت کے باعث ان کی رانوں پر سے گوشت گر گیا تھا۔

جب وہ عثمان کے سامنے حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا کہ اے جندب! اللہ تم کو کسی نعمت سے بہرور نہ کرے۔ اس پر ابوذرؓ نے ان سے کہا کہ میں ہوں تو جندب لیکن رسول اللہؐ نے میرا نام عبداللہ رکھ دیا ہے اور میں نے اپنے نام کے بجائے رسول اللہؐ کا دیا ہوا نام اختیار کرلیا ہے۔ اب عثمان بولے کہ تم ہی وہ شخص ہو جو ہمارے بارے میں یہ خیال کرتے ہو کہ ہم کہتے ہیں: یَدُاللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ، اور اِنَّ اللّٰہَ فَقِیْرٌ وَنَحْنُ اَغْنِیَاءُ. ''اللہ کا ہاتھ بھنچا ہوا ہے اور اللہ بے مایہ ہے جبکہ ہم لوگ صاحبان ثروت ہیں۔'' اس پر ابوذرؓ نے کہا کہ اگر تم ایسا نہیں سمجھتے تو تم کو خدا کا دیا ہوا مال اس کے بندوں پر خرچ کرنا چاہئے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اکرمؐ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جب بنی عاص کی تعداد تیس افراد تک ہو جائے گی تو وہ اللہ کے مال کو آپس میں ایک دوسرے میں دیتے رہیں گے اور اس کے بندوں کو محروم رکھیں گے اور اللہ کے دین میں دخل انداز ہوں گے۔ اس پر ان دونوں کے درمیان بات بڑھ گئی۔ ابوذر سخت ہوتے چلے گئے اور ظلم اور سرکشی نمایاں کرنے اور حاکموں کی اس جماعت کو برا کہنے پر اڑے رہے جو عثمان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا رہی تھی کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور ماننے والوں کے ساتھ نرم دلی سے کام لیتے تھے، اللہ کے دین اور اس کے بندوں کے حقوق سے بے اعتنائی برتتے تھے۔

جب ان لوگوں کو ابوذر کے خاموش رکھنے کا کوئی طریقہ نظر نہ آیا تو عثمان کو دو صورتوں میں سے کوئی ایک اختیار کرنا رہ گیا کہ ان کو قتل کردیں یا جلاوطن کردیں۔ لیکن انہوں نے دیکھا کہ ان کو قتل کرنے سے مسلمانوں کو غصہ آجائے گا اور عوام میں انتقامی جذبہ بھڑک اٹھے گا کیونکہ سب لوگ ابوذر کو مقدس ہستی مانتے تھے اور اس خاص قربت سے واقف تھے جو اُن کو رسول اللہؐ سے حاصل رہی تھی کیونکہ لوگوں نے بارہا آنحضرتؐ کو مختلف موقعوں پر ان کی تعریف کرتے سنا تھا۔

ایسی صورت میں ان کو شہروں اور دارالحکومت سے جلاوطن کرکے کسی غیرآباد مقام پر بھیج دینا ضروری تھا۔ ساتھ ہی انہوں نے لوگوں کو ان سے ملاقات کرنے یا رابطہ قائم کرنے سے بھی منع کردیا۔ جب یہ فیصلہ ٹھہرا تو ان لوگوں نے ان کے لئے ربذہ کو منتخب کیا تاکہ وہی ان کا مسکن بنے اور وہی ان کا مدفن قرار پائے اور ان کی مرضی کے خلاف ان کو مع ان کی بیوی اور بیٹی کے وہاں پہنچا دیا۔ چنانچہ وہ تاحیات تنہا اور اجنبی کی حیثیت سے ایسے مقام پر پڑے رہے جہاں انسان آباد نہ تھے

بلکہ پرندے اور جانور تک نہ تھے تا آنکہ ان کی موت واقع ہوگئی۔ تب اللہ کی قدرت سے وہاں عراق کے کچھ لوگ آ پہنچے جو حج بیت اللہ کے لئے جا رہے تھے۔ ان کی بیوی کے اشارے پر وہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان میں مالک اشتر نخعی بھی تھے۔ ان لوگوں کی حیرت و پریشانی کی حد نہ رہی جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ میت اس بزرگ صحابی کی ہے جن کو رسول اکرمؐ عظیم قرار دیتے تھے اور ان کو بیشتر دوسرے صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔ ان لوگوں نے ان کے غسل کا اور دفن کا اہتمام کیا۔ اس طرح ان کے بارے میں رسول اکرمؐ کا یہ قول صحیح ثابت ہوگیا کہ ''اے ابوذر تم تنہائی میں زندگی گزارو گے، تنہائی میں مرو گے اور تنہائی میں دفن کئے جاؤ گے۔

عمارؓ بن یاسرؓ کا قبول اسلام

ابوذرؓ اور عمارؓ بن یاسرؓ تبلیغ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تقریباً ساتھ ہی ساتھ اسلام لائے تھے۔ اس زمانہ میں نبی اکرمؐ کار تبلیغ کو خفیہ رکھے ہوئے تھے اور آنحضرتؐ نے اس کام کے لئے ارقم کا گھر مخصوص کرلیا تھا۔ چنانچہ مسلمان وہاں چھپ چھپ کر برابر یکے بعد دیگرے آتے رہتے تھے اور آنحضرتؐ ان کی ہدایت فرماتے تھے کہ صبر کئے رہیں اور قریش کے ظالم اور خودسر لوگوں سے اپنے آپ کو خفیہ رکھیں۔

عمارؓ کے حالات زندگی کے بارے میں آیا ہے کہ ان کا نسب مذحج پر منتہی ہوتا ہے۔ وہ یمنی الاصل تھے۔ ان کے والد یاسر بن عامر اپنے بھائیوں حارث اور مالک کے ساتھ ایک اور بھائی کی تلاش میں جو مفقود الخبر ہوگئے تھے مکہ آئے تھے۔ ان کے بھائی حارث اور مالک واپس چلے گئے تھے البتہ وہ خود اور ان کے والد مکہ ہی میں رہ گئے تھے۔ یہاں وہ حذیفہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم کے حلیف ہوگئے۔ حذیفہ نے ان کی تزویج اپنی کنیز سے کردی جو سمیہ بن خیاط کہلاتی تھی۔ اس سے عمارؓ پیدا ہوئے۔ تب حذیفہ نے ان کو آزاد کردیا۔ عمارؓ کے والد یاسرؓ اپنی موت تک حذیفہ ہی کے پاس رہتے رہے۔

جب حضرت محمدؐ نے اسلام کی دعوت دینا شروع کی تو یہ گھرانہ فوراً دائرۂ اسلام میں داخل ہوگیا۔ انہوں نے اپنے اسلام میں خلوص کا ثبوت دیا اور اس کی راہ میں تمام قسم کی تکلیفوں پر صبر کیا۔

ان کے اسلام لانے کے بارے میں ان کے بیٹے محمد بن عمار سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ جب میں نبی اکرمؐ کی بابت سننے کے لئے ارقم کے مکان پر پہنچا تو دروازے پر میری ملاقات صہیب بن سعفان سے ہوگئی جو اجازت ملنے کا انتظار کررہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں محمدؐ سے مل کر ان کی باتیں سننا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ میرا بھی یہی ارادہ ہے۔ پس ہم دونوں نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے ہم کو اسلام سے روشناس کیا اور ہم نے اسلام قبول کرلیا۔ اس روز ہم سارا دن آنحضرتؐ کی خدمت میں رہے تا آنکہ شام ہوگئی تب ہم دونوں وہاں سے نکلے لیکن قریش اور ان کے پیروؤں کے ڈر سے ہم اپنا معاملہ چھپائے رہے۔

جب عمارؓ اور ان کے باپ، ماں اور دوسرے غلاموں اور کمزوروں کا معاملہ آشکارا ہوگیا تو قریش نے ان کو ایذائیں دینے اور

تکلیفیں پہنچانے کی ٹھان لی تا کہ وہ دوسروں کے لئے عبرت بنیں۔ چنانچہ ابوجہل مشرکوں میں سے کچھ افراد کو لے کر یاسرؓ کے گھر پہنچا۔ وہاں ان لوگوں نے آگ جلائی اور عمارؓ اور ان کے والدین کو طوق پہنائے۔ پھر ان کو بھالوں، برچھیوں، نیزوں کی نوکوں اور کوڑوں سے ہنکاتے ہوئے لے چلے یہاں تک کہ مکہ کی بڑی وادی میں پہنچ گئے۔ اب ان کو مارنا شروع کیا تا آنکہ ان کا خون بہنے لگا۔ پھر ان کے سینوں، ہاتھوں اور پیروں پر انگارے رکھ دیئے۔ ان کے سینوں پر بھاری پتھر رکھ دیئے اور اسی قسم کی تکلیفیں اور ایذائیں دیتے رہے۔ اس ظلم کے باوجود وہ سب صبر اور اطمینان پر قائم رہے۔ جب عمارؓ اور ان کے باپ اور ماں کو وادی مکہ میں کوڑوں اور آگ سے ایذائیں دی جارہی تھیں نبی اکرمؐ ادھر سے گزرے۔ جب مارنے والے تھک گئے تو ہر شخص پر ایک ایک پتھر رکھ کر ان کو کمر کے بل لٹا کر اور چہرے صحرا کے تپتے ہوئے آفتاب کی طرف کر کے چھوڑ گئے۔ نبی اکرمؐ نے ان کے لئے کشائش کی دعا فرمائی اور ان کو جنت کی خوشخبری دی۔ پھر آپؐ نے عمارؓ سے فرمایا کہ تم کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ آنحضرتؐ نے یہ جملہ دوسرے موقعوں پر بھی ارشاد فرمایا جس کا ذکر آئندہ فصلوں میں آئے گا۔

سمیہ نے بلند آواز سے رسول اللہؐ سے کہنا شروع کیا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور آپ کا وعدہ سچا ہے۔ اب ان جلادوں نے پھر ان لوگوں کو گرم کئے ہوئے لوہے سے مارنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ لوگ غش کھا کر گر گئے۔ جب ان کو غش سے افاقہ ہوا تو ان لوگوں نے پھر ان پر وہی عمل دھرایا لیکن وہ اللہ کے ذکر سے باز نہ آئے۔

ابوجہل کو ان پر بہت غصہ آیا اور وہ سمیہ پر چیخا کہ تجھ کو ہمارے خداؤں کو اچھے الفاظ سے یاد کرنا ہوگا اور (حضرت) محمدؐ کو برا کہنا ہوگا ورنہ تم کو مرنا ہوگا۔ وہ بولیں تجھ پر اور تیرے خداؤں پر تباہی آئے۔ اس پر اس نے بے تحاشہ ان کے پیٹ پر لاتیں ماریں۔ انہوں نے پھر اس کو اور اس کے خداؤں کو برا کہنا شروع کیا۔ اس پر اس نے ان کے اندام نہانی پر برچھی سے جو اس کے ہاتھ میں تھی مارنا شروع کیا اور ان کے جسم کے اسی حصے پر ایسے وحشیانہ طریقہ پر برابر مارتا رہا جس کی نظیر ملنا مشکل ہے یہاں تک کہ وہ وفات پا گئیں۔ چنانچہ وہ آنحضرتؐ اور آپ کی تبلیغ کی راہ میں پہلی خاتون شہید ہیں۔ ان سے فارغ ہونے کے بعد ان کے شوہر یاسر کی طرف متوجہ ہوا جو لوہے میں جکڑے ہوئے تھے۔ برہنہ تھے اور آفتاب کی گرمی ان کو جھلسائے ڈال رہی تھی۔ ان کو بھی اس نے پیٹ پر لاتیں مارنا شروع کیں یہاں تک کہ وہ بھی مر گئے۔ اس کے بعد وہ لوگ عمارؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو ایسی وحشیانہ ایذائیں دینے لگے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ ان کو مجبور کر دیا کہ وہ ان کے خداؤں کو اچھا کہیں اور آنحضرتؐ کا ذکر ان کی مرضی کے مطابق کریں۔ تب جا کر ان لوگوں نے ان کا پیچھا چھوڑا۔ تب وہ روتے ہوئے نبی اکرمؐ کی خدمت میں پہنچے۔ نبی اکرمؐ ان سے ان کی ماں اور ان کے باپ کے مرجانے پر تسلی اور تعزیت فرمانے لگے لیکن وہ برابر روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ یارسول اللہؐ! مجھ کو ان لوگوں نے جب ہی چھوڑا ہے جب مجھ کو اتنا مجبور کیا کہ میں نے آپ کی شان میں برے الفاظ کہے اور ان کے خداؤں کی تعریف کی۔ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اے عمار! تم اپنے دل میں کیا محسوس کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: یارسول اللہؐ! اپنے

ایمان پر بالکل مطمئن ہوں۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اگر وہ پھر تمہارے پاس آئیں تو تم پھر وہی کرنا جو وہ چاہتے ہوں کیونکہ اللہ نے تمہارے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی ہے کہ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ''سوائے اس کے جس کو مجبور کردیا جائے حالانکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔'' (سورۂ نحل: آیت ۱۰۶)

عمارؓ اس موت سے بچ گئے جو ابوجہل، ابوسفیان، ابولہب اور ان دوسرے قریشی ظالموں اور سرکشوں کے ہاتھوں ان کے والدین کو نصیب ہوئی تھی جو کمزوروں، غلاموں اور بے مایہ افراد کو اسی طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دیتے رہے تھے جیسی عمارؓ کے والدین کو دی تھیں اور ان میں سے بعض مرجاتے تھے۔ البتہ قدرت کو یہ منظور تھا کہ عمارؓ محفوظ رہیں تا کہ تاریخ اسلام میں بہادری اور قربانی کی مثال بن جائیں اور اُن مسلمانوں میں بلند حیثیت اختیار کرلیں جو دین اور عقیدہ کی راہ میں جہاد و جنگ کرتے رہے۔ جس طرح انہوں نے اپنی زندگی اللہ کی راہ میں جہاد سے شروع کی تھی اسی طرح ان کی زندگی ایک باغی جماعت کے ہاتھوں شہید ہوکر ختم بھی ہوئی۔

عمارؓ حضرت محمدؐ کی دعوت اسلام شروع ہونے سے پہلے سے آنحضرتؐ کے سرگرم دوست تھے۔ آنحضرتؐ کی تمام صفات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جیسے جیسے وقت گزرتا گیا وہ آنحضرتؐ میں نئی سے نئی صفت پاتے رہے۔ جب آنحضرتؐ نے ان کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی تو یہ خود، ان کے باپ، ان کی ماں تیزی سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔ یہ رسول اللہؐ کے ساتھ زندگی بھر اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بھی اسلام سے وفادار رہے اور دولت کے خرچ کرنے اور دینے میں سخی رہے۔ جب دیکھتے کہ باطل ان پر چڑھا آرہا ہے تو نہ نرم پڑتے نہ اس کے سامنے جھکتے۔ جب حق سے روگردانی دیکھتے تو حق کی طرف قائم رہتے۔ خواہ ساری دنیا باطل اور باطل والوں کے ساتھ ہو۔ ان کے بارے میں رسول اللہؐ کی دی ہوئی یہ خبر بالکل صحیح تھی کہ عمارؓ حق کے ساتھ ہے اور حق عمارؓ کے ساتھ۔ وہ اس کے ساتھ گھوم جائیں گے جیسے وہ گھومے گا۔ ان کے حق پر سختی سے قائم رہنے کی بدولت مسلمانوں سے بھی ویسا ہی سلوک ملا جیسا کہ مکہ کے مشرکوں سے ملا تھا کیونکہ یہ ان لوگوں کی زیادتیوں اور اُن حرکتوں پر تنقید کرتے رہتے تھے کہ یہ لوگ خلیفہ کے اردگرد لگے رہنے والے افراد کے اور خلیفہ کے خاندان والوں اور رشتہ داروں کے فائدے کے لئے عوام کا مال ہڑپ کرتے رہتے تھے۔

چنانچہ شرح نہج البلاغہ میں ہے کہ جب عثمان کے عہد خلافت میں ایسے واقعات کی کثرت ہوگئی تو عمارؓ بن یاسرؓ ان طریقوں کے خلاف آواز اٹھانے والوں میں سے تھے جن میں لوگ رسول اللہؐ کی سنت اور پیشرو خلفاء کی سیرت سے روگرداں ہوگئے تھے۔ اس وقت مدینہ کے بیت المال میں کچھ زیورات اور جواہر تھے۔ عثمان نے ان کو لے کر اپنے گھر والوں اور اپنی عورتوں کو دے دیا۔ اس پر لوگوں نے ان کو مطعون کیا اور ان سے اس کے بارے میں سخت کلامی کی یہاں تک کہ وہ غصہ سے بپھر گئے۔ تب انہوں نے لوگوں کے سامنے تقریر کی جس کے دوران انہوں نے کہا کہ ہم اس غنیمت میں سے اپنی خواہش کے مطابق لیں گے خواہ ہر طرف کے لوگ ناک بھوں چڑھاتے رہیں۔ اس پر امام علیؑ نے ان سے کہا کہ تم اس سے روک دیئے جاؤ گے اور تمہارے اور اس مال کے درمیان ایک حائل کھڑ ہوجائے گا۔ عمارؓ نے ان سے کہا کہ میں اللہ کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ اس پر سب سے پہلے میری ناک چڑھے گی۔

عثمان کہنے لگے کہ اے ابن یاسر کیا علیؑ کی وجہ سے یہ جرأت کررہے ہو؟ پھر اپنے غلاموں سے بولے کہ ان کو پکڑ کر لاؤ۔ وہ لوگ ان کو پکڑ کر عثمان کے پاس لے آئے اور ان کو مارتے رہے یہاں تک وہ غش کھا کر گر گئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ غلاموں نے ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کھینچے رکھا اور عثمان اس کو اپنے جوتوں سمیت لاتوں سے ان کے فوطوں پر مارنے لگے یہاں تک کہ ضربات کی کثرت سے ان کے فوطوں میں آنت اتر آئی۔ وہ بہت بوڑھے تھے اس لئے ان کو غش آ گیا۔ تب لوگ ان کو اٹھا کر ام المومنین ام سلمہ کے گھر پہنچا آئے۔ وہ دن بھر بیہوشی کے عالم میں رہے۔ جب نماز ظہرین اور مغرب کا وقت گزر جانے کے بعد ان کو ہوش آیا تو انہوں نے وضو کیا اور جو نمازیں چھوٹ گئی تھیں ان کی قضا پوری کی۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ یہ پہلا دن نہیں ہے کہ ہم کو اللہ کی راہ میں اذیت دی گئی ہے۔

جب عائشہ کو ان کے متعلق خبر پہنچی تو انہوں نے رسول اکرمؐ کا ایک بال، ایک جوتا اور ایک پہننے کا کپڑا نکال کر کہا کہ تم لوگوں نے کتنی جلدی سنت رسولؐ کو ترک کردیا حالانکہ یہ ان کا بال، لباس اور جوتا ابھی بوسیدہ بھی نہیں ہوا ہے۔

عمارؓ اپنے اس طریقے پر گامزن رہے جو قرآن کی ہدایات اور رسول اکرمؐ کی سنت اور سیرت کے مطابق تھا یہاں تک یہ وہ صفین میں اس باغی جماعت کے ہاتھوں مارے گئے جس کے سرغنہ معاویہ بن ابوسفیان تھے۔ ان کے بارے میں رسول اللہؐ کا یہ قول سچ تھا جو آنحضرتؐ نے اس وقت فرمایا تھا جب آنحضرتؐ مدینہ میں مسجد نبوی کی تعمیر فرما رہے تھے اور عمارؓ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے:

لا یستوی من یعمر المساجدًا　　　یدأب فیھا قائمًا وقاعدًا

ومن یریٰ عن الغبار حائدًا

''وہ شخص جو مسجد تعمیر کررہا ہے تاکہ اس میں قیام وقعود کیا کرے اور وہ شخص جو گرد وغبار کے ڈر سے دور کھڑا تکتا رہتا ہے برابر نہیں ہوسکتے۔''

اس پر عثمان کو یہ خیال ہوا تھا کہ عمارؓ ان پر چوٹ کررہے ہیں اس لئے وہ بولے اے پسر سمیہؓ میں خوب سن رہا ہوں جو تم کہہ رہے ہو۔ قسم بخدا! میں یہ ڈنڈا تمہاری ناک پر دے ماروں گا۔ رسول اکرمؐ نے یہ سنا تو فرمایا کہ ان لوگوں کے اور عمارؓ کے درمیان کیا ہو رہا ہے؟ عمارؓ ان کو جنت کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور وہ لوگ ان کو جہنم کی طرف بلا رہے ہیں۔ عمارؓ وہ ہیں کہ ان کی حیثیت میری آنکھوں اور ناک کے درمیانی حصہ کی مانند ممتاز ہے۔

اسی طرح ان کے بارے میں رسول اکرمؐ کا یہ قول بھی سچ ہے کہ یہ اپنے سر سے گرد جھاڑ رہے تھے اس وقت آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ مبارک ہو عمار کو کہ انہیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی اور آنحضرتؐ کا یہ قول کہ جس کسی نے عمار سے دشمنی کی اس نے اللہ سے دشمنی کی۔ بے شک عمار اپنے پیروں کے تلووں تک ایمان سے بھرے ہوئے ہیں۔

اللہ کی راہ میں ایذائیں دیئے جانے والوں میں حضرت رسول اکرمؐ کے موذن بلالؓ بن رباح حبشی بھی ہیں۔ یہ امیہ بن خلف کے غلام تھے اور یہ شروع ہی میں کمزوروں، غلاموں اور بے مایہ افراد کے ساتھ تیزی سے اسلام میں داخل

ہوگئے تھے۔ ان کو مکہ کے کسی باشندے سے کوئی نسبتی تعلق حاصل نہیں تھا کہ وہ ان کو ظالم قریش سے بچاتا۔ چنانچہ ان کے آقا امیہ نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ آنحضرتؐ کی دعوت حق کو ترک کردیں لیکن انہوں نے انکار کردیا۔ اس پر اس نے حکم دیا کہ ان کو پکڑ کر جب آفتاب کی گرمی شدت اختیار کرلے برہنہ کرکے تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا جائے اور ان کو اتنے کوڑے مارے جائیں کہ یہ بیہوش ہو جائیں۔ پھر ان کے سینے پر ایک بڑا پتھر رکھ دیا جائے۔ امیہ ان سے کہتا تھا کہ اے برائی کے پرستار تمہارا یہی حال کیا جاتا رہے گا تاآنکہ تم مرجاؤ۔ ورنہ تم محمدؐ کو چھوڑ دو اور لات اور عزیٰ کی پرستش پر پلٹ آؤ۔ پھر جب وہ برہنہ پڑے ہوتے اور ان کے سینے پر پتھر رکھا ہوتا تو وہ ان کے پیچھے لونڈوں کو لگا دیتا۔ ان میں سے ہر ایک ان کے اعضاء پکڑ کر اپنی اپنی طرف کھینچتا تھا۔ اس سے ان کو ایسی تکلیف ہوتی تھی گویا ان کے اعضاء کٹ جائیں گے لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کے علاوہ کسی سے فریاد نہیں کرتے تھے۔ پھر امیہ چند مشرکوں کو لے کر آجاتا اور یہ لوگ ان کے جسم پر انگارے رکھ کر کوڑے مارتے یہاں تک کہ وہ پھینکی ہوئی لکڑی کی مانند ہو جاتے۔ جب ان کو افاقہ ہوتا وہ لوگ پھر وہی کرتے۔ وہ لوگ یہ چاہتے تھے کہ وہ آنحضرتؐ کے دین سے پلٹ جائیں اور لات وعزیٰ کا ذکر کرنے لگیں۔ لیکن وہ اللہ کے سوا کسی کا ذکر نہ کرتے تھے اور نہ کسی اور سے دادرسی چاہتے تھے۔

امیہ ان کی اس برداشت پر تعجب کرکے جو انسان کی طاقت سے بلند تر تھی کہنے لگا اے بلالؓ ہمارے خداؤں کو اچھا کہا کرو تاکہ ہم تمہارے اوپر سے یہ اذیتیں ہٹالیں اس پر انہوں نے جواب دیا کہ میری زبان اس پر آمادہ نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اسی طرح ان کے ہاتھوں میں اذیتوں اور تکلیفوں کا شکار بنتے رہے یہاں تک کہ ایک روایت کے مطابق ابوبکر نے آکر ان کو ان لوگوں سے خرید لیا۔

جب قریش نے ابوجہل اور امیہ بن خلف کا عمارؓ اور بلالؓ کے ساتھ سلوک دیکھا تو وہ بھی اپنے اپنے غلاموں کی طرف متوجہ ہوئے جو آنحضرتؐ کی دعوت پر ایمان لے آئے تھے۔ اور ان کو بری بری اذیتیں دینے لگے۔ وہ ان کو آفتاب کی تمازت میں تپتی ریت پر برہنہ لٹادیتے اور ان پر اپنے کوڑے چلاتے رہتے یہاں تک کہ ان میں سے ایک اپنے ہوش کھو بیٹھا اور موت کے قریب پہنچ گیا پھر بھی وہ لات اور عزیٰ کے لئے اچھے الفاظ استعمال کرنے سے اور آنحضرتؐ اور آپ کی دعوت کو برا کہنے سے سختی کے ساتھ باز رہا۔ حالانکہ آنحضرت نے ان لوگوں کو اجازت دیدی تھی کہ وہ زبان سے ایسے الفاظ کہہ دیا کریں جن سے ان کو اس اذیت سے نجات مل جائے بشرطیکہ ان کے دل اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان پر قائم رہیں۔ آنحضرتؐ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر وہ اس آزمائش میں جو ان کو لاحق تھی صبر کئے رہیں گے تو آپ ان سرکشوں کے خلاف ان کی مدد فرمائیں گے اور وہ اور ان کی طرح کے دوسرے کمزور افراد اللہ کے نزدیک ان سرکش ظالموں کے مقابلہ میں زیادہ قابل عزت واکرام ہوں گے۔ اس کے باوجود کہ نبی اکرمؐ نے ان کو اجازت دے دی تھی کہ اپنی زبانوں سے اپنے آقاؤں کی ہم نوائی کردیا کریں۔ لیکن یہ لوگ آنحضرتؐ اور آپ کی دعوت حق میں اور بتوں اور قریش کے خداؤں اور ان کے طرفداروں سے نفرت میں اپنے مستحکم موقف پر ڈٹے رہے اور قریش اور ان کے سرکشوں کو اور ان تمام اذیتوں اور

آزمائشوں کو جس سے وہ دوچار ہو رہے تھے بالکل خاطر میں نہ لائے۔

یہ لوگ حضرت محمدؐ اور آپ کی رسالت پر ایمان لائے تھے اور وہ بلند مرتبے اور عظیم اجر جو اللہ نے مومنوں اور صابروں کے لئے مقرر کئے ہیں مجسم ہو کر ان کے سامنے تھے۔ اسی لئے انہوں نے اس دائمی نعمت کے مقابلے میں جو نہ بدلتی ہے نہ زائل ہوتی ہے اس تھوڑی سی دیر کی اور محدود تکلیف کو حقیر خیال کیا اور صبر سے کام لیتے رہے۔ چنانچہ اللہ نے ان کو صابروں کو دیا جانے والا اجر عطا کیا کیونکہ اللہ ظالموں اور زبردستی کرنے والوں پر کڑی نگاہ رکھتا ہے۔

ان ہی گرفتاران عذاب میں ابوحذیفہ کے غلام سالم، خباب بن ارت، صہیب بن سنان، عبداللہ بن مسعود، عامر بن فہیرہ ابوفکیہۃ، ام عنیس، زنیرہ اور دوسرے غلام اور مستضعفین بھی تھے۔ جب ان لوگوں پر سختیوں نے شدت اختیار کی تو خباب بن ارت نبی اکرمؐ سے مدد طلب کرنے کے لئے گئے۔ اس وقت آنحضرتؐ خانۂ کعبہ کے زیر سایہ ایک دھاریدار چادر کا تکیہ لگائے تشریف فرما تھے۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کی کہ آپ ہماری مدد فرمایئے اور اللہ سے دعا فرمایئے کہ ہم کو کشائش حاصل ہو جائے۔ اس پر نبی اکرمؐ نے ان سے کہا کہ تم لوگوں سے پہلے بھی ایسی قومیں گزری ہیں کہ ان کے ایک شخص کو پکڑ لیا جاتا۔ پھر زمین میں گڑھا کھود کر اس کو اس میں ڈال دیا جاتا اور اس کے سر پر آری چلائی جاتی جس سے اس کے دو حصے ہو جاتے پھر اس کو لوہے کے کنگھوں سے چھیل کر گوشت اور ہڈیاں الگ الگ کر دی جاتیں۔ لیکن یہ سب کچھ اس کو اس کے دین سے باز نہ رکھ سکتا تھا۔ قسم بخدا یہ معاملہ اس منزل پر پہنچ جائے گا کہ چلنے والا صنعاء سے حضر موت تک اللہ کے علاوہ ہر چیز سے بے خوف ہو کر سفر کر سکے گا۔ حالانکہ بھیڑیا اس کے گلے پر ہوگا۔

کتب سیرت میں ہے کہ بنی عدی کی ایک کنیز نبی اکرمؐ پر ایمان لے آئی تو عمر بن خطاب اس پر ہر قسم کا برا سلوک اور اذیتیں عائد کرتے تھے تاکہ وہ اسلام سے پھر جائیں اور جب تک تھک نہ جاتے اس کو اذیت دینے سے باز نہ آتے تھے۔ جب تھک کر بددل ہو جاتے تو اس سے کہتے کہ میں تجھ سے معذرت خواہ ہوں کہ تمہارے اوپر سختی کرنے سے صرف اس لئے رکا ہوں کہ میں خود تھک گیا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا یہاں تک کہ ابوبکر نے اس کو خرید لیا اور آزاد کر دیا جس طرح انہوں نے جیسا کہ سیرت کی بعض کتابوں میں ہے ایسے اور گرفتاران اذیت کو خرید کر آزاد کر دیا تھا۔

سیرت کی کتابوں کے اس بیان پر کہ ان گرفتاران مصیبت کو حضرت ابوبکر خرید خرید کر ان کے آقاؤں سے نجات دلایا کرتے تھے۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قریش ان غلاموں کو جو آنحضرتؐ پر ایمان لاتے تھے اس لئے اذیت دیتے اور تکلیفیں پہنچاتے تھے کہ اسلام پھیلنے نہ پائے اور یہ لوگ دوسروں کے لئے سبق بنے رہیں۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ آنحضرتؐ کی رسالت اور لائے ہوئے پیغام سے جس کی طرف آپؐ دعوت دیتے تھے پلٹ جائیں۔ ایسی صورت میں قریش ان کی ملکیت حضرت ابوبکر کو کیسے منتقل کر سکتے تھے اور ان کو اذیتیں دینا کیسے چھوڑ دیتے تھے بلکہ حضرت ابوبکر کے یا کسی اور کے ان کو آزاد کر دینے کے بعد قریش کو ان لوگوں کو اذیت دینے سے کون سی چیز روک سکتی تھی۔ وہ تو ہر ایسے شخص کے ساتھ برا سلوک رکھتے تھے جس کو ان کی زیادتیوں سے بچانے کے لئے اپنے اقارب نہ ہوں یا ایسا حلیف نہ ہو جو ان کو پناہ دے۔

قریش کا ابوطالبؑ سے رجوع کرنا

آنحضرتؐ کی دعوت حق کی ابتداء میں قریش ان کی طرف لاپرواہی کا موقف اختیار کئے رہے جس میں تمسخر اور مذاق اڑانے کی کیفیت بھی شامل تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ آنحضرتؐ کے ذہن میں کوئی نہ کوئی ایسی غرض ہوگی کہ اس کے ذریعہ آپ سرداری، دولت یا اس قسم کی دوسری چیزیں جس کے لئے انسان سرگرداں رہتا ہے حاصل کرلیں۔ وہ لوگ آنحضرتؐ کا مذاق اڑاتے رہے اور اس خیال میں رہے کہ آپ بھی دوسروں کی طرح اصلاح کی چمک پیش کریں گے اور جب اپنی مقصد براری میں کامیاب ہو جائیں گے یا اس کے حاصل کرنے میں ناکام ہو جائیں گے تو خاموش ہوکر بیٹھے رہیں گے اور جو کچھ مل جائے اسی پر اکتفا کرلیں گے۔ لیکن ان کو جلد ہی معلوم ہوگیا کہ وہ غلطی پر تھے کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کا دائرہ اثر پھیلتا جارہا ہے۔ ان کے پیرو استحکام اور وابستگی میں نیز تعداد میں روز بروز بڑھ رہے ہیں۔ یہ امر ان پر بھاری گزرنے لگا اور وہ انتظار اور صبر کی حد سے گزر گئے۔ وہ عرب کے سردار اور خانۂ کعبہ کے محافظ تھے وہ اسی رشتہ کو جو ان کو اپنے آباؤاجداد سے ورثہ میں ملے ہوئے عقیدے سے وابستہ کئے ہوئے تھا اپنی بزرگ کا ذریعہ اور اپنی عزت کا مرکز سمجھتے تھے۔ آنحضرتؐ نے اسی عقیدہ کو ڈھانا اور اس کی برائیوں کو آشکارا کرنا شروع کردیا تھا اور وہ کچھ آزاد، غلام اور بے مایہ افراد کو اپنی طرف کھینچ لینے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ ان کی شہرت روز بروز بڑھ رہی تھی۔ ان کے ساتھی ان سے اور ان کی دعوت حق سے کسی قیمت پر علیحدگی اختیار کرنے پر تیار نہ تھے۔ کیا آنحضرتؐ کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور لوگ ان کے چاروں طرف جمع ہوتے رہیں۔ ان لوگوں کو کیا راستا اختیار کرنا چاہئے جبکہ آنحضرتؐ نے بے مایہ افراد، مزدوروں، غلاموں اور عورتوں کے ذہنوں کو ان لوگوں کی طرف سے روگرداں کردیا ہے۔ آنحضرتؐ نے ان سب کے لئے ان کے آقاؤں پر حقوق قائم کردیئے ہیں جو اس سے پہلے انہوں نے خواب میں بھی نہ دیکھے تھے۔ آنحضرتؐ کسی کو ایک دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے ہیں۔ آنحضرتؐ کے نزدیک کوئی شخص تقویٰ الٰہی کے علاوہ کسی اور وجہ سے بڑا نہیں اور اللہ کی نافرمانی کے علاوہ کسی اور وجہ سے چھوٹا نہیں۔ سب انسان آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے۔ اب یہ لوگ کریں تو کیا کریں کیونکہ آنحضرتؐ اپنے چچا ابوطالبؑ کی حمایت کی بدولت حفاظت میں ہیں۔ آنحضرتؐ ان کے قلب پر چھائے ہوئے ہیں اور ان کو ان کی جان سے زیادہ محبوب اور ان کے تمام گھر والوں اور بیٹوں سے زیادہ عزیز ہیں اور ابوطالبؑ کے علاوہ تمام بنی ہاشم ان کے تابع حکم ہیں اور خود ان کی انگلیوں سے زیادہ ان کے اطاعت گزار اور اُن پر اپنا جسم اور جان فدا کرنے والے ہیں۔ پس اگر وہ لوگ آنحضرتؐ کو کوئی گزند پہنچائیں گے تو ابوطالبؑ ان کے مقابلے کے لئے کھڑے ہو جائیں گے اور ان کے پیچھے تمام بنی ہاشم ہوں گے اور اس طرح پورا مکہ ایسی خانگی جنگ میں مبتلا ہوجائے گا جو نہ کسی چیز کو باقی رکھے گی نہ چھوڑے گی۔

قریش کی نظر ان سب معاملات پر تھی۔ ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ دوسرا راستا اختیار کریں جس میں سختی اور طاقت کی چھاپ نہ ہو۔ چنانچہ وہ سب جمع ہوئے اور ان میں آپس میں یہ طے پایا کہ ابوطالبؑ سے ملیں اور ان کو اپنے اور

ان کے بھتیجے کے درمیان سفیر بنائیں۔ پس وہ لوگ ابوطالبؑ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا کہتا ہے۔ ہمارے دین میں عیب نکالتا ہے۔ ہمارے خیالات کو بیوقوفی قرار دیتا ہے اور ہمارے بچوں کو گمراہ کرتا ہے۔ پس یا تو آپ ان کو ہمارے اوپر سے ہٹا دیں یا ان کے اور ہمارے درمیان سے آپ خود ہٹ جائیں کیونکہ آپ بھی ان عقائد پر ہیں جن پر ہم خود ہیں لیکن جیسا کہ محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں خیال ظاہر کیا ہے کہ ابوطالبؑ نے ان کو نرمی سے جواب دے کر واپس کر دیا۔

انہوں نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول اللہؐ اپنے طریقہ پر گامزن رہے۔ اللہ کے دین کو ظاہر کرتے رہے اور اللہ کی طرف دعوت دیتے رہے۔ چنانچہ مکہ کی فضا گونج اٹھی اور آنحضرتؐ قریب وبعید سب کا موضوعِ گفتگو بن گئے۔ قریش نے باہمی مشورہ سے سختی اور نرمی کے بین بین طریقۂ عمل کا فیصلہ کیا اور ایک بار پھر ابوطالبؑ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ اے ابوطالبؑ آپ عمر میں بھی بڑے ہیں اور ہمارے درمیان آپ کو شرف اور مرتبہ حاصل ہے ہم نے آپ سے آپ کے بھتیجے کو منع کرنے کو کہا تھا لیکن آپ نے ان کو ہمارے معاملے میں روکا نہیں۔ قسم بخدا ہم اپنے پیروؤں کو برا کہے جانے کو اپنے خیالات کو غیر دانشمندانہ بتائے جانے کو اور اپنے خداؤں میں عیب لگائے جانے کو برداشت نہیں کریں گے جب تک کہ آپ ہم کو ان سے نہ بچاتیں۔ یا پھر ہم ان سے اور آپ سے نمٹ لیں یہاں تک کہ ہم میں سے ایک فریق ہلاک ہو جائے۔ ابو طالب کو اپنی قوم کی مخالفت اور دشمنی بہت بری لگی لیکن وہ رسول اللہؐ کا ساتھ چھوڑنے اور آنحضرتؐ سے کنارہ کشی پر تیار نہ تھے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے ابوطالبؑ سے کہا کہ اپنے بھتیجے سے کہہ دیجئے کہ ہمارے خداؤں کو چھوڑے رکھیں ہم اُن کو اور ان کے خداؤں کو رہنے دیں گے۔ ابوطالبؑ نے یہ معاملہ آنحضرتؐ کے سامنے پیش کر دیا۔ اس پر نبی اکرمؐ نے ان سے فرمایا کہ میں ان کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ وہ ایک فقرہ ادا کریں جس سے پورا عرب ان کے سامنے جھک جائے گا اور وہ عجم پر قابض ہو جائیں گے تو ان لوگوں میں سے ابوجہل بول پڑا کہ وہ کیا فقرہ ہے۔ قسم ہے آپ کے باپ کی ہم وہ ضرور آپ کے سامنے کہہ دیں گے اور ویسے دس جملے کہہ دیں گے۔ تب انہوں نے فرمایا کہ تم لوگ کہو لا الہ الا اللہ۔ یہ ان سب کو ناپسند ہوا اور وہ کہنے لگے کہ ہم سے کچھ اور مطالبہ کیجئے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ آفتاب کو بھی لا کر میرے ایک ہاتھ میں دے دو گے میں تم سے اس کے علاوہ اور کچھ طلب نہ کروں گا۔ اس پر وہ لوگ غصہ میں بھر گئے اور آپ کے پاس سے بھناتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور کہتے جاتے تھے کہ بخدا اب تو ہم تم کو بھی اور تمہارے اس خدا کو بھی جو تم کو اس کا حکم دیتا ہے ضرور برا کہتے رہیں گے۔

جب ابوطالبؑ پر قریش کی سختیاں تیز ہو گئیں اور ان لوگوں نے ابوطالبؑ کو پیشکش کی کہ وہ آنحضرتؐ کو ان کے خداؤں سے روکے رہیں اور ان کے خلاف کاروائی نہ کرنے دیں اور وعدہ کیا کہ اگر آنحضرتؐ اپنے موقف کو ترک کر دیں گے تو وہ لوگ آنحضرتؐ کو دولت سے مالا مال کر دیں گے یا جو کچھ آنحضرتؐ چاہیں گے پیش کر دیں گے۔ بصورت دیگر

انہوں نے ابوطالبؑ کو جنگ کی دھمکی دی۔ تب ابوطالبؑ نے آنحضرت سے جا کر کہا کہ اے بھتیجے میری اور اپنی جان کو سلامت رکھو اور کوئی ایسا کام نہ کرو جو میری طاقت برداشت سے باہر ہو۔

اس سے رسول اکرمؐ کو یہ خیال ہوا کہ آپ کے چچا آپ کی زوردار حمایت سے کسی حد تک ہٹنے لگے ہیں اور آپ کی نصرت میں کمزور پڑ رہے ہیں۔ تب رسول اللہؐ نے ان سے کہا کہ اے چچا اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر بھی رکھ دیں اور چاہیں کہ میں اس معاملے کو ترک کر دوں تو جب تک اللہ اس کو کامیاب نہ کر دے گا یا میں اس کے پیچھے مر نہ جاؤں گا میں اس سے دستبردار ہونے والا نہیں ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہؐ رو پڑے اور آپ کے آنسو جاری ہو گئے اور آپ اپنے چچا کے پاس سے اٹھ کر چل دیئے۔ تب ابوطالبؑ نے آواز دی کہ اے بھتیجے اب مجھ سے بھی سنتے جاؤ۔ اس پر آنحضرتؐ ان کی طرف پلٹے انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ اے بھتیجے جو چاہو کہو، بخدا میں تم کو کسی چیز کے عوض ان کے سپرد نہیں کروں گا۔ پھر انہوں نے یہ شعر پڑھا:

والله لن يصلوا اليک بجمعهم حق اوسد فی التراب دفينا

''قسم بخدا وہ ہرگز اپنی جماعت کے باوجود تمہارے پاس بھی نہیں پھٹک سکتے تا آنکہ میں قبر میں دفن نہ کر دیا جاؤں۔''

قریش اپنی چالوں اور دھمکیوں میں ناکام ہو گئے اور سمجھ گئے کہ ان کا یہ مقصد کہ ابوطالبؑ اپنے بھتیجے کی مدد سے دست بردار ہو جائیں پورا نہ ہو سکے گا۔ تو انہوں نے ایک دوسری تدبیر اختیار کی۔ وہ خالد بن ولید کے حقیقی بھائی عمارہ کو لے کر ابوطالبؑ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ یہ قریش کا خوبصورت ترین جوان ہے۔ آپ اس کو لے لیجئے۔ اُس کی ذہانت اور نصرت آپ کو حاصل رہے گی۔ س کو اپنا بیٹا بنا لیجئے اور اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دیجئے تا کہ ہم اس کو قتل کر دیں کیونکہ وہ آپ کے اور آپ کے آباء کے دین کی مخالفت کرتے ہیں، قوم کی یگانگت میں تفرقہ ڈالتے ہیں اور ان کے خیالات کو غیر دانشمندانہ کہتے رہتے ہیں۔ اس طرح آدمی کا بدلہ آدمی سے ہو جائے گا۔ اس پر ابو طالب نے کہا۔ قسم بخدا کیسی بری تجویز تم نے میرے سامنے پیش کی ہے۔ کہ تم اپنے بیٹے کو مجھے اس لئے دو گے کہ میں اس کو کھلاؤں پلاؤں اور میں اپنے بیٹے کو تمہیں دے دوں تا کہ تم اس کو قتل کر ڈالو۔ قسم بخدا یہ کبھی نہیں ہوگا۔ کبھی تم نے اونٹنی کو دیکھا ہے کہ وہ غیر کے بچے کو پیار کرے اور اس پر مہربان رہے۔ اس پر مطعم بن عدی نے ان سے کہا کہ قوم نے آپ کے ساتھ انصاف سے کام لیا اور کوشش کی کہ جو چیز آپ کو بھی ناپسند ہے اس سے آپ کو نجات دلا دی جائے۔ لیکن آپ نے ان کی کوئی بات قبول ہی نہ کی۔ ابوطالبؑ نے اس کو جواب دیا کہ قسم بخدا تم نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ بلکہ تم سب مجھ کو چھوڑ دینا چاہتے ہو اور پوری قوم کو میرے خلاف کر رہے ہو۔ پس جو تمہارے بس میں ہو کر دیکھو۔

اب قریش نے نبی اکرمؐ اور ان قریشیوں اور غیر قریشیوں پر جو آپ کے ساتھ اسلام میں داخل ہو گئے تھے سختیاں بڑھا دیں اور دونوں طرف سے موقف میں شدت پیدا ہو گئی۔ ابوطالبؑ نے قریش کو مسلمانوں پر اذیتیں اور مصیبتیں ڈھاتے

دیکھا تو ان کو اندیشہ ہوا کہ وہ لوگ نبی اکرمؐ تک نہ بڑھ آئیں۔ چنانچہ انہوں نے تمام بنو ہاشم کو جمع کیا۔ خاص طور پر اس وجہ سے کہ ابھی تک بنی ہاشم نے اسلام کے بارے میں اپنے موقف کا اعلان نہیں کیا تھا۔ ان میں ابولہب بھی تھا جو آنحضرتؐ اور مسلمانوں پر سختی کرنے میں ابوجہل، ابوسفیان، اور قریش کے دوسرے سرکشوں اور عرب کے ظالموں سے زیادہ سخت تھا اور ان کو نبی اکرمؐ کی نصرت اور حفاظت کی دعوت دی۔ ابولہب کے سوا ان سب نے اس کو قبول کرلیا۔ چنانچہ ابوطالبؑ کو اطمینان ہوگیا اور انہوں نے قوم کے اس موقف پر ان سب کا شکریہ ادا کیا۔ ادھر قریش اس کوشش میں لگے رہے کہ آنحضرتؐ کی دعوت حق کو کسی طرح اس سے پہلے ختم کردیں کہ اس کا خطرہ بڑھے۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے براہ راست رجوع کیا تاکہ ان کو ترغیب دیں یا جال میں پھانسیں جس سے ممکن ہے کہ وہ اپنے پہلے موقف کے مقابلے میں زیادہ مثبت موقف اختیار کرلیں۔

چنانچہ سیرت ابن ہشام وغیرہ میں ہے کہ عتبہ بن ربیعہ نے جو قریش کا ایک سردار تھا نبی اکرمؐ کو خانۂ کعبہ کے نزدیک تنہا بیٹھے ہوئے دیکھا تو کہنے لگا کہ اے قوم قریش کیوں نہ محمدؐ کے پاس جاکر ان کے سامنے معاملات پیش کروں شائد وہ ان میں سے کچھ کو قبول کرلیں ہم ان کو جو وہ چاہتے ہیں دے دیں اور وہ ہمارا پیچھا چھوڑ دیں سب نے کہا کہ ہاں ابوالولید جاؤ۔ چنانچہ عتبہ اٹھ کر آنحضرتؐ کے پاس گیا اور آپ کے پہلو میں بیٹھ کر کہنے لگا: اے بھتیجے آپ ہم ہی میں سے ہیں اور اسی لئے خاندان کی وسعت سے نسب کے مرتبہ سے خوب واقف ہیں۔ آپ نے قوم کو بڑے معاملے سے دوچار کردیا ہے۔ آپ نے ان کی یگانگت میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ ان کے خیالات کو بیہودہ قرار دیا ہے ان کے خداؤں اور دین میں عیب نکالے ہیں اور ان کے پیشتر وآباء واجداد کو کافر قرار دیا ہے۔ ذرا سنیئے میں آپ کے سامنے کچھ معاملات پیش کرتا ہوں تاکہ ہم اس پر غور کریں۔ ممکن ہے ان میں سے بعض کو آپ قبول کرلیں۔ اے بھتیجے جو پیغام آپ لے کر آئے ہیں اگر اس سے آپ کی خواہش دولت جمع کرنا ہے تو ہم آپ کو اپنے اپنے مال سے اتنا جمع کئے دیتے ہیں کہ آپ کے پاس ہم سے زیادہ دولت ہوجائے گی۔ اگر آپ مرتبہ چاہتے ہیں تو ہم آپ کو سردار بنائے لیتے ہیں اس طرح کہ ہم کسی معاملہ کا فیصلہ آپ کے بغیر نہ کریں گے۔ اگر آپ حکومت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنے اوپر بادشاہ بنائے لیتے ہیں۔ اگر یہ حالت جس سے آپ دوچار ہیں نفسیاتی بیماری ہے جس کو آپ اپنے سے دور نہیں کرسکتے ہیں تو ہم آپ کے لئے طبی مشورہ کا انتظام کریں اور اس کے لئے ہم پیسہ خرچ کرنے کو تیار ہیں تاکہ آپ اس سے نجات پاجائیں کیونکہ بعض مرتبہ آدمی پر ہمزاد غالب ہوجاتا ہے اور اس کا علاج کرنا پڑتا ہے۔ غرضیکہ عتبہ اس طرح نبی اکرمؐ سے ہدایت آمیز اور نرم لہجہ میں بات کرتا رہا اور آپ کو دعوت حق سے روگرداں ہونے کے لئے بہلانے اور قائل کرنے کی کوشش میں لگا رہا۔ نبی اکرمؐ اس کو بغور سنتے رہے۔ جب اس نے بات ختم کرلی تو آپ نے کہا کہ اے ابوالولید کیا تم بات کرچکے۔ اس نے اقرار کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اب میری سنو۔ چنانچہ وہ آپ کی طرف متوجہ ہوگیا اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ آپ سے ایسی چیز مل جائے جو قریش کی خواہشات اور احساس بزرگی کے لئے قابل قبول ہو تب آپ نے فرمایا:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○ حٰمٓ ○ تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ○ كِتٰبٌ فُصِّلَتۡ

اٰيَاتُهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ○ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَـآ اِلَيْهِ "حٰمٓ۔ یہ کتاب رحمٰن ورحیم خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ یہ کتاب ایسی ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کردی گئی ہیں۔ یہ عربی قرآن ہے ایسی قوم کے لئے جو سمجھتے ہیں۔ خوشخبری دینے والی اور تنبیہ کرنے والی کتاب ہے لیکن بیشتر لوگوں نے اس سے منہ پھیرلیا اور وہ اس کو سنتے تک نہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس سے ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔" (سورۂ فصلت: آیت ۱۔۵)

نبی اکرمؐ باقی سورۃ پڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ آیۂ سجدہ پر پہنچے۔ تب آپ سجدے میں گر گئے اور سر اٹھا کر عتبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے ابوالولید تم نے سنا؟ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے اور اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ جو کچھ دیکھا اور سنا تھا اس کے جمال میں گرفتار اور آنحضرتؐ کی عظمت اور معجز بیانی سے مبہوت تھا۔ وہ اپنے سامنے ایسے شخص کو دیکھ رہا تھا جو ان لوگوں سے مختلف نوع کا تھا جن سے اب تک مکہ واقف تھا یا پوری دنیا واقف رہی تھی۔ نہ اس کو دولت کی خواہش ہے، نہ مرتبہ کی، نہ عظمت کی، نہ انسانوں پر غلبہ حاصل کرنے کی، نہ وہ مریض ہے۔ بس وہ ایسا شخص ہے جو حق اور بھلائی کی طرف اور ایک اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اس کے نزدیک غلام اور آقا، بے مایہ اور مالدار، مرد اور عورت سب برابر ہیں۔ اس کو ناپسند ہے زنا، سود خوری، قتل، مالداروں کا احساس برتری اور سرداروں اور ذی مرتبہ افراد کی غلبہ گیری۔ وہ ان لوگوں پر لعنت کرتا ہے جو سونا اور چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور ناداروں پر خرچ نہیں کرتے ایسے لوگوں کے اور ان لوگوں کے جسم جو دوسروں کے حقوق سے کھیلتے ہیں عنقریب جلائے جائیں گے۔

وہ اپنی مخالفت کا مقابلہ اعجاز بیان اور تصویر کشی کی بلاغت کے ذریعے کرتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے ساتھیوں کے سامنے جو کچھ دیکھ کر آیا تھا اور آنحضرتؐ سے سنا تھا بیان کرتا چلا گیا اور کہنے لگا کہ میں نے ان سے ایسی باتیں سنی ہیں جیسی بخدا میں نے کبھی نہ سنی تھیں۔ بخدا نہ وہ شاعری ہے، نہ جادوگر ہے، نہ کاہنوں کی سی باتیں ہیں۔ اے گروہ قریش! میرا کہا مانو اور معاملے کو مجھ پر چھوڑ دو۔ اس شخص کو اس کے حال پر رہنے دو اور اس سے کنارہ کش ہو جاؤ کیونکہ بخدا اس کی اس گفتگو کی بدولت جو میں نے سنی ہے وہ عنقریب بڑی خبر کا موضوع بننے والا ہے۔ پس اگر اہل عرب ان کو مان لیں تو وہ ان کو دوسروں سے محفوظ رکھ سکے گا اور اگر وہ عرب پر حاوی ہو گیا تو اس کا ملک تمہارا ملک ہوگا، اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی اور تم تمام انسانوں میں سب سے زیادہ خوشحال ہوگے۔

اس پر وہ لوگ بولے کہ اے ابوالولید اس شخص نے تمہارے اوپر اپنے بیان اور زبان سے جادو کردیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ اس کے بارے میں میری رائے ہے اب تم لوگ جو چاہو کرو۔

تاریخ اور سیرت کی کتابیں بتاتی ہیں کہ مشرکین نے بارہا آنحضرتؐ کو اپنی دعوت حق سے روگرداں ہونے کے لئے قائل کرنے کی کوشش کی۔ کبھی لالچ دلا کر اور کبھی ڈرا دھمکا کر۔ چنانچہ ابوطالبؑ سے بات چیت اور عتبہ بن ربیعہ کو آنحضرتؐ

کے پاس بھیجنا بھی ان ہی کی کوششوں میں سے تھا جو انہوں نے اس سلسلے میں کیں۔ لیکن ان لوگوں کی مختلف طریقوں کی تمام کوششیں آنحضرتؐ کے اس موقف میں تبدیلی پیدا نہ کرسکیں جو آپ نے ان لوگوں کے اور اُن کے خداؤں کے متعلق اختیار کیا تھا بلکہ ان سے آنحضرتؐ کے تمام موقفوں میں تاکید اور سختی ہوتی گئی اور اس دعوت حق جس کے لئے آنحضرتؐ مامور تھے انہماک بڑھتا گیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے اور آپ کے ماننے والوں کی مختصر سی جماعت کے لئے اس راہ میں قربانیاں یہاں تک کہ موت بھی آسان ہوگئی جیسا کہ یاسر اور ان کی بیوی کوڑوں کی مار اور بھالوں کے چبھوئے جانے سے ہلاک ہوگئے کیونکہ جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں آنحضرتؐ نہ دولت کے طالب تھے، نہ مرتبہ کے، نہ حکومت کے، نہ سرداری کے بلکہ حق کے طالب تھے اور ان لوگوں کے لئے طالب ہدایت تھے جو آپ کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے اور آپ کا مقابلہ کرنے کے لئے اور مناسب موقع ملنے پر آپ کو قتل کرنے کے لئے آپس میں متحد ہوگئے تھے۔

بالآخر تمام کوششوں اور ان لالچ دلانے والی چالوں کی ناکامی کے بعد جن پر ہر قسم کے انسان کی رال ٹپک پڑتی ہے، ان لوگوں نے ایک اور طریقہ اختیار کیا یہ آنحضرتؐ کو بے بس کرنے کی ایک سازش تھی۔ چنانچہ ابوجہل، ابوسفیان بن حرب، اسود بن المطلب بن اسد اور عاص بن وائل وغیرہ جو مکہ کے تمام قبیلوں اور باشندوں کی نمائندگی کرتے تھے مل کر آنحضرتؐ کی خدمت میں گئے اور بولے کہ اے محمدؐ! اگر آپ ہماری پیش کی ہوئی کوئی بات قبول نہیں کرتے تو آپ جانتے ہیں کہ ہمارا علاقہ سب سے زیادہ تنگ ہے۔ ہمارے یہاں پانی سب سے کم ہے اور ہماری زندگی سب سے زیادہ سخت ہے۔ پس آپ اپنے اللہ سے جو آپ کی دعا رد نہیں کرتا کہئے کہ ہم سے اس پہاڑ کو دور ہٹادے جو ہمارے لئے تنگی کا باعث ہے۔ ہمارے علاقے کو ہمارے لئے کشادہ کردے۔ اس میں ایسے دریا رواں کردے جیسے شام اور عراق میں ہیں اور ہمارے گزرے ہوئے آباء کو زندہ کردے جن میں سے قصی بن کلاب کو بھی زندہ کردے کیونکہ وہ سچا آدمی تھا۔ پھر ہم ان سے جو کچھ آپ کہتے ہیں اس کے متعلق دریافت کریں گے کہ آیا وہ صحیح ہے یا غلط۔ اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کی اور آپ نے وہ سب کچھ کردیا جو ہم نے آپ سے کہا ہے تو ہم بھی آپ کی تصدیق کردیں گے اور اس کے ذریعے سے اللہ کے نزدیک آپ کے مرتبہ کو سمجھ جائیں گے کہ آپ اس کے رسول ہیں جیسا کہ آپ کہتے ہیں۔

آنحضرتؐ نے ان کو جواب دیا کہ میں تمہاری طرف اس لئے نہیں بھیجا گیا۔ میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے وہی چیز لے کر آیا ہوں جس کے لئے اس نے مجھ کو بھیجا ہے۔ جس چیز کے لئے میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں وہ میں نے تم تک پہنچا دی ہے۔ پس اگر تم اس کو قبول کرتے ہو تو تم کو دنیا و آخرت میں اس کا فائدہ ملے گا۔ اگر تم اس کو مجھ پر واپس کردو گے تو میں اللہ کے حکم کے انتظار میں صبر کروں گا تاآنکہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان صحیح فیصلہ کرے کیونکہ وہی سب فیصلہ کرنے والوں میں بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

آنحضرتؐ نے ان کو وہی جواب دیا جس کے لئے آپ مبعوث کئے گئے تھے تاکہ وہ لوگ غور کریں اور سوچیں تاکہ وہ اللہ اور اس کے پیغامات پر خاص اپنے اختیار سے اور ان دلیلوں سے قائل ہوکر ایمان لائیں جو آنحضرتؐ نے ان

کے سامنے پیش کی تھیں، نہ کہ ان طریقوں سے جو زبردستی کے مشابہ ہوں اور جن میں عقل کا فیصلہ بیکار ہو جاتا ہو۔ آپ ان سے وہی مطالبہ فرماتے تھے جو عقل قبول کرتی بلکہ جو کہتی اور فیصلہ کرتی ہے۔

ان لوگوں نے آنحضرتؐ سے مطالبہ کیا کہ آپ اپنی رسالت خلاف عادت افعال اور انسان کی تبدیل ہوتی رہنے والی حالتوں کے ذریعہ سے ثابت کریں حالانکہ وہ خود پتھروں اور لکڑی کی پرستش کرتے تھے جو اُن کو نہ نفع پہنچتی تھی نہ نقصان لیکن انہوں نے کبھی ان سے خدا ہونے کا ثبوت طلب نہیں کیا تھا۔ اگر وہ ان سے ایسا مطالبہ کرتے تو وہ لکڑی اور پتھر ہی رہتے اور جو کوئی ان کو توڑنا یا جلانا چاہتا تو وہ اپنی حفاظت نہ کر سکتے تھے۔

ان لوگوں نے یہ مطالبہ صرف پریشان کرنے اور بے بس کرنے کے لئے کیا تھا۔ اگر نبی اکرمؐ ان کی بات مان لیتے اور وہ اللہ سے اس کا سوال کرتے تو یہ سب کچھ امکان میں تھا۔ لیکن وہ تو صرف مذاق اڑانے اور ہنسی اڑانے کے لئے ایسا کر رہے تھے۔ وہ خود پتھروں اور لکڑیوں کی پرستش کرتے تھے جن کو وہ اپنے ہاتھوں سے جیسا چاہتے تھے بنا لیتے تھے۔

یہ ضرور ہے کہ تاریخ اور سیرت کی کتابیں بتلاتی ہیں کہ جب کبھی مصلحت اس کی متقاضی ہوتی تھی تو آنحضرتؐ کبھی کبھی اللہ کی قدرت اور مرضی سے خلاف عادت افعال استعمال میں لے آتے تھے۔

چنانچہ شرح نہج البلاغہ میں امام علیؑ، رسول اللہؐ کے متعلق ایک خطبہ میں بیان فرماتے ہیں کہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ تھا کہ آپ کی خدمت میں قریش کے کچھ لوگوں نے آ کر کہا کہ اے محمدؐ! آپ نے ایسا بڑا دعویٰ کیا ہے جو نہ آپ کے آباء میں سے کسی نے کیا تھا نہ آپ کے گھرانے میں سے۔ ہم آپ سے ایک سوال کرتے ہیں اگر آپ نے اس کو مان لیا اور ہمیں کر دکھایا تو ہم جان لیں گے کہ آپ نبی اور رسولؐ ہیں۔ اگر آپ وہ نہ کر سکے تو ہم یقین کر لیں گے کہ آپ جادوگر اور جھوٹے ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ وہ بولے کہ آپ ہمارے لئے اس درخت کو بلایئے تاکہ وہ اپنی شاخوں کے ساتھ اکھڑ کر آپ کے سامنے آ کھڑا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر اللہ نے ایسا کر دیا تو کیا تم ایمان لے آؤ گے اور حق کی گواہی دو گے؟ وہ بولے کہ ضرور۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو تم مطالبہ کر رہے ہو میں تم کو دکھائے دیتا ہوں لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ تمہاری منشاء بھلائی کی نہیں ہے بلکہ تم میں بعض گڑھے میں گرا دیئے جائیں گے اور بعض احزاب کے ساتھ ہو جائیں گے۔[۱]

بعدازاں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے درخت اگر تو یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو اپنی جڑوں سمیت اکھڑ کر اللہ کی اجازت سے میرے سامنے کھڑا ہو جا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرتؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا وہ درخت اپنی جڑوں سمیت اکھڑ کر تیز آواز کے ساتھ پرندے کی مانند پَر پھڑ پھڑاتا ہوا خوش خوش آیا اور آنحضرتؐ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس نے اپنی اوپری شاخیں رسول اللہؐ پر اور بعض شاخیں میرے شانے پر جھکا دیں

۱۔ گڑھے سے ابوجہل کی طرف اشارہ ہے جو بدر میں مارا گیا اور احزاب سے ابوسفیان کی طرف اشارہ ہے جس نے مختلف گروہوں کو جمع کر کے جن میں عرب بھی شامل تھے اور یہودی بھی جنگ خندق کے روز مدینہ پر چڑھائی کی تھی۔

کیونکہ میں آنحضرتؐ کے داہنی طرف تھا جب لوگوں نے یہ حال دیکھا تو غرور اور بڑے پن سے کہنے لگے کہ اب آپ اس کو حکم دیجئے کہ آدھا آپ کے پاس آئے اور آدھا وہیں رہ جائے۔ اس پر آنحضرتؐ نے اس کو ایسا ہی حکم دیا۔ چنانچہ اس کا آدھا نہایت تعجب خیز طریقہ پر اور تیز آواز کے ساتھ آگے بڑھا اور قریب تھا کہ رسول اللہؐ سے لپٹ جائے۔ تب وہ لوگ کفر اور سرکشی پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ اب اس آدھے سے کہئے کہ جیسے تھا اسی طرح اپنے آدھے سے جا ملے۔ پس رسول اللہؐ نے اس کو حکم دیا اور وہ واپس ہوگیا۔ تب میں نے عرض کیا کہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ اے رسولؐ! میں آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں اور میں سب سے پہلے اقرار کرتا ہوں کہ اس درخت نے جو کچھ کیا وہ اللہ کے حکم سے آپ کی نبوت کے اقرار اور آپ کے قول پر اعتراف عظمت کے طور پر کیا۔ پھر بھی ان سب لوگوں نے یہی کہا کہ یہ جادوگر اور جھوٹا ہے۔ عجیب جادو ہے اور غیر اہم ہے۔ آپ کی تصدیق اس جیسے کے سوا کوئی نہیں کرے گا۔

شرح نہج البلاغہ میں امیرالمؤمنین کے بیان کے بعد لکھا ہے کہ درخت کی اس حدیث سے کثرت سے فوائد نکالے گئے ہیں۔ محدثین نے اس کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور علم الکلام کے ماہرین نے اس کو رسول اکرمؐ کے معجزات میں شمار کیا ہے۔ اس پر وہ مزید کہتے ہیں کہ زیادہ افراد نے اس کو ویسے ہی روایت کیا ہے جیسی یہ امیرالمؤمنین کے خطبہ میں بیان ہوئی ہے۔ البتہ بعض افراد نے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔

بیشتر قریشی جانتے تھے کہ آنحضرتؐ، اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ پھر بھی اگر آپ ان کو ایک ہزار ایک معجزے دکھا دیتے، مکہ کے پہاڑ اور گھاٹیوں کو ان کے لئے ریزہ ریزہ کر دیتے، اس کی وادیوں میں ان کے لئے دریا جاری کر دیتے، ان کے لئے لذیذ اور نفیس پھلوں سے لدے ہوئے درخت اگا دیتے اور ان کے کہنے کے مطابق ان کے لئے قصی کو واپس بلا دیتے، پھر بھی وہ لوگ آپ کی رسالت پر ایمان نہ لاتے۔ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آتے کیونکہ آپ کی رسالت ان کے مفادات سے متصادم تھی اور ان کی خواہشات، عیش پسندی اور تلون مزاجی سے برسرپیکار تھی۔ اس کے بارے میں ان کی حالت وہی تھی جو ہر زمانہ اور ہر مقام کے ان لوگوں کی ہوتی ہے جو حق کو پہچانتے ہوئے اس سے اس لئے منہ موڑے رہتے ہیں کہ اس سے ان کو نہ فائدہ حاصل ہوتا ہے نہ نفع۔ آنحضرتؐ ان کے لئے کچھ بھی کریں وہ آپ پر جھوٹ اور جادوگری کا الزام ہی لگاتے رہیں گے۔

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب

جب مشرکین، ابوطالبؑ سے اور ان تمام بیچ میں پڑنے والے افراد سے مایوس ہوگئے جو ان لوگوں کے اور آنحضرتؐ کے درمیان درستی حالات کی کوشش کر رہے تھے اور انہوں نے دیکھا کہ اسلام اپنے راستے پر گامزن ہے اور لوگ روز بروز اس کی طرف بڑھ رہے ہیں تو ان کی رائے یہ ٹھہری کہ اذیت رسانی اور بدسلوکی کے حملوں میں زیادتی کر دیں یہاں تک کہ خود آنحضرتؐ کو برا کہا جائے اور جہاں کہیں آپ مل جائیں آپ پر کوڑا اور مٹی پھینکا کریں۔ ام جمیل نے طے کیا کہ آنحضرتؐ کو اور آپ کی سچی اور وفادار بیوی کو آپ کے گھر ہی میں جو اس کے گھر سے متصل تھا اذیتیں دے گی۔ چنانچہ جو

کوڑا پتھر وغیرہ اس کے پاس ہوتے آنحضرتؐ کو تکلیف اور ایذا پہنچانے کے لئے آنحضرتؐ کے گھر کے راستا میں ڈال دیتی۔ اس کے شوہر عبدالعزیٰ نے اپنی طرف سے یہ طے کیا کہ جب وہ آنحضرتؐ کو نماز پڑھتے یا تنہا چلتے ہوئے دیکھتا تو کچھ جانوروں کی غلاظت، خون اور بچے کھچے حصے آنحضرتؐ پر ڈال دیتا تھا۔

ایک روز دن چڑھے جبکہ آنحضرتؐ سعی کرنے والے راستا میں ایک پتھر پر جو وہاں پڑا ہوا تھا بیٹھے ہوئے اپنی عادت کے مطابق غور وفکر میں محو تھے۔ عبداللہ بن جدعان اور صفیہ بنت عبدالمطلب کی دو کنیزیں ایک مکان میں جو اس مقام کے اوپر کھلتا تھا بیٹھی ہوئی باتیں کررہی تھیں کہ ادھر سے حکم بن ہشام جو خانۂ کعبہ کی طرف جارہا تھا آنحضرتؐ کی جانب متوجہ ہوکر آپ کو برا کہنے لگا اور اس کے چاروں طرف غنڈے کھڑے ہنس رہے تھے۔ تب آنحضرتؐ نے ابوجہل اور ان لوگوں کی طرف دیکھ کر جو ان پر ہنس رہے تھے اور مذاق اڑا رہے تھے، اپنے اور ان کے مابین ہونے والے واقعے کی شکایت اللہ سے کی۔ حکم نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک مٹھی بھر خاک لے کر آنحضرتؐ کے سر پر ڈال دی۔ صفیہ کی کنیز اور عبداللہ بن جُدعان کی کنیز دونوں نے یہ دیکھا اور دونوں کو آنحضرتؐ پر رحم آ گیا کیونکہ ان کو یہ بہت برا لگا کہ آپ پر یہ گندگیاں ڈالی جائیں حالانکہ وہ آنحضرتؐ پر ایمان نہیں لائی تھیں لیکن ان کو اس بات کا رنج تھا کہ وہ آپ کو بچا نہیں سکتی تھیں۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں جبکہ غصہ اور ہمدردی کے جذبات ان کے چہرے سے عیاں تھے۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی اپنے راستے پر جارہی تھیں اور چند ہی قدم چلی تھیں کہ پہاڑ کی جانب سے حضرت حمزہؓ آتے دکھائی دیئے۔ وہ شکار سے واپس آرہے تھے اور اپنی کمان ہاتھ میں لئے اپنے گھر کی طرف رخ کئے ہوئے تھے۔ لوگ ان کو تعظیم اور حیرت کے جذبات سے دیکھ رہے تھے۔ یہ دونوں کنیزیں ان کے پاس پہنچیں اور ابن جدعان کی کنیز نے تیزی سے آگے بڑھ کر غصہ سے کانپتی ہوئی آواز میں ان سے کہا کہ اے ابوعمارہ! آپ نے دیکھا حکم بن ہشام نے آپ کے بھتیجے محمدؐ کے ساتھ بدسلوکی کی ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ اس نے کیا کیا ہے؟ تب اس کنیز نے بتایا کہ اس نے آنحضرتؐ کو یہاں بیٹھے ہوئے دیکھا تو ان کو خوب ستایا، برا بھلا کہا اور ان کے ساتھ نہایت ناروا سلوک کیا۔ پھر وہ خاموش ہوگئی گویا اس سے گھبراہٹ کے مارے بات ہی نہیں ہو رہی تھی۔ ادھر حضرت حمزہؓ غصے سے تمتماتے ہوئے چل پڑے لیکن صفیہ کی کنیز نے ان کو روک کر کہا کہ اے ابوعمارہ! اس نے آنحضرتؐ کے سر پر مٹی ڈالی ہے۔ حضرت حمزہؓ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے خود اس کو ایسا کرتے دیکھا۔ وہ بولی کہ ''ہاں۔'' اب تو حضرت حمزہؓ غصہ میں بھرے ہوئے خانۂ کعبہ کی طرف اس تیزی سے چلے جیسے اونچائی سے پتھر لڑھکتے ہیں۔ نہ کسی سے بات کرنا نہ کسی کو سلام کرنا۔ سیدھے خانۂ کعبہ میں داخل ہوکر لوگوں پر نظر ڈالنے لگے تاکہ حکم بن ہشام کو دیکھ لیں۔ وہ ان کو لوگوں کے بیچ بیٹھا ہوا دکھائی دے گیا۔ حضرت حمزہؓ اس کی طرف بڑھے اور ٹھیک اس کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ اب حکم ان کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھتا کیا ہے کہ وہ غصہ سے کانپ رہے ہیں۔ وہ ان سے ڈر گیا اور اپنے کپڑے سمیٹتے ہوئے بولا کہ اے ابوعمارہ! وہ ہم کو بے وقوف بناتے ہیں، ہمارے خداؤں کو برا کہتے ہیں اور ہمارے آباؤاجداد کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس پر حضرت حمزہؓ نے اس سے کہا کہ تم سے زیادہ بیوقوف کون

ہوگا۔تم اللہ کی بجائے پتھروں کی پرستش کرتے ہو۔ پھر اپنی کمان اٹھا کر اس کے سر پر ایسی ضرب لگائی کہ اس کا سر بری طرح پھٹ گیا اور وہ ایسے زور سے دھاڑا کہ اس شخص کا دل اور سارے لوگوں کے دل دہل گئے۔ پھر بولے کہ ہمت ہو تو اس کا جواب دو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ کیا تم اس کو برا کہو گے جبکہ میں خود اسی کے دین پر ہوں۔

بنی مخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی مدد کے لئے آ گئے اور حضرت حمزہؓ سے کہنے لگے کہ تم نے تو دین ہی بدل ڈالا۔ اس پر حضرت حمزہؓ نے ان کو جواب دیا کہ مجھ کو اس سے کیا چیز روک سکتی ہے جبکہ مجھ پر ظاہر ہو گیا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کی طرف سے حق لے کر آئے ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو مجھ کو روک کر دیکھو۔ اس پر ابوجہل نے ان لوگوں سے کہا کہ ابوعمارہ کو رہنے دو کیونکہ میں نے ان کے بھتیجے کو بری باتیں سنائی ہیں جو اُن کو بری لگی ہیں۔ ابوجہل ہرگز اپنا سر نہ جھکاتا اگر اس کو یہ یقین نہ ہوتا کہ حضرت حمزہؓ ان سب لوگوں پر غالب آنے کی قدرت رکھتے ہیں جو اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے یہی مناسب سمجھا کہ خود بھی صبر کر لے اور اپنے ساتھیوں کو بھی روکے رہے تا کہ حضرت حمزہؓ اس کی طرف رخ کر کے اس کے ایک اور ضرب نہ لگا دیں جس سے اس کی موت ہی واقع ہو جائے۔ پس وہ سب لوگ حضرت حمزہؓ سے دور ہی رہے اور حضرت حمزہؓ قریش کو زیر کرنے کے بعد فخریہ آنحضرتؐ کے پاس پہنچے اور ان کو گلے لگا کر جبکہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہنے لگے: اَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔

اس واقعے نے قریش کو کپکپا دیا اور ان کی خواب گاہوں میں بے چینی پیدا کر دی اس لئے نہیں کہ حضرت حمزہؓ نے ابوجہل کا سر پھاڑ دیا تھا بلکہ اس لئے کہ اس واقعے کے بعد حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے آنحضرتؐ اور آپ کے پیروؤں کو عزت، پناہ اور قوت کا احساس حاصل ہو گیا جو اُن کے علاوہ سو آدمیوں کے اسلام لانے سے بھی حاصل نہ ہو سکتا تھا۔

وہ لوگ جو اسلام لے آئے تھے اور اس کو چھپائے ہوئے تھے حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد بلاخوف وخطر اس کو ظاہر کرنے لگے اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے متعدد افراد ایک ایک کر کے اسلام قبول کرتے چلے گئے یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے پیرو ایسی قوت ہو گئے کہ مشرک ان سے خوف کھانے لگے۔ البتہ قریش اپنی تمام کوششوں اور ابوطالبؓ وغیرہ کے ساتھ گفتگو میں ناکام رہنے کی وجہ سے نبی اکرمؐ کی دعوت حق کی مخالفت جاری رکھنے پر متفق رہے۔

ایک روز ان سب نے اس معاملہ میں مشورہ کیا تو ابوجہل نے کہا کہ محمدؐ نے ہر چیز سے انکار کر دیا ہے۔ پس اب تم جو چاہو کرو کیونکہ انہوں نے ہمارے لئے کوئی صورت ایسی نہیں چھوڑی کہ ہم ان کے پھیلاؤ میں قربانی اور ٹکر لئے بغیر بندش پیدا کر سکیں۔ میں تم سے عہد کرتا ہوں کہ کل میں ایک مقام پر نشست جما لوں گا اور جب وہ اپنی عادت کے مطابق اپنے رب کی نماز ادا کرنے آئیں گے تو میں ایک بڑا پتھر لے کر ان کے سر پر مار دوں گا۔ پھر اس کے بعد بنی ہاشم جو اُن سے ہو سکے کرتے رہیں۔ اس پر ان سب نے مل کر کہا کہ تم جو چاہتے ہو اس پر عمل کرو۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو وہ ایک بڑا پتھر لے کر بیٹھ گیا اور رسول اللہؐ کا انتظار کرنے لگا۔ قریش اپنی چوپال میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ جب

نبی اکرمؐ تشریف لائے تو نماز ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے کہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان دو رکعت نماز پڑھ لیں۔ پس جونہی آنحضرتؐ نے نماز شروع فرمائی ابوجہل پتھر لے کر کھڑا ہوگیا اور نبی اکرمؐ کے سجدہ کرنے کا انتظار کرنے لگا تا کہ اپنے منصوبے پر عمل کرے لیکن وہ کچھ نہ کرسکا اور ان لوگوں کے پاس پریشان اور سہا ہوا واپس چلا آیا۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ اے ابوجہل تم کو کیا ہوا؟ وہ بولا کہ جب میں نے ان کے سر پر پتھر دے مارنے کا ارادہ کیا تو میرے اور ان کے درمیان ایک نر اونٹ حائل ہوگیا میں نے اس کے سر جیسا خوفناک سر اور دانت کبھی نہیں دیکھے تھے۔ وہ میری طرف بڑھا اور مجھ کو کھا جانا چاہا پس میں بھاگ آیا۔

قریش دیکھ رہے تھے کہ رسول اللہؐ کا قتل ان کو بہت پریشانیوں میں ڈال دے گا کیونکہ بنی ہاشم اور ان سے مضبوط رشتہ رکھنے والے افراد خواہ مشرک ہوں یا مومن سب کے سب حضرت محمدؐ کے طرفدار تھے اور جو بھی آنحضرتؐ کی زندگی ختم کرنے کی کوشش کرتا وہ اس سے مقابلہ کرنے کا تہیہ کئے ہوئے تھے۔

ایک دن ایسا ہوا کہ ابوطالبؑ نے آنحضرتؐ کو ان مقامات میں سے جہاں آپ کو چھپائے رکھتے تھے کسی میں نہ پایا اور ان کے بارے میں کوئی خبر بھی نہ ملی تو ابوطالبؑ نے بنی ہاشم کے جوانوں کو جمع کر کے کہا کہ تم میں سے ہر ایک، ایک تیز ہتھیار لے کر میرے پیچھے پیچھے آئے اور جب میں خانۂ کعبہ میں داخل ہوجاؤں تو تم میں سے ہر ایک قریش کے بڑے آدمی کے برابر بیٹھ جائے اور اگر محمدؐ قتل کردیئے گئے ہوں تو اس کو قتل کرڈالے۔ اُن سب نے ایسا ہی کیا۔

قبل اس کے کہ اس منصوبے پر جو انہوں نے قریش سے انتقام لینے کے لئے بنایا تھا عمل ہوتا زید بن حارثہ نے آ کر ان کو نبی اکرمؐ کے بخیریت ہونے کی اطلاع دیدی۔ جب صبح ہوئی تو وہ آنحضرتؐ کا ہاتھ پکڑے ہوئے بنی ہاشم کے دو جوانوں کو ساتھ لے کر قریش کی نشست گاہ میں جا پہنچے اور ان کو بتا دیا کہ اگر وہ آنحضرتؐ کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی کرتے تو وہ ان کو کیا مزہ چکھاتے اور ان کو وہ ہتھیار بھی دکھائے جو انہوں نے اس غرض کے لئے مہیا کئے تھے۔ اس پر وہ سب بہت خفیف ہوئے اور راوی کے خیال کے مطابق سب سے زیادہ خفیف ابوجہل ہوا۔

تاریخ یعقوبی میں ہے کہ عاص بن وائل سہمی، حارث بن قیس بن عدی سہمی، اسود بن مطلب بن اسد، ولید بن مغیرہ مخزومی اور اسود بن یغوث زہری لونڈوں اور غلاموں کو آنحضرتؐ پر بھڑکایا کرتے اور وہ سب آنحضرتؐ کے ساتھ ناشائستہ حرکتیں کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ ایک جانور ذبح کر کے جب آنحضرتؐ نماز پڑھ رہے تھے اس کی تمام اندرونی غلاظت سجدہ کی حالت میں آپ کے کندھوں پر ڈال دی۔ بعدازاں آنحضرتؐ، ابوطالبؑ کے پاس گئے اور بولے کہ آپ لوگوں میں میری کیا حیثیت ہے؟ انہوں نے پوچھا کہ اے بھتیجے یہ تمہارا کیا حال ہے؟ اس پر آنحضرتؐ نے انہیں بتایا کہ ان لوگوں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ ابوطالبؑ اسی وقت ایک تلوار لے کر اور ایک غلام کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے تلوار کو نیام سے نکال کر لوگوں سے کہا کہ اگر تم میں سے کوئی ذرا بھی بولا تو میں اس کی گردن اتار دوں گا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے غلام کو حکم دیا اور اس نے غلاظت لے کر ان میں سے ہر ایک کے منہ میں ڈالی۔ تب وہ سب کہنے لگے کہ بس کیجئے اے ابوطالب—!

—۵—

ہجرتِ حبشہ

قریش نے دیکھ لیا کہ وہ ڈرانے، ایذا دینے اور لالچ دلانے کے ان تمام طریقوں میں ناکام رہے ہیں جو انہوں نے اس لئے اختیار کئے تھے کہ حضرت محمدؐ کو دعوت حق سے روگرداں کردیں گے اور وہ عوام کے اور دعوت کے مابین حائل ہوجائیں گے کیونکہ باوجودیکہ انہوں نے سارے حربے استعمال کرڈالے تھے پھر بھی لوگ مسلسل دعوت کو قبول کرتے جارہے تھے۔ مسلمان تعداد میں اور اسلام کے ساتھ لگاؤ میں بڑھتے جارہے تھے لیکن وہ مایوس نہیں ہوئے بلکہ دشمنی، سرکشی اور ظلم کشی میں اور بڑھ گئے البتہ سردست آنحضرتؐ سے ان کی بدسلوکیاں محدود ہوگئیں۔ برا کہنے، مذاق اڑانے اور آپ کے اوپر غلاظت اور کوڑا پھینکنے سے آگے نہیں بڑھیں۔ یہ لوگ ابوطالبؓ اور ان کے گھرانے کے خوف سے یہ تو نہیں کرسکتے تھے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ بھی وہی طریقے اختیار کریں جو آپ کے اصحاب کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ خصوصاً جب سے حضرت حمزہؓ نے اپنے اسلام قبول کرلینے کا اعلان کردیا تھا۔ اس لئے یہ لوگ آنحضرتؐ کے اصحاب پر پہلے سے سخت ایذائیں دینے پر تل گئے۔ جب نبی اکرمؐ نے ملاحظہ فرمایا کہ آپ اپنے اصحاب کو ان تکلیفوں سے نہیں بچاسکتے تو آپ نے ان کو مکہ چھوڑ کر حبشہ جانے کا حکم دیا اور ان سے فرمایا کہ وہ ایسا ملک ہے جہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا اور اللہ اس حالت کی بہ نسبت جس میں تم یہاں ہو وہاں تم کو کشائش عنایت کرے گا۔ چنانچہ یہ لوگ آنحضرتؐ کی بعثت کے پانچویں سال کے ماہ رجب میں مکہ والوں کے خوف سے رات کے اندھیرے میں جدہ کی جانب روانہ ہوگئے۔

ایسا اتفاق ہوا کہ کچھ کشتیاں جو حبشہ جارہی تھیں جدہ کی بندرگاہ میں لنگرانداز تھیں۔ پس جیسا کہ سیرت ابن ہشام وغیرہ میں ہے یہ لوگ ان پر کرایہ دے کر سوار ہوگئے جو فی کس نصف دینار سے زیادہ نہ تھا۔ قریش کو اس قافلہ کی جو مرد اور عورتیں ملاکر پندرہ یا ذرا زیادہ افراد پر مشتمل تھا ہجرت کی خبر ملی تو انہیں خیال ہوا کہ یہ لوگ ایسے ملک میں جو عیسائیت پر عقیدہ رکھتا تھا اسلام کے داعی بن جائیں گے۔ قریش کے کانوں میں یہ بات پڑچکی تھی کہ وہاں کی بعض پرانی روایات ایک عربی نبی کے ظہور کی پیشنگوئی کرتی ہیں۔ پس ان کو یہ ڈر لاحق ہوا کہ مسلمان اپنا دائرۂ اثر بڑھا کر وہاں اسلام پھیلالیں گے

اور ایسی طاقت بن جائیں گے جس کا مقابلہ یہ نہ کرسکیں گے۔ قریش یہ بھی سمجھتے اور جانتے تھے کہ اسلام ذہنوں پر ایک خاص اثر ڈال دیتا ہے۔ اس کا اندازہ ان کو اُن مسلمانوں سے ہوا تھا جو اپنا سب کچھ چھوڑ کر چل دیئے تھے اور اپنے دین اور عقیدے کی راہ میں اپنی جانوں تک سے بے پروا ہو چکے تھے۔ چنانچہ یہ نکل کر تیزی سے لپکے تاکہ ان کو مکہ واپس لے آئیں لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے وہ لوگ جدہ کے ساحل سے نکل کر محفوظ ہو چکے تھے۔

ان مہاجرین میں عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام، مصعب بن عمیر، عثمان بن مظعون، سہیل بن بیضاء، حاطب بن عمرو اور عبداللہ بن مسعود شامل تھے۔ یہ لوگ مع اپنی عورتوں کے چلے تھے ان میں عثمان بن عفان تھے جن کے ساتھ ان کی بیوی دختر نبی اکرمؐ رقیہؓ تھیں۔ ان دونوں کے ہمراہ ام ایمنؓ تھیں۔ ابوسلمہ بن عبدالاسد اپنی بیوی ام سلمہ کے ساتھ تھے، ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ اپنی بیوی سہلہ بنت سہیل کے ساتھ اور عامر بن ابی ربیعہ اپنی بیوی لیلیٰ عدویہ کے ساتھ تھے۔

جب یہ لوگ ارض حبشہ پر اترے تو نجاشی نے ان کو عزت کے ساتھ سراہا اور ان کو ساز و سامان دیا۔ چنانچہ وہ تین مہینہ یا کچھ زیادہ دنوں تک امن و امان کے ساتھ اپنے دینی معاملات کو بجالاتے رہے اور آزادانہ اپنے اللہ کی عبادت کرتے رہے۔ نہ ان کو کسی کا خوف تھا، نہ کوئی ایسی بات سنتے تھے جو ناگوار خاطر ہو۔ یہ لوگ ایسے عدل گستر بادشاہ کے سائے میں تھے جو دانشمندی اور انصاف کے تقاضوں کے مطابق اپنی رعایا کی طرف متوجہ رہتا تھا۔ یہ لوگ اس کی پناہ میں تین مہینہ سے زیادہ تک رہے۔ اب ان کو خبریں پہونچیں کہ تکلیفوں کا زمانہ ختم ہوگیا ہے، قریش مسلمانوں کے سامنے جھک گئے ہیں اور انہوں نے اپنی من مانی کرنا چھوڑ دی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنے ملک میں رسول اللہؐ کے ساتھ رہنا بہتر خیال کیا اور حبشہ ترک کردیا۔ مکہ کی جانب چلتے ہوئے یہ لوگ حبشہ کے باشندوں کے بارے میں بہترین خیالات اور یادیں لئے ہوئے تھے۔ جب یہ مکہ کے قریب پہنچے تو ان کو کچھ سواروں نے بتایا کہ قریش اپنی مخالفت اور بے راہ روی پر قائم ہیں اور اللہ اس کے رسول اور مومنین کے ساتھ دشمنی میں پہلے سے زیادہ سخت ہوگئے ہیں۔ اس پر ان میں سے کچھ حبشہ واپس ہوگئے اور کچھ نے چھپتے چھپاتے مکہ میں داخل ہو کر کسی نہ کسی کی پناہ حاصل کرلی۔

ان لوگوں میں جنہوں نے داخل ہو کر پناہ حاصل کی عثمان بن مظعون بھی تھے۔ وہ ولید بن مغیرہ کی پناہ میں داخل ہوئے۔ ابوسلمہ بن عبدالاسد اپنے ماموں ابوطالبؓ کی پناہ میں آگئے۔ جب عثمان بن مظعون نے دیکھا کہ مشرک ان کمزور افراد پر زیادہ سختی کرتے ہیں جو کسی کی پناہ میں نہیں ہیں تو انہوں نے ولید کی پناہ چھوڑ دی تاکہ اپنا بچاؤ خود کریں اور آزمائش اور تکلیفوں میں ان لوگوں کے ساتھ برابر کے شریک رہیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ قریش کی ایک نشست میں یہ بھی تھے اور لبید ان کو اپنا وہ قصیدہ سنا رہا تھا جس میں اس نے کہا:

الا کل شیء ما خلا اللّٰہ باطل   وکل نعیم لا محالة زائل

"آگاہ ہو کہ اللہ کے سوا ہر شے باطل ہے اور ہر نعمت لازمی طور سے زائل ہوجانے والی ہے۔"

اس پر عثمان بن مظعون نے جواباً کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ جنت کی نعمت زائل نہیں ہوگی۔ اس پر ایک شخص نے

اٹھ کر ان کی آنکھ پر ایسا تھپڑ مارا کہ وہ ضائع ہونے کے قریب ہوگئی۔ تب ولید بن مغیرہ نے ان سے پیشکش کی کہ اس کی پناہ میں واپس آ جائیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ میری دوسری آنکھ بھی اسی کے انتظار میں ہے جو اس کی ساتھی کو اللہ کی راہ میں لاحق ہوا ہے۔

ان واقعات نے ابوطالبؑ کے احساسات میں جنبش پیدا کر دی۔ چنانچہ انہوں نے وہ قصیدہ کہہ ڈالا جس میں وہ قریش کی بے راہ روی اور بے شرمی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

امن تذکر اقوام ذوی سفه　　　یغشون بالظلم من یدعو الی الدین
لا ینتهون عن الفحشاء ما امروا　　　والغدر فیهم سبیل غیر مأمون

''ان بیوقوف قوموں کا کیا ذکر جو دین کی طرف بلانے والوں پر ظلم ڈھاتے ہیں وہ حکم کے باوجود بدکاریوں سے باز نہیں آتے۔ غداری کرنا ان کا طریقہ ہے جو غیر محفوظ ہے۔''

اس کے آخر میں کہتے ہیں:

او یؤمنوا بکتاب منزل عجب　　　علیٰ نبیٍّ کموسیٰؑ او کذی النونؑ
یأتی بأمر جلی غیر ذی عوج　　　کما تبین فی آیات یاسین

''یا اس کتاب پر ایمان لائیں جو نبیؐ پر نازل ہوئی جو موسیٰؑ اور ذوالنونؑ کی مانند ہے۔ وہ کھلے ہوئے احکام لایا ہے جن میں ٹیڑھا پن نہیں ہے۔ جیسا کہ سورۂ یٰس کی آیات سے ظاہر ہے۔''

بنی مخزوم کے چند افراد نے یہ کوشش کی کہ ابوطالبؑ اپنے بھانجے ابوسلمہ کی حمایت سے باز رہیں اور ان سے کہا کہ آپ نے ہم سے اپنے بھتیجے کو تو بچائے رکھا۔ اب یہ کیا ہے کہ آپ اپنے بھانجے کو بھی ہم سے بچائے ہوئے ہیں؟ اس پر انہوں نے اُن سے کہا کہ اس نے میری پناہ طلب کی ہے اور وہ میرا بھانجا ہے۔ اگر میں اس کو نہ بچاؤں تو گویا اپنے بھتیجے کو بھی نہ بچاؤں۔

کچھ مورخ اور مفسر ان مہاجروں کی مکہ کی جانب واپس چلے آنے کی یہ وجہ بتلاتے ہیں کہ مشرکین نے نبی اکرمؐ سے اس لئے مصالحت کر لی تھی کے آنحضرتؐ نے خود بتوں کی تعریف کر کے اور یہ اعتراف کر کے کہ اللہ کے نزدیک ان کا بڑا مرتبہ ہے اور وہ شفاعت کی امیدگاہ ہیں۔ مشرکین سے قربت حاصل کی تھی جیسا کہ حدیث غرانیق میں ہے جس کو کچھ سیرت نگاروں اور مؤرخوں نے ماخذ قرار دے لیا تھا اور بعض مستشرقین نے نبی اکرمؐ کی نبوت میں شک پیدا کرنے اور ان پر الزام لگانے کے لئے اس سے خوب فائدہ اٹھایا جبکہ آنحضرتؐ کے حامی آپ کی طرف داری میں آپ کی تائید اور دفع الزامات کرتے رہتے ہیں۔

حدیث غرانیق

جو کچھ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں آیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب نبی اکرمؐ نے ملاحظہ فرمایا کہ قریش آپ سے دور دور رہتے ہیں، آپ سے ٹکر لینے پر مصر ہیں اور آپ کے اصحاب پر مصیبتیں ڈھائے چلے جارہے ہیں تو آپ کی یہ خواہش ہوئی کہ اللہ آپ پر ایسی کوئی چیز نازل نہ کرے جو اُن لوگوں کو آپ سے متنفر کردے۔ اس طرح آپؐ نے ان سے تقرب حاصل کرلیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ ان سے قریب ہوئے اور وہ لوگ آپ سے قریب ہوئے۔ پس ایک روز آپؐ ان لوگوں کی خانۂ کعبہ کی نشستوں میں سے ایک میں شریک ہوئے اور ان کو سورۂ والنجم پڑھ کر سنانے لگے یہاں تک کہ آنحضرتؐ اس آیت پر پہنچے:

اَفَرَأَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰىo وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰىo ''کیا تم نے دیکھا نہیں ہے۔ لات کو عزیٰ کو اور تیسرے بت منات کو۔'' تو آپ نے یہ اضافہ فرما دیا کہ:

تلک الغرانیق العلا وان شفاعتھن لترتجی ''یہ بلند پرواز والے ہیں بے شک ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔''

آنحضرتؐ پڑھتے گئے یہاں تک کہ سورت کے ختم پر آیت سجدہ پر پہنچ گئے۔ تب آنحضرتؐ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مشرکوں نے بھی سجدہ کیا۔ ان میں سے کسی نے آپ کی مخالفت نہیں کی۔ چنانچہ جیسا کہ رسول اللہؐ کی سیرت لکھنے والے بعض مؤرخین کی رائے ہے قریش نے جو کچھ آنحضرتؐ نے پڑھا اس پر اپنی رضامندی ظاہر کردی اور کہنے لگے کہ ہم کو معلوم ہوگیا کہ اللہ ہی زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے۔ وہی پیدا کرتا ہے اور وہی روزی دیتا ہے۔ البتہ ہمارے یہ خدا اس سے ہماری شفاعت کرتے ہیں۔ پس اب جبکہ آپ نے ان کا بھی حصہ مان لیا ہے تو ہم آپ کے ساتھ ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی مخالفت نہیں ہے۔

اس حیرت انگیز قصے کے حامی کہتے ہیں جب نبی اکرمؐ نے ان لوگوں کے بتوں کا ذکر اچھائی کے ساتھ کیا تو مخالفت دور ہوگئی اور بات پھیلتے پھیلتے حبشہ میں مہاجرین تک جا پہنچی تو وہ کہنے لگے کہ اگر یہ بات ہے تو ہم کو اپنے ملک لوٹ جانا چاہئے تاکہ ہم اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں میں رہیں۔ چنانچہ وہ حبشہ سے مکہ جانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے لیکن قبل اس کے کہ وہ مکہ تک پہنچیں ان کو بنی کنانہ کی ایک جماعت مل گئی۔ انہوں نے ان سے حقیقت واقعہ دریافت کی اس پر ان لوگوں نے ان کو بتایا کہ نبی اکرمؐ نے ان کے خداؤں کا ذکر اچھائی کے ساتھ کیا تو وہ لوگ آپ کی پیروی کرنے لگے لیکن نبی اکرمؐ پلٹ گئے اور پھر سے ان کو برا کہنے لگے تو وہ لوگ بھی اپنی حالت پر واپس آگئے اور اب صورت حال دونوں طرف بگڑی ہوئی ہے اور پہلے سے زیادہ خراب ہے۔ اس پر مسلمانوں نے آپس میں گفتگو کی اور کچھ لوگ تو مکہ میں داخل ہوگئے اور باقی کنارہ کش رہے۔

جو لوگ حدیث غرانیق کو صحیح مانتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ نبی اکرمؐ ان لوگوں کے ساتھ مصالحت کرنے سے دو وجہوں سے پلٹ گئے تھے ایک تو یہ کہ آنحضرتؐ کو قریش کا یہ کہنا برا لگا کہ اب جبکہ آپ نے ہمارے خداؤں کا حصہ مان لیا ہے تو ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

دوسرے یہ کہ آنحضرتؐ اپنے گھر میں جلوہ افروز تھے۔ جب شام ہوگئی تو آپ کی خدمت میں جبریلؑ حاضر ہوئے۔ تب آنحضرتؐ نے سورہ والنجم پڑھی تو انہوں نے آپ سے کہا کہ کیا میں آپ کے پاس یہ دو آیتیں لایا تھا جن میں ان غرانیق العلا کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے؟ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ میں نے اللہ کی طرف سے وہ چیز کہہ دی تھی جو اس نے نہیں کہی تھی۔ اس پر اللہ نے آنحضرتؐ کو وحی کی کہ:

''وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ عَنِ الَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَہٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْکَ خَلِیْلًاo وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنَاکَ لَقَدْ کِدتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًاo اِذًا لَّاَذَقْنَاکَ ضِعْفَ الْحَیَاۃِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًاo ''اور یہ لوگ چاہتے تھے کہ تمہیں اس کلام سے ہٹادیں جو تم پر وحی کے ذریعہ نازل کیا تھا تا کہ تم اس کے علاوہ کوئی اور بات ادا کرو جو حق نہ ہو۔ اگر ایسا ہو جاتا تو اس وقت وہ لوگ تمہیں اپنا دوست بنا لیتے۔ اگر ہم نے تم کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو تم تھوڑا تھوڑا ان کی طرف مائل ہو جاتے۔ اس وقت ہم تم کو زندگی اور موت دونوں کی برائیوں کا مزہ چکھاتے، پھر تم اپنے لئے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے۔'' (سورۂ بنی اسرائیل: آیت۷۳تا۷۵)

اس سبب سے آنحضرتؐ پھر سے ان کے خداؤں کا ذکر برائی سے کرنے لگے اور ان کو برا کہنے لگے۔ قریش ایسے طریقہ سے جو دین، عقل اور قرآن کی منطق سے بالکل بعید ہے آپ کی مخالفت اور آپ کے اصحاب کی ایذا رسانی پر اتر آئے۔ مؤرخین، مفسرین اور سیرت نگاروں میں سے جو کچھ افراد غرانیق کے قصہ کو مان گئے ہیں اور اسی کو مسلمانوں کی حبشہ سے واپسی اور پھر وہیں جانے کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔

مستشرق سر ولیم میور نے بھی قصۂ غرانیق کی تائید کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو مسلمان ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے وہ وہاں تین مہینے سے زیادہ نہیں رہے اور اس درمیان میں نجاشی نے ان کو پناہ دی اور اچھی طرح رکھا۔ اگر ان کو آنحضرتؐ اور قریش کے مابین مصالحت ہوجانے کی خبر نہ پہنچ جاتی تو کوئی شے ان کو اپنے اہل خانہ اور رشتہ داروں سے ملنے کے ارادے سے واپس ہو جانے پر مائل نہ کرسکتی تھی۔ وہ یہ بھی اضافہ کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ اور قریش کے درمیان صلح کیسے ہوئی جبکہ آنحضرتؐ اس کی طرف بڑھ نہ سکتے تھے حالانکہ وہ مکہ میں تعداد میں کم اور قوت میں کمزور تھے اور آپ کے ساتھی اپنے آپ کو قریش کی ایذا رسانیوں سے بچانے سے معذور تھے۔

یہ ہے گھماؤ پھیر کا سوچنے کا وہ طریقہ جس سے دشمنان اسلام اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ اسلام کے تقدس کو

مٹادیں حالانکہ حبشہ سے مسلمانوں کی واپسی میں اگر وہ صحیح بھی ہو کوئی چیز ایسی نہ تھی جس سے یہ ظاہر ہو کہ نبی اکرمؐ نے امور رسالت کے خلاف کوئی کام کیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی واپسی کے دو سبب تھے۔ اول نبی اکرمؐ اور مسلمانوں کا مستحکم طرز عمل اور لوگوں کا قبول اسلام خاص کر حضرت حمزہؓ کے اسلام قبول کرنے اور عمر بن خطاب کے اسلام لانے کا واقعہ جو اسلام کے بدترین دشمن تھے اور لوگوں میں مسلمانوں پر سختی کرنے میں مشہور تھے۔ نیز پے بہ پے اذیتوں اور سختیوں کے باوجود نبی اکرمؐ اور آپ کے ساتھیوں کے پختہ طرز عمل نے مشرکوں کو مجبور کیا کہ وہ آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب پر دباؤ ڈالنے کا کوئی اور طریقہ سوچیں کیونکہ ایذا رسانی، مصیبت اور جسمانی تکلیفیں دینے سے وہ ایسی خانہ جنگی کی طرف بڑھ رہے تھے جس کی وسعت کسی کو معلوم نہ تھی اور نہ یہ کہ اس کا دائرہ کس حد تک پہنچ جائے گا کیونکہ قریش کے مختلف قبیلوں اور گھرانوں کے افراد نے اسلام قبول کرلیا تھا اور یہ قبیلے ہر اس شخص کو قتل کرنے پر قادر نہ تھے جو اسلام لے آیا تھا خواہ وہ ان کی مخالفت کرتا ہو اور ان کے دین اور عقیدہ سے منکر ہو۔ پس وہ ایک دوسرا طریقہ اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے جو اس خطرہ سے خالی ہو۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کی ایذارسانی سے اس وقت تک کے لئے دست کش ہوگئے کہ جب تک وہ ایسے طریقے پر متفق نہ ہوجائیں جس میں آنحضرتؐ سے لڑیں تو وہ لڑائی ان کو خانہ جنگی میں نہ دھکیل دے۔ جب اس سکون کی خبر مسلمانوں تک پہنچی تو واپسی کے لئے سوچنے لگے لیکن یہ ایک دوسرے سبب کے بغیر کافی نہیں تھا جس نے ان کے ارادہ میں پختگی پیدا کردی۔ وہ یہ تھا کہ اسی زمانے میں حبشہ میں نجاشی کے خلاف ایک شورش برپا ہوگئی جس میں ایک طرح سے مسلمانوں کا طرز عمل مثبت تھا۔ مسلمانوں نے پہلے ہی نجاشی کے نقطۂ نظر کو سمجھ لیا تھا اور ان کی کوشش تھی کہ حبشہ میں ان کے مخالف نظریے کی سختی میں کمی پیدا ہو جائے۔ ٹھیک اسی زمانے میں ان کو قریش اور آنحضرتؐ کے مابین مصالحت ہو جانے کی خبر بھی پہنچی۔ چنانچہ ان کو اسی میں بھلائی نظر نہ آئی کہ اس جھگڑے کو پیچھے چھوڑ کر اپنے اہل وعیال سے جاملیں۔ یہ تھا واقعہ جو اُن لوگوں کے ساتھ پیش آیا۔ گویا ان کی واپسی کا کوئی تعلق اس سے نہیں تھا کہ نبی اکرمؐ نے مشرکوں کے ساتھ سمجھوتا کرلیا تھا اور ان کے بتوں کی مدح سرائی کی تھی جیسا کہ جاسوسوں اور خفیہ سازشوں نے مشہور کردیا ہے۔

جن لوگوں نے قصہ غرانیق تیار کرکے اس کو جھوٹ اور بہتان کے طور پر رسول اللہؐ کی سیرت پر چسپاں کردیا وہ سورۂ حج کی ان آیات کا سہارا لیتے ہیں:

وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِن رَّسُوۡلٍ وَلاَ نَبِیٍّ اِلاَّ اِذَا تَمَنّٰی اَلۡقَی الشَّیۡطَانُ فِیۡ اُمۡنِیَّتِہٖ فَیَنۡسَخُ اللّٰہُ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطَانُ ثُمَّ یُحۡکِمُ اللّٰہُ اٰیَاتِہٖ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ○ لِیَجۡعَلَ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطَانُ فِتۡنَۃً لِّلَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِھِمۡ مَّرَضٌ وَالۡقَاسِیَۃِ قُلُوۡبُھُمۡ وَاِنَّ الظَّالِمِیۡنَ لَفِیۡ شِقَاقٍ بَعِیۡدٍ○

''اور ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کوئی رسول یا نبی بھیجا تو جب بھی اس نے آرزو کی تو شیطان اس کی آرزو میں شریک ہوگیا۔ البتہ جو وسوسہ شیطان ڈالتا ہے اللہ اس کو مٹا دیتا ہے۔ پھر وہ اپنی آیات

میں استحکام دیتا ہے اور اللہ جاننے والا اور دانا ہے۔'' (سورۂ حج: آیت ۵۲۔۵۳)

ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ نبی اکرمؐ نے سورۂ سجدہ میں ''تلک الغرانیق العلا وان شفاعتھن لترجی'' کا اضافہ کردیا تھا۔ اس کے بعد یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ نے آنحضرتؐ کو عتاب کیا اور آپ نے اپنی غلطی مان لی اور یہ کہ اس عتاب کے بعد اللہ نے یہ وحی نازل کی:

وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ عَنِ الَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَہٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْکَ خَلِیْلًاO وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنَاکَ لَقَدْ کِدتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًاO اِذًا لَّاَذَقْنَاکَ ضِعْفَ الْحَیَاۃِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًاO

یہ دوسری آیت جس کے متعلق ان لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مشرکین اور نبی اکرمؐ کے درمیان ہونے والے واقعہ کو بیان کرتی ہے ثابت کرتی ہے کہ آنحضرتؐ ان کی طرف مائل نہیں ہوئے اور یہ کہ اللہ نے آپ کو حق پر قائم رکھا اور آپ نے ان کی بات نہیں سنی۔ البتہ اگر آنحضرتؐ سن لیتے تو اللہ آپؐ کی سرزنش کرتا، آپ کو زندگی اور موت کا مزہ چکھاتا اور آپ سے روکش ہو جاتا۔ حدیث غرانیق آنحضرتؐ کے خلافِ شان ہے کیونکہ ان لوگوں کے خیال کے مطابق جو اس کو صحیح مانتے ہیں آنحضرتؐ نے ان کی پسند کو قبول کرلیا تھا اور قرآن میں وہ چیز داخل کردی تھی جو قرآن کا حصہ نہ تھی جیسا کہ اس قصہ میں فرض کیا گیا ہے۔

علاوہ بریں وہ آیات جن کے متعلق یہ لوگ کہتے ہیں کہ غرانیق کی طرف اشارہ کرتی ہیں یہ ہیں: یعنی وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَلَا نَبِیٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰی اَلْقَی الشَّیْطَانُ ..... تا آخر آیت'' یہ آیت سورۂ حج میں وارد ہوئی ہے اور سورۂ حج نبی اکرمؐ پر مدینہ میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ تمام مفسرین کا اتفاق ہے اور غرانیق کا مفروضہ قصہ مسلمانوں کی حبشہ کی طرف ہجرت کے بعد کا ہے جو نبی اکرمؐ کی بعثت کے پانچویں یا چھٹے سال میں ہوئی تھی۔

اس کے علاوہ سورۂ نجم کی عبارت جس میں منافقوں نے تلک العرانیق العلا کا اضافہ کیا ہے، اس اضافہ کو قبول نہیں کرتی کیونکہ سورۂ مذکورہ میں اللہ کہتا ہے:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیَاتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰیO اَفَرَاَیْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰیO وَمَنَاۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰیO اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰیO تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰیO اِنْ ھِیَ اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْھَا اَنْتُمْ وَاٰبَآءُکُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطَانٍ، اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَھْوَی الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَ ھُمْ مِّنْ رَّبِّھِمُ الْھُدٰیO ''انہوں نے یقیناً اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ تو کیا تم نے لات، عزیٰ اور تیسرے آخری منات کو دیکھا؟ کیا تمہارے تو بیٹے ہیں اور اس کے لئے بیٹیاں؟ یہ بہت بے انصافی کی تقسیم ہے۔ یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے ان کے لئے رکھ دیئے ہیں۔ خدا نے ان کو کوئی اقتدار نہیں بخشا۔ یہ لوگ صرف اپنے گمان اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کر رہے

ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے پروردگار کی ہدایت آچکی ہے۔" (سورۂ نجم: آیت ۱۸تا۲۳)

ان آیات کی تشریح یہ ہے کہ لات، عزیٰ اور منات ثالثہ اخریٰ سب نام ہیں جو مشرکوں نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کو کوئی اختیار نہیں دیا ہے۔ اس کے باوجود ان کو غرانیق کیسے کہا جاسکتا ہے اور ان کے لئے شفاعت قرار دے سکتا ہے جبکہ شروع سے آخر تک سورہ کی پوری ہیئت ان مشرکین کو برا کہہ رہی ہے جنہوں نے بتوں کو یہ نام دیئے ہیں۔ پھر نبی اکرمؐ کیسے کہہ سکتے تھے کہ ان کی شفاعت کی امید کی جاسکتی ہے۔ مزید یہ کہ اس فقرہ کے فوراً بعد یہ کہا گیا ہے کہ یہ گھڑے ہوئے نام ہیں، اللہ نے ان کو کوئی اختیار نہیں دیا ہے۔ اس طرح سورہ کی آیات اور معانی میں یکسوئی قائم نہیں رہتی۔

اس کی تائید کہ حدیث غرانیق منافقوں اور خفیہ سازش کرنے والوں کی گھڑی ہوئی ہے، اس سے بھی ہوتی ہے کہ نبی اکرمؐ کے بارے میں آپ کے بچپنے سے چالیس سال کی عمر کو پہنچنے تک کسی ایک شخص نے بھی کسی غلط روی کا یا کسی ایک کلمہ کے خلاف واقعہ ہونے کا الزام نہیں لگایا۔ یہاں تک کہ آپ مشرکین میں صادق اور امین مشہور ہوگئے تھے۔ نیز جب آنحضرتؐ نے ارادہ فرمایا کہ قریش کو پیغام ربانی سے متنبہ کریں اور وہ آپ کی بات سنیں تو فرمایا کہ اگر تم کو یہ بتاؤں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک لشکر تمہارے اوپر چڑھائی کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات کو سچا مانو گے؟ تو ان سب نے یک زبان ہوکر کہا کہ آپ ہم میں بالکل بے الزام ہیں اور ہم نے کبھی آپ کی کوئی بات جھوٹی نہیں پائی۔

جن کی یہ شان اور یہ صفت ہو جو ہر برائی اور فریب کاری سے بچے رہے ہوں یہاں تک کہ اگر لوگ آپ کے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند رکھ دیتے تاکہ آپ دعوت حق سے روگرداں ہو جائیں تو آپ روگرداں نہ ہوتے اور آپ اور آپ کے اصحاب برابر اس کی راہ میں تکلیفیں اور ایذائیں برداشت کرتے رہے۔ پس جو ایسا ہو وہ کیونکر روگردانی کرکے قریش کی خوشنودی کے لئے اور ان کے خوف سے اللہ کی طرف سے وہ بات کہہ سکتا ہے جو اس پر اللہ کی طرف سے نازل نہ ہوئی ہو۔

حالانکہ جب وہ تنہا اور بے مددگار تھے اور وہ خود اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے افراد ہر قسم کی بدسلوکی سے دوچار تھے، انہوں نے دعوت حق کے معاملہ میں نہ ان سے سمجھوتہ کیا، نہ ان کی خوشنودی چاہی تو وہ بعد میں جبکہ ان کے پیرو اور دعوت حق لوگوں کے لئے موضوع گفتگو بن گئی تھی، ان کی تعلیمات لوگوں میں پھیل رہی تھیں اور لوگ اس میں یکے بعد دیگرے داخل ہوتے چلے جارہے تھے۔ وہ اللہ پر جھوٹ باندھ کر اور بتوں کی تعریف کرکے قریش کی خوشنودی کیسے طلب کرسکتے تھے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے آنحضرتؐ کی سیرت اور تاریخ جو بہادری کے کارناموں اور اللہ کی راہ میں قربانیوں سے بھری پڑی ہے بالکل انکار کرتی ہے۔

اس کہانی کے گھڑنے والوں کو بھی احساس ہوگیا تھا کہ یہ چلے گی نہیں اور ہر تحقیق کرنے والے پر اس کی حقیقت آشکارا ہوجائے گی اور اسے کوئی ایسا شخص قبول نہیں کرے گا جو دعوت حق کی تاریخ اور آنحضرتؐ کے طریقہ تبلیغ سے نیز اُن حالات سے واقف ہوگا جو اُن کو اپنے ابتدائی مرحلوں میں پیش آتے رہے تھے۔ اسی لئے اُن لوگوں نے یہ کوشش کی کہ اس

کی عیب پوشی کر کے اس کے چہرے کو نیک افراد کے لئے صاف کر دکھائیں اور یہ ظاہر کیا کہ بتوں کی تعریف کرنے اور ان کو شفاعت میں حصہ دینے کے بعد آنحضرتؐ نے روگردانی فرما کر اللہ کے سامنے توبہ کر لی۔ لیکن یہ لوگ یہ امر نظر انداز کر گئے کہ جب اللہ نے آنحضرتؐ کے متعلق کہہ دیا ہے کہ وہ خواہش نفس سے کلام نہیں فرماتے تو ان کے بارے میں یہ کیسے تصور ہوسکتا ہے کہ وہ ایسی بات کریں گے جو اُن پر وحی نہیں کی گئی ہو جبکہ وہ رسالت پر مبعوث ہونے سے پہلے اور بعد میں بھی صادق اور امین ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ وہ روگردانی کریں یا کسی سے سمجھوتہ کرلیں خواہ وہ آپ کے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں پر چاند رکھ دیں۔ جیسا کہ انہوں نے اس وقت جواب دیا تھا جب لوگوں نے چند در چند فریب کاریوں سے کوشش کی تھی کہ وہ دعوت حق سے باز آجائیں۔

حضرت عمر بن خطاب کا قبول اسلام

مؤرخوں کا اس پر اتفاق رائے ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب درشت مزاج اور جلد غصہ کرنے والے تھے اور قریش کے ان افراد میں سے تھے جو آنحضرتؐ اور ان کے چاہنے والوں پر نہایت سخت تھے۔ انہوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ ارادہ کیا کہ نبی اکرمؐ پر حملہ کریں یا آپ کو دھوکے سے مار ڈالیں لیکن اللہ کی مشیت حضرت عمر اور دوسرے تمام مشرکوں اور ان کی خواہشات اور ارادوں کی تکمیل کی راہ میں حائل ہوجاتی تھی۔ جو حضرت عمرؓ کی طرح منصوبے تیار کرتے رہتے تھے۔

شیخ غزالی اپنی کتاب فقۃ السیرۃ میں کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب اسلام کے خلاف شورش کرنے اور اس کا مذاق اڑانے والوں میں اولیت کا درجہ رکھتے تھے۔ اسی کے ساتھ آپ گرم مزاجی اور نہ دبنے والی قوت کے طور پر مشہور تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کو ان سے بہت تکلیفیں پہنچتی رہیں۔

عامر بن ربیعہ کی بیوی سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ہم ملک حبشہ کی جانب جانے والے تھے کہ عامر کسی ضرورت سے کہیں چلے گئے۔ ادھر سے حضرت عمر بن خطاب نکل آئے۔ یہ اس وقت تک شرک پر قائم تھے۔ وہ آکر میرے پاس کھڑے ہوگئے اور ہم کو ان سے خاصی آزمائش کا سابقہ ہوتا رہا تھا۔ تب وہ بولے کہ اے ام عبداللہ! کیا تم لوگ جارہے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں ہم اللہ کی زمین پر نکل جائیں گے تاکہ اللہ ہم کو آسائش مہیا کردے کیونکہ آپ نے ہم کو بہت تکلیفیں دی ہیں اور ہم پر ظلم ڈھائے ہیں۔

اس پر حضرت عمر بولے: اللہ تم کو مبارک کرے۔ میں نے ان میں نرمی اور افسوس کا اثر دیکھا۔ جب عامر واپس آئے تو میں نے یہ واقعہ ان سے بیان کیا اور کہا کہ کاش آپ بھی حضرت عمر خطاب کی نرمی قلب اور ہمارے لئے رنج کو دیکھتے۔ وہ بولے: کیا تم نے ان کو اسلام کی طرف راغب کرلیا۔ میں نے کہا: ہاں۔ وہ بولے: وہ اسلام نہیں لائیں گے جب تک خطاب کا گدھا اسلام نہ لے آئے۔

سیرت ابن ہشام وغیرہ میں حضرت عمر کے اسلام کے متعلق لکھا ہے کہ فاطمہ بنت خطاب زوجۂ سعید بن زید عمرو

بن نفیل اور ان کے شوہر اسلام لے آئے تھے اور حضرت عمر کے ڈر سے اپنے اسلام کو چھپائے رہتے تھے۔ بنی عدی بن کعب سے نعیم بن عبداللہ بن نحام اسلام لے آئے تھے اور اپنی قوم والوں کے خوف سے اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے۔

خباب بن ارتؓ چھپ کر فاطمہ بنت خطاب کے پاس ان کو قرآن پڑھانے جایا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت عمرؓ تلوار لگائے ہوئے رسول اللہؐ اور آپ کے اصحاب کی ایک جماعت کے پاس جانے کے ارادے سے نکلے جو صفا پر جمع تھے۔ ان میں مرد وعوتیں ملاکر چالیس افراد تھے۔ ان میں رسول اللہؐ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت حمزہؓ، حضرت ابوبکرؓ، امام علیؑ اور مسلمانوں میں سے کچھ وہ افراد جو رسول اللہؐ کے ساتھ مکہ میں رہ گئے تھے وہاں پر تھے۔ حضرت عمرؓ ڈراتے ڈھمکاتے ان لوگوں کی جانب راستا طے کررہے تھے کہ ان کو نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ انہوں نے پوچھا کہ اے عمرؓ کہاں کا ارادہ ہے۔ بولے کہ ارادہ یہ ہے کہ اس بے دین محمدؐ کو قتل کردوں جس نے قریش میں پھوٹ ڈال دی ہے، ان کے خیالات کو بے وقوفی کہتا ہے، ان کے دین میں عیب نکالتا ہے اور ان کے خداؤں کو برا کہتا ہے۔

اس پر نعیم نے ان سے کہا کہ اے عمر آپ کو آپ کے نفس نے دھوکہ میں ڈال دیا ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اگر آپ محمدؐ کو قتل کردیں گے تو بنی عبدمناف آپ کو زمین پر چھوڑ دیں گے؟ اپنے اہلبیت کو جاکر دیکھئے اور ان کی حالت درست کیجئے۔ وہ بولے میرے کون سے اہلبیت؟ انہوں نے کہا کہ آپ کے بہنوئی اور چچازاد بھائی سعید بن زید بن عمرو اور آپ کی بہن فاطمہ بنت خطاب کیونکہ بخدا یہ دونوں اسلام لاچکے ہیں اور محمدؐ کے پیرو ہوگئے ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ ان دونوں کا ساتھ دیں۔ اس پر وہ اپنی بہن اور بہنوئی کی طرف پلٹ گئے۔ ان دونوں کے پاس خباب بن ارت موجود تھے اور ان کے پاس ایک کتاب تھی جس میں سورۂ طٰہٰ تھی جو وہ ان دونوں کو پڑھا رہے تھے۔ جب ان سب نے حضرت عمر کی آہٹ سنی تو خباب ایک کوٹھڑی میں چھپ گئے اور فاطمہ نے کتاب لے کر اپنی ران کے نیچے رکھ لی۔

حضرت عمرؓ نے گھر کے قریب آتے ہوئے خباب کو ان دونوں کے لئے پڑھتے ہوئے سن لیا تھا۔ چنانچہ جب وہ اندر آگئے تو کہنے لگے کہ یہ باریک آواز کیا تھی جو میں نے سنی؟ ان دونوں نے ان سے کہا کہ آپ نے کچھ نہیں سنا ہوگا۔ وہ بولے ضرور۔ بخدا مجھ کو بتایا گیا ہے تم دونوں نے محمدؐ کے دین پر ان کی پیروی اختیار کرلی ہے پھر اپنے بہنوئی سعید بن زید پر جھپٹ پڑے۔ ان کی بہن اپنے شوہر کو اُن سے چھڑانے کے لئے کھڑی ہوگئیں۔ اس پر انہوں نے ان کو مارا اور ان کا سر پھاڑ دیا۔ ان کی بہن اور بہنوئی نے کہا کہ ہاں ہم اسلام لے آئے ہیں اور ہم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب جو آپ کے جی میں ہو وہ کیجئے۔ جب انہوں نے اپنی بہن کو خون میں لت پت دیکھا تو اپنے کئے پر شرمندہ ہوئے اور بدل گئے۔ اب انہوں نے بہن سے کہا کہ مجھ کو وہ کتاب دو جو میں نے تم کو پڑھتے سنا ہے تاکہ میں دیکھوں کہ محمدؐ کیا لائے ہیں اور کیا پڑھتے لکھتے ہیں۔ اس پر ان کی بہن بولیں کہ ہم آپ سے اس کے بارے میں ڈرتے ہیں۔ تب انہوں نے کہا کہ ڈرو نہیں اور ان کے لئے اپنے خداؤں کی قسم کھائی کہ وہ ضرور وہ صحیفہ ان کو واپس کردیں گے۔ جب انہوں نے یہ کہا تو ان کی بہن کو لالچ ہوا کہ وہ بھی اسلام لے آئیں، کہنے لگیں: آپ شرک پر ہیں اس لئے نجس ہیں اور اس کو

صرف وہی چھوسکتا ہے جو طاہر ہو۔ تب وہ کھڑے ہوگئے اور انہوں نے غسل کیا۔ بہن نے ان کو وہ کتاب دی۔ انہوں نے اس میں سے کچھ حصہ پڑھا تو کہنے لگے کہ کیسا اچھا اور قابل عظمت کلام ہے یہ۔ خباب نے یہ سنا تو نکل کر سامنے آئے اور ان سے کہنے لگے کہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ نے آپ کو اپنے نبیؐ کی دعوت کے لئے مخصوص کیا ہے کیونکہ میں نے کل آنحضرتؐ کو کہتے سنا تھا کہ اے اللہ اسلام کی مدد ابوحکم بن ہشام یا عمر بن خطاب سے کر۔ پس اے عمر اللہ کا نام لے۔ اس پر حضرت عمر نے ان سے کہا کہ مجھے محمدؐ کے پاس لے چلو تاکہ میں ان کے پاس جا کر اسلام قبول کروں۔ خباب نے ان کو بتایا کہ وہ صفا پر ایک مکان میں ہیں اور ان کے ساتھ ان کے اصحاب میں سے کچھ افراد ہیں۔ حضرت عمر نے اپنی تلوار نیام کے اندر رکھ لی اور رسول اللہؐ اور آپ کے اصحاب کی طرف روانہ ہوگئے۔ وہاں پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب لوگوں نے ان کی آواز سنی تو اصحاب رسول میں سے ایک شخص نے کھڑے ہوکر دروازے کی دراڑ میں سے باہر نظر ڈالی تو اُن کو تلوار لگائے ہوئے دیکھا۔ وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں گھبرایا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ یارسول اللہؐ یہ عمر بن خطاب ہیں تلوار لگائے ہوئے ہیں۔ اس پر حضرت حمزہؓ بولے کہ اُن کو آنے کی اجازت دے دو۔ اگر وہ نیک ارادے سے آئے ہیں تو ہم ان کے ساتھ نیکی کریں گے اور اگر برے ارادے سے آئے ہیں تو ہم ان کو انہی کی تلوار سے قتل کردیں گے۔ اس شخص نے ان کو آجانے دیا۔ رسول اللہؐ خود اٹھ کر ان کی طرف گئے اور آپ نے ان سے ایک حجرے میں ملاقات کی اور ان کی کمر میں ہاتھ ڈال کر ان کو اچھی طرح بھینچا اور فرمایا کہ اے ابن خطاب تم کو کیا چیز لے آئی ہے؟ کیونکہ بخدا میرا خیال ہے کہ تم نہ آتے جب تک اللہ تم پر کوئی مصیبت نازل نہ کرتا۔ حضرت عمر نے کہا کہ یارسول اللہؐ میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور جو کچھ وہ لائے ہیں اس پر ایمان لاؤں۔ پس رسول اکرمؐ نے تکبیر بلند فرمائی جس سے گھر میں موجود آپ کے اصحاب سمجھ گئے کہ عمر بن خطاب نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب کے اسلام قبول کرنے کی حدیث تمام مؤرخوں اور سیرت نگاروں نے بیان کی ہے ان میں سے بعض کی روایات میں ٹکراؤ اور شکستگی پائی جاتی ہے۔ خصوصاً ان کی اپنی بہن سے گفتگو کہ انہوں نے ان کو کتاب دینے سے یہ کہہ کر انکار کردیا تھا کہ آپ مشرک ہیں اور نجس ہیں اور جب انہوں نے غسل کرلیا تو ان کے حوالہ کردی حالانکہ شروع زمانۂ تبلیغ میں نبی اکرمؐ اس قسم کے معاملات کا خیال نہیں کیا کرتے تھے اور نہ آنحضرتؐ نے ان کا خیال اسلام کے حالات مضبوط ہوجانے کے بعد کیا بلکہ مسلمانوں میں اس کا نفاذ وعمل تو صرف اسی طور پر رہا کہ مشرک کی نجاست اسلام کے بغیر زائل نہیں ہوتی۔ حضرت عمر بن خطاب کے اسلام کے سلسلہ میں جو شے راویوں میں متفق علیہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ خوفناک بہادر تھے اور ان کا قبول اسلام ایسا نقطہ بن گیا جس پر مسلمانوں کی تاریخ گھومتی ہے اور یہ کہ اب مسلمان ایسی خوف پیدا کرنے والی قوت بن گئے جو اُن کے اسلام لانے سے پہلے نہ تھی۔ حالانکہ اسلام لانے سے پہلے اور بعد میں نیز نبی اکرمؐ کی جنگوں اور غزوات کے دوران تاریخ ان کی بہادری اور اسلام کے مفاد میں قربانیوں کی کوئی مثال پیش نہیں کرتی۔

جبکہ یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت حمزہؓ ان سے کچھ اوپر دوسال پہلے اسلام لائے تھے۔ ان کے مشرکوں کے ساتھ زور

دار معرکے رہے اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو ہمت، شجاعت اور اسلام کی راہ میں قربانیوں کی وجہ سے مشہور ہیں۔ ان کے اسلام لانے سے آنحضرتؐ کی رسالت کے لئے عظمت کی راہ صاف ہوگئی، انہوں نے قریش کو دبالیا اور ابوجہل کو مار مار کر اور برا کہہ کر خوفزدہ کردیا۔ وہ اللہ کی تلوار تھے جو اسلام کے دشمنوں کے سروں پر کھنچی رہتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے قبول اسلام نے مسلمانوں کے پہلو کو عزت بخشی اور آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب کے بارے میں قریش کے طرز عمل میں نرمی کی تبدیلی پیدا کردی۔ اس کے باوجود قدیم سیرت نگاران کے اسلام کو حضرت عمر بن خطاب کے اسلام کی بہ نسبت کچھ بھی اہمیت نہیں دیتے اور حضرت عمر کے اسلام کے بارے میں بکثرت حدیثیں بنا ڈالی ہیں۔ مثلاً وہ حدیث جو انس بن مالک نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کے اسلام لانے سے پہلے رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ اے اللہ اسلام کو عمر بن خطاب یا حکم بن ہشام کے ذریعہ سے عزت عطا کر۔ اس قسم کی اور روایتیں جو انس بن مالک نے اور ان جیسوں نے بیان کی ہیں جو بیشتر محدثین اور رجال پر لکھنے والوں کے نزدیک قابل اتہام اور غیر معتبر مانے جاتے ہیں۔ ان کے اسلام کے متعلق ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ ایک جن تھا جس نے ان کو اسلام لانے کی نصیحت کی اور ان کو ان کے اسلام دشمن موقف سے ڈرایا اور ان کو اس مستقبل کی خوشخبری سنائی جو اُن کے لئے مقدر تھا۔ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ حضرت عمر کو دعوت حق سے دشمنانہ موقف کے تبدیل کرنے میں کاہنوں اور رہبانیوں کا بھی دخل رہا تھا۔

شرح نہج البلاغہ میں ہے کہ مولف شرح نے ابواحمد عسکری کی ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نوکر کی حیثیت سے ولید بن مغیرہ کے ساتھ تجارت کے لئے شام کی طرف گئے تھے۔ اس وقت حضرت عمر اٹھارہ سال کے تھے، ولید کے اونٹ چرایا کرتے تھے، اس کے بوجھ اٹھایا کرتے تھے اور اس کے مال متاع کی چوکیداری کیا کرتے تھے۔ جب وہ مقام بلقاء پر تھے تو ان کو علمائے روم میں سے ایک شخص ملا جو اُن کو دیکھنے لگا اور دیر تک دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا کہ اے لڑکے میرا خیال ہے کہ تمہارا نام عامر، عمران یا اس سے ملتا جلتا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میرا نام عمر ہے۔ تب وہ بولا کہ مجھ کو اپنی رانیں کھول کر دکھاؤ۔ جب انہوں نے کھولیں تو ان میں سے ایک پر ہاتھ کی ہتھیلی کے برابر سیاہ نشان تھا۔ پھر اس نے ان سے اپنا سر کھولنے کو کہا انہوں نے کھولا تو وہ گنجا تھا۔ پھر اس نے اُن سے کہا کہ ہاتھ سے کام کرکے دکھاؤ تو وہ دونوں ہاتھوں کو یکساں طور پر استعمال کرسکتے تھے۔ تب اس نے ان سے کہا کہ حضرت مریمؑ کی قسم تم عرب کے بادشاہ ہو۔ اس پر حضرت عمر بن خطاب تمسخر کے طور پر ہنس پڑے۔ وہ بولا کہ ارے تم حضرت مریمؑ کی قسم کو بھی مذاق سمجھ کر ہنستے ہو، بے شک تم عرب، روم اور فارس کے بادشاہ ہو۔ حضرت عمر اس کی باتوں کو معمولی سمجھ کر وہاں سے چل دیئے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ حضرت عمر یہ بھی بیان کرتے تھے کہ یہ روحانی عالم گدھے پر سوار میرے پیچھے چلتا رہا اور میرے ساتھ رہا تاآنکہ ولید نے اس کا سامان خرید لیا اور اس نے اس کی قیمت سے عطر اور کپڑے خریدے اور حجاز کی طرف واپس چل پڑا۔ جب ہم حجاز کے علاقہ میں داخل ہوئے تو یہ شخص مجھ سے رخصت ہوکر چلاگیا۔ اسی طرح کی اور روایات ہیں جو اُن کے اسلام لانے اور اسلام کی طرف مائل کرنے والے اسباب کے متعلق ہیں۔

ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اس خیال کو قابل ترجیح قرار دیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے بعثت رسول اکرمؐ کے نو سال بعد یا ہجرت سے تقریباً چار سال قبل اسلام قبول کیا تھا اور اس وقت تک مکہ میں مسلمان بکثرت ہوگئے تھے اور مکہ کے باہر بھی ایک گروہ ایمان لاچکا تھا البتہ صحیح حال کا علم اللہ ہی کو ہے۔

حبشہ کی جانب دوسری ہجرت

جب حبشہ سے پہلی مہاجر جماعت واپس آگئی اور انہوں نے دیکھا کہ قریش اور نبی اکرمؐ اور آپ کے اصحاب کے درمیان مصالحت کے متعلق جو کچھ ان کو معلوم ہوا تھا، خلاف واقعہ تھا اور یہ کہ قریش اپنے معاندانہ طرز عمل پر قائم تھے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ سخت ہوگئے تھے تو رسول اللہؐ نے ان کو رائے دی کہ حبشہ واپس چلے جائیں کیونکہ قریش اُن آنے والوں پر مصائب توڑنے سے اور دوسرے قبیلوں کو بھی مسلمانوں پر سختیاں کرنے کیلئے اکسانے سے باز آنے والے نہیں تھے۔

یہ دوسری ہجرت پہلی سے زیادہ بڑی تھی کیونکہ اس میں تیراسی مرد اور انیس عورتیں گئیں۔ اللہ نے ان لوگوں کے لئے ہجرت میں ان کشتیوں کے ذریعہ آسانی پیدا کردی جو جدہ کے ساحل سے حبشہ جارہی تھیں ان افراد میں حضرت جعفر طیارؓ، ان کی بیوی اسماء بنت عمیس اور دوسرے ممتاز مسلمان شامل تھے جو قریش وغیرہ سے منسوب تھے۔ ان لوگوں کو نجاشی کے پاس جاکر حسب خواہش امان، بہترین پناہ، عزت اور فوائد حاصل ہوگئے۔ قریش کو یہ برا لگا کہ یہ مہاجرین جو اپنے دین کے ساتھ بھاگے تھے پُرامن اور اچھی پناہ حاصل کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اسلام دشمنی کے زیر اثر نجاشی اور اس کے درباریوں وغیرہ کے لئے تحفوں کے ساتھ ایک وفد بھیجا، متعدد سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس وفد میں مکہ کے چالاکوں میں مشہور فرد عمرو بن العاص، قریش کا سب سے زیادہ خوبرو نوجوان عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمارہ بن ولید شامل تھے۔

سیرت نگاروں نے آنحضرتؐ کی زوجہ ام المومنین ام سلمہؓ سے جو اس وقت اپنے شوہر کے ساتھ مہاجروں میں شامل تھیں، روایت کی ہے جس میں انہوں نے اس وفد کے حالات، کیفیت، وسعت اور نتائج بیان کئے ہیں۔ ان کی اس روایت میں ہے کہ جب ہم لوگ ملک حبشہ پہنچے تو ہم کو اپنے دین کے بارے میں بہت اچھی امان اور پناہ حاصل ہوئی۔ ہم اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ نہ ہمیں ایذا دی جاتی تھی نہ کوئی ناگوار بات سننا پڑتی تھی۔ جب قریش کو اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ مکہ کی دل پسند چیزوں کے تحفوں کے ساتھ نجاشی کے پاس ایک وفد بھیجیں۔ ان میں بہترین چیز کھال تھی۔ چنانچہ ان لوگوں نے بہت سی کھالیں جمع کیں اور ان کو اپنے وفد کے ہمراہ نجاشی اور اس کے پادریوں کے لئے بھیج دیا۔ اس وفد میں عمرو بن العاص، عبداللہ بن ابی ربیعہ وغیرہ شامل تھے اور ان کو حکم دیا کہ قبل اس کے کہ نجاشی سے بات کریں ہر ہر پادری کو اس کا تحفہ دیدیں۔ اس روایت کے مطابق ام سلمہ نے یہ بھی بیان کیا کہ یہ وفد مکہ سے چل کر نجاشی کے پاس پہنچا تو ہم لوگ اچھے مقام پر اچھی پناہ میں تھے۔ وفد نے اپنے ساتھ لائے ہوئے تحفے پادریوں اور بادشاہ کے اہالی موالی کو دے دیئے اور جس جس کو چیز دی اس سے کہا کہ آپ کے بادشاہ کے علاقے میں ہمارے کچھ بیوقوف لڑکے آگئے

ہیں جنہوں نے اپنے آباؤاجداد اور اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے اور وہ آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایک نیا دین نکالا ہے جس کو نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ۔ ہم کو ان کی قوم کے بزرگوں نے بادشاہ کے پاس ان ہی کے متعلق بھیجا ہے تاکہ انہیں ان کی قوم کو واپس دے دیں۔ پس جب ہم بادشاہ سے ان کے متعلق بات کریں تو آپ لوگ ان کو مشورہ دیجئے گا کہ انہیں ہمارے حوالے کردیں اور بادشاہ ان سے بات نہ کریں کیونکہ ان کی قوم والے ان کی بہتری خوب سمجھتے ہیں اور ان کے عیوب سے خوب واقف ہیں۔ چنانچہ پادریوں نے ان سے اچھے سلوک کا وعدہ کرلیا۔ پھر وہ لوگ بادشاہ کا تحفہ لے کر اس کے پاس گئے۔ اس نے ان سے تحفہ قبول کرلیا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اس سے اس مقصد پر بات کی جس کیلئے یہ لوگ آئے تھے اور وہی کچھ کہا جو اُن پادریوں اور دیگر افراد سے کہا تھا۔ پادریوں نے بادشاہ کے سامنے اسی کو بہتر قرار دیا کہ ان پناہ لینے والوں کو ان کے حوالے کر کے ان کی قوم اور ان کے ملک کو واپس کردیں لیکن بادشاہ نے ان کی بات نہیں مانی بلکہ کہا۔ قسم بخدا میں کچھ نہ کروں گا جب تک ان کو بلا کر دیکھ نہ لوں۔ اگر وہ ایسے ہی ہوئے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو انہیں ان کے حوالے کردوں گا۔ اگر وہ ایسے نہ ہوئے تو جب تک وہ رہیں گے میری پوری پناہ ان کو حاصل رہے گی۔

بعد ازاں نجاشی نے رسول اللہؐ کے اصحاب کے پاس آدمی بھیج کر ان کو اپنے پاس بلایا۔ جب اس کا قاصد ان کے پاس پہنچا تو وہ سب جمع ہوئے اور ایک دوسرے سے کہا کہ جب تم اس کے پاس جاؤ گے تو اس سے کیا کہو گے؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہم کہیں گے کہ بخدا ہم اتنا ہی جانتے ہیں جو ہمارے نبیؐ نے ہم کو حکم دیا ہے خواہ کچھ بھی ہوجائے۔ چنانچہ جب وہ نجاشی کے پاس حاضر ہوئے تو اس نے اپنے مذہبی پیشواؤں کو جمع کرلیا تھا اور انہوں نے اپنی کتابیں پھیلالی تھیں۔ اس نے مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ یہ کون سا دین ہے جس کی بدولت تم نے اپنی قوم کا دین ترک کردیا ہے؟ نہ میرے دین میں شامل ہوئے ہو، نہ ان قوموں میں سے کسی کے دین میں۔

مسلمانوں میں سے جس شخص نے جواب دیا وہ جعفرؓ بن ابی طالبؓ تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے بادشاہ ہم جاہل قوم تھے کہ بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریوں کے مرتکب ہوتے تھے، رشتہ داری کا خیال نہیں کرتے تھے، پڑوسیوں کو بھولے رہتے تھے، ہم میں سے جو زوردار ہوتا وہ کمزور کا حق مارلیتا تھا۔ ہم اس حالت میں تھے کہ اللہ نے ہماری طرف ہم ہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جس کی عالی نسبی، سچائی، امانتداری اور پاکدامنی سے ہم سب خوب واقف ہیں۔ انہوں نے ہم کو اللہ کی طرف دعوت دی اور بتایا کہ ہم اس کو ایک مانیں، اسی کی عبادت کریں اور اُن پتھروں اور بتوں کو ترک کردیں جن کی پرستش ہم اور ہمارے آباؤاجداد کرتے رہے تھے۔ انہوں نے ہم کو سچ بات کہنے کا، امانت ادا کرنے کا، قرابت کا لحاظ رکھنے کا، پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا، حرام چیزوں سے اور خونریزی سے دور رہنے کا حکم دیا اور ہم کو بدکاری سے، جھوٹ بولنے سے، یتیم کا مال ہڑپ کرنے سے، پاک دامن عورتوں پر الزام لگانے سے روکا اور حکم دیا کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔ نیز انہوں نے ہم کو نماز کا، روزے کا اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔

جعفرؓ بن ابی طالبؓ اسی طرح اسلام کے اصول اور فروغ بیان کرتے چلے گئے تا آنکہ انہوں نے کہا کہ ہم اس پر

ایمان لے آئے اور جو پیام وہ اللہ کے یہاں سے لائے تھے اس میں ان کی پیروی اختیار کی۔ چنانچہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے، اسی کو حلال مانتے ہیں جس کو اس نے حلال قرار دیا ہے اور اسی کو حرام مانتے ہیں جس کو اس نے حرام قرار دیا ہے۔ اس پر ہماری قوم والے ہمارے دشمن ہوگئے، ہم کو ایذئیں دینے لگے اور ہم کو ہمارے دین کی طرف سے بھڑکانے لگے تاکہ ہم اللہ کی بجائے بتوں اور مورتیوں کی پوجا پر واپس چلے جائیں۔ ان برائیوں کو حلال سمجھنے لگیں جن کو ہم پہلے حلال سمجھتے رہے تھے۔ جب انہوں نے ہمارے اوپر بہت سختی کی، ہم کو تکلیفیں پہنچائیں، ہم پر ظلم ڈھائے تو ہم آپ کے ملک کی طرف آ گئے اور دوسروں کے مقابلے میں آپ کو پسند کیا اور آپ کی پناہ اختیار کی۔ اب ہم کو امید ہے اے بادشاہ کہ آپ کے پاس ہمارے اوپر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اس پر نجاشی نے ان سے کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی چیز ایسی ہے جو وہ اللہ کے پاس سے لائے ہوں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ تب اس نے کہا کہ اس کو پڑھ کر مجھے سناؤ۔ چنانچہ انہوں نے سورۂ کہف میں سے پڑھ کر اس کو سنایا۔ نجاشی رونے لگا یہاں تک کہ اس کی داڑھی تر ہوگئی۔ اس کے ساتھ اس کے دینی علماء بھی رو پڑے۔ تب اس نے کہا: بے شک یہ اور وہ جو عیسیٰ بن مریم لے کر آئے ایک مخزن نور سے ہے۔ اب اس نے قریش کے وفد کی طرف ملتفت ہو کر کہا کہ بخدا میں ان لوگوں کو تمہارے حوالہ نہیں کروں گا۔

ام سلمہ کہتی ہیں کہ جب عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی بادشاہ کے پاس سے نکلے تو اس نے کہا کہ بخدا میں کل ان کے ساتھ وہ سلوک کروں گا کہ ان کے بڑے سے بڑے سب ختم ہو جائیں گے۔ اس پر عبداللہ بن ابی ربیعہ نے جو اُن دونوں میں زیادہ خدا ترس تھا کہا کہ ایسا نہ کرنا کیونکہ ان لوگوں سے خونی رشتے ہیں خواہ وہ مخالفت ہی کرتے ہوں۔ ابن عاص بولا کہ اچھا میں بادشاہ کو بتادوں گا کہ یہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم بندے تھے۔ دوسرے دن اس نے بادشاہ کے پاس جا کر کہہ دیا کہ یہ لوگ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں بڑی بات کہتے ہیں اور آپ ان کو بلوا کر دریافت کیجئے کہ وہ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

چنانچہ نجاشی نے ان کو بلوایا تاکہ ان سے دریافت کرے کہ وہ حضرت عیسیٰ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ پس یہ سب لوگ جمع ہوئے اور آپس میں تبادلہ خیال کر کے اس امر پر متفق ہوئے کہ ان کے بارے میں وہی کہہ دیں گے جو نبی اکرمؐ کو اللہ سے پیام ملا ہے۔

جب یہ لوگ بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے تو اس نے ان سے کہا کہ تم لوگ حضرت عیسیٰ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ جعفرؓ بن ابی طالبؓ نے جواب دیا کہ ہم ان کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی کو اللہ سے پیام ملا ہے یعنی یہ کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اللہ نے مریم کو عطا کیا جو کنواری غیر شادی شدہ ہیں۔ نجاشی نے یہ سن کر اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک لکڑی کا ڈنڈا اٹھا کر کہا: حضرت عیسیٰ اس کے علاوہ کچھ نہیں جو تم نے کہا۔ اس کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے مذہبی رہنما بھنائے تو اس نے ان سے کہا کہ خواہ تم بھناؤ۔

پھر مسلمانوں سے کہا: جاؤ تم میرے ملک میں امن سے رہو، جو تم کو برا کہے وہ گھاٹے میں ہے، میں ہرگز یہ پسند نہیں کرتا خواہ مجھ کو سونے کا ایک پہاڑ مل جائے کہ میں تم میں سے کسی ایک کو بھی ایذا پہنچاؤں۔

پھر اپنے خدمتگاروں سے کہا کہ ان کے تحفے ان ہی کو واپس کردو۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ بخدا اللہ نے مجھ کو میرا ملک واپس کرتے وقت مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تو میں اس کے معاملہ میں کیوں رشوت لوں؟ اور لوگ میری اطاعت نہیں کرتے جب تک میں ان کے معاملہ میں اس کی اطاعت نہ کروں۔ پس عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی نجاشی کے پاس سے دل گرفتہ نکل گئے اور جو تحفے وہ لے کر آئے تھے ان ہی کو واپس کردیئے گئے اور ہم لوگ اس کے پاس اچھے مکان اور اچھی پناہ میں رہتے رہے۔

ام سلمہ مزید بیان کرتی ہیں کہ ہم اسی طرح نجاشی کی پناہ میں تھے کہ حبشیوں میں سے ایک شخص نے نجاشی سے حکومت کے معاملہ میں لڑائی کی۔ بخدا ہم کو کبھی غم نہیں ہوا تھا جو اس غم سے زیادہ شدید ہو جو آج کے روز ہم کو ہوا اس خوف سے کہ اگر یہ شخص نجاشی پر فتح مند ہوگیا تو ہمارے حق کو اس طرح نہ سمجھ سکے گا جیسے نجاشی سمجھتا تھا۔

نجاشی نے اس شخص سے مقابلے کے لئے اپنی قوتوں کو اکٹھا کرلیا۔ ان دونوں کے درمیان دریائے نیل کی چوڑائی کا فاصلہ تھا۔ رسول اللہؐ کے اصحاب نے زبیر بن عوام کو جو سن میں سب سے چھوٹے تھے اپنا نمائندہ بنایا تاکہ ان لوگوں کے واسطے جنگ کی خبریں حاصل کرکے لایا کریں۔ ان کو ایک مشک بنوادی گئی جس کو انہوں نے پانی میں ڈال دیا اور اسی پر تیر کر دوسری طرف نکل گئے جہاں سے دونوں فریقوں یعنی نجاشی اور اس کے دشمن سے مل سکتے تھے۔ ادھر مسلمان دعا کررہے تھے اور اللہ کے سامنے گڑگڑا رہے تھے کہ نجاشی کو فتح ہوجائے۔ ہم رنج اور غم کی اس کیفیت میں مبتلا تھے کہ اتنے میں زبیر اپنے کپڑے پھڑکاتے ہوئے آئے اور ہم کو خوشخبری دی کہ نجاشی کو اپنے دشمن پر فتح حاصل ہوگئی ہے۔ بخدا ہم کبھی اتنا خوش نہیں ہوئے جتنا اس پر خوش ہوئے۔ ہم نجاشی کے پاس رہتے رہے تاآنکہ رسول اکرمؐ کی مدینہ کی جانب ہجرت کے بعد ہم آنحضرتؐ سے آملے۔

یہاں پر ام سلمہ کی روایت ختم ہوتی ہے۔ یہ ان خواتین میں سے تھیں جو اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ ہجرت کرکے آئیں تھیں ان کا نام ہند بنت ابی امیہ بن مغیرہ مخزومی تھا۔ لیکن ان کی کنیت ان پر غالب رہی۔ ان کے شوہر عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی تھے جن کی کنیت بھی ابوسلمہ تھی۔ تاریخ و سیرت کی کتابیں حبشہ کی طرف دونوں ہجرتوں کے قصہ سے اور اس بیان سے کہ مسلمانوں کے ساتھ نجاشی کے یہاں کیسا برتاؤ ہوا بھری پڑی ہیں۔

قریب قریب تمام روایتیں اصل ہجرت پر اور اس پر کہ اس کا سبب مشرکوں کا خوف تھا متفق ہیں۔ البتہ اس میں اختلاف پیدا ہوگیا کہ مہاجروں کی تعداد کیا تھی اور بادشاہ حبشہ کے ساتھ ان کو کیا واقعات پیش آئے۔ نیز اس وفد کے بارے میں جو قریش نے ان کو پریشان کرنے کے لئے اور ان کے اور بادشاہ حبشہ کے درمیان افتراق پیدا کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ بعید نہیں ہے کہ ان واقعات میں جو نجاشی اور مسلمانوں کے ساتھ پیش آئے اور جو اس کے اور مشرکوں کے

ساتھ پیش آئے، مبالغہ کیا گیا ہو جیسا کہ ان بیشتر تاریخی واقعات میں ہوتا ہے جن میں ادل بدل کرنے، شکل خراب کرنے یا زیادتی اور کمی کرنے کا موقع ہو۔

البتہ آنحضرتؐ کی سیرت اور تاریخ کا ہر مطالعہ کرنے والا یہ سوال اٹھا سکتا ہے کہ آیا حبشہ کی طرف یہ ہجرت جو شروع شروع کے مسلمانوں نے اس سخت زمانہ میں آنحضرتؐ کے حکم اور رائے سے اختیار کی، وہ صرف مشرکوں سے مسلمانوں کو جو اذیتیں پہنچ رہی تھیں ان سے بچنے کے لئے تھی یا سیاسی اغراض یا ایسی دوسری اغراض کے لئے تھی جو اسلام کے لئے فائدہ مند ہوں۔

سچ تو یہ ہے کہ ہر مطالعہ کرنے والا یہاں پر غور کرنے کے لئے رک جائے گا اور نبی اکرمؐ کی تاریخ سے یہ ثابت ہو جانے پر کہ آنحضرتؐ رسولِ مہر و رحمت ہونے کے ساتھ ساتھ بعید از خیال حد تک سیاسی بھی تھے اور دونوں صفات میں کوئی ان کے برابر نہیں تھا، یہ سوال ضرور اٹھائے گا۔

اگر ہم ہجرت کے واقعات اور ماحول پر خود مہاجرین پر نظر ڈالیں تو دیکھیں گے کہ ان مہاجروں میں ایسے غلام اور بے بس افراد معدودے چند ہی ہیں جو مصیبتوں اور تکلیفوں سے دوچار رہتے تھے۔ جیسے کہ عمار وغیرہ۔ اگر یہ صحیح بھی ہو کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ تھے بلکہ ان میں سے زیادہ تر عربی قبائل کے افراد تھے جیسے کہ تمیم، اسد، زہرہ، امیہ، ہاشم، ہذیل، عبدشمس، نوفل، مخزوم اور عدی وغیرہ۔ یہ ایسے قبائل ہیں جن کی مکہ اور اس کے اطراف میں ایک منزلت تھی اور وہ ایک دوسرے سے وابستہ تھے، حلیف کی حیثیت سے یا تزویج اور دیگر تعلقات کے ذریعہ سے جن سے عرب عام طور پر ایک دوسرے سے منسلک رہتے تھے۔ چنانچہ جیسا کہ سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے مکہ کے قبیلوں میں سے کوئی قبیلہ ایسا نہ ملے گا جس میں سے ایک مہاجر نہ گیا ہو۔ یہ قبیلے باوجودیکہ اس شخص سے خوش نہ رہتے تھے جو اُن میں سے اسلام قبول کر لیتا تھا لیکن اپنے ہم قبیلہ افراد پر سختیاں نہ کرتے تھے۔ اسی لئے حضرت جعفرؓ سختی کا شکار نہیں ہوئے۔ نہ کسی نے یہ بیان کیا کہ اُن لوگوں نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی ہو۔ اسی بناپر وہ اور ان کے بھائی علیؑ، چچا حمزہؓ، ابوطالبؑ اور دوسرے بنی ہاشم آنحضرتؐ اور دعوت حق کی راہ میں جانیں نہ چراتے تھے۔ پس حضرت جعفرؓ کے حق میں یہ بعید از قیاس ہے کہ اگر ہجرت کی غرض بلندتر، اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفیدتر اور ان کے مکہ میں مقیم رہنے کے مقابلہ میں زیادہ نتیجہ خیز اور مثبت نہ ہوتی محض اپنی جان بچانے کے لئے حبشہ چلے گئے ہوں اور آنحضرتؐ کو تکلیفوں اور مصیبتوں کا ہدف بننے کے لئے چھوڑ گئے ہوں۔

اور اگر ہجرت تکلیفوں اور مصیبتوں سے بچنے ہی کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ مورخ اور سیرت نگار کہتے ہیں تو آنحضرتؐ کی مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کے تیسرے چوتھے بلکہ ساتویں سال تک ان لوگوں کے وہاں ٹھہرے رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا کیونکہ مدینہ میں مسلمان امن اور چین سے اور قریش اور سارے عرب کی طرف سے اپنی جانوں اور اپنے اسلام کی طرف سے اطمینان کے ساتھ رہ رہے تھے۔

مؤرخوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جعفرؓ اور ان کے ساتھ والے مہاجرین ساتویں سال میں حبشہ چھوڑ کر مدینہ پہنچے

جبکہ اللہ نے مسلمانوں کے ہاتھوں خیبر فتح کرادیا تھا۔ اس روز نبی اکرمؐ نے اپنا وہ مشہور جملہ ارشاد فرما کر جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کی واپسی کی خبر دی تھی یعنی ''بخدا میں نہیں جانتا کہ میں ان دونوں میں سے کس بات پر زیادہ خوش ہوں۔ فتح خیبر پر یا جعفرؓ کی واپسی پر۔ پس یہ بعید نہیں ہے کہ یہ ہجرت جس کا منصوبہ آنحضرتؐ نے دعوت حق کو جزیرہ نمائے عرب سے باہر تک پہنچانے کے لئے تیار کیا تھا، اس سے آنحضرتؐ یہ ظاہر فرمارہے ہوں کہ دعوت حق کسی ایک ملک کے لئے نہیں بلکہ یہ پورے عالم کے لئے ہے۔ چنانچہ اس کا اثر عرب حجاز پر اور حبشہ کے بکثرت عیسائیوں پر بھی ہوگیا تھا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ نجاشی نے خود بھی اسلام قبول کر لیا تھا اور رسول اللہؐ کو ایک خط بھیجا تھا جس میں اپنے اسلام کا اور اس میں شامل ہو جانے کا ذکر کیا تھا۔ جیسا کہ ابن کثیر کی البدایہ کی روایت میں ہے۔

چنانچہ اس میں آیا ہے کہ جب وفد نجاشی کی طرف روانہ ہوگیا تو نبی اکرمؐ نے اس کو ایک خط لکھا جس میں تحفۂ سلام کے بعد لکھا:

''یہ ہے محمدؐ، اللہ کے رسول کی طرف سے، نجاشی اصم بادشاہ حبشہ کے لئے۔

سلام ہو تمہارے اوپر! میں تمہارے سامنے اللہ کی حمد کرتا ہوں جو صاحب اقتدار ہے عیوب سے بری ہے، امن دینے والا ہے، صاحب قدرت ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰؑ اللہ کی روح اور کلمہ ہیں جس کو اللہ نے مریم کو عطا کیا جو کنواری پاکیزہ، طیبہ اور پاکدامن ہیں۔ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کا حمل قبول کیا۔ چنانچہ اللہ نے ان کو اپنی روح اور پھونک سے پیدا کیا۔ میں تم کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں جو ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی اطاعت میں قائم رہنے کی طرف دعوت دیتا ہوں اور یہ کہ تم میری پیروی کرو اور مجھ پر اور اس پر جو میرے پاس آیا ہے ایمان لاؤ کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں، میں تمہارے پاس اپنے چچا کے بیٹے جعفرؓ کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ جب وہ تمہارے پاس پہنچیں ان کو قیام کراؤ اور سرکشی ترک کردو کیونکہ میں تم کو اور تمہارے لشکر کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اب میں نے پیام کو پہنچا دیا، تم کو نصیحت کردی، پس میری نصیحت قبول کرو۔ سلام ہو ہر اس فرد پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔''

اس پر نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لکھا کہ:

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. نجاشی اصم بن ابجر کی طرف سے محمد رسول اللہؐ کی طرف۔

سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبیؐ۔ اللہ کی طرف سے آپ پر اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔ نہیں ہے کوئی خدا سوائے اللہ کے جس نے مجھ کو اسلام کی طرف ہدایت کی۔ مجھے آپ کا خط ملا۔ یارسول اللہؐ! جس میں آپ نے حضرت عیسیٰؑ کے معاملہ کا ذکر کیا ہے۔ پس قسم ہے آسمان و زمین کے پالنے والے کی کہ حضرت عیسیٰؑ اس سے زیادہ کچھ نہیں جو کچھ آپ نے ذکر کیا۔ ہم سمجھ گئے ہیں جو

پیام آپ نے ہمارے طرف بھیجا ہے اور ہم نے آپ کے چچا کے بیٹے اور ان کے ساتھیوں کو ٹھہرا لیا ہے۔ پس اب میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، سچے ہیں اور تصدیق کرنے والے ہیں۔ میں نے آپ کی بیعت کرلی ہے اور آپ کے چچا کے بیٹے کی بیعت کرکے ان کے ہاتھ پر اسلام لے آیا ہوں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو میں ایسا کروں گا۔ اے اللہ کے رسولؐ۔''

یہ اور اس کے علاوہ دوسری روایتیں جو اس موضوع کے متعلق بیان کی گئی ہیں اس کی تائید کرتی ہیں کہ یہ وفد صرف تکلیفوں اور ایذاؤں سے بچنے کے لئے نہیں تھا بلکہ تکلیف اور مصیبت سے بچنے کے ساتھ ساتھ اسلام کی منزلت بلند کرنے اور اس کے آگے بڑھانے کے لئے بھی تھا۔

اگر ہم یہ مان لیں کہ یہ روایت جو نجاشی کے قبول اسلام کو ثابت کرتی ہے دعوت حق کی تاریخ میں شامل کردی گئی ہے جیسا کہ بعید بھی نہیں ہے۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں تب بھی اتنی بڑی تعداد کا جزیرۂ عرب کے باہر موجود ہونا دینی معاملات میں پوری پوری آزادی کو ثابت کرتا ہے اور یہ ازخود تبلیغ اسلام کی ایک صورت ہے۔ چنانچہ جزیرہ کے عربوں پر اس کا بڑا اثر ہوا کیونکہ یہ لوگ تجارت، سیاحت اور دوسری اغراض سے حبشہ آتے جاتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کے دوسرے اثرات عربوں کے علاوہ ان ملکوں کے باشندوں پر بھی ہوئے۔

مقاطعہ کی دستاویزات

دعوت اسلامیہ کے ساتھ مختلف مرحلے گزارنے کے بعد قریش کو یقین ہوگیا کہ ایذا رسانی اور تکلیفیں دینے کی وہ تمام صورتیں جن پر وہ عمل کرتے رہے اور ان کے اور ان کے آباء واجداد کے دین پر اس حملہ آور سے جنگ کرنے کی تمام کوششیں عوام الناس اور اس پیام کے درمیان جس کی طرف حضرت محمدؐ بن عبداللہ دعوت دے رہے تھے کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرسکیں۔ چنانچہ مسلمان روز بروز بڑھتے بڑھتے ایسی قوت بن گئے جس کا مقابلہ ایسی خانہ جنگی کے علاوہ ممکن نہ تھا جو خود قریش اور ان کے پیروؤں کے لئے اس سے زیادہ خطرناک تھی جتنی مسلمانوں کے لئے کیونکہ کوئی گھر ایسا نہ رہا تھا جس میں ایک نہ ایک فرد اس پر ایمان نہ لے آیا ہو یا ایمان لانے کے قریب نہ ہوگیا ہو۔ اس کے علاوہ اس کا خطرہ حجاز سے باہر حبشہ تک ایسے رحمدل بادشاہ کی پناہ میں پھیل گیا تھا جس نے اپنا دل اور سینہ ان کے لئے کھول دیا تھا اور ان کو اجازت دے دی تھی کہ وہ جو چاہیں کہیں اور جو چاہیں کریں جبکہ عربوں کا یہ حال تھا کہ ان کے حبشیوں کے ساتھ پیہم روابط قائم رہتے تھے تو اب جبکہ اس کو محدود رکھنے کی ان کی تمام کوششیں ناکام ہوگئی تھیں تو سوال یہ تھا کہ وہ کریں تو کیا کریں؟

اپنے بڑے لوگوں کے ساتھ طویل سوچ اور غور وفکر کے بعد انہوں نے ایک نئے تجربے پر اتفاق کیا وہ تھا معاشی گھیراؤ۔ جس کا نتیجہ ان کے خیال میں دو صورتوں میں سے ایک ہوگا، تیسری صورت نہیں ہوگی۔ یا حضرت محمدؐ ان سے

مصالحت کے لئے رجوع کریں گے یا وہ ان کے ساتھ والے بنی ہاشم اور ان کے پیرو بھوک اور پیاس سے مرجائیں گے۔ اس طرح کوئی ان کے اور ان کے پیروؤں کے خون کا مطالبہ کرنے والا بھی نہ ہوگا۔ پس سب نے اس کو باتفاق منظور کرلیا اور ایک تحریر تیار کرلی جس میں انہوں نے عہد کیا کہ نہ یہ لوگ بنی ہاشم سے تعلقات رکھیں، نہ وہ ان سے نکاح کریں گے، نہ یہ لوگ ان سے خرید وفروخت کا کوئی معاملہ کریں گے خواہ کسی قسم کا ہی سہی اور نہ ان کے ساتھ کسی معاملے میں شریک ہوں گے۔ اس دستاویز پر چالیس افراد نے دستخط کئے جو سب قریش کے ممتاز لوگوں میں سے تھے اور اس کو خانۂ کعبہ میں لٹکا کر نبی اکرمؐ کی بعثت کے ساتویں سال کی یکم محرم سے ان سب کو ایک گھاٹی میں محصور کردیا جسے شعب ابی طالب کہا جاتا تھا۔

ابولہب، ابوسفیان اور حارث بن عبدالمطلب کو چھوڑ کر سب کے سب بنی ہاشم خواہ مسلمان ہوں یا کافر گھاٹی میں داخل ہوگئے۔ بنی عبدالمطلب بن عبدمناف بھی ان ہی کی طرف ہوگئے۔ یہ لوگ عورتوں اور بچوں کے علاوہ چالیس سے زیادہ افراد تھے۔ حضرت ابوطالبؑ نے گھاٹی کو محفوظ کرکے خود وہ، حضرت حمزہؓ اور بنی ہاشم کے دوسرے افراد اس کی حفاظت کرنے لگے تاکہ مکہ کے غنڈوں میں سے کوئی چھپ کر آنحضرتؐ تک نہ پہنچ جائے اور ان لوگوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ان کو قتل نہ کر ڈالے۔ قریش کو قوی امید تھی کہ یہ منفی طریقہ جو بھوک اور پیاس میں مبتلا کرنے اور مکمل ترک تعلقات پر مشتمل تھا، مصیبتیں عائد کرنے اور ایذا پہنچانے کی ان کی پچھلی تدبیر سے زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔

قریش دو یا تین سال تک گھیراؤ میں پڑے رہے اور اس امید میں تھے کہ یہ طریقہ مسلمانوں سے برداشت نہ ہوسکے گا۔ اگر آنحضرتؐ اپنا طرزعمل نہ بھی بدلیں گے تو کم سے کم ان کے ساتھیوں کو ان سے دست کش کردے گا۔ لیکن آنحضرتؐ کے طرزعمل میں جن کو اللہ نے اپنی رسالت کے لئے منتخب کیا تھا کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ وہ اللہ کی رسی کو پکڑے ہوئے اور ان سب باتوں پر جس میں وہ خود اور ان کی قوم والے گھرے ہوئے تھے، صبر کئے ہوئے اسی راہ پر گامزن رہے۔ آپ کے خاندان والے اور دوسرے افراد جو اُن کی پیروی کررہے تھے آپ سے وابستہ رہنے، آپ کی اور آپ کی رسالت کی ضروریات مہیا کرتے رہنے میں اور زیادہ پختہ ہوگئے۔ شعب ابی طالب میں مسلمان بھوک اور محرومی سے دوچار ہوگئے۔ وہ وہاں سے صرف ماہ رجب میں عمرہ کے ایام میں اور ماہ ذی الحجہ میں حج کے ایام میں نکل سکتے تھے۔ نہ ان لوگوں تک کوئی پہنچ سکتا تھا سوائے ان کے جو چھپ چھپا کر ان کے پاس چلے جاتے تھے کیونکہ وہ قریش کے اس ظالمانہ رویئے کو ناپسند کرتے تھے۔ جیسے کہ بنی عامر کے ایک فرد ہشام بن عمرو جو راتوں رات کھانے کی قسم قسم کی چیزوں اور کھجوروں سے لدے ہوئے اونٹ گھاٹی کے دہانہ تک پہنچاتے رہتے تھے۔ وہاں پہنچ کر وہ اونٹ کے پہلوؤں کو تھپکی مارتے اور وہ اپنے بار کو لئے ہوئے گھاٹی میں داخل ہوجاتا۔ لیکن یہ بڑے بڑے عطیات بھی ان لوگوں کے لئے کافی نہ تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے لکڑیاں اور درختوں کے پتے تک کھا ڈالے یہاں تک کہ انہوں نے زمین پر اُگنے والی کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی تھی جس کو کھا نہ لیا گیا ہو۔ پھر بھی بچے صبر نہ کرپاتے اور بھوک سے چلا اٹھتے تھے۔ اس سے نبی اکرمؐ کے قلب کو سب سے زیادہ تکلیف ہوتی تھی اور آنحضرتؐ کو رنج ہوتا تھا۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل کی ملاقات حکیم بن حزام بن خویلد سے ہوگئی۔ ان کے ساتھ ایک خدمتگار تھا جو گیہوں اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ ان کو اپنی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد کے پاس لے جارہے تھے جو رسول اللہؐ کے ساتھ گھاٹی میں تھیں۔ ابوجہل نے ان کو روک کر کہا کہ کیا تم بنی ہاشم کے پاس کھانا لے جارہے ہو۔ بخدا تم اور تمہارا کھانا اسی جگہ رہے گا جب تک میں تم کو مکہ میں شرمندہ نہ کرلوں۔ وہاں ابوالبختری بن ہاشم بن حارث بن اسد آ گئے۔ وہ بولے کہ یہ تمہارے اور ان کے درمیان کیا ہو رہا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ بنی ہاشم کو کھانا پہنچا رہے ہیں۔ ابوالبختری نے کہا کہ کھانا تو ان کی پھوپھی کے لئے ہے جو وہیں اندر ہیں۔ کیا تم اس کو ان کا کھانا تک لے جانے سے روک رہے ہو؟ اس شخص کا راستا چھوڑ دو۔ لیکن ابوجہل نہ مانا یہاں تک کہ دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا۔ ابوالبختری نے اونٹ کی نکیل پکڑ کر اس سے اس کو اچھی طرح مارا اور خدمتگار نے کھانا لے جا کر جن کے لئے تھا ان کو پہنچا دیا۔

تاریخ ابن کثیر میں ہے کہ مکہ میں جس قدر کھانا ہوتا قریش سب خرید لیتے اور کچھ نہ چھوڑتے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس میں سے کچھ بنی ہاشم یا ان کی طرف سے کوئی اور خرید لے۔ اس سے ان کا ارادہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ اور آپ کے ساتھی بھوکوں مر جائیں۔

ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اس پر اضافہ کیا ہے کہ جب لوگ اپنے اپنے بستروں پر چلے جاتے تو وہ رسول اللہؐ کو حکم دیتے اور وہ اپنے بستر پر لیٹ جاتے اور اس طرح سب لوگ جو گھاٹی میں تھے آنحضرتؐ کو دیکھ لیتے جب لوگ سو جاتے تب وہ اپنے کسی بیٹے یا بھائی کو حکم دیتے اور وہ رسول اللہؐ کے بستر پر لیٹ جاتے اور رسول اللہؐ کی سلامتی اور حفاظت کے خیال سے ان کو حکم دیتے کہ وہ ان میں سے کس کہ بستر پر جا سوئیں تاکہ اگر کوئی شخص آنحضرتؐ کو مارنے کی کوشش کرے تو اس کا بیٹا اس کی زد میں آجائے اور نبی اکرمؐ محفوظ رہیں۔

شرح نہج البلاغہ میں ہے کہ انہوں نے ابوجعفر محمد بن حبیب کی امالی میں پڑھا کہ کبھی کبھی رسول اللہؐ کو دیکھ کر ابوطالبؑ رو پڑتے اور کہتے کہ جب میں ان کو دیکھتا ہوں تو مجھے اپنے بھائی یاد آجاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ان کے ماں اور باپ دونوں کی طرف سے بھائی تھے۔ وہ مزید بیان کرتے ہیں کہ اکثر ان کو یہ خوف لاحق ہوتا تھا کہ کوئی آنحضرتؐ پر رات میں حملہ نہ کردے اس لئے وہ آپ کو رات میں سوتے سے اٹھا کر اپنے بیٹے علیؑ کو ان کی جگہ سلا دیتے تھے۔ تب علیؑ ان سے کہتے کہ اے باباجان میں لامحالہ قتل ہی کیا جاؤں گا۔ اس پر ابوطالبؑ نے ان سے کہا کہ:

اصبرن یا بنی فالصبر احجی — کل حی مصیرہ لشعوب
قد امرنا بالصبر وھو شدید — لفداء الحبیب و ابن الحبیب
ان تصبک المنون فالنبل تبری — فمصیب منھا وغیر مصیب

"اے بیٹے صبر کرو کیونکہ صبر ہی قابل اختیار صفت ہے۔ ہر زندہ موت کی طرف رواں ہے۔ ہم کو صبر کا حکم دیا گیا ہے اور وہ ہے کٹھن چیز۔ اپنے چہیتے اور چہیتے بیٹے کے فدیہ کے لئے

اگر تم کو موت آجائے تو کیا ہوا۔ موت ایک چھوڑا ہوا تیر ہے۔ کوئی اس سے گھائل ہو جاتا ہے اور کوئی بچ جاتا ہے۔''

اس پر علیؑ نے ان کو جواب دیا کہ:

اتأمرنی بالصبر فی نصر احمدٌ — و واللہ ما قلت الذی قلت جازعا
ولکننی احببت ان تری نصرتی — و تعلم انی لم ازل لک طائعا
سأسعی لوجہ اللہ فی نصر احمدٌ — نبی الھدٰی المحمود طفلاً و یافعا

''کیا آپ مجھ کو احمدؐ کی مدد کے بارے میں صبر کی تلقین فرما رہے ہیں۔ قسم بخدا! آپ نے جو کچھ فرمایا وہ اپنی فکر مندی کی وجہ سے فرمایا ہے۔ میری تمنا ہے کہ آپ دیکھیں کہ میں کیسی مدد کرتا ہوں اور آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں ہمیشہ آپ کی اطاعت کرتا ہوں۔ میں اللہ کی خاطر نبی اکرمؐ کی مدد کرتا رہوں گا جو ہدایت کرنے والے نبی ہیں اور سزاوار حمد ہیں خواہ وہ بچے ہوں یا بڑے ہو جائیں۔''

جب تیسرا سال شروع ہوا تو بنی عبدمناف اور قصی وغیرہ اور قریشیوں کے ان افراد نے جو ہاشمی ماؤں سے پیدا ہوئے تھے، ایک دوسرے کو برا کہنا شروع کر دیا۔ ہاشمیوں میں سے پہلا وہ شخص جس نے عہدنامے کو ختم کرنے اور گھیرا بندی کو توڑنے کی کوشش کی ہشام بن عمرو ہے جو اُن لوگوں کے پاس رات کی تاریکی میں کھانے کی چیزیں بھجوایا کرتا تھا۔ یہ ماں کی طرف سے نضلہ بن ہاشم بن عبدمناف کا بھائی تھا۔ وہ زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ مخزومی کے پاس گیا جن کی ماں عاتکہ بنت عبدالمطلب تھیں اور بولا کہ اے زہیر تم اس پر خوش ہو کہ خود کھانا کھاؤ، کپڑے پہنو اور شادیاں کرتے رہو جبکہ تمہارے سب ماموں جیسا کہ تم جانتے ہو نہ خود کچھ خرید سکتے ہیں اور نہ ان سے کوئی کچھ خریدتا ہے، نہ ان سے نکاح کرتا ہے، نہ ان کا اپنے یہاں نکاح ہونے دیتا ہے۔ مگر میں تو اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر وہ حکم بن ہشام کے ماموں ہوتے اور تم اس کو اس چیز کی طرف بلاتے جس کی طرف اس نے تم کو بلایا ہے تو وہ ہرگز تمہاری بات نہ مانتے۔

اس پر وہ بولا: وائے ہو تم پر اے ہشام! جو کچھ میں کر رہا ہوں میں اس میں تنہا ہی ہوں۔ بخدا اگر میرے ساتھ ایک دوسرا آدمی بھی ہوتا تو میں اس عہد نامے کو ہی ختم کر دیتا۔ تب اس نے کہا کہ میں ہوں وہ آدمی جو اس کے ختم کرنے میں تمہاری مدد کرے گا، اگر تم اس معاملہ میں پہل کرتے ہو۔ زہیر کہنے لگے کہ ہمارے لئے ایک تیسرا شخص بھی ہونا چاہئے۔ پس ہشام نے مطعم بن عدی بن نوفل بن عبدمناف سے جا کر کہا کہ اے مطعم تم اس سے خوش ہو کہ عبدمناف کی اولاد تباہ ہو اور تم قریش کے ساتھ ان کے ہم خیال ہو کر دیکھتے رہو۔ بخدا اگر تم نے ان کو اس قابل کر دیا تو تم دیکھو گے کہ تم سے زیادہ تیزی سے وہ ہلاکت کی طرف جائیں گے۔ اس نے کہا کہ وائے ہو تم پر میں کیا کر سکتا ہوں میں تنہا شخص ہوں۔ تب وہ بولا کہ تمہارے پاس دوسرا بھی ہے۔ میں اس میں تمہاری مدد کروں گا۔ وہ بولا کہ ہمیں ایک تیسرا بھی چاہئے۔ تب اس نے کہا

کہ میں نے یہ انتظام کرلیا ہے۔ وہ زہیر بن امیہ ہے۔ وہ بولا کہ ہم کو ایک چوتھا بھی چاہئے۔ چنانچہ وہ بختری بن ہشام کے پاس پہنچا اور اس سے قریب قریب وہی کہا جو مطعم بن عدی نے کہا تھا۔ اس نے کہا کہ کوئی ایسا ہے جو اس مسئلہ کو اٹھائے؟ اس نے کہا کہ ہاں وہ زہیر بن امیہ، مطعم بن عدی ہیں اور میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ اس نے کہا کہ ہمیں ایک پانچواں بھی چاہئے۔ تب وہ زمعہ بن مطلب بن اسد کے پاس گیا اور ان سے بات کرکے ان کو ان لوگوں کی قرابت اور حق یاد دلایا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ کیا اس معاملہ میں جس کی طرف تم بلا رہے ہو کوئی اور بھی شریک ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! اور پھر سب کے نام بتائے۔ تب ان سب نے آپس میں وعدے کرلئے کہ رات کے وقت مکہ کے بلند ترین مقام پر جمع ہوں گے۔ وہاں جمع ہوکر انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ دستاویز ختم کردی جائے۔ چنانچہ زہیر نے ان سے کہا کہ میں تمہاری تائید کرتا ہوں اور میں ہی سب سے پہلے بات کروں گا۔

جب صبح ہوئی تو وہ اُن لوگوں کی جلسہ گاہ پر پہنچے اور زہیر بن امیہ بھی پہنچا۔ وہ حلہ پہنے ہوئے تھا۔ چنانچہ اس نے سات مرتبہ خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔ اس کے بعد لوگوں کے قریب جاکر ان سے کہا: اے اہل مکہ ہم کھانا کھائیں اور کپڑے پہنیں اور بنی ہاشم ہلاک ہوں، نہ وہ خریدیں نہ ان سے کوئی خریدے، بخدا میں اس ظالمانہ اور قطع تعلق کرنے والی دستاویز کو پھاڑے بغیر نہیں بیٹھوں گا۔ اس پر ابوجہل جو خانۂ کعبہ ہی کے کسی گوشے میں موجود تھا بولا: تم نے غلط کہا، بخدا تم نہیں پھاڑ سکو گے۔ تب زمعہ بن اسود نے اس سے کہا: بخدا تم اس سے بڑے جھوٹے ہو۔ جب وہ دستاویز لکھی گئی ہم نے رضامندی نہیں دی تھی۔ ابوالبختری نے کہا کہ زمعہ سچ کہتا ہے ہم اس کے لکھے پر راضی نہیں ہوئے تھے اور نہ ہم اس پر قائم ہیں۔ مطعم بن عدی نے: تم دونوں نے سچ کہا ہے جو کوئی اس کے خلاف کہے وہ جھوٹا ہے۔ ہم اس صحیفہ سے اور جو اس میں لکھا ہوا ہے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ ہشام بن عمرو نے بھی اسی کے لگ بھگ الفاظ کہے۔ اس پر ابوجہل بولا: اس معاملہ میں رات میں فیصلہ کیا جارہا ہے۔ اس کے متعلق کسی اور مکان میں مشورہ کرنا چاہئے۔

مطعم دستاویز کو پھاڑنے کیلئے کھڑے ہوئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ گھُن اس کو کھا گیا ہے سوائے لفظ ''باسم اللہ'' کے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ رسول اللہؐ نے ابوطالبؑ سے کہا: اے چچا! میرے پروردگار اللہ نے قریش کی دستاویز پر گھُن کو مسلط کردیا ہے جس نے صرف اللہ کے نام کو باقی رکھا ہے اور اس ظلم، قطع تعلق اور بہتان کو مٹا دیا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کیا اس کی خبر تم کو تمہارے اللہ نے دی ہے؟ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''جی ہاں۔''

پس ابوطالبؑ نے جاکر قریش سے کہا: اے گروہ قریش میرا بھتیجا ایسا ایسا کہتا ہے۔ تم وہ دستاویز لاؤ اگر اس کا وہ حال ہے جیسا میرا بھتیجا کہتا ہے تو ہم سے قطع تعلقات کی حالت ختم کردو اور اس کے مافیھا سے دست بردار ہو جاؤ۔ اگر وہ جھوٹا نکلا تو میں اپنے بھتیجے کو تمہارے سپرد کردوں گا۔ اس پر سب لوگوں نے مل کر کہا کہ ہم اس پر راضی ہیں اور سب نے یہی وعدہ کرلیا۔ پھر وہ دستاویز لے کر آئے اور جب اس کو دیکھا تو وہ ویسا ہی نکلا جیسا رسول اللہؐ نے فرمایا تھا۔ اس سے ان لوگوں کے شر اور بغض میں اور زیادتی ہوگئی۔ البتہ ان لوگوں نے دستاویز کے ساتھ وہی عمل کیا جس کو ہم بیان کرچکے ہیں۔

دستاویز اور اس کے اثرات کا معاملہ ان شرف النفس افراد کے طرز عمل سے ختم ہوگیا جنہوں نے قطع تعلقات کے اس طریقہ کو ماننے سے انکار کردیا تھا جس کے باعث بنی ہاشم اور ان کے ساتھ والوں کی جانیں بھوک اور محرومی سے تلف ہوجاتیں۔ دستاویز کے ختم ہو جانے کے بعد آنحضرتؐ اور آپ کے ساتھ والے گھاٹی سے واپس آگئے۔ آپ نے مکہ میں اور ان قبائل میں جو زمانۂ حج اور دوسرے محترم مہینوں میں وہاں آیا کرتے تھے ازسرنو دعوت حق شروع کردی۔ قریش کو یہ برا لگا کہ آنحضرتؐ ان لوگوں سے ملتے تھے جو حجاز کے مختلف علاقوں سے آتے تھے اور ان کے سامنے قرآن پڑھ پڑھ کر ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ ان کو ڈر ہوا کہ اُن پر آنحضرتؐ کے بیان کا سحر اثر کر جائے گا اور وہ لوگ مکہ سے نکل کر آپ کے دین کی خود دعوت دینے لگیں گے۔ چنانچہ ان کے کچھ لوگ ولید بن مغیرہ کے پاس یہ مشورہ کرنے کے لئے گئے کہ عربوں سے آنحضرتؐ کے اور قرآن کے بارے میں کیا کہیں۔ ان میں سے بعض نے آنحضرتؐ کو کاہن مشہور کرنے کی رائے دی لیکن ولید نے اس کو نہ مانا کیونکہ آنحضرتؐ کاہنوں کے طرز اور اسلوب میں کلام نہیں کرتے تھے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ ان کو مجنون بتایا جائے اور کچھ نے سحر کہا۔ ولید نے ان میں سے کوئی چیز پسند نہیں کی اور ان کو یہ رائے دی کہ وہ ایسے جادوگر ہیں جو اپنے بیان سے آدمی اور اس کی زوجہ میں اور بھائی بھائی میں تفرقہ پیدا کردیتے ہیں۔

قریش زمانہ حج میں لوگوں کو آنحضرتؐ کو سننے اور آپ کی بات پر دھیان دینے سے ڈراتے رہے تاکہ ان میں اسی طرح سے تفرقہ نہ پڑجائے جس طرح مکہ والوں میں ہوگیا تھا۔ لیکن انہوں نے دیکھا کہ ان کی یہ تدبیر کارگر نہیں ہوئی۔ اس لئے انہوں نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا یعنی پچھلی امتوں کی عبادات موجودات اور خیر وشر کے متعلق ان کے خیالات کی روایتیں بیان کرنا شروع کردیں۔ یہ چیز ان کو نضر بن حارث میں ملی جو حیرہ جاکر اہل فارس اور وہاں کے بادشاہوں سے ملتا رہا تھا اور ان سے بادشاہت کے حالات اور موجودات اور خیر وشر کے بارے میں اہل فارس کے خیالات معلوم کر آیا تھا۔ قریش نے اس سے طے کیا کہ زمانۂ حج میں لوگوں سے مل کر آنحضرتؐ کی ان روایات کے مقابلے پر جو آپ امتوں اور جنت وجہنم کے بارے میں بیان فرمایا کرتے تھے روایات بیان کیا کرے۔ چنانچہ اس نے یہی شروع کردیا کہ جب کبھی آنحضرتؐ کسی مجمع میں بیٹھ کر لوگوں اور اللہ کی طرف دعوت دیتے اور ان کو ان مصیبتوں سے ڈراتے جو پچھلی امتوں کو اپنے رسولوں اور ان کی تعلیمات سے روگرداں رہنے پر لاحق ہوتی رہی تھیں تو نضر بھی آکر بیٹھ جاتا اور قریش کے سامنے اہل فارس اور ان کے مذہبوں کے حالات اور ان کے بادشاہوں اور جنگوں کی تاریخ بیان کرنے لگتا۔ پھر لوگوں سے کہتا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ محمدؐ تمہارے سامنے اس سے زیادہ اچھی روایات بیان کرتے ہیں۔ کیا وہ پچھلے لوگوں کی کہانیاں بیان نہیں کرتے اور میں بھی ان ہی میں سے بیان کرتا ہوں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ محمدؐ اسی کی بدولت نبوت کے مستحق ہیں؟ قریش اس شخص کے بیانات کو عربوں میں زمانہ حج میں حاجیوں کے گروہوں میں پھیلاتے رہے تاکہ اس طرح لوگوں کو آنحضرتؐ کی دعوت حق سے گریزاں کرتے رہیں۔

لیکن ایسی اور اس قسم کی تقریریں خواہ وہ کسی نوعیت کی ہوں اور ان کو پیش کرنے والے کتنے ہی قادر البیان ہوں

آنحضرتؐ کی دعوت حق اور آپ کے پُراثر بیانات اور ایمان کی گہرائی کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ آنحضرتؐ کی دعوت حق کا اثر تحیر میں ڈالنے والا تھا کیونکہ آنحضرتؐ نہ صرف گزرے ہوؤں کے حالات بیان کرتے تھے بلکہ ان کا اثر ذہنوں اور عقلوں پر ثبت ہو جاتا تھا کیونکہ وہ ایسے دین کی طرف دعوت دیتے تھے جو ذہن انسانی کو ایسے مقام تک بلند کر دیتا تھا۔ جہاں ساری کائنات سے بھلائی، نیکی اور رحمت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے اور تقویٰ، عمل نیک، تمام انسانوں کی بھلائی کی خواہش، حق کی جستجو، عدل کے قیام اور برائیوں، بدکاریوں اور سرکشی سے باز رکھنے کے ذریعہ اللہ سے قربت حاصل ہو جاتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ٥ ”بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل کا، حُسن عمل کا، قرابتداروں کو اس کا حق ادا کرنے کا اور روکتا ہے بدکاری سے اور ناروا کاموں سے اور سرکشی سے۔“ (سورۂ نحل: آیت ۹۰)

کہاں اس کے مقابلے میں اہل فارس کے قصے، ان کی آگ اور ستاروں کی پرستش اور ان چیزوں کے وہ بیانات جن کے ذریعہ قریش آنحضرتؐ کی دعوت سے ٹکر لینا چاہتے تھے۔

حضرت رسول اکرمؐ پر نازل ہونے والے قرآن میں پچھلی قوموں اور ان کی تاریخی واقعات اور ان کے دینوں کے بارے میں بیانات صرف یاد دلانے اور متنبہ کرنے کے لئے ہیں کہ اگر وہ سرکشی اور گمراہی پر ڈٹے رہیں گے تو یاد رکھیں کہ اللہ برابر دیکھ رہا ہے جیسے کہ وہ اُن دوسری قوموں کو دیکھتا رہا جو قوت تعداد اور ساز و سامان میں کہیں بڑھی ہوئی تھیں۔

بہرحال تاریخ و سیرت کی کتابیں بتلاتی ہیں کہ دعوت حق میں رخنہ ڈالنے اور گمراہی پھیلانے کے لئے قریش کی تدبیریں اور مختلف طریقے ان کو کوئی فائدہ نہ دے سکے۔

چنانچہ روایت ہے کہ طفیل بن عمرو السدوسی جو اپنی قوم میں معزز فرد اور مشہور شاعر تھے مکہ آئے تو قریش کو یہ ڈر ہوا کہ یہ آنحضرتؐ کی دعوت حق سے متاثر ہو کر اپنی قوم میں واپس جائیں گے تو اپنی قوم میں اسی کی تبلیغ کرنے لگیں گے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ افراد نے ان کے پاس جا کر ان کو آنحضرتؐ اور آپ کی جادو بیانی سے ڈرایا جس کے ذریعہ گویا آنحضرتؐ میاں بیوی میں تفرقہ ڈلوا دیتے ہیں اور ان کے اور ان کی قوم کے بارے میں اپنا یہ خوف ظاہر کیا کہ آنحضرتؐ ان کے درمیان اسی طرح فساد پیدا کر دیں گے جس طرح قریش میں کیا ہے اور ان سے کہا کہ ہم آپ کی اور آپ کی قوم کی بھلائی اسی میں سمجھتے ہیں کہ آپ نہ اس شخص سے بات کریں نہ ان کی باتیں سنیں۔

اس خوف دلانے کا ردعمل یہ ہوا کہ سدوسی کو آنحضرتؐ سے ملنے کی خواہش پیدا ہوگئی تاکہ وہ آپ کی جادو بیانی سنیں اور دیکھیں کہ اس کا تیز اثر ذہنوں اور عقلوں پر کہاں تک ہوتا ہے خصوصاً اس لئے کہ سدوسی شاعر تھے اور شاعر لوگ حسن بیان سے متاثر ہوتے ہیں اور وہ ان پر دوسری چیزوں سے زیادہ حاوی ہوجاتا ہے۔اس لئے ان کے ذہن میں نبی اکرمؐ کی صورت پھرتی رہی یہاں تک کہ ایک روز وہ خانۂ کعبہ گئے تو آنحضرتؐ بھی ایک جانب اللہ سے محو دعا تھے۔ اس وقت طفیل نے آپ کی کچھ کچھ باتیں سن لیں اور وہ اپنے دل میں کہنے لگے کہ میری ماں میرے غم میں روئے بخدا میں صاحب

عقل ہوں شاعر ہوں۔ مجھ پر حسین وقبیح کا فرق چھپا ہوا نہیں ہے۔ مجھ کو کیا چیز مانع ہے کہ میں اس شخص کو سنوں کہ یہ کیا کہتا ہے؟ اگر وہ اچھا ہوا تو میں اس کو قبول کروں گا اور اگر وہ برا ہوا تو اس کو چھوڑ دوں گا۔ پس وہ اس انتظار میں رہے کہ آنحضرتؐ اپنے بیت الشرف جائیں تو وہ بھی آپ کے ساتھ جا کر لوگوں سے چھپ کر ان کی باتیں سنیں۔

جب آنحضرتؐ چلے تو سدوسی آپ کے پیچھے پیچھے آپ کے گھر تک گئے اور آپ پر اپنی کیفیت اور جو کچھ ان کے ذہن میں گھوم رہا تھا ظاہر کیا۔ تب آنحضرتؐ نے ان کے سامنے قرآن کا کچھ حصہ تلاوت فرمایا اور وہ خاموش رہے بالکل نہ بولے۔ جونہی نبی اکرمؐ نے تلاوت ختم فرمائی انہوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا اور اپنی قوم والوں میں واپس جا کر ان کو اسلام کی دعوت دینے لگے۔ کچھ لوگوں نے ان کی بات مانی اور باقی لوگوں نے نہ مانی، لیکن وہ اپنے طرز عمل پر قائم رہے اور لوگوں کو اصرار اور جوش کے ساتھ اسلام کی دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ اُن میں سے بیشتر نے اسلام قبول کر لیا۔

سدوسی ہی ایک اکیلے شخص نہ تھے بلکہ دسیوں افراد تھے جو مکہ میں مشرک کی حیثیت سے آئے تھے اور اپنے شرک اور اپنے بتوں سے گہرا لگاؤ رکھے ہوئے تھے اور قریش ان کو دشمنی کی وجہ سے آنحضرتؐ اور آپ کی دعوت حق سے ڈراتے اور خوف دلاتے تھے۔ لیکن جب یہ لوگ آنحضرتؐ سے مل لیتے تو ایسے مسلمان ہو کر واپس جاتے کہ خود اسلام کی دعوت دینے لگتے کیونکہ ان کے دل ان تعلیمات سے مطمئن ہو جاتے تھے جو اُن کے ضمیر پر چھا جاتی تھیں اور عدل، مساوات اور تمام انسانوں کی بھلائی کی طرف دعوت دیتی تھیں۔

راویوں نے بیان کیا ہے کہ بیس افراد پر مشتمل عیسائیوں کے ایک وفد کو ان کی قوم والوں نے اس لئے بھیجا کہ حضرت محمدؐ بن عبداللہ کے حالات ان کے لئے معلوم کریں کیونکہ آپ کے متعلق خبریں جزیرۂ عرب کے تمام اطراف میں بلکہ اس کے باہر بھی پھیل گئی تھیں۔ جب وہ لوگ آنحضرتؐ سے ملے اور انہوں نے آپ کی گفتگو سنی تو آپ کی دعوت قبول کر لی اور آپ کے گھر سے باہر آئے تو مسلمان ہو کر اور آنحضرتؐ کی تصدیق کرتے ہوئے آئے۔ اس پر قریش نے ان کو ٹوک کر برا بھلا کہا اور ان سے کہا کہ اللہ تم کو ایسا موقع نہ دے کہ تم اس شخص کے متعلق خبر لے کر اپنے ہم مذہبوں میں واپس جاؤ کیونکہ اس کے ساتھ بیٹھ کر تم کو اسلام قبول کئے بغیر اطمینان نہ ہوا۔ تم نے اپنا دین چھوڑ کر اس کے کہے کی تصدیق کر دی۔ لیکن یہ چیز ان کو اسلام سے باز نہ رکھ سکی بلکہ اس نے ان کے ایمان میں اور زیادتی کر دی اور ان کو آنحضرتؐ کی پیروی میں اور آپ کی شریعت کی طرف دعوت دینے میں زیادہ مستحکم کر دیا۔

دعوت حق کا معاملہ یہاں تک پہنچا کہ آپ سے دشمنی رکھنے میں سب سے سخت مخالف اور آنحضرتؐ کو سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچانے والے جیسے کہ ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام اور خنس بن شریق کو بھی یہ شوق ہوا کہ آنحضرتؐ کو سنیں۔ ان لوگوں کو آپ کے دعوے کی صحت کے متعلق فکر پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے طور پر اس طرح آنحضرتؐ کی طرف چلا کہ کسی کو ایک دوسرے کی بابت علم نہ تھا۔ آنحضرتؐ رات کا تھوڑا حصہ چھوڑ کر باقی پوری رات اطمینان اور سکون کے ساتھ اللہ سے دعا کرنے اور قرآن کی بعض آیات تلاوت کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ یہ لوگ

آنحضرتؐ کو سنتے رہے لیکن کسی کو دوسرے کے مقام کا علم نہ تھا۔ آنحضرتؐ ان پر ایسے غالب آ گئے کہ یہ لوگ آپ کو صبح تک سنتے رہے۔ جب یہ لوگ وہاں سے ہٹے تو راستے میں بلاارادہ ایک دوسرے سے مل گئے۔ تب ہر ایک کو معلوم ہو گیا کہ دوسرا کیا کر رہا ہے؟ اب انہوں نے آپس میں رائے کر لی کہ ایسا پھر نہ کریں گے تا آنکہ ان لوگوں کو دیکھ نہ لیں اور آنحضرتؐ اور آپ کے ساتھ والوں کے بارے میں اپنے دشمنانہ رویے کو دو چند نہ کر لیں۔

جب دوسری رات ہوئی تو ان میں سے ہر ایک نے محسوس کیا کہ بلاارادہ اسی مقام کی طرف کھنچا چلا جا رہا ہے جہاں وہ پچھلی رات تھا تا کہ وہاں آنحضرتؐ کی دعا اور قرآن کی تلاوت کرنا سنیں جیسا پچھلے روز کیا تھا۔ چنانچہ یہ لوگ اپنے اپنے طور پر گئے اور واپسی میں بلاارادہ مل گئے اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔

اس کے باوجود انہوں نے تیسری رات پھر وہی کیا البتہ اس بار آپس میں ملے تو صرف ایک دوسرے کو برا کہہ لینے میں اکتفاء نہیں کیا بلکہ عہد کیا کہ ایسا پھر کبھی ہرگز نہ کریں گے۔ لیکن جو کچھ انہوں نے آنحضرتؐ سے سنا تھا اس کا اثر ان کے ذہنوں پر رہ گیا۔ لیکن یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ آنحضرتؐ کو جواب قبولیت دیں اور آپ کی دعوت حق پر ایمان لے آئیں وہ دعوت جو مرتبہ والوں، دولتمندوں، سرداروں، بے مایہ اور بے بس افراد اور غلاموں کے درمیان صرف پاکیزگی نفس اور حسن عمل کی بنا پر فرق کرتی ہے اور تمام لوگوں سے مخاطب ہو کر اعلان کرتی ہے کہ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے بڑا مرتبہ والا وہی ہے جو تقویٰ میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔

یہ جو ابوسفیان اور قریش کے دوسرے بااثر افراد اپنے آبائی دین اور پرانے نظام سے چپکے ہوئے تھے یہ حق اور ایمان کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ اس سے ان کی دولت اور منزلت میں اضافہ ہوتا رہتا تھا جس کی بدولت وہ ہر شے سے ٹکر لے لیتے تھے اور ہر شخص پر جو اُن کے اور اس کے درمیان رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا ہر قسم کی سختیاں عائد کرتے تھے۔

اس پر اُس سے زیادہ بڑی دلیل کوئی اور نہیں جو صاحبان حدیث نے اخنس بن شریق کے متعلق بیان کی ہے کہ جب وہ خود، ابوسفیان اور ابوجہل آنحضرتؐ کو تین راتوں تک سنتے رہے تو اس کے بعد وہ ابوجہل کے گھر گیا اور بولا کہ اے ابوالحکم ہم نے جو کچھ محمدؐ سے گزشتہ دنوں میں سنا اس کی بابت تمہاری کیا رائے ہے؟ اس پر ابوجہل نے اس کو یہ جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ ہم میں اور بنو عبدمناف میں شرف و بزرگی کے معاملہ میں جھگڑا تھا۔ وہ لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے ہم نے بھی کھلایا۔ انہوں نے مصائب کا مقابلہ کیا ہم نے بھی کیا۔ انہوں نے لوگوں کو دیا ہم نے بھی دیا، تا آنکہ گھوڑے کی سواری میں مقابلہ آزمائی ہوئی تو ہم بھی گھڑ دوڑ کے سواروں کی طرح نکلے۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم میں ایک نبی ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے۔ اب ایسی چیز ہم کہاں سے لائیں۔ بخدا ہم کبھی اس پر ایمان نہ لائیں گے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس کی تصدیق نہ کریں گے۔

سورۃ عبس وتولیٰ

طبرسی کی مجمع البیان میں اس سورہ کے سبب نزول کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل، عباس بن عبدالمطلب اور خلف کے دونوں بیٹوں ابیا اور امیہ سے محو گفتگو تھے۔

اور زمخشری کی کشاف میں ہے کہ آنحضرتؐ، ربیعہ کے دونوں بیٹوں عتبہ اور شیبہ، ابوجہل، عباس بن عبدالمطلب، امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ سے محو گفتگو تھے اور ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اور جب آپ اس طرح مصروف تھے تو ابن ام مکتوم آ گئے جو نابینا تھے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہؐ! مجھ کو قرآن میں سے کوئی چیز پڑھا دیجئے۔ لیکن نبی اکرمؐ ان لوگوں کے ساتھ اسلام کے متعلق باتوں میں لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ ان کی طرف ملتفت نہیں ہوئے۔ ابن ام مکتوم نے اپنی خواہش پر اصرار کیا اور نبی اکرمؐ کے سامنے اس کو دہراتے رہے اور نبی اکرمؐ پر زور دیتے رہے یہاں تک کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر ناراضی کے آثار پیدا ہو گئے۔ تب وہ بھنائے ہوئے چلے گئے۔ جب آنحضرتؐ تنہا ہوئے تو آپ نے اپنے آپ کو ان نابینا کے ساتھ سلوک پر خود کو ملامت فرمائی تب آپ پر یہ سورہ نازل ہوا:

عَبَسَ وَتَوَلّٰی○ اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی○ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰی○ اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَہُ الذِّکْرٰی○ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی○ فَاَنْتَ لَہٗ تَصَدّٰی○ وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی○ وَ اَمَّا مَنْ جَآءَکَ یَسْعٰی○ وَھُوَ یَخْشٰی○ فَاَنْتَ عَنْہُ تَلَھّٰی○ کَلَّآ اِنَّھَا تَذْکِرَۃٌ○ فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَہٗ○ فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ○ مَّرْفُوْعَۃٍ مُّطَھَّرَۃٍ○ بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ○ کِرَامٍ بَرَرَۃٍ○..... الخ۔ ''وہ اس بات پر ناراض ہو گیا اور منہ پھیر بیٹھا کہ اس کے پاس نابینا آ گیا۔ تم کو کیا معلوم شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا یا وہ نصیحت سنتا اور نصیحت اس کو فائدہ پہنچاتی۔ جو دولتمند ہوتا ہے اس کے لئے تم کوشاں رہتے ہو۔ اگر وہ نہ سدھرے تو تم پر ذمہ داری نہیں۔ جو تمہارے پاس دوڑا ہوا آتا ہے اور خدا سے خوف کھاتا ہے تم اس سے روکش رہتے ہو۔ دیکھو یہ نصیحت ہے جو چاہے اس کو یاد رکھے۔ یہ پاکیزہ اوراق میں ہے جو ذی مرتبہ ہے، بلند، پاک ہے اور بزرگ اور نیک لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے۔''

مجمع البیان میں ہے کہ جب کبھی رسول اللہؐ، ابن مکتوم کو دیکھتے تو ان سے اپنی مشہور بشاشت سے ملتے اور فرماتے: خوش آمدید ہے اس کو جس کی وجہ سے میرے اللہ نے میری سرزنش کی۔

سید مرتضیٰ کی تنزیہہ الانبیاءؑ میں ہے کہ آیت کی ظاہری شان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس میں خطاب نبی اکرمؐ سے ہے، نہ اس میں کوئی ایسی چیز ہے جو یہ ثابت کرے کہ خطاب کسی خاص فرد سے ہے بلکہ یہ محض خبر ہے جس میں مخبر کے بارے میں تصریح نہیں کی گئی بلکہ غور کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ اس میں نبی اکرمؐ کے علاوہ ہی کوئی فرد مراد ہے کیونکہ اس کو بدمزاج کہا گیا ہے اور قرآن کے لحاظ سے آپ کی یہ صفت نہیں ہے، نہ آپ میں عیب نکالنے والے دشمنوں نے ایسی صفت

بتائی ہے چہ جائیکہ ہدایت یافتہ مومنین ہوں۔ اس کے بعد کہا گیا ہے کہ وہ باثروت لوگوں کے لئے کوشاں رہتا ہے اور بے مایہ لوگوں سے روکش رہتا ہے۔ یہ بھی ایسی بات ہے جو ہمارے نبیؐ کی صفت نہیں کیونکہ ان کے وسیع اخلاق اور مہربانی قوم پر چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اور یہ کیسے کہا ہے کہ یہ تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ تو ان کو اجازت دے دینا ہے کہ اپنی قوم کو اسلام کی طرف راغب نہ کریں۔

سید مرتضٰی نے تنزیہہ الانبیاء میں اس پر اضافہ کیا ہے کہ یہ سورہ رسول اللہؐ کے ایک صحابی کے بارے میں نازل ہوا جنہوں نے ایک نابینا سائل کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا جو اُن سے کچھ مانگ رہا تھا جیسا کہ امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے۔ سید مرتضٰی مزید کہتے ہیں کہ چاہے ہم اس میں شک کریں کہ یہ سورہ کسی خاص شخص کے متعلق نازل ہوا ہے لیکن ہم کو اس میں شک نہیں ہے کہ یہ نبی اکرمؐ کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔ مومنین کے منہ پر بدمزاجی دکھانا، ان سے منہ پھیر لینا، دولتمند کافروں کی طرف بڑھنا، ان کے لئے کوشاں رہنا اس سے زیادہ نفرت کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے۔ اللہ نے تو نبی اکرمؐ کو اس سے کم عیوب سے بھی پاک قرار دیا ہے تو آپ کو ایسی صفت سے کیسے متصف کرسکتا ہے؟

مجمع البیان میں کہتے ہیں کہ وہ شخص جو ناراض ہوکر منہ پھیر بیٹھا تھا، بنی امیہ میں سے ایک فرد تھا جو نبی اکرمؐ کی صحبت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ابن مکتوم آ گئے۔ ان کو دیکھ کر اس شخص کو برا لگا اور اس نے اپنے آپ کو اور اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر ان کو بدمزاجی سے دیکھا اور ان کے پاس سے ہٹ گیا۔ اللہ نے اسی کا ذکر کیا ہے اور اس کے طرز عمل کی بُرائی کی ہے۔

سید امین اپنی کتاب اعیان، جلد۲ میں کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے نبی اکرمؐ پر ترک اولیٰ اور قابل کراہت عمل انجام دینے پر عتاب آنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ فعل اولیٰ کی خلاف ورزی کرنا عصمت کے منافی نہیں ہے۔ یہ کہنا کہ گھور کر دیکھنا آنحضرتؐ کی صفت نہیں ہوسکتی اس کا انحصار اس پر ہے کہ وہ کسی اہم اخروی معاملے کے لئے نہ ہو۔ حالانکہ یہاں وہ اس گفتگو کو کیسے ختم کردیتے جو آنحضرتؐ قریش کے بڑے افراد سے اسلام کے بارے میں اُن کو اسلام قبول کرلینے کی امید پر فرما رہے تھے۔ یہی صورت دولتمندوں پر توجہ دینے اور بے مایہ افراد سے بے توجہی برتنے کی ہے۔ یہ کہنا کہ ایسا سلوک آنحضرتؐ کے اخلاق کریمہ کے شایان شان نہیں، صحیح ہوسکتا ہے اگر دولتمندوں سے التفات ان کی دولت کی وجہ سے ہو نہ کہ ان کے اسلام قبول کرلینے کی امید کی وجہ سے۔ بے مایہ افراد سے عدم توجہ اور ان سے روگرداں ہوکر ایسے افراد سے گفتگو کرتے رہنا جن سے اسلام قبول کرلینے کی توقع نبی اکرمؐ کے اخلاق کے منافی نہیں ہے۔ ہاں یہ آنحضرتؐ کے اخلاق کریمہ کے منافی ہوسکتا ہے اگر اُن لوگوں سے بے توجہی کسی دنیاوی کام کی بدولت ہو۔ اس پر وہ مزید کہتے ہیں کہ سورۂ عبس وتولی کی آیات کی ظاہری حیثیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں خطاب نبی اکرمؐ ہی سے کیا گیا ہے نہ کہ کسی اور سے۔ جیسا کہ اس پر امام جعفر صادقؑ کی روایت بھی دلالت کرتی ہے۔

میری رائے میں جو سید امین نے کہا ہے قابل قبول بھی ہے اور معقول بھی۔ یہ واقعہ نبی اکرمؐ کی شان اور عصمت

کے منافی نہیں ہے جیسا کہ خود سید موصوف نے کہا ہے۔ البتہ اس سے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس سورہ کی ابتدائی آیتیں اس گمراہ جماعت کے معاملے میں جس کی اصلاح کی کوئی امید آنحضرتؐ کو تھی، نبی اکرمؐ کی ہدایت کے لئے وارد ہوئی ہوں، نہ کہ اس سلوک پر جو آنحضرتؐ نے نابینا کے ساتھ کیا عتاب ضروری تھا۔ اس لئے کہ نبی اکرمؐ ان سر پھروں سے اس خیال سے محو گفتگو تھے کہ ان کے ساتھ یہ گفتگو اسلام کے لئے سودمند ہوگی۔ یا تو وہ اسلام قبول کرلیں گے یا کم سے کم وہ خاموشی اختیار کرلیں گے۔ چنانچہ ایسی حالت میں جبکہ اسلام کو مددگاروں اور پیروؤں کی شدید ضرورت تھی آنحضرتؐ کا دوسروں کے بجائے ان لوگوں کی طرف ملتفت رہنا مصلحت کے مطابق تھا اور اس نابینا کی تعلیم اور اس کو امور دین سے آگاہ کرنے سے زیادہ قابل ترجیح تھا کیونکہ نبی اکرمؐ کے خیال میں یہ کام بعد میں بھی ہوسکتا تھا۔

جہاں تک مشرکین کے ساتھ آنحضرتؐ کی گفتگو اور ان کو اسلام کے بارے میں مطمئن کرنے یا خاموش رہنے کے لئے کوشش کرنے کا معاملہ ہے یہ اس کے لئے بہت اچھا موقع تھا اور اس سے فائدہ اٹھانا عین مصلحت کا تقاضا تھا گو کامیابی کی امید کم تھی۔ پس ایسے طریقۂ کار میں جو اسلام کی بلند مصلحت کے پیش نظر فرض تھا ملامت یا عیب تراشی کا کوئی محل نہیں ہے۔ دراصل یہ سورہ ان مشرکین کی تنبیہ کے لئے آیا ہے جن سے نبی اکرمؐ نے اس لئے ملاقات فرمائی تھی کہ ان کو اسلام کی طرف مائل کریں اور رغبت دلائیں۔ چنانچہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ، نبی اکرمؐ سے کہتا ہے کہ آپ اللہ کے دین کی کامیابی کے لئے جلدی کرتے ہیں تاہم معاملہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ آپ اس کو ایسے شخص کے واسطے سے حاصل کرنا چاہتے ہیں جو مخلوقات میں سب سے خراب اور فساد انگیزی اور گمراہی پھیلانے میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔ آپ ان کو ان کی سرکشی اور گمراہی میں پڑا رہنے دیجئے کیونکہ وہ ایسے ذلیل ہیں کہ اللہ ان کے واسطے سے اپنے دین کو کامیاب نہیں کرنا چاہتا اور ایسے کمزور ہیں کہ اسلام کی راہ پر اور ترقی پر قائم نہیں رہ سکتے۔ اللہ عنقریب اپنے مخالفوں کو ذلیل کرے گا خواہ وہ مرتبہ اور دولت میں کتنے ہی بڑھ جائیں البتہ نصیحت اسی کو فائدہ دیتی ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے اور وہ اس کا مستحق ہے کہ آپ اس کی طرف متوجہ ہوں اور وہ آپ سے عزت و تعظیم پانے کا حقدار ہے خواہ وہ ابن ام مکتوم کی طرح نابینا ہو یا کوئی اور شخص ہو۔

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ اور يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىٰ ''تم کو کیا معلوم شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا یا وہ نصیحت سنتا اور نصیحت اس کو فائدہ پہنچاتی'' سے مراد یہ ہے کہ آپ اس بے مایہ نابینا شخص کی بات سن کر اس کو رغبت دلاتے اور کچھ احکام بتلا دیتے تو جو کچھ قرآن اور احکام کی تعلیم آپ اس کو دیتے وہ اس سے مستفید ہوتا۔

وَأَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ ''جو دولتمند ہوتا ہے اس کے لئے تم کوشاں رہتے ہو'' یعنی آپ اس نابینا سے روگرداں رہے اور ان دولتمندوں کے طبقے کی ہدایت میں کوشاں رہے حالانکہ وہ اس چیز سے جو آپ چاہتے تھے گریزاں رہے اور ان کے کفر اور ہٹ دھرمی سے آپ کو نقصان نہیں پہنچتا بلکہ وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے: وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ۔ چنانچہ یہ سورہ جس طرح تشکیل ہوا ہے مشرکوں کی تنبیہ اور ان کو ذلیل کرنے کے لئے ہے۔ اسی طرح یہ نبی اکرمؐ کے لوگوں کے اس طبقے کی طرف لاپرواہ رہنے کے لئے اشارہ کرتا ہے جو شرک

پر قائم رہ کر اور باطل اور گمراہی میں ڈوبے رہ کر صرف اپنے ہی کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

یہ معنی قرآن کے اسلوب سے بعید نہیں ہیں کیونکہ اللہ نے مشرکین کے بارے میں ایسی آیتیں نازل کی ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ وہ اپنے ہی ڈھنگ پر چلتے رہیں گے تاکہ نبی اکرمؐ دھوکے میں نہ آئیں اور مناسب موقعوں پر ان کی ہدایت کے لئے کوشاں نہ ہوں۔

اسی قسم کی وہ آیات ہیں جو ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

اسی قسم کی وہ آیات ہیں جو امیہ بن خلف بن وہب کے متعلق نازل ہوئی ہیں کیونکہ یہ شخص جب بھی رسول اکرمؐ کو دیکھتا تھا تو آپ پر آنکھیں مارتا اور منہ چڑاتا اور آنحضرتؐ سے ایسی چیزیں منسوب کرتا تھا جس سے آپ بری تھے:

وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَةٍ لُّمَزَةِ o الَّذِیْ جَمَعَ مَالاً وَّ عَدَّدَهُ o یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهُ اَخْلَدَهُ o كَلَّا لَیُنْبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ o وَمَا اَدْرٰکَ مَا الْحُطَمَةُ o نَارُاللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ o الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ o اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ o فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ o ''وائے ہو آنکھ مارنے والے اور منہ چڑانے والے پر جو مال جمع کر کے ڈھیر کرتا رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی دولت اس کو حیات جاوداں بخش دے گی۔ نہیں وہ حطمہ میں ڈال دیا جائے گا۔ تم کو معلوم ہے حطمہ کیا ہے؟ یہ اللہ کی روشن کی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک پہنچ جائے گی یہ ان پر بند کر دی جائے گی بڑے بڑے ستونوں میں۔''

اسی طرح کی آیات عاص بن وائل سہمی کے بارے میں نازل ہوئیں۔ خباب ابن ارتؓ نے اس کے ہاتھ ایک تلوار بیچی تھی۔ خباب کے اسلام قبول کر لینے کے بعد انہوں نے اس سے اس کی قیمت مانگی تو وہ کہنے لگا کہ تمہارے صاحب (رسول اکرمؐ) کا تو خیال ہے کہ جنت میں لوگوں کو سونے چاندی وغیرہ کی خواہش نہ ہوگی تو تم مجھ کو قیامت تک مہلت دیدو۔ جب ہم واپس پلٹائے جائیں گے تو اس وقت میں تم کو تلوار کی قیمت ادا کروں گا کیونکہ بخدا تم اور تمہارے رسولؐ، اللہ کے یہاں مجھ سے زیادہ ذی اثر یا بڑا حصہ پانے والے نہ ہوں گے۔ اس پر سورۂ مریم کی آیت ۷۷تا۸۰ نازل ہوئیں:

اَفَرَأَیْتَ الَّذِیْ كَفَرَ بِاٰیَاتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالاً وَّوَلَدًا o اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا o..... وَنَرِثُهٗ مَا یَقُوْلُ وَیَأْتِیْنَا فَرْدًا o ''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتا ہے اور کہتا ہے مجھ کو تو دولت اور اولاد ملے گی۔ کیا وہ غیب کو جانتا ہے یا اس کا اللہ سے عہد ہو گیا ہے... ہم ہی اس کے وارث ہو جائیں گے اور وہ قیامت میں ہمارے پاس آ جائے گا۔''

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ ابوجہل بن ہشام نے آنحضرتؐ سے کہا کہ اے محمدؐ! اللہ کی قسم تم ہمارے خداؤں کو برا کہنا چھوڑ دو ورنہ ہم تمہارے خدا کو برا کہیں گے جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ پس اللہ نے اس کے بارے میں سورۂ انعام کی آیت ۱۰۸ نازل ہوئی:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ ''تم ان کو برا نہ

کہو جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا خدا مانتے ہیں ورنہ یہ دشمنی میں بغیر جانے بوجھے اللہ کو برا کہیں گے۔"
پس رسول اکرمؐ لوگوں میں بیٹھ کر ان کو اللہ کی طرف دعوت دیتے رہے اور قریش کو ان حادثات سے ڈراتے رہے جو پچھلی امتوں کو پیش آئے تھے تو نضر بن حارث بن عقلمہ مشرکوں کے گروہ میں بیٹھ کر اہل فارس، رستم اور سندید وغیرہ کے قصے سنانے لگتا اور کہتا کہ بخدا محمدؐ مجھ سے زیادہ اچھے بولنے والے نہیں ہیں اور ان کی باتیں صرف پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو انہوں نے لکھ ڈالی ہیں جیسے میں نے یہ لکھ ڈالی ہے۔ اس پر اللہ نے اس کے بارے میں یہ آیات نازل کیں:

وَيْلٌ لِكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ○ يَسْمَعُ اٰيَاتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ○ "وائے ہو ہر گنہگار پر جو اللہ کی آیتوں کو اپنے سامنے تلاوت کیا ہوا سنتا ہے اور پھر بھی غرور کی وجہ سے اڑا رہتا ہے گویا ان کو سنا ہی نہیں۔ پس آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے۔" (سورۂ جاثیہ: آیت ۷۔۸)

اس شخص کے بارے میں ایک دوسرے موقع پر سورۂ انبیاء کی یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ○ "تم اور وہ جن کی تم اللہ کی بجائے عبادت کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں جہاں تم سب پہنچو گے۔" (آیت ۹۸)

جب اس آیت کی اطلاع اس کو ہوئی تو ولید بن مغیرہ نے عبداللہ بن زبعری سے کہا کہ بخدا نضر بن حارث کبھی ابن عبدالمطلب کے لئے نہ تعظیماً کھڑا ہوا نہ بیٹھا اور محمدؐ خیال کرتے ہیں کہ ہم اور یہ ہمارے خدا جن کی عبادت ہم کرتے ہیں جہنم کا ایندھن ہیں۔ اس پر عبداللہ بن زبعری نے کہا کہ قسم بخدا اگر میں ان سے ملوں تو ان سے بحث کروں اور محمدؐ سے پوچھوں گا کہ کیا ہر وہ چیز جس کی اللہ کی بجائے عبادت کی جاتی ہے اور وہ لوگ بھی جو اُن کی عبادت کرتے ہیں سب جہنم کا ایندھن ہوں گے؟ اور ہم تو ملائکہ کی بھی عبادت کرتے ہیں، یہودی عزیر کی عبادت کرتے ہیں، عیسائی عیسیٰؑ بن مریم کی عبادت کرتے ہیں۔ ولید اور اس کے ہم نشینوں کو اس کی بات بہت پسند آئی اور اس کی یہ بات پھیل گئی یہاں تک کہ نبی اکرمؐ تک پہنچ گئی۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ کی بجائے اس کی عبادت کی جائے وہ ان ہی کے ساتھ ہے جو اس کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ لوگ شیطانوں کی اور ہر اس چیز کی عبادت کرتے ہیں جس کی عبادت کا حکم شیطان ان کو دیتا ہے۔ اس موقع پر اللہ نے اس کے بارے میں یہ آیات نازل کیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ○ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خَالِدُوْنَ○ "بے شک وہ لوگ جن کے لئے ہماری طرف سے پہلے نیکیاں مقرر ہو چکی ہیں۔ وہ اُس (یعنی جہنم) سے دور رہیں گے اس طرح کہ اس کی بھنک بھی نہ سنیں گے اور وہ اپنی پسندیدہ چیزوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔" (سورۂ انبیاء: آیت ۱۰۱۔۱۰۲)

پس یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ عیسیٰؑ، عزیرؑ رہبان اور احبار جن کی لوگ اللہ کے بجائے عبادت کرتے ہیں خود

تاحیات اللہ کی اطاعت کرتے رہے۔ اگر غلط رو افراد نے ان کو ابلیس اور شیطانوں کے کہنے سے اللہ کی بجائے خدا مان لیا تو اس میں ان کی کوئی خطا نہیں ہے۔ اس موضوع پر ایک اور آیت میں آیا ہے: وَمَن يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰـهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ○ ''ان میں سے جو کوئی یہ کہے گا کہ میں اس کے علاوہ خدا ہوں، یہی ہے وہ جس کو ہم جہنم میں ڈالیں گے۔ اسی طرح ہم غلط رو افراد کو سزا دیتے ہیں۔'' (سورۂ انبیاء: آیت ۲۹)

سیرت اور تفسیر کی کتابوں میں ہے کہ ابی بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط باہم سچے دوست اور ہم نشین تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے آنحضرتؐ کی صحبت میں بیٹھ کر آپ کی باتیں سنی تھیں۔ اس کی خبر اُبی بن خلف کو پہنچ گئی تو اس نے کہا کہ اے عقبہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تم محمدؐ کے پاس بیٹھے اور تم نے ان کی باتیں سنیں اور پھر اس سے قسم لی کہ اگر آنحضرتؐ کے پاس بیٹھا تو ان سے بات نہ کرے گا۔

اس سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ آنحضرتؐ کے پاس جائے اور ان کے منہ پر تھوک دے۔ چنانچہ عقبہ بن ابی معیط لعنۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل کی:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا○[1]

''ایک روز وہ ہوگا کہ غلط رو اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کر کہہ رہا ہوگا کہ ہائے کاش میں نے رسولؐ کے ساتھ راستا اختیار کیا ہوتا۔'' (سورۂ فرقان: آیت ۲۷)

اُبی بن خلف، رسول اللہؐ کی خدمت میں اپنے ہاتھ میں ایک ہڈی لئے ہوئے آیا جس پر سال پر سال اور مہینے پر مہینے گزر چکے تھے اور وہ مٹی کی مانند ہوگئی تھی۔ تب اس نے آنحضرتؐ سے کہا کہ اے محمدؐ! کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کے گل سڑ جانے کے بعد اللہ اس کو دوبارہ زندہ کرے گا؟ پھر اس کو اپنے ہاتھ سے مل کر اپنی پھونک سے رسول اللہؐ کے چہرے پر اڑا دیا۔ اس کے ہاتھ پر کچھ بھی باقی نہ رہا۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ہاں میں کہتا ہوں کہ اللہ اس کو بھی دوبارہ زندہ کرے گا اور تجھ کو بھی جب تو اس کی مانند ہو چکے گا اور تجھ کو جہنم میں ڈال دے گا۔ تب اللہ نے یہ آیات نازل کیں:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ○ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ○ ''اور وہ ہم کو مثل قرار دیتا ہے اور اپنی خلقت کو بھول گیا ہے۔ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جب وہ گل سڑ گئی ہوں گی کون زندہ کرے گا۔ کہہ دیجئے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور وہ ہر خلقت کا جاننے والا ہے۔ وہی ہے جس نے ہرے بھرے درخت سے

۱۔ یہ گھڑی ہوئی روایت ہے کیونکہ اگر عقبہ بن ابی محیط ایسا کرتا تو اس کو حضرت حمزہؓ اور حضرت ابوطالبؑ ٹھیک ٹھیک مزہ چکھا دیتے جیسا کہ وہ اوروں کے ساتھ کرتے رہتے تھے۔

تمہارے لئے آگ پیدا کی اور اب اسی سے تم آگ جلاتے ہو۔" (سورۂ یٰس: آیات ۷۸۔۷۹)

ایک مرتبہ اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور عاص بن وائل جو قریش کے بزرگ اور قابل عظمت افراد تھے، رسول اللہؐ کے سامنے آئے جبکہ آنحضرتؐ طواف فرما رہے تھے اور آپ سے کہنے لگے کہ اے محمدؐ! لیجئے ہم بھی اس کی عبادت کر رہے ہیں جس کی آپ عبادت کر رہے ہیں۔ اور آپ اس کی عبادت کر رہے ہیں جس کی ہم عبادت کر رہے ہیں۔ اس طرح ہم اور آپ ایک معاملہ میں باہم مشترک ہیں۔ اگر وہ جس کی آپ عبادت کرتے ہیں اس سے بہتر ہے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں تو ہم نے اپنا حصہ اس میں لگالیا ہے۔ اگر وہ جس کی ہم عبادت کرتے ہیں اس سے بہتر ہے جس کی آپ عبادت کرتے ہیں تو آپ کا حصہ اس میں لگ گیا ہے۔ اس پر اللہ نے یہ سورہ نازل فرمائی:

قُلْ یَآ اَیُّهَا الْكَافِرُوْنَ○ لاَ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ○ وَلاَ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ○ وَلاَ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ○ وَلاَ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ○ لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ○ "کہہ دیجئے کہ اے کافرو! میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ نہ میں اسکی عبادت کرتا ہوں جسکی تم عبادت کرتے ہو۔ نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارا دین تمہارے لئے ہے اور میرا دین میرے لئے ہے۔"

ایسی آیتوں کی بھی اور بکثرت مثالیں ہیں جو رسول اکرمؐ پر آپ کے مشرکین کے ساتھ طرز عمل کی تائید میں اور مشرکوں کی ان کوششوں کی رد میں نازل ہوتی رہی تھیں جو وہ اس لئے کرتے تھے کہ وہ دعوت حق کو بڑھنے سے روکنے میں ناکام رہے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ وہ مکہ کے تمام حصوں میں اور اس کے باہر تیزی سے بڑھتی چلی جارہی تھی اور ان کی عظمت اور شان وشوکت کے لئے خطرہ بنی ہوئی تھی۔

— ۶ —

حضرت ابوطالب علیہ السلام اور حضرت خدیجہ علیہا السلام

آنحضرتؐ کی تاریخ بعثت کا دسواں سال ان تمام سالوں میں جب سے اللہ نے آپؐ کو اپنے بندوں کا نبی اور ہادی قرار دیا تھا ان تمام تکلیفوں، مصیبتوں اور سختیوں کے باوجود جن سے آپ دوچار رہے اور جن سے آپ اور آپ کے اصحاب گزرے سب سے زیادہ سخت تھا۔

عام الحزن یعنی غم کا سال خاص وہی سال تھا جب آنحضرتؐ تین سال تک مسلسل محصور رہنے کے بعد گھاٹی سے نکلے تھے۔ خود آپ اور آپ کے ساتھ والے مرد، عورتیں اور بچے بھوک سے موت کے قریب پہنچ گئے تھے۔ جو چیز آنحضرتؐ کے لئے سب سے زیادہ رنج کا باعث تھی وہ بھوک کی وجہ سے بچوں کی چیخیں تھیں جبکہ آپ نہ ان کے لئے کوئی بہتری مہیا کرسکتے تھے، نہ کسی برائی کو ان سے دور کرسکتے تھے۔ لیکن آپ کے چچا کا وجود جو آپ کے کفیل بھی تھے اور حامی بھی، آپ کے دکھوں کو کم کرتا رہتا تھا کیونکہ وہ آپ کو ڈھارس دلاتے، تسلی دیتے اور آپ کا حوصلہ بڑھاتے رہتے تھے اور آپ کو خود اپنے اوپر اور اپنی اولاد کے اوپر ترجیح دیتے تھے۔ آنحضرتؐ جانتے تھے کہ جب تک ابوطالبؑ اس دنیا میں زندہ ہیں، قریش خواہ کتنی ہی سخت دشمنی رکھیں آپ کے ساتھ اپنی من مانی نہیں کرسکیں گے۔

آنحضرتؐ نے اُن کو دیکھا تھا کہ ان سخت ترین حالات میں جو آپ پر گزرے وہ اپنے لڑکوں کو آپ پر فدا کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ وہ ان کو حکم دیتے تھے کہ آپ بستر پر سوجائیں اور خود آپ کو ہاتھ پکڑ کر ان کے بستر پر لے جاتے، اس خوف سے کہ کوئی شخص چھپ چھپا کر آپ کو مار نہ ڈالے۔ کبھی کوئی مشرک ایسی کوئی حرکت کرنے لگتا تو وہ اس کو پسند کرتے تھے کہ ان کا عزیز ترین بیٹا ان کے بھتیجے (یعنی آنحضرتؐ) پر فدا ہو جائے۔

آنحضرتؐ یہ سب مشاہدہ فرماتے تھے اور آپ کے دکھ اس سے کم ہو جاتے تھے۔ آپ کو دعوت حق کی رفتار پر اطمینان ہوجاتا تھا۔ جب آپ گھر واپس آتے تو آپ کو خدیجہؑ ایسی بیوی ملتیں جو اپنے ایمان اور وفا میں سچی تھیں۔ وہ دل سے اور بشاشت سے آپ کا استقبال کرتیں تاکہ آپ پر سختیوں کا بار کم ہو جائے۔ آپ دیکھتے کہ وہ ایسی بیوی ہیں جو آپ

کے دکھ درد میں شریک ہیں جو ایک لمحے کے لئے بھی متزلزل نہیں ہوئیں بلکہ انہوں نے آنحضرتؐ کی دعوت حق کی کامیابی کی خاطر اپنی وسیع دولت اور حیثیت آپ کے لئے خرچ کرڈالی ہے۔

آپ کی بعثت کے دسویں سال میں جس کو خود آنحضرتؐ نے عام الحزن یعنی "غم کا سال" نام دیا اور جیسا کہ مؤرخوں کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ اس سال کے ماہ رمضان میں ابوطالبؑ کو مرض لاحق ہوا جبکہ آپ اسّی سال کے تھے۔ مرض ان کو گراتا چلا گیا اور ان کو اپنی موت کے قریب ہونے کا احساس ہوگیا۔ لیکن بڑھتے ہوئے مرض نے بھی ان کو آنحضرتؐ کی طرف سے غافل نہیں ہونے دیا اور وہ ہر وقت آپ کی فکر میں غرق رہتے تھے۔ اپنے درد اور دکھوں کی وجہ سے نہیں اور نہ اپنی گرتی ہوئی قوت کی وجہ سے بلکہ ان کو یقین تھا کہ ان کی موت کے بعد قریش، محمدؐ کے ساتھ وہ سب کچھ کر گزریں گے جو اُن کی حیات میں نہ کرسکے تھے۔ اسی لئے وہ اپنے درد اور تکلیفوں کے باوجود قریش کو اسلام کی طرف ترغیب دلانے اور اس کی طرف دعوت دینے سے نہیں چوکے۔ چنانچہ جب وہ لوگ ان کی عیادت کے لئے ان کے پاس جمع ہوئے تو انہوں نے ان سب سے کہا کہ جب تک تم محمدؐ کی بات سنتے رہو گے اور ان کے حکم کی پیروی کرو گے بھلائی سے دور نہیں رہو گے۔ پس تم ان کی اطاعت کرنا۔ اس سے تم کو دنیا اور آخرت کی بھلائی حاصل ہوجائے گی۔ لیکن اپنی عادت کے مطابق ان لوگوں نے نہ ان کی بات سنی نہ ان کی نصیحت قبول کی۔ وہ لوگ دوسرے روز پھر ان کے پاس آئے ان کا مرض بڑھ گیا تھا اور وہ موت کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اس وقت ان لوگوں نے کہا:

اے ابوطالب! آپ کو ہم سے جو نسبت ہے وہ آپ جانتے ہیں۔ آپ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ آپ کس منزل پر پہنچ چکے ہیں۔ اب ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیان جھگڑا ختم کرادیجئے کچھ ان سے ہمارے حق میں لیجئے تاکہ وہ ہم سے بے تعلق ہوجائیں اور ہم اُن سے۔ وہ ہم کو ہمارے دین پر چھوڑ دیں اور ہم ان کو ان کے دین پر۔

اس پر نبی اکرمؐ نے جو اپنے چچا کی خدمت میں لگے ہوئے تھے اور وہیں موجود تھے فرمایا: تم لوگ مجھ کو صرف ایک کلمہ دو وہ ایسا ہے کہ اس پر تم پورے عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم تمہارے سامنے جھک جائے گا۔ اس پر ابوجہل بولا کہ تمہارے باپ کی قسم ایک نہیں دس کلمہ لے لو۔ آپ نے فرمایا کہ تم سب کہو لا الہ الا اللہ اور اللہ کے علاوہ جس کسی کی عبادت کرتے ہو اسے ترک کردو۔ وہ کہنے لگے کہ کیا تم سب خداؤں کو ایک خدا بنانا چاہتے ہو؟ پھر وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ارے خدا کی قسم ہے یہ شخص تم کو وہ کوئی چیز نہیں دے گا جو تم چاہتے ہو۔

ابوطالبؑ کا مرض اور بڑھ گیا۔ اس درمیان میں رسول اکرمؐ کسی ضرورت سے چلے گئے کہ بتانے والے نے جاکر آپ کو ان کی وفات کی خبر دی۔ آنحضرتؐ تیزی سے اس مکان پر پہنچے جہاں وہ تھے اور ان کی پیشانی کو دائیں اور بائیں طرف سے چھوا جیسے کہ اپنی پیشانی کو چھو رہے ہوں۔ پھر آپ اس طرح گویا ہوئے: اے چچا! آپ پر اللہ رحمت نازل فرمائے آپ نے بچپنے میں مجھ کو پالا، یتیمی میں میری کفالت فرمائی، جب میں بڑا ہوا میری مدد فرمائی، پس اللہ آپ کو میری طرف سے اور اسلام کی طرف سے بہترین جزا دے۔ ان لوگوں کی جزا جو نیک عمل کرتے ہیں اور اس کی راہ میں اپنی

دولت، اپنی جان اور جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے اس سے جہاد کرتے ہیں۔ بعدازاں آپ روئے اور جو لوگ ابوطالبؑ کے اردگرد جمع تھے ان سب کو بھی رلایا۔

ان کے مرنے سے آنحضرتؐ کے دشمنوں کو خاصا سکون مل گیا کیونکہ اس سے پہلے وہ ان کو ہزاروں آدمیوں کے برابر مانتے تھے۔ آنحضرتؐ روئے تو ان کا رونا حق بجانب تھا کیونکہ جب آنحضرتؐ کو باپ کی ضرورت ہوئی تو ابوطالبؑ، آنحضرتؐ کے باپ تھے اور جب آپ کو حامی اور مددگار کی ضرورت ہوئی تو آپ کے حامی اور مددگار تھے۔ وہ آنحضرتؐ کی بعثت سے لے کر دس سال تک آنحضرتؐ کو قریش کی سازشوں اور ان تمام کوششوں سے محفوظ رکھے رہے جو وہ لوگ آنحضرتؐ کے لئے من مانا سلوک کرنے کے لئے کرتے رہے تھے۔ یہی وہ رسالت ہے جس کی مدد ابوطالبؑ نے اپنے ہاتھ سے، تلوار سے، مرتبہ سے اور جو کچھ ان کے پاس تھا اس سب سے کی۔ ان ہی کی بدولت وہ اس قابل ہوگئی کہ مکہ کی دیواروں اور پہاڑوں سے نکل کر حجاز کے قبیلوں میں پھیل گئی اور وہاں سے وسیع دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ گئی۔ اب قریش اس کے لئے نیا منصوبہ تیار کرنے لگے ہیں اور اے ابوطالبؑ کون جانتا ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے۔

آنحضرتؐ روئے اور ان لمحوں میں اپنے حافظہ میں ان تمام موقفوں کو دھراتے رہے جو حضرت ابوطالبؑ نے جب سے آنحضرتؐ بچہ تھے اپنی حیات کی اس منزل تک اختیار کئے ہوئے تھے۔

آنحضرتؐ نے یاد کیا کہ وہ آپ کے بچپن میں آپ کو اپنے سب بیٹوں سے آگے رکھتے تھے اور وہ دن یاد کیا جب وہ اپنی تجارت کے سلسلہ میں شام جارہے تھے تو آنحضرتؐ نے ان کے ناقہ کی مہار پکڑ کر کہا تھا آپ مجھ کو کس کے سپرد کررہے ہیں جبکہ میرے نہ باپ ہیں نہ ماں جن کی پناہ میں لے سکوں اور وہ جواب میں کہہ رہے تھے جبکہ ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے کہ قسم بخدا میں تم کو اپنے علاوہ کسی کے سپرد نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے ہاتھ بڑھا کر آنحضرتؐ کو اپنے سینہ کی جانب کھینچ لیا اور ان کی خوشبو سونگھ کر اپنے پیچھے سوار کرلیا اور قسم کھائی کہ آپ سے کبھی جدا نہ ہوں گے۔ آپ نے اپنے چچا کے ساتھ راہب کی گفتگو یاد کی اور یہ کہ کس طرح آپ کے چچا پر گھبراہٹ طاری ہوگئی تھی اور انہوں نے کہا تھا کہ اُس نفع کا خیال چھوڑ کر جس کے لئے وہ شام کے اس سفر پر آئے تھے، آنحضرتؐ کو صحیح وسالم لے کر مکہ واپس پہنچ جائیں۔ آنحضرتؐ یاد کرتے گئے، یاد کرتے رہے۔ آپ نے مشرکین کے ساتھ ان کے وہ موقف یاد کئے جب ایک روز آنحضرتؐ ان کے پاس آئے تو غلاظت اور خون میں لت پت تھے۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور اپنی تلوار لگا کر اور خدمتگار کو ساتھ لے کر خانۂ کعبہ پہنچے تھے، وہاں بڑے بڑے قریش ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے، ان کو دیکھ کر وہ سمجھ گئے تھے کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ پس ابوطالبؑ نے ان سب سے کہا کہ قسم بخدا اگر تم میں سے کوئی اٹھا تو میں اپنی تلوار سے اسے پیس ڈالوں گا۔ پھر اپنے خدمتگار سے کہا کہ ان سب کے چہروں کو یکے بعد دیگرے غلاظت اور خون سے آلودہ کرے۔ آنحضرتؐ کو وہ دن بھی یاد آیا جب وہ بنی ہاشم کے ساتھ گھاٹی میں محصور تھے۔ وہ کس طرح رات دن آنحضرتؐ کی حفاظت کیا کرتے تھے اس خوف سے کہ مشرکین میں سے کوئی چوری چھپے گھاٹی میں داخل ہوکر آپ کو مار نہ ڈالے۔ انہوں نے بنی ہاشم کو گھاٹی

میں داخل ہونے والے راستوں پر متعین کر دیا تھا اور اس کی حدود پر حفاظت کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ آپ کو وہ دن بھی یاد آیا جب وہ آپ کو آپ کے بستر پر لٹا دیتے تھے تاکہ سب آپ کو دیکھ لیں کہ آپ بستر پر سو رہے ہیں۔ پھر جب ہر شخص اپنی جائے آرام پر چلا جاتا اور گھاٹی میں رات کا اور سونے کا سناٹا چھا جاتا تو وہ آپ کی طرف آتے اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کسی دوسرے کے بستر پر لٹا دیتے اور اپنے کسی بیٹے کو آپ کے بستر پر لٹا دیتے تاکہ اگر کوئی شخص آپ کے ساتھ برا سلوک کرنا چاہے تو آپ کو گزند نہ پہنچے۔ ان لمحات میں آنحضرتؐ کے ذہن میں یادیں آتیں رہیں جبکہ ابوطالبؑ آپ کے سامنے بے جان پڑے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ ان کو زندگی بھر یاد کیا کرتے خاص طور پر جب کبھی قریش آپ پر سختی کرتے تھے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا کہ: ''قریش ابوطالبؑ کی موت کے بعد ہی مجھ سے ایسا سلوک کر سکے جو میرے لئے تکلیف دہ تھا۔'' آنحضرتؐ خود بھی روئے اور اپنے اطراف موجود افراد کو بھی رلایا۔ پھر آپ رنج میں ڈوبے ہوئے اور روتے ہوئے اپنے گھر گئے۔ وہاں آپ نے دیکھا کہ وہ ہاتھ جو آپ کے آنسو پونچھا کرتا تھا اور آپ کے دکھ درد کو بٹایا کرتا تھا آج مرض کے زیر اثر کانپ رہا ہے۔ ابوطالبؑ کی وفات کے چند ہی مہینوں یا حسب اختلاف روایات چند دنوں کے بعد وہ ہاتھ بھی موت کا شکار ہوگیا۔ چنانچہ چند مہینوں یا دنوں کے اندر اندر آپ اپنے چچا سے محروم ہوگئے جنہوں نے آپ کو پالا، آپ کی نصرت کی اور چالیس سال یا زیادہ عرصے تک خبر گیری کی مثال قائم کی۔ وہ اپنی زوجہ سے محروم ہوگئے جنہوں نے اپنی کل دولت آپ کی خاطر لٹا دی اور تمام مشکلات اور پریشانیوں میں آپ کی دلجوئی فرماتی رہیں اور ہمیشہ یہ چاہتی تھیں کہ آپؐ کے بدلے میں خود تکلیفیں اٹھالیں تاکہ آپ اپنی رسالت کے لئے صحیح و سالم رہیں۔ آنحضرتؐ کو ایسا محسوس ہوا کہ خوشیاں ان سے دور ہوگئی ہیں اور دنیا کی رنگینی تیرہ تار ہوگئی ہے۔

آنحضرت جناب خدیجہؑ کے پہلو میں بیٹھ کر رونے لگے اور آپ کے ساتھ گھر کے دوسرے افراد بھی رونے لگے جبکہ آپ کے پاس موجود اصحاب کوشش کر رہے تھے کہ آپ کے دکھ درد کو کم کریں۔

چند ہی مہینوں یا چند ہی دنوں کے اندر اندر یہ دو غم انگیز اور تکلیف دہ واقعات ایسے ہوئے تھے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ قوی ذہن کو پارہ پارہ کر دینے کے لئے کافی تھا۔ پس ان دونوں غموں کے یکجا ہو جانے سے آنحضرتؐ کا کیا حال ہوا ہوگا۔ ادھر آپ کے دشمن ایسے ہی وقت کا انتظار کر رہے تھے۔

لیکن آنحضرتؐ اس پریشانی کے لاحق ہونے اور ذہن پر اس کے (گہرے اثر کے) باوجود اپنی راہ پر گامزن رہے اور اپنی سیرت پر قائم رہے۔ ادھر قریش نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو ایذا دینا اور تکلیفیں پہنچانا شروع کر دیں۔ ان تکلیفوں میں جو آنحضرتؐ پر آپ کے چچا کے رخصت ہو جانے کے بعد پڑیں سب سے ادنیٰ یہ تھی جیسا کہ طبری کی روایت میں ہے کہ قریش کے ایک اوباش شخص نے دونوں ہاتھوں میں مٹی اور کوڑا لے کر آپ کے چہرے اور سر پر ڈال دیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ مکان میں داخل ہوئے تو آپ کا چہرہ اور سر آلودہ تھا۔ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے جو آپ کی بیٹیوں میں سب سے چھوٹی تھیں، بڑھ کر آپ کے سر سے مٹی کو دھونا شروع کیا اور روتی جاتی تھیں کیونکہ ان کو ایسا غمناک اور تکلیف دہ

واقعہ دیکھنے کا نیا اتفاق تھا جن کی شدت ان کے والد بزرگوار برداشت کیا کرتے تھے۔

اُن کا رونا آنحضرتؐ کے دل و دماغ کے لئے اور بھی تکلیف کا باعث تھا۔ پس آنحضرتؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے جبکہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی تھیں، اپنے دونوں ہاتھوں کو ان کے سر پر پھیر کر فرمانے لگے کہ اے بیٹی! رومت کیونکہ اللہ تمہارے باپ کو اپنے دین اور اپنی رسالت کے دشمنوں سے بچانے والا اور اس کی مدد کرنے والا ہے۔

حضرت ابوطالبؑ کا اسلام

میرے عقیدے میں تاریخ نے کسی کے ساتھ ایسی ناانصافی نہیں کی جیسی کہ حضرت ابوطالبؑ کے ساتھ کی۔ نہ ہی مسلمانوں نے کبھی ایسی کھلی اور عظیم برائی کسی کے ساتھ کی جیسی کہ آنحضرتؐ کے چچا حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں کی۔ حضرت ابوطالبؑ نے آنحضرتؐ کی دیکھ بھال اس وقت اپنے ذمہ لی تھی جب آنحضرتؐ اپنی عمر کے آٹھویں سال میں تھے اور آنحضرتؐ کو اپنے بیٹوں میں ملا لیا تھا۔ وہ رات دن ان کی دیکھ بھال کرتے اور حفاظت کرتے تھے۔ جب کبھی ان کو مکہ سے باہر جانا پڑتا تو آنحضرتؐ کو اپنی بیوی فاطمہ بنت اسد کے سپرد کر جاتے۔ وہ اپنے بچوں کو بھوکا رکھتیں مگر آنحضرتؐ کو کھانا کھلاتیں۔ وہ اپنے بچوں کو پراگندہ حال چھوڑ دیتیں لیکن آنحضرتؐ کے کپڑوں، بالوں اور تیل روغن کا خیال رکھتیں۔

چنانچہ آنحضرتؐ نے ماں باپ کے نہ ہونے کو کبھی محسوس نہ کیا۔ حضرت ابوطالبؑ، آنحضرتؐ کی تربیت اور نگہداشت کرتے رہے۔ انہیں آپ کے علاوہ کسی اور کی فکر نہ تھی یہاں تک کہ آپ جوان ہوگئے اور آپ کی شادی ہوگئی۔

جب اللہ نے آنحضرتؐ کو نبی مقرر کیا تو حضرت ابوطالبؑ پہلے شخص تھے جنہوں نے آپ کی تصدیق کی اور اپنے بیٹوں کو آنحضرتؐ کی پیروی اور تصدیق کرنے کو کہا۔ چنانچہ جب انہوں نے آنحضرتؐ کو پہلی مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جبکہ آنحضرتؐ کے ساتھ امام علیؑ اور حضرت خدیجہؑ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا، تو تیزی سے اپنے بھائی عباس کے گھر پہنچے جن کی کفالت میں ان کے بیٹے جعفر تھے، ان کو بلا کر اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اس مکان میں لے گئے جہاں آنحضرتؐ نماز پڑھ رہے تھے اور ان سے کہا کہ اے میرے بیٹے اپنے چچا زاد بھائی کے برابر میں نماز پڑھو۔ وہ آنحضرتؐ کی طرف دعوت دیتے رہے اور ان کے لئے مددگار اور پیرو مہیا کرتے رہے۔ ان کی طویل تاریخ میں دشمنوں تک کی زبان پر یہ نہیں آیا کہ انہوں نے قریش کے خداؤں کے متعلق آنحضرتؐ کے موقف پر ان کو برا کہا ہو یا آنحضرتؐ کو ان سے صلح کرنے یا ان کے عیبوں کی طرف سے خاموشی اختیار کرنے کو کہا ہو بلکہ بنی ہاشم کو حکم دیا کرتے تھے اور آنحضرتؐ کی پیروی اور نصرت کی دعوت دیتے رہتے تھے۔

چنانچہ ابن سعد کی طبقات کبریٰ میں ہے کہ جب حضرت ابوطالبؑ کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے بنی عبدالمطلب کو بلوا بھیجا اور ان سے کہا کہ اگر تم محمدؐ کی بات سنتے رہے اور ان کا حکم مانتے رہے تو ہمیشہ بھلائی میں رہو گے۔ پس تم ان کی پیروی کرنا اور ان کی مدد کرنا۔ اس طرح تم سیدھی راہ پر رہو گے۔

اس وصیت کو ابن جوزی نے تذکرۃ الخواص میں، نسائی نے خصائص میں، صاحب سیرۃ الحلبیہ نے اپنی سیرت

میں اور دوسرے صاحبان حدیث نے روایت کیا ہے۔ (الغدیر از علامہ امینی، جلد ۷، صفحہ ۳۶۷)

کیا کسی شخص کے متعلق یہ ممکن ہے یا تصور کیا جاسکتا ہے کہ کسی قسم کا نظریہ رکھے یا اصول قائم کرے یا دین اختیار کرے اور پھر اپنے نظریے، دین اور اصول کے دشمنوں کی حتی المقدور مدد کرتا رہے اور لوگوں کو اس چیز کو چھوڑے رہنے کی دعوت دیتا رہے جس کو خود اپنے ذہن کی گہرائی سے مان رہا ہو؟

اگر وہ مشرک تھے جیسا کہ اموی، عباسی، ان کے حامی اور تنخواہ یاب علماء اور محدثین کہتے ہیں، پھر بھی انہوں نے قریش کی جفائیں اور بائیکاٹ اٹھائی جس کے دوران وہ اور گھاٹی میں ان کے ساتھ والے دوسرے افراد درختوں کی شاخیں اور پتے کھانے پر مجبور ہوگئے جیسا کہ سیرت کی تمام کتابیں پُرزور طریقے پر لکھتی ہیں۔ اگر وہ ویسے ہی تھے جیسا یہ لوگ خیال کرتے ہیں اور ان کو یہ سخت حالات گھیرے ہوئے تھے تو کون سی چیز ان کو اس سے روکتی تھی کہ وہ اپنے بھتیجے سے رحم کی خواہش اور اظہار تمنا کے طور پر ہی سہی کہتے کہ قریش کے خداؤں کے ساتھ لہجے ہی میں سہی نرمی برتا کریں اور کون سی چیز ان کو اس سے روکتی تھی کہ اپنے بیٹوں کو حضرت محمدؐ کے دین سے گریزاں رکھیں یا ان کو معمولی طریقے پر ہی برا کہیں کیونکہ وہ ابتدائے ظہور سے اس کی طرف بڑھنے میں پیش پیش تھے۔

علاوہ بریں بیشتر روایات اس پر متفق ہیں کہ جونہی ان کو دعوت حق کی خبر کا علم ہوا تو انہوں نے بیٹوں کو اسے مان لینے کا حکم دیا اور ان سے کہا کہ محمدؐ تم کو بھلائی ہی کی طرف بلا رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ ان میں یہ جذبہ پیدا کرتے رہتے تھے کہ جو راہ انہوں نے اختیار کی ہے اور خود انہوں نے ان کے لئے پسند کی ہے اسی پر پختہ ارادے اور صمیم قلب سے گامزن رہیں۔

کیا اسلام اس کے علاوہ کچھ اور ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور حضرت محمدؐ کی نبوت کا اقرار اور اعتراف کیا جائے۔ تواتر سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے دسیوں موقعوں پر اس کا اقرار اپنے شعر میں اور دوسرے طریقوں سے کیا ہے جیسا کہ ہر اسی شخص پر واضح ہو جاتا ہے جو حضرت ابوطالبؑ کی تاریخ کا ان کے پختہ موقف کا مطالعہ کرے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ایسے مطالعہ کرنے والے کے لئے جو حق کو جہاں کہیں بھی ہو تلاش کرنے کے درپے ہو یہ بعید ہے کہ وہ حضرت ابوطالبؑ کی تاریخ کا دعوت اسلامیہ کی ابتدائے ظہور سے ان کے سال وفات تک کی روشنی میں مطالعہ کرنے کے بعد آخر میں یہ کہہ سکے کہ وہ قریش کے دین پر کافر مرے۔ سوائے اس کے کہ وہ اموی ہو یا ان مشرک امویوں کا حلقہ بگوش ہو جنہوں نے اپنے اور اپنے باپ دادا کے شرک کو چھپانے کے لئے حضرت ابوطالبؑ کو شرک سے منسوب کردیا حالانکہ انہوں نے نبی اکرمؐ کی بعثت کے اول کے مہینوں ہی میں دل سے، زبان سے اور عمل سے اسلام قبول کرلیا تھا، جیسا کہ ہم عنقریب اپنے اس بیان میں ثابت کریں گے جو اُن کے اسلام اور نصرت اسلام کے بارے میں ان کے مواقف پر مشتمل ہے۔

ابان بن محمود سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت امام علی رضاؑ سے عرض کیا کہ میں آپ پر فدا ہوجاؤں میں

حضرت ابوطالبؑ کے اسلام کے بارے میں شک رکھتا ہوں۔ امام رضاؑ نے ان کو جواب میں لکھا کہ:

ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدی ویتبع غیرسبیل المؤمنین. ''جو کوئی رسول اکرمؐ کو تکلیف پہنچائے جبکہ اس پر ہدایت واضح ہوچکی ہو اور مومنین کے راستے کے علاوہ راہ اختیار کرے۔'' اور پھر فرمایا کہ اگر تم ابوطالبؑ کے ایمان کا اقرار نہیں کرتے تو تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ آپ سے لوگوں کے کہنے کے بارے میں پوچھا گیا کہ ابوطالبؑ کا ایمان ایک ہتھیلی پر اور پوری مخلوق کا ایمان دوسری ہتھیلی پر رکھ دیا جائے تو ان کا ایمان زیادہ بھاری ہوگا۔

حضرت ابوبکر سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے سال میں وہ اپنے والد کو جو نابینا تھے اور اس تاریخ تک اپنے شرک پر قائم تھے، ہاتھ پکڑے ہوئے نبی اکرمؐ کی خدمت میں لائے۔ تب رسول اللہؐ نے فرمایا: ان کو ان کے مکان ہی میں کیوں نہ رہنے دیا یہاں تک کہ ان کی موت آجاتی؟ اس پر ابوبکر بولے کہ یارسول اللہؐ! میں نے چاہا کہ ان کو بھی اللہ اجر عطا کرے جس نے آپ کو برحق مبعوث فرمایا ہے۔ میں یقیناً آپ کے چچا ابوطالبؑ کے اسلام سے زیادہ خوش ہوا تھا بہ نسبت اپنے باپ کے۔ ان کے ذریعے مجھے آپ کی خوشی مقصود ہے۔

ایک شخص کے جواب میں جو حضرت ابوطالبؑ کے متعلق شک میں تھا، امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ کیسی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو منع کردیا کہ کوئی مسلمان عورت کافر کے نکاح میں نہ رہے جبکہ فاطمہ بنت اسد جو اول اول اسلام لانے والی عورتوں میں سے تھیں حضرت ابوطالبؑ کے نکاح میں تاحیات رہیں۔

نبی اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے۔ اس سے آنحضرتؐ کی مراد ابوطالبؑ تھے۔

اس قسم کی اور بکثرت روایتیں حضرت ابوطالبؑ کے اسلام اور رسول اللہؐ پر ایمان کے بارے میں نبی اکرمؐ سے اور آپ کے اصحاب اور ائمہ اطہارؑ سے وارد ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے وہ اشعار ہیں جو تواتر کے ساتھ ان سے وارد ہوئے ہیں اور ان کے ان ہی سے وارد ہونے کا اعتراف ان لوگوں نے بھی کیا ہے جو کہتے ہیں کہ وہ مشرک مرے۔ ان ہی میں سے ان کے ایک میمیہ قصیدہ کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

و ظلم نبی جاء یدعو الی الهدی   و امر اتی من عند ذی العرش قیم

''یہ ظلم کیا ہوا نبی ہے جو ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے آیا ہے جو عرش کا مالک اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔''

اس دستاویز میں جو قریش نے بنی ہاشم کی بائیکاٹ کے لئے لکھی تھی ان کے اشعار ہیں جن میں وہ کہتے ہیں:

الم تعلموا انا وجدنا محمداً   رسولاً کموسیٰ خط فی اول الکتب
وان علیه فی العباد محبة   ولا حیف فیمن خصه الله فی الحب

''کیا تم نہیں جانتے ہو کہ ہمارے نزدیک محمدؐ ویسے ہی نبی ہیں جیسے موسیٰؑ اور ان کا ذکر پرانی کتابوں میں موجود ہے۔ بندوں پر ان کی اطاعت لازم ہے۔ اس کی محبت میں کوئی ناانصافی نہیں ہے جس کو خود اللہ نے محبت سے خصوصیت بخشی ہو۔''

ان کے اشعار میں یہ بھی قول ملتا ہے:

نبی اتاه الوحی من عند ربه ومن قال لا یقرع بها سن نادم

''یہ نبی ہیں ان کے پاس ان کے پروردگار سے وحی آتی ہے۔ جو کوئی یہ کہے کہ وہ اس کو نہیں پاتے ندامت سے دانت بھینچ کر رہ جائے گا۔''

ان اشعار میں جو انہوں نے قریش کی ہجو میں اس وقت کہے جب انہوں نے عثمان بن مظعون کو شدائد کا نشانہ بنایا یہ بھی ہیں:

حتی تفر رجال لا حلوم لها بعد الصعوبة بالاسماح واللین
أو تؤمنوا بکتاب منزل عجب علٰی نبی کموسیٰ او کذی النونؑ

''پھر یا تو لوگ جن کو طاقت برداشت نہیں ہے تکلیف سے چین اور آرام کی طرف بھاگتے ہیں یا اس تعجب خیز کتاب پر ایمان لے آئے ہیں جو نبیؐ پر نازل ہوئی ہے جن کی مثال موسیٰؑ اور ذوالنونؑ کی سی ہے۔''

ان شعروں میں ان کا وہ قول ہے جس کو وہ نبی اکرمؐ کے بارے میں اپنے طرزِ عمل کے متعلق دھرایا کرتے تھے:

نصرت الرسول رسول الملیک ببیض تلألأ کلمع البروق
اذب و أحمی رسول الا له حمایة حام علیه شفیق

''میں نے اس رسول کی نصرت کی ہے جو اللہ کا رسول ہے۔ جو نورانیت میں بجلی کی طرح چمکتا ہے۔ میں اللہ کے رسول سے حملوں کو روکتا ہوں اور ان کی حمایت ایسے حامی کی طرح کرتا ہوں جو اُن پر شفیق بھی ہے۔''

اپنے بیٹوں جعفرؓ اور علیؑ سے خطاب کر کے کہے ہوئے ان کے اشعار میں یہ قول بھی ہے:

ان علیاً و جعفراً ثقتی عند ملم الزمان والنوب
لا تخذلا و انصرا ابن عمکما اخی لأمی من بینهم و ابی
واللّٰه لا اخذل النبی ولا یخذ له من بنی ذو حسب

''علیؑ اور جعفرؓ پر میں زمانے کی سختیوں اور مصیبتوں میں بھروسا کرتا ہوں۔ دیکھو تم اپنے چچا کے بیٹے کو اکیلا نہ چھوڑنا بلکہ اُس کی مدد کرتے رہنا، یہ تمہارے چچا اور میرے بھائی کے بیٹے ہیں ماں

اور باپ دونوں طرف سے۔ قسم بخدا میں نبی اکرمؐ کو کبھی نہ چھوڑوں گا اور نہ بیٹے ان کو چھوڑیں گے جو صاحبان فضل ہیں۔''

اپنے بھائی حضرت حمزہؓ سے جن کی کنیت ابویعلیٰ بھی تھی، خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فصبرا ابا يعلىٰ علىٰ دين احمدٌ — و كن مظهر اللدين و فقت صابرًا

وحط من اتى بالحق من عند ربه — بصدق و عزم لا تكن حمز كافرًا

فقد سرنى ان قلت انک مؤمن — فكن لرسول الله فى الله ناصرًا

وباد قريشاً بالذى قد أتيته — جهاراً و قل ما كان احمد ساحرًا

''اے ابویعلیٰ دین احمدؐ پر صبر سے کام لو۔ دین کی پشت پناہی کرتے رہو۔ تم کو صبر کی توفیق عطا ہوگی۔ اس شخص کی سچے دل اور پختہ عزم کے ساتھ حفاظت کرو جو اپنے پروردگار کے پاس سے پیغام حق لے کر آیا ہے اور اے حمزہؓ کافر نہ بنو۔ مجھ کو اس سے مسرت ہوئی کہ تم نے اعلان کردیا کہ تم مومن ہو۔ پس اللہ کی راہ میں اللہ کے رسولؐ کی نصرت کرتے رہو۔ قریش کو اچھی طرح دکھلا دو کہ جس شخص کو تم نے نبی مانا ہے وہ یعنی احمدؐ جادوگر نہیں ہے۔''

دوسرے اشعار میں کہتے ہیں:

انت النبى محمدٌ — قرم أعز مسود

لمسودين اكارم — طابوا وطاب المولد

''آپ نبی ہیں، سزاوار ستائش ہیں، سردار قوم ہیں، سب سے زیادہ باعزت ہیں، بڑے بڑے ذی مرتبہ سرداروں کے سردار ہیں جو سب کے سب پاک طینت اور پاک نہاد ہیں۔''

خود نبی اکرمؐ کو مخاطب کر کے انہوں نے آپ کو اپنی دعوت حق کے اظہار کرنے کی ہمت دلاتے ہوئے کہا:

ولا يمنعک من حق تقوم به — ايد تصول ولا سلق بأصوات

فان كفک كفى ان بليت بهم — و دون نفسک نفسى فى الملمات

''جس حق بات کو لیکر آپ اٹھے ہیں اس سے آپ کو نہ حملہ کرنے والے ہاتھ روک سکیں گے نہ تیز آوازیں۔ اگر آپ پر ان کی وجہ سے کوئی مشکل درپیش ہوگی تو آپ کے ہاتھوں کے بجائے میرے ہاتھ کام کریں گے اور مصیبت کے وقت میری جان آپ کی جان سے آگے آگے ہوگی۔''

نبی اکرمؐ کی مدح و ثناء کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے:

لقد اكرم الله النبى محمداً — فاكرم خلق الله فى الناس احمدٌ

وشق له من اسمه بتجلة — فذو العرش محمود وهذا محمدٌ

''اللہ نے اپنے نبی محمدؐ کو عزت بخشی ہے۔ پس اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ باعزت احمدؐ ہیں۔ اللہ نے ان کو بزرگی عطا کرنے کے لئے ان کا نام اپنے نام سے نکالا۔ چنانچہ اللہ کا نام ''محمود'' ہے اور ان کا نام محمدؐ ہے۔''

اپنے مشہور قصیدۂ لامیہ میں کہتے ہیں:

الم تعلموا ان ابننا لا مکذب لدینا ولا نعبأ بقول الأباطل

''کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارے نزدیک ہمارا بیٹا ایسا ہے جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا اور نہ ہم غلط باتوں کو اہمیت دیتے ہیں۔''

اسی قصیدے میں آگے چل کر کہتے ہیں:

وأیده رب العباد بنصره و أظهر دینًا حقه غیر زائل

''کائنات کے پروردگار نے ان کی مدد اپنی نصرت سے کی اور دین کو اچھی طرح ظاہر کردیا کہ اب وہ زائل ہونے والا نہیں ہے۔''

اسی طرح ان کے اور بکثرت اشعار ہیں جن میں وہ اپنے اسلام اور حضرت محمدؐ بن عبداللہ کے لائے ہوئے پیام پر اپنے ایمان کا ذکر کرتے ہیں۔ (شرح نہج البلاغہ، جلد۳، صفحہ۳۱۴، تاریخ ابن کثیر، تاریخ ابوالفداء، جلد۲، صفحہ ۱۹)

شرح نہج البلاغہ میں ہے کہ یہ سب اشعار تواتر کے ساتھ روایت ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ من حیث الکل حضرت ابوطالبؑ کا آنحضرتؐ کے لئے تصدیق کرنا ثابت کرتے ہیں۔

امام حسینؑ سے روایت ہے کہ امام علیؑ مقام رحبہ میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ کے چاروں طرف جمع تھے۔ اس وقت ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے امیرالمومنینؑ! آپ اس مقام پر ہیں جہاں آپ کو اللہ نے قرار دیا ہے اور آپ کے والد جہنم میں زیر بار عذاب ہیں۔ امام علیؑ نے اس سے کہا کہ اللہ تیرے منہ کو توڑے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمدؐ کو نبی برحق مبعوث کیا کہ اگر میرے والد صفحہ ارض پر بسنے والے ایک ایک شخص کی شفاعت کردیں تو اللہ ان کی شفاعت قبول کرلے گا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمدؐ کو نبی برحق مبعوث کیا ابوطالبؑ کا نور روز قیامت تمام نور کو بجھا دے گا سوائے نور پنجتن یعنی محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ کا نور اور اولاد حسینؑ میں سے نو ائمہ علیہم السلام کا نور۔

کلینی نے کافی میں اسحاق بن جعفر سے اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار امام جعفر صادقؑ سے روایت کیا ہے کہ آپ سے کہا گیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ کافر مرے ہیں تو آپ نے فرمایا: وہ جھوٹے ہیں۔ وہ کیسے کافر ہوسکتے ہیں جبکہ وہ یہ کہتے ہیں:

''کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارے نزدیک محمدؐ ویسے ہی نبی ہیں جیسے موسیٰؑ اور ان کا ذکر پرانی کتابوں میں موجود ہے۔''

اصول کافی میں یہ بھی آیا ہے کہ امام جعفر صادقؑ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ کیسے یہ مانتے ہیں کہ ابوطالبؑ کافر مرے تھے حالانکہ وہ کہتے ہیں: کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارے نزدیک ہمارا بیٹا ایسا ہے جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا اور نہ ہم غلط باتوں کو اہمیت دیتے ہیں۔

ابوجعفر شیخ صدوق نے اکمال الدین میں محمد بن مروان سے اور انہوں نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوطالبؑ ظاہر کفر کرتے تھے اور ایمان کو مخفی رکھتے تھے۔ جب ان کی وفات آ پہنچی تو اللہ نے اپنے رسولؐ کو وحی کی کہ اب آپ یہاں سے باہر چلے جائیے کیونکہ یہاں آپ کا کوئی مددگار نہیں رہا۔

یونس بن نباتہ سے روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے ان سے فرمایا کہ اے یونس! لوگ ابوطالبؑ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اس پر میں نے عرض کیا: میں آپ پر صدقے جاؤں! لوگ کہتے ہیں کہ وہ جہنم کے ایک طبقے ضحضاح میں ہیں اور ان کی کھوپڑی بھن رہی ہے۔ تب امامؑ نے فرمایا: اللہ کے دشمن جھوٹ کہتے ہیں۔ ابوطالبؑ تو انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور صالحین کے رفیقوں میں ہیں اور کیا ہی اچھے رفیق ہیں یہ سب۔

سید امین نے اپنی کتاب غدیر کی ساتویں جلد میں سنی اور شیعہ مصنفوں کی انیس کتابیں شمار کی ہیں جو حضرت ابوطالبؑ کے ایمان اور فضائل پر لکھی گئی ہیں۔

مختصر یہ کہ وہ احادیث جو حضرت ابوطالبؑ کے کفر کے متعلق ہیں اموی دور کی گھڑی ہوئی ہیں اور بعد والوں نے ان ہی کو بنیاد قرار دے کر اپنی معلومات حاصل کی ہیں کیونکہ گھڑنے والوں جیسے کہ عروہ بن نذیر، محمد بن شہاب زہری وغیرہ نے ان حدیثوں کو صحابہ سے منسوب کردیا ہے اور اہلسنت کے نزدیک صحابہ جھوٹ اور خطا سے بری ہیں۔ ان میں بعض حدیثیں مغیرہ بن شعبہ نے اپنے آقا معاویہ کی خوشنودی کے لئے بنائی ہیں۔ حضرت ابوطالبؑ کی کسی شخص کے نزدیک اس کے علاوہ کوئی اور خطا نہیں ہے کہ وہ امام علیؑ کے باپ تھے۔

اگر امام علیؑ کا اسلام اور خدمت اسلام میں ان کا جہاد ان کے موقف اور ان کی قربانیاں ایسی نہ رہی ہوتیں جن کی مثال اس سے پہلے تاریخ میں موجود نہ تھی تو بنوامیہ بلکہ بنوعباس بھی ان کی شان میں وہی کچھ کہہ دیتے جیسا ان کے والد بزرگوار کی شان میں کہا لیکن ان کو اس کا کوئی بہانہ نہ مل سکا۔ یہ معلوم ہے کہ ان میں سے بعض حدیثیں مغیرہ کی روایات کی ہوئی ہیں جیسا کہ ہم بتلا چکے ہیں اور بعض دوسری عروہ بن زبیر اور زہری وغیرہ اجرت یافتہ دشمنوں کی روایت کی ہوئی ہیں۔ اسی طرح عباسیوں نے بھی ان تحریکوں کی وجہ سے جو علویوں کی قیادت میں ان کے خلاف ابھرتی رہتی تھیں محسوس کرلیا کہ یہ گھرانہ ان کی حکومت کے لئے خطرہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے بعض ایسی حدیثیں ٹھونس دیں جو اُن کے جدامجد عباس بن عبدالمطلب کے مرتبے کو بڑھاتی ہیں اور امام علیؑ اور ان کے بیٹوں کے مرتبہ کو گھٹاتی ہیں۔ ان کے شعراء اور ان کے پیرو راوی بھی اس مقصد سے کام کرتے رہے۔

ان لوگوں نے رسول خداؐ سے روایت پیش کردی ہے کہ آنحضرتؐ سے کہا گیا کہ آپ اپنے باپ اور ماں کے لئے طلب مغفرت فرمایئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا: اگر میں ان دونوں کے لئے طلب مغفرت کروں تو ابوطالبؑ کے لئے بھی کروں کیونکہ انہوں نے میرے ساتھ وہ حسن سلوک کیا ہے جو اُن دونوں نے نہیں کیا۔ نیز یہ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ عبداللہ، آمنہ بنت وہب اور ابوطالبؑ جہنم کے انگارے ہیں۔ مغیرہ بن شعبہ کی روایت کے مطابق یہ بھی ہے کہ ابوطالبؑ جہنم میں آگ کے دریا میں ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ لوگ یہ ادعا کرتے ہیں کہ ابوسفیان، عقبہ بن معیط اور ان کی مانند قریش کے دوسرے کفار جو جان کے خوف کی وجہ سے زبان سے اسلام کا اقرار کرنے کے بعد بھی رسول اللہؐ کی زندگی میں اور آنحضرتؐ کے بعد برابر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہے مسلمان اور نیک اصحاب میں سے ہیں۔

یہ لوگ جنہوں نے یہ حدیثیں بنائی ہیں جو باور کراتی ہیں کہ حضرت عبداللہ، بی بی آمنہ بنت وہب اور حضرت ابوطالبؑ جہنم کے انگارے ہیں، اپنے ارادے سے یا بلاارادہ رسول اللہؐ میں عیب لگاتے ہیں اور آنحضرتؐ کو قرآن شریف کی صریحی احکام کی نافرمانی سے منسوب کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے اور ان کی عزت و تکریم کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ۔ چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ:

> وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔ ''تیرے اللہ کا حکم یہ ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو اور باپ ماں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔'' (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۳) اور وَاِنْ جَاھَدَاکَ عَلٰی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْھُمَا وَ صَاحِبْھُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ''اور اگر وہ دونوں تمہارے اوپر زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ اس کو شریک مانو جس کا تم کو علم نہیں ہے تو ان کی اطاعت نہ کرو لیکن ان کے ساتھ دنیا میں اچھا برتاؤ کرو۔'' (سورۂ لقمان: آیت ۱۵) اور اَنِ اشْکُرْلِیْ وَالِوَالِدَیْکَ ''میرے بھی شکرگزار رہو اور اپنے والدین کے بھی۔'' (سورۂ لقمان: آیت ۱۴)

جب قرآن شریف ان دونوں کے احترام پر زور دے رہا ہے خواہ وہ مشرک ہی ہوں تو رسول اللہؐ کے لئے یہ کیسے روا ہوسکتا ہے کہ وہ کہیں کہ میرے باپ، میری ماں اور میرے چچا جہنم کے انگارے ہیں؟ اور اگر ہم ان دونوں کے کفر کو مان بھی لیں تو ان کا مواخذہ کیسے کرسکتے ہیں جبکہ وہ اسلام سے تیس سال سے زیادہ پہلے مرچکے تھے۔ اس کے باوجود تاریخ کے بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ کے باپ دادا شریعت ابراہیمیؑ کے مطابق اللہ پر ایمان رکھتے تھے۔ خود قرآن تقلبک فی الساجدین کی آیت میں اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ انہوں نے غیر اللہ کو سجدہ نہیں کیا اور اس کے علاوہ کسی اور کو پروردگار نہیں مانا۔

یہ افسوسناک اور حیرت کی بات ہے کہ سنی لکھنے والے اور صاحبان حدیث مثلاً غزالی فقہ السیرۃ میں اور ان کے

جیسے دوسرے افراد جب ابوطالبؑ تک پہنچتے ہیں تو ان ہی پرانے مؤرخوں اور محدثوں کی رایوں پر انحصار کرتے ہیں جنہوں نے امویوں اور عباسیوں کے لئے ان کے اسلام کے بارے میں گھڑی ہوئی حدیثیں تیار کی ہیں یہ لوگ ان حدیثوں کے مآخذوں اور اسناد کے بارے میں چھان بین نہیں کرتے اور ان حالات کے بارے میں جو معاویہ کے زمانہ میں اور بعد کے زمانوں میں ہر اس شخص کو جو امام علیؑ ابن ابی طالبؑ سے حسب یا نسب کا رشتہ رکھتا ہوتا تھا اور اسلام کی راہ میں اس کے ابتدائے وجود سے حضرت ابوطالبؑ کے مواقف سے اور ان کے صریحی اشعار سے جو ناقابل تاویل ہیں صرف اس لئے اندھے بنے رہتے ہیں کہ مغیرہ اور اس کی قسم کے دوسرے افراد نے جن کو حاکموں نے جھوٹ اور گھڑت کے لئے کام پر لگا دیا تھا ان کے لئے یہ روایت تیار کردی تھی کہ رسول اللہؐ نے ابوطالبؑ کے متعلق فرمایا کہ وہ جہنم کے انگارہ ہیں اور جہنم کے آتشیں دریا میں پڑے ہوئے ہیں۔

مجھے ذرا بھی شک نہیں ہے کہ اگر تاریخ، سیرت کی کتابوں اور حدیث میں صحابہ کبار سے کسی بزرگ کے لئے وہ کچھ روایت کیا گیا ہوتا جو اسلام کی نصرت کے لئے حضرت ابوطالبؑ کے موقف کے بارے میں روایت ہوا ہے، تو لوگ ان کو انبیاءؑ کے درجہ سے بھی بلند قرار دیتے۔

اس سے زیادہ حیرتناک یہ ہے کہ بیشتر اہل سنت یہ ادعا کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنی کتاب میں بعض ایسی آیتیں نازل فرماتی ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ مشرک مرے۔ اس قسم کا سورۂ انعام میں اللہ کا قول ہے کہ:

> وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ يَنْئَوْنَ عَنْهُ وَاِن يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ. ''وہ لوگوں کو ان سے ہٹائے رکھتے ہیں اور خود بھی ان سے روگرداں رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ہی کو ہلاک کرتے ہیں اور سمجھتے نہیں ہیں۔'' (سورۂ انعام: آیت ۲۶)

یہ لوگ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہ نبی اکرمؐ سے دشمنوں کو ہٹائے رکھتے تھے اور آنحضرتؐ کی حفاظت فرماتے تھے لیکن خود بھی اسلام قبول کرنے سے گریزاں رہے۔

ان میں سے کچھ افراد کہتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت ابوطالبؑ نے جاکر قریشیوں کے چہروں پر غلاظت اور خون ملوا دیا تھا کیونکہ ابوجہل اور اس کے مشرک ساتھیوں کے اشارے پر ابن زبعری نے ایسی غلاظت سے نبی اکرمؐ کے چہرہ کو آلودہ کیا تھا۔ اس کا ذکر طبری رازی، زمخشری اور شوکانی، ہر ایک نے اپنی اپنی تفسیر میں اور نسفی نے اس تفسیر میں جو تفسیر خازن کے حاشیہ پر ہے اور دوسروں نے کیا ہے۔ لیکن انہوں نے اس کا ذکر ایک قول کے طور پر کرکے خود یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جو نبی اکرمؐ کی رسالت کے ماننے اور قبول کرنے سے گریزاں رہتے تھے اور آنحضرتؐ سے اس قدر کشیدہ رہے تھے کہ آنحضرتؐ کو ایذائیں پہنچاتے رہے تھے۔ یہ لوگ اس کا

حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں نازل ہونا شاذو نادر اور آیت کی ظاہری ہیئت اور پیش منظر کے خلاف قرار دیتے ہیں کیونکہ اس سے پہلے اللہ کا یہ قول ہے کہ:

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ○ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ وَإِن يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ○

''ان سے کچھ ایسے ہیں جو تمہاری باتوں کی طرف کان لگائے رہتے ہیں لیکن ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں۔ اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تمہارے پاس آ کر بحث کرتے ہیں تو وہ لوگ جو کافر ہیں کہتے ہیں کہ یہ تو پرانے لوگوں کی کہانیاں ہیں وہ لوگوں کو ان سے ہٹائے رکھتے ہیں اور خود بھی ان سے روگرداں رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ہی کو ہلاک کرتے ہیں اور سمجھتے نہیں ہیں۔'' (سورۂ انعام: آیت ۲۵۔۲۶)

یہ آیتیں صاف صاف بتا رہی ہیں کہ وہ مشرک ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کتاب پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں اور اس کو قبول کرنے سے انکار کرتے اور حضرت محمدؐ سے روگرداں رہتے تھے، کہاں یہ اور کہاں حضرت ابوطالبؑ جو کہتے ہیں کہ: یا اس تعجب خیز کتاب پر ایمان لے آتے ہیں جو نبیؐ پر نازل ہوئی ہے جن کی مثال موسیٰؑ اور ذوالنونؑ کی سی ہے۔

اور ان کا قول ہے: کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارے نزدیک محمدؐ ویسے ہی نبی ہیں جیسے موسیٰؑ اور ان کا ذکر پرانی کتابوں میں موجود ہے۔

طبری نے اپنی تفسیر میں اس آیت کا سدی، ابن عباس، ابن حنفیہ، قتادہ اور ابومعاذ وغیرہ میں سے ہر ایک کے حوالہ سے مشرکین مکہ وغیرہ کے بارے میں نازل ہونا روایت کیا ہے۔

بروایت دیگر یہ آیت حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، طبری نے سفیان ثوری سے، انہوں نے حبیب بن ثابت سے، انہوں نے کسی اور سے جس نے ابن عباس سے سنی تھی بیان کی ہے۔ سفیان ثوری اور حبیب بن ثابت کا شمار جھوٹ اور فریب کاری میں بدنام لوگوں میں ہوتا ہے۔ تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال میں آیا ہے کہ یہ دونوں جھوٹ اور فریب کاری میں مشہور تھے۔ اس کے علاوہ حبیب بن ثابت نے اس کو ابن عباس تک بہ طریق ارسال پہنچا دیا ہے یعنی اس راوی کا ذکر نہیں کیا جس نے اس کو اُن سے روایت کیا ہو۔ حدیث میں ارسال کا وجود راوی اور روایت دونوں کو معیوب کر دیتا ہے جیسا کہ علم درایت حدیث پر سُنی اور شیعہ لکھنے والوں نے قرار دیا ہے۔

ان آیات میں جن سے امویوں کی حمایت کرنے والے اور طالبیوں سے دشمنی رکھنے والے سہارا لیتے ہیں۔ سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۳ بھی ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحَابُ الْجَحِيْمِ ''نبی کو اور مومنوں کو یہ روا نہیں ہے کہ مشرکین کے لئے طلب مغفرت کریں خواہ وہ رشتہ دار ہی ہوں۔ جب معلوم ہو جائے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں۔''

اس آیت کے حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں نازل ہونے کو بخاری اور مسلم ہر ایک نے اپنی اپنی صحیح میں ابوالیمان سے، انہوں نے شعیب سے، انہوں نے زہری سے، انہوں نے سعید بن مسیّب سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ جب حضرت ابوطالبؑ کا وقت وفات قریب آیا تو رسول اللہؐ ان کے پاس تشریف لے گئے وہاں آنحضرتؐ کو ابوجہل اور عبداللہ ابن ابی امیہ بھی ملے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے چچا کہئے لا الہ الا اللہ کہ میں اس کلمے کے ذریعے اللہ کے سامنے آپ کے حق میں حجت پیش کروں گا۔ تو ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے ان سے کہا کہ کیا تم عبدالمطلب کے دین سے ہٹ جاؤ گے۔ چنانچہ رسول اللہؐ اپنی بات، ان کے سامنے پیش کرتے رہے اور وہ دونوں اپنی بات دہراتے رہے یہاں تک کہ راوی کے خیال کے مطابق حضرت ابوطالبؑ نے کہا کہ ''عبدالمطلب کے دین پر'' اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ قسم بخدا جب تک مجھ کو اس سے منع نہ کیا جائے گا میں آپ کے لئے طلب مغفرت کرتا رہوں گا۔ چنانچہ اللہ نے آنحضرتؐ پر آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ ... نازل فرمائی۔

اس روایت کے باعیب ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کا راوی شعیب ہے جس نے زہری سے لیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ شعیب بن ابی حمزہ ہے جس کا نام دینار اموی تھا جیسا کہ تہذیب التہذیب میں آیا ہے۔ یہ بنی امیہ کے غلاموں میں سے تھا اور زہری سے امویوں کے لئے حدیثیں لکھا کرتا تھا۔ تہذیب التہذیب میں اس پر مزید ہے کہ یہ شخص ہشام بن عبدالملک کا سکریٹری تھا۔ اب ایسے شخص سے جو امویوں سے منسوب ہو ان کے محل میں رہتا ہو اور ان کے انشاخانے کا سربراہ ہو، ابوطالبؑ اور آل ابوطالبؑ کے لئے اس کے علاوہ کچھ لکھنے کی توقع ہوسکتی ہے جبکہ خود اموی وہ ہیں جو راویوں کا ذکر رکھتے تھے اور ان پر پیسہ خرچ کرتے تھے تا کہ ایسی حدیثیں تیار کرتے رہیں جو علیؑ، ان کے والد بزرگوار اور ان کی اولاد میں برائی پیدا کریں۔ جیسا کہ تاریخ اور حدیث کی کتابیں پڑھنے والے پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ زہری خود ان کے مشہور نوکروں میں سے تھا اور ان کے بچوں کی تعلیم پر مقرر تھا جیسا کہ واقعات اور تاریخ کی کتابیں بتلاتی ہیں۔

تہذیب التہذیب میں ہے کہ زہری کی کل ایک ہزار دوسو حدیثیں ہیں جن میں سے نصف غیر مستند یعنی مرسل ہیں اور ان میں سے دوسو سے زیادہ وہ حدیثیں ہیں جو غیر معتبر افراد نے روایت کی ہیں۔ ان کے اور قتادہ کے متعلق یحییٰ بن سعید کہا کرتے تھے کہ وہ دونوں ہوا کی مانند ہیں، یاد رکھنے والے لوگ ہیں جب کبھی کوئی چیز سنتے ہیں اس کو اہتمام کا ذریعہ بنالیتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب، جلد۴، صفحہ ۳۵۱، جلد۹، صفحہ ۴۵۱)

خود سعید بن مسیّب کے متعلق جنہوں نے تنہا اس حدیث کو نقل کیا ہے واقعہ نگاروں کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے

کہ وہ امام علیؑ بن ابی طالبؑ سے منحرف ہوگئے تھے۔ (شرح نہج البلاغہ، جلد۱، صفحہ ۳۷۰)

اس کے علاوہ یہ روایت بتلاتی ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب نبی اکرمؐ نے اپنے چچا سے فرمایا کہ جب تک مجھ کو اس سے منع نہ کیا جائے گا میں آپ کے لئے طلب مغفرت کرتا رہوں گا اور یہ آنحضرتؐ نے ان سے مکہ میں ہجرت سے دو یا تین سال پہلے فرمایا۔ یہ آیت سورۂ توبہ میں ہے جو نبی اکرمؐ پر مکہ فتح ہو جانے کے بعد ہجرت کے آٹھویں سال میں نازل ہوئی اور یہ قرآن کا آخری حصہ ہے جو نازل ہوا۔ اس کے علاوہ سنی محدثوں نے بکثرت ایسی روایتیں نقل کی ہیں جو اس روایت کی نفی کرتی ہیں۔

چنانچہ علامہ امینی کی الغدیر میں ہے کہ طیالسی نے، ابن ابی شیبہ نے، احمد نے، ترمذی نے، نسائی نے، ابویعلیٰ نے، ابن البحرو نے، ابن المنذر نے، ابن ابی حاتم نے، حاکم نے اپنی مستدرک میں، ابن مردویہ نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں امام علیؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے بیان فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو اپنے والدین کے لئے طلب مغفرت کرتے ہوئے سنا جو مشرک تھے تو میں نے کہا کہ ارے تم اپنے ماں باپ کے لئے طلب مغفرت کر رہے ہو جو مشرک تھے۔ اس پر وہ بولا کہ کیا ابراہیمؑ نے طلب مغفرت نہیں کی؟ میں نے اس واقعہ کا ذکر نبی اکرمؐ سے کیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ○ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ○ ”نبی کو اور مومنوں کو یہ روا نہیں ہے کہ مشرکین کے لئے طلب مغفرت کریں خواہ وہ رشتہ دار ہی ہوں جب یہ معلوم ہو جائے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں۔ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے طلب مغفرت کرنا صرف وعدہ ہی کی وجہ سے تھا جو انہوں نے ان سے کرلیا تھا۔ اور جونہی ان پر یہ آشکارا ہوگیا وہ دشمن خدا ہے انہوں نے اس سے اظہار برأت کرلیا بے شک ابراہیم درمند اور بردبار ہیں۔“ (سورۂ توبہ: آیت ۱۱۳۔۱۱۴)

سید زینی دحلان نے اسنی المطالب میں کہا ہے کہ یہ روایت صحیح روایات میں سے ہے اور اس کی تائید ایک دوسری صحیح روایت کرتی ہے جو ابن عباس سے منقول ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ لوگ اپنے باپوں کے لئے طلب مغفرت کیا کرتے تھے۔ پس جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے ان کے لئے طلب مغفرت کرنا چھوڑ دیا۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ چونکہ یہ روایت صحیح ہے اس پر عمل کرنا بھی مناسب ترین تھا۔ پس یہی رائے قابل قبول ہے کہ یہ آیت لوگوں کے اپنے باپوں کے لئے طلب استغفار کی نسبت سے نازل ہوئی ہے نہ کہ حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں۔

سنی روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب نبی اکرمؐ نے اپنے باپ اور ماں کے لئے طلب مغفرت کرنی چاہی۔ طبری کی تفسیر میں روایت ہے کہ اس آیت میں استغفار سے مراد میت پر نماز پڑھنا ہے۔ مثنیٰ سے روایت

ہے اور انہوں نے عطاء بن ابی رباح سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں اہل قبلہ میں سے کسی پر نماز ترک نہ کرتا تھا خواہ وہ ایسی حبشی عورت ہو جو زنا سے حاملہ ہوئی ہو کیونکہ میں نے یہ نہیں سنا کہ اللہ نے مشرکین کے علاوہ کسی پر نماز سے روکا ہو کیونکہ اس کا قول ہے کہ مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُوْلِيْ قُرْبٰى ...
''نبی اور مومنین کے لئے یہ روا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لئے طلب مغفرت کریں خواہ وہ رشتہ دار ہی ہوں...''

اسی طرح روایات اور مضامین میں اور اختلافات ہیں۔ ان میں سے بعض ایک دوسرے سے مضمون اور مفہوم کے لحاظ سے ٹکراتی ہیں جس سے یہی قابل قبول معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان مشرکین کے بارے میں ہے جو اپنے باپوں کے لئے طلب مغفرت کیا کرتے تھے اور آن کے لئے اللہ کی رحمت اور خوشنودی کی دعا کرتے تھے۔ یہ ابوطالبؑ سے جو سید المسلمین تھے اتنا ہی بعید ہے جیسے زمین سے آسمان ان آیت میں جن کے ذریعہ سے آل ابوطالبؑ سے دشمنی رکھنے والوں نے ان کو متہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ سورۂ قصص کی آیت ۵۶ بھی ہے یعنی:

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۝

''اے رسولؐ! جس کو آپ چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں سے خوب واقف ہے۔'' (سورۂ قصص: آیت ۵۶)

اس کا نزول حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے جبکہ وہ حالت احتضار میں تھے اور آنحضرتؐ نے اُن سے کلمۂ شہادت ادا کرنے کے لئے کہا تھا لیکن انہوں نے انکار کردیا تھا۔ اس کا اس موقع پر نازل ہونا شعیب نے زہری سے اور انہوں نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے نیز اس کو ابوہریرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابوسہل السری بن سہل نے اپنے اسناد سے عبدالقدوس سے انہوں نے ابوصالح سے اورانہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ ہم شعیب، زہری اور ابن حسیب کے بارے میں پچھلی آیت کے ذیل میں بیان کر آئے ہیں۔

ابوہریرہ وہ شخص ہے جنہوں نے اس کو رسول اکرمؐ سے بلاواسطہ روایت کیا ہے جبکہ آنحضرتؐ اپنے چچا سے محوکلام تھے گویا انہوں نے اس کو اسی وقت براہ راست سنا تھا۔ حالانکہ اس زمانہ میں یہ حضرت خطۂ دوس میں بھیڑ بکریاں چراتے اور اپنی ننھی بلی سے کھیلتے رہتے تھے۔ وہ تو اسلام میں داخل ہی ہجرت نبی اکرمؐ کے ساتویں سال کے آخر میں ہوئے ہیں۔ پس اس روایت میں یا تو وہ اس حدیث کے بنیادی طور پر گھڑنے والے ہیں یا فریب کے مرتکب ہیں کہ انہوں نے اس کو کسی اور سے سنا لیکن اس طرح بیان کردیا کہ سننے والا یہ سمجھے کہ انہوں نے نبی اکرمؐ ہی سے سنا ہے۔ فریب ایسا عیب ہے جس سے چشم پوشی صحیح نہیں ہے۔

رہے ابوسہل سری بن سہل اور عبدالقدوس دمشقی تو یہ دونوں محدثوں میں جھوٹے مشہور ہیں جیسا کہ راویوں کے احوال میں اہل سنت کے مجموعے صاف صاف بتلاتے ہیں۔

مختصر یہ کہ یہ آیت حضرت ابوطالبؑ کے لئے نہیں ہے اور نہ کسی اور خاص شخص کے لئے ہے بلکہ یہ تمام انسانوں کے لئے ہے خواہ وہ قریب ہوں یا دور ہوں جیسا کہ اس کے فقروں کے موجودہ قرینے سے ظاہر ہوتا ہے۔ پس اس کی تفسیر حضرت ابوطالبؑ سے کرنا، اللہ کے کلام میں بلا دلیل دخل دینا ہے۔ وہ روایات جن پر اہل سنت نے ان کی سندوں کے بارے میں چھان بین کئے بغیر اور ان کے مضامین پر صحیح فیصلہ کئے بغیر اعتماد کر لیا ہے ہم جو کچھ ان کے بارے میں بیان کر چکے وہی کافی معلوم ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر یہی روایات ابوسفیان کے اسلام کے بارے میں وارد ہوئی ہوتیں تو اہل سنت کا موقف مختلف ہوتا۔ میں حضرت ابوطالبؑ پر اپنے اس بیان کو اشعار پر ختم کرنا بہتر سمجھتا ہوں:

ولولا ابوطالبؑ و ابنه لما مثل الدين شخصًا فقاما
فذاک بمكة اوی وحامی و هذا بيثرب جس الحماما
ومٰا ضر مجد ابی طالب جهول لغا او بصير تعامی
كما لا يضر آيات الصباح من ظن ضوء النهار الظلاما

’’اگر ابوطالبؑ اور ان کے فرزندؑ نہ ہوئے ہوتے تو دین قائم ہی نہ ہوتا۔ چنانچہ یہ دونوں کھڑے ہوگئے۔ ایک نے مکہ میں اس کو پناہ دی اور اس کی حمایت کی اور دوسرے نے یثرب میں اس کے دشمنوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا۔ ابوطالبؑ کے شرف کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا خواہ کوئی جاہل بکواس کرتا رہے یا دیکھنے والا اندھا بنا رہے جیسے کسی کے دن کی روشنی کو اندھیرا کہنے سے صبح کی نمود کا کچھ نہیں بگڑتا۔‘‘

— ۷ —

نبی اکرمؐ کا سفرِ طائف

جب حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے بعد آنحضرتؐ پر قریش کی سختیاں بڑھ گئیں اور لوگوں نے آنحضرتؐ کی اس قدر تحقیر کی جیسی ان کی زندگی میں نہ کی تھی تو آنحضرتؐ مکہ سے خفیہ طور پر امام علیؑ کو ساتھ لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ زید بن حارثہؓ ان دونوں کے ساتھ تھے۔

جب آنحضرتؐ طائف پہنچے تو آپ قبیلہ ثقیف کے سرداروں کے پاس لے تشریف لے گئے تھے جو تین بھائی تھے، بدیالیل بن عمرو، مسعود بن عمرو اور دونوں کا بھائی حبیب بن عمرو۔ ان میں سے ایک کی زوجیت میں بنی جمح کی ایک قریشی عورت تھی۔ آنحضرتؐ نے ان کے پاس بیٹھ کر ان کو اسلام کی دعوت دی اور اپنے کار دعوت میں ان کی مدد طلب کی۔ جب ان کے ساتھ گفتگو ختم ہوگئی تو ان میں سے ایک نے کہا: کیا آپ کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا ہے؟ دوسرے نے کہا: کیا اللہ کو آپ کے علاوہ اور کوئی نہ ملا تھا کہ رسول بنا کر بھیجتا؟ تیسرے نے کہا: میں آپ سے ہرگز کلام نہ کروں گا کیونکہ اگر آپ نبی ہیں جیسا کہ آپ کہہ رہے ہیں تو یہ نہایت خطرناک ہے کہ میں آپ کی بات کا جواب دوں اور اگر آپ اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں تو میرے لئے غیر مناسب ہے کہ میں آپ سے بات کروں۔ چنانچہ رسول اللہؐ ان کی طرف سے کسی بھلائی کے حاصل ہونے سے مایوس ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ نے اُن سے فرمایا: جو تم نے کیا وہ تو کیا اب تم اس معاملے کو مجھ تک ہی مخفی رکھو کیونکہ آنحضرتؐ نے یہ ناپسند کیا کہ جو کچھ ان لوگوں کے اور آپ کے درمیان پیش آیا قریش اس کو سن لیں ورنہ آپ کے خلاف ان کی ہمت اور بڑھ جاتی۔ آنحضرتؐ طائف میں دس دن رہے اور ان کے قبیلوں میں گھومتے اور دعوت اسلام دیتے رہے لیکن انہوں نے آپ کی بات نہ سنی بلکہ اپنے یہاں کے اوباشوں اور غلاموں کو آپ کے خلاف ورغلا دیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے آپ کے چاروں طرف جمع ہو کر آپ کو پتھر مارنا شروع کر دیئے۔ آنحضرتؐ نے ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کے احاطے کی دیوار کے نیچے پناہ لی جبکہ وہ دونوں وہیں اندر ہی تھے۔ آپ کی دونوں پنڈلیوں سے خون بہہ رہا تھا۔ امام علیؑ آپ کو بچا رہے تھے یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ سر میں چوٹ زید بن حارثہؓ کے آئی

تھی۔ بعدازاں ثقیف کے وہ اوباش جو آپ کا پیچھا کر رہے تھے آپ کو چھوڑ گئے۔ تب نبی اکرمؐ دیوار کے ایک کنارے ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹے آپ کی طرف دیکھ کر اندازہ کر رہے تھے کہ ثقیف کے اوباشوں اور لونڈوں سے آنحضرتؐ کو کیا کیا ایذائیں پہنچیں۔ درخت کے سائے میں آنحضرتؐ کو اطمینان محسوس ہوا حالانکہ ثقیف کے اوباشوں کی دی ہوئی تکلیف اور ایذا سے آپ نڈھال ہو رہے تھے۔ اس وقت آنحضرتؐ نے کہا: اے اللہ! میں تیرے سامنے اپنی ناطاقتی، وسائل کی کمی اور لوگوں کے مقابلہ میں اپنی فروتنی کی شکایت کرتا ہوں۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے! تو دبائے ہوئے لوگوں کا پالنے والا ہے۔ تو مجھ کو کس کے سپرد کر رہا ہے۔ کسی دور والے کے سپرد جو مجھ پر غراتا رہے گا یا ایسے دشمن کے سپرد جس کو تو نے میرے معاملات کا اختیار دے دیا ہے۔ اگر تجھ کو میرے اوپر غصہ نہیں ہے تو مجھ کو کوئی پرواہ نہیں ہے۔ البتہ تیرا عفو میرے لئے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے نور میں پناہ مانگتا ہوں جس سے تمام تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور دنیا و آخرت کے کام درستی حاصل کرتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ میرے اوپر تیرا غضب نازل ہو یا میرے اوپر تیرا غصہ اترے۔ تیرے ہی اختیار میں خفا ہوجانا ہے یہاں تک کہ تو راضی ہوجائے۔ تیرے سوا کسی کو قوت و اقتدار حاصل نہیں ہے۔

آنحضرتؐ یہ فرما رہے تھے اور ربیعہ کے دونوں بیٹے آپ پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ آپ کے چہرے پر خستگی نمودار تھی۔ وہ دونوں دیر تک آپ کو دیکھتے رہے اور دونوں کو آپ کے حال پر ہمدردی پیدا ہوگئی اور آپ کو ان لوگوں سے جو آپ کو بھگا رہے تھے اتنی ایذا پہنچی کہ آپ کی دونوں پنڈلیاں لہولہان ہوگئیں اور آپ کے ساتھی بھی لہولہان ہوگئے۔ پس ان دونوں میں آنحضرتؐ کے ساتھ ہمدردی اور رحمدلی کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے خدمتگار عداس کے ہاتھ انگوروں کا ایک خوشہ آپ کے پاس بھیجا۔ اس نے وہ لے جا کر آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر فرمایا بسم اللہ اور کھانا شروع کر دیا۔ وہ خدمتگار آنحضرتؐ کو حیرانی سے دیکھ رہا تھا اور اپنے دل میں خیال کر رہا تھا کہ اس قسم کا کلام اس علاقہ کا کوئی شخص نہیں کرتا ہے۔ وہ اسی حیرت کے عالم میں کھڑا رہا۔ ادھر رسول اکرمؐ نے محسوس فرمایا کہ اس کے دل میں کچھ خیالات گھوم رہے ہیں لیکن وہ آنحضرتؐ سے کھل کر بات نہ کر سکا۔ البتہ آنحضرتؐ نے خود ہی اس سے کہا کہ تم کس ملک کے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے فوراً جواب دیا کہ میں عیسائی ہوں اور میں نینوئی کا باشندہ ہوں۔ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اس نیک شخص یونس بن متی کی بستی سے ہو۔

عداس کو اس پر تعجب ہوا کہ یہ اجنبی جس کو یہاں سے نکال دیا گیا ہے گزری ہوئی قوموں اور پچھلے انبیاء کے حالات سے واقف ہے۔ چنانچہ اس نے نبی اکرمؐ سے کہا کہ آپ یونس بن متی کو کیونکر جانتے ہیں؟ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ میرے بھائی ہیں وہ نبی ہیں۔ میں بھی ان کی مانند نبی ہوں۔ اب تو عداس آنحضرتؐ پر جھک پڑا اور آپ کے سر، ہاتھوں اور پیروں کے بوسے لینے لگا۔ ربیعہ کے دونوں بیٹے حیرت میں ڈوبے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ ضرور محمدؐ نے اس کو ہمارے خلاف بگاڑ لیا ہے۔

وہ ان دونوں کے واپس آیا تو انہوں نے اس سے کہا: وائے ہو تجھ پر اے عداس! تجھ کو اس شخص میں کیا چیز پسند آ گئی کہ تو نے اس کے سر، ہاتھوں اور پیروں کو بوسے دیئے؟ خبردار رہنا! یہ تم کو تمہارے دین سے منحرف نہ کردے کیونکہ تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔ اس پر اس نے ان دونوں سے کہا کہ مجھے تو صفحۂ ارض میں اس سے بہتر کوئی شخص نظر نہیں آتا۔ اس نے مجھے ایسی بات کی خبر دی ہے جس کا علم نبیوں کے علاوہ کسی اور کو نہیں ہوتا۔

کتب سیرت اور تاریخ میں ہے کہ جب نبی اکرمؐ کو طائف میں ایسی تکلیف پیش آئی جس کا آنحضرتؐ کو خیال نہ تھا اور آپ قبیلہ ثقیف اور طائف کے دوسرے باشندوں سے مایوس ہوگئے تو آپ اپنے خون آلود قدموں کو گھسیٹتے ہوئے مکہ کی طرف روانہ ہوگئے اور لوگوں کو اللہ کی قسم دلاتے جاتے تھے کہ جو اُن لوگوں کی طرف سے جو کچھ آپ پر گزری ہے اس کو ظاہر نہ کریں تاکہ ایسا نہ ہو کہ قریش اس سے خوش ہوکر اپنی ایذارسانی میں ازسرنو شدت پیدا کردیں۔ راستا میں آنحضرتؐ طائف اور مکہ کے درمیان ایک مقام پر جس کو نخلہ کہتے ہیں ٹھہرے اور رات کی تاریکی میں نماز پڑھنے میں مصروف ہوگئے۔ وہاں سے ملک یمن کے مقام نصیبین کے جنوں کی ایک جماعت گزری۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق یہ سات افراد تھے۔ یہ سب بیٹھ کر آنحضرت کی نماز دعائیں اور قرآن کے حصے سننے لگے۔ بعد ازاں وہ آپ پر ایمان لے آئے اور اپنی قوم میں واپس جاکر آنحضرتؐ کی نبوت کی تبلیغ کرنے لگے۔ ان ہی کی خبر اللہ نے قرآن میں یہ کہہ کر بیان کی ہے کہ:

> قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا○ یَهْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَا اَحَدًا○ ”کہہ دیجئے کہ مجھ کو وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے اس کو سنا تو کہا کہ ہم نے قرآن کو سنا ہے۔ جو خوش آئند ہے اور صحیح راستا کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ چنانچہ ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم کسی کو اللہ کا شریک قرار نہیں دیتے۔“ (سورۂ جن: آیت ۱-۲)

رسول اللہؐ مکہ پہنچے تو آپ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی آپ کی طائف جانے کی خبریں وہاں پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ آپ کے وہاں کے دشمنوں نے آپ کو ایسی تکلیفیں دینے کی تیاری کی جو اس سے قبل آپ نے نہ دیکھی تھیں۔ لیکن آپ نے طے کرلیا کہ کچھ ہوجائے آپ پروا نہ کریں گے۔

طبری کی روایت میں ہے کہ قبل اس کے کہ آنحضرتؐ مکہ میں داخل ہوں آپ کے پاس سے وہاں کا ایک باشندہ گزرا۔ رسول اللہؐ نے اس سے کہا کہ کیا تم میری طرف سے ایک پیغام لے جاسکتے ہو جو میں تم کو دوں؟ اس نے کہا کہ ”ہاں۔“ آپ نے فرمایا: اخنس بن شریف کے پاس جاکر کہنا کہ محمدؐ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم مجھ کو اپنی پناہ میں رکھو گے؟ تاآنکہ میں اپنے پروردگار کے پیغام کو پہنچاؤں۔ اس شخص نے جاکر وہ پیغام پہنچا دیا۔ اس پر اخنس نے اس سے کہا کہ حلیف علانیہ پناہ نہیں دیتا۔

اس شخص نے واپس آکر نبی اکرمؐ کو اس کے جواب سے آگاہ کردیا۔ تب نبی اکرمؐ نے اس سے کہا کہ کیا تم پھر

جاسکتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: سہیل بن عمرو کے پاس جاکر کہنا کہ محمدؐ کی خواہش ہے کہ تمہاری پناہ میں داخل ہوکر کار رسالت کی تبلیغ انجام دیں۔ سہیل نے انکار کردیا اور کہا کہ بنی عامر بن لوی بنی کعب کے خلاف پناہ نہیں دے سکتے۔ بعد میں اس شخص نے کہا کہ معطم بن عدی کے پاس جاکر ان سے محمدؐ کا ان کی پناہ میں آنے کا ارادہ پیش کرے۔ مطعم نے منظور کرلیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ مکہ میں داخل ہوئے تو مطعم بن عدی نے اپنے ہتھیار لگائے اور اس کے اپنے بیٹے اور اس کے بھائی کے بیٹے اس کے ساتھ تھے۔ یہ سب خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں سب سے پہلے ابوجہل ملا۔ اس نے مطعم سے کہا کہ آپ نے پناہ دی ہے یا آپ پیرو ہیں؟ انہوں نے کہا کہ پناہ دی ہے۔ ابوجہل بولا کہ جن کو آپ نے پناہ دی ہم نے بھی دی۔

نبی اکرمؐ، مطعم کی پناہ میں رہ کر دعوت حق کی تبلیغ فرماتے رہے۔ ایک روز آنحضرتؐ خانۂ کعبہ گئے تو اس کے گرد مشرک بھی موجود تھے۔ ابوجہل نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو مذاق اڑانے کے انداز میں بولا کہ اے بنی عبدمناف یہ ہیں تمہارے نبی۔ اس پر عتبہ بن ربیعہ نے کہا کہ تم کو یہ برا لگتا ہے کہ ہم میں سے نبی ہو یا ملک ہو۔ ان دونوں کی گفتگو کی خبر نبی اکرمؐ کو ہوئی تو آپ نے ان لوگوں کے پاس آکر عتبہ سے فرمایا کہ اے عتبہ! تم نے یہ حمایت اللہ اور اس کے رسول کے لئے نہیں کی ہے بلکہ اپنے امتیاز کو باقی رکھنے کے لئے کی ہے اور تم اے ابوجہل! قسم بخدا تم کو دنیا میں زیادہ عرصہ نہ گزرنے پائے گا کہ تم کو خوشی کم ہوگی اور رنج زیادہ اٹھانا پڑے گا اور تم لوگ اے گروہ قریش! تھوڑا ہی عرصہ گزرے گا کہ تم ایسے حالات سے دوچار ہوگے جس کو تم ناپسند کرتے ہوگے اور اس سے تم کو نفرت ہوگی۔

رسول اللہؐ زمانہ حج میں قبیلوں کے سامنے اپنے آپ کو پیش فرماتے رہے، ان سے مدد کی درخواست کرتے اور ان کے سامنے اسلام پیش فرماتے۔ چنانچہ کچھ لوگ آنحضرتؐ کی جانب مائل ہوجاتے تھے لیکن قریش کی دشمنی سے ڈرتے تھے اس لئے آپ کی بات کو قبول نہ کرتے تھے۔ کچھ لوگ آنحضرتؐ سے دور دور ہی رہتے اور آپ سے ملاقات بھی نہ کرتے تھے۔

سیرت ابن ہشام اور تاریخ طبری میں حسن بن عبداللہ بن عبیداللہ ابن عباس ابن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ربیعہ بن عباد کو سنا کہ وہ اپنے باپ سے کہہ رہے تھے کہ میں جوان لڑکا تھا اور اپنے باپ کے ساتھ مقام منیٰ میں تھا جبکہ رسول اللہؐ عرب کے قبیلوں کی جائے قیام پر جاتے اور کہتے تھے کہ اے بنی فلاں! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوکر آیا ہوں، وہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم اسی کی عبادت کیا کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا کرو، ان بتوں کو ترک کردو جن کی تم اللہ کی بجائے پرستش کرتے ہو، میرے اوپر ایمان لاؤ، میری تصدیق کرو اور میری حفاظت کرتے رہو تا آنکہ میں لائے ہوئے پیغام کو تم پر واضح کردوں۔ آنحضرتؐ ایک مقام سے دوسرے پیغام تک جاتے اور لوگوں کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے رہے اور آپ کے پیچھے پیچھے ایک بھینگا شخص آتا تھا جس کی دو زلفیں تھیں اور وہ عدنی لباس پہنے ہوئے ہوتا تھا۔ جونہی رسول اللہؐ اپنی بات ختم کرتے یہ شخص کہتا تھا کہ اے بنی فلاں! یہ شخص تم کو اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ تم اپنی اور اپنے حلیف بنی اقیش کی گردنوں سے لات اور عزیٰ کو نکال کر اس بدعت اور گمراہی کو قبول کرلو جو یہ شخص

لے کر آیا ہے۔ پس تم اس کی اطاعت مت کرنا اور نہ اس کو سنا کرو۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا کہ اے باباجان یہ شخص کون تھا جو آنحضرتؐ کے پیچھے پیچھے جا کر ان کی کاٹ کرتا رہتا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ آنحضرتؐ کا چچا عبدالعزیٰ ابولہب بن عبدالمطلب تھا۔

مؤرخوں اور سیرت نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ ابولہب، آنحضرتؐ کو جھٹلانے پر مستقل طور پر لگا رہتا تھا۔ چنانچہ کوئی موقع ایسا نہ جاتا تھا کہ نبی اکرمؐ بیٹھ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور آپ کے پیچھے سے ابولہب نہ پہنچ جائے اور آپ کی کاٹ کر کے لوگوں کو آپ سے خبردار کرے۔ جتنا حضرت ابوطالبؓ اسلام اور دعوت اسلام کی نصرت میں اور اس کو مخالفت سے محفوظ رکھنے میں ولولے سے کام لیتے تھے، اتنا ہی ولولے سے ابولہب بتوں کے حق میں اور ان کی مخالفت سے محفوظ رکھنے میں اور لوگوں کو اپنے بھتیجے آنحضرتؐ کے خلاف بھڑکانے میں لگا رہتا تھا۔ اس کی بیوی ام جمیل بن حرب بھی اسی کی طینت سے تھی۔ بعض لکھنے والے آنحضرتؐ کے ساتھ ابولہب کی دشمنی اور آپ کو جھٹلانے پر اس کی ضد کی یہ وجہ بتلاتے ہیں کہ اس کی ماں خزاعیہ تھی اور خزاعہ کی بنی قصی اور بنی عبدمناف سے دشمنی تھی اس لئے کہ انہوں نے خزاعہ کو دبا لیا تھا اور ان سے کعبہ کی سرداری چھین لی تھی۔ چنانچہ ابولہب دو متضاد اجزاء سے مرکب تھا۔ باپ کی طرف سے وہ عبدمناف تک پہنچتا تھا اور ماں کی طرف سے خزاعہ تک۔ اس طرح اس نے ماں اور باپ دونوں کی گھٹیا صفات ورثہ میں پائی تھیں۔

ام جمیل نبی اکرمؐ سے دشمنی میں اور آپ کو ایذا دینے میں اپنے شوہر سے کم نہ تھی۔ وہ آپ کو مذمم کہتی تھی۔ وہ آنحضرتؐ کی تحقیر کا اور آپ کے خلاف بھڑکانے کا کوئی موقع ایسا نہ چھوڑتی تھی جس کی طرف لپک کر نہ جاتی ہو۔ نہ دشمنی اور نہ کینہ کی کوئی آگ ایسی چھوڑتی تھی جس کی طرف لپک کر نہ جاتی ہو نہ دشمنی اور کینہ کی کوئی آگ ایسی چھوڑتی تھی جس کو وہ اپنی خبیث اور دشمنی اور کینہ سے بھری ہوئی پھونکوں سے بھڑکا نہ دیتی ہو۔

اس نے اپنے باپ کے گھر میں فریب کاری اور بے وفائی کے طریقے دیکھے تھے اور ان کے علاوہ وہ کچھ اور جانتی ہی نہ تھی۔ اس میں دردمندی اور محبت کے جذبے ماند پڑ گئے تھے۔ اس کی تزویج کا وقت آیا تو ابولہب کے علاوہ اس سے میل کھانے والا کوئی اور نہ تھا۔ جب وہ دونوں یکجا ہو گئے اور ایک دوسرے سے مل گئے تو دونوں میں سے ہر ایک اپنے رفیق حیات کو بدی پر اکساتا رہا اور دونوں مل کر اس کی طرف بڑھتے رہے۔

حضرت محمدؐ مبعوث برسالت ہوئے تو ام جمیل کو اپنے لئے خفت محسوس ہوئی کہ نبوت اس کی ہمسایہ حضرت خدیجہؓ کے گھر میں ہو۔ اسی طرح ابولہب کو بھی خفت محسوس ہوئی کہ سرداری اور نبوت اس کے بھائی عبداللہ کے گھر میں رہیں حالانکہ وہ دونوں یہ خیال کر رہے تھے کہ دونوں گھر یعنی ابولہب کا گھر اور حضرت محمدؐ کا گھر شرف اور دولت میں برابر ہیں۔ اب جو نبوت کا معاملہ اٹھا تو نہ ام جمیل اس کو برداشت کر سکی نہ ابولہب اس پر صبر سے رہ سکا کیونکہ وہ بتوں کی خدمت کے لئے ابواحیحہ سعید بن عاص کا خلیفہ تھا۔ ابولہب آنحضرتؐ کو جھٹلانے، آپ کے کام میں رخنہ ڈالنے اور لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکانے کے لئے سازشیں کرتا رہتا تھا مگر آپ کا معاملہ کامیابی سے بڑھتا رہا۔

شوہر ایام حج میں آنے والے گروہوں میں اپنے بھتیجے حضرت محمدؐ کے پیچھے پیچھے پہنچ کر لوگوں سے کہتا رہتا تھا کہ یہ میرا بھتیجا جادوگر ہے، جھوٹا ہے، تم کو اپنے جادو سے بہکا نہ لے۔ ادھر ام جمیل گھر میں سڑکوں پر اور عورتوں اور مردوں کے حلقوں میں ناچتی پھرتی تھی کہ "یہ ہمارے باپ دادا کو بدنام کرنے والا ہے، اس کا دین ہمارے لئے نفرت خیز ہے۔"

اس طرح ان دونوں میاں بیوی کے لئے قدرت کو یہ منظور ہوا کہ ان کے بارے میں قرآن میں ذکر آ گیا جو ہر روز ہزاروں مرتبہ تلاوت کیا جاتا ہے اور دونوں سے لعنت قیامت تک علیحدہ نہ ہوگی۔

اپنے اس چچا اور اس کی بیوی اور دوسرے قریشی مخالفوں اور اوباشوں کے مواقف کے باوجود آنحضرتؐ کامیابی سے دعوت الٰہی کی راہ پر گامزن رہے اور قبیلوں اور آنے والے گروہوں سے مل کر ان کے سامنے اسلام اور اس کی تعلیمات کو پیش فرماتے اور اس کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ آپ کے متعلق کیا کہا جا رہا ہے یا آپ قریش وغیرہ سے کیا کیا سنتے رہتے ہیں؟

چنانچہ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ آنحضرتؐ نے قبیلۂ کلیب کی قیام گاہ پر جانے کا ارادہ کیا اور ان کی ایک شاخ کی طرف رخ فرمایا جو بنی عبداللہ کہلاتی تھی۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ اے بنی عبداللہ بے شک اللہ نے تمہارے باپ کو بہت پیارا نام عطا کیا اور میں نے دوسروں کو چھوڑ کر تم کو منتخب کیا ہے۔ بعدازاں آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا لیکن انہوں نے آپ کی بات قبول نہ کی۔ اسی طرح آپ بنی حنیفیہ کی طرف متوجہ ہوئے لیکن جیسا کہ ابن ہشام نے سیرت میں اور محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ان لوگوں نے آپ کو بری طرح واپس کر دیا۔

آنحضرتؐ بنی عامر بن صعصعہ کے حاجیوں کے پاس گئے اور آپ نے اسلام پیش فرمایا اور اپنے لئے نصرت طلب فرمائی۔ وہاں آپ سے ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ قسم بخدا! اگر میں قریش کے اس جوان کو حاصل کر لیتا تو اس کے ذریعہ سے پورے عرب کو کھا لیتا۔ پھر اس نے آپ سے کہا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر آپ کے معاملہ میں آپ کی بیعت کر لیں اور اللہ آپ کو آپ کے مخالفوں پر کامیاب کر دے تو حکومت ہمارے علاوہ کسی اور کو مل جائے۔ اس طرح ہم کو آپ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

جب بنی عامر واپس جاتے تو لوٹ کر اپنے ایک بزرگ کے پاس جاتے جو بہت بوڑھے تھے۔ چنانچہ جب وہ اس کے پاس اس سال گئے جس سال آنحضرتؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تھی تو اس نے ان سے پوچھا کہ زمانۂ حج میں کیا کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ ہمارے پاس قریش کے بنی عبدالمطلب کا ایک جوان آیا تھا۔ اس کا خیال ہے کہ وہ نبی ہے۔ اس نے ہم کو دعوت دی کہ ہم مخالفوں سے اس کی حفاظت کریں اور اس کے ساتھ اٹھ کر اپنے علاقے کی طرف آئیں۔ تب اس بزرگ نے دونوں ہاتھ سر پر رکھے اور بولا کہ اب کیا ہوسکتا ہے اب تو موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، ایسی بات اسماعیلؑ نے کبھی پیش نہیں کی۔ اب تمہاری رائے کہاں تک ٹھیک ہے۔

نبی اکرمؐ برابر اپنے اقدامات میں لگے رہے۔ آپ زمانۂ حج میں کسی نمایاں فرد عرب کو نہ چھوڑتے تھے کہ اس کے پاس جا کر اسلام نہ پیش فرمائیں۔ جب ابوالحسیر انس بن رافع مکہ آئے اور ان کے ساتھ بنی عبدالاشہل کے کچھ لوگ تھے

جن میں ایاس بن معاذ تھے اور ان لوگوں نے قریش سے اپنے ہم قوم قبیلۂ خزرج کے خلاف حلف وفاداری کرنے کے لئے کہا۔ رسول اللہؐ نے ان کے بارے میں سنا تو آپ ان کے پاس تشریف لائے اور آپ نے ان سے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اس نے مجھ کو بندوں کے پاس بھیجا ہے تاکہ میں ان کو یہ دعوت دوں کہ وہ اللہ کی عبادت کیا کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا کریں اس نے میرے اوپر کتاب نازل فرمائی ہے۔ اس کے بعد آپ ان کے سامنے تعلیمات اسلام بیان فرماتے رہے۔ اس پر ایاس بن معاذ نے جو ایک نوعمر ہی تھے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! قسم بخدا یہ اس سے بہتر ہے جس کے لئے تم یہاں آئے تھے۔ اس پر انس بن رافع نے ایک مٹھی خاک اٹھا کر ایاس بن معاذ کے منہ پر ماری اور کہا کہ ہم کو ایسے ہی رہنے دو۔ مجھے اپنی جان کی قسم ہے ہم یہاں کسی اور چیز کے لئے آئے تھے۔ اس پر ایاس خاموش ہوگیا اور جواب میں کچھ نہ بولا۔ رسول اللہؐ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور لوگ مدینہ واپس چلے گئے۔ سیرت ابن ہشام وغیرہ میں ہے کہ اوس وخزرج کے درمیان یہ واقعہ بعاث پیش آیا۔

ابن ہشام نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ایاس بن معاذ ہلاک ہوگیا جبکہ وہ اللہ کی وحدت، اس کی کبریائی اور اس کی سبحانیت کا ذکر کررہا تھا۔ چنانچہ کسی کو شک نہیں تھا کہ وہ اسی نشست سے جب وہ آنحضرتؐ کے ساتھ بیٹھا تھا، متاثر ہوکر مسلمان ہوگیا تھا۔

رسول اللہؐ بنی عمرو بن عوف کے وفد میں مصروف تھے۔ اس وفد میں سوید بن صامت بھی تھے جو اپنی قوم میں صاحب مرتبہ تھے۔ لوگ ان کی پختگیٔ ذہانت اور نسب کی وجہ سے اُسے کامل کہتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے ان کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ سوید نے آنحضرتؐ سے کہا کہ شاید جو چیز آپ کے پاس ہے اس کی مثل میرے پاس بھی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ لقمان کا رسالہ۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ مجھ کو دکھاؤ۔ انہوں نے آپ کو وہ رسالہ دکھایا۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ اچھا کلام ہے لیکن جو چیز میرے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور اس سے افضل ہے کیونکہ میرے پاس قرآن ہے جو اللہ نے میرے اوپر لوگوں کی ہدایت اور روشنی کے لئے نازل کیا ہے۔

اس کے بعد رسول اللہؐ نے ان کے سامنے قرآن کا کچھ حصہ تلاوت کیا اور ان کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ انہوں نے اس کو ناپسند نہیں کیا اور کہا کہ یہ کلام اس سے بہتر ہے جو میرے پاس ہے۔ پھر وہ نبی اکرمؐ کے پاس سے چلے گئے لیکن تھوڑے عرصہ میں اوس اور خزرج کے درمیان ایک جنگ میں مارے گئے۔

اسلام کا مدینہ پہنچنا اور پہلی بیعت عقبہ

تاریخ یعقوبی اور تاریخ وسیرت کی دوسری کتابوں میں ہے کہ بنی عفراء کے کچھ افراد مکہ آئے اور رسول اللہؐ سے ملے۔ آنحضرتؐ نے ان سے دریافت کیا کہ تم لوگ کس قبیلے سے منسوب ہو؟ انہوں نے کہا کہ خزرج سے۔ پھر آنحضرتؐ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم لوگ اہل یہود کے ساتھی ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ پس آنحضرتؐ ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور

آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، ان کو اللہ کی طرف دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کا کچھ حصہ تلاوت فرمایا۔ ان لوگوں کے ساتھ قدرت نے یہ کیا تھا کہ یہودی ان کے ساتھ ان کے علاقہ میں رہتے تھے اور اہل کتاب تھے جبکہ بنوعفراء مشرک قوم تھی۔ جب کبھی ان لوگوں میں کوئی چپقلش ہوتی تو یہودی کہا کرتے تھے کہ ایک نبی آنے والا ہے اور اس کا زمانہ طویل ہوگا، ہم لوگ اس کے پیرو ہوجائیں گے اور تم سب کو عاد اور ارم کی قوموں کی طرح قتل کرڈالیں گے۔ جب رسول اللہؐ نے ان سے بات کی اور ان کے سامنے اسلام پیش کیا تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ قسم بخدا! یہ بے شک وہی نبی ہیں جن سے یہودی تم کو ڈراتے رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ ہم سے پہلے ان تک پہنچ جائیں۔ پس ان لوگوں نے وہ سب کچھ مان لیا جس کی طرف آنحضرتؐ نے ان کو دعوت دی تھی اور اسلام میں سے جو کچھ آنحضرتؐ نے ان کے سامنے پیش کیا وہ سب قبول کرلیا اور آنحضرتؐ سے کہا کہ ہم نے اپنی قوم کو ترک کردیا ہے، کسی قوم میں ایسی دشمنی اور باہمی برائی نہ ہوگی جتنی ہم لوگوں میں ہے۔ ممکن ہے کہ اللہ ہم سب کو آپ کے ذریعہ سے متحد کردے۔ پس ہم ان کے پاس جاکر ان کو آپ کی طرف اور اس دین کی طرف جو ہم نے آپ کے ذریعے قبول کیا ہے دعوت دیں گے۔ چنانچہ وہ لوگ رسول اللہؐ سے رخصت ہوکر اور ان تمام چیزوں پر ایمان لاکر جن کی طرف آنحضرتؐ نے ان کو دعوت دی تھی، واپس چلے گئے۔

یہ سات افراد تھے۔ جب وہ اپنی قوم والوں میں مدینہ پہنچے تو جو کچھ ان کے اور نبی اکرمؐ کے درمیان واقع ہوا تھا اس کا ذکر ان لوگوں سے کیا اور ان کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ یہاں تک کہ بات ان میں پھیل گئی اور انصار کے گھروں میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں رسول اللہؐ کا ذکر نہ ہورہا ہو۔

دوسرے سال انصار کی بارہ افراد کی ایک جماعت مکہ آئی اور یہ لوگ نبی اکرمؐ سے مقام عقبہ پر ملے۔ اسی اجتماع کو عقبۂ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ سیرت نگاروں کے خیال کے مطابق ان لوگوں نے رسول اللہؐ سے بیعت نساء کی۔ ان لوگوں میں عبادہ بن صامت بھی تھے۔ انہی سے روایت ہے کہ میں ان لوگوں میں تھا جو عقبۂ اولیٰ کے واقعے میں شریک تھے۔ ہم سب بارہ افراد تھے، ابھی جنگ فرض نہ ہوئی تھی، پس ہم لوگوں نے رسول اللہؐ کی بیعت اس پر کی کہ ہم لوگ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے، چوری نہ کریں گے، زنا نہ کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے، ایسا بہتان نہ لگائیں گے جو ہم نے خود گھڑا ہو اور کسی نیکی کے معاملے میں اللہ کی خلاف ورزی نہ کریں گے۔ رسول اللہؐ نے عبدالدار بن قصی کے مصعب بن عمیر بن ہاشم عبدمناف کو ان لوگوں کے سات بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو قرآن پڑھایا کریں، ان کو اسلام کی تعلیم دیں اور دین کے احکام سکھائیں۔ چنانچہ وہ مدینہ گئے اور سعد بن زرارہ کے مہمان ہوئے جو انصار میں سے تھے اور جو شروع ہی میں اسلام میں داخل ہوگئے تھے۔

سیرت ابن اسحٰق میں محمد بن عمرو حزم وغیرہ سے روایت ہے کہ سعد بن زرارہ، مصعب بن عمیر کو لے کر بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر کے گھروں کی طرف چلے۔ اس زمانہ میں سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر اپنی قوم عبدالاشہل کے سردار تھے اور یہ دونوں مشرک تھے۔ جب ان دونوں نے سعد بن زرارہ اور مصعب بن عمیر کی باتیں سنیں تو سعد بن معاذ نے اسید

بن حضیر سے کہا کہ یہ دونوں ہمارے گھر کمزور افراد کو بیوقوف بنانے آئے ہیں، میں ان کے پاس جا کر ان کو منع کروں گا اور روکوں گا کیونکہ اگر سعد بن زرارہ مجھ سے ویسا نہ ہوتا جیسا کہ تم جانتے ہو تو میں یہ کام تم پر چھوڑ دیتا لیکن میں کیا کروں کہ وہ میری خالہ کا بیٹا ہے۔ پس اسید بن حضیر نے اپنا ہتھیار سنبھال لیا اور ان دونوں کی طرف بڑھا۔ سعد بن زرارہ نے ان کو دیکھ کر مصعب سے کہا کہ یہ اپنی قوم کا سردار ہے۔ میں اس کے بارے میں تصدیق کرتا ہوں۔ وہ ان دونوں کے سامنے سخت کلامی کے لئے کھڑے ہوکر بولے: اگر تم کو اپنی جان کی پرواہ ہے تو دونوں کے دونوں ہم سے الگ رہنا۔ تب مصعب نے ان سے کہا: بیٹھ کر سنو! اگر تم کو معاملہ پسند آئے تو قبول کر لینا، اگر تم کو ناپسند ہو تو ناپسندیدہ چیز کو اپنے سے دور رکھنا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تم نے انصاف کی بات کہی ہے اور اپنا ہتھیار بند کر کے ان کے پاس بیٹھ گئے۔ اب مصعب نے ان سے اسلام کے بارے میں بات چیت کی اور ان کو کچھ قرآن پڑھ کر سنایا۔ چنانچہ ان کے کچھ بولنے سے پہلے ہی ان کے چہرے پر اسلام کے آثار ظاہر ہوگئے۔

پھر وہ کہنے لگے کہ یہ کتنا اچھا اور کیسا خوبصورت ہے۔ جب تم لوگ اس دین میں داخل ہونا چاہتے ہو تو کیا کرتے ہو؟ ان دونوں نے ان سے کہا کہ ہم غسل کرتے ہیں، پاک ہوتے ہیں اور حق کی گواہی ادا کر کے دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور غسل کر کے وہ سب کچھ انجام دیا جو اُن دونوں نے مشورہ دیا تھا۔ پھر کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ میرے پیچھے ایک ایسا آدمی ہے کہ اگر وہ تمہاری پیروی کر لے گا تو اس کی قوم کا کوئی شخص اس سے کنارہ کش نہ ہوگا۔ میں اس کو تمہارے پاس ابھی بلواتا ہوں، وہ ہیں سعد بن معاذ۔ اس کے بعد وہ ہتھیار لے کر سعد کی طرف چل دیئے۔ جب ان کی قوم والے اپنی جلسہ گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے، سعد بن معاذ نے ان کو آتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ تمہارے پاس اسید بن حضیر آرہے ہیں لیکن ان کا چہرہ وہ نہیں ہے جو اس وقت تھا جب وہ تمہارے پاس سے گئے تھے۔ جب وہ جلسہ گاہ پر پہنچ گئے تو سعد نے ان سے کہا کہ اے ابوامامہ! اگر میرے اور تمہارے درمیان یہ رشتہ نہ ہوتا تو تم مجھ سے اس کی توقع نہ کرتے۔ ہم غیر پسندیدہ چیز سے اپنے گھر میں چھپ رہتے۔

سعد نے مصعب بن عمیر سے کہا تھا کہ بخدا تمہارے پاس سردار آیا ہے، اگر وہ تمہارا پیرو ہوگیا تو تمہاری مخالفت وہ دو بھی نہ کریں گے۔ پس مصعب نے ان سے کہا کہ آپ بیٹھ جائیے اور سنئے، اگر آپ کو معاملہ پسند آئے اور آپ اس میں رغبت محسوس کریں تو قبول کر لیجئے گا، اگر آپ ناپسند کریں گے تو ہم بھی آپ سے وہ چیز دور رکھیں گے جو آپ کو ناپسند ہو۔ سعد بیٹھ گئے اور مصعب بن عمیر نے اسلام اور قرآن کا کچھ حصہ پیش کیا۔ اس پر وہ اسلام لے آئے اور اپنی قوم بنی عبدالاشہل کی جانب واپس گئے۔ ان میں پہنچ کر انہوں نے کہا کہ اے بنی عبدالاشہل میں تمہارے لئے کیسا رہا ہوں؟ وہ سب بولے کہ آپ ہمارے سردار ہیں، رائے میں سب سے بہترین، ہماری طرف سے بولنے میں سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ تب انہوں نے کہا کہ مجھ پر تمہارے مردوں اور عورتوں سے اس وقت تک بات کرنا حرام ہے جب تک تم سب اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہ لے آؤ۔ چنانچہ ان سب نے ان کی بات مان لی اور بنی عبدالاشہل کے گھروں میں کوئی

مرد یا عورت ایسی نہ تھی جو اسلام نہ لائی ہو۔ اب سعد بن معاذ اور مصعب بن عمیر، سعد بن زرارہ کے مکان پر واپس آ گئے۔ یہاں پہنچ کر وہ دونوں لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں مسلمان مرد اور عورتیں نہ ہوں، سوائے اوس کی بعض شاخوں کے جو اوس بن حارثہ سے نکلی ہوئی تھیں۔ ان ہی میں شاعر ابوقیس بن اسلت تھا جس کو لوگ سنتے اور اس کی بات مانتے تھے۔ یہ لوگ اسلام سے دست کش رہے تا آنکہ نبی اکرمؐ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اور بدر، احد اور خندق کی جنگیں واقع ہوئیں۔ جیسا کہ محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں کہا ہے۔

دوسری بیعت عقبہ

سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ زمانۂ حج میں مصعب بن عمیر مشرکوں اور مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ مناسک حج ادا کرنے، رسول اللہؐ سے ملاقات کرنے، آنحضرتؐ کو اپنے اسلام کی اطلاع دینے اور دعوت حق کے معاملات پر گفتگو کرنے کی غرض سے روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ براء بن معرور بھی تھے جو اسلام لائے تھے لیکن دکھلاتے یہ تھے کہ وہ اپنی نماز میں مسلمانوں سے مختلف ہیں۔ چنانچہ لوگ بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے اور وہ خانۂ کعبہ کی طرف۔ وہ اسی پر قائم رہے یہاں تک کہ رسول اللہؐ سے ملے اور انہوں نے آنحضرتؐ کو بتلا دیا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ تب آنحضرتؐ نے ان کو حکم دیا کہ اپنی نماز میں اسی طرف رخ کیا کریں جدھر سب مسلمان کرتے ہیں۔ یہ گروہ رسول اللہؐ سے چھپ کر ملا اور سب نے وعدہ کیا کہ ایام تشریق کے درمیانی روز میں رات کے وقت مقام عقبہ پر ملیں گے، جب لوگ سو چکے ہوں گے تا کہ کوئی ان کو پہچان کر ان کے معاملے کو بگاڑ نہ دے۔

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ کعب بن مالک نے بیان کیا ہے کہ ہم حج کے لئے گئے اور ہم نے رسول اللہؐ سے ایام تشریق کے درمیان مقام عقبہ پر ملنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ جب ہم حج سے فارغ ہوئے اور وہ رات آئی جس کا ہم نے رسول اللہؐ سے وعدہ کیا تھا تو ہم نے اپنے ساتھ عبداللہ بن عمر بن حزام کو بھی لے لیا جو ہمارے سرداروں میں اور ذی مرتبہ افراد میں سے تھے۔ البتہ ہم مشرکین کے ساتھ اپنے معاملے کو چھپائے ہوئے تھے۔ اُن سے ہم نے اسلام کے بارے میں بات چیت کی اور ان کو اس کی طرف دعوت دی اور ان کو رسول اللہؐ سے ملنے کے بارے میں بتلا دیا۔ چنانچہ وہ اسلام لے آئے اور ہمارے ساتھ بیعت عقبہ میں موجود رہے۔ اس رات ہم سوئے اور جب ایک تہائی رات گزر گئی تو ہم اپنی جائے مقام سے نکل کر خاموشی سے عقبہ کی طرف چلنے لگے تا کہ کوئی شخص ہم کو پہچان نہ لے۔ ہم تہتر مرد تھے اور ہمارے ساتھ دو عورتیں تھیں۔ یہ تھیں نسیبہ بنت کعب ام عمارہ جو بنی نجار کے بنی مازن کی عورتوں میں سے تھیں اور اسماء بنت عمرو بن عدی جو بنی سلمہ کی ایک خاتون تھیں۔ ہم گھاٹی میں جمع ہو کر رسول اللہ کا انتظار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ ہم تک آ پہنچے اور آپ کے ساتھ عباس بن عبدالمطلب بھی تھے جو قریش کے دین پر تھے۔ لیکن رسول اللہؐ کے ساتھ ان کے طرز عمل میں اور آنحضرتؐ کے ساتھ بے وفائی کرنے میں ان سے موافقت نہ کرتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ نبی اکرمؐ کے ساتھ ہمارے

موقف کو ملاحظہ کریں اور اس کی طرف سے مطمئن ہو جائیں۔ چنانچہ جب نبی اکرمؐ بیٹھ گئے اور ان کے چاروں طرف ہم بیٹھ گئے تو بولنے والوں میں سب سے پہلے عباس تھے۔ انہوں نے کہا:

''اے گروہ خزرج! جیسا کہ تم سب جانتے ہو محمدؐ ہم میں سے ہیں۔ ہم نے ان کی اپنی قوم والوں سے حفاظت کی ہے۔ انہوں نے تمہاری طرف مائل ہونا اور تمہارے ساتھ رہنا پسند کیا ہے۔ پس اگر تمہارا خیال ہے کہ وہ جس دین کی طرف تم کو دعوت دے رہے ہیں اس کے لئے ان سے وفاداری کرو گے اور ان کے مخالفوں سے ان کو بچاؤ گے تب تو ٹھیک ہے۔ اور یہ کہ اس راہ میں جو مشکلات پیش آئیں گی انہیں برداشت کرو گے لیکن اگر تمہارا خیال ہے کہ مشکل وقت میں تم ان کو دشمن کے حوالے کردو گے اور تنہا چھوڑ دو گے تو بہتر ہے کہ ابھی سے چھوڑ دو کیونکہ وہ اپنی قوم اور اپنے وطن میں عزت سے بھی ہیں اور حفاظت سے بھی۔''

اس کے بعد رسول اللہؐ نے کلام کیا اور قرآن میں سے کچھ تلاوت فرما کر اللہ کی طرف دعوت دی اور اسلام کی طرف راغب کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں تم سے بیعت طلب کرتا ہوں کہ تم میری حفاظت کرو گے، ہر اس چیز سے جس سے تم اپنی عورتوں کی اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔ اس پر براء بن معرور نے آنحضرتؐ کا دست مبارک تھام کر کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بحیثیت نبی مبعوث کیا ہے، ہم ضرور آپ کی ہر اس چیز سے حفاظت کریں گے جس سے ہم اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ پس ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ یارسول اللہؐ! کیونکہ ہم جنگ و جدال والے لوگ ہیں اور جتھے والے ہیں۔ یہ خصوصیات ہم کو یکے بعد دیگرے وارثتاً ملی ہیں۔

ان کے بعد ابوالہیثم بن نیہان نے کلام کیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ یارسول اللہؐ! ہمارے اور لوگوں کے درمیان یعنی ان یہودیوں کے ساتھ معاہدے ہیں جن کو ہم منسوخ کئے دیتے ہیں۔ پھر اگر ہم ایسا کرلیں اور اللہ آپ کو فتح مند کردے تو کیا آپ ہم کو چھوڑ کر اپنی قوم میں واپس چلے جائیں گے۔

اس پر رسول اللہؐ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ اب ہمارا تمہارا خون اور ہمارا تمہارا مرنا ایک ہو چکا ہے، میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو، میں اس سے جنگ کروں گا جس سے تم جنگ کرو گے اور اس سے صلح رکھوں گا جس سے تم صلح رکھو گے۔

پھر رسول اللہؐ نے ان کو حکم دیا کہ اپنے میں سے بارہ نمائندے منتخب کریں جو اُن کی طرف سے رسول اللہؐ کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے نو نمائندے خزرج سے اور تین اوس سے منتخب کرلئے۔

جب نمائندے منتخب کرنے کے بعد یہ لوگ بیعت کے لئے جمع ہوئے تو عباس بن عبادہ بن نصلہ انصاری نے کہا کہ اے گروہ خزرج! تم سمجھ رہے ہو کہ ان کی بیعت کس بات کی کررہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہاں۔ انہوں نے کہا کہ تم لوگوں سے سرخ و سفید جنگ کرنے پر بیعت کررہے ہو۔ پس اگر تمہارا خیال ہے کہ جب تمہارے مال تباہ ہونے لگیں اور تمہارے ذی مرتبہ افراد قتل ہونے لگیں گے تو انہیں چھوڑ دو گے تو ابھی سے سہی، کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو دنیا اور آخرت کی

شرمندگی ہوگی۔ اگر تمہارا خیال ہے کہ جس چیز کی طرف تم کو یہ دعوت دے رہے ہیں تم ان کے ساتھ مال کی تباہی اور ذی مرتبہ افراد کے قتل کے باوجود وفا کرتے رہو گے تو ان کو قبول کرو۔ اسی میں دنیا وآخرت کی بھلائی ہے۔

اُن سب نے کہا کہ ہم اُن کو مال کی تباہی اور ممتاز افراد کے قتل کے باوجود قبول کرتے ہیں تو یارسول اللہؐ! اگر ہم اس پر وفادار رہے تو ہم کو کیا صلہ حاصل ہوگا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''جنت۔'' تب انہوں نے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھایئے۔ آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور لوگوں نے ان ہی شرائط پر آنحضرتؐ سے بیعت کرلی۔ سب سے پہلے جس نے رسول اللہؐ کے ہاتھ پر ہاتھ مارا وہ سعد بن زرارہ تھے۔ ایک روایت ہے کہ وہ ہیثم بن نیہان تھے۔ اس کے بعد سب قوم والے خوشی اور اعتماد بھرے دلوں سے آنحضرتؐ کی بیعت کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بیعت ہوچکی تو سب لوگ اپنی اپنی سواریوں کی طرف چلدیئے لیکن ان کے ساتھ کے مشرکوں کو ان کے معاملات کا کوئی علم نہیں ہوا۔

البتہ نبی اکرمؐ اور اوس وخزرج کے درمیان جو کچھ طے پایا اس کی خبر مکہ کے مشرکوں تک اڑتی اڑتی پہنچ گئی۔ پس ممتاز قریشی جمع ہوکر انصار کے پاس گئے جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے اور بولے کہ اے گروہ خزرج! ہم کو معلوم ہوا ہے کہ تم ہمارے ساتھی محمدؐ کے پاس اس لئے آئے ہو کہ تم ان کو ہمارے درمیان میں سے نکال لے جاؤ اور ہم سے جنگ کرنے پر ان کی بیعت کرو۔ لیکن اگر ہمارے اور تمہارے درمیان جنگ چھڑی تو قسم ہے اللہ کی کہ پورے عرب میں کوئی قبیلہ ہم سے زیادہ سخت دشمن نہ ہوگا۔ اس پر اوس اور خزرج کے مشرکوں نے جن کو اس بیعت کے متعلق کوئی علم نہ تھا جلدی سے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اُن لوگوں نے اس کو سچ مان لیا اور واپس چلے گئے۔ جب ایام حج ختم ہوگئے اور انصار واپس چلے گئے تو قریش کو معاملے کا یقین ہوگیا۔ چنانچہ ان کے کچھ افراد ان لوگوں کی تلاش میں نکلے اور انہوں نے سعد بن عبادہ اور بنی ساعدہ بن کعب کے منذر بن عمرو کو جا پکڑا۔ البتہ منذر ان کے چنگل سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگئے اور وہ لوگ بے بس ہوگئے۔ تب انہوں نے سعد بن عبادہ کو لے کر ان کے ہاتھ ان کی گردن میں باندھ دیئے اور اس حالت میں ان کو مارتے پیٹتے اور برا بھلا کہتے ہوئے مکہ لے گئے۔

سعد بیان کرتے ہیں کہ قسم بخدا! میں اُن لوگوں کے قبضہ میں تھا کہ اُدھر سے قریش کے کچھ لوگ نکل آئے۔ اُن میں ایک شخص نہایت نورانی اور سفید رنگ کا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر ان لوگوں میں سے کسی کے پاس کوئی بھلائی ہوگی تو وہ اس شخص کے پاس ہوسکتی ہے۔ جب وہ میرے قریب ہوا تو اس نے اپنے ہاتھ سے میرے ایک زور کا مکہ مارا اور چلا گیا۔ اب تو میں ان کی بھلائی سے مایوس ہوگیا۔ بخدا! میں ان کے ہاتھوں میں تھا اور وہ مجھ کو گھسیٹ رہے تھے کہ ان میں سے کسی شخص نے میرے قریب آکر کہا کہ وائے ہو تجھ پر، کیا تیرے اور قریش میں سے کسی فرد کے درمیان نوکری کا یا کوئی اور عہد نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ ہے۔ بخدا! میں جبیر بن مطعم بن عدی کی تجارت پر نوکری کیا کرتا تھا اور جو کوئی میرے علاقے میں ان پر ظلم کا ارادہ کرتا میں اس کا مقابلہ کرتا تھا اور اسی طرح حارث بن حرب بن امیہ بن عبد شمس کا بھی۔ اس نے کہا کہ وائے ہو تجھ پر ان دونوں آدمیوں کے نام لے لے کر پکار اور تیرے اور ان کے درمیان جو رشتہ نوکری کا تھا

اس کو یاد دلا۔ چنانچہ اس کے مشورے کے مطابق دونوں آدمیوں کے نام پکارنا شروع کر دیئے۔

یہ آدمی دوڑا ہوا ان دونوں کے پاس گیا اور ان کو خانہ کعبہ میں پایا۔ تب اس نے ان دونوں کو بتایا کہ وادی میں ایک شخص کو مارا جا رہا ہے اور وہ تم دونوں کے نام لے لے کر کہہ رہا ہے کہ اس کے اور تم دونوں کے درمیان پناہ دینے کا معاہدہ ہے۔ ان دونوں نے پوچھا کہ وہ ہے کون؟ اس نے کہا کہ سعد بن عبادہ۔ انہوں نے کہا کہ بخدا وہ سچ کہتا ہے۔ وہ ہماری تجارت کی نگہبانی کرتا ہے اور جو کوئی اس کے علاقہ میں تاجروں پر زیادتی کرتا تھا وہ اس سے ان کی حفاظت کرتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے تیزی سے بڑھ کر ان کو قریشیوں کے ہاتھوں سے نجات دلائی اور وہ مدینہ چلے گئے۔

اس گروہ نے مدینہ واپس پہنچ کر اسلام کا علانیہ اظہار کر دیا اور اس کی طرف دعوت دینا شروع کر دی۔ بہت سے لوگوں نے دعوت کو قبول کیا۔ اس وقت عمرو بن جموح اور اس کے ساتھ اوس اور خزرج کے بہت سے سردار شرک پر قائم رہے۔ البتہ معاذ بن عمرو اسلام لے آئے اور انہوں نے مقام عقبہ پر رسول اللہؐ کی بیعت بھی کی۔ لیکن ان کے باپ نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے لئے اپنے گھر میں لکڑی کا ایک بت بنا کر اس کا نام منات رکھ لیا جیسا کہ ممتاز افراد کیا کرتے تھے۔

اس کا بیٹا اور انصار کے کچھ لڑکے روزانہ آتے اور بت کو لے جا کر کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ پھینک آتے۔ صبح ہوتی تو عمرو کہتا کہ ہائے یہ آج رات ہمارے خداؤں کے ساتھ کس نے زیادتی کی؟ پھر وہ اس کو اٹھا کر لاتا، دھوتا اور اس پر عطر وغیرہ لگا کر اپنے گھر میں واپس رکھ دیتا۔ دوسری رات اس کے بیٹے اور لڑکے وہی کرتے جو پہلے کیا تھا اور یہ حرکت برابر جاری رہی۔ آخر میں عمرو بن جموح نے ایک تلوار لا کر بت کے گلے میں لٹکا دی اور اس سے کہا کہ اگر تجھ میں ذرا بھی خوبی ہے تو آج رات اپنے کو خود بچانا، یہ تلوار تیرے گلے میں پڑی ہے۔ لیکن جب رات ہوگئی اور وہ سو گیا تو ان لوگوں نے آ کر اس کے گلے سے تلوار اتاری اور اس کے ساتھ ایک مردہ کتے کو باندھ کر دونوں کو کوڑے کے گڑھے میں ڈال دیا۔

صبح ہوئی تو عمرو بن جموح اپنے بت کی تلاش میں نکلا جو اسے ٹوٹا پھوٹا اور ایک مردہ کتے سے لپٹا ہوا کوڑے کے گڑھے میں پڑا ملا۔ یہ دیکھ کر اس کو عقل آ گئی اور وہ آنحضرتؐ اور ان کے اللہ پر ایمان لا کر بت کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھنے لگا:

واللّٰہ! لو کنتَ الھًا لم تکن   انت و کلب وسط بئر فی قرن

''بخدا! اگر تو خدا ہوتا، تو تو اور کتا، ایک ساتھ گڑھے میں نہ پڑے ہوتے۔''

سفر شب اور معراج

تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرمؐ ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ گئے اور وہاں سے آسمان کی جانب تشریف لے گئے تاکہ اللہ کی قدرت کے عجائب اور اس کی ان حیرتناک مخلوقات کو مشاہدہ فرمائیں جو صفحۂ ارض پر بسنے والوں سے پوشیدہ ہیں اور ان کی عقلیں اور ذہن ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس سفر کے جملہ مراحل میں سے ابتدائی

مرحلے کو قرآن نے سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں بیان کیا ہے:

سُبْحَانَ الَّذِی اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الاَقْصٰی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیَاتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُo ''پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو ایک رات سفر شب پر لے گیا، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے اطراف کو ہم نے بابرکت قرار دیا ہے، تاکہ ہم اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

البتہ مؤرخوں اور محدثوں دونوں کی تاریخوں میں اختلاف ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ دونوں واقعات حضرت ابوطالبؑ کی وفات سے پہلے ہوئے۔ ہوا یہ کہ جس رات کو اللہ تعالیٰ، آنحضرتؐ کو سفر شب پر لے گیا، حضرت ابوطالبؑ نے آنحضرتؐ کو نہ پایا تو خیال کیا کہ قریش نے ان پر قابو پاکر ان کا نشان مٹا دیا اس لئے انہوں نے بنی ہاشم کو رائے دی کہ ہر شخص ایک ایک تلوار اٹھالے تاکہ قریش سے آنحضرتؐ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اُن پر حملہ کردیں۔ لیکن منصوبے پر عمل کرنے سے پہلے وہ اپنی بیٹی ہند کے دروازے سے گزرے جو ام ہانی کے نام سے مشہور تھیں اور جیسا کہ یعقوبی کی روایت میں ہے انہوں نے ان کو وہاں پایا۔ اسی روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھ بنی عبدالمطلب کے ستر افراد جمع کئے ہر ایک کے ہاتھ میں خنجر تھا اور ان کو حکم دیا کہ ہر ایک قریش کے ایک ایک آدمی کے پاس جا بیٹھے۔ اگر محمدؐ نہ ملے تو ہر ایک اپنے ساتھ والے ایک ایک آدمی کو قتل کر ڈالے۔ جب ان کو آنحضرتؐ مل گئے اور انہوں نے ان کو بتایا کہ کیا پیش آیا تھا تو وہ ان کو لے کر قریش کے پاس گئے اور ان کو بتادیا کہ وہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ دونوں واقعے آنحضرتؐ کی بعثت کے بارہویں سال حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے بعد کے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ دونوں واقعے آنحضرتؐ کی نبوت کے تیرہویں سال ماہ رمضان کی سترہ راتیں گزرنے کے بعد ہفتہ کے شب میں وقوع پذیر ہوئے۔ اس کے علاوہ اور بھی قول ہیں۔ جیسا کہ تاریخ ابوالفدا اور سیرت و تاریخ کی دوسری کتابوں میں ہیں۔ جس طرح ان کے واقع ہونے کی تاریخ میں اختلاف ہے اسی طرح اس میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں واقعے روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوئے یا صرف روح کے ساتھ یا دونوں سچے خواب تھے۔ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ سفر شب جسم کے ساتھ تھا اور معراج روح کے ساتھ۔

پس جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ یہ واقعے روح کے ساتھ ہوئے نہ کہ جسم کے ساتھ، وہ حضرت عائشہ کی اس روایت پر اعتماد کرتے ہیں جس میں وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے سفر شب کی رات میں آنحضرتؐ کے جسم کو غیر موجود نہیں پایا۔ معاویہ بن ابوسفیان سے بھی ایسی ہی روایت وارد ہوئی ہے حالانکہ بیشتر روایات بتلاتی ہیں کہ سفر شب کی رات میں آنحضرتؐ ام ہانی کے گھر میں تھے۔ اس کے علاوہ یہ تقریباً متفق علیہ ہے کہ سفر شب اور معراج دونوں مدینہ کی جانب ہجرت سے قبل واقع ہوئے تھے اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ حضرت عائشہ ہجرت کے دوسرے سال سے پہلے آنحضرتؐ کے گھر منتقل نہیں ہوئیں تھیں کیونکہ وہ اس سے پہلے اپنی عمر کے نو سال کی نہ ہوئیں تھیں۔

سفر شب اور معراج دونوں کے بارے میں فلسفیوں اور علماء نے خوب گفتگو کی ہے۔ چنانچہ کچھ نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ یہ دونوں واقعے روح اور جسم کے ساتھ ہوئے تھے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس دلیل سے کہ یہ معاملہ اگر عقل میں نہیں سماتا تو امکان سے باہر بھی نہیں جبکہ یہ ثابت ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو ہوائیں وقت کے تھوڑے سے حصوں میں دور دراز مقامات تک لے جاتی تھیں اور جب وہ تیز ہوتیں تو گنے چنے لمحوں میں جہاں وہ چاہتے ان کو پہنچا دیتی تھیں۔

سورۂ نمل کی آیت ۴۰ میں اس واقعے کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ ایک ایسے شخص نے جس کو کتاب اللہ کا تھوڑا سا علم تھا، بلقیس کے تخت کو دور دراز یمن سے ملک شام میں آنکھ جھپکنے سے بھی کم مدت میں لاکر پیش کردیا تھا۔

قَالَ الَّذِیْ عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتَابِ اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَن یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِندَهُ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ''اس شخص نے جس کو کتاب اللہ کا کچھ علم تھا کہا کہ میں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے لادوں گا کہ آپ اپنی نظر واپس لائیں۔ جب انہوں نے اس کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو بول اٹھے کہ یہ میرے پروردگار کا احسان ہے۔''

رازی نے اپنی تفسیر میں اس پر اضافہ کیا ہے کہ جس طرح کثیف جسم کا اپنے مرکز سے عرش کے پار جانا عقل میں نہیں آتا اسی طرح لطیف روحانی جسم کا عرش کے اس پار سے اس دنیا کے مرکز میں آنا عقل کے لئے ناقابل قبول ہونا چاہئے۔ اگر ہم ایسا کہنے لگیں تو یہ آنحضرتؐ کی نبوت پر اور تمام نبیوں پر حملہ ہوگا اور معراج آپ کی نبوت کا معجزہ ہے۔

یہ امکان ثابت بھی ہوجائے پھر بھی محض اسی سے واقع ہونا ثابت نہیں ہوتا اس کے لئے کوئی اور دلیل بھی ضروری ہے۔ چنانچہ گزری ہوئی آیت میں اللہ نے اس کے واقع ہونے کا بیان کردیا ہے اور اس کی تائید نبی اکرمؐ اور ائمہؑ سے روایت کی ہوئی متواتر احادیث کرتی آئی ہیں۔ آیت کی ظاہری ہیئت اور وہ تمام احادیث جو اُن واقعات کو بیان کرتی ہیں، بتلاتی ہیں کہ دونوں واقعے جسم کے ساتھ تھے، نہ کہ صرف روح کے ساتھ اور نہ محض خواب کے طور پر۔ یہی ان لوگوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو حضرت عائشہ اور معاویہ بن ابی سفیان کی روایت پر اعتماد کرتے ہیں۔ اس لئے کہ سفر شب والی آیت میں ''عبدہ'' کے فقرے سے ظاہری طور پر انسان اپنی روح اور اپنے جسم کے ساتھ مراد ہے۔

وہ تمام آیتیں جہاں جہاں یہ فقرہ آیا ہے وہاں انسان سے اس کا مادہ اور اس کی صورت مراد ہے۔ سورۂ علق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ○ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی○ ''کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جو بندہ کو نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے۔'' (سورۂ علق: آیت ۹۔۱۰)

سورۂ جن کی آیت میں ہے کہ:

وَ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ یَدْعُوْهُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا○ ''اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس کے اوپر ٹوٹے پڑتے ہیں۔'' (آیت ۱۹)

اس طرح کی اور آیتیں ہیں جہاں یہ فقرہ استعمال ہوا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ خواہ قرآن ہو، حدیث ہو یا کوئی اور شے ہو، اگر اس میں لفظ کے ظاہری معنی میں اس سے قوی تر چیز حائل نہ ہو یا عقل کے خلاف نہ ہو تو وہی معنی لینا ہوں گے اور اس میں صرف اس لئے دخل اندازی جائز نہیں ہوگی کہ وہ اپنی پسند کے خلاف ہو یا انسان کی حدود قدرت میں داخل نہ ہو۔

اس کے علاوہ صرف روح کے ساتھ سفر شب اور معراج میں کوئی شے ایسی نہیں ہے جو گھبراہٹ یا حیرت میں ڈالتی ہو اس لئے کہ سونے کی حالت میں روح کا دوسرے عالم میں پہنچ جانا ایسا نرالا معجزہ نہیں ہے کہ اس کو اس لئے مشہور کیا جائے کہ وہ آنحضرتؐ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کیونکہ ایسا ہر انسان کے ساتھ ہونا ممکن ہے۔ اگر اس رائے کے حامل یہ مطلب لیتے ہیں کہ روح جسم سے علیحدہ ہوگئی تھی اور جسم بے حس وحرکت ہوگیا تھا جس میں بالکل جان باقی نہ تھی اور پھر روح اس سفر کے بعد جس کے دوران فضا کی گہرائیوں میں تمام پردوں اور ساتوں آسمانوں کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی جسم میں واپس آگئی۔ اگر وہ یہی مطلب لیتے ہیں تو عقل اس کو اس قول سے زیادہ قابل وقعت نہیں مانتی کہ وہ دونوں اکٹھا تھے۔ اگر اس قول والے قدرت الٰہی کا سہارا لیں تو قدرت الٰہی جس طرح ان معنوں میں سفر شب اور معراج پر حاوی ہے اسی طرح ان دونوں کے روح اور جسم کے ساتھ واقع ہونے پر بھی حاوی ہے۔

جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ یہ خواب تھا جو نبی اکرمؐ نے سونے کی حالت میں دیکھا، اُن کے لئے ایک دلیل اللہ کا یہ قول ہے کہ:

> وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِىْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ''اور اس خواب کو جو ہم نے آپ کو دکھایا ہم نے لوگوں کے لئے آزمائش قرار دیا ہے۔'' (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۶۰)

پہلی رائے کے حامی وغیرہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس خواب کا جو نبی اکرمؐ نے دیکھا تھا، اس مقام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ آنحضرتؐ نے خواب میں بنی امیہ کو اپنے منبر پر بندروں کی مانند اچکتے پھاندتے دیکھا اور آپ رنجیدہ بیدار ہوئے جس پر اللہ نے وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِىْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ کی آیت نازل فرمائی۔

یہی رائے بیشتر مفسرین اور محدثین کی ہے۔ اس کو حضرت عمر بن خطاب نے نبی اکرمؐ سے روایت کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب کی حدیث میں ہے کہ قسم بخدا! میں نے رسول اللہؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بنوامیہ میرے منبر پر چڑھ جائیں گے کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ وہ اس پر بندروں کے اچکنے کی مانند اچک رہے ہیں اور ان ہی کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ:

> وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِىْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِى الْقُرْاٰنِ
> ''اور اس خواب کو جو ہم نے آپ کو دکھایا، ہم نے لوگوں کے لئے آزمائش قرار دیا اور قرآن میں ایک لعنت کیا ہوا درخت (یعنی خاندان)۔''

زبیر بن بکار نے مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی ہے کہ اس نے بیان کیا کہ ایک روز مجھ سے حضرت عمر نے کہا کہ

اے مغیرہ! جب سے تمہاری یہ ایک کانی آنکھ خراب ہوئی ہے تم نے اس سے دیکھا؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ تب انہوں نے کہا کہ قسم بخدا! بنی امیہ اسلام کو کانا کردیں گے جس طرح ایک آنکھ کانی ہوتی ہے۔ پھر اس کو ایسا اندھا کردیں گے کہ وہ نہ دیکھ سکے گا کہ کدھر جارہا ہے اور کدھر سے آرہا ہے۔ (شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید معتزلی، جلد۳، صفحہ۱۱۵)

اس کے علاوہ لفظ ''خواب'' سوتے میں دکھائی دینے والا خواب ہی نہیں ہے کیونکہ جس طرح یہ اس معنی میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح حسّی خواب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ غالباً یہی معنی زیادہ ظاہر ہیں اور یہی معنی لئے جائیں گے اس لئے کہ کلام میں دوسرے معنی لئے جانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ پس اگر ہم آیت کے موقع نزول سے قطع نظر بھی کرلیں تو رؤیا (خواب) کے لفظ کا الگ الگ دونوں معنی میں استعمال ہونا ممکن ہے۔

بہرصورت سفر شب اور معراج کے بیان میں تفسیر کاشف میں آیا ہے کہ محمد مفتی احمد نے رسالۂ جمہوریہ میں ایک مقالہ المضمون العلمی الاسراء والمعراج کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ اس میں ہے کہ:

''رسول اللہؐ ایک سواری پر سوار ہوئے جس کو براق کہتے ہیں اور یہ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ اس کے ذریعے اللہ یہ بتارہا ہے کہ اسباب سے تعلق ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ ہمارے پروردگار کے لئے یہ مشکل نہ تھا کہ اپنے رسولؐ کو مکہ سے بیت المقدس تک کسی سواری کے بغیر پہنچا دیتا اس طرح کہ رسول اکرمؐ اپنے آپ کو یکا یک مسجد کے دروازے پر پاتے، لیکن اس کی حکمت عظیم ہے۔ اس کا فیصلہ ہے کہ ہر شے ایسے قوانین پر چلتی رہے جن میں نہ تغیر ہے نہ تبدیلی۔ چنانچہ اس سفر کے لئے جس میں طویل فاصلے حیرتناک تیزی سے طے کئے گئے، اس سواری کا استعمال کیا جانا ذہنوں کو اس پر آمادہ کرتا ہے کہ قلیل مدت میں طویل مسافت طے کرنے کیلئے جدید وسیلے ایجاد کئے جائیں۔''

وہ مزید کہتے جب ہم اہل علم سے دریافت کرتے ہیں کہ جہاں تک اہل علم کی رسائی ہے، فضائے الٰہی میں تیز سے تیز تر رفتار کی انتہائی حد کیا ہے؟ تو بلا پس و پیش جواب ملتا ہے کہ وہ روشنی کی رفتار ہے اور وہ ہے تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ۔ وہ براق جس پر رسول اللہؐ نے سواری فرمائی تھی روشنی کی رفتار سے چلا تھا کیونکہ براق کا لفظ ''برق'' سے نکلا تھا۔

ذرا ہٹ کر وہ کہتے ہیں کہ فضا کی بابت معلومات کے بارے میں علمی کوششوں کے نتیجہ میں انسان کو بہت سے پوشیدہ نکات کی معرفت حاصل ہوگئی اور تاجدار علم اس قابل ہوگیا کہ زمین کے علاقوں سے بڑھ کر ملکوتی عجائبات تک اثر پھیلا لے، لیکن محض مادی علم سے انسان کائنات کے خالق کو بھول جاتا ہے۔ سفر شب اور معراج کا واقعہ ہم کو سبق دیتا ہے کہ مادہ اور روح ایک دوسرے کے لازمی شریک ہیں۔ پس رسول اللہؐ! ملاء الاعلیٰ پر معراج پانے کے وقت مادہ تخلیقی کی نسبت سے اپنی بشری ساخت میں تھے اور خالق عظیم کی روح کی نسبت سے نور محض تھے جبکہ جبرئیلؑ امانتدار رہبر تھے۔ (تفسیر الکاشف، جلد۵، صفحہ۹۔ تفسیر رازی، جز۱۹، صفحہ۴۹)

مختصر یہ کہ سفر شب اور معراج دونوں آنحضرتؐ کی نبوت کے لئے اللہ کی ایسی نشانیاں ہیں جو قدرت الٰہی سے واقع ہوئیں اور اس کی قدرت کو نہ عقلیں احاطہ کرسکتی ہیں، نہ قوت فہم اور معجزے کے لئے ضروری ہے کہ علم و عقل کی سطح سے بلند تر ہو۔

بہرحال اس کی حقیقت کو باور کرلینا اور اس کے اسرار کا علم حاصل کرلینا ممکن ہے کہ انسانی امکانیات کی حدود میں داخل ہو پھر بھی یہ معجزہ ہے اور نبوت کی دلیل۔ خلاصۂ گفتگو یہ ہوا کہ قرآن کریم سفرشب کے بارے میں صریحی بیان پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد امکان اور عدم امکان پر بحث کا کوئی جواز نہیں ہے۔

حدیث و سیرت کی کتابیں جو اس سفر کا بیان کرتی ہیں ایسے ایسے امور پر مشتمل ہیں جو غیر ضروری معاملات اور مبالغہ سے خالی نہیں ہیں اور نہ تمام امور کی تصدیق ضروری ہے جو اُن میں بیان تو ہوئی ہیں لیکن ایسی صحیح حدیثوں سے ثابت نہیں ہوتیں جو نبی اکرمؐ سے یا ائمہ اطہارؑ سے روایت کی گئی ہوں۔

سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ ام ہانی بنت ابی طالبؑ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرمؐ نے نماز عشاء میرے گھر میں ادا فرمائی۔ اس کے بعد آنحضرتؐ سوگئے اور ہم بھی سوگئے۔ صبح سے ذرا پہلے ہم سب جاگ گئے۔ پس جب آنحضرتؐ نے نماز ادا فرمائی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ ادا کی تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اے ام ہانی! میں نے تم سب کے ساتھ پچھلی نماز عشاء ادا کی تھی۔ اس کے بعد میں بیت المقدس چلا گیا اور وہاں میں نے نماز ادا کی۔ پھر آپ چلنے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں نے آپ کی چادر کا کنارہ پکڑ کر جس سے آپ کا پیٹ نظر آ گیا، عرض کیا کہ اے نبی اللہؐ! آپ اس کا ذکر لوگوں سے نہ کیجئے گا ورنہ وہ آپ کو جھٹلائیں گے اور ستائیں گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں ضرور بیان کروں گا۔ تب میں نے اپنی ایک حبشی کنیز سے کہا کہ ذرا آنحضرتؐ کے پیچھے پیچھے جا کر سنتی رہنا کہ آنحضرتؐ لوگوں سے کیا کہتے ہیں اور وہ آپ سے کیا کہتے ہیں۔

رسول اللہؐ لوگوں کے سامنے تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے تعجب کیا اور کہا کہ اے محمدؐ! اس کی کیا نشانی ہے کیونکہ ہم نے اس سے پہلے اس طرح کی خبر نہیں سنی؟ آپ نے فرمایا کہ یہ اس امر کی نشانی ہے کہ میں فلاں فلاں وادی میں بنی فلاں کے قافلے سے گزرا۔ سواری کی آواز نے ان کو چونکا دیا اور ان کا ایک اونٹ بھاگ پڑا، میں نے ان کو اس تک پہنچا دیا اور میں شام کی طرف گامزن رہا۔ میں بڑھتا رہا یہاں تک کہ ضجنان پہنچ گیا جو مکہ سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ میں بنی فلاں کے قافلے سے گزرا اور لوگوں کو سوتا ہوا پایا۔ ان کا ایک برتن تھا جس میں پانی تھا اور اس کو ان لوگوں نے ایک چیز سے ڈھک دیا تھا۔ میں نے اس کا ڈھکن کھول کر جو کچھ اس میں تھا وہ سب پی لیا اور اس کو پھر ویسے ہی ڈھک دیا۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ ان کا قافلہ بیضاء سے آ کر درۂ تنعیم میں اترے گا، اس کے آگے آگے ایک راکھ کے رنگ کا اونٹ ہوگا جس پر دو بڑے تھیلے ہوں گے، ایک سیاہ اور دوسرا چتکبرا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ لوگ تیزی سے درے کی جانب گئے۔ سب سے پہلی چیز جس نے ان کو متوجہ کیا وہ اونٹ تھا جیسا کہ انہوں نے بیان کیا تھا۔ پھر ان لوگوں نے ان سے برتن کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اس کو پانی سے بھر کر ڈھک دیا تھا اور یہ کہ انہوں نے اس کو ڈھکا ہوا پایا لیکن اس میں پانی نہیں تھا۔ پھر انہوں نے اونٹ کے متعلق پوچھا جو بھاگ نکلا تھا تو انہوں نے بتایا کہ ان کا ایک اونٹ کھو گیا تھا۔ پھر انہوں نے ایک آدمی کی آواز سنی جو اُن کو اس کی طرف بلا رہا تھا تا آنکہ انہوں نے جا کر اس کو پکڑ لیا۔

بخاری نے اپنی صحیح میں آنحضرتؐ کی قریش کے ساتھ گفتگو اور جو کچھ آنحضرتؐ نے جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے مشاہدہ فرمایا، اسی بیان کے مطابق روایت کیا ہے جو ہم نے ام ہانی اور ان کی کنیز سے روایت کیا۔ جیسا کہ کتب سیرت میں آیا ہے اس کو شیعہ محدثوں کے کچھ افراد نے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح بعض شیعہ محدثوں نے ائمہ اطہارؑ سے آنحضرتؐ کے آسمانوں کی جانب سفر اور آپ نے وہاں جو کچھ مشاہدہ کیا اور نماز کے فرض ہونے کا اور اس کے کم کئے جانے کا اور موجودہ صورت پر قائم ہو جانے کا بیان اور دیگر مشاہدات روایت کئے ہیں۔ لیکن یہ تمام روایات جو اس موضوع کے بارے میں وارد ہوئی ہیں خواہ سنی ذریعے سے یا شیعہ ذریعے سے وارد ہوئیں، ایسی اکلوتی روایات ہیں جن پر اعتماد کرنا اس وقت تک ضروری نہیں جب تک ان سے ایسے دوسرے حالات وابستہ نہ ہوں جن سے اطمینان پیدا ہو سکے۔ البتہ سفر شب اور معراج حقیقی واقعے ہیں اور ان میں شک کرنا یا ان سے انکار کرنا بیشتر مسلمانوں کے نزدیک اسلام سے خارج کر دیتا ہے کیونکہ ان سے انکار سفر شب کے لحاظ سے قرآن کو جھٹلانا ہے اور معراج کی نسبت سے ایسی حدیثوں کا جھٹلانا ہے جو متواتر ہیں اور جن کا نبی اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ سے وارد ہونا معلوم ہے۔

علامہ مجلسی بحارالانوار کی چھٹی جلد میں کہتے ہیں کہ: آنحضرتؐ کا اپنے جسم شریف کے ساتھ بیت المقدس کی جانب اور وہاں سے آسمان کی جانب بلند ہونا آیات قرآنی اور ایسی متواتر احادیث سے جو خاص اور عام طریقوں سے وارد ہوئی ہیں ثابت ہوتا ہے۔ اس قسم کی چیزوں سے انکار یا ان کی ایسی تاویل کہ بلندی پر جانا محض روحانی تھا یا خواب تھا جو آنحضرتؐ نے نیند کی حالت میں دیکھا، ائمہ اطہارؑ سے وارد ہونے والی حدیثوں کے مطالعہ کی قلت کی بنا پر ہے یا دینداری کی قلت یا یقین کی کمزوری یا فلسفیوں کی شکوک طرازی کی وجہ سے ہے۔ اس پر وہ یہ اضافہ بھی کرتے ہیں کہ اس موضوع پر جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں میرے خیال میں مذہب کے کسی اور اصول پر وارد نہیں ہوئیں۔

علامہ مجلسیؒ نے ان دونوں واقعات کے وقوع پذیر ہونے کے بارے میں دسیوں حدیثیں ائمہ اطہارؑ وغیرہ اور بڑے بڑے صحابہ اور تابعین سے روایت کی ہیں۔ متواتر احادیث اور قرآنی بیان کے بعد شک طرازی کا کوئی جواز نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں کیونکہ کسی مسلمان نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ دونوں واقعے نبی اکرمؐ نے اپنی علمی استعداد یا بشری طاقت کے ذریعے سے انجام دیئے تھے بلکہ وہ قدرت الٰہی سے واقع ہوئے جو نہ عقل میں سما سکتی ہے، نہ قوت فہم یا علمی اور فلسفی پیمانے اس کو احاطہ کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اسی اسلوب کو اختیار کر کے علمی پیمانوں کو ان تمام خلاف عادت واقعات پر منطبق کریں جو انبیاءؑ کے ہاتھوں واقع ہوتے رہے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کا عصا، جس کو اللہ نے اژدھا بنا دیا تھا اور جو جادوگروں اور منکروں کو دنگ کر دیتا تھا، سمندر کا پھٹ کر پانی کا بڑے پہاڑوں کی مانند کھڑے ہو جانا، حضرت عیسیٰؑ کا مُردوں کو زندہ کرنا وغیرہ وغیرہ، جن پر قرآن کریم اور دوسری آسمانی کتابیں ثبوت مہیا کرتی ہیں اور جو انسان انجام نہیں دے سکتا خواہ کتنا ہی علم حاصل کر لے تو یہ ضروری ہو جائے گا کہ ہم ان میں سے کسی شے کا اقرار نہ کریں اور پھر لازمی طور پر یہ تمام نبوتوں اور رسالتوں کو مشکوک بنا دے گا۔

— ۸ —

ہجرتِ مدینہ

حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے بعد آپ کے حالات تنگ ہوگئے اور قریش نے اپنی مخالفت میں شدت اختیار کرلی۔ ادھر جن قبیلوں کے سامنے آنحضرتؐ نے اپنے آپ کو اور اپنی دعوت کو پیش کیا نہ ان کو اس سے کوئی رغبت پیدا ہوئی، نہ انہوں نے اس کو قبول کیا بلکہ ان میں سے بعض نے آنحضرتؐ کو نہایت بری طرح جواب دیئے۔

آنحضرتؐ کا چچا عبدالعزیٰ آپ کے پیچھے پیچھے ایک مقام سے دوسرے مقام پر پھرتا رہتا تھا اور کہتا رہتا تھا کہ دیکھ یہ جادوگر اور جھوٹا تم لوگوں کو فریب میں نہ ڈالے کیونکہ ہم انہیں کے گھرانے والے اور سب لوگوں سے زیادہ ان کے حال سے واقف ہیں۔ لیکن کامیابی پر اور اللہ کے وعدے پر آنحضرتؐ کا بھروسا قریش اور ان کے خیالات اور منصوبوں سے قوی تر تھا۔ چنانچہ آپ صبر فرماتے رہے اور صبر میں قریش سے آگے نکل گئے۔ یہاں تک کہ اللہ نے آپ کے دین کے لئے ان کے باہر کے علاقے میں مددگار مہیا کردیئے جنہوں نے یہ عہد کیا کہ وہ دین کی راہ میں اپنی جانیں اور دولت خرچ کر ڈالیں گے۔ یہ لوگ کثرت کی وجہ سے اسلام کا امتیازی حصہ بن گئے اور ہر اس شخص کے لئے جو اُن کے اللہ کے راستے میں حائل ہونے کی کوشش کرے تباہ کن قوت ہوگئے۔ اب آنحضرتؐ اور آپ کے پیرو نئے اقدامات کے لئے منصوبے تیار کرنے لگے تاکہ یثرب چلے جائیں جہاں اوس اور خزرج اپنے وعدوں کے ساتھ موجود تھے۔ وہاں ان لوگوں کو دینی فرائض انجام دینے اور اس کی طرف دعوت دینے کی آزادی ہوگی۔ قریش کو بھی اس نئی صورت حال کا اور اس بشاشت کا اندازہ ہوگیا جو اُن لوگوں کو جو مکہ کی گھاٹیوں اور پہاڑیوں میں گھرے ہوئے تھے حاصل ہوگئی تھی۔ قریش کو اس کا احساس اس وقت ہوا جب اوس اور خزرج واپس چلے گئے۔ چنانچہ انہوں نے اس نئی تحریک کو ابتدائی مرحلہ ہی میں کچلنے کی تدبیر کرنا شروع کردی قبل اس کے کہ اس کا خطرہ مکہ سے باہر پھیلے اور طاقت کا پلہ آنحضرتؐ کے مفاد میں بدل جائے۔ وہ لوگ اس کے بارے میں سوچنے لگے۔ ادھر آنحضرتؐ بھی سوچنے لگے کہ کسی طرح اس حصار سے جو آپ اور آپ کے پیرووں پر عائد تھا، نکلیں اور یہ کہ اس موقع سے جو آپ کو حاصل ہوا تھا کس طرح فائدہ اٹھائیں؟ اب ان دونوں میں مقابلہ آزمائی نے ایسی نئی

شکل اختیار کر لی جو ابھی تک نہ تھی۔ دونوں کے درمیان یہ مقابلہ آزمائی اتنی سخت ہوگئی کہ ایسی آنحضرتؐ کی بعثت سے اب تک نہ ہوئی تھی اور دونوں فریق میں سے ہر ایک اس کو حیات و موت کا مقابلہ سمجھ رہا تھا۔ لیکن آنحضرتؐ کسی معاملے کے بارے میں کوئی فیصلہ اس وقت تک نہ فرماتے تھے اور نہ اپنی ذاتی رائے سے دخل دیتے تھے جب تک اس کے من وعن اور نتائج وحی کے ذریعے جو اللہ کے حکم سے آپ پر وقتاً فوقتاً آتی رہتی تھی، معلوم نہ ہو جائیں۔ آنحضرتؐ غور فرما رہے تھے، منصوبے بنا رہے تھے اور اللہ کے حکم کا انتظار فرما رہے تھے کہ وحی آ گئی جس میں آپ کو حکم دیا گیا کہ مکہ چھوڑ کر یثرب کی طرف ہجرت فرمائیں، جہاں مددگار اور ساتھی موجود ہیں اور یہ کہ اللہ کی طرف دعوت دینے کی راہ میں آپ کے لئے جنگ کرنا بھی جائز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۝ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ کَثِیْرًا وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ الَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ ''جو لوگ جنگ کرنا چاہتے ہیں ان کو اجازت ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور یقیناً اللہ ان کی نصرت پر قادر ہے۔ یہ وہ ہیں جو اپنے وطن سے ناحق نکالے گئے ہیں صرف اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر خدا آدمیوں میں سے ایک کے ذریعے دوسروں کو دفع نہ کرتا رہتا تو عبادت خانے، گرجا گھر، کلیسا اور مسجدیں جن میں بکثرت ذکر خدا ہوتا رہتا ہے ڈھا دیئے جاتے۔ اللہ ضرور اس کی مدد کرتا ہے جو اللہ کی مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ قوت والا ہے، غالب ہے اور وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین پر موقع دیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیک کاموں کا حکم دیا کریں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے۔ تمام معاملات کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔'' (سورۂ حج: آیت ۳۹ تا ۴۱)

اس وحی کے بعد رسول اللہؐ نے اصحاب کو حکم دے دیا کہ وہ یثرب میں انصار سے جا ملیں۔ وہ اس طرح مکہ سے علیحدہ علیحدہ خاموشی سے رات اور دن میں نکلتے رہے تاکہ قریش کے لئے کوئی نشان نہ چھوڑیں مبادا وہ ان کا راستا روکیں۔ چنانچہ جیسا نبی اکرمؐ نے حکم دیا تھا، وہ لوگ وہاں سے چپکے چپکے رات کی تاریکی اور سکون میں ایک ایک کر کے اور گروہ کی شکل میں بھی روانہ ہوگئے۔ قریش کو بھی اس کا علم ہوگیا اور جس جس کو وہ واپس لا سکے اس کو انہوں نے واپس کر دیا۔ اس طرح شوہر اور بیوی میں جدائی پیدا کر دی۔ جو لوگ ان کے قبضے میں رہ گئے ان کو مارنے اور توہین کے ذریعے ستانا شروع کر دیا۔ لیکن اس مرحلے پر انہوں نے کسی کو قتل نہیں کیا کیونکہ مہاجر زیادہ تر مکہ ہی کے قبیلوں میں سے تھے اور قتل کرنے سے مکہ میں خانہ جنگی بھڑک سکتی تھی جو بالآخر حضور اکرمؐ کے مفاد میں ہوتی۔

تاریخ ابن کثیر میں سیرت ابن اسحٰق سے روایت ہے کہ سلمہ بن عبداللہ بن عمرو بن ابی سلمہ نے اپنی دادی ام سلمہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ جب ابوسلمہ نے مدینہ جانے کا فیصلہ کرلیا تو میرے لئے اپنا اونٹ تیار کیا اور مجھ کو اس پر سوار کردیا۔ سلمہ میری گود میں تھا۔ پھر میرا اونٹ چلاتا ہوا نکلا۔ بنی مغیرہ کے آدمیوں نے اسے دیکھا تو راستا روک کر کھڑے ہوگئے اور بولے کہ تمہاری جان ہمارے قبضہ میں ہے۔ اب ہم تم کو اور تمہاری عورت کو دوسرے علاقے میں نہ جانے دیں گے۔ انہوں نے اونٹ کی نکیل بھی اس کے ہاتھ سے چھین لی اور مجھ کو بھی اس سے لے لیا۔

اس پر ابوسلمہ کے رشتہ دار بنی اسد کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے کہا کہ جب تم نے اس عورت کو ہمارے آدمی سے چھین لیا ہے تو ہم اپنے بیٹے کو اس کے پاس نہ رہنے دیں گے۔ انہوں نے میرے بیٹے سلمہ کو آپس میں ایک دوسرے کی طرف گھسیٹا یہاں تک کہ بنی عبدالاسد اس کا ہاتھ چھڑا کر اس کو لے گئے۔ بنی مغیرہ نے مجھ کو اپنے پاس قیدی بنا کر رکھ لیا۔ میرا شوہر ابوسلمہ مدینہ چلا گیا۔ اس طرح لوگوں نے مجھ میں، میرے شوہر میں اور میرے بیٹے میں جدائی کرادی۔ میں روز صبح کو نکل کر میدان میں بیٹھ جاتی اور روتی رہتی یہاں تک کہ میں اونگنے لگتی یا اونگنے کے قریب ہوجاتی۔ ایک روز بنی مغیرہ کے بھائیوں یعنی میرے چچاؤں کے بیٹوں میں سے ایک شخص میرے پاس سے گزرا اور میری حالت دیکھ کر مجھ پر ترس کھایا اور بنی مغیرہ سے کہنے لگا کہ تم اس بیچاری عورت کو نہیں دیکھتے کہ تم نے اسے اس کے شوہر اور بیٹے سے جدا کردیا ہے۔

اُس وقت ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اگر تم چاہو تو اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ۔ اسی وقت بنی اسد نے میرا بیٹا مجھے واپس کردیا۔ چنانچہ میں اپنے اونٹ پر سوار ہوگئی اور اپنے بیٹے کو لے کر اپنی گود میں بٹھا لیا اور اپنے شوہر سے ملنے کے لئے مدینہ کی طرف روانہ ہوگئی۔ لیکن مخلوق خدا میں سے کوئی اور میرے ساتھ نہ تھا۔ یہاں تک کہ میں منزل تنعیم پر پہنچی تو بنی عبدالدار کا بھائی عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ مجھے ملا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ اے ابوامیہ کی بیٹی! تم کہاں جارہی ہو؟ میں نے کہا کہ میں اپنے شوہر کے پاس مدینہ جارہی ہوں۔ اس نے کہا کہ کیا تمہارے ساتھ کوئی اور نہیں ہے؟ میں نے کہا کہ میرے ساتھ اللہ اور اس میرے بیٹے کے سوا کوئی نہیں ہے۔ تب اس نے کہا کہ قسم بخدا! تم کو اس طرح نہیں چھوڑا جاسکتا۔ چنانچہ اس نے اونٹ کی نکیل پکڑلی اور میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ قسم ہے خدا کی! میرا ساتھ کسی عرب کے ساتھ نہیں ہوا جو اس سے زیادہ شریف ہو۔ جب وہ کسی منزل پر پہنچتا تو میرے اونٹ کو ٹھہرا کر مجھ سے دور چلا جاتا۔ جب میں اتر جاتی تو میرے اونٹ کو لے جاکر اس سے اتر کر اس کو ایک درخت کے نیچے باندھ دیتا اور خود ایک دوسرے درخت کے نیچے سو جاتا۔ پھر جب ہم چلنے کا ارادہ کرتے تو وہ میرے اونٹ کے پاس جاکر اس پر کاٹھی لگاتا اور میرے پاس سے دور جاکر مجھ سے سوار ہونے کو کہتا۔ جب میں اپنے اونٹ پر سوار ہوکر سنبھل چکتی تب وہ آگے بڑھ کر اس کی نکیل پکڑتا اور مجھ کو لے جاتا یہاں تک کہ اترنے کا وقت آجاتا۔ وہ اسی طرح کرتا رہا یہاں تک کہ مجھ کو مدینہ لے آیا۔ جب اس نے قُبا میں بنی عمرو بن عوف کی بستی کو دیکھا تو مجھ سے کہا کہ تمہارا شوہر اسی بستی میں ہے کیونکہ ابوسلمہ وہیں ٹھہرا ہوا تھا۔ لو اللہ کی برکت کے ساتھ اس میں چلی جاؤ۔ بعدازاں خود مکہ کے لئے واپس چلا گیا۔

ام سلمہ نے مزید بیان کیا ہے کہ میں دنیائے اسلام میں کسی ایسے گھر والوں کو نہیں جانتی جن پر ابوسلمہ کے گھر والوں سے زیادہ مصیبتیں پڑی ہوں اور میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف کوئی ساتھی نہیں دیکھا۔

سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ ابوسلمہ کے بعد بنی عدی کے حلیف عامر بن ربیعہ سب سے پہلے مدینہ پہنچے۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ بن غانم جو بنی عدی بن کعب سے تھے، آئی تھیں۔ ان کے بعد عبداللہ بن جحش بن رقاب اور ان کے ساتھی، ان کے بھائی ابواحمد بن جحش تھے۔ وہ نابینا تھے لیکن مکہ کی بلندیوں اور پستیوں میں کسی راہبر کے بغیر گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ فارعہ بنت ابی سفیان بن حرب ان کی زوجیت میں تھیں۔ اُن کی ماں امیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھیں۔ اس طرح بنی جحش کا گھر مکینوں سے بالکل خالی ہوگیا۔ چنانچہ اس کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ کا گزر ہوا جبکہ وہ، عباس بن عبدالمطلب اور ابوجہل ٹہل رہے تھے تو گھر پر نظر ڈال کر انہوں نے ایک گہری سانس لی اور یہ شعر پڑھا:

وکل دار وان طالت سلامتها　　　یومًا ستدر کها النکباء والحوب

''ہر گھر خواہ کتنی ہی طویل مدت تک سلامتی میں گزارے، ایک نہ ایک دن ضرور مصیبت اور تباہی کا ہدف بنے گا۔''

ابوجہل نے عباس کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ یہ تمہارے بھتیجے کا کیا دھرا ہے جنہوں نے ہماری جماعت میں تفرقہ پیدا کردیا ہے۔ طبری نے اپنی تاریخ میں کہا ہے کہ ابوسلمہ کی مدینہ کی طرف ہجرت عقبہ کی بیعت ثانیہ سے ایک سال پہلے ہوئی تھی جبکہ وہ حبشہ سے واپس آئے تھے اور قریش نے ان کو ستایا تھا اور جب ان کو معلوم ہوا تھا کہ مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اسلام میں داخل ہوگئے ہیں تو وہ ہجرت کر کے وہاں چلے گئے۔ ان کے بعد عامر بن ربیعہ اور بنی جحش گئے، پھر ہجرت چل پڑی۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ جب صہیب نے روانگی کا ارادہ کیا تو قریش کے لوگوں نے ان سے کہا کہ تم ہمارے یہاں ایک حقیر بھکاری کی حیثیت سے آئے تھے، ہمارے پاس رہ کر تمہاری دولت میں اضافہ ہوا اور تمہاری وہ حیثیت ہوگئی جو اب ہے۔ اب تم اپنی دولت اور اپنی جان کو لیکر یہاں سے چلے جانا چاہتے ہو، قسم بخدا ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ اس پر صہیب نے ان سے کہا کہ کیا میں اس کا یہ مطلب لوں کہ اگر میں اپنی دولت تمہارے لئے چھوڑ جاؤں تو تم میرے راستے میں حائل نہ ہوگے؟ وہ بولے کہ ہاں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی دولت ان کے لئے چھوڑ دی۔ جب رسول اللہؐ کو اطلاع ہوئی کہ صہیب نے ایسا کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ صہیب نفع میں رہے۔ مسلمان گروہ در گروہ مدینہ جانے لگے۔ البتہ جس کسی کو قریش پکڑ لیتے اس کو واپس لے جاتے اور اس پر سختی کرتے۔ جو کوئی بچ نکلتا وہ مدینہ پہنچ جاتا اور انصار اس کو خوشی خوشی لے لیتے تھے۔

مکہ میں کمزور افراد میں چند کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا اور ان لوگوں کے ساتھ نبی اکرمؐ، امام علیؑ اور حضرت ابوبکر تھے۔ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ جب ابوبکر روانگی کا ارادہ کرتے تو نبی اکرمؐ ان کو رُکے رہنے کا مشورہ دیتے تھے۔ ادھر قریش نے یہ محسوس کرلیا کہ دعوت حق مکہ سے منتقل ہوگئی ہے اور اس نے ایسی جگہ حاصل کرلی ہے جہاں اس کے

لئے ایسے انصار موجود ہیں جو اپنی دولت اور اپنی جانیں اس پر نثار کر رہے ہیں۔ انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ حضرت محمدؐ بھی صبح یا شام میں اپنے اصحاب سے جاملیں گے۔ پس اگر وہ ان لوگوں سے جاملے تو اُن کو ہم پر غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ اس وقت جبکہ آنحضرتؐ ان کے قبضہ میں ہیں ان کو کیا کرنا چاہئے سوائے اس کے کہ وقت ضائع ہونے سے پہلے آنحضرتؐ کے بارے میں ایک عہد کرلیں۔ پس ان کے بڑے بڑے لوگ دارالندوہ (اجتماعی ہال) میں آنحضرتؐ کے متعلق اقرار کر لینے کے لئے جمع ہوئے۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ جب یہ لوگ وعدے کے دن دارالندوہ میں جمع ہوئے تو ان میں سے کسی نے کہا کہ اس شخص نے جو کچھ کیا ہے وہ تم نے دیکھ ہی لیا ہے۔ بخدا ہم اس کو یہ موقع نہ دیں گے کہ وہ اپنے پیروؤں کے ساتھ ہم پر حملہ کرے۔ پس اس کو لوہے میں جکڑ کر ایک مکان میں ڈال دو اور اس کو اوپر سے بند کر دو تا آنکہ اس کو موت آجائے۔

ایک دوسرے شخص نے رائے دی کہ اس کو مکہ سے نکال دیا جائے اور قریش اُس سے دستبردار ہو جائیں۔ لیکن حاضرین نے ان سب رائے کو مناسب نہیں سمجھا اور اس سے اتفاق نہیں کیا۔ ابوجہل نے یہ رائے دی کہ ہر قبیلے سے ایک ایک طاقتور جوان شخص لے کر ہر ایک کو تیز تلوار دی جائے تاکہ یہ سب مل کر آنحضرتؐ پر حملہ کریں اور ایک ایک ضرب لگائیں۔ ان کے اس طرح کرنے سے آنحضرتؐ کا خون تمام قبیلوں میں بٹ جائے گا اور بنی ہاشم میں سے کوئی بھی اس قابل نہ ہو سکے گا کہ ان کے خون کا انتقام لے سکے۔ تب ان کو خون بہا قبول کرنا ہوگا۔ سب لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا۔ سب نے مل کر جوانوں کا اور اس رات کا انتخاب کر لیا جب اس منصوبے پر عمل درآمد کیا جانا تھا۔ چنانچہ بیشتر مفسرین کے مطابق قرآن کریم نے اس منصوبہ کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا ہے:

> وَ اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْیَقْتُلُوْکَ اَوْیُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَ اللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَO ”ایک وقت وہ تھا جب کفار تمہارے ساتھ فریب کر رہے تھے تاکہ تم کو قید کرلیں یا قتل کر ڈالیں یا تم کو باہر نکال دیں۔ وہ تدبیر کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا۔ اللہ سب تدبیر کرنے والوں میں بہترین ہے۔“ (سورۂ انفال: آیت ۳۰)

اللہ کی اس تدبیر سے جس کا ذکر اس آیت میں آیا یہ مراد ہے کہ اللہ نے ان کی اس تدبیر کو بیکار کر دیا اور آنحضرتؐ کو اس سے آگاہ کر کے حکم دیا کہ آپؐ رات میں نکل جائیں اور علیؑ کو حکم دیں کہ حضرمی چادر اوڑھ کر آپؐ کے بستر پر سو جائیں تاکہ ان کی تدبیر بیکار ہو جائے۔

یہاں سے فداکاری اور قربانیوں کی تاریخ کی سب سے زیادہ حیرتناک کہانی کی ابتداء ہوتی ہے کیونکہ جنگ آزما جوان مقابلوں میں اپنے حریف کے سامنے ثابت قدم رہتے ہیں تو اپنا بچاؤ ہتھیاروں، ساز و سامان اور ناصروں اور ساتھیوں کی مدد سے کرتے ہیں۔ یہ مقابلے ان کو دشمن کے سامنے تنہا بھی ثابت قدم رہنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ کہ کوئی شخص تعمیل حکم میں اطمینان کے ساتھ ہتھیار اور ساز و سامان کے بغیر موت کی طرف اس طرح روانہ ہو جائے گویا کہ وہ کسی نازک

اندام دوشیزہ سے بغلگیر ہونے جارہا ہے اور پھر ایسے بستر پر سوئے جو چاروں طرف سے خوف وخطر میں گھرا ہوا ہو۔ اپنے ایمان کے علاوہ ہر چیز سے بےفکر ہوکر اللہ پر اعتماد کئے ہوئے اور اپنے قائد کی سلامتی کا خواہاں ہو۔ جیسی صورت امام علیؑ کو اس وقت پیش آئی جبکہ آپ کے بھائی، عمزاد بھائی حضرت محمدؐ نے آپ کے سامنے پیش کی کہ وہ آنحضرتؐ کے بستر پر سو رہے ہیں تاکہ خود آنحضرتؐ کے لئے وہاں سے نکل کر قریش کی چالوں سے نجات حاصل کرنا ممکن ہو جائے۔ یہ ہے ایسا واقعہ کہ ایسا بہادری کی تاریخ میں بیان ہی نہیں ہوا ہے اور نہ دین یا اصول کی راہ میں واقع ہونے والی جنگوں میں کسی کے دیکھنے میں آیا۔ ہوا یہ کہ رسول اللہؐ نے اپنے عم زاد بھائی علیؑ کو جنہیں آنحضرتؐ نے اس وقت اپنا بھائی قرار دیا جب ان لوگوں کی یثرب کی جانب ہجرت سے قبل مہاجرین کے درمیان ایک کو دوسرے کا بھائی قرار دیا تھا۔ اطلاع دی کہ قریش نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اس رات میں آنحضرتؐ کو جب آپ بستر پر ہوں چھپ کر مار ڈالیں۔ اس پر امام علیؑ، رسول اللہؐ کی جان کے خوف سے رو پڑے لیکن جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے جب آنحضرتؐ نے ان کو اپنے بستر پر رات گزارنے کا حکم دیا تو انہوں نے فوراً جواب میں کہا کہ یارسول اللہؐ! اگر میں اپنی جان آپ پر فدا کردوں تو کیا آپ سلامت رہیں گے؟ تب رسول اللہؐ نے اُن سے فرمایا کہ ہاں! میرے پروردگار نے مجھ سے یہی وعدہ کیا ہے۔ امام علیؑ خوش ہوگئے اور ان کا غم خوشی میں بدل گیا۔ چنانچہ امام علیؑ پورے اطمینان سے رسول اکرمؐ کے بستر کی طرف گئے اور آنحضرتؐ کی حضرمی چادر جس کو آنحضرتؐ اوڑھا کرتے تھے اوڑھ کر لیٹے رہے۔ ادھر اُن لوگوں نے جو قریش کے چھٹے ہوئے طاقتور تھے، گھر کو گھیرے میں لے کر اس مقام کو دیکھنا شروع کردیا جہاں عام طور پر نبی اکرمؐ سویا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص آنحضرتؐ کی چادر میں لپٹا ہوا ہے۔ ان کو اس میں کوئی شک نہیں ہوا کہ یہ حضرت محمدؐ بن عبداللہ ہیں۔ جب رات کا آخری حصہ رہ گیا اور آنحضرتؐ جو گھر کے ایک حصے میں چھپے ہوئے تھے، پیچھے کی طرف کی ایک کھڑکی سے نکل کر جنوب کی جانب غار ثور جاکر اس کے اندر چھپ گئے۔

سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری اور طبقات ابن سعدی کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ گھر کے دروازہ سے باہر نکلے اور ان لوگوں کے درمیان سے گزرے جبکہ وہ رات کی تاریکی کے زائل ہونے کا انتظار کررہے تھے تاکہ اپنے منصوبے پر عمل کریں۔ آنحضرتؐ تلاوت فرمارہے تھے کہ: وَجَعَلْنَا مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ○ ''اور ہم نے ان کے سامنے اور ان کے پیچھے ایک ایک رکاوٹ قرار دیدی۔ اس طرح ہم نے ان کو ایسا اندھا کردیا کہ وہ دیکھتے ہی نہ تھے۔''

آنحضرتؐ نے ایک مٹھی مٹی لیکر ان لوگوں کے سروں پر ڈالنا شروع کردی لیکن ان لوگوں کو احساس ہی نہیں ہوا۔ جب وقت آپہنچا تو ان سب نے مکان پر حملہ کردیا۔ اس وقت امام علیؑ ان کے سامنے اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ ان کے سامنے پشیمان ہوگئے اور ان سے نبی اکرمؐ کے متعلق پوچھنے لگے۔ امام علیؑ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا وہ کہاں چلے گئے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ لوگ آنحضرتؐ کے بستر پر پتھر مار رہے تھے لیکن امام علیؑ بغیر کوئی حرکت کئے

سکون سے لیٹے رہے اور انہوں نے آنحضرتؐ کی سلامتی کی راہ میں پہنچے والی تکلیفوں کا کوئی خیال نہیں کیا۔ جب لوگوں نے آپ پر تلواروں سے حملہ کیا تو ان کے آگے والوں میں خالد بن ولید تھے۔ علیؑ نے ان کے ہاتھ کو بھینچا تو وہ آپ کے آگے تھرتھرا گئے۔ آپ نے ان سے تلوار چھین کر ان پر حملہ کردیا اور وہ سب آپ کے آگے بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگ پڑے۔ گھر سے نکل پڑے۔ جب انہوں نے غور سے آپ کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔

تاریخ یعقوبی میں جلد۲ صفحہ ۲۹ میں ہے کہ جس رات امام علیؑ نے نبی اکرمؐ کے بستر پر رات بسر کی، اللہ نے اس رات میں اپنے ملائکہ میں سے دو مقرب فرشتوں یعنی جبرئیلؑ اور میکائیلؑ کو وحی کی کہ میں نے تم میں سے ایک کے لئے موت کا فیصلہ کرلیا ہے۔ پس تم میں سے کون اپنے ساتھی پر جان فدا کرنے کے لئے آمادہ ہے؟ اس پر دونوں نے زندہ رہنا پسند کیا۔ تب اللہ نے ان کو وحی فرمائی کہ کیا تم علیؑ بن ابی طالبؑ جیسے نہیں ہوسکتے؟ میں نے اُن کے اور محمدؐ کے مابین بھائی بھائی کا رشتہ قرار دیا اور میں نے ایک کی عمر دوسرے سے زیادہ قرار دی۔ پس امام علیؑ نے موت اختیار کرکے اپنی زندگی کے ذریعے محمدؐ کے لئے ایثار کیا اور ان کے بستر پر سو گئے۔ نیچے اتر کر جاؤ اور ان کے دشمنوں سے ان کی حفاظت کرو۔ چنانچہ وہ دونوں اس رات اتر کر ان کی حفاظت کرتے رہے جبکہ ان کو اس کا علم نہ تھا، جبرئیلؑ کہہ رہے تھے: ''مبارک ہو، مبارک ہو، اے علی ابن طالبؑ! آپ جیسے پر اللہ سات آسمانوں کے سامنے فخر کررہا ہے۔''[1]

بہرحال بستر رسولؐ پر امام علیؑ کا رات گزارنا کہ اپنی جان کے ذریعے آنحضرتؐ کو بچالیں اور اپنی روح آنحضرتؐ پر فدا کردیں بہادری کی تاریخ کا اور حق کے عقیدے اور اصول کی راہ میں قربانیوں کی تاریخ کا سب سے زیادہ حیرتناک واقعہ ہے لیکن جو کوئی ابوطالبؑ اور ان کے بیٹے کی تاریخ کا اس روز سے لے کر جب سے اللہ نے آنحضرتؐ کو مبعوث فرمایا اس رات تک جو امام علیؑ نے بستر رسولؐ پر گزاری مطالعہ کرے گا، اس کو یہ واقعہ امام علیؑ اور ان کے والد بزرگوار کی نسبت سے حیرتناک معلوم نہیں ہوگا۔ چنانچہ ابوطالبؑ قریش کے سردار تھے اور ان میں مثبت ومنفی احکام جاری کرتے تھے۔ انہوں نے ہر چیز کی قربانی دی اور قریش سے تنہا مقابلہ کرتے رہے اور ان سے دشمنی قائم کرلی، صرف اس لئے کہ محمدؐ سلامت رہیں اور آنحضرتؐ کی رسالت سلامت رہے۔ انہوں نے ان تین سال کے عرصہ میں جب وہ اپنے گھاٹی میں محصور رہے اپنے آپ کو بھوک کے باعث موت کے منہ میں ڈالے رکھا کیونکہ بیشتر اوقات میں ان کو کھانے کے لئے زمین پر اُگی ہوئی گھاس اور درختوں کے پتوں کے علاوہ کچھ نہ ملتا تھا۔ انہوں نے حضرت محمدؐ کی خاطر اپنے آپ کو اور اپنے بیٹوں کو شدید خطروں میں ڈالے رکھا اور خود یہ شعر دھرایا کرتے تھے:

''خدا کی قسم! جب تک میں قبر میں دفن نہ کردیا جاؤں ان لوگوں کا گروہ تم تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔''

۱۔ تاریخ یعقوبی، جلد۲، صفحہ ۲۹۔ اسد الغابہ از ابن اثیر، جلد۴، صفحہ ۶۸۔ نورالابصار از شبلنجی، صفحہ ۷۷۔ کنوز الحقائق از مناوی، صفحہ ۳۱۔ احیاء العلوم از غزلی بحوالۂ فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ، جلد۲، صفحہ ۳۱۰۔

شب ہجرت میں امام علیؑ کا بستر رسولؐ پر سونا پہلی ہی بار کا نہ تھا کیونکہ جس زمانہ میں قریش نے ان لوگوں کو محصور کر دیا تھا۔ ابوطالبؑ کو اس کا اندازہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بنی ہاشم کو حکم دے دیا تھا کہ رات دن گھاٹی کی حفاظت کرتے رہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص چھپ کر اندر گھس جائے۔ پس جب رات ہو جاتی تو وہ حضرت محمدؐ کو حکم دیتے تھے کہ اول شب میں اپنے بستر پر سو جائیں تاکہ سب لوگ دیکھ لیں کہ وہ کہاں سو رہے ہیں۔ جب وہ لوگ سو جاتے اور سانس مدھم پڑ جاتے تب وہ آنحضرتؐ کو اٹھا کر دوسرے بستر پر منتقل کر دیتے جو آپ کے بستر سے خاصا دور ہوتا اور اپنے کسی بیٹے کو آنحضرتؐ کی جگہ لٹا دیتے تھے جیسا کہ ابن کثیر کی روایت میں آیا ہے۔ شرح نہج البلاغہ میں ابوجعفر محمد بن حبیب کی امالی سے روایت ہے کہ جس زمانے میں حضرت ابوطالبؑ گھاٹی میں محصور تھے وہ آنحضرتؐ کو ان کے بستر سے اٹھا کر ان کی جگہ اپنے علیؑ کو سلایا کرتے تھے جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں جو قریش نے حضرت ابوطالبؑ اور بنی ہاشم پر عائد کر رکھا تھا جو اُن کے ساتھ تھے۔

میرا عقیدہ ہے کہ جو کوئی حضرت ابوطالبؑ اور امام علیؑ کے ان پُرعزم کارناموں کا مطالعہ کرے جو اُن دونوں نے رسول اللہؐ اور اسلام کی نصرت میں انجام دیئے، اس کے لئے ناممکن ہوگا کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے افضل قرار دے کیونکہ ان دونوں ہستیوں کے تمام کارنامے بہادروں کی اور انسانیت کی راہ میں انجام دیئے ہوئے کارناموں کے مقابلہ میں چوٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

البتہ حیرتناک اور تعجب کی بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے اسلام کی تاریخ اور سیرت نبی لکھی ہے اور ان سب واقعات کو نظر میں رکھا ہے جو رسول اللہؐ کی سیرت سے متعلق تھے اور کسی واقعہ سے چشم پوشی نہیں کی ہے حتیٰ کہ قدیم اور جدید سب لکھنے والوں نے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ خرافات اور خراب مواد سے پاک ہے، یہ رائے قائم کر لی ہے کہ ابوطالبؑ مشرک مرے۔ علاوہ بریں یہ لوگ اپنے طرح طرح کے طریقوں سے یہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ ابوبکر کا غار میں رسول اللہؐ کے پاس رہنا اور ان کا آنحضرتؐ کے ساتھ یثرب جانا ایسی فضیلت ہے جس کے مقابلہ میں حضرت ابوطالبؑ کے کارنامے نہیں ٹھہرتے اور نہ ان کے فرزند علیؑ کا شب ہجرت میں بستر رسولؐ پر سونا۔ ان کے اس زمانہ کے کارنامے جب آنحضرتؐ گھاٹی میں گھرے ہوئے تھے اور ان کا موت کی طرف بڑھنا تاکہ رسول اللہؐ سلامت رہیں اور ساتھ ہی ساتھ دعوت حق پورے جزیرہ نمائے عرب میں اور باقی عالم میں پھیل جائے حالانکہ اللہ نے اس موقع پر امام علیؑ کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ رَؤُفٌ بِالْعِبَادِ

''اور انسانوں میں ایک وہ ہے جو اپنے نفس کو اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے کے لئے فروخت کر دیتا ہے اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔'' (سورۂ بقر: آیت ۲۰۷)

حالانکہ جب حضرت ابوبکر رسول اکرمؐ کے ساتھ غار کی طرف گئے تو رسول اللہؐ ان کو اطمینان دلا رہے تھے اور وحی کی بنا پر محفوظ رہنے کا یقین دلا رہے تھے۔ اس کے باوجود وہ رو رہے تھے اور خوف سے کانپ رہے تھے اور قریب تھا کہ وہ ہوش وحواس کھو بیٹھیں جبکہ نبی اکرمؐ ان سے کہتے جا رہے تھے کہ رنج مت کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

میں یہ کہتا ہوں حالانکہ میں حضرت ابوبکر کے مرتبہ سے واقف ہوں اور جانتا ہوں کہ ان کو شروع سے رسول اللہؐ کی صحبت حاصل رہی ہے۔ اب جبکہ میں رسول اللہؐ کی سیرت لکھ رہا ہوں ضروری ہے کہ اس قصے کو بھی خواہ مختصراً ہی سہی سیرت اور تاریخ کی قابل اعتبار کتابوں سے اخذ کر کے بیان کرتا چلوں۔

چنانچہ کتاب سیرت میں ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکر اور ہند بن ابی ہالہ کو جو آپؐ کی زوجہ حضرت خدیجہؑ کے بیٹے کی حیثیت سے آنحضرتؐ کی پرورش میں تھے، حکم دیا کہ وہ دونوں غار کی جانب جانے والے آنحضرتؐ کے راستے میں اس مقام پر بیٹھے رہیں جو آپ نے ان دونوں کو بتا دیا تھا اور خود آنحضرتؐ نے امام علیؑ کے ساتھ ٹھہر کر ان کو صبر کی تلقین فرمائی۔ بعدازاں آنحضرتؐ رات کی تاریکی میں اپنے گھر سے جس کو لوگوں نے گھیر رکھا تھا یا جیسا کہ ایک دوسری روایت میں کسی دوسرے گھر سے برآمد ہو کر اپنے راستے پر چلتے رہے تا آنکہ حضرت ابوبکر اور ہند کے پاس پہنچ گئے۔ چنانچہ یہ دونوں بھی اٹھ کر آنحضرتؐ کے ساتھ ہو لئے اور آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکر غار میں داخل ہو گئے۔ یہ غار مکہ سے باہر پہاڑ میں واقع تھا اور اس کو ثور بن عبد منات کی نسبت سے جو اس کے قریب پیدا ہوا تھا غار ثور کہتے ہیں۔ ہند چھپتے چھپاتے مکہ میں واپس چلے گئے۔ ادھر قریش آنحضرتؐ کو تلاش کرنے میں لگے۔ انہوں نے آنحضرتؐ کے لئے تلاش کرنے والے لگا دیئے اور جو کوئی آنحضرتؐ کو پالے، یا قتل کر ڈالے، یا مکہ میں واپس پہنچا دے، یا ان لوگوں کو آنحضرتؐ تک پہنچا دے، اس کے لئے بڑے انعام مقرر کر دیئے۔

جب آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکر غار کے اندر چلے گئے تو قدرت خدا سے ایک مکڑی نے اس کے دہانہ پر جالا بن دیا اور وہاں دو جنگلی کبوتر آ بیٹھے۔

ادھر قریش علم قیافہ جاننے والوں اور نقش قدم کو دیکھ کر تلاش کرنے والوں کو لے کر راستے پر چل دیئے۔ یہ لوگ آنحضرتؐ کے نقش قدم کے ساتھ ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ غار پر جا پہنچے۔ اب ان کے سامنے سے نقش قدم کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ انہوں نے غار پر نظر ڈالی لیکن وہاں مکڑی نے اس کے دروازے کو اپنے جالے سے بند کر دیا تھا۔ پھر ان کو اس دروازے کے ایک جانب دو کبوتر نظر آئے۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس پر مکڑی تو آنحضرتؐ کی پیدائش سے پہلے سے ہے۔ ادھر یہ صورت حال تھی اور ادھر حضرت ابوبکر نے ان کی باتیں سنیں اور ان کے قدموں کی آہٹ سنی اور خوف ورنج سے کانپنے لگے جبکہ نبی اکرمؐ ان کو اطمینان دلا رہے تھے اور حفاظت کا یقین دلا رہے تھے۔

دوسری رات میں امام علیؑ اور ہند بن ہالہ نے آ کر غار میں دونوں سے ملاقات کی۔ رسول اللہؐ نے ہند کو حکم دیا کہ خود آنحضرتؐ کے لئے اور حضرت ابوبکر کے لئے اونٹ خریدیں۔ اس پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ یا رسول اللہؐ! میں نے اپنے

اور آپ کے لئے دو اونٹوں کا انتظام کرلیا ہے۔ تب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں بغیر قیمت دیئے نہ دونوں اونٹ لوں گا نہ ان میں سے ایک۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ اسی طرح سہی۔ وہ دونوں آپ کے ہوگئے۔ آنحضرتؐ نے امام علیؑ کو حکم دیا اور انہوں نے قیمت ادا کردی۔ (اعیان الشیعہ بحوالہ امالی شیخ طوسیؒ)

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ میں ایسے اونٹ پر سوار نہیں ہوں گا جو میرا نہ ہو۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اسے اتنی ہی قیمت میں لے لیا جتنی میں اس کو خریدا تھا۔ ابن ابی رافع سے روایت ہے کہ کسی نے اس سے پوچھا کہ کیا رسول اکرمؐ کے پاس اتنا پیسہ ہوتا تھا کہ وہ حضرت ابوبکر کو قیمت ادا کردیں؟ تو انہوں نے اس کو جواب دیا کہ تمہارے نزدیک حضرت خدیجہؑ کی دولت کہاں چلی گئی۔ ارے رسول اللہؐ ان ہی کی دولت سے قرضداروں کو چکاتے، بے بسوں کو سہارا دیتے، مصیبت میں مدد پہنچاتے، اپنے اصحاب میں سے غریبوں کی کفالت کرتے اور ان میں سے جو ہجرت کا ارادہ کرتا اس کو سہارا دیتے تھے۔

بعدازاں آنحضرتؐ نے امام علیؑ کو ہدایت کی کہ آپ کی ذمہ داریوں کا خیال رکھیں اور آپ کے پاس رکھی ہوئی امانتیں واپس کردیں۔ نیز ان کو حکم دیا کہ روز صبح و شام مقام ابطح پر اعلان کردیا کریں کہ جس کسی کی آنحضرتؐ کے پاس کوئی امانت ہو وہ آجائے تاکہ اس کی امانت ادا کردی جائے۔ آنحضرتؐ نے ان کو یہ بھی ہدایت فرمائی کہ ان کاموں کی انجام دہی کے بعد جو اُن کو سپرد کئے گئے تھے، آنحضرتؐ کی بیٹی فاطمہؑ اور دوسری خواتین کولیکر آنحضرتؐ کے پاس چلے آئیں۔

سیرت ابن ہشام میں ابن اسحاق سے روایت ہے کہ امام علیؑ اور حضرت ابوبکر کے علاوہ کسی کو آنحضرتؐ کی ہجرت کا علم نہیں تھا اور یہ کہ امام علیؑ ان امانتوں کے واپس کرنے کے ذمہ دار تھے جو رسول اللہؐ کے پاس تھیں۔

تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت ابوبکر کو رسول اکرمؐ کے جانے کا علم نہ تھا۔ چنانچہ جب رسول اکرمؐ ان کو نہ ملے تو وہ امام علیؑ کے پاس گئے اور اُن سے دریافت کیا۔ تب انہوں نے بتایا کہ آنحضرتؐ غارِ ثور میں ہیں، اگر آپ کو ان سے کوئی کام ہے تو ان سے مل لیجئے۔ پس وہ تیزی سے چل کر نبی اکرمؐ سے راستا ہی میں جاملے قبل اس کے کہ آنحضرتؐ غار میں داخل ہوں۔ رسول اللہؐ نے ان کو پہچاننے سے پہلے ان کی چال کو محسوس فرمایا تو اس خوف سے کہ وہ قریش کا کوئی ڈھونڈھنے والا نہ ہو تو آنحضرتؐ نے اپنی چال کو تیز کردیا۔ اس سے آپ کا جوتا ٹوٹ گیا اور آپ کے پیروں کی انگلیاں پتھر سے ٹکرا گئیں جس سے آپ کا خون بہہ نکلا بالآخر حضرت ابوبکر آنحضرتؐ سے مل گئے اور دونوں ایک ساتھ غار میں داخل ہوگئے۔

ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر، آنحضرتؐ کے ساتھ غار کی طرف جارہے تھے تو کبھی تیز تیز آنحضرتؐ کے آگے آگے چلتے اور کبھی رک رک کر آنحضرتؐ کے پیچھے چلتے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کی رفتار میں اس بے ڈھنگے پن کا سبب پوچھا تو کہا کہ جب مجھ کو آپ کے ساتھ دیکھ لئے جانے کا ڈر ہوتا ہے تو آپ کے آگے آگے چلتا ہوں اور جب یہ ڈر ہوتا ہے کہ تلاش کرنے والے آپ کو پالیں گے تو آپ کے پیچھے پیچھے چلتا ہوں تاکہ آپ کو اپنی جان دے کر بچالوں۔

یہ روایت مرسل روایتوں میں سے ہے جس کا راویوں کا سلسلہ پورا نہیں ہے جیسا کہ ابن کثیر نے خود ہی کہا ہے۔ اگر یہ صحیح بھی ہو تو زیادہ ممکن یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کی رفتار میں اس بے ڈھنگے پن کی وجہ وہ خوف ہوگا جو اُن پر طاری تھا۔ وہ کبھی ان کی چال میں تیزی پیدا کرتا تھا اس ڈر سے کہ قریش ان کی کھوج میں لگے ہوئے ہیں اور کبھی جب وہ نبی اکرمؐ سے دور ہو جاتے اور ڈرتے کہ کھوجی آنحضرتؐ کے آگے ہیں تو وہ پلٹ کر نبی اکرمؐ کے پیچھے چلنے لگتے تاکہ اگر کوئی نبی اکرمؐ سے آملے تو ان کو اس سے بھاگ جانے میں آسانی ہو۔ پس وہ شدید خوف جو اُن پر طاری تھا ان کو اپنی رفتار پر قابو پانے نہیں دیتا تھا۔ وہ ایسا اس لئے کر رہے تھے کہ آنحضرتؐ کے ذریعے اپنی جان بچالیں خواہ کھوجی آنحضرتؐ کو پالیں یا دیکھنے والے آنحضرتؐ کو دیکھ لیں کیونکہ تاریخ میں ایسا کوئی ذکر نہیں ہے کہ انہوں نے آنحضرتؐ کی خاطر بہادری یا قربانی کا کوئی کارنامہ انجام دیا ہو۔ اس کا ثبوت غار کے واقعہ سے مل جاتا ہے جب وہ اس عرصے میں نبی اکرمؐ کے ساتھ رہے شدید گھبراہٹ میں تھے حالانکہ نبی اکرمؐ ان کو اطمینان دلاتے رہے اور ان کی گھبراہٹ کو کم کرتے رہے۔

کتب سیرت میں ہے کہ یہ دونوں اس گھاٹی میں تین روز تک ٹھہرے رہے۔ اس ددوران انہوں نے ایک راستا دکھانے والے کو اجرت پر لے لیا تاکہ وہ انہیں ایسے راستے سے یثرب لے چلے جو عام راستے سے علیحدہ ہو، تاکہ قریش کے تلاش کرنے والے دونوں کو پانہ لیں۔ یہ راستا دکھانے والا عبداللہ بن اریقط لیثی تھا جو اب تک شرک پر قائم تھا۔ لیکن نبی اکرمؐ نے اس پر اعتماد کیا اور خیال کیا کہ وہ بے وفائی نہ کرے گا۔ جب دونوں کے غار سے چلنے کا وقت آپہنچا تو وہ شخص دو اونٹ لیکران کے پاس آگیا۔اسماء بنت ابی بکر دونوں کے لئے ایک تھیلے میں کھانا لے کر آئیں لیکن تھیلے کے لئے باندھنے کی رسی لانا بھول گئیں۔ جب ان دونوں نے روانگی کا ارادہ کیا تو وہ کھانے کا تھیلا لٹکانے چلیں لیکن اس میں باندھنے کی ڈوری نہیں تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنا کمر بند کھول کر اس سے کھانے کے تھیلے کے لئے ڈوری بنالی اور باقی سے اپنا کام چلایا۔ اس پر ان کا نام ذات النطاقین یعنی دو کمر بند والی پڑ گیا۔ اب وہ دونوں روانہ ہوگئے البتہ ان کے ساتھ ابوبکر کا غلام بھی تھا جسے عامر بن فہیرہ کہتے تھے۔ ابوبکر نے اس کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ راستا دکھانے والا ان کو ساحل کے راستے سے لے کر چلا۔

ادھر قریش نبی اکرمؐ کی تلاش کی کوشش میں لگے رہے۔ انہوں نے ایسے شخص کے لئے جو آنحضرتؐ کو قتل کر ڈالے یا گرفتار کر لے سو اونٹ مقرر کئے۔ ادھر یہ لوگ اپنے راستا میں ام معبد خزاعی کے خیمہ سے گزرے۔ وہ مہمانوں کو ٹھہرایا کرتی تھیں۔ ان لوگوں نے اس سے کھجوریں یا گوشت مانگا لیکن اس کے پاس کوئی چیز نہ ملی۔ وہ کہنے لگی کہ قسم بخدا! اگر ہمارے پاس کوئی چیز بھی ہوتی تو میں آپ کی مہمانداری سے دریغ نہ کرتی۔ اتنے میں رسول اللہؐ کو خیمے کے پہلو میں ایک بکری نظر آئی۔ آپ نے فرمایا کہ اے ام معبد یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے کہا کہ یہ بکری کمزوری کی وجہ سے گلہ سے الگ رہ گئی ہے۔ تب نبی اکرمؐ نے پوچھا کہ کیا اس کے دودھ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ اس سے بھی گئی گزری ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر تمہاری اجازت ہو تو میں اس کو دوہ لوں؟ اس نے جواب دیا کہ میرے باپ اور ماں آپ پر فدا ہوں! اگر آپ کو اس میں دودھ نظر آتا ہے تو ضرور دوہ لیجئے۔

پس رسول اللہؐ نے بکری کو اپنے قریب بلوا کر اس کے تھن ہاتھ سے چھوئے اور اللہ کا نام لے کر فرمایا کہ اللہ تیری حالت میں برکت دے اور فوراً اس کا دودھ جاری ہوگیا۔ آنحضرتؐ نے ایک بڑا برتن منگوا کر اس میں دودھ دوہ لیا۔ اس کے بعد اس عورت کو پلایا اور اپنے ساتھ والوں کو بھی پلایا یہاں تک کہ وہ سیر ہوگئی اور دوسرے لوگ بھی سیر ہوگئے۔ سب سے آخر میں آنحضرتؐ نے خود نوش فرمایا۔ پھر فرمایا کہ لوگوں کو پلانے والا خود آخر میں پیتا ہے۔ پھر آپ نے ایک برتن میں دودھ دوہا۔ جب وہ بھر گیا تو وہ اس عورت کے لئے چھوڑ کر آگے چل پڑے۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس عورت کا شوہر ابومعبد ایک دبلی پتلی سوکھی بکری ہنکاتا ہوا آپہنچا۔ اس نے جو دودھ دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا جبکہ گھر میں جو بکری ہے وہ تو خشک اور بے دودھ کی ہے؟ وہ بولی کہ نہیں قسم بخدا! مگر ہمارے پاس سے ایک بابرکت شخص کا گزر ہوا۔ پھر اس نے پورا قصہ سنایا۔ اس پر وہ شخص بولا کہ قسم بخدا میرا خیال ہے کہ یہ وہی قریشی بزرگ ہے جس کی تلاش ہو رہی ہے۔ میرے سامنے ان کو بیان کرو۔ تب وہ بولی کہ میں نے ایسا شخص دیکھا جس کا ظاہر نورانی، چہرہ بشاش، عادت حسین، جن میں کوئی غمگینی کا اثر نہیں، جس میں کوئی عیب نہیں، شکل زیبا، شاندار، آنکھیں سیاہ اور بڑی، بھنویں گھنی، آواز دبنگ، رنگ سفید، آنکھیں سرمگیں، بھنویں خمدار ملی ہوئیں، بال سیاہ، داڑھی میں گھنا پن، خاموش ہو تو پُروقار، بولے تو بلند و بالا معلوم ہو، گفتار شیریں، نہ اس میں گرمی نہ بیہودگی، غرضیکہ وہ آپ کی صفات بیان کرتی چلی گئیں، جن میں سے ہم اس سے زیادہ کا ذکر ضروری نہیں سمجھتے۔ جب وہ آنحضرتؐ کے متعلق اپنا بیان ختم کر چکیں تو ابومعبد نے اس سے کہا کہ قسم بخدا! یہ قریش کے وہی بزرگ ہیں۔ اگر تم اتفاق کرواے ام معبد تو میں یہ چاہوں گا کہ ان کے ساتھ رہوں اور اگر موقع مل گیا تو میں ایسا ضرور کروں گا۔ بالآخر ام معبد اور اس کا شوہر ہجرت کر کے یثرب چلے گئے اور اسلام لے آئے۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ جب نبی اکرمؐ یثرب کے راستے میں تھے تو آنحضرتؐ کو سراقہ بن مالک بن خثعم نے روکا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ رسول اللہؐ نے اس کے لئے بددعا کی۔ چنانچہ اس کے گھوڑے کے سم زمین میں دھنس گئے۔ اس پر اس نے کہا کہ اے محمدؐ! آپ اللہ سے دعا فرمایئے کہ میرا گھوڑا آزاد ہو جائے اور میں آپ کے پاس سے چلا جاؤں اور جو لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں ان کو بھی واپس کردوں۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے اس کے لئے دعا فرمائی اور اس کا گھوڑا آزاد ہوگیا۔ اس کے بعد وہ واپس پلٹ گیا اور اس نے دیکھا کہ لوگ رسول اللہؐ کو تلاش کررہے ہیں۔ اس نے ان سے کہا کہ واپس ہو جاؤ کیونکہ میں نے ان کو خوب چھان مارا لیکن ان کا کوئی نشان مجھ کو نہیں ملا۔ چنانچہ وہ واپس ہوگئے اور نبی اکرمؐ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ یہ لوگ روانگی سے لے کر سات روز تک میدانوں، پہاڑوں اور وادیوں سے گزرتے ہوئے اور دوپہر کی گرمی، ریگستان کی ریت اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے مکہ اور مدینہ کی درمیانی مسافت کا بڑا حصہ طے کر کے قریش کے خطرے سے محفوظ ہوگئے۔ جب یہ لوگ قبیلۂ بنی سہم پہنچے تو اس کا سردار بریدہ، آنحضرتؐ کے استقبال کے لئے آیا کیونکہ آنحضرتؐ کے تشریف لانے کی خبر آنحضرتؐ سے پہلے مدینہ پہنچ گئی تھی۔

غفار اور اسلم کے دونوں قبیلوں سے ابوذرؓ، آنحضرتؐ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ جب وہ آپ کی سواری

کے قریب پہنچے تو انہوں نے آنحضرتؐ کے اونٹ کی طرف لپک کر اس کی نکیل تھام لی اور آنحضرتؐ سے ملاقات کے باعث خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ انہوں نے آنحضرتؐ کو بتلایا کہ غفار کے بیشتر افراد نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ پھر اہل غفار آنحضرتؐ کی خدمت میں باز یاب ہوئے اور انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ یارسول اللہؐ! ابوذر نے ہم کو اسلام کی وہ تعلیمات بتادیں جو آپ نے ان کو بتلائی تھیں۔ چنانچہ ہم نے اسلام قبول کیا اور شہادت دی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ان میں سے پیچھے رہنے والے بھی جلدی جلدی اسلام لے آئے اور نبی اکرمؐ کی بیعت کر کے اپنے اسلام لانے کا اعلان کرتے رہے۔ اس کے بعد قبیلہ اسلم والے آئے اور کہنے لگے کہ ہم اسلام لے آئے ہیں اور ہر اس شے میں شامل ہوگئے ہیں جس میں ہمارے بھائی اور حلیف شامل ہوئے ہیں۔ اس پر نبی اکرمؐ کا چہرۂ مبارک اللہ کی مدد حاصل ہو جانے پر خوشی سے چمک اٹھا اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ غفار کی مغفرت فرمائے اور اسلم کے لئے بھی دعائے عافیت فرمائی۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے اپنا سفر جاری فرمایا۔ جب آپ مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو فرمایا کہ کون ہم کو بنی عمرو بن عوف کی طرف لے کر چل سکتا ہے؟ چنانچہ آنحضرتؐ کے آگے آگے کچھ لوگ چلنے لگے۔ جب آپ ان لوگوں کے مکانوں کے قریب پہنچ گئے تو ۱۱/ یا ۱۲/ ربیع الاول کو ان کے پاس مقام قبا پر اتر پڑے۔ حضرت ابوبکر نے چاہا کہ مدینہ میں داخل ہوں مگر آنحضرتؐ نے اصرار فرمایا کہ وہ قبا ہی میں ٹھہرے رہیں اور فرمایا کہ جب تک میرا چچازاد بھائی اور میری بیٹی یعنی علیؑ اور فاطمہؑ نہیں آجاتے میں وہاں نہ جاؤں گا۔ البتہ مدینہ میں موجود مہاجرین اور انصار روزانہ دھوپ کی صعوبت برداشت کر کے آپ کی تشریف آوری پر خوش آمدید کہنے آتے رہتے تھے۔ جب آفتاب بلند ہوجاتا تو یہ لوگ اپنے اپنے گھر واپس چلے جاتے تھے۔ جب آپ کے مدینہ جانے کا دن آیا تو ایک یہودی نے بنی عمرو بن عوف میں تکبیر کی آواز سنی۔ تقریباً ۵۰۰ افراد نے آنحضرتؐ کا استقبال کیا اور آپ ان کے ہمراہ قبا کی طرف چلے۔

بعض روایات میں ہے کہ اب نبی اکرمؐ نے امام علیؑ کو خط بھیجا۔ جب ان کو خط ملا تو انہوں نے اپنے خاندان کی خواتین کیلئے سواریاں خریدیں اور روانگی کی تیاری کی۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ بے بس مومنین میں سے جو کوئی مکہ میں رہ گیا ہے وہ چھپ چھپا کر رات میں ذی طویٰ پہنچ جائے۔ تب امام علیؑ چاروں فاطماؤں یعنی حضرت فاطمہ زہراؑ، خود ان کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشمؑ، فاطمہ بنت زبیر بن عبدالمطلبؑ اور فاطمہ بنت حمزہؓ کو لیکر روانہ ہوئے جیسا کہ بعض مؤرخین نے صراحت کی ہے۔ نیز رسول اللہؐ کے غلام ایمن کی والدہ اور ابوواقد لیثی بھی ان لوگوں کے ساتھ تھے۔ ابوواقد سواریوں کو تیز تیز چلانے لگے تو امام علیؑ نے ان سے کہا کہ ذرا عورتوں کا خیال کرو۔ پھر آپ خود ان کو چلانے لگے اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے:

لیس الا اللہ فارفع ظنکا   بکفیک رب الناس ما اھمکا

''اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ پس اپنے شکوک مٹا ڈالو۔ تمہاری ہر ضرورت کے موقع پر پروردگار تمہاری مدد کرنے کے لئے کافی ہے۔''

جب یہ لوگ ضَجنان کے قریب پہنچے تو تلاش کرنے والے ان تک پہنچ گئے جو آٹھ گھوڑے سوار تھے۔ ان ہی

میں حرب بن امیہ کا غلام بھی تھا جس کا نام جناح تھا۔ امام علیؑ نے ایمن اور ابوواقد کو حکم دیا کہ اونٹوں کو جھکا کر ان کے پیر باندھ دیں۔ پھر آپ نے بڑھ کر عورتوں کو اتارا اور اس کے بعد اپنی تلوار لے کر ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ لوگ بولے کہ اے بے وفا کیا تم سمجھتے تھے کہ تم عورتوں کے ساتھ نکل جاؤ گے؟ چلو واپس بے پس و پیش۔ امام علیؑ نے کہا کہ اگر میں ایسا نہ کروں تو؟ وہ کہنے لگے کہ تم کو زبردستی چلنا پڑے گا۔ وہ سواریوں کے ٹھکانوں کے قریب پہنچ گئے۔ امام علیؑ ان کے اور سواریوں کے درمیان حائل ہوگئے۔ اس پر جناح آپ پر جھپٹ پڑا لیکن آپ نے اس کو جھکائی دے کر اس کے کندھے پر ایسی ضرب لگائی کہ اس کے دو ٹکڑے ہوگئے یہاں تک کہ تلوار گھوڑے کے کاندھے میں پیوست ہوگئی۔ پھر آپ اس کے ساتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ آپ شیر کی طرح بپھرے ہوئے تھے اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے:

خلوا سبیل الجاهدٗ المجاهد آلیت لا اعبد غیر الواحد

"سخت کوش جنگ کرنے والوں کا راستا چھوڑ دو۔ میں وہ ہوں جو ایک اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہیں کرتا۔"

چنانچہ وہ لوگ ان کے پاس سے ہٹ گئے لیکن کہنے لگے کہ اے ابوطالبؑ کے بیٹے اپنے آپ کو ہم سے دور رکھو۔ اس پر آپ نے ان سے کہا کہ میں اپنے بھائی اور ابن عم رسول اللہؐ کی خدمت میں جارہا ہوں۔ پس جو کوئی یہ پسند کرتا ہو کہ میں اس کی کھال کھینچ لوں اور اس کا خون بہادوں وہی میرے قریب آئے۔

بعدازاں امام علیؑ نے ایمن اور ابوواقد کے پاس آکر کہا کہ اپنی سواریوں کو کھولو اور آپ اُن کو لے کر فاتحانہ طور پر روانہ ہوگئے یہاں تک کہ ضجنان جا اُترے۔ وہاں آپ نے ایک دن اور ایک رات قیام فرمایا۔ وہیں آپ سے کچھ بے بس افراد آکر ملے۔ یہ رات آپ نے اور چاروں فاطماؤں نے اس طرح گزاری کہ ایک بار نمازیں پڑھتے اور ایک بار ذکر الٰہی کرتے رہے۔ کبھی کھڑے ہوکر کبھی بیٹھ کر اور کبھی پہلوؤں کے بل لیٹ کر تا آنکہ صبح نمودار ہوگئی۔ جب سب نے نماز صبح ادا کرلی تو آپ سب کو لے کر روانہ ہوگئے یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گئے۔ بعض روایات کے مطابق نبی اکرمؐ کو ان کے حالات سے آگاہ کرنے کے لئے یہ وحی نازل ہوئی:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰاتِ وَلْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝ "اور وہ لوگ ہیں جو اللہ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمان اور زمین کی خلقت کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار تو نے ان کو بیکار پیدا نہیں کیا ہے۔ پس تو ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا۔" (سورۂ آل عمران: آیت۱۹۱)

فَاسْتَجَابَ لَھُمْ رَبُّھُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُکُمْ مِن بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْھُمْ

سَیِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ○ ''پس ان کے پروردگار نے ان سے جواب میں کہا کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور تم ایک دوسرے سے ہو۔ بے نتیجہ نہیں رہنے دیتا ہوں۔ پس جن لوگوں نے اپنے علاقوں سے ترک وطن کیا ان کو میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں اور وہ لڑے اور قتل ہوئے، میں ان کے برے اعمال سے درگزر کروں گا اور ان کو بہشت کے باغوں میں داخل کروں گا جن میں دریا بہتے ہوں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے اچھا بدلہ ہے اور اللہ وہ ہے جس کے پاس بہترین صلہ ہے۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۹۵) (اعیان الشیعہ، جز۶، صفحہ۶۴)

سیرت حلبیہ میں آیا ہے کہ جب امام علیؑ، فاطماؤں کو لے کر مدینہ جا رہے تھے تو رات میں سفر فرماتے تھے اور دن کو پوشیدہ رہتے تھے یہاں تک کہ آپ کے دونوں پیر پھٹ گئے۔ چنانچہ جب آپ مدینہ پہنچے تو آنحضرتؐ نے آپ کو گلے لگایا اور آپ کی حالت پر افسوس کر کے رونے لگے۔ پھر آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھوں پر لعاب دہن ڈال کر ان کو امام علیؑ کے پیروں پر مل دیا۔ چنانچہ اس کے بعد سے ان کو اپنے پیروں سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔

اُسُد الغابہ، جلد۴، صفحہ۱۹ پر بستر رسولؐ پر امام علیؑ کے سونے کا واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ امام علیؑ عورتوں کو لے کر نکلے تو رات میں چلتے تھے اور دن میں پوشیدہ رہتے تھے یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گئے۔ جب نبی اکرمؐ کو آپ کے پہنچنے کی خبر ملی تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ علیؑ کو میرے پاس بلا لاؤ تو آنحضرتؐ کو بتایا گیا کہ یارسول اللہؐ وہ تو اب چل بھی نہیں سکتے۔ اس پر نبی اکرمؐ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور آنحضرتؐ نے ان کو دیکھا تو گلے لگا لیا اور ان کی حالت پر رنج کی وجہ سے رو پڑے کیونکہ ان کے دونوں پیروں سے خون ٹپک رہا تھا۔ پس نبی اکرمؐ نے اپنے ہاتھوں پر لعاب دہن لے کر ان کے پیروں پر ملا اور ان کے لئے عافیت کی دعا فرمائی۔ چنانچہ پھر کبھی ان کو پیروں کے متعلق شکایت نہیں ہوئی تاآنکہ شہید ہو گئے۔

مستدرک صحیحین میں امام زین العابدینؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ پہلے وہ شخص جنہوں نے اللہ کی خوشنودی خریدنے کے لئے اپنی جان کو بیچ ڈالا علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں اور وہ فرمایا کرتے تھے:

وقیت بنفسی خیر من وطیء الحصا	ومن طاف بالبیت العتیق و بالحجر
رسول اله خاف ان یمکروا به	فنجاه ذو الطول الا له من المکر
و بات رسول اللّٰه فی الغار آمنًا	موقی وفی حفظ الا له وفی ستر
وبت اراعیهم ولم یتهموننی	وقد وطنت نفسی علی القتل والاسر

''میں نے اپنی جان کے ذریعہ ایسے شخص کو بچایا جو زمین پر چلنے والوں اور خانۂ کعبہ اور حجراسود کا طواف کرنے والوں میں بہترین فرد ہے۔ یعنی اللہ کے رسولؐ کو، جن کو خوف تھا کہ لوگ

آپ کے خلاف چال چلیں گے۔ پس اللہ نے ان کو چال سے محفوظ رکھا۔ رسول اللہؐ نے محفوظ رہ کر رات امن وامان سے غار میں گزاری اور وہ اللہ کی حفاظت میں رہے اور پوشیدہ رہے۔ میں نے رات اس طرح گزاری کہ میں ان کو دیکھتا رہا لیکن وہ مجھ پر شبہ نہ کر سکے اور میں اپنے آپ کو قتل کئے جانے یا گرفتار کر لئے جانے کے لئے پیش کئے رہا۔"

کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق کے صفحہ ۱۳۱ میں عبدالروٗف مناوی سے روایت ہے کہ "اللہ تعالیٰ ہر روز امام علیؑ کی وجہ سے ملائکہ کے سامنے فخر کرتا ہے۔"

ابن سعد کی طبقات کی جلد اول میں ہے کہ رسول اکرمؐ نے پیر، منگل بدھ اور جمعرات کے روز قبا میں قیام میں فرمایا اور جمعہ کے روز وہاں سے روانہ ہوئے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کو نماز کا وقت بنی سالم بن عوف میں پہنچ کر ہو گیا اور آنحضرتؐ نے ان ہی کے پاس نماز ادا فرمائی جبکہ آنحضرتؐ کے ساتھ سو مسلمان تھے۔ کہا گیا آنحضرتؐ عمرو بن عوف کے پاس چودہ روز رہے۔ جمعہ کی نماز کے بعد آنحضرتؐ نے اپنی سواری طلب فرمائی اور اس پر سوار ہو گئے۔ اس وقت آنحضرتؐ کے چاروں طرف مسلمان جمع تھے اور سب کے سب ہتھیاروں سے مسلح آنحضرت کو دائیں اور بائیں جانب سے گھیرے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ انصار کے جس قبیلے سے بھی گزرتے وہ لوگ آنحضرتؐ سے چمٹ جاتے اور کہتے کہ اے نبی خداؐ! تشریف لایئے آپ کے لئے خوشدلی، کشائش، قوت، حفاظت اور دولت سب کچھ حاضر ہے۔ پس آنحضرتؐ ان کے لئے دعائے خیر فرماتے اور فرماتے کہ سواری کو چلنے دو کیونکہ یہ احکام کی پابند ہے۔ چنانچہ وہ آپ کو لئے ہوئے چلتی رہی۔ جب بھی آپ کسی قبیلے سے گزرتے وہ لوگ اس کی نکیل تھام کر ان کے درمیان اترنے پر اصرار کرتے لیکن آنحضرتؐ منع فرماتے رہے یہاں تک کہ وہ اس مقام پر رک گئی جہاں اس وقت آنحضرتؐ کی مسجد ہے۔

اب خالد بن زید بن کلیب جو ابوایوب انصاری کے نام سے مشہور ہیں آئے اور وہ آنحضرتؐ کی کاٹھی اتار کر اپنے مکان میں لے گئے۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ سوار اپنی کاٹھی کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ ساتھ ہی اسعد بن زرارہ نے آ کر رسول اللہؐ کے اونٹ کی نکیل تھامی اور اس کو اپنے گھر لے گئے۔ زید بن ثابت کہتے ہیں کہ ابوایوب کے مکان میں سب سے پہلا ہدیہ رسول اللہؐ کی خدمت میں لکڑی کا ایک بڑا پیالہ تھا جس میں روٹی، روغن اور دودھ بھیگا ہوا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ یہ پیالہ میری ماں نے پیش کیا ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تم کو اور تمہاری ماں کو برکت عطا کرے۔ پھر آنحضرتؐ نے اپنے ساتھ والوں کو بلایا اور ان لوگوں نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد سعد بن عبادہ کا پیالہ آیا۔ چنانچہ کوئی رات ایسی نہ جاتی تھی کہ رسول اللہؐ کے دروازے پر تین یا چار افراد کھانا لئے ہوئے نہ ہوتے ہوں۔ لوگ اسی طرح کھانا لاتے رہے یہاں تک کہ رسول اللہؐ، ابوایوب کے گھر سے منتقل ہو گئے۔ یہاں آنحضرتؐ کا قیام سات مہینے رہا۔

آنحضرتؐ نے مربد کے متعلق دریافت فرمایا جو ابوایوب کے پڑوس میں ایک مقام تھا۔ معاذ بن عفرا نے آنحضرتؐ کو بتلایا کہ وہ بنی نجار کے دو یتیم لڑکوں کا ہے جو میری کفالت میں ہیں۔ ان میں سے ایک کو سہل اور دوسرے کو

سہیل کہتے ہیں۔ یہ سعد عمر بن عباد ثعلبہ بن غنم بن مالک کے بیٹے ہیں۔ معاذ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ میں ان دونوں کو اپنے پاس سے مال دے کر راضی کرلوں گا۔ اس مقام پر کھجوروں کے درخت اور زمانۂ جاہلیت کی کچھ قبریں تھیں۔ چنانچہ وہ کھجور کے درخت کاٹ ڈالے گئے اور قبریں کھود ڈالی گئیں اور وہاں مسجد بنادی گئی۔ اس کے بنانے میں آنحضرتؐ نے اور مہاجرین وانصار نے کام کیا۔ ان میں سے بعض لوگ رجز پڑھتے اور کہتے:

لئن قعدنا و النبی یعمل لذاک منا العمل المضلل

''اگر ہم بیٹھے رہتے اور نبی اکرمؐ کام کرتے ہوتے تو یہ گمراہ کن عمل ہوتا۔''

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ امام علیؑ رجز میں یہ پڑھتے تھے:

لا یستوی من یعمر المساجدا یدأب فیھا قائمًا و قاعدًا

ومن یری عن الغبار حائدًا

''وہ شخص جو مسجد تعمیر کررہا ہے تاکہ اس میں قیام وقعود کیا کرے اور وہ شخص جو گرد وغبار کے ڈر سے دور کھڑا تکتا رہتا ہے، برابر نہیں ہوسکتے۔''

عمار بن یاسرؓ نے ان سے اس کو اختیار کرلیا اور یہی رجز وہ بھی پڑھنے لگے۔ جب انہوں نے اس کو کثرت سے پڑھا تو اصحاب رسول اللہؐ میں سے ایک صحابی نے خیال کیا کہ وہ ان پر طنز کررہے ہیں۔ وہ ان سے کہنے لگے کہ اے ابن سمیہ تم جو کچھ آج دن میں پڑھتے رہے ہو میں اس کو خوب سنتا رہا ہوں۔ قسم بخدا! مجھے تو یہ دکھائی دے رہا ہے کہ میں ڈنڈا تمہاری ناک پر دے ماروں گا۔ وہ صاحب ہاتھ میں ایک ڈنڈا لئے ہوئے تھے۔ ابن ہشام نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ ابن اسحٰق نے اس شخص کا نام بھی بیان کیا ہے جس نے یہ خیال کیا تھا کہ عمار اس پر طنز کررہے ہیں اور سیرت ابن ہشام کی پہلی جلد کی تعلیقات میں صراحت کی ہے وہ شخص جس کا نام ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے عثمان بن عفان تھے۔ یہ گفتگو ان کے اور عمارؓ کے درمیان ہوئی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ وہ شخص عثمان ہی تھے خواہ وہ ابن مظعون ہوں جیسا کہ بعض لوگوں نے خیال ظاہر کیا ہے یا کوئی اور مسلمان ہو۔ کسی نے ان کے نام ونسب کی تصریح میں پس وپیش نہیں کیا ہے۔ جب رسول اللہؐ نے عثمان بن عفان کی عمارؓ سے کہی ہوئی بات سنی تو آپ کو غصہ آگیا اور آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے اور عمار کے درمیان کیا ہورہا ہے؟ عمارؓ یقیناً ان کو جنت کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور وہ لوگ ان کو جہنم کی طرف بلا رہے ہیں۔ عمار وہ ہیں کہ ان کی حیثیت میری آنکھوں اور ناک کے درمیانی حصہ کی مانند ممتاز ہے۔

اپنے اسی قول کے دوران رسول اللہؐ نے ان واقعات کی جانب اشارہ فرمایا ہے جو عمارؓ کو عہد معاویہ وعثمان میں پیش آنے والے تھے اور وہ ظلم وستم جو اُن پر خلافت امویہ کے زمانہ میں زیادہ شدید ہوگئے۔ ہم نے عمار کی زندگی کے ایک گوشے کا ذکر اور حق اور اہل حق کی موافقت میں ان کے پُرعزم طرزِ عمل کا ذکر اس فصل میں کیا ہے جس میں ہم نے عمار کے

اسلام لانے اور اللہ کی راہ میں ایذائیں دیئے جانے کو بیان کیا ہے۔ سیرت نگاروں نے ابوایوب انصاری سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ جب رسول اللہؐ ہمارے پاس تھے تو ہم ان کا رات کا کھانا تیار کرالیا کرتے تھے۔ جب آنحضرتؐ اپنا بچا ہوا کھانا واپس فرماتے تو میں اور ام ایوب، آنحضرتؐ کے ہاتھ لگنے کی وجہ سے کھانے کو باعث برکت سمجھتے تھے۔ پس ہم حصول برکت کے لئے آنحضرتؐ کا بچا ہوا کھالیا کرتے تھے۔ ایک رات جب ہم نے آنحضرتؐ کو کھانا بھیجا اور اس میں ہم نے پیاز اور لہسن بھی رکھ دیا تو آنحضرتؐ نے وہ واپس کردیا اور ہم نے اس میں آنحضرتؐ کے ہاتھ لگنے کا کوئی نشان نہ پایا تو میں روتا ہوا آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ نے کھانا واپس فرما دیا اور مجھے اس میں آپ کے ہاتھ لگنے کا کوئی نشان نہ دکھائی دیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھ کو اس میں پودے کی بومحسوس ہوئی اور میں ایسا شخص ہوں جو قریب سے باتیں کرتا ہوں۔ البتہ تم لوگ اس کو کھاؤ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے کھالیا اور اس کے بعد سے ہم نے کبھی آنحضرتؐ کے لئے ایسا کھانا تیار نہیں کیا جس میں لہسن اور پیاز ہو۔

رسول اللہؐ نے ابوایوب انصاری کے یہاں ربیع الاول سے اگلے سال کے ماہ صفر تک جب تک مسجد اور مکانات کی تعمیر مکمل ہوئی قیام فرمایا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ اپنی زوجہ زمعہ بنت اسود کے ساتھ منتقل ہوگئے۔ یہ پہلی خاتون تھیں جن سے آنحضرتؐ نے حضرت خدیجہؓ کے بعد تزویج فرمائی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے ابوایوب کے پاس سات مہینے قیام فرمایا جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ اس علاقے میں جہاں آنحضرتؐ نے قیام فرمایا اوس کے بعض قبیلوں کے علاوہ اسلام پوری طرح پھیل گیا۔

تاریخ ابن کثیر میں ہے کہ جب رسول اللہؐ نے مسجد تعمیر کی تو آنحضرتؐ یہ کام دوسروں کے ساتھ ان ہی میں سے ایک فرد کی حیثیت سے کرتے رہتے تھے۔ البتہ لوگوں نے آنحضرتؐ کے لئے حضرت موسیٰؑ کے چھتہ کی طرح ایک چھتہ تیار کردیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حسن سے دریافت کیا کہ حضرت موسیٰؑ کا چھتہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ حضرت موسیٰؑ ہاتھ بلند فرماتے تھے تو وہ چھت کو جالگتا تھا۔ کچھ مدت کے بعد بعض انصار نے کچھ مال جمع کرکے ارادہ کیا کہ اس میں کچھ تبدیلیاں کریں اور اس کی دیواریں بلند کردیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! اس مسجد کو بنا کر اس کو مزین کرلیجئے۔ ہم کب تک ان شاخوں کے نیچے نماز ادا کرتے رہیں گے۔ آنحضرتؐ نے انکار فرما دیا اور کہا کہ مجھ کو اپنے بھائی موسیٰؑ سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ابن کثیر نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ رسول اکرمؐ کے زمانے میں اس کی دیواریں کھجور کے تنوں کی تھیں اور ان کے اوپر کھجور کی شاخوں سے سایہ کردیا گیا تھا۔ بعد میں حضرت ابوبکر کی خلافت کے دور میں یہ خراب ہوگئی تو انہوں نے اس کو کھجور کے تنوں اور شاخوں سے اسی طرح تعمیر کردیا جیسی زمانۂ رسولؐ میں تھی۔ پھر حضرت عثمان بن عفان کے زمانے تک اسی طرح رہی تاآنکہ انہوں نے اس کو نقش دار پتھروں سے بنوادیا اور اس کو خوب بڑا کردیا۔

ابن کثیر کا کہنا ہے کہ جیسی مسجد حضرت عثمان نے بنادی تھی اسی حالت میں عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک رہی تب انہوں نے مدینہ آکر اپنے گورنر ولید بن عبدالملک کو حکم دیا تو اس نے اس کو بڑھا دیا اور اس کے اندر وہ حجرہ بھی داخل

کرلیا جس میں نبی اکرمؐ اور پہلے دو خلیفہ دفن کئے گئے تھے۔ بعد میں اس میں قبلہ کی جانب اور وسعت دی گئی۔ اس کے بعد انہوں نے پلٹ کر مسجد کی تعمیر کے اس پہلے مرحلہ کا ذکر کیا ہے جس کو نبی اکرمؐ نے پورا فرما دیا تھا۔ نیز عمار کا، ان کے ولولے کا اور کام میں پیش پیش رہنے کا اور ان اوزاروں کے لائے جانے کا ذکر کیا ہے جن سے مسجد تعمیر کی گئی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے جبکہ عمار دو دو اینٹیں اٹھایا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہؐ سے کہا کہ لوگ مجھ پر وہ بار ڈالتے ہیں جو وہ خود نہیں اٹھاتے۔

ام اسلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہؐ کو دیکھا کہ آپ کانپ رہے تھے اور کدال آپ کے ہاتھ میں تھی۔ آپ قوی الجثہ شخص تھے اور فرما رہے تھے کہ وائے ہوا ے ابن سمیہ! یہ لوگ وہ نہیں ہیں جو تم کو قتل کریں گے۔ تم کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ ایک دوسری روایت میں انہوں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے ان سے کہا کہ ان لوگوں کے لئے ایک صلہ ہے اور تمہارے لئے دو صلے ہیں۔ دنیا میں تمہاری آخری پینے کی چیز دودھ ہوگا اور تم کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم ان لوگوں کو جنت کی طرف دعوت دے رہے ہو اور وہ لوگ تم کو جہنم کی طرف بلا رہے ہیں۔ اس پر ابن کثیر نے ان روایتوں کو نقل کرنے کے بعد یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ آنحضرتؐ کی نبوت کی دلیلوں میں سے ہے کیونکہ ان کو جنگ صفین میں اہل شام نے قتل کیا جبکہ وہ امام علیؑ اور اہل عراق کی طرف تھے لیکن ابن کثیر کہتے ہیں کہ گو اہل شام باغی تھے اور امام علیؑ حق پر تھے اور معاویہ سے زیادہ خلافت کے حقدار تھے، پھر بھی یہ لوگ اس معاملے میں جس میں انہوں نے عمارؓ کو قتل کرنے اور امام علیؑ سے جنگ کرنے کے لئے حکم تلاش کیا وہ مجتہد کی حیثیت میں تھے اور ہر مجتہد صحیح حکم ہی پر نہیں پہنچتا۔ البتہ صحیح حکم حاصل کرنے والے کے لئے دو صلے ہوتے ہیں اور غلط حکم والے کے لئے ایک صلہ ہوتا ہے۔

یہ حدیثیں جن کو ابن کثیر نے نقل کیا ہے ان بیشتر مؤرخوں اور سیرت نگاروں نے نقل کی ہیں جنہوں نے نبی اکرمؐ کے مدینہ میں داخل ہونے کے لئے ابتدائی ایام میں مسجد کی تعمیر کو بیان کیا ہے اور یہ تقریباً متفق علیہ ہے۔ پھر بھی باوجودیکہ ابن کثیر نے اب کی اسی صراحت کے ساتھ مانا ہے جو ہم نے بیان کی ہے اور یہ بھی مانا ہے کہ اہل شام اور ان کے سردار معاویہ، عمارؓ کے قتل کرنے اور امام علیؑ سے جنگ کرنے میں باغی تھے اور یہ کہ عمارؓ ان کو جنت کی طرف بلا رہے تھے جبکہ معاویہ اور ان کی جماعت والے عمار کو جہنم کی طرف بلا رہے تھے۔ اس کے باوجود وہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ مجتہد تھے اور انہوں نے امام علیؑ سے جنگ کرنے اور عمارؓ کو قتل کرنے میں جو جنت کی طرف بلا رہے تھے، حق تک پہنچنے میں خطا کی۔

اس معاملہ میں حیرتناک پہلو یہ ہے کہ جہنم کی طرف دعوت دینے والوں کے لئے بھی اس دعوت دینے کا اجر ہے

۱۔ نبی اکرمؐ کے اس قول سے کہ "ان کیلئے ایک صلہ ہے اور تمہارے لئے دو صلے ہیں" وہ لوگ مراد ہیں جو عمارؓ کے ساتھ مسجد کی تعمیر میں شریک تھے۔ عمارؓ کیلئے دو صلے اس لئے تھے کہ وہ دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے اور دوسروں کے لئے ایک صلہ تھا کیونکہ وہ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے۔

اور جب وہ عمار کے قتل کرنے پر اجر کے حقدار ہوئے تو یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ نبی اکرمؐ ان لوگوں کو باغی کہیں اور ان کو جہنم کی طرف دعوت دینے والا قرار دیں۔ حالانکہ قرآن کریم نے باغیوں اور جہنم کی طرف دعوت دینے والوں کو ذلت اور سخت عذاب سے متنبہ کیا ہے۔ جیسا کہ اہلسنت نے اپنے مجموعہ ہائے احادیث میں ایسی بکثرت حدیثیں روایت کی ہیں جو ایسے امام شرعی کے مخالف کو جس پر عوام الناس نے اتفاق کرلیا ہو ڈراتی ہیں کہ اس کا ٹھکانہ بُرا ہوگا خواہ وہ مخالف کوئی ہو۔

چنانچہ صحیح مسلم، جلد ۶، صفحہ ۲۲، ۲۵ میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ عنقریب چھوٹے چھوٹے واقعات رونما ہوں گے۔ پس جو کوئی اس امت میں اور اس کے معاملات میں تفرقہ ڈالے اس کو تلوار سے مار ڈالنا خواہ وہ کوئی ہو۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس کو قتل کر ڈالنا۔ مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر تمہارے معاملات ایک شخص پر مجتمع ہوں اور کوئی شخص آ کر تمہاری وحدت کو شکستہ کرنا چاہے اور تمہاری جمعیت میں تفرقہ ڈالنا چاہے تو اس کو قتل کر ڈالو۔ اس کو حاکم نے مستدرک میں، بیہقی نے اپنی سنن میں، صاحب تیسیر الوصول نے جلد ۶، صفحہ ۲۵ میں اور محلی جلد ۹، صفحہ ۳۶۰ میں روایت کیا ہے۔ (الغدیر، جلد ۱۰، صفحہ ۲۷ و ۲۸)

صحیح بخاری، باب السمع والطاعہ لاامام میں نبی اکرمؐ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کسی کے لئے یہ روا نہیں ہے کہ وہ جماعت میں تفرقہ ڈالے ورنہ جب وہ مرے گا تو جاہلیت کی موت مرے گا۔ آنحضرتؐ سے یہ بھی روایت ہے کہ اگر کوئی شخص ایک امام کی بیعت کرکے اس کو اپنے ہاتھ کی دستک اور اپنے دل کا پھل دیدے تو اس کو چاہئے کہ اگر ہوسکے تو اس کو کھانا کھلایا کرے۔ پس اگر کوئی شخص اس سے جھگڑا کرے تو اس دوسرے شخص کی گردن ماردو۔ بخاری نے خود معاویہ کے طریق سے روایت کیا ہے کہ جو کوئی جماعت میں تفرقہ ڈالے خواہ بالشت بھر ہی سہی جہنم میں جائے گا۔ (الغدیر، علامہ امینی، جلد ۱، صفحہ ۲۷۳ تا ۲۷۵)

اسی قسم کی اور بکثرت روایات ہیں جو اہلسنت کی صحیحوں اور مجموعوں میں بھری پڑی ہیں۔ ہم ان کو مشکوک قرار دیتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ایک خاص مقصد سے گھڑی گئی ہیں۔ لیکن ہم ان لوگوں سے اسی منطق کا مطالبہ کرتے ہیں جس کی بنا پر یہ لوگ ان حدیثوں سے وابستہ رہتے ہیں اور ان کے سہارے سے دوسروں سے برسرپیکار رہتے ہیں۔

یہ لوگ امام علیؑ کی خلافت اور اس کی صحت پر زور دیتے ہیں اور اس پر بھی کہ معاویہ نے ان کے اور عمارؓ کے خلاف بغاوت کی۔ یہ لوگ نبی اکرمؐ سے اس حدیث کے وارد ہونے کو صحیح مانتے ہیں جو بتلاتی ہے کہ عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ عمارؓ ان لوگوں کو جنت کی طرف بلارہے ہوں گے اور وہ لوگ ان کو جہنم کی طرف بلارہے ہوں گے۔ یہ لوگ مانتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جو کوئی جماعت سے الگ ہوکر شرعی امام پر حملہ آور ہو اس کا قتل واجب ہے اور وہ اہل جہنم میں سے ہے۔ اس کے باوجود ابن کثیر اور دوسرے اہلسنت کہتے ہیں کہ معاویہ مجتہد تھا اور اس کو امام شرعی علیؑ سے جنگ کرنے اور عمارؓ کو قتل کرنے کا، جو جنت کی طرف بلانے والے تھے اجر وثواب ملے گا۔ اللہ نے کیا سچ کہا ہے:

فَاِنَّهَا لاَ تَعْمَى الاَ بْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ''بیشک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں کے اندر دل ہیں جو اندھے ہوا کرتے ہیں۔'' (سورۂ حج: آیت ۴۶)

جب مسجد کی تعمیر پوری ہوگئی تو رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ آپ کے لئے ایک منبر بنایا جائے۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کے لئے منبر تیار کردیا اور آنحضرتؐ نے اس پر سے ان لوگوں کو خطاب کیا۔ سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ یہ پہلا خطبہ تھا جو آنحضرتؐ نے دیا۔ اس میں آنحضرتؐ نے اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: اے لوگو! اپنے آپ کے لئے کچھ بھیجتے رہو۔ قسم بخدا تم میں سے کوئی ایک یکا یک موت کا شکار ہوجائے گا اور اپنی بھیڑ بکریوں کو اس طرح چھوڑ جائے گا کہ ان کا کوئی رکھوالا نہ ہوگا۔ پھر اس حالت میں کہ نہ کوئی اس کی طرف سے بولنے والا ہوگا، نہ کوئی اس کی حمایت کرنے والا ہوگا۔ اللہ اس سے سوال کرے گا کہ کیا تیرے پاس میرا کوئی رسول نہیں آیا کہ وہ تجھ کو احکام پہنچاتا؟ میں نے تجھ کو دولت دی اور تیرے اوپر فضل کیا لیکن تو نے اپنے لئے کچھ نہ بھیجا۔ تب وہ دائیں بائیں نظر ڈالے گا لیکن کچھ نہ دیکھ پائے گا۔ پھر اپنے آگے کی طرف نظر ڈالے گا لیکن جہنم کے سوا کچھ نہ دیکھے گا۔ پس جو کوئی اتنی قدرت رکھتا ہے کہ اپنے چہرہ کو آتش جہنم سے بچائے خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی سے سہی اس کو ضرور ایسا کرلینا چاہئے۔ جس کے پاس یہ بھی نہ ہو تو وہ کلمۂ طیبہ کے ذریعے سے ایسا کرے کیونکہ اس کے ذریعے سے ایک نیکی کا بدلہ دس ویسی نیکیوں سے ملے گا جو سات سو گنا تک ہوں گی۔ آنحضرتؐ کا دوسرا خطبہ اس سے زیادہ بڑا تھا۔ اس میں آنحضرتؐ نے لوگوں کو توحید، قرآن سے وابستگی، الفت ومحبت، اپنی اپنی جان کے جہاد، گفتار میں راست گوئی، اللہ سے کئے ہوئے وعدوں پر قائم رہنے اور ان کے علاوہ جو کچھ حالات و مصلحت کا تقاضا تھا اس کی طرف دعوت دی۔ اسی طرح آنحضرتؐ بعد کے آنے والے خطبوں میں آپ لوگوں کو قدم بہ قدم اسلام کی تعلیمات ومقاصد کی طرف جیسے جیسے مصلحت کا تقاضا ہوا لے جاتے رہے۔

مہاجرین و انصار کے درمیان اخوت

اس سے پہلے نبی اکرمؐ نے مکہ میں مہاجرین کے درمیان ہجرت سے قبل مواخات قائم کی تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کو بھائی بھائی قرار دیا۔ حمزہؓ اور زید بن حارثہؓ کو، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور عثمان بن عفانؓ کو، زبیر بن عوامؓ اور ابن مسعودؓ کو اور اسی طرح اوروں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا تھا۔ البتہ علیؑ کو چھوڑ دیا تھا اور ان سے فرمایا تھا: ''اے علیؑ! کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تم میرے بھائی ہو؟'' انہوں نے جواب دیا: ''ضرور خوش ہوں یارسول اللہؐ''۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ پس تم میرے بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ بعض لوگوں کو یہ بھائی بھائی قرار دیا جانا اچھا نہیں لگا خصوصاً نبی اکرمؐ کا امام علیؑ کے ساتھ بھائی قرار دیا جانا۔ جس شخص نے اس بھائی بھائی قرار دیئے جانے کو ناپسند کیا اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ آنحضرتؐ نے امام علیؑ کو خود اپنے لئے منتخب فرمایا اور ان کو اس بلند مرتبے سے مخصوص فرمایا جبکہ اس شخص کو چھوڑ دیا اور عام لوگوں کے ساتھ چسپاں کردیا۔ لیکن ناپسند کرنے والوں کی ناپسندیدگی اس کو مشکوک نہیں بناتی۔ کیونکہ بھائی بھائی قرار دیئے جانے کی حدیث متواتر حدیثوں کی سب سے زیادہ خصوصیات کی حامل ہے۔

استاد غزالی نے اپنی کتاب فقہ السیرت میں بھائی بھائی کا رشتہ قرار دیئے جانے کو پیش کر کے یہ بھی مانا ہے کہ

آنحضرتؐ نے اپنے اور امام علیؑ کے درمیان بھائی بھائی کا رشتہ قرار دیا تھا لیکن یہ کوشش بھی کی ہے کہ امام علیؑ کو بھائی قرار دینے والی حدیث میں شک پیدا کردیں۔ چنانچہ نبی اکرمؐ کے امام علیؑ کو بھائی قرار دینے والی حدیث بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ علماء میں ایسے بھی ہیں جو رسول اکرمؐ کے امام علیؑ کو بھائی قرار دیئے جانے میں شک کرتے ہیں لیکن یہ صحیح روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے امام علیؑ کو اپنے آپ سے اس منزلت پر قرار دیا جو حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھی، اس روایت کی تائید کرتی ہے اور یہ حضرت ابوبکر کے مرتبے کو اور اسلام میں ان کی حیثیت کو متاثر نہیں کرتی۔

استاد شیخ محمد ناصرالدین البانی پر بھی جنہوں نے فقہ السیرۃ کی چھٹی طبع پر تعلیق لکھی ہے یہ شاق ہوا کہ بھائی بھائی قرار دیئے جانے کی حدیث سے جو کچھ ان کے دل میں شیعوں کے خلاف ہے اس کو ظاہر کئے بغیر اور ان کے راویوں اور محدثوں کو جھوٹا کہے بغیر گزر جائیں تاکہ اس سے یہ نتیجہ نکالیں کہ امام علیؑ کو بھائی قرار دینے والی حدیث صرف شیعہ راوی سے ثابت ہوتی ہے اور وہ حکیم بن جبیر یا جمیع بن عمیر ہے اور دونوں پر وحید نے عیب لگایا ہے کہ ان دونوں پر شیعہ ہونے کا الزام ہے۔ چنانچہ البانی نے نبی اکرمؐ کے امام علیؑ کو بھائی قرار دینے کے بارے میں نقل کیا ہے کہ حکیم بن جبیر کمزور راوی ہے جس پر شیعہ ہونے کا الزام ہے اور جمیع بن عمیر رافضی ہے جو حدیث گھڑتا ہے۔ پھر اس پر ابن حبان سے یہ روایت اضافہ کی ہے کہ عمیر سب سے زیادہ جھوٹا شخص تھا۔ (فقہ السیرۃ از غزالی، صفحہ ۱۹۵)

اہلسنت کے بیشتر محدثین اور علماء کے نزدیک کسی حدیث کو جھوٹا یا ضعیف قرار دینے کے لئے محض یہی کافی ہوتا ہے کہ اس کے راوی پر علیؑ و اولاد علیؑ کی پیروی کا الزام ہے۔ اگر کوئی شیعہ امام علیؑ کو خلفائے ثلاثہ پر افضل قرار دیتا ہے اور ان کے رسولؐ کے بعد خلافت کا سب سے زیادہ حقدار ہونے کا قائل ہے تو وہ رافضی ہے اور بیشتر محدثوں کے نزدیک خبیث اور جھوٹا ہوتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اگر نبی اکرمؐ اپنے اور عثمان یا ابوبکر کے مابین بھائی بھائی کا رشتہ قرار دیتے بلکہ اگر یہ بھی روایت وارد ہوتی کہ آنحضرتؐ نے اپنے اور ابوسفیان کے درمیان بھائی بھائی کا رشتہ قرار دیا ہے تو البانی اس پر سے کوئی تردد یا شک محسوس کئے بغیر گزر جاتے خواہ اس کا راوی شیعہ، رافضی اور خبیث ہی ہوتا۔

لیکن بھائی بھائی قرار دینے والی احادیث کی مشکل یہ ہے کہ انہوں نے تمام آدمیوں کی طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو بھی چھوڑ دیا ہے اور رشتہ علیؑ اور رسول اللہؐ کے مابین قائم کیا ہے۔ البانی اور ان کے علاوہ دوسرے بغض رکھنے والے امام علیؑ کے لئے یہ امتیاز برداشت نہیں کرسکتے حالانکہ یہ معلوم ہے کہ بھائی بھائی کا رشتہ قرار دینے کو سیرت نبویؐ کے تمام لکھنے والوں مثلاً ابن اسحٰق، ابن ہشام، حلبی اور زینی دحلان وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ مؤرخین میں سے طبری، ابن اثیر، ابن کثیر، یعقوبی اور ابوالفدا وغیرہ۔ اسی طرح محدثین نے اس کو روایت کیا ہے مثلاً ترمذی نے اپنی صحیح کی جلد۲، صفحہ ۲۹۹ پر ابن عمر کی سند سے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہؐ نے اپنے اصحاب کی درمیان بھائی بھائی کا رشتہ قائم کیا تو امام علیؑ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے آنحضرتؐ کے خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! آپ نے اپنے اصحاب کے

مابین بھائی بھائی کا رشتہ قرار دیا لیکن میرے اور کسی کے درمیان یہ رشتہ قرار نہیں دیا۔ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ تم میرے بھائی ہو دنیا و آخرت میں۔ اس کو حاکم نے جلد۳، صفحہ۱۴ پر روایت کیا ہے۔[1] عبدالرؤف مناوی نے کنوز الحقائق میں، ابن ماجہ نے اپنی صحیح میں صفحہ۱۲، عباد بن عبداللہ سے اور انہوں نے امام علیؑ سے روایت کیا ہے۔ عباد نے آپ سے جو روایت کیا ہے اس میں ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول اللہؐ کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں۔ میرے بعد اس کو صرف وہی استعمال کرے گا جو بڑا جھوٹا ہوگا۔ اسی طرح اس کو نسائی نے اپنی خصائص جلد۳، صفحہ۱۸ پر، علی متقی ہندی نے کنز العمال جلد۹، صفحہ۳۹۴ پر، جلال الدین سیوطی نے اللہ کے اس قول کی تفسیر میں بیان کیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔''

نیز بیہقی، عقیلی، سعید بن منصور اور ابن عساکر نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور اسی طرح دسیوں محدثین اور راوی ہیں جنہوں نے بھائی بھائی قرار دینے کی احادیث کو صحابہ اور دوسرے افراد سے روایت کیا ہے اور اس کے بارے میں کسی نے شک نہیں کیا سوائے البانی، ابن تیمیہ اور ان کے علاوہ ان افراد کے جن کو تعصب نے حق کو دیکھنے سے اندھا کر دیا ہے۔

بہرحال یہ جو طبقات ابن سعد میں ہے اور اسی کو سید امین نے اعیان الشیعہ میں بنیاد قرار دیا ہے کہ وہ بھائی بھائی کا رشتہ جو نبی اکرمؐ نے اپنے مہاجر اصحاب میں آپس میں اور مہاجرین اور انصار کے درمیان قائم کیا تھا وہ ہر دو بھائیوں کے درمیان تمام لازمی اثرات کا حتیٰ کہ اولاد اور آل کے بجائے وراثت تک کا باعث قرار پا گیا تھا اور یہ حالت قائم رہی یہاں تک کہ اس حکم کو منسوخ کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی:

وَاُولُى الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ ''اور خونی رشتہ دار کتاب خدا کے مطابق ایک دوسرے سے برتر ہیں۔'' (سورۂ انفال: آیت۷۵)

صحیح نہیں ہے اور اس کا کوئی قابل اعتبار ماخذ نہیں ہے۔ دراصل بھائی بھائی کے رشتہ کے قصہ کا مقصد مسلمانوں کے درمیان تعلقات کو مضبوط کرنا اور بھائی بھائی کے اس رشتہ کے ذریعہ جو نبی اکرمؐ نے مدینہ اور مکہ میں قائم فرمایا تھا، مستحکم کرنا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ نبی اکرمؐ نے مدینہ کی جانب ہجرت کے بعد مسلمانوں میں مہاجرین وانصار کے مابین بھائی بھائی کا رشتہ قرار دیا اور ان کے درمیان اسلام اور ایمان کا تعلق قائم کرکے اس کو خون کے رشتے اور حلفیہ معاہدوں سے زیادہ قابل اعتماد قرار دیا ہے۔ بھائی بھائی کے اس رشتہ کے ذریعے ان کے مشترک مقصد اور غایت کی وحدت پر زور دیا یعنی یہ کہ وہ لوگ نہ کسی سے محبت کریں، نہ نفرت کریں، نہ کسی سے خوش رہیں، نہ ناراض رہیں۔ مگر صرف اللہ کے لئے اور اللہ کی راہ میں۔ آنحضرتؐ چاہتے تھے کہ ہر شخص دوسرے کو اسی نظر سے دیکھے جیسے اپنے نسبتی بھائی کو دیکھتا ہے۔ اسی کے احساس کی

۱۔ ظاہراً مستدرک صحیحین کی روایت میں کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے ابوبکرؓ وعمرؓ کے درمیان اخوت قائم کی۔ یہ وہ رشتہ ہے جو مکہ میں قائم کیا گیا ہے کیونکہ دوسری بار یہ رشتہ مدینہ میں مہاجرین وانصار کے مابین قائم کیا گیا تھا جس کو ہم عنقریب بیان کریں گے۔

طرح اس کے دکھ اور خوشی کو محسوس کرے اور آرام اور تکلیف میں اس کا شریک رہے۔ اس میں شک نہیں کہ مہاجرین اور انصار کے مابین بھائی بھائی کے اس رشتہ کے قائم کرنے کا ایک گہرا مقصد تھا جو نبی اکرمؐ کی دور بینی اور گہرے فکر کا ثبوت مہیا کرتا رہے کیونکہ مہاجر آ کر ایسے لوگوں کے مہمان ہوئے تھے جن سے ان کا کسی قسم کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔ عرب ایک دوسرے پر تشدد کرتے رہتے تھے۔ مدینہ کے باشندوں، اوس اور خزرج کے درمیان پرانی لڑائی اور انتقامی کاروائیاں چل رہی تھیں اور ان کے درمیان آئے دن یا تو دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کے ادا کئے ہوئے فقرہ پر یا کسی معمولی حرکت کے باعث جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ جبکہ اسلام عمل کی تیزی اور محنت کی سختی کی طرف لے جاتا ہے جس کا سب سے پہلا مطالبہ کینوں کو بھلا دینا، صفوں میں بندش قائم رکھنا اور مقصد اور غایت کی وحدت کو برقرار رکھنا ہے۔

علاوہ بریں مدینہ آنے والے اپنے پیچھے مکہ میں سب کچھ چھوڑ آئے تھے اور ان میں سے بیشتر کے پاس روزانہ کی خوراک بھی نہ ہوتی تھی۔ اس بھائی بھائی کے رشتے میں انصار کے دلوں میں اپنے آنے والے بھائیوں کے بارے میں ذمہ داری کا احساس قائم کر دیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے ان کو خود اپنے آپ پر ترجیح دی اور ان کے لئے کثرت سے پیداواری محنت کے وسائل مہیا کر دیئے۔ ان میں سے بیشتر چند گنے چنے برسوں میں مدینہ کے متمول باشندوں کے برابر ہو گئے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے بھائی بھائی کا رشتہ اس طرح قائم فرمایا یعنی حضرت ابوبکر اور خارجہ بن زہیر خزرجی کے درمیان، حضرت عمر بن خطاب اور بنی سالم بن عوف کے عتبان بن مالک کے درمیان، عامر بن عبداللہ عرف ابوعبیدہ بن جراح کے اور سعد بن معاذ کے درمیان، عبدالرحمٰن بن عوف کے جن کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا اور بعد میں مدینہ کے دولتمند فرد ہو گئے اور سعد بن ربیع خزرجی کے درمیان، زبیر بن عوام اور بنی عبدالاشہل کے سلامہ بن سلامہ بن وقش کے درمیان، حضرت عثمان بن عفان اور بنی نجار کے اوس بن ثابت کے درمیان اور طلحہ بن عبداللہ اور بنی نجار کے کعب بن مالک کے درمیان لیکن امام علیؑ کو چھوڑ دیا اور ان کے اور کسی کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم نہیں کیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ ''تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔'' ابن ہشام نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اس طرح سید المرسلین خاتم النبیین محمد رسول اللہؐ اور امام علیؑ ابن ابی طالبؑ دونوں بھائی بھائی ہو گئے۔

محدثین کے ایک گروہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔ تمہارے علاوہ اس کا دعویٰ صرف وہ کرے گا جو جھوٹا ہوگا۔ اس طرح مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی بھائی کے رشتہ کا قیام تکمیل کو پہنچا اور ہر مسلم انصاری کو اپنے مہاجر بھائی کے لئے حقوق اخوت کا احساس پیدا ہو گیا۔ وہ اپنی ضروری خوراک تک میں اس کے ساتھ تسلی آمیز سلوک کرنے لگا۔ وہ تعلقات جو لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتے تھے گھل گئے اور ان کی جگہ اس بھائی چارے یعنی اسلام اور حقوق کے بھائی چارے اور مشترک روی نے لے لی۔ اس اخوت کا دور دورہ ان تمام فتوحات میں کارفرما رہا جو چند گنے چنے برسوں میں اسلام نے حاصل کر لیں۔ جب مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ اسلام کی روح کمزور پڑنے لگی تو اسلامی سلطنت میں بھی کمزوری پیدا ہو گئی یہاں تک کہ اسلام زوال کے اس درجے پر پہنچ گیا جہاں وہ آج ہے اور مسلمان دوسروں کے غلام ہو کر رہ گئے جبکہ وہ دنیا کے تمام علاقوں پر دبدبے سے حکمرانی کر چکے تھے۔

اذان اور اقامت

سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد اور سیرت حلبیہ وغیرہ میں ہے کہ اذان ہجرت کی ابتدا سے شروع ہوئی۔ مسلمان نماز کے اوقاتِ میں کسی کے بتائے یا اذان کے بغیر نبی اکرمؐ کے پاس جمع ہوجایا کرتے تھے۔ ابن سعد کی روایت میں سعید بن میبّب سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ایک آواز دینے والا مقرر کردیا تھا جو نماز کا وقت آنے پر آواز دیتا تھا۔

ابن ہشام نے اپنی سیرت میں روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہؐ مدینہ تشریف لے آئے اور آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہودی اپنے اجتماعات اور عبادتوں کے اوقات آنے پر اعلان کرنے کے لئے سنکھ کا استعمال کرتے تھے تو آپ نے بھی سوچا کہ آیا مسلمانوں کو نماز کے اوقات بتانے کے لئے سنکھ کا استعمال کریں۔ بعض لوگوں نے آنحضرتؐ کو اس مقصد کے لئے گھنٹہ کے استعمال کا مشورہ دیا۔ مسلمان اس معاملے پر آپس میں تبادلۂ خیال کرنے لگے۔ بعض لوگ یہودیوں کے سنکھ کو ترجیح دیتے تھے اور بعض عیسائیوں کے گھنٹے کو۔ یہ لوگ اس معاملے میں سرگرداں تھے کہ اتنے میں ایک خزرجی عبداللہ بن زید ثعلبہ بن عبدربہ نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں آکر بتایا کہ وہ رات میں سوئے اور نیند کی حالت میں انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو دو سبز کپڑوں میں ملبوس تھا اور اس کے ہاتھ میں سنکھ تھا۔ عبداللہ نے اس سے کہا کہ کیا تم اس سنکھ کو فروخت کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ تم اس کا کیا کروگے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس سے نماز کے لئے بلایا کریں گے۔ تب وہ بولا کہ میں تم کو اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ میں نے کہا کہ ضرور بتاؤ۔ اس نے کہا کہ اللہ اکبر اللہ اکبر اور اشھد ان لا الہ الا اللہ دو دو مرتبہ کہو اور اس نے اذان کے تمام صیغے جس طرح وہ مسلمانوں میں رائج ہیں بتلا دیئے۔

جب وہ نبی اکرمؐ سے اپنی بات ختم کرچکے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ سچا خواب ہے اور آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا اور انہوں نے اس کو سیکھ کر اسی کے طریقے پر اذان کہی کیونکہ وہ تمام مسلمانوں میں سب سے زیادہ خوش آواز تھے۔ جب بلال نے پہلی مرتبہ اذان کہی اور حضرت عمر بن خطاب نے سنی تو لپکے ہوئے نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگے کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، یارسول اللہؐ! میں نے بھی وہ دیکھا ہے جو عبداللہ بن زید بن ثعلبہ نے دیکھا ہے۔

ابن جریج کی روایت میں عطا سے مروی ہے کہ انہوں نے عبید بن عمر لیثی کو یہ کہتے سنا کہ جب نبی اکرمؐ اور آپ کے اصحاب اذان کے لئے ایک گھنٹہ کے استعمال کے بارے میں پس و پیش میں تھے تو حضرت عمر بن خطاب اس غرض کے لئے گھنٹہ خریدنے کے لئے چلے اور جب رات میں سوئے تو خواب میں اس شخص کو دیکھا جس نے ان کو اذان کی تعلیم دی تھی۔ وہ اس کی اطلاع دینے رسول اللہؐ کی خدمت میں گئے لیکن ان سے پہلے نبی اکرمؐ کے پاس وحی آچکی تھی اور آنحضرتؐ نے ان کو اذان سکھائی۔

البدایۃ والنہادیہ کی روایت میں آیا ہے کہ بنی نجار کی ایک عورت کہا کرتی تھی کہ میرا گھر مسجد نبوی کے چاروں طرف کے گھروں میں سب سے اونچا تھا۔ چنانچہ حضرت بلال ہر صبح کو نماز فجر کی اذان وہیں کہتے تھے۔ وہ قبل صبح آجاتے

اور گھر کی چھت پر بیٹھ کر صبح ہونے کا انتظار کرتے جب وہ اس کو پھیلتا ہوا دیکھتے تو اذان کہنا شروع کر دیتے۔ اذان کے معاملے میں اور بھی روایتیں وارد ہوئی ہیں۔

ابن کثیر نے اذان کی وہی حدیث جو ہم نے ان کے علاوہ دوسرے راوی سے بیان کی ہیں نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ سہیلی نے بزاز سے، زیاد بن منذر کی سند سے روایت کی ہے کہ انہوں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اور انہوں نے امام علیؑ سے روایت کی ہے کہ معراج کی رات میں نبی اکرمؐ نے پردے کے پیچھے سے فرشتے کو یہی اذان کہتے سنا تھا۔ اس کے بعد فرشتے نے آنحضرتؐ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا اور آنحضرتؐ نے امام کی حیثیت سے اہل آسمان کے ساتھ نماز ادا کی جس میں آدمؑ و نوحؑ اور دوسرے انبیاءؑ بھی شریک رہے۔ لیکن ابن کثیر نے اس حدیث کو اس دلیل سے ضعیف بتلایا ہے کہ اس کا راوی جارودیہ میں سے تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ ان لوگوں میں سے تھا جو جھوٹے مشہور تھے۔ اس پر انہوں نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ اگر یہ صحیح ہو کہ آنحضرتؐ شب معراج میں فرشتے کو پردے کے پیچھے سے آواز دیتے سنا تھا تو آنحضرتؐ نے اس کا حکم ہجرت سے قبل ہی دے دیتے اور پھر نماز کا اعلان کرنے کے لئے اس کو استعمال فرماتے رہتے۔

جو بھی صورت رہی ہو اس میں شک نہیں کہ اذان کے شروع کئے جانے کی حدیث جس شکل سے ابن ہشام، ابن سعد حلبی اور ابن کثیر نے روایت کی ہے وہ صحابہ کے زمانہ میں یا اس کے بعد منافقوں کی یا امویوں کی گھڑی ہوئی ہے تاکہ یہ ثابت کریں کہ آنحضرتؐ احکام جاری کرنے میں خوابوں پر اعتماد کیا کرتے تھے اور یہ کہ اس معاملے میں حضرت عمر بن خطاب، آنحضرتؐ کے ساتھ شریک رہتے تھے اور اذان میں حضرت عمر کے ساتھ عبداللہ بن یزید بھی شریک تھا کیونکہ ان دونوں نے نبی اکرمؐ کو اذان کے متعلق بتلایا تھا جیسا کہ ان دونوں نے خواب میں دیکھا تھا اور اس بارے میں وحی بھی ان دونوں کے مطابق نازل ہوئی تھی۔

گھڑنے والوں نے کوشش کی ہے کہ بعض احکام کے جاری کرنے میں حضرت عمر بن خطاب کو وحی میں شریک کریں جیسے پردہ وغیرہ کے احکام کا اجراء۔ جس کا بیان ہم آنے والی فصلوں میں کریں گے۔

یہ معلوم ہے کہ اذان اور اقامت شرعی مستحبات میں سے ہیں اور ان احکام میں سے ہیں کہ نہ نبی اکرمؐ ان کو کم اہم مان سکتے ہیں اور نہ ان میں پس وپیش کر سکتے ہیں۔ چہ جائیکہ دوسرے مسلمان۔ آنحضرتؐ کے فرائض رسول کی حیثیت سے احکام پہنچا دینے سے زیادہ نہیں اور حاکم کی حیثیت سے ان کے نفاذ سے زیادہ نہیں۔ آنحضرتؐ مسلمانوں کے معاملات کی مصلحت کے مطابق نگہداشت فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ آنحضرتؐ پر وحی نازل ہونے سے پہلے آپ اعلان کے طریقوں کے بارے میں غور فرما رہے ہوں۔ چنانچہ آنحضرتؐ پر اس طریقے سے وحی نازل ہوئی۔

سیرت حلبیہ میں ابن عمر اور امام زین العابدینؑ کے بارے میں آیا ہے کہ آپ دونوں اپنی اذان میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد حَيَّ عَلٰى خَيْرِ الْعَمَلِ کہا کرتے تھے۔

اعیان الشیعہ، جلد۶ میں ہے کہ بیہقی نے سنن میں اپنے طریقۂ سند سے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے پدر بزرگوار سے روایت کی ہے کہ امام زین العابدینؑ اپنی اذان میں حَيَّ عَلٰى خَيْرِ الْعَمَلِ کہا کرتے تھے۔

اسی طرح اس کو کچھ افراد نے عبداللہ بن عمر، سہل بن حنیف سے نیز صحابہ و تابعین کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے۔

روض النضیر ، جز۶، صفحہ۴۲ پر سعد الدین تفتزانی سے مختصر الاصول پر عضدی کے حاشیہ میں نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہؐ کے زمانہ میں حَیَّ عَلٰی خَیرِ الْعَمَلِ اذان میں قائم تھا اور یہ کہ حضرت عمر بن خطاب نے اس کو ترک کرنے کا اس خوف کی وجہ سے حکم دے دیا کہ لوگ نماز پر انحصار کرلیں گے اور جہاد ترک کر دیں گے۔

غزالی کی فقہ السیرۃ کے ضمیمے میں اس کو سنت قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ پہلی اذان میں دو مرتبہ اَلصَّلوٰۃُ خَیرٌ مِنَ النَّوْمِ کہنا سنت ہے اور اس کی سند طحاوی وغیرہ تک بتائی ہے۔ (فقہ السیرۃ، صفحہ۲۰۳)[۱]

کافی میں محمد بن عمیر سے اور انہوں نے حماد بن عیسیٰ سے اور انہوں نے منصور بن بی حازم سے اور انہوں نے امام ابوعبداللہ جعفر صادقؑ سے روایت کیا ہے کہ امامؑ نے فرمایا کہ جب جبرئیلؑ اذان لیکر رسول اللہؐ پر نازل ہوئے تو آنحضرتؐ کا سر امام علیؑ کی گود میں تھا۔ تب جبرئیلؑ نے اذان کہی، پھر اقامت کہی، جب رسول اللہؐ بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اے علیؑ! کیا تم نے یہ سنا؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بلالؓ کو بلاکر ان کو اذان کی تعلیم دے دو۔ اہلبیتؑ سے آئی ہوئی اذان کی کیفیت کے بارے میں تمام روایات کے مطابق اذان میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد حَیَّ عَلٰی خَیرِ الْعَمَلِ شامل ہے اور رسول اللہؐ کے زمانہ میں بھی یہی حال تھا جیسا کہ اہلسنت کے محدثوں کی ایک جماعت نے بھی اس پر زور دیا ہے۔ البتہ خلیفہ ثانی نے یہ پسند کیا کہ اذان میں سے اس فقرہ کو نکال دیا جائے تاکہ مسلمان نماز پر انحصار کرکے جہاد کو نہ چھوڑ بیٹھیں جیسا کہ سعد الدین تفتزانی کی عضدی کی شرح مختصر الاصول کے حاشیہ پر ان ہی سے نقل کیا ہے۔

مستقبل کے لئے تیاریاں

یہ معلوم ہوچکا ہے کہ یثرب میں نبی اکرمؐ نے جو کام سب سے پہلے انجام دیا وہ مسجد اور ضروری مکانات کی تعمیر تھی۔ اسلام میں مسجد میں ایک طرف لوگ عبادت اور نماز کا فریضہ ادا کرنے کے لئے جمع ہوتے تھے تو دوسری طرف وہ تعلیم کے لئے مدرسہ اور لوگوں کے جمع ہونے کی ایسی جگہ تھی جہاں لوگ اپنے دینی اور دنیاوی معاملات پر غور کرتے تھے اور غریبوں اور بے آسرا افراد کے لئے جن کے پاس مکان نہ ہو، جن کو پناہ دینے والا کوئی نہ ہو، جائے پناہ ہوتی تھی۔

چنانچہ نبی اکرمؐ نے ایک مقام ایسے بے آسرا افراد کے لئے مخصوص فرمادیا تھا جن کے پاس اپنے اللہ پر ایمان اور اسی کی طرف مکمل رجحان کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے کوشش فرمائی کہ مسلمان مہاجرین و انصار کے درمیان لین دین قائم ہو جائے اور جاہلیت کے زمانہ کی فرقہ بندیاں اور جھگڑے دور ہو جائیں جو انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں کارفرما تھے اور جو اُن کو جنگوں اور خونریزیوں کی طرف لے جایا کرتے تھے۔ جیسا کہ اوس اور خزرج کے درمیان کیفیت تھی

۱۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب کے لئے ممکن تھا کہ شریعت کے احکام جاری کریں اور جو کچھ وہ پسند کریں وہی سنت قرار پاجائے۔ حالانکہ نماز بعض اوقات نیند سے بہتر ہوتی ہے لیکن لاکھوں موقعوں پر نیند اس سے بہتر ہوتی ہے جب وہ اسلام کی بہتری کے لئے ہو۔ جیسے امام علیؑ کا بستر رسولؐ پر سونا کیونکہ اس کے نہ ہونے سے نہ نماز ہوتی نہ اسلام ہوتا۔

جو آئے دن خونریز جنگوں میں بھڑتے رہتے تھے، جن میں خون بھی بہتا تھا اور عزت اور دولت بھی برباد ہوتی تھی۔

تھوڑے ہی عرصے میں آنحضرتؐ زبردستی اور ناپسندیدگی کے بجائے دانشمندی اور اچھی نصیحت کے ذریعے ان لوگوں کے ذہنوں کو تعلیمات اسلام اور اپنی رسالت پر ایمان سے پُر کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اسی کے ساتھ آنحضرتؐ نے دوسرے ادیان کے پیروؤں کو یہ حق دیا کہ وہ ان ادیان کے مقاصد کی روشنی میں، اور ایک اللہ کی عبادت کی اور آخرت اور دنیا کے لئے عمل کرنے کی روشنی میں، جس کی طرف اسلام دعوت دیتا ہے تاکہ اس سے حیات انسانی منظم ہوسکے ہر فرد اس میں سے اپنا اپنا حصہ قانون شکنی اور غریبوں اور کمزوروں کی حق تلفی کے بغیر حاصل کرسکے، حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے آپس میں گفتگو، مناظرہ اور بحث کیا کریں۔

یثرب میں قیام کرنے کے بعد رسول اکرمؐ نے صرف اوس اور خزرج کے درمیان اور ان کے اور آپ کے ساتھ وہاں آنے والے مسلم اور مومن مہاجرین کے درمیان ہی تعاون اور بھائی بھائی کا رشتہ قائم فرمانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ نے بہت سخت کوشش فرمائی کہ یثرب کے تمام باشندوں یعنی مسلمان، مشرک اور اہل کتاب یعنی یہود کے درمیان جیسے کہ بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ جو اس کے قریب ہی رہتے تھے، وحدت قائم ہوجائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ ان میں آپس میں دشمنی اور فرقہ بندی پیدا ہوجائے اور کینے ان کو لپیٹ لیں اور پھر آپ دونوں خطروں سے دوچار ہوجائیں۔ ایک تو مقامی لوگوں کے بے قابو پن اور دشمنیوں کا خطرہ اور دوسرا قریش کا خطرہ، جن سے بچ کر آنحضرتؐ اور آپ کی رسالت پر ایمان لانے والے نکل آئے تھے۔

اگر آنحضرتؐ یہ تدبیر نہ فرماتے جس میں آپ نے انتہائی مہارت، قوت اور تجربہ کاری کا اظہار فرمایا اور جس کے ذریعے آنحضرتؐ نے مقامی باشندوں کے درمیان یگانگت پیدا کردی حالانکہ ان لوگوں میں موروثی دشمنیاں چل رہی تھیں، تو آپ کے یثرب میں ہوتے ہوئے بھی دعوت حق کے پھیلانے میں ایسی ایسی دشواریاں اور تکلیفیں پیش آتیں جو اُن سے کم نہ ہوتیں جو آپ گزشتہ تیرہ سالوں میں اٹھا چکے تھے اور نہ آپ کے لئے یہ ممکن ہوتا کہ وہ نمایاں فتوحات حاصل کرسکیں جن کی بدولت دعوت حق کے لئے چند گنے چنے برسوں میں پورے جزیرہ نمائے عرب میں پھیل جانا ممکن ہوگیا بلکہ جزیرہ نمائے عرب سے آگے بھی پھیل گئی تاکہ سرکشوں اور ظالموں کے تخت ہائے حکومت کو تاراج کردے۔

نبی اکرمؐ کے اس موقف کے سلسلے میں جو آپ نے مدینہ کے باشندوں کے متعلق ان کے جھگڑوں اور عقیدوں کے اختلاف کے باوجود اختیار فرمایا، استاد ہیکل کہتے ہیں کہ درحقیقت وہ بڑی سیاسی تدبیر جس کی بدولت عظیم ترین اقتدار حاصل ہوسکا وہی ہے جس کے ذریعے سے آنحضرتؐ نے یثرب میں اتحاد پیدا کردیا اور یہودیوں سے ملاپ کرکے اس کا سیاسی ڈھانچہ آزادی اور معاہدوں کی مضبوط بنیادوں پر قائم کردیا۔

یہودیوں نے آنحضرتؐ کا استقبال اچھی طرح کیا کیونکہ ان کی خواہش تھی کہ آنحضرتؐ رفتہ رفتہ ان کے حقوق پورے کردیں گے۔ آنحضرتؐ نے بھی ان کے اچھے استقبال کا ویسا ہی جواب دیا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو اور مضبوط کردیا۔ آپ نے اپنے اور ان کے درمیان محبت کا رابطہ رکھا، اس لحاظ سے کہ وہ وحدانیت الٰہی کے قائل ہیں۔ اس وقت تک آنحضرتؐ

کا قبلہ بھی بیت المقدس ہی تھا۔ پس جوں جوں دن گزرتے رہے آپ کی یہودیوں کے ساتھ اور یہودیوں کی آپ کے ساتھ محبت بڑھتی جاتی تھی۔ اسی طرح آنحضرتؐ کی سیرت، آپ کی عظیم انکساری، آپ کی بہترین مہر و محبت، آپ کی وفاداری کی خوبی، غریبوں اور بے آسرا اور بے مایہ افراد پر آپ کا جود وسخا اور ان سب صفات کی وجہ سے جو اقتدار آپ کو یثرب پر حاصل ہوگیا تھا اس سب کے نتیجے میں آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان دوستی، اتحاد اور آزادی عقیدہ کا معاہدہ طے پا گیا۔

یہ معاہدہ سیاسی قسم کا ایک قبالہ ہے جو تاریخ کے گزرنے پر ستائش و پسندیدگی سے دیکھا جاتا رہا ہے اور ایک ایسی چیز ہے جو اس سے پہلے کسی نبی یا رسول نے انجام نہیں دی۔

اب جبکہ ہم مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ رسول اکرمؐ کا طرز عمل اس وقت سے جب سے آپ وہاں تشریف لائے اور جو کچھ آپ نے ان کے ساتھ نرمی، فراخدلی اور خوش ہمسائیگی کا سلوک فرمایا، بیان کر رہے ہیں۔ ضروری ہے کہ ہم اس معاہدے کو حرف بہ حرف پیش کر دیں۔ معاہدے کا متن جیسا کہ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں پایا جاتا ہے وہ یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ نوشتہ ہے محمدؐ بن عبداللہ نبی کی طرف سے جو نبی ہیں قریش اور یثرب کے مسلمانوں اور مومنوں کے اور ان لوگوں کے جو اُن کے پیرو ہیں، ان سے وابستہ ہیں اور ان کے ساتھ مصروف جہاد ہیں۔ یہ سب لوگ دوسرے لوگوں سے علیحدہ ایک امت ہیں۔ ان میں قریش کے مہاجر ہیں جو اپنے پچھلے معاملات پر قائم رہیں گے اور دیت میں ایک دوسرے کے شریک رہیں گے۔ ہر جماعت اپنے قیدیوں کا مناسب فدیہ دیتی رہے گی۔ مومنین اپنے میں سے کسی زیر بار شخص کو چھوڑ نہ دیں گے بلکہ اس کو فدیہ یا خون بہا دیتے رہیں گے۔

کوئی مومن کسی مومن کے غلام کی اس کے مقابلے پر مخالفت نہ کرے گا۔ اگر مومنوں میں سے کوئی سرکشی کرے یا مومنین کے درمیان ظلم، گناہ، کج روی اور تخریب پھیلائے گا تو پرہیزگار مومن اس کی مخالفت کریں گے اور ان سب کے ہاتھ اس کے خلاف اٹھیں گے خواہ وہ ان ہی میں سے کسی ایک کا بیٹا ہو۔ کوئی مومن کسی مومن کو کسی کافر کی خاطر قتل نہیں کرے گا۔ نہ کسی کافر کی کسی مومن کے خلاف مدد کرے گا۔ اللہ کی پناہ خاص ہے۔ وہ معمولی سے معمولی شخص کو لوگوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ مومن آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

جو کوئی یہودی ہماری پیروی کرے گا اس کو مدد اور برابری حاصل رہے گی۔ نہ ان پر ظلم کیا جائے گا، نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی۔ مومن کی صلح خاص ہے۔ اللہ کی راہ میں جنگ کے موقع پر ایک مومن دوسرے کے ساتھ صرف برابری اور انصاف کا سلوک کرے گا۔ ہر جماعت جو ہم سے مل کر جنگ کرے ایک دوسرے کہ آگے پیچھے رہے گی۔ مومنین آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں کیونکہ ان سب کا خون اللہ کی راہ میں بہتا ہے۔ پرہیزگار مومنین

بے شک بہترین اور مستحکم ہدایت پر ہیں۔

کوئی مشرک قریش کو مال یا جان کی پناہ نہ دے گا، نہ اس کی وجہ سے مومن کے ساتھ فریب کرے گا۔ اگر وہ کسی مومن کو کسی موجب خطا کے بغیر قتل کردے گا تو اس سے اس کا بدلہ لیا جائے گا، سوائے اس صورت کے کہ مقتول کا وارث راضی ہو جائے۔ سب مومنوں کو اس کے خلاف حق حاصل ہے لیکن اس سے جنگ کرنا روا نہیں ہے۔ کسی مومن کے لئے جو اس صحیفہ کا اقرار کرتا ہے اور اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی خطا کار کی مدد کرے اور اس کو پناہ دے۔ اگر کوئی اس کی مدد کرے گا یا اس کو پناہ دے گا تو قیامت کے روز اس پر اللہ کی لعنت اور اللہ کا غضب ہوگا اور اس سے کوئی ہیر پھیر یا روگردانی قبول نہ کی جائے گی۔ اگر تم لوگ اس میں سے کسی چیز پر اختلاف کرو تو معاملہ اللہ کے اور محمدؐ کے سپرد کیا جائے گا۔

جب تک مومنین برسرپیکار ہوں گے یہودی ان کا ساتھ دیں گے۔ بنی عوف کے یہودی مومنوں کے ساتھ ایک ہی امت میں ہیں۔ البتہ یہودی اپنے دین پر اور مسلمان اپنے دین پر رہیں گے۔ یہی حال ان کے دوستوں اور ان کی جانوں کا ہے، سوائے اس کے جو ظلم یا گناہ کا مرتکب ہو، کیونکہ ایسا کرنے والا اپنے اور اپنے گھر والوں پر تباہی لائے گا۔ بنی نجار کے یہودیوں، بنی حارث کے یہودیوں، بنی ساعدہ کے یہودیوں، بنی جشم کے یہودیوں، بنی اوس کے یہودیوں اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کے لئے ان کی جانوں جیسا حال ہوگا اور یہودیوں کے اہل وعیال ان ہی جیسے ہوں گے۔ ان میں سے کوئی شخص محمدؐ کی اجازت کے بغیر باہر نہ جائے گا، نہ زخموں کا بدلہ لینے والے پر سختی کرے گا۔ جو کوئی فریب کاری سے کام لے گا وہ اس کے اور اس کے گھر والوں کے لئے برا ہوگا، سوائے اس کے جس پر ظلم کیا گیا ہو۔ اللہ اس امر کا دیکھنے والا ہے۔

یہودیوں کا خرچ ان کے ذمہ ہے اور مسلمانوں کا خرچ ان کے اپنے ذمہ ہے۔ ان لوگوں کو ایسے شخص کے مقابلے پر ایک دوسرے کی مدد کرنا لازم ہے جو اس معاہدے میں شریک ہونے والوں میں سے کسی سے جنگ کرے۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو اچھی نصیحت اور نیکی کی ہدایت کرتے رہیں گے نہ کہ گناہ کی۔ کوئی شخص اپنے حلیف کے ساتھ بدی نہیں کرے گا۔ مدد ہمیشہ مظلوم کی کی جائے گی۔

جب تک مومنین برسرپیکار رہیں گے یہودی ان کا ساتھ دیں گے۔ اس معاہدے میں شریک ہونے والوں پر یثرب کو نقصان پہنچانا حرام ہے۔ پڑوسی بھی جان کی طرح نقصان سے محفوظ رہے گا۔ نہ اس کے ساتھ برائی کی جائے گی۔ اس حرمت کو صاحب حرمت کی اجازت کے بغیر ضائع نہ کیا جائے گا۔ اگر اس معاہدہ میں شریک ہونے والوں میں کوئی مخالفت یا جھگڑا اٹھ کھڑا ہو جس سے

گڑ بڑ ہونے کا اندیشہ ہو تو معاملہ اللہ اور محمدؐ رسول اللہؐ کے سپرد کیا جائے گا۔ جو کچھ اس معاہدے میں ہے اللہ اس کا محافظ اور اس پر نگاہ رکھنے والا ہے۔

○ قریش پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی ایسے پر جو اُن کی مدد کرے۔ البتہ جو کوئی یثرب پر حملہ آور ہوگا اس کے خلاف سب ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اگر ان کو صلح کی طرف بلایا جائے گا تو وہ صلح کرلیں گے اور اس کو اختیار کرلیں گے کیونکہ یہ لوگ صلح کرنے والے اور اس کو اختیار کرنے والے ہیں۔ جب وہ لوگ ایسی چیز کی طرف بلائے جائیں تو مومنین پر سوائے ان لوگوں کے جو دین کی خاطر جنگ کررہے ہوں جس جس جانب سے وہ لوگ آئے ہوں اسی طرف کے لوگوں پر اپنے اپنے حصہ بھر مدد کرنا ضروری ہوگی۔ اوس کے یہودیوں کے خود اپنے لئے اور ان کے دوستوں کے لئے اس معاہدے میں شریک ہونے والوں پر وہی سلوک واجب ہے جو خود ان کے آپس والوں کے لئے ہے۔ اللہ اس معاہدے کی سچائی اور پاکیزگی کا محافظ ہے۔ یہ نوشتہ کسی ظالم یا گناہگار کی خاطر بدل نہیں سکتا۔ جو باہر ہے وہ بھی امن میں ہے اور جو مدینہ میں بیٹھا رہے گا وہ بھی امن میں رہے گا، سوائے اس کے جو ظلم یا گناہ کا مرتکب ہو۔ اللہ نیکوکار اور پرہیزگار کو پناہ دینے والا ہے۔

جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں اگر یہ قبالہ صحیح طور پر رسول اللہؐ ہی سے وارد ہوا ہے اور اس کا صحیح ہونا بعید بھی نہیں ہے، حالانکہ اس میں نرالے الفاظ بھی شامل ہیں، اس کے فقروں میں تکرار ہے اور اس کی بندش میں روانی نہیں ہے، پھر بھی جب تک سیرت نگار اس کے کئے جانے پر اتفاق کئے ہوئے ہیں صرف ان ہی وجوہ کی بنا پر اس کو رد نہیں کیا جاسکتا۔

یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس میں کچھ تراش خراش کی گئی ہو جس سے یہ نبی اکرمؐ کے اسلوب سے نرالا معلوم ہونے لگا۔ بہرصورت اس پہلو سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی یہ قبالہ ایسے معاہدے سے بہت زیادہ مشابہ ہے جو مسلمانوں اور یثرب کے دوسرے باشندوں اور اس کے یہودی پڑوسیوں کے درمیان پُرخلوص اشتراک عمل کے لئے، مذہب اور عقیدے کی آزادی کے لئے، یثرب کے دفاع کے لئے، قانون شکنی کرنے والوں اور فتنہ برپا کرنے والوں کی بیخ کنی کے لئے، مکہ کے مشرکوں سے قطع تعلق کرنے، ان کی مدد کرنے پر بندش کے لئے اور ایسی صورت میں کہ وہ لوگ نبی اکرمؐ اور آپ کے اصحاب سے انتقام لینے کے لئے یثرب پر حملہ کرنے اور اس پر چڑھائی کرنے کی کوششیں کریں سب لوگوں کے متحد ہوکر ایک ہی صف میں کھڑے ہوجانے کے لئے کیا جاتا۔

یہودیوں اور مشرکوں نے اس معاہدے کو خوشی خوشی قبول کرلیا کیونکہ ان کو یہ خیال ہوا کہ یہ ان کے مفادات کے موافق ہے اور ان کے اثر و رسوخ کی حفاظت کرتا ہے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام عرب میں اتحاد قائم کردے گا اور مسلمانوں کو ان کی نسلوں کے اختلاف کے باوجود ایک امت بنادے گا اور یقین ہوگیا کہ وہ استحصال اور نفع خوری سے برسرپیکار رہتا ہے اور سود خوری اور ان تمام نفعوں کو جو دھوکہ دہی، فریب کاری اور ناجائز طریقوں سے حاصل ہوتے ہیں حرام قرار دیتا ہے تو ان کو اپنے مفادات کے لئے اور ان مفادات کے قائم رکھنے اور دوسروں کا استحصال کرتے رہنے کیلئے

خطرے کا یقین ہوگیا۔ جب ان کو یہ معلوم ہوگیا اور یقین کی حد کو پہنچ گیا تو ان سب نے مشکوک شخص کی مانند خاموشی اختیار کر لی بعدازاں وہ دعوت حق کے بارے میں اپنے موقف کا اعلان کر کے مشرکین کی طرف ہوگئے جیسا کہ ہم ان کے ان موقف اور ریشہ دوانیوں کے بیان میں واضح کریں گے جن کی وجہ سے نبی اکرمؐ کو ان کے خلاف طاقت استعمال کرنا پڑی۔

ابوقیس بن ابی ایاس

ابن اسحٰق، ابن ہشام اور دوسرے حضرات کی سیرت کی کتابوں میں کہنا ہے کہ ابوقیس ابن ابی ایاس یا یونس نے زمانۂ جاہلیت میں رہبانیت اختیار کرلی تھی، بالوں کے کپڑے پہنتا تھا، بتوں سے دوری اختیار کرلی تھی، جنابت سے غسل کرتا تھا، عورتوں سے حالت حیض میں پرہیز کرتا تھا، اس نے عیسائیت اختیار کرنے کا ارادہ کیا لیکن بعد میں اس سے گریزاں رہا۔ وہ ایک مکان میں داخل ہوا اور اس کو مسجد قرار دے دیا۔ اس میں حائضہ یا جنب عورت داخل نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ اللہ کی عبادت کرتا تھا، اسی سے دعا کرتا تھا اور اسی کی تسبیح پڑھتا تھا۔ وہ رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی کی، یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی اور ان کے مال سے دور رہنے کی دعوت دیتا تھا۔ اس بارے میں لوگوں نے اس سے ایک قصیدہ منسوب کیا ہے جس میں وہ کہتا ہے:

سبحوا اللّٰه شرق کل صباح　　طلعت شمسه وکل هلال
عالم السر و البیان لدینا　　لیس ما قال ربنا بضلال
وله الطیر تستزید وتأوی　　فی و کور من آمنات الجبال

''اللہ کی تسبیح بیان کرتے رہو۔ وہی ہر صبح کو نمودار کرتا ہے۔ سورج کو بھی طلوع کرتا ہے اور ہر چاند کو بھی۔ وہ ہمارے نزدیک ہر پوشیدہ اور ظاہر بات کا جاننے والا ہے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے وہ گمراہ کن نہیں ہوتا۔ اسی کے پرندے ہیں جو بڑھتے رہتے ہیں اور پہاڑوں میں امن کی جگہوں میں گھونسلوں میں پناہ حاصل کرتے ہیں۔''

اسی قصیدے میں اپنے بیٹوں سے خطاب کر کے کہتا ہے:

یا بنی الارحام لا تقطعوها　　وصلوها قصیرة من طوال
واتقوا اللّٰه فی ضعاف الیتامیٰ　　ربما یستحل غیر الحلال
واعلموا ان للیتیم ولیًا　　عالمًا یهتدی بغیر السؤال
ثم مال الیتیم لا تأکلوه　　ان مال الیتیم یرعاه وال

''اے میرے بیٹو! رشتہ داری کے لحاظ سے غافل نہ رہنا اور ان کے ساتھ نیکی کرتے رہنا خواہ ان کی ضرورت کے مطابق نہ دے سکو۔ کمزور یتیموں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ بعض اوقات غیر حلال کو حلال مان لیا جاتا ہے۔ جان رکھو کہ یتیم کا بھی ایک نگراں ہے جو جاننے والا ہے اور بغیر کسی کے کہے ہوئے ہدایت دیتا ہے۔''

اس طرح کے اور قانونی احکام و ہدایات ہیں اور اس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں جو ویسے ہی ہیں جو اسلام نے رائج کئے ہیں۔ اسی کی ساتھ لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے نبی اکرمؐ کے مدینہ میں تشریف لانے کے متعلق سنا تو اسلام اختیار کرلیا اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔

ابوقیس کی حدیث کو اسی شکل سے ابن اسحٰق نے سیرت النبی میں مرسل حدیثوں میں روایت کیا ہے اور ان ہی سے ہر مورخ اور سیرت نگار نے اس کو مسلمات کے طور پر اخذ کرلیا ہے۔

عین ممکن ہے کہ اس شخص کا تاریخ میں وجود رہا ہو اور دوسروں کی طرح اس نے بھی پتھروں اور بتوں کی پرستش ترک کردی ہو اور اس نے بھی انصار کے ساتھ اسلام قبول کرلیا ہو لیکن میرے خیال میں یہ بات قابل ترجیح ہے کہ جو شرعی احکام لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور جن میں سے کسی سے بھی اہل عرب ظہور اسلام سے پہلے واقف نہ تھے، جاسوسوں اور ان منافقوں کے ساختہ پرداختہ ہیں جو رسول اکرمؐ کے زمانہ میں تھے۔ نیز وہ جو بعد میں آئے جیسے کہ کعب الاحبار، عبداللہ بن وہب وغیرہ جنہوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے سینکڑوں حدیثیں اور قصے گھڑ گھڑ کر سیرت میں اور رسول اللہؐ کی حدیثوں میں ملا دیئے۔

ان کے بعد مستشرقین نے سیرت کی کتابوں کو دیکھا اور ان کو وہاں ایسی روایات مل گئیں جو وہ خود چاہتے تھے اور جو اُن کی خواہشات، اسلام اور نبی اسلامؐ کے خلاف افتراء پردازیوں کے مطابق تھیں۔ ان ہی میں وہ روایات ہیں جو سیرت کی کتابوں میں بیان کی گئیں ہیں۔ یعنی یہ کہ بعض احکام ایسے ہیں جن کو کسی مسلمان کے ذہن نے بتادیا تھا یا اس نے سوتے میں خواب میں دیکھ لیا تھا جیسا کہ اذان کی حدیث میں آیا ہے۔ یا رسول اللہؐ سے اس کی فرمائش کردی جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب نے حجاب کے بارے میں کیا اور اسی قسم کی وہ تمام روایات جو مطالعہ کرنے والوں کو جگہ جگہ ملتی ہیں۔ جن لوگوں نے یہ قصے گھڑے ان کا ارادہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ کی رسالت میں اس دلیل سے شک کی ابتدا کردیں کہ بعض احکام جن کی طرف آنحضرتؐ دعوت دیتے تھے، آپ کی نبوت سے پہلے سے موجود تھے جیسا کہ وہ جس کو ان لوگوں نے ابوقیس ابن ابی ایاس کی طرف منسوب کیا ہے۔ بعض وہ ہیں جن کی آنحضرتؐ کے اصحاب آپ سے فرمائش کردیا کرتے تھے۔ اسی طرح بعض احکام ایسے ہیں جو حالات اور ماحولی واقعات کے لحاظ سے خود وحی کے متقاضی ہو جاتے تھے۔ ان روایات کے ذریعے سے جو مطالعہ کرنے والے کو جابجا ملتی ہیں، یہ لوگ اپنی بری نیتوں کو چھپا لینا چاہتے ہیں اور اسلام کے دشمن ان کو اپنا زہر پھلانے میں استعمال کرتے رہے ہیں۔ جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں۔

میں نے بہت سی ایسی چیزوں کو نظر انداز کردیا ہے جن کے متعلق میرا عقیدہ ہے کہ وہ سیرت کی کتابوں میں رسول اللہؐ کی زبانی چھپا کر داخل کردی گئی ہیں۔ حالانکہ آنحضرتؐ کی شریعت تمام زمانوں میں اعجاز کی حامل رہی ہے۔ اس زمانہ میں بھی جبکہ تھکا دینے والی شریعت نافذ تھی اور تمام زمانوں میں تمام ضروری احکام اور قوانین پر حاوی تھی حتیٰ کہ سب سے آخری مرحلوں کے لئے بھی۔

— ۹ —

قبلہ کا کعبہ کی جانب تبدیل ہونا

بیشتر مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جب سے اللہ نے نبی اکرمؐ کو مبعوث کیا تھا، آنحضرتؐ بیت المقدس کی سمت نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ اس پر قائم رہے یہاں تک کہ آپ کو مدینہ میں سترہ مہینے گزر گئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سات مہینے گزرے تھے۔ جیسا کہ امام جعفر صادقؑ کی روایت میں آیا ہے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے مکہ میں قیام کے دوران خانۂ کعبہ کی طرف رخ فرمایا کرتے تھے۔ پھر جب آپ مدینہ ہجرت کرکے آئے تو اللہ نے حکم دیا کہ بیت المقدس کی سمت رخ کیا کریں خواہ کہیں بھی ہوں۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کی اس آیت میں آیا ہے کہ:

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ○ ''لوگوں میں سے بیوقوف لوگ کہیں گے کہ ان کو اس قبلہ سے کس نے منحرف کردیا جس پر وہ قائم تھے کہہ دیجئے کہ مشرق و مغرب کا اللہ ہی مالک ہے وہ جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دے دیتا ہے۔'' (سورۂ بقرہ: آیت ۱۴۲)

آیت ۱۴۴ اور ۱۴۵ میں ہے کہ:

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ○ وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ○ ''ہم بیشک تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا دیکھ رہے ہیں، ہم ضرور آپ کو ایسے قبلے کی طرف پھیر دیں گے جس سے آپ خوش رہیں گے۔ پس

آپ لوگ اپنے چہرے خانۂ کعبہ کی طرف کیا کریں اور آپ جہاں کہیں بھی ہوں اپنے چہرے اسی طرف کیا کیجئے۔ جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ (قبلہ کی تبدیلی) اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ جو کچھ وہ کیا کرتے ہیں اس سے بے خبر نہیں ہے۔ اگر آپ ان لوگوں کے سامنے جن کو کتاب دی گئی ہے ہر آیت پیش کردیں گے تب بھی وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہ کریں گے اور نہ آپ ہی ان کے قبلے کو مانیں گے۔ خود اہل کتاب بھی ایک دوسرے کے قبلے کو نہیں مانتے ہیں اور اگر آپ ان کی خواہشات کی پیروی کریں گے جبکہ آپ کو علم حاصل ہو چکا ہے تو آپ ضرور ظالموں میں شمار ہو جائیں گے۔''

آیت ۱۴۹ میں ہے کہ:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ''اور جہاں کہیں بھی جائیں اپنا چہرہ خانۂ کعبہ کی جانب کرلیا کیجئے اور بے شک یہ حق بات آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے۔ اور اللہ جو کچھ آپ لوگ کرتے رہتے ہیں اس سے بے خبر نہیں ہے۔''

علامہ طبرسی کی مجمع البیان میں امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قبلہ، خانۂ کعبہ کی طرف اس وقت تبدیل ہوا جب نبی اکرمؐ تیرہ سال بیت المقدس کی سمت نماز ادا فرماتے رہے اور جب مدینہ ہجرت کر آئے تب بھی سات مہینے تک آنحضرت بیت المقدس کی سمت نماز پڑھتے رہے۔ اس کے بعد اللہ نے آپ کا رخ خانۂ کعبہ کی سمت کر دیا۔ یہ اس لئے کہ یہودی رسول اکرمؐ کو شرم دلایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ آپ تو ہماری پیروی کرتے ہیں اور ہمارے قبلے کی سمت نماز ادا کرتے ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ کو شدید رنج ہوا اور آپ رات کی تاریکی میں باہر نکل کر آسمان کی طرف دیکھنے لگے اور اس معاملے میں اللہ کے حکم کا انتظار فرمانے لگے۔ اگلے روز جب نماز ظہر کا وقت ہوا تو آپ مسجد بنی سالم میں ظہر کی دو رکعت نماز ادا کر چکے تھے کہ جبرئیلؑ نے نازل ہو کر آپ کا ہاتھ پکڑا اور آپ کو خانہ کعبہ کی سمت موڑ دیا اور اللہ نے آنحضرتؐ سے فرمایا کہ: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ. چنانچہ آنحضرتؐ نے نماز ظہر کی دو رکعتیں بیت المقدس کی طرف اور دو رکعتیں خانۂ کعبہ کی سمت ادا فرمائیں۔

تفسیر رازی میں بھی اسی کی تائید ہوتی ہے جو طبرسی کی روایت میں امام جو جعفر صادقؑ سے وارد ہوا ہے۔ چنانچہ اس میں ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نماز میں بیت المقدس کی سمت رخ کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ نے جبرئیلؑ سے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ اللہ مجھ کو ان لوگوں کے قبلے سے کسی اور طرف بدل دے کیونکہ یہ مجھ کو ناپسند ہے۔ اس پر جبرئیلؑ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ میں آپ ہی کی طرح کا بندہ ہوں

میں اس بارے میں آپ کے پروردگار سے دریافت کروں گا۔ پس رسول اللہؐ قبلے کی تبدیلی کے لئے وحی نازل ہونے کی امید میں دیر تک آسمان کی طرف دیکھتے رہے۔ آپ کی ناپسندیدگی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہودی کہا کرتے تھے کہ یہ ہماری مخالفت بھی کرتے ہیں اور ہمارے قبلے کو بھی مانتے ہیں۔ اگر ہم نہ ہوتے تو یہ لوگ سمجھ ہی نہ پاتے کہ قبلہ کدھر قرار دیں۔ قبلے کی تبدیلی کے بارے میں اور بھی بہت کچھ کہا گیا ہے۔ البتہ جو خیال محدثین میں رائج ہے وہ اس روایت کے مطابق ہے جو طبرسی نے امام جعفر صادقؑ سے بیان کی ہے اور تھوڑے سے فرق کے ساتھ رازی نے ابن عباس سے بیان کی ہے اور طبرسی کی روایت سے مختلف بھی نہیں ہے۔

اسی طرح بیشتر مفسرین اور محدثین میں مشہور ہے کہ آنحضرتؐ مکہ میں نبی کی حیثیت میں بیت المقدس کی سمت میں نماز ادا فرماتے رہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ کعبے کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان رکھا کرتے تھے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ آنحضرتؐ اپنی نماز میں دونوں کی طرف رخ رکھا کرتے تھے۔

البتہ یہ قول کہ مکہ میں قیام کے دوران آنحضرتؐ خانۂ کعبہ کی سمت نماز ادا فرماتے تھے اور جب مدینہ ہجرت کر آئے تب آپ نے نماز میں بیت المقدس کی سمت رخ فرمالیا۔ میرے خیال میں یہ بعید نہیں ہے کہ یہ منافقوں کی گھڑی ہوئی ہو۔ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ آنحضرتؐ نے اپنا وہ قبلہ ترک کردیا جس پر آپ اس وقت سے قائم تھے جب سے آپ مبعوث ہوئے تھے اور مدینہ میں آپ نے یہودیوں کی دلجوئی کے لئے اور قربت حاصل کرنے کے لئے بیت المقدس کی سمت رخ کرلیا اور اس پر اس وقت تک قائم رہے جب تک حالات کا تقاضا تھا نہ کہ اللہ کی طرف سے آپ نے تبدیلی فرمائی۔ لیکن جب اس تدبیر سے آپ یہودیوں کو اپنی طرف کھینچنے میں ناکام رہے تو آپ ان کا قبلہ ترک کرکے خانۂ کعبہ کی طرف پلٹ آئے۔ قرآنی ترتیب کے لحاظ سے اس آیت قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی تھی سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍO

جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ قرآن کی ترتیب کے لحاظ سے یہ آیت تحویل قبلہ کی آیت سے پہلے واقع ہے لیکن بعض کی رائے ہے کہ یہ اس کے بعد نازل ہوئی کیونکہ یہ اسی سے نکلی ہے۔ لیکن قرآن ترتیب دینے والوں نے اس کو غلطی سے اس آیت سے پہلے رکھ دیا۔

قابل ترجیح یہی ہے کہ یہ اس سے پہلے نازل ہوئی جس طرح قرآن کریم میں موجود ہے اور یہ اس حکم کی تمہید ہے جو اللہ دینے والا تھا کہ خانۂ کعبہ کی طرف رخ پھیرلیا جائے۔ اس کا مقصد نبی اکرمؐ کو اس پُرخطر واقعے اور اس سے پیدا ہونے والی صورتوں سے باخبر کرنا تھا یعنی یہ کہ یہودی، منافق اور مشرک اس سے فائدہ اٹھا کر اس کی تشہیر کریں گے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس آیت سے پہلے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے قصے، ان دونوں کی اللہ کے نزدیک عظمت، ان

دونوں کو کعبہ کی طرف بلانا اور اس کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک کرنے کا حکم دینا بیان کیا ہے۔

یہ معلوم ہے کہ آنحضرتؐ کے مبعث سے ساڑھے چودہ سال کے بعد قبلے کا بیت المقدس کی سمت سے خانۂ کعبہ کی سمت میں بدلا جانا ایسا دینی واقعہ تھا جس کی خبر پھیل کر مدینہ سے باہر تمام عرب میں مشہور ہوگئی اور لوگوں نے اس کو بجلی کی سی تیزی سے ایک سے دوسرے کو پہنچایا یہاں تک کہ یہ خبر مکہ اور اس کے نواح تک جا پہنچی۔

یہ خلاف عقل ہے کہ مدینہ اور نواح کے یہودی اور مشرک اس نئے حکم پر خاموش بیٹھے رہتے جبکہ اس میں ان کے لئے ریشہ دوانیاں کرنے اور غفلت شعار اور بے یقین لوگوں میں شک پیدا کرانے کا موقع موجود تھا۔ چنانچہ اس واقع کے بعد منافقوں اور مشرکوں کے ایسے لوگوں کی عقلوں کے ساتھ کھیلنے کی وجہ سے کچھ افراد اسلام سے منحرف ہوگئے۔

ابن جریح کی روایات میں آیا ہے کہ یہ خلاف عقل ہے کہ وہ لوگ اس حکم پر خاموش رہتے۔ ایک تو اس لئے کہ اس نے پہلے حکم کو منسوخ کردیا جس کی وجہ سے یہ لوگ فخر کیا کرتے تھے کہ حضرت محمدؐ اپنی نماز کے معاملے میں جو اسلام کے سب سے بڑے ارکان میں سے ہے، ان کے قبلہ کی پیروی کررہے تھے۔ دوسرے یہ کہ یہ لوگ ریشہ دوانی، جھوٹ اور فساد انگیزی میں تمام مذہبوں، شریعتوں اور قوموں میں بڑھے چڑھے ہوئے ہیں اور جب کبھی ان کو اس کا کوئی موقع مل جاتا تو وہ اس کو ضائع نہیں کرتے تھے حالانکہ جب آنحضرتؐ مدینہ میں فروکش ہوئے تو آنحضرتؐ ان کے شر سے بچے رہنا چاہتے تھے۔ اسی لئے آپ نے اس معاہدے کی تیاری کی جس میں آپ نے مدینہ اور نواح کے باشندوں کو ان کے نقطہ ہائے نظر کے اختلافات کے باوجود ایک ٹھوس قوم قرار دے کر ان کو وہی حقوق و فرائض عطا کئے جو مسلمانوں کے تھے۔ ان کی آزادیوں اور عقیدوں کی ضمانت پر زور دیا اور ان کی آزادیوں کی اور حالات کے تقاضے کے لحاظ سے ان کی حفاظت کی ضمانت عطا کی تاوقتیکہ وہ لوگ امن و صلح سے رہتے رہیں اور دوسروں کے حقوق و فرائض کا احترام کرتے رہیں جیسا کہ وہ قبالہ ظاہر کرتا ہے جس کو ہم تبدیلی قبلہ کے بیان سے پہلے پیش کرآئے ہیں۔

حالانکہ نبی اکرمؐ نے اس مقصد کے لئے تدبیر کرلی تھی اور اس پر ان سے معاہدہ کرلیا تھا لیکن ان لوگوں نے آپ کے عہد کو توڑ کر اس قبالہ کو نظر انداز کردیا اور چند ہی مہینے گزرے تھے کہ یہ لوگ ریشہ دوانیوں میں لگ گئے تھے اور مشرکوں اور منافقوں سے مل کر کاروائیاں کرنے لگے تھے۔ یہ لوگ جعلسازی اور فریب کا کوئی طریقہ نہ چھوڑتے تھے جس کو کر نہ گزرتے ہوں۔ قبلے کی تبدیلی کے بعد تو یہ لوگ یہ سمجھے کہ اب آنحضرتؐ کے خلاف شورش انگیزی کا اچھا موقع ہے۔ جیسا کہ اللہ نے ان کے متعلق فرمایا ہے: سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا...

ان لوگوں نے کہا کہ اگر آنحضرتؐ اپنے معاملے میں پکی دلیل رکھتے تھے تو انہوں نے اپنی رائے میں تبدیلی کیوں کرلی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ضرور وہ اپنے باپ کے ملک اور اپنی جائے پیدائش کی طرف مائل ہوئے۔ یہودیوں نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ اگر وہ ہمارے قبلے پر قائم رہتے تو ہم یہ سمجھتے کہ وہ وہی رسول ہیں جن کا ابھی تک انتظار ہوتا رہا ہے

اور جن کے بارے میں قریش نے پیش خبری دی ہے۔ مشرکوں نے کہا کہ یہ اپنے دین میں گھبرائے ہوئے ہیں۔ اس پر اللہ نے آنحضرتؐ کو یہ حکم دیا کہ ان لوگوں پر نگاہ رکھیں اور ان کے مکر کے مقابلے میں پکی دلیل کے طور پر ان کے جواب میں کہہ دیں کہ ہر معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی نے اپنے علم کی بنا پر اول اول مجھ پر فرض عائد کیا تھا کہ میں بیت المقدس کی سمت رخ کیا کروں اور اب مجھ کو حکم دیا ہے کہ خانۂ کعبہ کی سمت رخ کرلوں، میرے اوپر صرف حکم کا بجالانا اور پہنچا دینا ہے۔ ان دونوں احکام میں ضرور مصلحت ہوگی جس کو احکام جاری کرنے والا ہی جانتا ہے۔ ہر اس معاملہ میں جس میں دوسرا حکم آئے ظاہر ہو جاتا ہے کہ پہلے حکم کی مصلحت محدود زمانے کے لئے تھی جو دوسرے حکم سے منسوخ ہوگیا۔ البتہ ان کے لئے جواب میں خصوصیت سے صرف مشرق و مغرب کا بیان کرنے اور دوسری سمتوں کو نظر انداز کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں سمتیں دوسری سمتوں کے مقابلہ میں ذہنوں سے زیادہ قریب تر ہوتی ہے کیونکہ سیاروں کی حرکتیں ان ہی دو میں سے کسی ایک سے شروع اور دوسری پر ختم ہوتی ہیں اور لوگوں کی نظروں میں یہی دو سمتیں ممتاز ہیں۔ پس جب ان کی نسبت اللہ سے دی جائے گی تو دوسری سمتوں کی نسبت بھی بدرجہ اولیٰ اسی سے ہوگی۔

اسلام کے ساتھ یہودیوں اور منافقوں کا موقف

یہودیوں کے لحاظ سے یہ تعجب خیز نہیں ہے کہ وہ اسلام اور دوسرے مذہبوں کے ساتھ دشمنانہ طرز عمل اختیار کرتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اللہ نے ان کو تمام قوموں کے مقابلے میں ایسا مخصوص کیا ہے جیسا کسی اور کو نہیں کیا۔ اس نے ان کو اپنا پسندیدہ گروہ قرار دیا ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کو بھلائی اور ہدایت نہیں دی ہے۔ اللہ نے یہ پہلے سے مقرر کردیا ہے کہ ان کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو خواہ اس کے اغرض و مقاصد کچھ بھی ہوں ناکامی اور بربادی کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دوسرے مذاہب کے مقابلے میں ایسا موقف اختیار کیا جو دشمنی اور بغض کی چھاپ لئے ہوئے ہے۔ وہ کسی کے ساتھ مصلحت اور نفع کے زاویے کے علاوہ کسی اور زاویے سے رابطہ نہیں رکھتے، نہ کسی گروہ کے اغراض و مقاصد میں شریک ہوتے ہیں، نہ کسی کو نفع پہنچاتے ہیں، نہ کسی سے برائی کو دور کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ تمام قبیلوں کی دشمنی کا شکار تھے اور ہر علاقے سے نکالے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے خلاف کینے بھڑکے ہوئے تھے۔ ان پر مصیبتیں ٹوٹتی رہتی تھیں جیسا کہ ان کی طویل تاریخ تائید کرتی ہے جو جھگڑوں، جنگوں اور لاقانونیت سے بھری ہوئی ہے جہاں کہیں بھی وہ جا کر رہے ہوں۔ ان کی سب سے بڑی خواہش دولت جمع کرنا تھی اور جس ملک میں بسنے گئے ہوں وہاں کی دولت سمیٹنا ان کی نمایاں ترین خصوصیت تھی۔ ان کے قبضے میں دولت کی کثرت کے باعث ان کو پورے جزیرہ نمائے عرب میں اقتدار اور رسوخ حاصل ہوگیا تھا کیونکہ اس دور میں عرب بری حالت میں تھے، ان کی زندگی کی رفتار میں قبیلائی روح کارفرما تھی جو اُن کی عادتوں اور خصائل میں نمایاں تھی اور بیشتر اوقات میں ان کو پریشانیوں اور مصیبتوں سے دوچار رکھتی تھی جبکہ ان کے درمیان میں بسنے والے یہودی اس صورت حال پر ہنستے اور اس آگ کو اس طرح تیز کرتے اور بھڑکاتے رہتے

تھے کہ ان کے پڑوسی عربوں کو معلوم بھی نہ ہوتا تھا۔

ایک طویل عرصے تک وہ اسی طرح رہے یہاں تک کہ اسلام کے ظہور کا وقت آ گیا۔ ادھر یہودی ان اشاروں کی بنا پر جو اخباربین کی رائے کے مطابق ان کی کتابوں میں پائے جاتے تھے، ایک نبی کے ظہور کا انتظار کر رہے تھے۔ ان میں سے بعض کی رائے میں اس کے آنے میں دیر ہوچکی تھی۔ وہ عرب کے رہنے والوں کو ڈرایا کرتے تھے جیسا کہ مؤرخین اور سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے اور ہم بھی اس کتاب کی پچھلی فصلوں میں اس قسم کے کچھ حصے پیش کر آئے ہیں۔

جب نبی اکرمؐ مدینہ میں داخل ہوگئے اور اوس و خزرج کے بیشتر افراد نے اسلام قبول کرلیا تو یہودی اپنے اور مسلمانوں کے مابین طرفین کی مصلحت کی خاطر صلح و اشتراک عمل کے متعلق سوچنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے نبی اکرمؐ کی جانب دست تعاون بڑھا کر آنحضرتؐ کے ساتھ عہد کرلیا جیسا کہ اس قبالہ سے ظاہر ہوتا ہے جو نبی اکرمؐ نے اپنے اور مدینہ اور نواح کے یہود کے مابین قرار دیا۔ لیکن اسلام کے خدوخال اور اس کے مقاصد جن کی اساس بھائی چارے، انصاف اور اعتقادات کے احترام پر قائم ہے، اسلام کے ان خدوخال کی نمایاں ترین بلندی یہودیوں کی ان اغراض، رغبتوں اور بری نیتوں سے مطابقت نہ رکھتی تھی جو وہ تمام انسانوں کے متعلق سوچتے رہتے تھے۔ خصوصاً انہوں نے محسوس کرلیا کہ نہ آنحضرتؐ دھوکہ دیتے ہیں، نہ کسی دباؤ میں آتے ہیں خواہ کسی نوعیت کا ہو، نہ یہ ممکن ہے کہ آپ ایک فریق کے مفاد کی خاطر دوسرے فریق سے فائدہ اٹھائیں۔ نیز انہوں نے دیکھا کہ اسلام نفس کے خلاف جنگ کرتا ہے، عقلوں پر تسلط حاصل کرتا ہے اور دشمنوں کے سخت رویے اور اس کے خلاف شدید موقف کے باوجود جزیرۂ نما میں بڑھتا چلا جارہا ہے۔ پس ان کے لئے ان کی حکمت عملی کے لحاظ سے اس کے علاوہ کوئی صورت نہ رہی کہ وہ ایسا محتاط موقف اختیار کئے رہیں جس سے ان کو آنحضرتؐ کے دشمن سے مل کر حملہ کرنے کا موقع حاصل ہوجائے۔

سیرت نبوی لکھنے والوں میں سے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ بڑے بڑے یہودی اسلام کے متعلق چالیں چلتے رہتے تھے اور رسول اللہؐ سے چیزوں کے بارے میں اس غرض سے سوالات کیا کرتے تھے کہ آنحضرتؐ کو بے بس کردیں اور بعض اوقات آپ کا مذاق اڑانے کا موقع مل جائے۔ یہ لوگ مختلف قبیلوں کے یہودی تھے جیسے کہ بنی نُظیر، بنی ثعلبہ، بنی قینقاع، کعب بن راشد، رافع بن ابی رافع اور بنی قریظہ وغیرہ۔

ابن ہشام نے اپنی سیرت میں یہ خیال پیش کیا ہے کہ لبید بن عاصم نے نبی اکرمؐ پر جادو کردیا تھا اور آنحضرتؐ کو بیویوں سے اختلاط کرنے سے منع کردیا تھا۔ بہت دنوں تک اس خیال میں رہا کہ آنحضرتؐ نے ایسا ہی کیا ہوگا لیکن سیرت ابن ہشام کے حاشیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ نے ایسا نہیں کیا۔

حاشیہ نگاروں نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی اکرمؐ پر جادو کی حدیث کتب صحیح میں موجود ہے اور اس پر معتزلہ اور اہل بدعت میں سے ایک گروہ کے علاوہ کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ اس کے علاوہ اور بھی سیرت کے صفحہ ۵۱۵ کے حاشیہ پر اظہار خیال کیا ہے۔

میں نے سحر نبی اکرمؐ کی حدیث میں صحیح بخاری سے اپنی کتاب دراسات فی الکافی والصحیح للبخاری میں نقل کی ہے۔ اور ایسی تحریروں سے جن کو زیر بحث نہیں لایا جاسکتا ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث منافقوں کی گھڑی ہوئی ہے تاکہ آنحضرتؐ کی رسالت میں بلکہ قرآن تک میں شک پیدا کردیں کیونکہ اگر نبی اکرمؐ کے لئے یہ روا مان لیا جائے کہ وہ بعض وقت ایسی حالت میں ہوتے ہیں کہ ان کے متعلق یہ خیال کیا جاسکے کہ وہ بغیر سمجھے بوجھے ہوئے کلام کرتے یا عمل کرتے ہیں تو یہ بھی جائز ہوجائے گا کہ وہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہیں جو اللہ نے نہ کہیں ہوں۔

اگر آنحضرتؐ کے لئے یہ جائز ہوجائے جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں تو آپ کے کلام اور آپ کی حدیث کی کوئی قیمت ہی نہ رہے گی بلکہ وہ ان لوگوں کے کلام سے بھی کم تر ہوجائے گا جو کبھی عقل اور قوت فہم کو کھوتے نہیں ہیں۔

میرے عقیدے میں نبی اکرمؐ اور اسلام دونوں ہر اس شخص سے بری الذمہ ہیں جو آنحضرتؐ سے ایسی کوئی چیز منسوب کرتا ہے یا ایسے قصوں کی حمایت کرتا ہے اور ان کو ان روایتوں میں شامل کرتا ہے جو نبی اکرمؐ سے منسوب ہوں۔

سیرت نبوی لکھنے والوں نے ان یہودی علماء اور ممتاز افراد میں جن کا ہم ذکر کرچکے ہیں اور جو اسلام سے دشمنانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں نبی حارثہ، بنی عمرو اور بنی نجار میں سے ایک جماعت کا اضافہ کیا ہے۔ یہ لوگ خود مسلمانوں میں باہمی لڑائی ٹھنوانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے اور اوس اور خزرج کے درمیان اس امید میں دشمنی بھڑکاتے تھے کہ ان کے مابین جنگیں اور پیکار اٹھ کھڑی ہوں اور وہ لوگ اپنے جھگڑوں میں پھنس کر آنحضرتؐ اور آپ کی رسالت سے علیحدگی اختیار کرلیں۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ شاس بن قیس ایک عمر رسیدہ بزرگ تھا جو مسلمانوں سے سخت دشمنی اور حسد رکھتا تھا۔ ایک روز وہ اصحاب رسول کے کچھ افراد کی طرف سے گزرا جن میں اوس اور خزرج کے لوگ بیٹھے ہوئے آپس میں اُس الفت اور محبت سے باتیں کررہے تھے جو اسلام نے ان میں قائم کردی تھی۔ اُس کو ان کی باہمی الفت اور شیرازہ بندی دیکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ وہ اپنی پچھلی مخالفتیں، دشمنیاں اور جنگیں بھول گئے ہیں غصہ آگیا اور اس نے اپنے ساتھ ایک یہودی نوجوان سے تجویز کیا کہ وہ ان میں مل بیٹھ کر ان کو یوم بعاث اور وہ شدید لڑائیاں یاد دلائیں جو دونوں فریقوں میں پچھلے زمانہ میں ہوتی رہتی تھیں۔ اور ان کے سامنے وہ اشعار پڑھے جو وہ ایک دوسرے کے مقابلے پر پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ جوان ان کے سامنے بیٹھ کر باتیں کرنے لگا اور ان کے سامنے اُس دن کے دونوں فریقوں کے اشعار پڑھ پڑھ کر سنانے لگا۔ اس پر ان کے ذہنوں میں ان یادوں کے ابھرنے سے ان کے چہروں کی کیفیت بدل گئی اور وہ اپنی پچھلی خاصیت پر پلٹ کر آپس میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر فخر کرنے لگے۔ اسی دوران ان میں کے دو افراد ایک اوس کا اور ایک خزرج کا آپس میں الجھ پڑے اور دونوں بڑھ چڑھ کر بولنے لگے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر تم چاہتے ہو تو ہم اسی مار دھاڑ پر واپس ہو جائیں گے۔ اس پر دونوں فریق سب کے سب غصہ میں بھر گئے اور انہوں نے یہ کہہ کر کہ ہم تمہاری بات پر تیار ہیں ہتھیار لگالئے۔ چنانچہ وہ نکل کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ ان میں جنگ چھڑ جائے کہ رسول اللہؐ کو خبر پہنچ گئی۔ پس آنحضرتؐ اپنے مہاجر اصحاب کی معیت میں ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور آپؐ نے ان سے فرمایا:

اے گروہ انصار! اللہ اللہ، کیا پھر زمانۂ جاہلیت کا خیال ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور اللہ نے تم کو اسلام کی طرف ہدایت کی ہے اور تم کو اس کے ذریعہ شرف بخشا ہے، تم سے جاہلیت کی حالت کو دور کیا ہے اور تم کو کفر سے نکال کر تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی ہے۔ تب لوگ سمجھے کہ یہ شیطان کی کارستانی ہے اور ان کے دشمن کی چال ہے۔ چنانچہ وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوئے اور دونوں فریق گلے مل کر رسول اللہؐ کے ساتھ آپ کی بات سنتے اور حکم مانتے ہوئے چلے گئے۔

اس پر ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ان کے درمیان فساد برپا کرنا چاہا تھا یہ آیت نازل ہوئی:

قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَo ''کہہ دیجئے کہ اہل کتاب تم اس شخص کو جو ایمان لے آیا ہے اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو اور کجروی کی خواہش کرتے ہو جبکہ تم خود گواہ ہو۔ جو کچھ تم کرتے رہتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔'' (سورۂ آل عمران: آیت ۹۹)

اوس اور خزرج کے بارے میں اللہ کا یہ قول نازل ہوا:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كَافِرِيْنَo وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍo يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَo وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا وَّكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَo ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اہل کتاب کی کسی جماعت کی اطاعت کرو گے تو پلٹ کر کافر ہو جاؤ گے۔ تم کافر کیوں ہوتے ہو جبکہ تمہارے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور اس کا رسولؐ تم میں موجود ہے۔ جو اللہ سے وابستہ رہے گا وہی سیدھی راہ کی طرف ہدایت پائے گا۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا خوف اس طرح کرو جو اس کے خوف کا حق ہے اور جب مرو تو مسلمان ہو کر مرو۔ اللہ کی رسی سے ملکر وابستہ رہو اور الگ الگ مت ہو اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو کہ تم دشمن تھے، پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی اور اس کی نعمت سے تم بھائی بھائی ہوگئے۔ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، اس نے تم کو اس سے نکالا۔ اس طرح اللہ تمہارے سامنے اپنی آیتیں ظاہر کرتا رہتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔'' (سورۂ آل عمران: آیت ۱۰۰۔۱۰۳)

یہودیوں کے علماء اور ممتاز افراد میں سے کچھ نے اسلام قبول کرلیا اور وہ اپنے اسلام میں سچے رہے۔ البتہ بعض

نے ظاہری طور پر اسلام قبول کرلیا لیکن باطن میں کفر اور نفاق پر رہے۔ ان لوگوں میں جو اسلام لائے اور ان میں سچے رہے۔ جیسا کہ سیرت نگاروں اور مؤرخین سے معلوم ہوا ہے، بنی قینقاع کے یہودیوں کے عبداللہ بن سلام تھے۔ چنانچہ ابن اسحٰق نے ابن سلام سے رشتہ رکھنے والوں کی ایک جماعت سے روایت کی ہے کہ وہ یہودی علماء اور تارک الدنیا افراد میں سے تھے۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ جب میں نے رسول اللہؐ اور ان کی صفات کے بارے میں سنا اور یہ وہ زمانہ تھا جب ہم ان کا انتظار کررہے تھے تو اس بات کو چھپائے رہے اور ان کے بارے میں خاموشی اختیار کئے رہے تا آنکہ رسول اللہؐ مدینہ تشریف لے آئے۔ جب آنحضرتؐ قبا میں آکر بنی عمرو بن عوف کے یہاں مقیم ہوئے تو ایک شخص نے اپ کے آنے کی خبر مجھ کو دی جبکہ میں اپنے ایک کھجور کے درخت پر کچھ کام کررہا تھا اور میری پھوپھی خالدہ بنت الحارث نیچے بیٹھی ہوئی تھیں۔ جیسے ہی میں نے آنحضرتؐ کی خبر سنی میں نے تکبیر کہی۔ میری پھوپھی نے تکبیر سنی تو بولیں کہ اللہ تجھ کو مایوس کرے۔ بخدا اگر تم حضرت موسیٰؑ کے آنے کی خبر سنتے تو اس سے زیادہ کچھ نہ کہتے۔ اس پر میں نے کہا کہ اے پھوپھی یہ بھی حضرت موسیٰؑ کے بھائی ہیں اور اسی طرح نبی مبعوث کئے گئے ہیں جس طرح وہ مبعوث کئے گئے تھے۔ اس پر وہ بولیں کہ اے بھتیجے کیا یہ وہی نبی ہیں جن کے متعلق ہم کو بتایا جاتا رہا ہے کہ وہ قیامت سے پہلے مبعوث ہوں گے۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ اس کے بعد میں نکل کر رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے اسلام قبول کرلیا۔ پھر اپنے گھر واپس آکر سب کو اسلام لانے کا حکم دیا اور سب اسلام لے آئے۔ البتہ میں نے اپنے اسلام کو یہودیوں سے چھپائے رکھا۔

ایک روز میں نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! قوم یہود باطل پر ہیں اور میں چاہتا ہوں آپ مجھ کو اپنے کسی مکان میں ان کی نظروں سے چھپالیں۔ پھر قبل اس کے کہ ان کو میرے اسلام کا علم ہو، آپ ان سے دریافت کیجئے کہ وہ آپ کو بتائیں کہ ان میں میری کیا حیثیت ہے کیونکہ اگر ان کو میرے اسلام کا علم ہوگیا تو وہ مجھ کو بدنام کریں گے اور مجھ کو عیب لگائیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے مجھ کو اپنے گھر کے اندر لے لیا اور جب وہ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے آپ سے بات چیت کی اور دریافت کیا کہ آنحضرتؐ کیا چاہتے ہیں؟ آنحضرتؐ نے ان سے پوچھا کہ تم میں حصیص بن سلام کیسا شخص ہے؟

انہوں نے بتلایا کہ وہ ہمارا سردار ہے اور ہمارے سردار کا بیٹا ہے اور ہمارا عالم ہے۔ جب وہ اپنی بات ختم کرچکے تو میں نکل کر ان کے سامنے آگیا اور میں نے ان سے کہا کہ اے قوم یہود! اللہ کا خوف کرو اور جو کچھ یہ لے کر آئے ہیں اسے قبول کرو کیونکہ بخدا تم جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ تم ان کو اپنے پاس توریت میں ان کے نام اور ان کی صفات کے ساتھ دیکھتے ہو۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ میں ان پر ایمان لاتا ہوں، ان کی تصدیق کرتا ہوں اور ان کو پہچانے لیتا ہوں۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ تم جھوٹے ہو اور وہ مجھ کو چھوڑ کر چلے گئے۔

تب میں نے رسول اللہؐ سے کہا کہ یارسول اللہؐ! میں نہ کہتا تھا کہ یہ بھٹکی ہوئی قوم ہے۔ یہ دھوکہ دینے والے، جھوٹ بولنے والے اور فساد کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد میں نے اپنا اسلام ظاہر کردیا۔ اب میرے گھر والے اسلام لے

آئے۔ میری پھوپھی خالدہ بنت حارث بھی اسلام لے آئیں اور وہ اپنے اسلام میں بہت اچھی رہیں۔ ان یہودی علماء میں جو رسول اللہؐ سے کئے عہد پر وفادار رہے مخریق بھی تھے جو بنی ثعلبہ بن فطیون میں سے تھے۔[1]

سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں آیا ہے کہ وہ یہودیوں کے ایک بہت بڑے دینی پیشوا تھے اور ان کے علماء میں سے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ نہایت دولتمند تھے اور کھجور وغیرہ کے باغوں کے مالک تھے۔ وہ رسول اللہؐ کی صفات کی اور جو کچھ آنحضرتؐ کے متعلق پایا جاتا تھا اس کی معرفت رکھتے تھے۔ ابن ہشام کے خیال کے مطابق ان پر اپنے دین کی محبت غالب آ گئی تھی۔ لیکن دوسروں نے ان کے اسلام کو ثابت کیا ہے اور یہ کہ وہ اسلام سے وفادار رہے اور رسول اللہؐ سے کئے ہوئے عہد پر قائم رہے یہاں تک کہ جنگ احد واقع ہوئی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس روز ہفتہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے ان یہودیوں سے کہا کہ اے یہودیو! تم کو بخدا معلوم ہے کہ محمدؐ کی مدد کرنا تمہارے اوپر حق ہے۔ اس پر ان لوگوں نے کہا کہ آج تو ہفتہ کا روز ہے۔ تب وہ بولے کہ تمہارے لئے کوئی ہفتہ نہیں ہے۔ پھر وہ اپنے ہتھیار لے کر چل دیئے یہاں تک کہ رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ انہوں نے قوم والوں سے عہد کرلیا کہ اگر وہ قتل ہو جائیں تو ان کی سب دولت حضرت محمدؐ کے لئے ہوگی اور آنحضرتؐ جس طرح چاہیں گے اس کو صرف کریں گے۔ جب لوگ آپس میں لڑنے لگے تو انہوں نے بھی جنگ میں حصہ لیا یہاں تک کہ قتل ہوگئے۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ''وہ یہودیوں میں سب سے بہتر تھے۔'' آنحضرتؐ نے ان کا مال اپنے قبضے میں لے لیا۔ یہ مدینہ میں آنحضرتؐ کو ملنے والے مال میں سب سے زیادہ تھا۔

ابن اسحٰق وغیرہ نے صفیہ بنت حی بن اخطب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں اپنے باپ اور اپنے چچا ابو یاسر کے نزدیک سب سے محبوب اولاد تھی۔ میں جب کبھی ان دونوں کے پاس ان کے بچوں کے ساتھ جاتی تو وہ دوسروں کو چھوڑ کر مجھ کو لے لیتے۔ جب رسول اللہؐ مدینہ تشریف لائے اور مقام قبا میں بنی عمرو بن عوف میں قیام پذیر ہوئے تو صبح سویرے میرے باپ حی بن اخطب اور میرے چچا ابو یاسر ان کی خدمت میں گئے اور غروب آفتاب کے وقت واپس ہوئے، جب وہ آئے تو تھکے ماندے اور چلتے میں گرتے پڑتے آئے۔ پس میں نے اپنی عادت کے مطابق خوشی خوشی ان کی طرف دوڑ لگادی لیکن قسم بخدا ان دونوں میں سے کسی نے میری طرف توجہ نہ کی کیونکہ وہ دونوں رنجیدہ تھے۔ میں نے سنا کہ میرے چچا ابو یاسر میرے باپ حی بن اخطب سے کہہ رہے تھے کہ کیا یہی وہ ہیں؟ میرے باپ نے کہا کہ ہاں بخدا۔ میرے چچا نے کہا کہ تم ان کو پہچانتے ہو اور اس پر قائم ہو۔ میرے باپ نے جواب دیا کہ ہاں۔ تب میرے چچا بولے کہ پھر تمہارے دل میں ان کے متعلق کیا ہے۔ میرے باپ نے کہا کہ ''بخدا جب تک میں زندہ ہوں ان کی دشمنی۔''

اکثر یہودی آنحضرتؐ سے امن وسلامتی کا اظہار کرتے تھے لیکن آپ کے ساتھ بے وفائی کو چھپائے رہتے تھے اور موقعوں کی تلاش میں رہتے تھے کہ فساد برپا کریں اور خود مسلمانوں میں آپس میں افتراق پیدا کردیں۔ کبھی اوس اور خزرج کے مابین اور کبھی ان کے اور مہاجرین کے مابین۔ ان ہی میں منافقوں کا وہ گروہ مل گیا جو ظاہراً اسلام لے آئے تھے لیکن

۱۔ ایک تعلیق میں آیا ہے کہ فطیون ہر اس شخص کے لئے استعمال ہوتا تھا جو یہودیوں پر حکومت حاصل کرلیتا تھا۔

نفاق چھپائے رہتے تھے۔ جیسے کہ بدیل بن حارث، عبداللہ بن ابی بن ابی سلول جو شرک اور نفاق کا سرغنہ تھا اور یہودیوں کی طرف سے اسلام کیلئے سب سے بڑا خطرہ تھا۔ اس کے اور اس کی مانند دوسرے افراد کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیَاطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ ''جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لے آئے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔'' (سورۂ بقرہ: آیت ۱۴)

منافقوں میں جلاس بن سوید بن صامت مشہور تھا۔ یوں تو وہ اسلام ظاہر کرتا تھا لیکن مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتا رہتا تھا۔

اس کے متعلق کتب سیرت میں ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کے بارے میں کہتا تھا کہ ''اگر یہ شخص سچا ہوتا تو ہم گدھوں سے زیادہ خراب ہوتے۔'' اس کا یہ قول جلاس کے پالے ہوئے بیٹے عمیر بن سعد کے ذریعہ سے رسول اللہؐ تک اس طرح پہنچا کہ عمیر بن سعد نے اس سے کہا کہ اے جلاس! تم مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہو اور میرے ساتھ سخاوت کرنے میں سب سے زیادہ اچھے ہو۔ نیز میرے نزدیک ایسے معزز ہو کہ میں تمہارے لئے کوئی ناپسندیدہ چیز گوارا نہیں کرسکتا لیکن تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر میں اس کو تمہارے خلاف استعمال کروں تو تم کو شرمندہ کردوں اور اگر میں اس پر خاموش رہوں تو اپنا دین برباد کرڈالوں۔ اس میں سے پہلا مجھ کو دوسرے سے زیادہ آسان ہے۔ بعدازاں وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں گیا اور اس نے آنحضرتؐ کو اس کی اطلاع دی۔ تب جلاس نے رسول اللہؐ کی خدمت میں آکر اللہ کی قسم کھائی کہ اس نے ایسی کوئی چیز نہیں کہی جو عمیر نے چغلی کے طور پر بیان کی ہے۔ اس پر اللہ نے اس کے بارے میں یہ آیتیں نازل کیں:

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا کَلِمَةَ الْکُفْرِ وَکَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَالَمْ یَنَالُوْا وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَکُ خَیْرًا لَّهُمْ وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِیْمًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ''وہ قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے کچھ نہیں کہا، حالانکہ انہوں نے ضرور کفر کی بات کہی اور وہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہوگئے۔ انہوں نے ایسا ارادہ کیا جو وہ حاصل نہ کرسکے۔ وہ ایسا صرف اس لئے کرتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ان کو اللہ کے فضل سے دولتمند بنادیا ہے۔ پس اگر وہ توبہ کریں تو ان کے لئے بہتر ہوگا۔ لیکن اگر وہ پلٹ گئے تو اللہ ان کو دنیا و آخرت میں تکلیف دے گا اور پھر زمین پر ان کا نہ کوئی سرپرست ہوگا نہ مددگار۔'' (سورۂ توبہ: آیت ۷۴)

اوس کے منافقوں میں مربع بن قیظی تھا۔ یہ وہی ہے جس نے رسول اللہؐ سے اس وقت یہ کہا تھا جب آنحضرتؐ احد کی طرف جاتے ہوئے اس کی دیوار کے نیچے سے گزرے تھے کہ اے محمدؐ! اگر آپ نبی ہیں تو آپ کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ آپ میری دیوار کے نیچے سے گزریں۔ پھر اس نے ایک مٹھی خاک ہاتھ میں لے کر کہا کہ اگر مجھ کو یہ اندیشہ نہ ہوتا

کہ یہ مٹی دوسروں کے لگ جائے گی تو میں ضرور اس کو آپ پر پھینکتا۔ اس پر آنحضرتؐ کے اصحاب اس کی طرف لپکے تا کہ اس کو قتل کر ڈالیں لیکن آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو کیونکہ وہ دل ودماغ کا اندھا ہے۔ پھر بھی سعد بن زید نے جو بنی عبدالاشہل کا بھائی تھا اس کو کمان مار کر زخمی کر دیا۔

ان میں اس کا بھائی اوس بن قیظی بھی ہے جس نے رسول اللہؐ سے جنگ خندق کے روز کہا تھا کہ ہمارے گھر خالی پڑے ہیں اس لئے ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم گھروں کو واپس چلے جائیں۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی تھی:

یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَۃٌ وَمَا ھِیَ بِعَوْرَۃٍ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا۝ ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے گھر خالی پڑے ہیں حالانکہ وہ خالی نہیں ہیں۔ یہ لوگ کچھ نہیں صرف بھاگنا چاہتے ہیں۔''
(سورۂ احزاب: آیت ۱۳)

ان منافقین میں جو رسول اللہؐ کے مدینہ میں تشریف لانے کے پہلے سال میں اپنے آپ کو اسلام کے نقاب میں چھپائے ہوئے تھے یہ لوگ شامل تھے، یعنی ابو حبیبہ بن ازعر، ثعلبہ بن حاطب، حلال بن امیہ معتب بن قشیر، ودیعہ بن ثابت اور عباد بن حنیف، یہ سب اس مسجد کی تعمیر میں شریک تھے جس میں نماز ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو منع کر دیا تھا اور اس کا نام ''مسجد ضرار'' قرار دیا تھا جیسا کہ سورۂ توبہ کی آیات نمبر ۱۰۷، ۱۰۸ اور ۱۰۹ میں بیان ہوا ہے۔

ہم اس مسجد کے اور جو واقعہ اس کے ساتھ پیش آیا، اس کے متعلق غزوۂ تبوک کے سلسلہ میں بیان کریں گے۔ جب منافقوں نے نبی اکرمؐ سے کہا تھا کہ اس میں نماز ادا فرمائیں اور آپ نے وعدہ فرما لیا تھا کہ تبوک سے واپسی پر ان کی خواہش کو پورا فرمائیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو حکم دیا کہ اس کو مسمار کر دیں۔ جیسا کہ عنقریب اس کے متعلق بیان آئے گا۔

مجتب بن قشیر بھی ایک منافق تھا۔ یہ وہی ہے جس نے جنگ احد کے موقع پر کہا تھا کہ اگر ہم حق پر ہوئے ہوتے تو یہاں پر قتل نہ ہوتے۔ چنانچہ اللہ نے اس کے متعلق یہ آیت نازل کی:

وَطَآئِفَۃٌ قَدْ اَھَمَّتْھُمْ اَنْفُسُھُمْ یَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاھِلِیَّۃِ یَقُوْلُوْنَ ھَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّہٗ لِلّٰہِ۔ ''ایک گروہ وہ ہے جن کو اپنی جانیں زیادہ اہم لگتی ہیں۔ وہ اللہ کے متعلق ناحق جاہلیت کے زمانہ کے سے گمان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا ہم کو اس معاملہ میں کوئی دخل حاصل ہے؟ کہہ دیجئے کہ معاملہ کُل کا کُل اللہ کے قبضہ میں ہے۔''
(سورۂ آل عمران: آیت ۱۵۴)

اس شخص نے جنگ احد کے موقع پر کہا تھا کہ محمدؐ نے ہم سے وعدہ کیا تھا ہم کسریٰ اور قیصر کے خزانے حاصل کر لیں گے حالانکہ آج ہم میں کوئی شخص امن کے ساتھ جائے ضرور بھی نہیں جا سکتا۔ اس پر اللہ نے اس کے بارے میں یہ آیت نازل کی:

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا○

''منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری سے کہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم سے صرف جھوٹ وعدہ کیا تھا۔'' (سورۂ احزاب: آیت۱۲)

بنی قینقاع کے ایک یہودی زید بن ابوصلت کے متعلق آیا ہے کہ ایک مرتبہ جب رسول اللہؐ کا ناقہ کھو گیا تھا تو اس نے کہا کہ محمدؐ کا خیال ہے کہ ان کو آسمان سے خبریں آتی ہیں حالانکہ وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ ان کا ناقہ کہاں ہے؟ جب اس کے کہنے کی اطلاع رسول اکرمؐ کو ہوئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ''وہ کہتا ہے کہ ان کو آسمان سے خبریں آتی ہیں حالانکہ وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ ان کا ناقہ کہاں ہے'' تو بیشک بخدا میں کچھ نہیں جانتا سوائے اس کے جو میرا پروردگار مجھ کو بتلادے۔ اب اس نے مجھ کو اس کی طرف رہبری کی ہے کہ وہ اس وادی میں ہے اور اس کی نکیل ایک جھاڑی میں پھنس گئی ہے۔ چنانچہ کچھ مسلمان گئے اور انہوں نے اس کو جیسا رسول اللہؐ نے فرمایا تھا اور جو کیفیت اس کی بیان فرمائی تھی ویسا ہی پایا۔

کچھ منافق مسجد میں موجود رہتے تھے اور مسلمانوں کی باتیں سن سن کر ان کا اور ان کے دین کا آہستہ آہستہ آوازوں میں مذاق اڑایا کرتے تھے اور ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے۔ پس رسول اللہؐ نے حکم دیا اور ان سب کو مسجد سے سختی سے نکال دیا گیا۔

ابوایوب انصاری، عمرو بن قیس کی طرف بڑھے جو بنی نجار کے بنی غنم کا ایک فرد تھا اور اس کا پیر پکڑ کر اس کو گھسیٹتے ہوئے لے گئے یہاں تک کہ اس کو مسجد سے باہر کردیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اے ابوایوب! کیا تم مجھ کو بنی ثعلبہ کے احاطے سے نکال رہے ہو؟ ابوایوب ہی رافع بن ودیعہ کی طرف بڑھے اور اس کی چادر پکڑ کر اس کو خوب مارا اور اس کے چہرے پر تھپڑ لگائے۔ اس کے بعد اس کو مسجد سے باہر نکال دیا۔ عمارہ بن حزم، زید بن عمرو کی طرف بڑھے۔ اس شخص کی داڑھی لمبی تھی، چنانچہ انہوں نے اس کی داڑھی پکڑ کر اس کو بری طرح لے گیا یہاں تک کہ مسجد سے باہر کیا۔ پھر اپنے ہاتھ ملا کر اس کے ایسا دو ہتڑ لگایا کہ وہ زمین پر جا گرا۔

مسلمانوں کی ایک جماعت باقی منافقوں کی طرف بڑھی اور انہوں نے ان کو بیدردی اور سختی سے مسجد سے باہر نکال دیا تاکہ وہ پھر ایسا نہ کریں۔ ان کے حال میں رسول اللہؐ پر پے در پے آیتیں نازل ہوئیں تاکہ آنحضرتؐ ان کے حالات سے باخبر رہیں۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں اللہ کہتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ○ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ○ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ○ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْا اَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ○ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ○ ’’کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے ہیں حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔ وہ اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے ہیں دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ صرف اپنے ہی کو دھوکہ دیتے ہیں گو کہ سمجھتے نہیں ہیں۔ ان کے دلوں میں روگ ہے۔ اللہ ان کے روگ کو اور بڑھائے گا اور ان کے لئے اپنے کئے کی وجہ سے سخت عذاب ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد مت کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اصلاح کر رہے ہیں۔ ارے ضرور وہی فساد برپا کرنے والے ہیں۔ البتہ وہ سمجھتے نہیں ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لے آؤ جس طرح اور لوگ ایمان لے آئے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لے آئے جیسے احمق لوگ ایمان لائے ہیں۔ ارے وہی خود احمق ہیں لیکن جانتے نہیں ہیں۔ اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لے آئے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں لیکن جب اپنے شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔‘‘ (آیت ۸تا۱۴)

اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں جو سورۂ بقرہ میں اسّی سے اوپر پہنچ گئی ہیں۔ ان کے علاوہ وہ آیتیں ہیں جو سورۂ توبہ، منافقوں اور دوسری سورتوں میں ہیں جو موقعوں کے لحاظ سے ان کے افعال کو اور ان کی بری نیتوں کو آشکارا کرتی ہیں جو آئے دن ان کے افعال اور اقوال سے ظاہر ہوتی رہتی تھیں۔

خاص اس زمانے میں جب حضرت محمدؐ کے اور یہودیوں اور ان منافقوں کے درمیان جو اُن سے ملے ہوئے تھے، مخالفت شدت پر تھی۔ رسول اللہؐ نے خیبر کے یہودیوں کو ایک خط لکھا جس میں تھا کہ:

’’یہ ہے اللہ کے رسول محمدؐ کی طرف سے جو موسیٰؑ کے ساتھی اور بھائی ہیں اور جو کچھ اس سے پہلے موسیٰؑ لائے ہیں اس کی تصدیق کرنے والے ہیں۔

اے گروہ توریت! تم سے اللہ کہتا ہے اور تم اس کو اپنی کتابوں میں پاؤ گے کہ:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَاللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا○ ’’محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آنحضرتؐ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سختی کرنے والے اور آپس میں رحم کرنے والے ہیں۔ تم ان کو دیکھو گے رکوع کرتے ہوئے، سجدہ کرتے ہوئے اور اللہ سے بخشش اور خوشنودی طلب کرتے ہوئے۔ ان کی پہچان ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان سے ہے۔ ان کی مثال توریت میں بھی ہے اور ان کی مثال انجیل میں بھی ہے۔ وہ کھیتی کی مانند ہیں

جس میں پہلے کونپل نکلتی ہے، پھر مضبوط ہو کر موٹی ہوتی ہے، پھر اپنے تنے پر سیدھی ہو جاتی ہے، جس سے بونے والوں کو خوشی ہوتی ہے اور کفار کو غصہ آتا ہے۔ اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور جو نیک عمل کرتے ہیں بخشش کا اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔'' (سورۂ فتح: آیت ۲۹)

میں تم کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں، جو کچھ تمہارے اوپر نازل ہوا ہے اس کی قسم دلاتا ہوں، اس ذات کی قسم دلاتا ہوں جس نے تم سے پیشر و قبیلوں کو کھانے کے لئے من وسلویٰ عطا کیا تھا اور اس ذات کی قسم دلاتا ہوں جس نے تمہارے آباؤ اجداد کے لئے سمندر کو خشک کر کے ان کو فرعون اور اس کے کرتوتوں سے نجات دلائی تھی۔ کہ تم مجھ کو بتاؤ کہ جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اس میں تم یہ پاتے ہو کہ تم محمدؐ پر ایمان لاؤ۔ اگر تم یہ اپنی کتابوں میں نہیں پاتے ہو تو تم پر کوئی جبر نہیں ہے۔ ہدایت اور گمراہی میں فرق ظاہر ہو گیا ہے۔ پس میں تم کو اللہ اور اس کے نبی کی طرف دعوت دیتا ہوں۔''

ان کے سردار نے آنحضرتؐ کی جسمانی ساخت اور صفات میں اس نبی کی علامات پالیں جس کی بشارت توریت نے دی تھی لیکن اس کے بعد بھی جیسا کہ صفیہ بنت حی ابن اخطب نے تصدیق کی ہے جواب میں کہا کہ ''میں جب تک زندہ ہوں ان سے جنگ اور دشمنی پر رہوں گا۔'' (سیرت ابن ہشام، صفحہ ۹۱۵)

یہودیوں میں سے ان گنے چنے افراد کو چھوڑ کر جو اسلام لے آئے اور اپنے اسلام میں پُرخلوص رہے جیسے کہ عبداللہ بن سلام اور ان کی مانند تھوڑے سے اور لوگ۔ باقی تمام یہودی روز نبی اکرمؐ کی خدمت میں آ کر نئی سے نئی چیزیں طلب کیا کرتے تھے لیکن جب ان کو وہ چیزیں مل گئیں جن کو وہ جانتے تھے کہ حق ہیں تو انہوں نے ان سے انکار کر دیا اور آنحضرتؐ سے پسندیدگی کا اظہار کر کے اپنی بات پر اڑے رہے اور چلے گئے۔

پھر اس وقت جب معاملات مستحکم ہو گئے اور یہودیوں کی حالت واضح ہو گئی تو نبی اکرمؐ کی خدمت میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آیا جس میں ساٹھ سوار شامل تھے۔ ان میں ایک شخص تھا جو بڑے مرتبے والا تھا۔ وہ ان کی کتابیں پڑھے ہوئے تھے اور ان کے دین کا اچھا علم رکھتا تھا۔ روم کے بادشاہ عیسائی تھے انہوں نے اس کو بڑا مرتبہ دیا تھا، خوب مالدار بنا دیا تھا، اس کو نوکر دیئے تھے، اس کے لئے گرجا گھر بنوا دیئے تھے اور اس پر بہت عنایات کی تھیں۔

استاد ہیکل نے یہ رائے قابل ترجیح خیال کی ہے کہ جب اس وفد کو اس مخالفت کا علم ہوا جو نبی اکرمؐ اور یہودیوں کے درمیان چل رہی تھی تو یہ اس مخالفت کو اور شدید کرنے اور اس کی آگ بھڑکانے کا خیال لے کر مدینہ گیا تاکہ جب طرفین میں معاملہ پختہ ہو جائے تو عیسائی عربوں کے لئے شام کی سمت سے باعث پریشانی ہو جائیں۔ پس اس وفد کے آنے سے تین آسمانی کتاب والے مناسب جمع ہو گئے اور تینوں میں شدید بحث شروع ہو گئی، جس میں سے ہر ایک نے جو کچھ تھا وہ سب کے سامنے پیش کر دیا۔ چنانچہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرتؐ کی رسالت کا انکار کر دیا۔ ان کا انحصار صرف غلط بحث اور ایسے غلط خیالات پر تھا جن پر وہ خود بھی ایمان نہ رکھتے تھے۔ اس کے باوجود وہ مانتے تھے کہ عزیرؑ اللہ کے بیٹے

ہیں۔ عیسائی تثلیث کے اور حضرت عیسیٰؑ کے خدا ہونے کے قائل تھے۔ ادھر آنحضرتؐ نے ان کو ایسے ایک خدا کی عبادت کی طرف دعوت دی جو محض ایک ہے جس کا نہ کوئی شریک ہے نہ بیٹا اور ایسی روحانی وحدت کی طرف دعوت دی جس سے عالم کا نظام ازل سے لے کر ابد تک قائم ہے۔

یَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ○
''اے اہل کتاب آ ؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر کا ہے یعنی یہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں گے اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گے، نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کی بجائے پالنے والا مانے۔ پس اگر تم پسند کرتے ہو تو گواہی دو کہ ہم مسلمان ہیں۔''
(سورۂ آل عمران: آیت ۶۴)

یہودیوں اور عیسائیوں نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ آپ رسولوں میں سے کن پر ایمان رکھتے ہیں؟ تو اس پر آپ نے فرمایا:

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ○ ''ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو کچھ ہم پر نازل ہوا اور اس پر جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر نازل ہوا اور جو کچھ دیا گیا موسیٰؑ وعیسیٰؑ کو اور دیگر نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے۔ ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔'' (سورۂ آل عمران: آیت ۸۴)

جب وہ لوگ ایسے شبہے پیش کرتے تھے جو توحید کے خلاف ہوتے تو آنحضرتؐ سختی سے انکار فرما دیتے تھے اور ان کے سامنے قرآن سے ایسے ایسے حصے تلاوت فرماتے تھے جس سے یہ ثابت ہو جاتا تھا کہ ان لوگوں نے ان چیزوں کو بدل ڈالا ہے جو توریت اور انجیل میں آئی تھیں۔ اور یہ کہ اس راستے سے مختلف پر چل رہے تھے جس پر ان سے پہلے کہ انبیاءؑ چلتے تھے۔ نیز یہ کہ جو کچھ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ لیکر آئے تھے وہ اس سے مختلف نہیں تھا جو آنحضرتؐ لیکر آئے تھے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ○ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَ هُمُ الْعِلْمُ○ ''اللہ اور ملائکہ اور صاحبان علم جو عدل پر قائم ہیں گواہی دیتے ہیں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے۔ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے، وہ اقتدار والا صاحب حکمت ہے۔ بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے اس وقت اختلاف کیا جب ان کے پاس علم آ چکا تھا۔'' (سورۂ آل عمران: آیت ۱۸)

یعنی انہوں نے اس وقت اختلاف کیا جبکہ میں ان کے سامنے توحید لایا یعنی یہ کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک ہے، نہ کوئی بیٹا ہے، نہ کوئی نظیر۔ انبیاءؑ بھی اسی مستقل حقیقت کو لے کر آتے رہے اور اس میں ان کی مخالفت کسی نے نہیں کی۔ لیکن اصحاب نے اور دین کی تجارت کرنے والے پیرووں نے اس میں ردوبدل کرڈالا اور ایک نے دوسرے کو جھوٹ کہا۔ چنانچہ عیسائیوں نے کہا کہ یہودی کسی چیز پر نہیں ہیں اور یہودیوں نے کہا کہ عیسائی کسی چیز پر نہیں ہیں۔

اس کے بعد نبی اکرمؐ نے ان کے سامنے حضرت عیسیٰؑ کا معاملہ بیان کیا کہ کس طرح اللہ نے ان کو اس وقت اپنی طرف اٹھالیا جب یہودی ان کو قتل کرنے پر متفق ہوگئے تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَ اللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ○ ''اور انہوں نے تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی۔ اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔'' (سورۂ آل عمران: آیت ۵۴)

پھر آنحضرتؐ نے ان کو خبریں دیں اور جو کچھ وہ حضرت عیسیٰؑ کو یہودیوں کے ہاتھوں پھانسی دینے کے متعلق مانتے تھے اس کو باطل قرار دیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

اِذْ قَالَ اللّٰہُ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ ''جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰؑ میں تم کو واپس بلالوں گا اور اپنی طرف اٹھالوں گا اور تم کو ان لوگوں سے جو کفر اختیار کئے ہوئے ہیں پاک رکھوں گا اور ان لوگوں کو جو تمہاری پیروری کریں گے روز قیامت تک ان لوگوں پر برتر رکھوں گا جو کفر اختیار کریں گے۔'' (سورۂ آل عمران: آیت ۵۵)

پھر آنحضرتؐ نے ان کو حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے بارے میں اس طرح اطلاع دی:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَاللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ○ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ○ ''اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال ویسی ہے جیسی آدمؑ کی مثال۔ ان کو اس نے مٹی سے بنایا پھر کہا کہ ہوجاؤ اور وہ ہوگئے۔ یہ حقیقت اللہ کی طرف سے ہے۔ پس تم شک کرنے والوں میں مت شامل ہو۔'' (سورۂ آل عمران: آیت ۵۹۔۶۰)

یعنی جب وہ لوگ کہیں کہ حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے کیسے پیدا ہوئے؟ تو کہہ دیجئے کہ میں نے ان کو اس طرح پیدا کیا جس طرح آدمؑ کو بغیر مرد اور عورت کے پیدا کیا۔ اور وہ بھی عیسیٰؑ کی طرح انسان تھے۔ گوشت، بال اور ساخت میں۔ پس اگر آدمؑ، عیسیٰؑ سے زیادہ تعجب خیز اور حیرتناک نہیں ہیں تو عیسیٰؑ ان سے زیادہ باعث تعجب نہیں ہیں۔

اس کے بعد فرمایا:

فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْہِ مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ ''پس جو کوئی آپ سے بحث کرے جبکہ آپ کو علم حاصل ہو چکا ہے۔''

یعنی آپ سے اس کے بعد بھی بحث کرے جب میں آپ کو ان کی خبر دے چکا، ان کی خلقت کے راز بتا چکا اور ان کے امور سے آگاہ کر چکا، تو آپ ان کو مباہلہ کی دعوت دیجئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ:

تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآئَنَا وَاَبْنَائَکُمْ وَنِسَآئَنَا وَنِسَآئَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۝ ''آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو، اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو، اور ہم اپنے نفسوں کو اور تم اپنے نفسوں کو، پھر اللہ سے رجوع کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔'' (سورۂ آل عمران: آیت ۶۱)

حدیث و سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ جب ان لوگوں کی نظر نبی اکرمؐ پر پڑی جن کے ساتھ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ تھے، تو وہ اپنے موقف سے ہٹ گئے اور کہنے لگے کہ ''اے ابوالقاسمؐ! ہم کو موقع دیجئے کہ ہم اپنے معاملے پر غور کرلیں اور کل ہم آپ کے پاس آکر بتادیں گے کہ ہم کیا کرنا چاہتے ہیں؟ اس کے بعد وہ آنحضرتؐ کے پاس سے چلے گئے اور اپنے بڑے فرد ابوحارثہ عاقب سے مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ اے عبدالمسیح آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ اے عیسائیو! بخدا تم خوب سمجھ گئے ہو کہ محمدؐ بھیجے ہوئے نبی ہیں اور تمہارے پاس اپنے نبی ہونے کے بارے میں فیصلہ کن خبر لائے ہیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ جب کبھی کوئی قوم کسی نبی پر لعنت کرتی ہے تو نہ اس کا کوئی بڑا زندہ بچتا ہے نہ چھوٹا۔ اگر تم ایسا کروگے تو بیخ و بن سے بربادی ہے۔ اگر تم کو اپنے دین سے لگاؤ کے علاوہ کوئی چیز گوارا نہیں ہے اور تم اپنے نبی کے بارے میں اس عقیدے پر قائم رہنا چاہتے ہو جس پر ہو تو اس شخص سے سمجھوتہ کرلو اور اپنے ملک واپس جاؤ۔ چنانچہ ان لوگوں نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اے ابولقاسمؐ! ہم نے یہ رائے کرلی ہے کہ آپ پر طلب لعنت نہ کریں بلکہ آپ کو آپ کے دین پر رہنے دیں اور ہم اپنے دین پر واپس ہوجائیں لیکن آپ اپنے اصحاب میں سے ایک شخص کو جس کو آپ ہمارے لئے پسند فرمائیں ہمارے ساتھ بھیج دیجئے جو اُن چیزوں کے بارے میں جن میں ہم کو اپنے مال کے متعلق اختلاف ہے فیصلہ کرے کیونکہ ہمیں آپ کی خوشی منظور ہے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کے ساتھ ابوعبیدہ بن جراح کو بھیجا۔ حضرت عمر بن خطاب کی خواہش تھی کہ نبی اکرمؐ کی طرف سے وہ بھیجے جاتے۔ راوی کے خیال کے مطابق وہ کہا کرتے تھے کہ مجھ کو امارت کا ایسا شوق کبھی نہیں ہوا جیسا اس کے لئے اس روز ہوا اس امید میں کہ میں ہی اس کا حامل ہوا ہوتا۔

وہ حضرت عمر بن خطاب کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ نماز صبح کے لئے سویرے اٹھ کر چلے گئے۔ جب آنحضرتؐ نماز ادا کر چکے تو آپ نے دائیں بائیں نگاہ ڈالی۔ اس وقت حضرت عمر نے اپنے آپ کو اونچا کرلیا تاکہ آنحضرتؐ ان کو دیکھ لیں لیکن نبی اکرمؐ اپنی آنکھوں سے تلاش کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے ابوعبیدہ بن جراح کو دیکھا۔ پس ان کو بلا کر فرمایا کہ ان کے ساتھ جا کر ان کے درمیان جن امور میں یہ لوگ اختلاف کررہے ہیں ان میں حق کے مطابق فیصلہ کرو۔ چنانچہ ابوعبیدہ گئے۔

یہ ہے مختصر شکل اس وفد کے اور نبی اکرمؐ کے درمیان مذاہب کے بارے میں مناظروں کی جو اُن کی شکست اور معرکہ سے دستبرداری پر ختم ہوئے اور انہوں نے ایسے شخص کو لیا جو اُن کو جانتا ہو اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ اس کو ہم نے جو کچھ سیرت ابن ہشام میں ہے اس سے منتخب کیا ہے۔ ابن ہشام وغیرہ نے نجران کے وفد کا ذکر دوسرے سال کے واقعات میں کیا ہے اور ابن سعد نے طبقات میں اسی کو اختیار کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ وفد ہجرت نبوی کے چھٹے یا ساتویں سال میں واقع ہوا کیونکہ سورۂ آل عمران کی وہ آیت جو اس معاملے پر دلالت کرتی ہے یعنی یہ کہ آنحضرتؐ ان لوگوں سے اپنے نفس اور اپنے بیٹوں کے ساتھ مباہلہ کریں اور آنحضرتؐ ان کی طرف نکل کر تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ تھے جبکہ ہجرت کے دوسرے سال میں امام علیؑ کی حضرت فاطمہ زہراؑ سے تزویج ہی نہ ہوئی تھی کیونکہ آپ نے ان سے دوسرے سال کے اواخر میں یا جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے تیسرے سال میں تزویج فرمائی۔ البتہ چھٹے سال میں حسنؑ و حسینؑ چلنے لگے تھے۔

تفسیر ثعلبی میں مجاہد اور کلبی سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو مباہلے کی دعوت دی تو انہوں نے کہا کہ ہم کو واپس جا کر غور کر لینے دیجئے۔ جب وہ جمع ہوئے تو انہوں نے عاقب سے جو اُن میں صاحب رائے تھا کہا کہ اے عبدالمسیح تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ اے، گروہ نصاریٰ! تم خوب سمجھتے ہو کہ محمدؐ بھیجے ہوئے نبی ہیں اور انہوں نے تمہارے نبی کے بارے میں فیصلہ کن بات کہہ دی۔ بخدا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی قوم نے نبی پر لعنت طلب کی ہو اور ان کے بڑے زندہ رہے ہوں یا چھوٹے بڑے ہو پائے ہوں۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ضرور ہلاک ہو جاؤ گے۔ اگر تم کو اپنے دین سے لگاؤ کے علاوہ کوئی چیز گوارا نہیں ہے اور تم اسی پر قائم رہنا چاہتے ہو جس پر ہو تو اس شخص سے سمجھوتہ کر لو اور اپنے ملک واپس چلے جاؤ۔

پس رسول اللہؐ صبح کے وقت اس طرح نکلے کہ حسینؑ کو گود میں لئے ہوئے اور حسنؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے، فاطمہؑ آنحضرتؐ کے پیچھے چلتی ہوئیں اور علیؑ ان خاتون کے پیچھے۔ آنحضرتؐ فرما رہے تھے کہ جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔ اس پر نجران کے بڑے پادری نے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جو اگر اللہ سے سوال کریں کہ کسی پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دے تو وہ ان کی خاطر اس کو ہٹا دے گا۔ پس تم ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ تباہ ہو جاؤ گے اور صفحۂ ارض پر قیامت تک کوئی عیسائی زندہ نہ رہے گا۔ تب ان لوگوں نے کہا کہ اے ابوالقاسمؐ! ہماری یہ رائے ہے کہ آپ سے مباہلہ نہ کریں اور ہم آپ کو آپ کے دین پر رہنے دیں اور خود اپنے دین پر قائم رہیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم نے مباہلے سے انکار کیا ہے تو اسلام قبول کر لو۔ تم کو وہی حقوق حاصل ہو جائیں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور تم پر وہی فرائض عائد ہو جائیں گے جو مسلمانوں پر ہیں۔ وہ اس پر بھی نہ مانے تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں تم سے جنگ کرتا ہوں۔ وہ بولے کہ ہم میں عرب سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ لیکن ہم آپ سے اس پر صلح کرتے ہیں کہ آپ نہ ہم پر حملہ کریں گے، نہ آپ ہم کو دھمکائیں گے، نہ ہم کو ہمارے دین سے ہٹائیں گے اور ہم آپ کو ہر سال دو ہزار پوشاکیں دیا

کریں گے۔ ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہ رجب میں اور تیس زرہیں لوہے کی دیں گے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اسی پر ان سے صلح فرمالی۔

راوی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ ہلاکت اہل نجران پر منڈلا رہی تھی۔ اگر وہ لعنت کرتے تو بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ ہوجاتے۔ پوری وادی آگ سے چمک اٹھتی اور اللہ پورے نجراں اور اس کے باشندوں کو حتیٰ کہ پہاڑوں کے اوپر والے پرندوں کو نیست و نابود کردیتا اور ان پر ایک سال نہ گزرنے پاتا۔

تفسیر المیز ان میں ہے کہ ابن اسحٰق نے کتاب المغازی میں قریب قریب یہی روایت کیا ہے۔ اسی طرح مالکی نے فصول المہمہ میں اور حموی نے جرتح سے ثعلبی کی روایت کے لگ بھگ روایت کیا ہے۔

صحیح مسلم میں سعد بن ابی وقاص اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان گفتگو کے بیان میں ہے کہ معاویہ نے سعد بن ابی وقاص سے کہا وہ علیؑ کو برا کہیں۔ سعد نے ان سے کہا کہ جب تک مجھ کو تین چیزیں یاد ہیں جو رسول اکرمؐ نے علیؑ کے بارے میں کہی ہیں ان کو برا نہ کہوں گا کیونکہ اگر ان میں ایک بھی مجھ کو حاصل ہوتی تو مجھ کو سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی۔

میں نے اس روز جب آنحضرتؐ نے علیؑ کو مدینہ میں چھوڑا تھا اور یہ ان کو برا لگا تھا رسول اللہؐ کو علیؑ سے یہ کہتے سنا تھا کہ کیا تم اس پر مطمئن نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو (حضرت) ہارونؑ کو (حضرت) موسیٰؑ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

اور میں نے جنگ خیبر کے روز آنحضرتؐ کو کہتے سنا تھا کہ کل میں جنگ کا علم ایسے شخص کے کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسولؐ بھی اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ ہم سب اس کی تمنا میں رہے۔ پس آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے پاس علیؑ کو بلا لاؤ۔ وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے گئے جبکہ ان کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔ آنحضرتؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور ان کو علم دیدیا۔ چنانچہ اللہ نے ان کے ہاتھ پر فتح دلائی۔

اور جب یہ آیت نازل ہوئی:

تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآئَنَا وَاَبْنَائَکُمْ وَنِسَآئَنَا وَنِسَآئَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَھِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ○ تو آنحضرتؐ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو بلا کر فرمایا کہ یہ ہیں میرے اہلبیت۔

یعقوبی کی روایت میں آیا ہے کہ ان لوگوں کے سردار ابوالحارثہ نے کہا کہ دیکھو ان کے ساتھ کون کون آیا ہے؟ اور رسول اللہؐ اس طرح آئے تھے کہ حسنؑ وحسینؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے، فاطمہؑ آنحضرتؐ کے پیچھے آتی ہوئیں اور علیؑ، آنحضرتؐ کے سامنے۔ پس ابوحارثہ نے کہا کہ یہ ان کے ساتھ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے بتلایا کہ یہ ان کا چچازاد بھائی ہے۔ یہ ان کی بیٹی ہیں اور یہ دونوں اس کے بیٹے ہیں۔ رسول اللہؐ نے اپنے گھٹنے جھکائے اور پھر پورے جھک گئے۔ اس پر

ابوحارثہ بولا کہ قسم بخدا یہ اسی طرز سے جھکے ہوئے ہیں جیسے انبیاء مباہلے کے لئے جھکتے ہیں اور اس نے ان افراد کو دیکھ کر جو آنحضرتؐ کے ساتھ تھے، اس وفد کو آنحضرتؐ سے مباہلہ کرنے کو منع کردیا۔

تفسیر المیزان میں کہا ہے کہ ترمذی نے اس کو اپنی صحیح میں، ابوالموید موفق ابن احمد نے فضائل علیؑ میں، ابوالنعیم نے حلیہ میں عامر بن سعد سے، اور حموی نے فرائد السمطین میں روایت کیا ہے۔ اس کو شعبی نے بھی جابر سے روایت کیا ہے۔ نیز مغازلی، صاحب درمنشور اور جریر وغیرہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

شیعوں نے اس کو اہلبیت سے روایت کیا ہے اور شیعہ لکھنے والوں نے اس کو اپنے مجموعوں میں شامل کیا ہے۔ اس کے صحیح ہونے میں کسی لکھنے والے نے پس وپیش نہیں کیا ہے سوائے ان سنی افراد کے جو اس سے انکار تو نہ کرسکے البتہ اس سے کترا کر نکل گئے۔ جیسی ان احادیث کے متعلق ان کی عادت ہے جو علیؑ اور آل علیؑ کے بارے میں ہوں کیونکہ وہ ان کو عادتاً جھوٹا کہہ دیتے اس لئے کہ ان میں شیعیت کی بو آتی ہے۔ خواہ اس کے راوی سنی ہی ہوں۔ حدیث مباہلہ کی نسبت سے ان کا یہ کہنا ہے کہ انفسنا ونساء نا وابناء نا کی تفسیر فاطمہؑ ان کے شوہرؑ اور ان کے دونوں بیٹوںؑ سے کرنے کے لئے شیعوں کے علاوہ کوئی اور مصدر نہیں ہے۔ ان کا خیال ہے کہ سنیوں نے بھی اس کو ان ہی سے لے لیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک انسان تزویج کئے ہوئے ہو نساء کا لفظ عربی لغت میں صرف بیویوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی قسم کے اور بھی مغالطے ہیں۔ (تفسیر المیزان، جلد۳، صفحہ۲۲۹)

اسلام کے ساتھ سلمان فارسیؓ کا موقف

یہ باعث تعجب نہیں ہے کہ نبیوں کے پیروؤں میں ایسے افراد پائے جائیں جو پاکیزگی، صفائے قلب اور بے گناہی کے حامل ہوں کیونکہ انبیاء کرامؑ انسان کے ضمیروں کو تعلیم، تربیت اور چھوڑی ہوئی ہدایات سے معمور کردیتے ہیں تاکہ وہ اس کے ذریعے خوبیاں حاصل کرتے رہیں۔ اگر کبھی ان کو خواہش نفس، دنیاوی لذت کی طرف مائل کرتی ہے تو وہ اس کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ نفس کی وہ جلا واپس لے آئیں جس کو خواہشات نے زیر نقاب کردیا تھا۔ گویا پاک نفوس چراغوں کی مانند ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک کی لو بجھ جائے اور اس کو روشن چراغ کے قریب کردیا جائے تو وہ روشنی حاصل کرلے گی اور اس کے اطراف کی تاریکی چھٹ جالے گی۔ البتہ عقل کو کتنی ہی زیرکی اور امور پر نظر ڈالنے کی قوت دیدی گئی ہو جب تک پیہم نگہداری اور غور وفکر کا سہارا نہ ملے گا وہ حقائق کو باور کرنے سے قاصر رہے گی۔

کتنے ہی لوگ خلقت کی کیفیات اور زندگی کی مشکلات میں اپنی عقلوں کو کھپائے رہتے ہیں اور مدتوں حقیقت کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں لیکن بھٹک جاتے ہیں اور صحیح راستا نہیں پاتے بلکہ اس جہاز اڑانے والے کی مانند ہوجاتے ہیں جو گہرے کُہر میں گھر گیا ہو اور جب تک اس کو ایسی ہدایت نہ ملے جو اس کو ڈھنگ پر لگادے اور اس کو بتادے کہ کیسے چلے اور کیسے نیچے اترے، وہ بھٹکا ہی رہے گا اور دور دراز مقام پر پھرتا رہے گا جب تک کہ اس کو اپنی اور ان لوگوں کی منزل کا

کوئی اندازہ یا ادراک نہ ہوگا جن کو وہ لے جا رہا ہے۔

ایسے لوگ کم ہیں جو اپنی طویل کوششوں میں مقصد تک پہنچ جائیں اور وہ بھی شدید محنت اور سالہا سال کی مدتوں میں۔ البتہ انبیاءؑ اور مرسلین کے وہ پیرو جن کے نفس طیب ہیں اور جن کے دل خواہشوں اور گناہوں سے پاک ہیں، اپنے مقاصد کو چند گنے چنے گھنٹوں میں حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ انبیاءؑ کو یہ فکر ہوتی ہے کہ بھلائی کی معرفت اور پاکیزگی نفس کی قوت کے احساس کی بنیاد پر انسان کا رشتہ خالق کائنات سے قائم کرادیں۔

اس لئے نبی اکرمؐ کی شدید خواہش یہی ہوتی تھی کہ آپ تمام کائنات پر حاوی قدرت الٰہی کے قابل محسوس مناظر کو نمایاں کرنے کے لئے لوگوں کے سامنے زیادہ تر ان کھلی ہوئی آیات کی تلاوت فرمایا کریں جو پوری کائنات اور اس میں پائی جانے والی حیرتناک مخلوقات اور بڑی بڑی نعمتوں کو بیان کرتی ہیں تاکہ ان کے ذہنوں میں آپ کی رسالت پر ایمان کی بنا اس کی وسعتوں کی معرفت اور ادراک پر قائم ہو۔ مثلاً:

اَللّٰہُ الَّذِی خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّکُمْ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْکَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْھَارَ○ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ○ وَاٰتَاکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْہُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا○ ''اللہ وہ ہے جس نے خلق کیا آسمانوں اور زمین کو اور آسمان سے پانی نازل کیا۔ پھر اس سے تمہارے لئے کھانے کے لئے تمام پھل اُگائے۔ پھر تمہارے لئے اپنے حکم سے سمندر میں کشتی کو، تمہارے قابو میں آفتاب اور ماہتاب کو کر دیا جو ہمہ وقت رواں دواں ہیں اور تمہارے قابو میں رات دن کر دیئے۔ اور تم کو ہر وہ چیز دیدی جو تم کو چاہئے۔ اگر تم اللہ کی نعمت کا احاطہ کرنا چاہو تو اس کا احاطہ نہ کر پاؤ گے۔'' (سورۂ ابراہیم: آیت ۳۲ تا ۳۴)

آنحضرتؐ اپنی پوری قوت سے یہی کوشش فرماتے رہتے تھے کہ دلوں اور روحوں میں اللہ کی حق کی اور بھلائی کی معرفت اور ایک انسان کو اپنے بھائی انسان کی محبت پیدا کر دیں تاکہ جب انسان اللہ کی طرف بڑھے تو اپنی توجہ اور اپنے دل کے ساتھ بڑھے اور اپنے نفس، اپنا خیال، اپنے کُل احساسات اور اپنی قوتیں اس کے حوالے کر دے۔ یہی ہے جس کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ○ ''میں نے نہیں خلق کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔'' (سورۂ ذاریات: آیت ۵۶)

حضرت محمدؐ نے لوگوں سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ آپ کو گوشت اور خون کی بنی ہوئی صورت کے لحاظ سے مقدس مانیں، نہ یہ چاہا کہ خود کسی پر کسی چیز کی بدولت بڑائی حاصل کریں، نہ لوگوں پر خدا کی حیثیت اختیار کی جیسا کہ فرعون اور اس جیسے دوسرے سرکشوں اور ظالموں نے کیا تھا۔ بلکہ آنحضرتؐ نے ان سے یہ چاہا کہ وہ آپ میں رسالت کے مفہوم کی

پاکیزگی کو سمجھیں اور اس کے بلند نمونے کو ذریعۂ ہدایت قرار دیں اور اسی میں حق، رحمت اور بھلائی کے نشان راہ قائم رکھیں۔
آنحضرتؐ یہ معانی سیکڑوں ان افراد کے ذہنوں میں داخل کرنے میں کامیاب ہوگئے جو آپ کی دعوت حق، آپ کی جانفشانیوں اور اس کی راہ میں آپ کی قربانیوں کے زمانے میں رہے تھے جیسے کہ سلمان فارسیؓ، جو اس وقت ایمان لے آئے تھے جب انہوں نے آنحضرتؐ کو دیکھا تھا اور آپ کے پیغام میں سے کچھ سنا تھا۔ یہاں تک کہ وہ ایمان کے بلند ترین مرتبہ پر فائز ہوگئے اور اپنے زمانے کے لقمان ہوگئے۔ جیسا کہ یہ رسولؐ نے بیان فرمایا ہے:

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ سلمانؓ کو رسول اللہؐ کے حضور میں یہ حیثیت حاصل تھی کہ آنحضرتؐ ان کے ساتھ رات میں تنہا رہا کرتے تھے یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ ہم کو آنحضرتؐ سے محروم کردیتے۔

ایک حدیث میں رسول اللہؐ سے روایت ہے کہ میرے پروردگار نے مجھ کو چار افراد سے محبت کا حکم دیا ہے۔ علیؑ، ابوذرؓ، مقدادؓ اور سلمانؓ۔

ابوالبختری نے امام علیؑ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سلمانؓ نے علم کا اول بھی حاصل کیا ہے اور علم کا آخر بھی۔ وہ ایک سمندر تھے جس کو ختم نہیں کیا جا سکتا تھا اور وہ ہم اہل بیت میں سے ہیں۔

شرح نہج البلاغہ میں ہے کہ ابوسفیان کا گزر علیؑ، سلمانؓ، صہیبؓ اور بلالؓ کی طرف سے ہوا جو کچھ مسلمانوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پس ان لوگوں نے کہا کہ دشمن خدا کو تلواروں نے ختم نہیں کیا۔ ان کا اشارہ ابوسفیان کی طرف تھا اور وہ ان کو سن رہا تھا۔ اس پر حضرت ابوبکر بولے کہ کیا تم قریش کے اس بزرگ شخص اور سردار کے بارے میں کہہ رہے ہو؟ اتنے میں نبی اکرمؐ تشریف لے آئے اور حضرت ابوبکر نے ان لوگوں کی بات آنحضرتؐ کو بتادی۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: اے ابوبکر! تم نے ان کو ناراض کیا ہے۔ اگر میں نے ان کو ناراض کیا ہوتا تو گویا اللہ کو ناراض کیا ہوتا۔ تب حضرت ابوبکر نے ان کے پاس جا کر کہا کہ اے میرے بھائیو! شائد میں نے تم کو ناراض کردیا۔ اس پر وہ بولے کہ نہیں ابوبکر! اللہ تم کو معاف کرے۔ اسی قسم کی اور بہت سی حدیثیں شیعہ اور سنی سلسلوں سے ان کے مرتبے، خلوص اور ان خدمات کے بارے میں روایت ہوئی ہیں جو انہوں نے دعوت حق کو پھیلانے کے لئے انجام دیں یہاں تک کہ وہ ان کی بدولت اس مرتبے پر پہنچ گئے کہ نبی اکرمؐ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ''سلمانؓ ہم اہل بیت میں سے ہیں'' اور یہ بھی فرمایا کہ ''سلمان فارسیؓ مت کہا کرو، سلمان محمدیؓ کہا کرو۔''

ان کے اسلام لانے کے بارے میں ابن سعد کی طبقات کبریٰ کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ وہ فارس کے باشندے تھے اور اصفہان سے متصل ایک بستی کے رہنے والے تھے۔ مجوسی دین کے پیرو تھے جو اُن کا آبائی مذہب تھا۔ ایک مرتبہ وہ عیسائیوں کے ایک گرجا گھر سے گزرے تو ان کو اُن کے طور طریقے اچھے لگے۔ چنانچہ انہوں نے دریافت کیا کہ یہ دین جس کی طرف گرجا گھر والے دعوت دیتے ہیں کہاں سے نکلا ہے؟ ان کو بتایا گیا کہ شام کے علاقے سے۔ پس وہ اپنے لوگوں سے چھپ کر تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ چلدیئے اور وہاں کے پادری سے ملے۔ ایک مدت تک اس کے پاس

ٹھہر کر وہ موصل چلے گئے۔ وہاں وہ ایک عیسائی کے ساتھ رہتے رہے۔ وہاں سے نصیبین کی طرف چلے گئے اور وہاں ایک راہب سے ملے جس نے ان کو بتلایا کہ عنقریب ارض حجاز میں ایک شخص ظاہر ہونے والا ہے جو نبی مبعوث ہوگا۔ وہ سبز سبز علاقے میں قیام کرے گا، صدقہ نہیں کھائے گا ہدیہ کھائے گا اور اس کے دونوں شانوں کے درمیان نبوت کی مہر ہوگی۔

جب ادھر سے حجاز کا قافلہ گزرا تو وہ اس کے ساتھ وہاں چلے گئے تب لوگوں نے ان کو ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس کے پاس سے وہ مدینہ میں بنی قریظہ کے ایک شخص کے پاس منتقل ہوگئے۔ اس نے ان کو اپنے باغوں میں کام پر لگادیا۔ جب نبی اکرمؐ نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی، راوی کے خیال کے مطابق سلمانؓ کا کہنا ہے کہ میں کھجور کے ایک درخت کے اوپری سرے پر تھا اور میرا آقا اس کے نیچے تھا کہ اتنے میں اس کا ایک چچازاد بھائی اس سے کہنے لگا کہ اے فلاں! اللہ بنی قیلہ کو برباد کرے، یہ لوگ ایک شخص کے قریب جمع ہورہے ہیں جو مکہ سے آیا ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ وہ نبی ہے۔ بخدا وہ ہے کچھ نہیں، سوائے اس کے کہ وہ ایسا کہتا ہے۔ اس سے مجھ کو تجسس اور بے چینی لگ گئی۔ چنانچہ میں کھجور پر سے نیچے اتر کر اس سوال کی بابت جستجو میں پڑ گیا۔ اس پر میرے آقا نے کہا کہ تم اپنے حال پر رہو اور اس کو چھوڑو جو تم سے متعلق نہیں ہے۔

جب شام ہوگئی تو کچھ کھجوریں میرے پاس تھیں وہ لے کر میں نبی اکرمؐ کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک نیک شخص ہیں اور آپ کے ساتھی مسافر اور صاحبان حاجت ہیں اور یہ میرے پاس صدقہ کی کچھ کھجوریں ہیں اور آپ لوگ ہی اس کے دوسروں سے زیادہ حقدار ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم کھاؤ لیکن آنحضرتؐ نے خود نہیں کھایا۔ جب آنحضرتؐ نے اس میں سے کچھ نہیں کھایا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک نشانی ہے اور میں چلا گیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو جو کچھ میرے پاس تھا وہ لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا اور آپ سے کہا کہ میں نے دیکھا کہ آپ صدقہ نوش نہیں فرماتے، یہ ہدیہ ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ لو کھاؤ اور ان کے ساتھ خود بھی کھایا تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ وہی ہیں۔ میں ان پر جھک گیا، ان کو بوسے دیتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم کو کیا ہوگیا ہے؟ تب میں نے اپنی سرگزشت آنحضرتؐ کو سنا ڈالی۔

تب آنحضرتؐ نے فرمایا: اے سلمانؓ! اپنے آقا سے مال کے عوض آزادی طلب کرلو۔ اس پر میں نے اس سے تین سو کھجور کے پودے اور چالیس اوقیہ (چالیس اونس) چاندی پر طے کرلیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے انصار سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔ انہوں نے کھجوروں کے پودوں سے میری مدد کی اور تین سو نئے نکلے ہوئے پودے لادیئے۔ رسول اللہؐ نے ان کو اپنے دست مبارک سے رکھا تو وہ صحیح تھے سوائے ایک کے جس کو حضرت عمر بن خطاب نے بویا تھا۔ آنحضرتؐ نے اس کو نکال پھینکا اور پھر خود بویا۔ چنانچہ وہ زندہ رہا اور اس نے پھل دیئے۔ جب آنحضرتؐ کے پاس کسی غزوہ سے مال آیا تو آپ نے اس میں سے مجھ کو عطا فرمایا اور میں نے اس میں سے اپنی آزادی کا معاوضہ ادا کردیا۔

طبقات کی روایات میں آیا ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نے ان کو انڈے کے برابر سونے کی چیز دی جس سے انہوں نے اپنی آزادی کا معاوضہ ادا کیا اور آزاد ہوگئے۔ ان کے اسلام کے متعلق بیشتر روایات ایسی ہیں جن کی سندوں اور متن کے بارے میں اطمینان نہیں ہوتا جیسا کہ مطالعہ کرنے والے کو اس سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ مؤرخوں کا اتفاق ہے کہ انہوں نے جنگ خندق میں شرکت کی تھی اور وہی تھے جنہوں نے مدینہ کے چاروں طرف خندق کے کھودے جانے کا مشورہ دیا تھا تاکہ مشرکین میں سے کوئی اس میں داخل نہ ہوسکے۔ اس روز ابوسفیان نے کہا تھا کہ یہ ایسی چال ہے کہ عرب اس سے واقف نہ تھے۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کے مدینہ میں داخل ہونے کے پہلے سال ہی میں اسلام لے آئے تھے۔

بہرحال تمام مؤرخین اور محدثین اس پر متفق ہیں کہ وہ عظیم المرتبہ صحابیوں میں منتخب حیثیت رکھتے تھے اور وہ احادیث جو اُن کی شان میں وارد ہوئی ہیں اصحاب رسولؐ میں سے کسی ایک کے حق میں وارد نہیں ہوئیں۔

البتہ مؤرخوں اور محدثوں نے ان کی زندگی کے مختلف مرحلوں کی کیفیت اور ان میں درپیش آنے والے واقعات بیان کئے ہیں یہاں تک کہ معاملہ ان کے مدینہ آنے پر ختم ہوتا ہے اور مؤرخوں نے جو کچھ ان کے اسلام لانے کے بارے میں روایت کیا ہے یہ سب مرسل (یعنی غیر مسلسل) روایتیں ہیں جو باعث اطمینان نہیں ہیں۔ ہم بارہا کہہ آئے ہیں کہ سیرت نبوی مکمل طور پر دوسری صدی کے شروع ہونے سے قبل تدوین نہیں ہوئی۔ اس وقت بھی جو لوگ اس کی سرسری تدوین کی طرف متوجہ ہوئے اُن میں سے بعض نے محبت اور قلبی رجحان کی وجہ سے اور بعض نے رسول اللہؐ کی سنت اور سیرت کو مسخ کرنے اور داغدار بنانے کے لئے اس میں دسیوں قصے اور احادیث داخل کر دیں۔

لیکن وہ چیز جس میں کوئی شک نہیں ہے یہ ہے کہ وہ اسلام میں داخل ہونے سے پہلے تک کبھی دوسرے غلاموں اور نوکروں چاکروں کی مانند بے راہ رو نہیں ہوئے کیونکہ ان کے بارے میں رسول اللہؐ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ سلمانؓ دو کتابوں پر ایمان لانے والوں میں سے ہے۔ اس سے آنحضرتؐ کی مراد انجیل اور قرآن ہیں۔

ان کی بابت بعض روایتوں میں ہے کہ وہ سمجھ بوجھ کر اور تدبیر کے ماتحت ایک مذہب سے دوسرے میں جاتے رہے یہاں تک کہ اسلام میں آگئے جہاں وہ ٹھہر گئے اور اس کے اصولوں اور بنیادی عقائد پر ایمان رکھنے اور ان پر عمل کرنے میں پرخلوص تھے۔ دنیا سے زُہد اختیار کئے ہوئے تھے۔ اس کی خواہشات اور لذتوں سے کنارہ کش رہتے تھے۔ آنے والی نسلوں کے لئے ایسے منتخب اور خوش کردار بندوں کی سی بلند مثال چھوڑ گئے جن کے سامنے دنیا آئی تو وہ اس سے روکش ہوگئے، قبل اس کے کہ وہ ان کو نیکی سے ہٹا کر دور کرتی۔ انہوں نے اس کو دھتکار دیا تھا اور اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ یہاں سے اس طرح گئے کہ ایک گھر کے علاوہ ان کے پاس ایک ذرہ بھی نہ تھا۔ وہ مکان بھی ایک مسلمان نے اپنے پیسے سے ان کے لئے بنا دیا تھا۔ ایسا ان کے سوا کسی اور سے ممکن نہیں ہے۔ جیسا کہ شرح نہج البلاغہ جلد ۴ صفحہ ۲۲۴ میں آیا ہے، حالانکہ خلیفہ نے ان کو مدائن اور اطراف کا گورنر بنا دیا تھا اور ان کے امکان میں تھا کہ ملکی خزانے سے اپنی راحت و آرام کے لئے تمام اسباب مہیا کر لیتے لیکن انہوں نے اس کو ترجیح دی کہ دنیا کی ہر نعمت اور لذت کو حقیر سمجھیں تاکہ اس روز جب اللہ عمل کرنے والوں کو بغیر حساب اجر عطا کر دے گا وہ انبیاءؑ و صدیقین کے ساتھ رہیں۔

ابتدائی سریئے[1] اور جھڑپیں

بیشتر مؤرخین اور سیرت نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی اکرمؐ نے اپنی ہجرت کا پہلا سال ختم ہونے سے قبل ہی اور قبل اس کے کہ مدینہ اور اس کے اطراف میں اطمینان کی علامات پھیلیں مدینہ سے باہر جماعتیں بھیجنا شروع کر دی تھیں اور ان کی قیادت کے لئے اپنے اصحاب میں سے سخت گیر افراد کو منتخب فرمایا کرتے تھے۔

ابن سعد نے اپنی ''طبقات'' میں کہا ہے کہ ان غزووں کی تعداد جن میں آنحضرتؐ خود شریک رہے ستائیس تھی اور ان سریوں کی تعداد جن میں تیس، چالیس اور پچاس اور کبھی دو سو سے زیادہ افراد شامل ہوتے تھے سینتالیس تھی۔ بیشتر لکھنے والے اس رائے کو ترجیح دیتے ہیں کہ یہ سریئے قریش سے بدلہ لینے کے لئے تھے اور لوگوں نے اس کی اس وقت سے ٹھان لی تھی جب ان کے قدم مدینہ میں آئے تھے۔ البتہ جس چیز نے ان لوگوں کو اس ارادے پر تیزی سے عمل کرنے سے روکے رکھا وہ یہ تھی کہ یہ لوگ اپنے مکانات کے بنانے اور وسائل زندگی مہیا کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ اس رائے کے حامل حضرات مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ ان غزوات کا ارادہ آنحضرتؐ نے اپنی ہجرت سے قبل اسی روز کر لیا تھا جب آپ نے اوس اور خزرج سے عقبہ کے مقام پر دوسری بار ملاقات کی تھی اور اس میں دفاع اور جنگ کی صراحت کے ساتھ متحد رہنے کی شرائط طے کی تھیں۔ اس کے بعد وہ آیات نازل ہوئی تھیں جن میں اس عہد کو ختم کر کے ایک نئے دور کی نشاندہی کی گئی جس کی خصوصیت سخت گیری اور جان کا دفاع ہے۔

اس نظریئے کے حامل اور مستشرقین میں سے ان کے ہمنوا اس کی تائید میں کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ کو چند مہاجرین کے ساتھ ساحل سمندر کی طرف بھیجا تھا۔ ان کی مڈبھیڑ ابوجہل بن ہشام سے ہوئی جس کے ساتھ تین سو افراد مکہ کے تھے۔ قریب تھا کہ اگر مجدی بن عمرو الجہنی دونوں فریقوں کے درمیان بیچ بچاؤ نہ کراتا تو جنگ چھڑ جاتی کیونکہ وہ ان دونوں کا معتمد تھا۔ چنانچہ وہ سب چلے گئے اور ان میں جنگ نہیں ہوئی۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے عبیدہ بن حارث کو ساٹھ سواروں کی معیت میں روانہ کیا۔ وہ ان کو لے کر چل دیا یہاں تک کہ حجاز میں وادی حرہ کے نشیبی حصے میں ایک چشمہ پر جا پہنچا۔ وہاں اس کی ملاقات قریش کی ایک جماعت سے ہوئی۔ لیکن ان کے درمیان لڑائی نہیں ہوئی سوائے اس کے سعد بن ابی وقاص نے ان میں سے کسی کو تیر کا نشانہ بنایا۔ ابن ہشام وغیرہ کے خیال کے مطابق یہ پہلا تیر تھا جو عہد اسلام میں چلایا گیا۔ اس رائے کے حامل ان غزوات کے گہرے مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ان کی پہلی غرض قریش سے انتقام لینا اور جو کوئی اسلام کے سامنے سرنگوں نہ ہو اس سے جنگ کا اعلان کرنا تھی۔ مستشرقین اسی رائے کی طرفداری کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کی ان مقاصد کی موافقت میں ہے جن کی غرض اسلام کی بیخ کنی اور اس کو مسخ کرنا ہے۔ یہ لوگ اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ اہل مدینہ نے اپنے لائحہ عمل میں قریش

---

[1] سریہ: آنحضرتؐ کے زمانہ کی وہ جنگ کہلاتی ہے جس میں آنحضرتؐ خود شریک نہ ہوئے ہوں۔ (مترجم)

کے مال تجارت کو لوٹنا بھی رکھا تھا جس کو قریش مکہ اور طائف سے مستقل کاروبار کے طور پر حجاز کے باہر بھیجا کرتے تھے اور یہ بعض اوقات سو سو اونٹوں پر مشتمل ہوتا تھا جبکہ لوٹنا اور مال چھین لینا صحرائی عربوں کی فطرت میں تھا۔

ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اہل مدینہ کے حضرت محمدؐ کے چاروں طرف جمع ہو جانے کے خاص اسباب میں سے ایک سبب لوٹ کھسوٹ بھی تھا نیز اسی طرح کے اور بھی خیالات ہیں جن کی تائید نہ آنحضرتؐ کی سیرت کرتی ہے، نہ دعوت حق کی تاریخ اور نہ اسلام کے بنیادی اصول کیونکہ ان اصولوں کے اولین مقاصد رحم، عفو، بکثرت اطمینان، امن وامان اور تمام افراد کے لئے نیک اور آزاد زندگی ہے۔ نبی اکرمؐ نے کسی روز بھی یہ نہیں چاہا کہ کسی فرد واحد کو اپنا دین چھوڑنے پر مجبور کریں، نہ یہ چاہا کہ کسی پر زور جمائیں اور لوگوں پر خدائی کا دعویٰ کریں۔ آنحضرتؐ نے خود مدینہ میں داخل ہونے پر یہودیوں اور مشرکین کے ساتھ معاہدہ کر کے ان کو ضمانت دے دی تھی کہ وہ جس طرح چاہیں رہیں۔ بشرطیکہ نہ وہ خود زیادتی کریں گے، نہ آنحضرتؐ کے اور آپ کے اصحاب کے خلاف کسی کے ساتھ گٹھ جوڑ کریں گے۔ ان کو اختیار دے دیا کہ جیسے چاہیں اپنے مذہب پر کاربند رہیں۔ ایسا ہی آنحضرتؐ نے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ حالانکہ اس وقت جب یہ وفد آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا آپؐ اس وقت مقابلے میں زیادہ طاقتور تھے۔ جب آپ نے مدینہ وغیرہ کے مشرکین اور یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔

اب دعوت حق کی رفتار اور اس کے مقاصد کا مطالعہ کرنے والے کو اس میں کوئی شک نہیں رہے گا کہ آنحضرتؐ نے کسی ایک دن بھی انتقام یا خون کا بدلہ لینے کے متعلق نہیں سوچا بلکہ آپ نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ کے قاتل کو معاف کر دیا اور اس عورت کو بھی معاف کر دیا جس نے ان کا جگر چبا کر نہایت بیہودہ اور سنگدلانہ مثال قائم کی تھی۔ اگر آنحضرتؐ قریش کے خلاف کینہ رکھے ہوئے ہوتے اور ان کو ذلیل کرنا چاہتے جیسا کہ مستشرقین کہتے ہیں تو سب یاد رکھتے جو کچھ ان لوگوں نے آپ کے ساتھ تیرہ برسوں کے دوران کیا تھا یہاں تک کہ آخر میں آپ کو مجبوراً رات کے وقت جان کی خاطر بھاگنا پڑ گیا تھا اور جب آپ کو ان پر غلبہ حاصل ہو گیا تو آپ ان سے اپنا بدلہ چکا سکتے تھے اور وہ لوگ یہی گمان کر رہے تھے کہ آپ ایسا ہی کریں گے لیکن بجائے اس کے کہ آپ کا یا اپنے ان اصحاب کا جن کو دکھ دیئے گئے تھے بدلہ لیتے، فتح کے روز آپ مکہ میں داخل ہوئے تو سر جھکائے ہوئے اپنی قوم سے شرمندہ شرمندہ، گویا آپ ان لوگوں میں امن وامان اور عزت واحترام سے رہتے رہے ہوں اور آپ نے وہ جاودانی اعلان فرمایا جو اسلام کی فراخدلی اور بلند مقاصد کا آئینہ دار ہے۔ یعنی:

> ''آج کا دن رحمت کا دن ہے۔ جو کوئی اپنے گھر میں چلا جائے گا امن پائے گا۔ جو کوئی ہتھیار ڈال دے گا امن پائے گا۔ جو کوئی اندر رہ کر دروازہ بند رکھے گا امن پائے گا۔ جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا امن پائے گا۔ وغیرہ وغیرہ.......''

یہ تھے وہ پیغامات جن کا آپ نے اعلان فرما دیا تا کہ وہ آپ سے پہلے مکہ پہنچ جائیں۔ پس جو شخص ایسی پاک و پاکیزہ روح کا حامل ہو اور رحمت، سلامتی، محبت اور امن وامان کی طرف بلاتا ہو، یہ کھلا ہوا ظلم ہوگا کہ اس کے افعال کو اپنا اور

اپنے اصحاب کا بدلہ لینے سے تعبیر کیا جائے۔ حالانکہ آنحضرتؐ ابھی اپنے نئے دور کے آغاز پر تھے۔ خود اور آپ کے اصحاب وانصار مدینہ اور اطراف کے منافقوں مشرکوں اور یہودیوں کی صورت حال سے نمٹنے میں لگے ہوئے تھے۔ بالخصوص آنحضرتؐ دیکھ رہے تھے کہ ان لوگوں کا موقف خطرات کے لحاظ سے قریش اور ان کے پیرووں کے موقف سے کم نہ تھا۔ پس ضروری ہے کہ آنحضرتؐ کی ہجرت کے آغاز پر یہ سریئے اور غزوے جو ایسی محدود تعداد پر مشتمل ہوتے تھے کہ آپ کے دشمنوں کے لئے خطرہ نہ ہوں اور وقتاً فوقتاً ایک دوسرے کے بعد بہم واقع ہوتے رہے ضروری ہے کہ ان کا مقصد قریشیوں سے انتقام لینے کی بجائے جیسا کہ اسلام کے دشمنوں کا خیال ہے، کچھ اور ہو۔ مختصراً ان پے بہ پے غزوں کے مقاصد حسب ذیل ہوسکتے ہیں:

دوسری بیعت عقبہ ایک طرف اوس وخزرج اور دوسری طرف حضرت محمدؐ کے مابین ہوئی تھی اور ابتدائی موقع پر قریش اور دوسرے اہالیان مکہ سے پوشیدہ رہی تھی۔ چنانچہ ان لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوسکا تا آنکہ کچھ وقت گزر گیا۔ اس کے اہم ترین شرائط میں سے یہ تھا کہ وہ لوگ مسلمانوں کا اسی طرح دفاع کریں گے جس طرح خود اپنا، اپنے مال کا اور اپنے رشتہ داروں کا کرتے ہیں۔

دونوں کی ملاقات یثرب میں ہوئی اور اس میں ان لوگوں کا اظہار احترام انتہا تک پہنچا ہوا تھا۔ نیز ان کا اسلام میں داخل ہونا روزافزوں ترقی پر تھا۔ ان میں کچھ لوگ شرک پر جمے رہے اور کچھ نے ظاہراً اسلام قبول کرلیا لیکن نفاق چھپائے رہے۔ اس وقت مدینہ اور اطراف میں یہودی یثرب کے عربوں سے کم نہ تھے۔ لیکن جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں ابتدائے امر میں انہوں نے معاہدہ کرلیا تھا۔ لیکن چند ہی مہینوں میں انہوں نے اپنے اور آنحضرتؐ کے مابین ہونے والے معاہدے کو توڑ ڈالا اور مشرکوں اور منافقوں کے ساتھ سازشیں کرنے لگا جبکہ نبی اکرمؐ دانشمندی اور خوش اسلوبی کے ساتھ معاملات سے نمٹنے میں مصروف تھے اور ان کی بہت سی برائیوں سے چشم پوشی فرماتے رہے تھے تاکہ آپ کی نئی جائے قیام پر معاملہ خانہ جنگی تک نہ پہنچ جائے جو کسی صورت میں بھی آپ کے مفاد میں نہ ہوتی۔

لیکن آنحضرتؐ کے ان تمام مواقف کے باوجود جو نرمی، آسان روی اور چشم پوشی پر مشتمل تھے، ان لوگوں نے مدینہ کی سرحدوں پر بسنے والے قبیلوں سے مل کر اعلانیہ آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب سے دشمنی کا طرز عمل شروع کردیا اور اہل مکہ سے مل کر ان کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف مدینہ میں سازشیں کرنے لگے۔

اُدھر قریش اپنی طرف سے باہر کی جانب سے حملہ کرکے آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب کو مدینہ کے اندر اپنے یہودی اور منافق ساتھیوں سے مل کر اسلام کا خطرہ پھیلنے سے پہلے محاصرہ میں لے لینے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ان میں بعض سریوں کے متعلق حدیثوں میں اس حقیقت کی طرف اشارے ملتے ہیں۔

چنانچہ سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ عبیدہ الحارث کی راستا میں قریش کے ایک بڑے گروہ سے ملاقات ہوئی۔ اسی طرح وہ روایات جو حضرت حمزہؓ کے سریہ کا ذکر کرتی ہیں صاف بتلاتی ہیں کہ ان کی ملاقات ابوجہل بن ہشام سے ہوئی

تھی جس کے ساتھ مکہ کے تین سو سوار تھے اور ان کا سریہ تیس لڑنے والوں پر مشتمل تھا۔ ان لوگوں میں مجدی بن عمرو الجہنی نے مصالحت کرادی تھی۔ اسی طرح کی اور روایتیں ہیں جو بتلاتی ہیں کہ قریش اس سے پہلے سے بڑی بڑی تعداد کے سریہ بھیجتے رہتے تھے جو ضروری ساز و سامان سے آراستا ہوتے تھے۔ اگر ان کا مقصد نبی اکرمؐ پر تنگی کرنا اور ان کو مدینہ کے اندر دو دشمنیوں یعنی ایک تو مخلوق خدا میں سب سے زیادہ کج خلق قوم یہودی اور ان کے ساتھ والے مشرک اور منافق اور دوسرے قریش اور ان کے ماننے والوں کے درمیان گھیرے میں لے لینا نہ بھی ہو حالانکہ یہ بعید نہیں ہے اور اس کی تائید اُس زمانے کے واقعات سے ہوئی ہے۔ اگر ان کا مقصد یہ نہ بھی ہو تب بھی یہ عین ممکن ہے کہ یہ کاروائیاں قریش کی طرف سے ہوں اس لئے کہ وہ عربی قبیلے جو مدینہ کے باہر رہتے تھے اور آنحضرتؐ کے خطرہ سے مطمئن تھے آنحضرتؐ سے مقابلے کی صورت میں ان کے ساتھ معاہدہ کیا جاسکے جبکہ سردست ان کے مال تجارت کی حفاظت مقصود تھی۔

جو چیز اس کی طرف اشارہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس غزوہ میں جس کو نبی اکرمؐ نے عبداللہ بن جحش اسدی کی قیادت میں بھیجا ان کو ایک تحریر لکھ کر دی اور حکم دیا کہ اس کو اپنے چلتے رہنے کے دو دن بعد ہی کھولیں۔ جب انہوں نے اس کو نبی اکرمؐ کے مقرر کئے ہوئے وقت پر کھولا تو اس میں یہ ہدایت ملی کہ جب تم میری تحریر دیکھو تو چلتے رہنا۔ یہاں تک کہ ایک کھجور کے درخت کے نیچے اترو اور پھر ہمارے لئے قریش کی خبریں اور حرکات معلوم کرتے رہو۔ آنحضرتؐ نے اس میں ان کو جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرتؐ قریش کی حرکات، لشکر کشی اور چالوں سے ہوشیار رہنے اور آپ کے ابتدائی سریئے معلومات حاصل کرنے کے لئے تھے تاکہ آپ کو لاعلمی کی حالت میں نہ دھرلیا جائے۔

اور یہ کہ مدینہ کے باہر والوں نے اندر اور باہر والوں کی تحریک پر نبی اکرمؐ کے خلاف اقدامات شروع کردیئے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ابن ہشام وغیرہ کا کہنا ہے کہ زین جابر فہری نے کچھ عربوں کو لیکر مدینہ پر چڑھائی کردی اور کچھ اونٹوں اور جانوروں پر قبضہ کرکے جو چرواہوں کی نگرانی میں تھے بھاگ گیا۔

جب نبی اکرمؐ کو اس کا علم ہوا تو آپ خود مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ نکلے اور اس کی تلاش میں سخت کوشاں رہے یہاں تک کہ آپ ایک وادی میں پہنچے جس کو صفوان کہتے تھے۔ وہ شخص یہاں سے نیچے نکل چکا تھا۔ اس غزوہ کو غزوۂ ''بدر صغریٰ'' یا بعض لوگوں کے مطابق ''بدر اولیٰ'' کہتے ہیں۔

یہ بدیہی بات ہے کہ نبی اکرمؐ ان اشتعال انگیزیوں اور مقابلہ آرائیوں کو ایک بے بس شخص کی طرح دیکھتے اسی لئے اللہ نے آپ کو ان سریوں کا حکم دیا تاکہ قریش اور ان کی پشت پناہی کرنے والے یہودی، منافق اور عرب سمجھ لیں کہ آنحضرتؐ ہمہ وقت ہر ایسے شخص پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں جس کا نفس اس کو اس بات پر اکساتا ہو کہ دعوت حق کے راستا میں کھڑا ہوکر آنحضرتؐ کے اور اس کے درمیان رکاوٹ بن جائے جبکہ آنحضرتؐ اس سے اس وقت بھی نہ ہٹے جب آپ تنہا صرف اپنے اصحاب کی مختصر جماعت کے ساتھ تھے اور قریش آپ کو ہر قسم کی تکلیفوں اور ایذاؤں میں مبتلا کررہے تھے۔ پس اب آپ کے لئے یہ اور بھی مناسب تھا کہ اپنی دعوت حق کو رواں دواں رکھیں کیونکہ اب آپ کے پاس ایسے مدد کرنے

والے اور ماننے والے تھے جن کے ذریعے سے آپ زیادتی کرنے والوں کی چالوں کا منہ توڑ جواب دے سکتے تھے اور اپنی دعوت حق پر اللہ کی اجازت اور اس کی پرزور تائید سے گامزن رہ سکتے تھے۔

یہ اس لئے کہ نبی اکرمؐ کی طرف سے اپنی دعوت حق پر گامزن رہنے کا یہ پختہ ارادہ اور کبھی کبھی آپ کا اصحاب میں سے کچھ کو ساتھ لے کر مدینہ سے باہر جانا جبکہ بیشتر عرب اپنے شرک پر اور اسلام سے مخالفانہ رویے پر قائم تھے آپ کے اصحاب کے دلوں میں آپ کے ساتھ گامزن رہنے کا عزم جذبہ اور ثابت قدمی ابھارتا تھا۔ سردست اس سے ایسے شخص پر جو اسلام میں دلچسپی رکھتا ہو مزید دباؤ پڑتا تھا کہ جب تک اسلام اپنے راستے پر آگے کی جانب رواں ہے یہ اپنے ارادے پر قائم رہے اور اسلام کے تمام دشمنوں اور مخالفوں سے مقابلہ آزما رہے۔ چنانچہ ان آیات میں جو جہاد کو جائز قرار دیتی ہیں اس طرف اشارہ ملتا ہے۔ اللہ کہتا ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ○ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ○ ''اور ان (کافروں) کے لئے جتنی تم کر سکتے ہو تیاری کرو طاقت اور گھوڑوں کے ذریعہ۔ جس سے تم اللہ کے دشمنوں، اپنے دشمنوں اور ان کے علاوہ دوسروں پر ڈر بٹھا سکو گے۔ تم ان کو نہیں جانتے ہو۔ اللہ ان کو جانتا ہے تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا دیا جائے گا۔ تمہاری حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ اگر وہ صلح کے لئے جھکیں تو تم بھی اس کے لئے جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسا کرو۔ وہ بے شک سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اگر وہ تم سے فریب کریں تو کہہ دو کہ تمہارے لئے اللہ ہی کافی ہے۔'' (سورۂ انفال: آیت ۶۰۔۶۲)

دوسری آیت میں ہے کہ:

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا○ ''پس آپ اللہ کی راہ میں جنگ کیجئے اور آپ صرف اپنے آپ کے ذمہ دار ہیں۔ البتہ مومنوں کو بھی آمادۂ جہاد کیجئے۔ عنقریب اللہ ان لوگوں کی ہیبت سے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے بچائے رکھے گا اور اللہ ہیبت میں بھی شدید ہے اور سزا دینے میں بھی شدید ہے۔'' (سورۂ نساء: آیت ۸۴)

پہلی آیت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ آنحضرتؐ کو یہ حکم ان لوگوں پر ہیبت ڈالنے کے لئے دیا گیا جو اسلام کی نقاب اوڑھ کر آنحضرتؐ سے کھلی ہوئی دشمنی کرتے ہیں اور وہ آپ کے بدترین دشمن اور مخالف ہیں۔ اس لئے اللہ نے یہ بھی حکم دیا کہ جب وہ صلح پر آمادہ ہوں تو ان سے صلح کر لی جائے۔

دوسری آیت یہ بتلاتی ہے کہ آنحضرتؐ ان لوگوں کی ہیبت کا مقابلہ کرنے کی جنگ کریں جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے یا نفاق پر عمل پیرا ہیں، نہ کہ ان لوگوں سے انتقام لینے کے لئے جو آنحضرتؐ کے درپے آزاد رہے تھے اور آپ پر ظلم کرتے رہے تھے اور نہ راستوں پر مال لوٹنے کے لئے جیسا کہ دشمنان اسلام کہتے ہیں۔

یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کی طرف غزالی نے فقہ السیرۃ میں اشارہ کیا ہے اور مزید یہ کہا ہے کہ یہ سریئے قریش کو متنبہ کرنے کے لئے اور ان کو یہ باور کرانے کے لئے تھے کہ یہ ظالمانہ رویہ جس پر وہ مکہ میں نبی اکرمؐ اور آپ کی دعوت حق کی مخالفت کے لئے عمل پیرا تھے اور اب بھی اس پر چل رہے تھے اب آنحضرتؐ کو ایسی قوت حاصل ہوچکی تھی جس سے آپ اس کا مقابلہ کرسکتے تھے۔ اس رویے سے ان کو عنقریب فاش نقصان پہنچنے والا تھا اور یہ کہ وہ زمانہ جب وہ لوگ انتقام لئے جانے سے محفوظ رہ کر زیادتیاں کرتے رہتے تھے بیت چکا تھا اور کبھی واپس آنے والا نہ تھا۔

بہرصورت قابل قبول امر یہ ہے کہ ان سریوں میں تیس افراد ہوتے تھے جیسا کہ حمزہؓ کا سریہ یا ساٹھ افراد ہوتے تھے جیسا کہ عبیدہ بن حارث کا سریہ یا اسّی افراد جیسا کہ سعد بن ابی وقاص کا سریہ یا ایک قول کے مطابق بیس افراد پر یعنی یہ سریے اس چھوٹی تعداد کے ہوا کرتے تھے۔

یہ بعید ہے کہ ان کی غرض قریش یا دوسرے عربوں سے جنگ کرنا ہوتی تھی اور وہ بھی ایسے وقت میں جب نبی اکرمؐ اور آپ کے اصحاب کے خلاف، ظلم اور سرکشی کی قوتیں ہر طرف سے دباؤ ڈال رہی تھیں بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ آنحضرتؐ ایسے طاقتور مومن کی شکل میں نمایاں رہیں جو سرکشی کو رد کرنے کیلئے خواہ وہ کسی طرف سے کی جائے حق اور قوت دونوں رکھتا ہے اور یہ معلوم کرلے کہ اس کیلئے اس کے علاوہ کوئی راستا نہیں ہے۔

بہرحال جیسا کہ تاریخ طبری، ابن اسحٰق اور ابن ہشام کی سیرتوں میں ہے پہلا غزوہ جو آنحضرتؐ کے مدینہ تشریف لانے کے بارہ مہینوں کے بعد پیش آیا وہ ہے جس میں آنحضرتؐ نے چاہا کہ قریش اور بنی ضمرہ بن بکر بن عبدمناف بن کنانہ سے نمٹ لیں وہ غزوۂ ابواء کہلاتا ہے۔ اس میں بنی ضمرہ نے آنحضرتؐ سے مصالحت کرلی۔ جس شخص نے ان لوگوں کی طرف سے مصالحت کی وہ ان کا بزرگ فرد مخشی بن عمرو اور ایک اور شخص تھا۔ اس کے بعد رسول اللہؐ مدینہ واپس تشریف لے آئے اور آپ کے اور کسی اور کے درمیان کوئی اور واقعہ پیش نہیں آیا۔

''ارشاد'' میں شیخ مفید کی روایت ہے کہ اس غزوہ میں علَم امام علیؑ کے پاس تھا اور یہ پہلا علَم ہے جو اسلام میں عطا ہوا۔ ان کے چلنے کے دو مہینے کے بعد آنحضرتؐ نے عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب کو مہاجرین میں سے ساٹھ یا اسّی گھڑ سواروں کے ساتھ روانہ کیا۔ چنانچہ وہ ان کو لے کر چلے یہاں تک کہ وہ حجاز میں وادی حرہ کے زیریں حصہ میں پہنچ گئے۔ وہاں ان کی ملاقات قریش کی ایک جماعت سے ہوئی لیکن ان دونوں کے درمیان کوئی واقعہ پیش نہیں آیا بلکہ دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوکر چلے گئے۔

اس غزوہ میں مقداد بن عمرو اور عتبہ بن غزوان بن جابر آکر مسلمانوں میں شامل ہوئے۔ یہ دونوں مسلمان تھے

لیکن یہ مشرکوں کے ساتھ اس غرض سے نکلے تھے کہ مسلمانوں سے مل جانے کا کوئی وسیلہ پالیں گے۔ اتفاقاً وہ دونوں اس سریہ سے مل گئے اور اسی میں شامل ہوگئے۔ اس میں مشرکوں کی قیادت عکرمہ بن ابی جہل کر رہا تھا۔ آنحضرتؐ نے حضرت حمزہؓ کو تیس سواروں کے ساتھ بھیجا۔ ان کی مڈبھیڑ ابوجہل سے ہوئی جس کے ساتھ تین سو گھوڑے سوار تھے۔ لیکن مجدی بن عمرو نے ان دونوں کے بیچ میں پڑ کر دونوں فریقوں میں مصالحت کرادی۔

غزوہ عشیرہ

مؤرخوں اور سیرت نگاروں مثلاً ابن ہشام اور محمد بن جریر طبری کا کہنا ہے کہ اس غزوہ میں رسول اللہؐ قریش کے ایک قافلے کی راہ روکنے کے لئے برآمد ہوئے جو مکہ کی طرف جارہا تھا۔ آنحضرتؐ نے مدینہ میں ابوسلمہ بن عبدالاسد کو چھوڑا۔ یہ واقعہ آنحضرتؐ کی ہجرت کے دوسرے سال کا ہے۔ اس کا علَم حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کے پاس تھا۔ آنحضرتؐ چلتے رہے یہاں تک کہ آپ نے ینبع کے بیچ میں مقام عشیرہ پر نزول فرمایا۔ لیکن آپ کی وہاں کسی سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی۔ سوائے اس کے کہ اس میں بنی مدلج اور بنی ضمرہ میں سے ان کے حلیفوں نے مصالحت کرادی۔

ابن اسحٰق نے ایک گروہ سے اور انہوں نے عمار یاسرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ غزوۂ عشیرہ میں، میں اور امام علیؑ ساتھ ساتھ تھے۔ جب ہم رسول اللہؐ کے ساتھ وہاں اترے تو ہم نے دیکھا کہ بنی مُدلج کے کچھ لوگ ایک چشمہ پر کام کررہے ہیں جہاں ان کا کھجور کا باغ تھا۔ تب امام علیؑ نے مجھ سے کہا کہ اے ابویقظان! کیا تم ان لوگوں تک جاکر دیکھو گے کہ یہ کیا کام کررہے ہیں؟ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں——! چنانچہ ہم نے ان لوگوں کے پاس جاکر ایک گھنٹے تک ان کا کام دیکھا پھر ہم کو نیند آگئی۔ اس لئے میں اور امام علیؑ چلے آئے اور نرم مٹی پر لیٹ گئے۔ بخدا آنحضرتؐ نے ہی آکر اپنے پائے مبارک کی حرکت سے ہم کو جگایا جبکہ ہم اس مقام کی مٹی سے جہاں ہم سوئے تھے لت پت ہوگئے تھے۔ چنانچہ اسی روز رسول اللہؐ نے امام علیؑ سے فرمایا تھا کہ کیا حال ہے تمہارا اے ابوتراب۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو بدترین شخص کے بارے میں بتاؤں؟ ہم نے کہا کہ ضرور یارسول اللہؐ۔ آپؐ نے فرمایا کہ بدترین شخص دو ہیں۔ ایک تو قوم ثمود کا وہ شخص جس نے ناقۂ صالح کے پیر کاٹے تھے اور دوسرا وہ جو اے علیؑ تم کو اس جگہ پر ضرب لگائے گا، اور آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ امام علیؑ کے سر کے کنارہ پر رکھا۔ پھر فرمایا کہ یہاں تک کہ یہ اس سے تر ہوجائے اور آنحضرتؐ نے ان کی داڑھی کو چھوا۔ (سیرت ابن ہشام، جلد ا، صفحہ ۶۰۰)

محمد بن جریر طبری نے اس کو اپنی تاریخ میں پہلے اسی طرح بیان کیا ہے، پھر یہ اضافہ کیا ہے کہ اس کے علاوہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ ان کی دوسری روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ عبدالعزیز بن ابی حازم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ سہیل بن سعد سعدی سے کہا گیا کہ مدینہ کا ایک گورنر چاہتا ہے کہ آپ کو پیام بھیجے کہ آپ امام علیؑ کو منبر پر جاکر بُرا کہیں اور ان کو ''ابوتراب'' کہیں۔ تو وہ بولے کہ قسم بخدا ان کا یہ نام رسول اللہؐ کے علاوہ کسی اور نے نہیں لیا۔

میں نے کہا کہ یہ کیسے؟ تب انہوں نے کہا کہ علیؑ ، فاطمہؑ سے ملے اور پھر گھر سے نکل کر مسجد میں اسکے سائے میں لیٹ گئے۔ اس کے بعد رسول اللہؐ حضرت فاطمہ زہراؑ سے ملے اور ان سے امام علیؑ کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ مسجد میں لیٹے ہوئے ہیں۔ رسول اللہؐ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو وہاں پایا اس طرح کہ ان کی چادر ان کی کمر سے کھسک گئی تھی اور مٹی اس کو لگ گئی تھی۔ رسول اللہؐ ان کی کمر سے مٹی ہٹاتے اور فرماتے جاتے اٹھ بیٹھو اے ابوتراب۔ پس رسول اللہؐ کے علاوہ کسی نے ان کا یہ نام نہیں لیا اور قسم بخدا آنحضرتؐ کو ان کا یہ نام سب سے زیادہ محبوب تھا۔

ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ سب سے پہلے آنحضرتؐ نے ان کو یہ نام غزوۂ عشیرہ میں دیا جیسا کہ عمارؓ کی روایت میں آیا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے ان کو سوتا ہوا دیکھا تو ان کو جگایا اور ان کی کمر سے مٹی جھاڑی اور وہ کلمۂ جاوید ادا فرمایا جو چالیس سال تک معمّہ بنا رہا یہاں تک کہ ان دوشقیوں میں سے ایک ابن ملجم نے آکر ان کے محراب عبادت میں تلوار سے ضرب لگائی اور ان کی داڑھی کو ان کے سر کے خون سے رنگ دیا۔ پھر آنحضرتؐ نے ان کو اسی نام سے اس وقت پکارا جب ان کو مسجد میں مٹی کے اوپر سوتا ہوا دیکھا اور مٹی ان کی کمر پر لگی ہوئی تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اس کو جھاڑا اور ان سے فرمایا اٹھ بیٹھو! اے ''ابوتراب۔''

ابن ہشام نے ابن اسحٰق سے روایت کی ہے کہ اہل علم کی ایک جماعت نے ان سے بیان کیا کہ نبی اکرمؐ نے امام علیؑ کو ابوتراب کا نام اس لئے دیا کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؑ سے کسی معاملہ میں جھگڑا ہوا تو ان سے کلام نہیں کیا اور نہ کوئی ناگوار بات کہی سوائے اس کے کہ مٹی لے کر اپنے سر پر ڈالتے رہے تاکہ وہ اس امر کی علامت بن جائے کہ ان کا حضرت فاطمہؑ سے جھگڑا ہے۔ تب آنحضرتؐ نے ان سے پوچھا کہ تم کو کیا ہوا ہے اے ''ابوتراب۔''

اس میں شک نہیں کہ یہ روایت عروہ کی یا ابوھریرہ کی گھڑی ہوئی ہے۔ ابن اسحٰق نے اپنی ''سیرت'' میں بہت سی روایتیں ان ہی دونوں کی اختیار کی ہیں۔ حالانکہ یہ ثابت ہے کہ وہ جان بوجھ کر امام علیؑ پر جھوٹ بولتا رہتا تھا اور ان کے بارے میں احادیث بناتا رہتا تھا۔ بعض اوقات علیؑ اور آل علیؑ کی مذمت میں روایات بیان کرتا رہتا تھا۔ وہ اپنی روایات کو زیادہ تر اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کی سند سے پیش کرتا تھا جبکہ امام علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کے بارے میں حضرت عائشہؓ کا طرز عمل ہر منصف مزاج شخص کو معلوم ہے کیونکہ انہوں نے امام علیؑ کے خلاف بلاضرورت جنگ چھیڑ کر ہزاروں نیک افراد کا خون بہایا اور قرآن کے ان احکام کو بھلادیا جن میں نبی اکرمؐ کی بیویوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے گھروں میں بیٹھی رہیں اور آنحضرتؐ کی وصیت کو بھی بھلادیا جس میں آنحضرتؐ نے ان کو امام علیؑ کے ساتھ دشمنانہ طرز عمل سے منع کیا تھا لیکن ان سب کے باوجود انہوں نے امام علیؑ سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکر کی قیادت کی اور اس طرح قرآن اور رسول اللہؐ کی سنت کی خلاف ورزی کی مرتکب ہوئیں جبکہ حضرت فاطمہ زہراؑ شان میں اس سے کہیں بلند ہیں کہ امام علیؑ ان سے ناراض ہوں اور اپنے قول یا فعل سے ان کے ساتھ کوئی برائی کریں جیسا کہ ان خاتون کی سیرت طاہرہ سے صاف ظاہر ہے۔ (سیرت ابن ہشام، جلد۱، صفحہ۲۰۰)

عبداللہ بن جحش کا سریہ

سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں آیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے عبداللہ بن جحش کو ایک سریہ کے ساتھ بھیجا جو مہاجرین میں سے بارہ افراد پر مشتمل تھا۔ آنحضرتؐ نے ان کو ایک تحریر لکھ کر دی اور ان کو حکم دیا کہ اس پر اس وقت تک نظر نہ ڈالیں جب تک مدینہ سے دو دن کی مسافت نہ چلتے رہیں، اس کے بعد اس کو دیکھ کر اس پر عمل کریں اور اپنے اصحاب میں سے کسی کو اس کا مضمون معلوم ہو جانے کے بعد اپنی پیروی کرنے پر مجبور نہ کریں۔ چنانچہ جب وہ مدینہ سے دو دن کی مسافت چل چکے تو اس تحریر پر نظر ڈالی۔ اس میں یہ لکھا تھا کہ جب تم میری اس تحریر کو دیکھو تو چلتے رہو تا آنکہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک باغ میں پہنچ جاؤ۔ تب تم قریش پر نگاہ رکھو اور ہم کو ان کی خبروں سے آگاہ کرتے رہو۔

انہوں نے وہ تحریر پڑھی تو بولے میں اسی پر عمل کروں گا اور اپنے اصحاب سے کہنے لگے کہ مجھ کو رسول اللہؐ نے حکم دیا ہے کہ میں چلتا رہوں تا آنکہ باغ تک پہنچوں اور پھر قریش پر نگاہ رکھوں اور ان کے بارے میں آنحضرتؐ کو خبریں پہنچاؤں۔ نیز مجھ کو منع فرمایا ہے کہ میں تم میں سے کسی کو مجبور کروں۔ پس تم میں سے جو کوئی شہادت چاہتا ہے اور اس کو پسند کرتا ہے تو وہ چلے اور جو اس کو ناپسند کرتا ہے وہ واپس ہو جائے۔ البتہ میں خود رسول اللہؐ کے حکم پر چلوں گا۔ اس پر ان کے سب اصحاب ان کے ساتھ رہے اور ان میں سے کوئی ان کو چھوڑ کر علیحدہ نہیں ہوا۔ جب وہ نجران کے مقام پر معدن فوک الفرع پر پہنچے تو سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کا ایک اونٹ بھٹک گیا اور وہ دونوں اس کے پیچھے چلے گئے۔ اس طرح وہ اس کی تلاش میں سریہ سے علیحدہ ہو گئے۔ البتہ عبداللہ اور ان کے باقی ساتھی چلتے رہے یہاں تک کہ کھجور کے باغ میں پہنچ گئے۔ ادھر سعد اور عتبہ قریش کے ہاتھوں قید ہو گئے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے سعد اور عتبہ بن غزوان جانے سے بچنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے اونٹ کو بھگا دیا اور اس کی تلاش کے بہانہ سے علیحدہ ہو گئے۔ اس طرح انہوں نے قریش کے ہاتھوں قید ہو جانے کو اس سے بہتر سمجھا کہ عبداللہ کے ساتھ اس مقام تک جائیں جہاں تک جانے کا حکم نبی اکرمؐ نے دیا تھا۔

جب عبداللہ بن جحش اس مقام تک پہنچ گئے جو نبی اکرمؐ نے ان کے لئے معین فرما دیا تھا تو وہ وہاں اتر پڑے اور ان کے پاس سے قریش کے اونٹوں کا قافلہ گزرا جس پر منقی، کھالیں اور قریش کا مال تجارت لدا ہوا تھا اور اس کے ساتھ عمرو بن حضرمی، عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ، اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ اور ہشام بن مغیرہ کا غلام حکم بن کیسان تھے۔ جب لوگوں نے ان کو دیکھا تو ان سے خوف کھا گئے کیونکہ وہ ان کے قریب ہی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ چنانچہ عبداللہ کے اصحاب میں سے عکاشہ بن محصن ان کے پاس گئے اور ان کا سر منڈا ہوا تھا۔ جب ان لوگوں نے انہیں دیکھا تو ان کو امان دے دی اور کہنے لگے کہ تم کو ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

لوگوں نے ان کے بارے میں مشورہ کیا اور وہ یاد دلایا جو قریش نے ان کے ساتھیوں کے ساتھ کیا تھا اور ان کے

مال لوٹ لئے تھے۔ یہ ماہ رجب کا آخری دن تھا۔ اس وقت ان میں سے بعض لوگوں نے بعض سے کہا کہ بخدا اگر تم نے ان کو آج کی رات چھوڑ دیا تو وہ ضرور کعبے میں داخل ہو جائیں گے اور تم کو ان کے مقابلے کی طاقت نہ ہوگی۔ وہ اپنے معاملہ میں پس و پیش کرتے رہے اور ان کے خلاف قدم اٹھانے سے ڈرتے رہے۔ بعد میں ان کی متفقہ رائے اس پر ٹھہری کہ ان سے جنگ کی جائے اور جو کچھ ان کے پاس ہے وہ لے لیا جائے۔ چنانچہ واقد بن عبداللہ تمیمی نے عمرو بن الخضری کو ایک تیر مار کر قتل کر دیا اور مسلمانوں نے ان کے دو آدمیوں کو قید کر لیا۔ البتہ نوفل بن عبداللہ بھاگ نکلا اور یہ لوگ اس کو پکڑنے سے قاصر رہے۔

عبداللہ بن جحش دونوں قیدیوں اور اونٹوں کے قافلہ کو لے کر مدینہ پہنچ گیا۔ عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس میں پانچواں حصہ رسول اللہؐ کے لئے ہے۔

محمد بن جریر طبری اور ابن ہشام نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ عبداللہ کے اس کہنے سے قبل اللہ نے مال غنیمت میں خمس فرض نہیں کیا تھا۔ اگر یہ صحیح ہے کہ اس وقت تک خمس فرض نہیں ہوا تھا تو یہ روایت جو یہ بتلاتی ہے کہ عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس میں پانچواں حصہ رسول اللہؐ کے لئے ہے، منافقوں کی گھڑی ہوئی روایات میں سے ہے۔ مقصد اس کے گھڑنے کا یہ ہے کہ گویا نبی اکرمؐ ان نئے اقدامات کو جو وہ چاہتے تھے کہ ان کے اصحاب کیا کریں شرعی شکل دے لیتے تھے بجائے اس کے کہ اللہ کی طرف سے کوئی وحی آئے۔ سیرت نگار یہ بھی کہتے ہیں کہ عبداللہ نے غنیمت اور مال اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیئے اور ان کا پانچواں حصہ رسول اللہؐ کے لئے علیحدہ کر دیا۔

جب وہ لوگ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے محترم مہینے میں کسی سے جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ آپ نے اونٹوں اور دونوں قیدیوں کو روک لیا اور خمس میں سے کسی چیز کے لینے سے انکار فرما دیا۔ عبداللہ اور ان کے ساتھی شرمندہ ہوئے اور باقی مسلمانوں نے ان کو ان کے کئے پر ملامت کی۔ قریش کو برائی نکالنے اور بدنام کرنے کا یہ اچھا موقع مل گیا۔ چنانچہ انہوں نے ہر طرف شور مچا دیا کہ حضرت محمدؐ اور ان کے ساتھیوں نے محترم مہینوں میں جنگ کو حلال قرار دے کر خونریزی کی، مال لوٹا اور مردوں کو قیدی بنایا۔ جو مسلمان مکہ میں موجود تھے انہوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ جو کچھ لوگوں کو پیش آیا وہ ماہ شعبان میں واقع ہوا اور کسی محترم مہینے میں نہیں ہوا۔ اسی طرح یہودیوں نے بھی اس، موقع سے فائدہ اٹھایا اور وہ یہ انتظار کرنے لگے کہ حضرت محمدؐ اور ان کے مخالفین میں جنگ چھڑ جائے تاکہ وہ ان کے مفاد میں ہو اور اسی لئے وہ لڑائی بھڑکانے کے لئے خفیہ کارروائی کرنے لگے اور فساد پھیلانے لگے۔ انہوں نے یہ اندازہ لگایا کہ اگر ایسا ہو گیا تو وہ حضرت محمدؐ کی طرف سے بغیر کسی سے مار پیٹ یا لڑائی کئے ہوئے مطمئن ہو سکیں گے۔ اسی لئے اس غزوہ اور اس کے واقعات کا خوب چرچا ہوا۔ جب لوگ اس معاملے میں بہت منہمک ہوئے تو اللہ نے اپنے نبیؐ پر یہ آیات نازل فرمائیں:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ
وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا

یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ''آپ سے محترم مہینے میں جنگ کرنے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ میں رکاوٹ ڈالنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد الحرام سے روکنا اور اس کے لوگوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ جبکہ فتنہ پیدا کرنا قتل کرنے سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے۔ یہ لوگ برابر تم سے لڑتے رہیں گے تا آنکہ اگر ان سے ممکن ہوا تو تم کو تمہارے دین سے پلٹا دیں گے۔''
(سورۂ بقرہ: آیت ۲۱۷)

جب اس شور وغوغا کے مقابلے میں جو مشرکوں اور منافقوں نے برپا کر رکھا تھا، اس غزوہ اور اس کے نتائج پر حکم کے ساتھ آیت نازل ہوئی تو نبی اکرمؐ اور مسلمانوں کو اس حکم سے سکون مل گیا۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے اونٹوں کے قافلے اور اسیروں کو قبضے میں لے لیا۔ قریش نے آنحضرتؐ کی خدمت میں ان کا فدیہ پہنچایا لیکن رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ہم انہیں فدیہ لیکر تمہارے حوالے نہیں کریں گے تاوقتیکہ ہمارے پاس ہمارے دونوں ساتھی واپس نہ آجائیں اور وہ ہیں سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کیونکہ ہم کو ان کے بارے میں تم سے اندیشہ ہے۔ پس اگر وہ قتل کئے گئے یا ان کو کوئی تکلیف دی گئی تو ہم تمہارے دونوں ساتھیوں کو قتل کر دیں گے۔

جب مشرکوں نے سعد اور ان کے ساتھی کو واپس کر دیا تو نبی اکرمؐ نے ان کے دونوں قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ وہ تھے حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ لیکن حکم نے واپس جانے سے انکار کر دیا کیونکہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ مدینہ ہی میں رہے تا آنکہ غزوۂ بئر معونہ میں شہادت پر فائز ہوئے۔ البتہ عبداللہ مکہ واپس چلا گیا اور وہیں مشرک رہ کر مرا۔

یہ ہے مختصر حال عبداللہ بن جحش کے غزوہ کا اور اس کے متعلقات کے نتائج کا۔ دراصل یہ اپنی قسم کا پہلا غزوہ تھا جو خطروں سے گھرے ہوئے سخت حالات میں پیش آیا۔ اس کے باوجود یہ چند افراد پیش قدمی کرتے رہے کیونکہ ان کو ایمان اور اپنے عقائد اور اپنے قائدؐ سے خلوص اس پر آمادہ کر رہا تھا کہ وہ اس تدبیر پر عمل پیرا رہیں خواہ نتائج کچھ بھی ہوں۔

عرب محترم مہینوں میں جنگ کرنا حرام سمجھتے تھے۔ وہ مہینے یہ تھے: ذی قعد، ذی الحجہ، محرم اور رجب۔ اسلام نے ان کی حرمت کو قائم رکھا جس طرح تمام پسندیدہ طریقوں کو قائم رکھا خصوصاً جب ظلم، قتل اور خونریزی کم ہوتی ہو۔ لیکن وہی عرب جو محترم مہینوں میں جنگ کرنے کو حرام مانتے تھے تیرہ سال تک نبی اکرمؐ سے برسرپیکار رہے اور آنحضرتؐ کے ساتھیوں کو ہر قسم کی تکلیفیں پہنچاتے رہے۔ آخر میں ان کو اسلام کے مٹانے کا کوئی طریقہ نہ ملا سوائے اس کے کہ آنحضرتؐ کو قتل کر دیں۔ چنانچہ وہ سب اس پر متفق ہوگئے اور اس طرح انہوں نے آنحضرتؐ کو مجبور کر دیا کہ آپ مسجد الحرام سے جان کی خاطر بھاگ نکلیں جبکہ آپ کے اصحاب، قریشیوں اور ان کے حلیفوں سے چھپ کر پہلے ہی نکل گئے تھے۔

یہ لوگ برابر آنحضرتؐ کی حرکات کا تعاقب کرتے رہے اور یہودیوں سے مل کر آنحضرتؐ کے خلاف سازشیں کرتے رہے جس کی وجہ سے آنحضرتؐ مجبور ہوگئے کہ خود اپنا اور دعوت حق کا ان مومنین کی مدد سے دفاع کریں جو آپ کے

ساتھ تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن جحش کا ان کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ اپنے دفاع کے لئے اور ان لوگوں کی پیہم کرتوتوں اور اشتعال انگیزیوں کو رد کرنے کے لئے ہوا تھا۔

یہ آیت ان مشرکین کو جو اس واقعے سے فائدہ اٹھا رہے تھے جواب دے رہی ہے کہ محترم مہینوں میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے لیکن وہ افعال جو تم نے مسلمانوں اور نبی اکرمؐ کے ساتھ کئے اور کئے جارہے ہو، محترم مہینوں میں جنگ کرنے سے زیادہ بڑے، کاٹ کرنے والے اور انسانیت کے لئے زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ اللہ کے راستے میں رکاوٹ ڈالنا، اس سے کفر اختیار کرنا محترم مہینوں میں لڑنے سے بھی بڑا گناہ ہے جیسا کہ تم لوگوں نے نبی اکرمؐ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ کیا۔

نیز ان کے مال کا چھینا جانا اور ان کے گھروں کا مسمار کیا جانا تمہارے اس مال کے لوٹے جانے سے زیادہ تکلیف دہ، نفرت خیز اور ضرر رساں ہے جس پر اس سریہ میں قبضہ کرلیا گیا تھا کیونکہ اس مال کی مسلمانوں کے ان اموال سے کوئی برابری نہیں جو تم لوگوں نے مکہ میں چھینے اور اپنے قبضہ میں لے لئے۔ نیز وعدوں، دھمکیوں، فریب کاریوں اور ایذا رسانیوں کے ذریعہ لوگوں کو اپنے مذہب سے بھڑکانا محترم یا غیر محترم مہینوں میں جنگ کرنے سے زیادہ سنگین ہے۔

چونکہ مشرکوں کا اصل مقصد اسلام اور رسول اسلامؐ کو نیست و نابود کرنا تھا اور وہ اس کو مٹانے کی تدبیر کرتے رہتے تھے اس لئے اللہ نے اپنے نبیؐ اور ان مسلمانوں کو جو اُن کے ساتھ تھے حکم دیا کہ ہر وقت اور ہر مقام پر اپنے دین اور اپنی جانوں کے دفاع کے لئے مشرکین اور کافروں سے جنگ کریں اور اس حکم سے خانۂ کعبہ میں جنگ کرنے کے علاوہ کوئی اور استثنیٰ نہیں کیا اور اس صورت میں کہ وہ لوگ خود ہی ان سے لڑیں۔ اس میں بھی ان کو جنگ کرنے کی اجازت دے دی۔

چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۹۱ میں اللہ کہتا ہے:

> وَاقْتُلُوْا هُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْ هُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلاَ تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فَاِنَ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكَافِرِيْنَ○ ''ان کو قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ اور ان کو وہاں سے نکال دو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے۔ فتنہ خیزی قتل سے زیادہ سنگین ہے۔ اور ان سے خانہ کعبہ میں جنگ مت کرو تا آنکہ وہ تم سے نہ لڑیں۔ البتہ اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان کو قتل کر ڈالو۔ کافروں کی یہی جزا ہے۔''

اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اسلام جنگ کی طرف دعوت دیتا ہے اور لوگوں کو اس میں شامل ہونے پر مجبور کرتا ہے جیسا کہ مستشرقین اور مشرق ومغرب کے دشمنان اسلام کہتے ہیں جو اسلام سے عداوت رکھتے ہیں اور اس کی مخالفت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ حق اور عدالت کی طرف دعوت دیتا ہے اور سرکشی، زمین میں فساد انگیزی، استحصال، قوموں پر تسلط، آزادیوں کی تباہی، نیکوکاروں کے قتل اور لاکھوں افراد کی ان کے گھروں اور وطنوں سے دربدری کی مخالفت کرتا ہے۔

اسلام جنگ کی طرف دعوت نہیں دیتا سوائے اس سے جو اسلام سے برسرپیکار ہو، سرکشی کرے، زمین میں فساد پھیلائے اور جو یہ کوشش کرے کہ مسلمانوں کو ان کے دین اور ان کے علاقوں سے نکال دے۔ البتہ یہ کہنا کہ وہ لوگوں کو اسلام

میں داخل ہونے پر مجبور کرتا ہے ایسا بہتان ہے جس کو قرآن خود ہی سورۂ بقرہ کی آیت ۲۵۶ میں جھٹلاتا ہے کہ: لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ''دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ہدایت اور گمراہی صاف صاف ظاہر ہوگئی ہیں۔''

اور فرماتا ہے: وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ''اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑیں اور زیادتی نہ کرو۔ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (سورۂ بقرہ: آیت ۱۹۰)

اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں جو صرف ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دیتی ہیں جو لوگوں کو ان کے دین سے ہٹاتے ہیں اور زمین پر فساد پھیلاتے ہیں۔

اب جبکہ عبداللہ بن جحش کے سریہ کا بیان ہم کو اس جنگ کے بیان تک لے آیا ہے جس کی اجازت اسلام دفاع کیلئے دیتا ہے، میں خیال کرتا ہوں کہ اس سلسلہ میں جو کچھ محمد حسین ہیکل نے لکھا ہے اس کا خلاصہ پیش کردوں۔ وہ کہتے ہیں:

وہ جنگ جس کی اجازت اسلام جان اور عقیدہ کے دفاع کے لئے دیتا ہے، وہ ان ہی وسائل سے ہوتی ہے جن سے کافر لڑتے ہوں۔ پس وہ اُن سے ان ہی اسلحے سے جنگ کرتا ہے جو وہ لوگ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ جب دشمنی کا مقابلہ دلیل، رائے اور منطق سے ہو اور دفاع کے وسائل میں سے کوئی اور وسیلہ اس میں استعمال نہ ہو تو کسی کو زیادہ طاقتور یا زیادہ تیز ہتھیار استعمال نہیں کرنا چاہیں۔لیکن جب دشمن خود ہی مسلح طاقت پر اتر آئے تو اسلام بھی جس قدر امکان ہو قوت کا دفاع قوت سے کرنے کی اجازت دیتا ہے۔لیکن اگر ایسا کرنے کی طاقت نہ ہو تو مناسب حالات کے آنے تک صبر کرنا چاہئے جیسا کہ شروع زمانے کے مسلمان مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے کرتے رہے۔ چنانچہ انہوں نے مصیبت اور تکلیف برداشت کی تحقیر اور ظلم پر صبر کئے رہے۔ ان کو ان کے عقیدے سے نہ بھوک ہٹا سکی، نہ بے مائیگی۔لیکن یہ ان ہی افراد سے ہوسکا جن کو اللہ نے ایمان کی قوت عطا کی تھی جس کے آگے ہر تکلیف اور ناانصافی ہیچ ہے۔

اس پر وہ یہ اضافہ کرتے ہیں کہ جب تم ایسا کرسکتے ہو کہ جو کوئی فتنہ برپا کرنا چاہے اس کا دفاع ہتھیاروں سے کرو اور جو کوئی اپنے وسیلوں کے ذریعہ اللہ کے راستا میں رکاوٹ ڈالتا ہے اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہوسکو، تو واجب ہے کہ ایسا ضرور کرو۔ ورنہ تم، تمہارا عقیدہ متزلزل اور تمہارا ایمان کمزور ہے۔ یہی آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب نے کیا، جب مدینہ میں آپ کے حالات مستحکم ہوگئے اور یہی عیسائیوں نے اس وقت کیا جب ان کا اقتدار روم اور برطانیہ میں جم گیا اور شہنشاہان روم کے دل عیسائیت کی طرف مائل ہوگئے۔ اب پلٹ کر ان کے مبلغین یہ کہنے لگے کہ عیسائیت جنگ سے مطلق نفرت کرتی ہے اور یہ اسلام ہے جو جنگ وجدال اور خونریزی کی دعوت دیتا ہے۔

ہمارے سامنے تاریخ اسلام مصنفانہ گواہی دے رہی ہے اور عیسائیت کی تاریخ بھی گواہی دے رہی ہے۔ چنانچہ عیسائیت ابتدائے طلوع سے آج تک دنیا کے حصوں کو خون سے رنگین کرتی آئی ہے۔ اس نے حضرت عیسیٰؑ کے نام پر ارض روم کو رنگین کیا۔ اسی نے یورپ کے سارے ملکوں کو رنگین کیا۔ صلیبی جنگوں کے شعلے عیسائیوں ہی نے بھڑکائے نہ کہ مسلمانوں

نے۔ صلیب کے نام پر لشکر کے لشکر یورپ سے نکل نکل کر دو سو سال تک مشرق میں مسلمانوں کے ملکوں میں جنگ کرتے اور خون بہاتے رہے اور ہر مرتبہ حضرت عیسیٰ کے جانشین پوپ ان اُمڈتے ہوئے لشکروں کو بیت المقدس اور دوسرے عیسائی مقدس مقامات پر قبضہ جمانے پر مبارک بادیں دیتے رہے۔ گویا کہ یہ پوپ سب کے سب عیسائیت سے خارج ہو گئے اور ان کی عیسائیت کھوٹی تھی یا دعویٰ کرنے والے جاہل تھے اور یہ نہ جانتے تھے کہ عیسائیت یکسر جنگ سے نفرت کرتی ہے۔ یا یہ کہتے ہیں کہ وہ عیسائیت کی تاریک صدیاں تھیں۔ اگر ایسا بھی ہو جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں تو اب ہم تو بیسویں صدی کے آخر میں ہیں اور اس صدی کو انسان کی اعلیٰ ترقی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ لیکن اس میں قرون وسطیٰ کے تاریک عہد سے زیادہ برا اور سخت حال دیکھنے میں آیا۔ چنانچہ ۱۹۱۸ء میں عالمی جنگ کے ختم ہونے پر بیت المقدس پر قبضہ حاصل ہو گیا تو اتحادیوں کے نمائندے لارڈ لامبی نے یہ خیال ظاہر کیا کہ صلیبی جنگیں آج ختم ہوئی ہیں۔

محمد حسین ہیکل نے اسلام کے متعلق دنیا بھر کی عیسائیت کا موقف اور پہلی عالمی جنگ تک اس کے اسلام کے ساتھ دشمنانہ رویئے پیش کر دیئے ہیں بلکہ اسلام کے ساتھ اس کے دشمنانہ رویئے جو صرف ظلم، استحصال اور غلام گیری ہی تک محدود نہیں ہیں، نہ ختم ہوئے ہیں، نہ کبھی ختم ہوں گے۔ ہمارے سامنے طلوع ہونے والے دنوں کا ہر دن صلیبی جنگوں کے نئے سے نئے رنگ میں آتا رہے گا جو اسلام اور اس کے بنیادی اصولوں کا دشمن ہے اور اس کو سامراجی طاقتوں اور عالمی صیہونیت کی قیادت حاصل ہے جو اپنے مقاصد اور مفادات کے حصول کی خاطر ان تمام معاشروں اور مذہبوں کی مخالف ہے جو چھینا جھپٹی، استحصال اور امن پسند شہریوں کی زندگی خراب کرنے اور جماعتی تباہی کی شریعت پر یقین نہیں رکھتے۔

امام علیؑ اور حضرت فاطمہ زہراؑ کی شادی

محمد بن یعقوب کلینی نے کافی میں حسن بن محبوب سے اور انہوں نے حبیب سجستانی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے امام محمد باقرؑ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ آنحضرتؐ کی بعثت کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں اور جب آپ نے وفات پائی تو آپ کی عمر اٹھارہ سال اور پچھتّر روز تھی۔

اعیان الشیعہ کی دوسری جلد میں ہے کہ جب آپ کی تزویج امام علیؑ سے ہوئی تو آپ کی عمر نو، دس اور گیارہ برس کے لگ بھگ تھی۔ اس بنیاد پر کہ آپ کی تزویج ہجرت کے صرف ایک سال بعد ہوئی، آپ کی عمر نو سال بنتی ہے اور اس بنیاد پر کہ تزویج دوسرے سال میں ہوئی جیسا کہ طبری نے قابل ترجیح مانا ہے آپ کی عمر دس سال بنتی ہے۔

نیز کہا گیا ہے کہ تزویج کے وقت آپ کی عمر بارہ سال تھی اور آپ کی ولادت بعثت کے دوسرے سال میں ہوئی تھی۔ استیعاب کی روایت میں ہے کہ آپ کی عمر پندرہ سال تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ اٹھارہویں سال میں تھیں اور آپ کی ولادت بعثت سے پانچ سال قبل ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں جن کے بارے میں تحقیق سے کوئی قابل ذکر فائدہ نہ ہوگا۔

کشف الغمہ میں امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت فاطمہ زہراؑ کے لئے امام علیؑ کو پیدا نہ کرتا تو ان خاتون کے لئے ہم پلہ کبھی بھی نہ ملتا۔ کتاب الفردوس کے مصنف نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ روایت رسول اللہؐ سے ہے۔

مناقب ابن شہر آشوب میں ہے کہ صحاح میں امیر المؤمنینؑ، ابن عباس، ابن مسعود اور براء بن عازب رضی اللہ عنہم وغیرہ کی سندوں سے یہ روایت اس طرح پائی جاتی ہے کہ الفاظ اور ترکیب میں اختلاف ہے لیکن مضامین میں یکسانیت ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ سے تزویج کے لئے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں نے رسول اللہؐ سے ایک سے زیادہ مرتبہ خواستگاری کی لیکن آنحضرتؐ نے دونوں کو منع فرما دیا۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے نبی اکرمؐ سے ان خاتونؑ کے لئے درخواست کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ کے حکم کا انتظار کر رہا ہوں اور جب حضرت عمرؓ نے درخواست کی تب بھی آنحضرتؐ نے ان کو یہی جواب دیا۔

جب امام علیؑ رشتہ طلب کرنے گئے تو زیادہ بات نہیں ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت فاطمہ زہراؑ کا ذکر کیا تو نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ ''خوش آمدید،'' پس جب امام علیؑ اور وہ انصار جو آپ کے ساتھ تھے باہر آ گئے تب جو کچھ نبی اکرمؐ کے سامنے پیش آیا تھا امام علیؑ نے بیان کیا تو لوگوں نے کہا کہ آنحضرتؐ نے آپ کی خواہش مان لی ہے۔

طبقات میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے حضرت فاطمہ زہراؑ سے امام علیؑ کا ذکر کیا اور ان سے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے درخواست کی کہ میں تمہاری تزویج اس شخص سے کردوں جو مخلوق میں سب سے بہتر اور اللہ کو ان سب سے زیادہ محبوب ہے۔ تم خود علیؑ کو اور ان کے مرتبے اور حیثیت کو جانتی ہو۔ وہ میرے پاس طلب رشتہ کے لئے آئے تھے تو تمہاری کیا رائے ہے؟ لیکن وہ خاتون کچھ نہ بولیں۔ اس پر آپ یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لے آئے کہ ''ان کے سکوت کے معنی ان کا اقرار ہے۔''

پھر رسول اللہؐ نے مسلمانوں کو جمع فرما کر ان کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا جیسا کہ کشف الغمہ میں مناقب سے روایت ہے کہ مجھ کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کی شادی علیؑ سے کردوں۔ چنانچہ میں نے اس کی شادی ان سے چار سو مثقال چاندی پر کردی۔ پھر امام علیؑ کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے علیؑ! کیا تم اس شادی سے مطمئن ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ میں مطمئن ہوں یا رسول اللہؐ۔ اس کے بعد آپؑ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گئے۔ تب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ تم دونوں کو بکثرت پاکیزہ اولاد اور برکت عطا فرمائے۔

انس بن مالک کی روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تم دونوں پر برکت نازل فرمائے، تمہاری حیثیت کو نیک بنائے، تم دونوں میں یگانگت قائم رکھے اور تم دونوں سے بکثرت اور پاکیزہ اولاد پیدا کرے۔ یہ بیان کر کے انس بن مالکؓ نے کہا کہ بخدا! اللہ نے ان دونوں سے بکثرت پاکیزہ اولاد عطا کی۔

اہلبیتؑ کی بیشتر روایات میں ہے کہ حضرت زہراؑ کا مہر پانچ سو درہم تھا جو ساڑھے بارہ اوقیہ (اونس) چاندی کے

برابر ہے۔ ہر اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں اس بات پر زور دیا ہے کہ رسول اللہؐ کی لڑکیوں میں سے کسی کا مہر اس سے زیادہ نہیں تھا۔

امام علیؑ نے مہر لا کر رسول اللہؐ کے سامنے رکھ دیا۔ آنحضرتؐ نے اس میں سے ایک مٹھی لے کر حضرت بلالؓ کو دیا اور فرمایا کہ اس سے حضرت فاطمہؑ کے لئے عطر خرید لاؤ۔ پھر اس میں سے دونوں ہاتھ بھر کر اٹھایا اور حضرت ابوبکرؓ کو دے کر فرمایا کہ حضرت فاطمہؑ کے لئے مناسب کپڑے اور گھر کا ساز و سامان خرید لاؤ اور ان کے ساتھ عمارؓ بن یاسرؓ اور اصحاب میں سے کچھ افراد کو بھیجا کہ وہ لوگ چیزیں لے کر ابوبکرؓ کو دکھاتے اور وہ پسند کر لیتے تو خرید لیتے۔ آنحضرتؐ نے کچھ رقم ام ایمن کو دی تا کہ اس سے گھر کا ساز و سامان خرید لیں۔ ان کے جہیز میں ایک قمیض، سات درہم کا ایک ڈوپٹہ، چار درہم کا، ایک سیاہ خیبری قطیفہ (کمبل)، ایک بچھونا لپٹا ہوا، دو مصری فرش جن میں سے ایک کھجور کے ریشے کا اور دوسرا بھیڑوں کی اون کا بنا ہوا تھا، چار تکیے طائف کے چمڑے کے جن میں خوشبودار پتے بھرے ہوئے تھے، ایک اون کا باریک پردہ، ایک بحرینی بوریا، ایک ہاتھ کی چکی، ایک پیتل کا کپڑے دھونے کا برتن، ایک چمڑے کا برتن، ایک پیالہ دودھ کے لئے، ایک پانی ٹھنڈا کرنے کا برتن، ایک ہاتھ منہ دھونے کے لئے برتن، ایک چھلنی، دو مٹی کے آبخورے، ایک قطوان (کوفہ کی عباء)، ایک پانی کی مشک اور اسی قسم کی باقی گھرستی کی معمولی چیزیں جو بے مایہ طبقوں میں ہوتی ہیں۔

جب یہ سامان رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ اس کو دست مبارک سے پلٹتے جاتے اور فرماتے جاتے کہ اللہ اہل بیت کے تمام مٹی کے برتنوں میں برکت عطا فرمائے۔

اس طرح یہ یکجائی اختتام کو پہنچی جو اللہ نے ان عظیم شوہر اور زوجہ کے لئے اختیار کی تھی اور جس کے لئے اللہ نے خود ان دونوں کے ارادہ کرنے سے پہلے ارادہ کر لیا تھا۔ اللہ نے ان دونوں ناموں کے لئے مقدر کر دیا تھا کہ یہ دونوں انسان کامل کی سچی مصداق بنیں گے جس میں اس کی انسانیت نے تکمیل حاصل کی ہے اور ہر بنی نوع انسان کے لئے، مرد ہو یا عورت، اعلیٰ نمونہ ہوگی۔ اگر انسان کوشش کرے کہ سچائی، حق، عدل، طہارت، عفت اور اس قسم کی دوسری صفات کو جمع کرے تو اس کو ان دو ہستیوں کے علاوہ کوئی لفظ نہ ملے گا جنہوں نے ان الفاظ کے حقیقی مفہوم کو یکجا کر دیا ہو۔ چنانچہ جیسا کہ حضرت عائشہ کی روایت میں ہے کہ حضرت علیؑ، رسول اللہؐ کے بعد تمام انسانوں میں سب سے بہتر اور آنحضرتؐ کو مردوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے اور حضرت فاطمہؑ عورتوں میں آنحضرتؐ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔

اللہ نے اپنے نبیؐ کی یہ دعا قبول کر لی کہ ان دونوں سے بکثرت پاکیزہ اولاد پیدا کرے اور اللہ نے ان دونوں سے پاکیزہ نسل پیدا کی جو ائمہ ہدیٰ میں ہیں۔ اللہ کی زمین پر اس کے جانشین ہیں اور اس کی وحی کے امانتدار ہیں۔ جو کوئی ان سے وابستہ رہا، ان کی سیرت پر گامزن رہا اور ان کے اقوال پر عامل رہا تو اس نے نجات پائی اور وہ کامیاب افراد میں شامل ہو گیا۔ البتہ جو کوئی ان حضرات کی سیرت اور تعلیمات سے دور رہا اور ان کے مرتبے اور حق کا منکر رہا، وہ گمراہ ہو کر بھٹک گیا اور برباد ہونے والوں میں شامل ہو گیا۔

— ۱۰ —

بدرِ کبریٰ

عبداللہ بن جحش کا سریہ جس میں انہوں نے لوگوں کو قید کیا، قتل کیا اور قافلے میں جو کچھ تھا، اس پر قبضہ کرلیا تھا۔ قریش کے لئے باعث تنبیہ ہوگیا کہ جب تک وہ دشمنی اور مخالفت پر قائم رہیں گے تو اس کا مناسب بدلہ بھی پائیں گے۔ خصوصاً اب جبکہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو ہر اس شخص سے جنگ کرنے کی اجازت دے دی تھی جو زیادتی اور سرکشی کی کوشش کرے۔ قریش نے یہ بھی محسوس کرلیا کہ ان کی تجارت مسلمانوں کے رحم و کرم پر ہوگئی تھی۔ ایسے میں یہ ناممکن اور غیر معقول ہوتا کہ نبی اکرمؐ ہاتھ باندھے بیٹھے رہتے کیونکہ آپ کے لئے ضروری ہوگیا تھا کہ ان لوگوں کو بڑھتے رہنے سے روکیں اور ان کو ان کے ارادوں میں کامیاب نہ ہونے دیں جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں۔ قرآن نے ان لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت دے دی تھی جو لوگوں کو ان کے دین سے ہٹانے کی اور ان کو اللہ کے راستا سے روکنے کی کوشش کرتے ہوں اور ان پر حملہ آوری کے لئے تیاریاں کرتے ہوں جیسا کہ کرز بن جابر بن فہری کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے جس نے اپنے ساتھ والے عربوں کو لے کر مدینہ پر چڑھائی کی تھی اور اونٹوں اور پالتو جانوروں کو پکڑ لیا تھا۔ جس کی وجہ سے نبی اکرمؐ مجبور ہوگئے تھے کہ اس کی تلاش میں سریہ روانہ فرمائیں اور پے بہ پے کافی معلومات مہیا ہو جانے پر نبی اکرمؐ کو ان تیاریوں کا علم ہوگیا تھا جو قریش اور ان کے حلیفوں نے اپنے یہودی اور منافق پڑوسیوں سے مل کر کی تھیں۔ اس یقین کے بعد آنحضرتؐ کے لئے لاعلمی اور بے پروائی کا موقف اختیار کرنے کا کوئی موقع باقی نہ رہا تھا اور آپ نے اس کو ضروری سمجھا کہ پختہ عزم کے ساتھ، تمام ممکن قوت سے ان کی حرکتوں اور بڑھتے ہوئے اقدامات کو روک دیں۔ چنانچہ دشمن نے ایسی بہادریوں کے اظہار کا موقع پیدا کردیا جو اس کے بعد آنے والی تمام جنگوں اور غزوات میں کامیابی کا سبب بنتی رہیں۔

معرکۂ بدر نے مشرکین کے احساس برتری اور غرور کو ختم کردیا اور ذہنوں میں گھومنے والے اس خیال کو مٹادیا کہ قریش جس گھڑی چاہیں مسلمانوں کو تباہ کرنے اور مٹا ڈالنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ کیونکہ مسلمان اپنی کمزوری اور تعداد کی کمی کے باوجود قریش کے سامنے نہایت سختی سے ڈٹے رہے حالانکہ وہ تعداد اور ساز و سامان کے لحاظ سے قریش سے کئی گنا کم

تھے۔ اس کامیابی کا جو انہوں نے حاصل کی ان قبیلوں کے ذہنوں پر گہرا اثر پڑا جو دیکھ رہے تھے کہ قریش اور آنحضرتؐ کے درمیان بیٹھی ہوئی گہری دشمنی کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے؟ اسی لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ جیسا کہ اس معرکہ کو سیرت اور تاریخ کی کتابوں نے بیان کیا ہے ہم بھی اس کو ایجاز کے ساتھ پیش کردیں۔

چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہؐ کو معلوم ہوا کہ قریش کا تجارتی قافلہ مکہ سے شام کے لئے ابوسفیان کی قیادت میں روانہ ہوا ہے جس میں چالیس سے زیادہ افراد نہیں ہیں اور مکہ میں کوئی قریشی مرد یا عورت باقی نہیں تھا جس نے اپنی ساری نقدی اس قافلہ کے لئے نہ بھیج دی ہو اور اس میں بیشتر مال سعید بن عاص کی آل اولاد کا تھا، تب آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب کو طلب فرمایا اور ان پر روانگی کے لئے اپنا فیصلہ عائد نہیں کیا بلکہ ان کو اختیار دیا۔ آنحضرتؐ اپنے ساتھ کے مہاجرین و انصار کو لے کر جو تین سو سے ذرا زیادہ تھے مدینہ کے نواح میں ایک مقام کی جانب جو بقیع کہلاتا تھا روانہ ہوگئے۔ یہاں سے آنحضرتؐ نے عبداللہ بن عمر، اسامہ بن زید اور براء بن عازب وغیرہ جیسے نوخیز جوانوں کو واپس فرمادیا۔

آپ اپنے ساتھ والوں کو لے کر رمضان کے بارہ روز گزر جانے پر روانہ ہوئے۔ ان لوگوں کے پاس ستر اونٹ تھے جن میں سے ہر ایک پر دو یا تین افراد باری باری سوار ہوتے تھے۔ خود آنحضرتؐ، امام علیؑ اور زید بن حارثہؓ ایک ہی اونٹ پر باری لے رہے تھے۔

واقدی سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے عبداللہ بن جعفرؓ نے اور ان سے مسور کے غلام ابوعون نے اور ان سے مخزمہ بن نوفل نے بیان کیا کہ جب ہم شام پہنچے تو ہم کو قبلۂ جزام کا ایک شخص ملا۔ اس نے ہم کو بتایا کہ آنحضرتؐ نے ہمارے جانے کے وقت دوسروں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی اور یہ کہ اس نے آنحضرتؐ کو ہماری واپسی کے انتظار میں کھڑے چھوڑا ہے جبکہ آنحضرتؐ نے راستے کے لوگوں سے ہمارے خلاف معاہدہ کرکے ان سے باہمی سمجھوتے کر لئے ہیں۔ مخزمہ کا بیان ہے کہ اس وجہ سے ہم لوگ ڈرے ہوئے روانہ ہوئے۔ ہم کو دیکھے جانے کا ڈر تھا۔ ہم سب کی رائے یہ ہوئی کہ ہم ضمضم بن عمرو کو بھیجیں جو قافلے کے ساتھ تھا۔ قریش اس کے پاس سے گزرے تھے جب وہ ساحل پر ٹھہرا ہوا تھا اور ان لوگوں نے اس کی خدمات بیس مثقال پر لے لی تھیں۔ ابوسفیان نے اس سے کہا کہ قریش کو خبر پہنچا دے کہ آنحضرتؐ نے ان کے قافلے کو چھیڑا ہے اور یہ کہ جب وہ مکہ میں داخل ہو تو اپنے اونٹ کی ناک کو زخمی کرلے، اپنی کاٹھی کو ڈھلکا لے، اپنی قمیض کو آگے اور پیچھے سے پھاڑ ڈالے اور یہ چلاتا ہوا داخل ہو ''ہائے فریاد، ہائے فریاد۔'' چنانچہ ضمضم نے اہل مکہ کے لئے وہی مؤقف اختیار کیا جو ابوسفیان کا ارادہ تھا اور ان کے جذبات کو بھڑکاتا اور حضرت محمدؐ اور آپ کے اصحاب کے خلاف بغض وعناد کے خیالات ابھارتا رہا۔ چنانچہ اس نے اپنے اونٹ کی ناک کو زخمی کیا، اپنی کاٹھی کو ڈھلکالیا اور اپنی قمیض کو پھاڑ لیا جیسا کہ عرب لوگ سخت ترین حالات میں اور خطرناک ترین موقع پر کیا کرتے تھے۔

اس نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کردیا کہ اے گروہ قریش خبردار! خبردار! تمہارا مال ابوسفیان کے ساتھ ہے۔ اس کے وجہ سے اس نے محمدؐ اور ان کے اصحاب سے ٹکر لی ہے۔ میرے خیال میں تم اپنا مال نہ پاسکو گے۔ ادھر ابوسفیان اونٹوں کا

قافلہ لئے ہوئے بے چینی کے عالم میں ڈرتا ڈرتا چل رہا تھا۔ جب وہ روحاء تک جا پہنچا جہاں نبی اکرمؐ ٹھہرے ہوئے تھے اور وہاں سے چلے گئے تھے اور اب وہاں مجدی بن عمرو جہنی موجود تھا۔ ابوسفیان نے اس سے آنحضرتؐ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے اس کو گھما دیا اور صحیح بات نہیں بتلائی۔ ابوسفیان بھی ان کی باتوں سے مطمئن نہیں ہوا اور قافلے کو لئے ہوئے تیزی سے بدر کی جانب چلتا رہا۔ بہت ممکن تھا کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں جا پڑتا، اگر وہ مجدی بن عمرو سے یہ نہ پوچھ لیتا کہ کیا اس نے کسی کو پایا ہے؟ تب اس نے اس کو بتایا کہ مجھ کو کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس کو میں ناپسند کرتا ہوں۔ البتہ میں نے دو سواروں کو دیکھا تھا کہ وہ اس ٹیلے پر سے اترے تھے۔ پھر انہوں نے اپنی مشک میں پانی لیا اور چلے گئے۔ ادھر نبی اکرمؐ نے بسبس بن عمرو جہنی اور بنی نجار کے غلام عدی بن ابی زغباء جہنی کو پانی لانے بھیجا تھا۔ وہاں عدی اور بسبس نے چشمے پر ٹھہرے ہوئے لوگوں کی دو کنیزوں کو آپس میں باتیں کرتے ہوئے سن لیا تھا۔ ان میں سے ایک، دوسری سے کہہ رہی تھی کہ کل پرسوں تک یہاں اونٹوں کا ایک قافلہ آنے والا ہے، میں ان کے لئے کچھ کام کروں گی اور پھر جو کچھ تمہارا ہے ادا کردوں گی۔ جب دونوں میں جھگڑا بڑھنے لگا تو مجدی بن عمرو ان دونوں کے درمیان پڑ گئے۔ ان دونوں کی بات چیت ان دو آدمیوں نے بھی سنی جن کو رسول اکرمؐ نے بھیجا تھا۔ اس کے بعد ان دونوں نے پانی لیا اور نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر جو کچھ سنا تھا بیان کردیا۔

جب ابوسفیان نے مجدی بن عمرو سے دریافت کیا اور اس نے اس کو ان دو آدمیوں کے متعلق بتلایا جو پانی لینے آئے تھے تو ابوسفیان ان دونوں کے اونٹوں کے ٹھکانے پر گیا اور ان کی چند مینگنیاں اٹھا کر ان کو توڑا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ان میں کھجور کی گٹھلیاں ہیں۔ تب وہ بولا کہ قسم بخدا یہ یثرب کا چارہ ہے اور سمجھ گیا کہ وہ دونوں آدمی آنحضرتؐ کے ساتھیوں میں سے تھے اور یہ کہ آنحضرتؐ چشمے کے قریب ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے اونٹوں کی قطار لے کر واپس ہوگیا اور اپنا رخ راستے سے موڑ کر اور بدر کو اپنے بائیں جانب چھوڑ کر ساحل کی طرف چل نکلا یہاں تک کہ قافلہ کو لے کر محفوظ ہوگیا۔

ادھر ضمضم کی ہائے واویلا سے قریش کے جذبات برانگیختہ ہوجانے کی وجہ سے ان لوگوں نے تین دن تک پوری قوت سے تیاریاں کیں اور اپنے تمام ہتھیار نکال لئے۔ ان میں جو طاقتور تھے انہوں نے کمزوروں کی مدد کی۔ سہیل بن عمرو نے قریش کے کچھ افراد کے درمیان کھڑے ہوکر تقریر کی جس میں کہا گیا کہ اے گروہ قریش! یہ محمدؐ اور ان کے ساتھی جن میں کچھ تمہارے جوان اور کچھ یثرب والے شامل ہیں، تمہارے قافلے اور تمہارے اونٹوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں۔ بس جس کو سہارا چاہئے تو یہ سہارا موجود ہے، جس کو یہ قوت درکار ہے تو قوت موجود ہے۔ پھر زمعہ بن اسود نے کھڑے ہوکر کہا کہ لات اور عزیٰ کی قسم جو معاملہ تمہیں درپیش ہے وہ اس سے زیادہ عظیم ہے کہ محمدؐ اور ان کے ساتھ والوں نے تمہارے قافلے کو ٹوکا ہے جس میں تمہاری دولت بھری ہوئی ہے۔ پس قوت اختیار کرو اور تم میں سے کوئی پیچھے نہ رہنے پائے۔ جس کے پاس کوئی سامان حرب نہ ہو تو یہ سامان موجود ہے۔ قسم بخدا! اگر محمدؐ اور ان کے ساتھی اس سے آ ٹکرائے تو وہ تم کو چھوڑیں گے نہیں تا آنکہ تمہارے گھروں میں گھس جائیں۔

طعیمہ بن عدی نے کہا کہ اے گروہ قریش! اس سے زیادہ اہم معاملہ تم کو درپیش نہیں آیا ہے کہ تمہارے قافلے اور تمہارے اونٹوں کو جس پر تمہارا مال اور دولت لدی ہوئی ہے تم سے لے لیا جائے۔ قسم بخدا! میری رائے میں بنی عبدمناف میں سے کوئی شخص مرد یا عورت ایسا نہیں رہنا چاہئے جو اس قافلے میں نہ شامل ہو جائے۔ پس جس کے پاس کھانے کو نہ ہو تو ہمارے پاس کھانا ہے، ہم اس کو دیں گے اور اس کی ضروریات پوری کریں گے۔ چنانچہ اس نے بیس اونٹ کھانے کے سامان سے لاد کر لوگوں کے اہل وعیال کے پاس ان کے گزارے کے لئے چھوڑ دیئے۔

پھر حنظلہ بن ابی سفیان اور عمرو بن ابی سفیان نے کھڑے ہو کر لوگوں کو آمادۂ روانگی کیا لیکن انہوں نے خرچ اور گزارے کا کوئی ذکر نہیں کیا تو ان سے کہا گیا کہ تم اسی امر کی دعوت نہیں دے رہے ہو جس کی دوسروں نے دی تھی تو انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس کچھ ہے ہی نہیں جو کچھ مال ہے وہ ابوسفیان کا ہے۔

نوفل بن معاویہ دیلی نے اہل ثروت کے پاس جا کر لوگوں کے گزارے اور روانگی پر خرچ کرنے کے لئے کہا۔ چنانچہ اس نے عبداللہ بن ابی ربیعہ سے بات کی تو اس نے کہا کہ لو یہ پانچ سو دینار ہیں ان کو جہاں چاہے صرف کرو۔ پھر اس نے حویطب بن عبدالعزیٰ سے بات کی تو اس نے اس کو دو سو دینار دیئے تا کہ اس سے ہتھیار اور ضروری خورد ونوش خریدے۔ چنانچہ قریش میں سے کوئی فرد ایسا نہیں رہا جس نے اپنی حیثیت کے مطابق نہ دیا ہو سوائے ابولہب کے کیونکہ اس نے دعوت حق سے اپنی سخت نفرت اور دشمنی کے باوجود ان لوگوں کے ساتھ جانے اور کسی طریقے سے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

اس شخص کو اشتراک عمل سے عاتکہ بنت عبدالمطلب کے خواب نے روکا۔ انہوں نے ضمضم بن عمرو کے روانہ ہونے سے پہلے ایسا خواب دیکھا تھا جس نے ان کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ اس پر انہوں نے اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلب کو بلوا کر کہا کہ اے بھائی میں نے ایسا خواب میں دیکھا ہے جس نے مجھ کو ڈرا دیا اور مجھ کو خوف پیدا ہو گیا کہ اس سے آپ کی قوم کو برائی درپیش ہوگی۔ پس جو کچھ میں آپ سے بیان کروں اس کو راز رکھیئے گا۔ میں نے ایک ناقہ سوار کو دیکھا کہ بڑھتا آ رہا ہے یہاں تک کہ ابطح پر آ کر رک گیا اور اپنی بلند ترین آواز سے چلا کر بولا کہ ''اے بیوفاؤ! تم سب تین روز میں اپنی قتل گاہوں پر پہنچ جاؤ'' اس نے تین بار یہی دھرایا۔ پس لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے۔ پھر وہ خانۂ کعبہ میں داخل ہو گیا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے کہ اتنے میں اس نے اپنے اونٹ کو خانۂ کعبہ کی پشت پر کھڑا کر دیا اور پھر تین بار وہی کلمہ چیخ چیخ کر دھرایا۔ اس کے بعد اس نے اپنا اونٹ ابوقبیس کے اوپر کھڑا کر کے چیخ چیخ کر وہی کلمہ تین بار کہا۔ پھر اس نے ابوقبیس سے ایک پتھر کا ڈھیلا لے کر نیچے پھینکا یہاں تک کہ وہ پہاڑ سے نیچے پہنچ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور مکہ کا کوئی گھر ایسا نہیں بچا جہاں اس کا ٹکڑا نہ جا پہنچا ہو۔

شرح نہج البلاغہ میں واقدی سے روایت ہے کہ اس کے بعد عمرو بن عاص بیان کرتا تھا کہ میں نے یہ سب کچھ دیکھا اور میں نے اس پتھر کا ٹکڑا اپنے گھر میں بھی دیکھا۔[1]

۱۔ شرح نہج البلاغہ میں ہے کہ عمرو بن عاص ہنسی میں اور مذاق اڑانے کے لئے کہا کرتے تھے۔

واقدی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ بنی ہاشم اور بنی زہرہ میں سے کسی گھر میں اس پتھر میں سے کوئی چیز نہیں گئی۔
عباس اس خواب سے بہت رنجیدہ ہوئے اور انہوں نے اس کا ذکر ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے کیا جو اُن کا دوست تھا۔ پھر اس خواب کی خبر لوگوں میں پھیل گئی۔ عباس بن عبدالمطلب بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز صبح کو خانۂ کعبہ کا طواف کرنے گیا تو وہاں قریش کی ایک جماعت میں ابوجہل عاتکہ کے خواب کے متعلق باتیں کر رہا تھا۔ اس وقت ابوجہل نے عباس سے کہا کہ اے بنی عبدالمطلب! کیا تمہارے لئے یہی کافی نہیں تھا کہ تمہارے مرد غیب کی خبر دیں کہ اب تمہاری عورتیں بھی ایسی خبریں دینے لگی ہیں؟

عاتکہ کا خیال ہے کہ انہوں نے ایسا ایسا خواب دیکھا ہے۔ پس ہم تین روز تک تم لوگوں کو دیکھیں گے اور جو کچھ وہ کہتی ہیں سچ ہوا تو ٹھیک ہے اور اگر تین روز گزر گئے اور کچھ نہ ہوا تو ہم فیصلہ کردیں گے کہ تمہارا گھرانہ سارے عرب میں سب سے زیادہ جھوٹا ہے۔ اس پر عباس نے اس سے کہا کہ ''ارے ہگوڑے ہم تجھ کو زیادہ جھوٹ اور کمینہ پن کا مورد ٹھہرا سکتے ہیں۔ یہ بات بنی عبدالمطلب کی عورتوں تک جا پہنچی اور انہوں نے عباس کو برا کہنا شروع کردیا کہ انہوں نے ابوجہل کو کیوں چھوڑ دیا کہ وہ بنی عبدالمطلب کے مردوں اور عورتوں میں برائیاں نکالتا رہے۔ جب خواب کو تیسرا دن ہوا تو عباس شدید غصہ میں بھرے ہوئے ابوجہل کی تلاش میں نکلے اور وہ نظر آیا تو اس کی طرف بڑھے لیکن وہ تیزی سے باب بنی سہم کی سمت نکل گیا اور یہ اس کو نہ پا سکے۔ البتہ اس نے ضمضم کی چیخ پکار سن لی تھی اور وہ چیخ چیخ کر لوگوں کو خوفزدہ کر رہا تھا۔ ابوجہل ہلکا پھلکا سخت چہرہ اور تیز زباں اور نظر کا آدمی تھا۔

جب لوگوں نے ضمضم کو قافلے کی کیفیت کی وجہ سے لوگوں کو بددل کرتے ہوئے سنا تو اس خواب سے ان پر بہت رنج طاری ہو گیا اور قریش نے روانگی کے بارے میں اپنے بت ہبل سے فال نکالی اور امیہ بن خلف اور عتبہ و شیبہ نے کرنے اور نہ کرنے کی فال نکالی۔ جس پر نہ کرنے کی فال نکلی۔ اسی طرح زمعہ بن اسود نے فال نکالی اور نہ جانے کی فال نکلی۔ پھر کچھ اور لوگوں نے فال نکالی، ان کو بھی ایسی چیز نہ ملی جو اُن کو روانگی کی ہمت دلائے۔ پھر بھی ان میں کے کم عقیدہ لوگ جیسے ابوجہل وغیرہ روانگی کے لئے اصرار کرتے رہے حالانکہ دوسرے ناپسند کرتے تھے۔

حکیم بن خرام سے روایت ہے کہ اس نے بیان کیا کہ مجھ کو کہیں جانا اس سے زیادہ برا نہیں معلوم ہوا جتنا بدر کی طرف اپنا جانا اور کسی معاملے میں میرے لئے ایسی چیز ظاہر نہیں ہوئی جیسی اس روانگی سے قبل ہوئی، اس کے باوجود میں روانہ ہو گیا۔ چنانچہ جب ہم لوگ مرالظہر ان پر اترے تو ابن حنظلیہ نے ایک اونٹ نحر کیا۔ اس وقت پورے لشکر کے خیموں میں سے کوئی خیمہ ایسا نہیں بچا جس پر اس کا خون نہ جا لگا ہو۔ میں نے اس کو فال بد سمجھا اور ارادہ کیا کہ واپس ہو جاؤں۔ جب ہم درّہ بیضاء پر پہنچے جو وہ درہ ہے کہ اگر تم مدینہ کی طرف سے آ رہے ہوں تو وہ تم کو چراگاہ پر پہنچا دیتا ہے۔ اس پر عداس بیٹھا ہوا تھا اور لوگ وہاں سے گزر رہے تھے، جونہی ربیعہ کے دونوں بیٹے وہاں سے گزرے اس نے ان کی طرف جھپٹ کر ان کے پیر پکڑ لئے اور کہنے لگا کہ میرے ماں باپ تم دونوں پر فدا ہوں۔ قسم بخدا وہ اللہ کے رسولؐ ہیں اور تم

دونوں اپنی قتل گاہ کی طرف جا رہے ہو اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے رخساروں تک بہہ رہے تھے۔

جب قریش نے اپنی تیاری پوری کر لی تو وہ ڈھول اور نقاروں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ یہ سب نو سو پچاس لڑنے والے تھے۔ وہ لوگ اظہار شان کے لئے اور بڑائی جتانے کے لئے اپنے آگے آگے سو گھوڑے لے کر چل رہے تھے اور ابوجہل کہہ رہا تھا کہ کیا محمدؐ ہم سے ٹکر لینے کی سوچ رہے ہیں؟ ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ہم اپنے قافلے کی حفاظت کرتے ہیں یا نہیں۔

قریش اپنے راستا پر جاتے ہوئے اونٹ نحر کرتے اور ہر اس شخص کو جو اُن کے پاس آتا کھانا کھلاتے جاتے تھے۔ جب وہ راستے ہی میں تھے کہ ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ پیچھے رہ گئے اور وہ پس وپیش کر رہے تھے۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ کیا تم عاتکہ بنت عبدالمطلب کے خواب پر غور نہیں کرتے ہو۔ اتنے میں ابوجہل ان تک پہنچ گیا اور کہنے لگا کہ تم کس چیز کے بارے میں باتیں کر رہے ہو؟ ان دونوں نے کہا کہ ہم عاتکہ کے خواب کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس پر ابوجہل بولا کہ بنی عبدالمطلب بھی عجیب لوگ ہیں۔ وہ اس پر مطمئن نہیں ہوئے کہ ان کے مرد ہم پر نبی بنیں یہاں تک کہ اب ان کی عورتیں بھی ہم پر نبی بننے لگیں۔ قسم بخدا اگر ہم مکہ واپس پہنچے تو پھر جو کچھ ہم کو کرنا ہے کریں گے۔ ربیعہ کے بیٹوں نے کوشش کی کہ پلٹ جائیں لیکن ابوجہل نے ان دونوں کو ایسا نہیں کرنے دیا۔ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ جب ابوسفیان اپنا قافلہ بچالے گیا تو اس نے قیس بن امراء القیس کو جو قافلے کے لوگوں میں شامل تھا قریش کے پاس بھیجا اور ان کو واپس چلے جانے کا حکم دیا۔ اس نے ان سے کہلوایا کہ تمہارا قافلہ اور تمہارا مال سب محفوظ رہ گئے ہیں۔ اب اپنے آپ کو یثرب والوں کے سپرد مت کرو۔ تم صرف اپنے قافلے اور مال کی حفاظت کے لئے نکلے تھے۔ اللہ نے ان کو بچا دیا ہے۔ اس نے قیس سے کہا کہ اگر وہ تمہاری بات ماننے سے انکار کر دیں تو ایک چیز سے انکار نہیں کریں گے یعنی گانے والیوں کو واپس کر دیا جائے۔ پس قیس بن امراء القیس نے قریش کو پیغام دیا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ رہا گانے والوں کا معاملہ تو انہیں واپس کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کو جحفہ سے واپس کر دیا۔

قاصد ابوسفیان سے ہدۃ پر ان کے مکہ پہنچنے سے تقریباً انتالیس میل پہلے مل گیا اور اس نے ان کو قریش کے چل پڑنے کی خبر پہنچا دی۔ اس پر ابوسفیان بولا کہ وائے ہو میری قوم پر، یہ عمرو بن ہشام نے کیا کیا ہے؟ اس نے ضرور واپس ہونا گوارا نہیں کیا، وہ لوگوں پر سرداری کا خواہاں ہے، اس نے نافرمانی کی ہے اور نافرمانی نقص اور بدشگونی ہے۔ قسم بخدا اگر محمدؐ اس جماعت سے ٹکرائے تو وہ ہم کو ذلیل کر ڈالیں گے یہاں تک کہ مکہ میں ہم پر آ جمیں گے۔ ابوجہل اپنے راستے پر چلتے رہنے کا اصرار کرتا رہا۔ اس کا کہنا تھا کہ قسم بخدا ہم بدر تک پہنچے بغیر واپس نہ ہوں گے۔ یہ زمانہ عرب کے تہواروں میں سے ایک تہوار کا زمانہ تھا جس میں وہ لوگ اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ جب قریش مکہ سے روانہ ہوئے تو انہوں نے فرات بن حیان عجلی کو ابوسفیان بن حرب کے پاس چل پڑنے کی خبر دینے اور یہ بتانے کے لئے بھیجا کہ ان لوگوں نے چلنے کے لئے کتنے آدمی جمع کر لئے ہیں اور کیا ساز و سامان مہیا کر لیا ہے۔ لیکن وہ ابوسفیان سے راستے میں نہیں مل سکا کیونکہ مسلمانوں کی

کیفیت معلوم ہونے پر ابوسفیان ساحل سمندر کی طرف مڑ گیا اور فرات بن حیان نے وہی راستا اختیار کیا جس پر عموماً قافلے چلا کرتے تھے۔ چنانچہ ابوسفیان کی ملاقات اس سے نہ ہوسکی البتہ مشرکین سے ہوگئی۔ اس نے ابوجہل سے روانگی پر اس کا اصرار سنا تو اس پر اس نے اس سے کہا کہ ہم کو اپنی جانیں تمہاری جان سے زیادہ پیاری نہیں ہیں اور جو کوئی تھوڑا سا انتقام لے کر واپس ہوجاتا ہے وہ یقیناً کمزور ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ مشرکین کے ساتھ ہوگیا اور جنگ بدر میں بہت سے زخم کھا کر یہ کہتا ہوا پیدل بھاگا کہ ''میں نے آج کا سا دن کبھی نہ دیکھا تھا۔''

اخنس بن شراق نے جو بنی زہرہ کا حلیف تھا، ان سے کہا کہ اے بنی زہرہ! اللہ نے تمہارے قافلے کو حفاظت سے رکھا اور تمہارے مال کو بچالیا اور تمہارے ساتھی مخرمہ بن نوفل کو بھی بچالیا اور تم ان کے اور ان کے مال کی لالچ میں نکلے ہو حالانکہ محمدؐ تمہاری بہن کے بیٹے ہیں۔ پس اگر وہ نبی ہیں تو تم کو ان کی وجہ سے سب سے زیادہ سعادت حاصل ہے، اگر وہ جھوٹے ہیں تو ان کو قتل کرنا تمہارے علاوہ کسی اور کے لئے زیادہ بہتر ہے، بجائے اس کے کہ تم اپنی بہن کے بیٹے کو قتل کرو۔ پس تم لوگ واپس چلے جاؤ اور اس کی برائی میرے اوپر ڈال دو کیونکہ تم کو ایسے معاملے کے لئے نکلنا مناسب نہیں ہے جس سے تمہیں کوئی سروکار نہ ہو، اور جو کچھ ابوجہل کہہ رہا ہے اس کو رہنے دو کیونکہ وہ اپنی قوم کو تباہ کررہا ہے اور ان میں خرابی پیدا کرنے میں جلدی کررہا ہے۔ چنانچہ بنی زہرہ نے ان کا کہنا مان لیا کیونکہ وہ لوگ ان کو قابل اطاعت مانتے اور ان سے نیک شگون حاصل کیا کرتے تھے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ ہم واپس چلنے کی کیا ترکیب کریں؟ اس پر اخنس نے کہا کہ ہم سب ساتھ چلتے رہیں جب شام ہوجائے گی تو میں اپنے اونٹ پر سے گر پڑوں گا اور تم لوگ کہنا کہ اخنس کو شام ہوگئی ہے۔ جب صبح کو لوگ چلنے کو کہیں تو تم کہنا کہ ہم اپنے سردار کو نہ چھوڑیں گے جب تک یہ نہ معلوم کرلیں کہ وہ زندہ ہے یا مرگئے ہیں۔ پھر جب وہ لوگ چلے جائیں گے تو ہم مکہ کی طرف واپس ہوجائیں گے۔ بنی زہرہ نے ایسا ہی کیا۔ جب مشرکوں کو ابواء پر صبح ہوئی تب ان کو معلوم ہوا کہ بنی زہرہ واپس چلے گئے ہیں۔ ان کی تعداد اختلاف روایات کے لحاظ سے سو اور تین سو کے درمیان تھی۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ بنی عدی بدر کی طرف جاتے ہوئے کچھ مسافت طے کرنے کے بعد ان لوگوں میں سے صبح کے وقت خموشی سے نکل کر واپس ہوگئے۔ جب ان کی ملاقات ابوسفیان سے ہوئی تو اس نے ان سے کہا کہ اے بنی عدی نہ تو تم اونٹوں کے قافلے میں تھے، نہ انسانوں کے؟ انہوں نے اس کو جواب دیا کہ تم نے لوگوں کو واپس چلے جانے کا حکم دیا اسی لئے ہم نے تمہارے حکم کی تعمیل کی اور واپس چلے آئے۔

ادھر رسول اللہؐ رمضان کی چودھویں تاریخ کی صبح کو عرق الصبیہ پہنچ گئے۔ وہاں آپ کو ایک اعرابی ملا جو تہامہ کی سمت سے آرہا تھا۔ اس سے رسول اللہؐ کے اصحاب نے دریافت کیا کہ کیا تجھ کو ابوسفیان بن حرب کا کوئی علم ہے؟ پھر ان لوگوں نے اس سے کہا کہ رسول اللہؐ کو سلام کر۔ اس نے کہا کہ کیا تم میں رسول اللہؐ ہیں؟ انہوں نے کہا: ''یہ ہیں۔'' تب اس نے کہا کہ کیا آپ اللہ کے رسولؐ ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''ہاں۔'' اس نے کہا کہ اگر آپ سچے ہیں تو یہ بتایئے کہ میری اس اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے؟ اس پر مسلمانوں میں سے ایک شخص سلمٰی بن سلامہ نے بیچ سے بول کر کہا کہ تم نے اس سے

وطی کی ہے اور یہ تجھ سے حاملہ ہوگئی ہے۔ رسول اللہؐ کو یہ ناگوار گزرا اور آنحضرتؐ نے دونوں کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔

سیرت نگار مزید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ اپنے راستے پر گامزن رہے یہاں تک کہ نیمہ ماہ رمضان یعنی چودھویں شب میں روحاء پہنچ گئے اور آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ یہ وادی روحاء ہے۔ یہ عرب کی تمام وادیوں میں سب سے بہتر ہے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے کافروں پر لعنت فرمائی اور ان کے لئے بددعا کی اور فرمایا: ''اے اللہ! میری قوم کے فرعون ابوجہل کو کھلا نہ چھوڑنا، اے اللہ! میرے لئے زمعہ بن اسود کو کھلا نہ چھوڑنا، اے اللہ! ابو زمعہ کی آنکھ مسخ کردے، اے اللہ! ابی سلمہ کی بصارت کو اندھا کردے، اے اللہ! میرے لئے سہیل بن عمرو کو کھلا نہ چھوڑنا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے قریش کے ان افراد کیلئے دعائے خیر فرمائی جو درپردہ اسلام قبول کئے ہوئے تھے اور بددلی سے ان کے ساتھ نکل کر آئے تھے۔

جب آنحضرتؐ بدر کے قریب تھے تو آپ کو قریش کے متعلق اور ان کے چل پڑنے کی خبریں ملیں۔ پس آنحضرتؐ نے ٹھہر کر اپنے اصحاب سے خطاب کیا اور اس معاملے میں ان سے مشورہ کیا۔ آپ چاہتے تھے کہ وہ لوگ حقیقت حال سے واقف رہیں تاکہ پورے معاملے کو اچھی طرح سے سمجھیں کیونکہ آپ کو اندیشہ تھا کہ انصار جنگ کرنے پر راغب ہوں گے کیونکہ آپ نے ان سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ اپنے علاقے میں دفاع کے ذمہ دار ہوں گے۔ اس موقع پر حضرت عمر بن خطاب نے کھڑے ہوکر آنحضرتؐ کو قریش اور ان کے متکبرانہ تصورات سے ڈرایا گویا کہ وہ آنحضرتؐ کو اس طریقہ سے قریش سے ٹکر لینے سے منع کرنا چاہ رہے تھے۔ انہوں نے رسول اللہؐ سے کہا کہ وہ قریش ہیں، بڑے غدار ہیں، جب سے طاقتور ہوئے ہیں کبھی کمزور نہیں پڑے، ہمیشہ کافر رہے ہیں ایمان نہیں لائے ہیں، آپ ان کی قوت سے محفوظ نہیں رہ سکتے، وہ ضرور آپ سے جنگ کریں گے، پس آپ کو اس کے لئے ضروری سامان مہیا کرنا چاہئے اور افراد کی تعداد بھی۔ (شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید معتزلی، جلد۳، صفحہ ۳۲۸ پر واقدی کی روایت)

پھر مقداد بن عمرو نے کھڑے ہوکر کہا کہ یارسول اللہؐ، اللہ تعالیٰ کے معاملے میں پیش قدمی فرمایئے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم بخدا! ہم آپ سے اس طرح نہ کہیں گے جیسے بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ ''ہم یہاں بیٹھے ہیں تم اور تمہارا پروردگار جاکر لڑیں'' بلکہ ہم آپ کے ساتھ جنگ کریں گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو برحق مبعوث کیا ہے، اگر آپ ہم کو برک العماد[1] تک بھی لے چلیں گے تو ہم ضرور آپ کے ساتھ چلیں گے۔ رسول اللہؐ نے اس سے خیر کا کلمہ فرمایا اور ان کے حق میں دعا فرمائی۔

پھر آنحضرتؐ نے انصار کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ اب تم لوگ اپنی رائے مجھ کو دو کیونکہ آپ ڈرتے تھے کہ ان لوگوں کو جنگ کرنے سے کوئی رغبت نہ ہوگی۔ اس لئے انہوں نے یہ شرط کی تھی کہ وہ آنحضرتؐ کا دفاع اسی طرح کریں گے جس طرح اپنا اور اپنی اولاد کا، لیکن صرف مدینہ میں نہ کہ اس کے علاوہ۔ جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں۔ اس پر سعد بن معاذ

۱۔ برک العماد اس پار سمندر سے نکلنے والے ساحل سے پانچ روز کے فاصلہ پر اور مکہ سے یمن کی طرف آٹھ روز کے فاصلہ پر ہے۔

نے کھڑے ہوکر کہا کہ یارسول اللہؐ آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ضرور۔ تب انہوں نے کہا کہ یارسول اللہؐ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں، ہم نے آپ کی تصدیق کی ہے اور گواہی دی ہے کہ آپ کا لایا ہوا پیغام برحق ہے، ہم نے آپ سے آپؐ کے احکام سننے اور بجالانے کے لئے عہد و پیمان کئے ہیں۔ پس اے اللہ کے نبی! آپ کا جو ارادہ ہو اس پر چلئے کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو برحق مبعوث فرمایا اگر ہمارے سامنے سمندر بھی آجائے اور آپ اس میں داخل ہوں تو آپ کے ساتھ ہم بھی اس میں داخل ہوجائیں گے۔ ہم میں جو شخص واحد بھی بچا ہوا ہے آپ جس کو چاہیں لے لیجئے اور ہمارے مال میں سے جو آپ چاہیں لے لیجئے کیونکہ جو کچھ آپ ہمارے مال سے لے لیں گے وہ ہم کو اس سے زیادہ اچھا لگے گا جس کو آپ چھوڑ دیں گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں کبھی اس راستے پر نہیں چلا ہوں اور نہ مجھ کو اس کا علم ہے لیکن ہم کل کے روز اپنے دشمن سے ٹکر لینے کو ناپسند نہیں کرتے ہیں۔ ہم وہ ہیں کہ پیکار میں ضبط سے کام لیتے ہیں لیکن جب لڑائی ہو پڑے تو صدق دل سے شریک رہتے ہیں۔ انشاء اللہ آپ کو خدا ہماری طرف سے ایسی چیزیں دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی۔ وہ مزید کہتے گئے کہ ہم مدینہ میں ایسے لوگوں کو چھوڑ کر آئے ہیں کہ نہ ہم آپ سے زیادہ ان کے اطاعت گزار ہیں، نہ آپ سے زیادہ ہم ان سے محبت کرنے والے ہیں۔ اگر ان کو خیال ہوا کہ آپ دشمن سے ٹکر لے رہے ہیں تو وہ آپ سے علیحدہ نہیں رہیں گے بلکہ وہ تو سمجھ رہے تھے کہ یہ تجارتی قافلہ ہے۔ ہم آپؐ کے لئے ایک مچان بنادیں گے تاکہ آپ اس میں رہیں۔ پھر آپ کی سواریوں کو آپ سے دور ہٹادیں گے۔ پھر ہم اپنے دشمن سے مڈبھیڑ کریں گے۔ اگر اللہ نے دشمن کے مقابلے پر ہماری مدد کی تو ہم یہی چاہتے ہیں اور اگر دوسری صورت ہوئی تو آپ اپنی سواریوں پر بیٹھ کر پیچھے کی طرف سے آملئے گا۔[1]

رسول اللہؐ چلتے رہے تاآنکہ ماہ رمضان کی سترہویں تاریخ کی شب جمعہ میں آنحضرتؐ نے وادیٔ بدر میں نزول فرمایا۔ پھر آپ نے امام علیؑ، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص اور بَسبَس بن عمرو کو پانی کے متعلق خبریں حاصل کرنے کے لئے بھیجا اور اس کی جائے وقوع کے بارے میں اشارہ فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم لوگ اس کے بارے میں اس اندھے کنوئیں کے بارے میں خبر پاؤگے جو اس وادی سے متصل ہے۔ پس وہ لوگ اسی کی سمت ہوگئے اور ان کو کنوئیں پر قریش کے پانی لادنے والے جانور ملے، ان ہی میں ان کے سقّے بھی تھے۔ ان لوگوں نے ان کو گرفتار کرلیا۔ البتہ ان میں سے کچھ

۱۔ کتنا فرق ہے ان دونوں موقفوں میں۔ حضرت عمر بن خطاب کا موقف جنگ سے خود کترانے اور دوسروں کو بھی کترانے کا ہے جو ارادوں کو کمزور کرتا ہے، بہادروں کو بزدل بناتا ہے اور ارادے سے یا بے ارادہ قریش کو فائدہ پہنچاتا ہے کیونکہ نفسیاتی جنگ جو لشکر کے احساسات کو ابھارتی یا دباتی ہے، میدان جنگ میں تلوار اور توپ سے زیادہ اثر دکھاتی ہے۔ انہوں نے قریش کی ایسی تصویرکشی کی کہ گویا نہ ان پر غلبہ حاصل کیا جاسکتا ہے، نہ ان کو زیر کیا جاسکتا ہے۔ نبی اکرمؐ کو ساز و سامان مہیا کئے بغیر ان سے ٹکر لینے سے ڈرایا۔ ان کا یہ موقف سعد بن معاذ کے موقف سے کتنا مختلف ہے جو اُن کے اعتقادات پر گہرے یقین سے پھوٹ کر نکلا تھا۔ اس نے مسلمانوں میں ولولہ پیدا کیا۔ ان کے ذہنوں میں جنگ کرنے کا پختہ ارادہ اور دلی جذبہ ابھارا۔ ان کو قربانیوں اور جہاد کے لئے تیار کیا خواہ کچھ بھی نتائج ہوں۔ انہوں نے کوشش کی کہ ثابت قدم رہنے اور صبر کرنے کی صورت میں ان کو فتح کے دروازے پر پہنچا دیں۔ بعینہ یہی موقف مقداد نے بھی اختیار کیا۔

بھاگ نکلے۔ بھاگ نکلنے والوں میں ایک شخص تھا جو عجیر کہلاتا تھا، اس نے قریش کو نبی اکرمؐ اور آپ کے اصحاب کے بارے میں اطلاع دے دی اور یہ پکار کر کہا کہ اے آل غالب یہ ابن ابی کبشہ اور ان کے اصحاب ہیں، انہوں نے تمہارے سقّوں کو گرفتار کرلیا ہے۔ پس مشرکین کے لشکر میں ہیجان پیدا ہوگیا۔

حکیم بن حزام بیان کرتا ہے کہ اس روز ہم اپنے ایک خیمہ میں تھے جہاں ہم ایک نحر کئے ہوئے اونٹ کا گوشت بھون رہے تھے۔ ہمارا اس خبر کو سننا تھا کہ ہم نے کھانا چھوڑ دیا۔ پھر مجھ کو عتبہ بن ربیعہ ملا، اس نے کہا کہ اے ابوخالد میرے علم میں کسی نے ہم سے زیادہ تعجب خیز روانگی اختیار نہ کی ہوگی۔ ہمارا تجارتی قافلہ محفوظ رہا اور ہم ایک قوم پر ان ہی کے ملک میں چڑھائی کرکے آئے ہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ میں اس کو ایسے معاملے کے لئے سمجھ رہا ہوں جو قابل غور ہے اور جس کی اطاعت نہ کی جائے اس کی رائے نہیں ہوتی۔ یہ منحوس ابن حنظلیہ ہے۔ وہ قیدی تین تھے: ایک سعید بن عاص جو یسار کہلاتا تھا، دوسرا منبہ بن حجاج جو اسلم کہلاتا تھا اور تیسرا امیہ بن خلف جو ابورافع کہلاتا تھا۔ ان کو نبی اکرمؐ کے پاس لایا گیا جبکہ آنحضرتؐ نماز ادا فرما رہے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں نے ان سے سوالات کئے اور انہوں نے بتایا کہ ہم قریش کے پانی لانے والے ہیں، انہوں نے ہم کو چشمے پر اپنے لئے پانی لانے کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن ان لوگوں نے ان تینوں کی بات پر یقین نہیں کیا اور خیال کیا کہ وہ ابوسفیان کے لوگ ہوں گے کیونکہ ان کو یہ لالچ تھا کہ قافلے پر قبضہ جمایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ان کو مارا۔ جب ان پر بہت مار پڑی تو انہوں نے کہہ دیا کہ وہ ابوسفیان کے آدمی ہیں اور وہ قافلہ اس جنگل میں ہے۔

جب رسول اللہؐ نے اپنی نماز ختم کی تو فرمایا کہ جب انہوں نے تم کو سچ بتایا تو تم نے ان کو مارا۔ وہ تم سے جھوٹ بولتے ہیں تو تم انہیں چھوڑ دیتے ہو۔ پھر آنحضرتؐ ان لڑکوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: قریش کہاں ہیں؟

انہوں نے کہا: وہ سامنے جو ریت دکھائی دے رہی ہے وہ اس کے پیچھے ہیں۔

آپ نے فرمایا: ان کی تعداد کیا ہے؟

انہوں نے کہا: وہ بہت زیادہ ہیں۔ ہمیں ان کی تعداد کا صحیح علم نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ وہ روزانہ کتنے اونٹ اپنے لشکر کے لئے نحر کرتے ہیں؟

انہوں نے کہا: ایک دن دس اونٹ نحر کرتے ہیں اور دوسرے دن نو اونٹ نحر کرتے ہیں۔

یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا: ان کی تعداد نوسو اور ہزار کے درمیان ہے۔

پھر آپ نے پوچھا: مکہ سے کتنے لوگ نکلے تھے؟

انہوں نے کہا: مکہ کا ہر کھاتا پیتا فرد اس لشکر میں شامل ہوا ہے۔

رسول خداؐ نے لوگوں سے فرمایا: مکہ نے اپنے جگر گوشے تمہاری طرف پھینک دیئے ہیں۔

پھر آپ نے ان قیدیوں سے پوچھا: کیا اس لشکر میں سے کوئی واپس بھی گیا یا نہیں؟

انہوں نے کہا: ہاں! ابن ابی شریق بنی زہرہ کو واپس لے گیا اور بنی عدی بن کعب کے افراد بھی واپس چلے گئے۔

پھر نبی اکرمؐ نے انہیں چھوڑ دیا۔

آپ اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میدان جنگ کے لئے مجھے مشورہ دو۔

حباب بن منذر نے کہا: اگر اس جگہ پر اللہ نے آپ کو ٹھہرنے کا حکم دیا ہے تو پھر حکم الٰہی سے اِدھر اُدھر نہیں ہوسکتے اور اگر اس کے لئے کوئی خدائی حکم نازل نہیں ہوا تو پھر جنگ دانش مندی اور چالاکی وعیاری کا نام ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اس کے لئے اللہ کا قطعی حکم نازل نہیں ہوا ہمیں تدبیر واحتیاط سے کام لینا ہے۔

یہ سن کر حباب بن منذر نے کہا: یہ جگہ میدان جنگ کے لئے غیر موزوں ہے۔ آپ اس جگہ کو چھوڑ کر ہمیں وہاں لے جائیں جہاں پانی قریب ہو اور مجھے پانی کے متعلق علم ہے اور اس علاقے میں ایک کنواں ہے جس کا پانی میٹھا اور زیادہ ہے۔ ہم اس کنوئیں کے قریب ایک حوض بنالیں گے اور اس حوض میں برتن ڈال کر پانی پیئیں گے اور جنگ کریں گے جبکہ ہمارے مخالفین کو پانی کی سہولت میسر نہیں ہوگی۔

رسول خداؐ نے فرمایا: تو نے اچھی تجویز دی ہے۔

عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ اس وقت جبرئیل امینؑ، رسول اکرمؐ پر نازل ہوئے اور ان سے کہا: حباب کی تجویز بالکل درست ہے۔

پھر مسلمان اس جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور حباب بن منذر کی تجویز کردہ جگہ پر پہنچ گئے۔ پانی پر اسلامی لشکر کا قبضہ ہوگیا اور انہوں نے وہ رات پورے اطمینان وسکون سے بسر کی اور انہیں یقین تھا کہ اللہ کے حکم سے حق کے داعیوں کو فتح نصیب ہوگی اور اللہ کے دشمنوں کو شکست فاش ہوگی۔

رسول اکرمؐ نے مشرکین کی جاسوسی کے لئے عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کو روانہ کیا۔ یہ رات کی تاریکی میں گئے اور لشکر کفار کے گرد چکر لگا کر واپس آگئے اور کفار کو ان کی نقل وحرکت کا علم نہ ہوسکا۔ انہوں نے واپس آکر رسول اکرمؐ سے کہا کہ ہمارے حریف سخت گھبراہٹ کا شکار ہیں اور وہ خوفزدہ ہیں۔ ان کے خوف کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی کا گھوڑا ہنہنانا بھی چاہتا ہے تو اس کا مالک اس کے منہ پر چابک مارتا ہے اور اوپر سے بارش بھی ہو رہی ہے۔

جب صبح ہوئی تو مشرکین کو قدموں کے نشانات دکھائی دیئے۔ مُنَبِّہ بن حجاج بہترین کھوجی تھا۔ اس نے قدموں کے نشان دیکھ کر کہا: خدا کی قسم! یہ ابن سمیہ اور ابن ام عبد کے قدموں کے نشان ہیں۔ محمدؐ ہمارے احمقوں کو ساتھ لیکر آیا ہے۔

پھر مسلمانوں نے نبی اکرمؐ کے لئے ایک چھولدار بنادی۔ سعد بن معاذ چھولداری کے دروازے پر اپنی تلوار کھینچ کر کھڑے ہوگئے۔ رسول اللہؐ نے قریش کے اترنے سے پہلے اپنے اصحاب کو قطاروں میں تیار کردیا۔ آنحضرتؐ ان کی قطاریں بنا ہی رہے تھے کہ قریش نمودار ہوگئے۔ ادھر ان لوگوں نے صبح سے ایک حوض میں پانی بھرلیا۔ امام علیؑ نے اس میں بہت پانی ڈالا پھر اس میں برتن ڈال دیا۔ رسول اللہؐ نے اپنا علم امام علیؑ کو دیا اس کا نام عقاب تھا۔ مہاجرین کا علم مصعب بن عمیرؓ کو،

خزرج کا حُباب بن مُنذِرؓ کو اور اوس کا سعد بن معاذؓ کو دیا۔

سیرت حلبیہ میں ہے کہ روز بدر رسول اللہؐ نے جنگ کا علم امام علیؑ بن ابی طالبؑ کو دیا جبکہ وہ بیس سال کے تھے[1]۔

سیرت زینی دحلان میں ہے کہ جنگ بدر میں نبی اکرمؐ نے ایک سفید علم تیار فرما کر مصعب بن عمیرؓ کو دیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے آگے آگے دو سیاہ علم تھے۔ ایک امام علیؑ بن ابی طالبؑ کے پاس اور دوسرا سعد بن معاذؓ کے پاس۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حُباب بن مُنذِرؓ کے پاس تھا۔ اسی پر سیرت نبوی لکھنے والوں کی ایک جماعت نے زور دیا ہے۔

رسول اللہؐ نے مغرب کی جانب رخ فرما کر آفتاب کو پشت پر لیا جبکہ مشرکین نے آگے بڑھ کر آفتاب کی طرف منہ کرلیا۔ آنحضرتؐ وادی کے قریب کے علاقے میں اترے اور وہ لوگ دور والے علاقہ میں۔ قریش نے مسلمانوں کی کم تعداد پر نظر ڈالی تو ابوجہل نے کہا کہ یہ تو ایک آدمی بھر کی غذا ہیں۔ اگر ہم اپنے غلاموں کو ان سے مقابلہ کے لئے بھیج دیں تو وہ ان کو ہاتھ سے پکڑ لیں گے۔ اس پر عتبہ بن ربیعہ بولا کہ کیا تم ان کے ساتھ چھپے ہوئے اور امدادی افراد دیکھتے ہو؟ ان لوگوں نے عمر بن وہب جمحی کو بھیجا جو بہادر شہسوار تھا، اس نے اپنا گھوڑا رسول اللہؐ کے لشکر کے چاروں طرف گھمایا اور واپس آ کر بتایا کہ تین سو مرد یا اس سے کچھ زیادہ یا کچھ کم ہیں۔ البتہ مجھ کو ذرا وقت دو تا کہ میں دیکھ آؤں کہ کوئی چھپا ہوا ہے یا امدادی شخص بھی ہے۔ چنانچہ وہ وادی میں دور تک چلا گیا لیکن کچھ نہ دیکھ پایا اور واپس آ کر کہنے لگا کہ مجھے کوئی چیز دکھائی نہیں دی۔ لیکن اے گروہ قریش! میں نے دیکھا کہ آزمائشیں موت لئے پھرتی ہیں اور یثرب کے پانی ڈھونڈھنے والے جانور ہڑپ کر جانے والی موت لادے ہوئے ہیں۔ یہ قوم ایسی ہے کہ ان کے پاس ان کی تلواروں کے سوا نہ بچاؤ کے ہتھیار ہیں، نہ پناہ کی جگہ۔ قسم بخدا میں دیکھتا ہوں کہ ان میں کوئی فرد قتل نہ ہوگا جب تک تم میں سے بھی ایک فرد قتل نہ ہو جائے۔ اگر تم سے ان کے عدد ٹکرائے تو اس کے بعد زندگی میں بھلائی نہیں ہے۔ تم دیکھتے نہیں ہو کہ یہ گونگے ہیں بولتے نہیں ہیں۔ سانپوں کی طرح زبانیں باہر نکالے رہتے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ ہٹیں گے نہیں جب تک ایک ایک کر کے قتل نہ ہو جائیں۔ اس پر ابوجہل نے اس سے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو اور ہمت چھوڑ بیٹھے ہو۔ پس جیسا کہ سیرت نگاروں کا کہنا ہے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ پر یہ آیت نازل کی: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا. ''اگر وہ امن کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جایئے۔''

رسول اللہؐ نے ان سے کہلوایا کہ تم لوگ جہاں سے آئے ہو وہیں واپس چلے جاؤ کیونکہ مجھ کو یہ زیادہ پسند ہے کہ میں یہ معاملہ کسی اور کے ساتھ کروں، بجائے اس کے کہ تمہارے ساتھ کروں۔ اس پر عتبہ نے کہا کہ یہ قوم کبھی واپس ہو کر خوش نہیں رہی۔ اس کے بعد وہ اپنے سرخ اونٹ پر سوار ہوا تو رسول اللہؐ نے اس پر نظر ڈالی اور وہ دونوں لشکروں کے مابین پھر پھر کر جنگ سے منع کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اگر تم میں سے کسی کے پاس بھلائی ہے تو وہ اس اونٹ والے کے پاس ہے۔ اگر لوگ اس کی اطاعت کریں گے تو ہدایت پا جائیں گے۔ پھر وہ ٹھہر کر اپنے ساتھیوں سے خطاب کر کے کہنے لگا کہ

۱۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ بدر کے وقت امام علیؑ اٹھائیس سال کے لگ بھگ یا اس سے بھی زیادہ کے تھے۔

اے گروہ قریش! آج کے روز تم میری اطاعت کرو اور پھر عمر بھر میری مخالفت کرنا۔ دیکھو یہ محمدؐ ہیں، ان سے قرابت ہے اور ان کے حقوق ہیں۔ وہ تمہارے چچا کے بیٹے ہیں۔ پس ان کو اور عرب کو ایسے ہی رہنے دو۔ اگر وہ سچے ہیں تو تمہارا ان پر سب سے زیادہ حق ہوگا، اگر وہ جھوٹے ہیں تو ان کے معاملے میں عرب کے غنڈے تمہارے کام آئیں گے۔

حکیم بن حزام نے اس سے کہا کہ تمہارے اوپر لازم ہے کہ اپنے حلیف عمرو بن حضرمی کے خون کی ذمہ داری پوری کرو تو اس نے کہا کہ وہ میں نے کردی ہے۔ ابوجہل کو اندیشہ ہوا کہ عتبہ بن ربیعہ اپنی تدبیر میں کامیاب ہوجائے گا اور لوگ اس کی رائے کو قبول کرلیں گے۔ اس لئے وہ عامر بن حضرمی کے پاس آیا جو عمرو بن حضرمی کا حقیقی بھائی تھا جو غزوۂ عشیرہ میں قتل ہوگیا تھا اور اس سے کہا کہ تمہارا حلیف ارادہ کررہا ہے کہ لوگوں کو لے کر واپس ہوجائے اور تم نے اپنے مقتول کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ جبکہ محمدؐ اور ان کے ساتھی ایک اونٹ کی غذا سے زیادہ نہیں ہیں۔ لہٰذا کھڑے ہوجاؤ اور قریش سے مطالبہ کرو کہ وہ تم سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کریں۔ چنانچہ عامر نے کھڑے ہوکر ہتھیار اتارے اور چیخنے لگا: ''ہائے عمرو، ہائے عمرو۔'' اس پر لوگ جنگ کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔

اسود بن عبداللہ مخزومی جو ابن ہشام اور ابن اسحٰق دونوں کی اپنی اپنی سیرت کے مطابق ایک جھگڑالو اور بدخلق آدمی تھا نکل کر کہنے لگا کہ میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ میں ان کے حوض سے پانی پیوں گا اور اس کو مسمار کردوں گا یا اس کے کنارے پر خود مرجاؤں گا۔ چنانچہ وہ حوض کی طرف چلا، جب اس کے قریب پہنچا تو مقابلے کے لئے حضرت حمزہؓ برآمد ہوئے۔ جب دونوں کی مڈبھیڑ ہوئی تو حضرت حمزہؓ نے اس کے ضرب لگائی تو حوض تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کا پیر آدھی پنڈلی سے کٹ کر گر گیا۔ وہ کمر کے بل گر پڑا اور اس کے پیر سے خون بہنے لگا۔ وہ حوض کی طرف بڑھتا رہا یہاں تک کہ اس کے قریب پہنچ گیا وہ چاہتا تھا کہ اپنی قسم پوری کرلے مگر حضرت حمزہؓ نے اس کے دوسری ضرب لگا کر ختم کردیا جبکہ وہ حوض پر ہی تھا۔ اس کے بعد عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کے بیچ میں مقابلہ کے لئے نکلا۔ ابوجہل اس کو بزدلی کا اور اپنے بیٹے ولید کے قتل ہوجانے سے ڈرنے کا اتہام دے چکا تھا۔ اسی لئے وہ ابوجہل کے جواب دینے کے لئے بیٹے کے ساتھ نکلا۔ یہاں تک کہ جب دو قطاروں کے درمیان رہ گیا تو اس نے مسلمانوں کو مقابلے کے لئے آواز دی۔ اس سے مقابلے کے لئے انصار کے تین جوان آئے جو عفراء کے معاذ، معوذ اور عوف تھے۔ جب انہوں نے عتبہ کے سامنے اپنا نسب بیان کیا تو اس نے ان سے کہا کہ تم واپس چلے جاؤ، ہمیں تم سے کچھ سروکار نہیں ہے۔

پھر ان لوگوں کے اعلان کرنے والے نے پکار کر کہا کہ اے محمدؐ ہمارے لئے ہماری قوم میں سے ہم پلہ افراد کو بھیجئے۔ اس پر رسول اللہؐ اپنے چچا کے بیٹوں کی طرف متوجہ ہوئے کیونکہ آنحضرتؐ سب سے زیادہ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ سب سے پہلے یہی لوگ جنگ آزمائی کریں اور اس کا بوجھ برداشت کریں جس طرح انہوں نے آپ کی دعوت کے وقت ہی سے اپنے بلند مرتبے سے، زبانوں سے اور اپنی دولت سے مدد کی تھی، جب سے آنحضرتؐ نے اس کا اعلان فرمایا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے عبیدہ بن حارثؓ! اے حمزہ بن عبدالمطلبؓ! اور اے علی بن ابی طالبؑ! اٹھو۔ یہ لوگ

تیزی سے خوشی خوشی اٹھے جیسے کہ ان کو ان کی عزیز ترین خواہشوں کی طرف بلایا جا رہا ہو۔ وہ میدان کارزار کی طرف اس حال سے چلے کہ ان کے دل ایمان سے بھرے ہوئے تھے اور ان کے پاک ذہن اللہ سے ملاقات کی ایسی خواہش لئے ہوئے تھے کہ آنحضرتؐ اور آپ کی دعوت کی سلامتی کی راہ میں ہر چیز کو بے وقعت مان رہے تھے۔

اگر دعوت اسلامی کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ان اختلافات اور جھگڑوں سے ہٹ کر دیکھے جو پچھلے لوگوں کی دشمنیوں کے پیدا کئے ہوئے ہیں تو وہ یقیناً کسی پس وپیش کے بغیر سمجھ لے گا کہ اگر اس دعوت حق کی ابتدا ہی سے بنی ہاشم شامل نہ ہوئے ہوتے تو اس کو بقاء نصیب نہ ہوتی کیونکہ جس روز سے رسول اکرمؐ نے اس کا اعلان فرمایا تھا اسی روز سے حضرت ابوطالبؑ نے قریش کے غرور وتکبر کے مقابلے کے لئے آنحضرتؐ کی حمایت کرنے پر اپنی کمر کس لی تھی۔

حضرت ابوطالبؑ، حضرت حمزہؓ اور امام علیؑ قریش کے خلاف اپنے سخت طرز عمل پر اور رسول اکرمؐ کی نصرت پر قائم رہے یہاں تک کہ رسول اکرمؐ بھی محفوظ ہوگئے اور آپ کے دعوت حق بھی محفوظ ہوگئی اور آپ کی دعوت مکہ کی مستحکم فصیل کو پار کر کے اس کے دوسری طرف جا پہنچی۔ پھر اس نے میدانوں اور پہاڑوں سے گزر کر اپنا مرکز یثرب میں قائم کرلیا تاکہ وہاں سے سارے عرب میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں پھیل جائے۔

پھر بدر کا معرکۂ کارزار درپیش ہوا جو تاریخ اسلام میں وہ مقام ہے جہاں سے اس کی بے رکاوٹ رفتار شروع ہوئی۔ اس میں مشرک زورآوروں سے مقابلے کے لئے سب سے پہلے امام علیؑ، حضرت حمزہؓ اور ان کے بھتیجے عبیدہؓ ہی آئے تھے۔ چنانچہ وہ پہلی ضرب ہاشمیوں ہی کی تھی جس نے مشرکین کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کردیا۔ مسلمانوں کا پلہ بھاری کردیا اور اس لشکر کو جو قریش کے غرور وتکبر کا مجسمہ تھا، فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

بہرحال جب امام علیؑ، حمزہؓ اور عبیدہؓ مقابلے کے لئے نکلے اور انہوں نے دشمن کے سامنے اپنا نسب ظاہر کیا تو عتبہ کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ ہاں یہ ہمارے ہم پلہ باشرف لوگ ہیں۔ اب عبیدہ بن حارثؓ، عتبہ بن ربیعہ کی طرف اور امام علیؑ، ولید بن عتبہ کی طرف کیونکہ یہ دونوں ہم سن تھے اور حضرت حمزہؓ، شیبہ بن ربیعہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

اس معرکے کو بیان کرنے والی بیشتر روایات میں ہے کہ اس وقت امام علیؑ کی عمر تاریخ پیدائش میں اختلاف روایات کے باعث پچیس اور تیس سال کے درمیان ہوگی۔

بیشتر سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو ذرا بھی مہلت نہیں دی اور اس کو پہلے ہی فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ ایسا ہی امام علیؑ نے ولید بن عتبہ کے ساتھ کیا۔

رہے عبیدہؓ اور عتبہ تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے مقابل کو ایسے زخم لگادیئے جو شفایاب نہیں ہوسکتے تھے پھر حضرت حمزہؓ اور امام علیؑ نے پلٹ کر عتبہ کو ختم کردیا۔

بعض روایات میں ہے کہ امام علیؑ نے پہلی ضرب میں ولید کا داہنا ہاتھ کاٹ دیا تھا جس پر اس نے تلوار بائیں ہاتھ میں سنبھال لی لیکن امام علیؑ نے اس کو دوسری ضرب ایسی لگائی جس سے وہ گر گیا اور ختم ہوگیا۔ بعض روایات میں یہ بھی

ہے کہ جب حضرت حمزہؓ، عتبہ کا مقابلہ کررہے تھے تو مسلمانوں نے چیخ کر کہا کہ اے علیؑ! کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ یہ کتا آپ کے چچا کو دبائے ڈال رہا ہے اور وہ دونوں گتھم گتھا ہورہے تھے کیونکہ ان دونوں کی تلواریں ٹوٹ گئی تھیں۔ حضرت حمزہؓ، عتبہ سے زیادہ لمبے تھے۔ چنانچہ امام علیؑ نے ان سے کہا کہ اے چچا اپنا سر نیچا کرلیجئے۔ اس پر حضرت حمزہؓ نے اپنا سر عتبہ کے سینہ میں گھسا دیا اور امام علیؑ نے عتبہ کے ضرب لگا کر اس کے دوٹکڑے کردیئے۔ پھر امام علیؑ اور حضرت حمزہؓ شیبہ کی طرف پلٹے اور دونوں نے اس کو قتل کردیا۔ اب ان دونوں نے عبیدہؓ کو اٹھالیا جن کی پنڈلی کٹ گئی تھی اور لے جاکر رسول اللہؐ کے سامنے لٹا دیا۔ عبیدہ نے روکر رسول اکرمؐ سے کہا کہ کیا میں شہید نہیں ہوں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ضرور ہو۔ تب وہ بولے کہ اگر ابوطالبؑ زندہ ہوتے تو ان کو معلوم ہوجاتا کہ ان کے اس قول کا میں زیادہ سزاوار ہوں:

''تم نے غلط کہا ہے۔ قسم ہے خانۂ کعبہ کی ہم محمدؐ کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ ہم ان کو بچانے کے لئے نیزے چلائیں گے اور ان کی مدد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کے سامنے گر پڑیں گے۔ ان کی خاطر ہم اپنے بال بچوں کی پروا بھی نہ کریں گے۔''

اسی ضرب سے اس کا خاتمہ ہوگیا۔ (تاریخ طبری وسیرت ابن ہشام)

اس کے بعد حنظلہ بن ابوسفیان امام علیؑ سے مقابلے کے لئے آیا۔ جیسے ہی وہ ان کے قریب پہنچا امام علیؑ نے اس کے ایک تلوار ماری جس سے اس کی دونوں آنکھیں باہر نکل پڑیں اور وہ زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ اب عاص بن سعید بن عاص مقابلہ طلبی کے لئے نکلا تو امام علیؑ نے اسے مقابلے میں قتل کردیا۔

شیخ مفید کی ''ارشاد'' میں ابوبکر ہذلی نے زہری سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کی خلافت کے زمانے میں اس کا بیٹا سعید بن العاص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک طرف کو بیٹھ گیا۔ سعید کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ کیا بات ہے تم میری طرف اس طرح دیکھ رہے ہو گویا تمہارے دل میں میرے متعلق کچھ برا خیال ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے تمہارے باپ کو قتل کیا تھا۔ قسم بخدا! میں چاہتا تو بہت تھا کہ میں اس کو قتل کرتا اور اگر میں اس کو قتل کردیتا تو ایک کافر کو قتل کرنے میں کوئی عذر پیش نہ کرتا۔ لیکن جب میں جنگ بدر کے روز اس کے پاس سے گزرا تو میں نے اس کو دیکھا کہ لڑنے کی ایسی تیاری کررہا ہے جیسے بیل اپنے سینگوں سے کرتا ہے تو میں گھبرا گیا اور اس سے کترا کر نکل گیا۔ تب اس نے خود مجھ کو پکارا کہ ادھر آ، اے عمر بن خطاب!۔ اتنے میں امام علیؑ اس کی طرف چل پڑے اور انہوں نے اس کو جالیا۔ قسم بخدا! میں اپنی جگہ سے ہٹنے نہیں پایا تھا کہ انہوں نے اس کو قتل کرڈالا۔

امام علیؑ بھی حضرت عمر بن خطاب کی صحبت میں موجود تھے اور وہ اس قصے کو سعید بن عاص کے ذہن میں تازہ کرنے کا حضرت عمر کا مقصد سمجھ گئے تھے اور بولے کہ اللہ غفار ہے۔ شرک اپنی برائیوں سمیت دفع ہوگیا اور اسلام نے پچھلی باتوں کو مٹادیا ہے۔ اے ابن خطاب تم کو کیا ہوگیا ہے کہ لوگوں کو میرے خلاف اکساتے ہو؟ عمر چپ ہوگئے اور کچھ نہ بولے۔ تب سعید بن العاص نے کہا کہ مجھ کو اس سے خوشی نہ ہوتی اگر میرے باپ کا قاتل ان کے

چچازاد بھائی علیؑ بن ابی طالبؑ کے علاوہ کوئی اور ہوا ہوتا۔

امیہ بن خلف، عبدالرحمٰن بن عوف کے ہاتھوں قید ہوگیا۔ بلالؓ کی نظر اس پر پڑی جبکہ وہ آٹا خمیر کر رہے تھے کہنے لگے کہ تم بچ گئے تو میں نہیں بچوں گا۔ یہ شخص ان کو مکہ میں اذیتیں دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ان کو سخت دھوپ میں لے جاتا اور جب وہ خوب تپتی ہوئی ہوتی تو ان کو کمر کے بل لٹا کر اپنے حکم سے ان کے سینے پر بڑا پتھر رکھوا دیتا اور کہتا تھا کہ یہ پتھر اسی طرح رہے گا یا پھر تم محمدؐ کے دین کو ترک کردو۔ اس پر بلالؓ کہتے ''احد، احد'' یعنی اللہ ایک ہے۔ اللہ ایک ہے۔

پھر انہوں نے اپنی پوری آواز سے چیخ کر کہا کہ اے اللہ کی نصرت کرنے والو! یہ امیہ بن خلف ہے جو کفر کا سر ہے۔ اگر یہ بچ جائے گا تو میں نہ بچوں گا۔ اس پر لوگوں نے اس کو گھیر کر اس کا کچلا کردیا۔ پھر اس کو اور اس کے بیٹے علی بن امیہ کو قتل کر ڈالا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے بیٹے علی کو عمارؓ نے قتل کیا۔

پھر رسول اللہؐ نے اپنے اصحاب کو جہاد پر آمادہ کیا تو جب کوئی مشرک مقابلے کے لئے نکلتا تو قتل ہو جاتا تھا۔ جب بنی مخزوم نے مشرکوں کی بڑی تعداد کو قتل ہوتے دیکھا تو ابوجہل کے قتل ہوجانے کے خوف سے اس کے چاروں طرف جمع ہوگئے اور اس کا سینہ بند عبداللہ بن مُنذِر کو پہنا دیا۔ پس امام علیؑ نے اس کی طرف بڑھ کر اس کو قتل کردیا اور آپ اس کو ابوجہل سمجھ رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ میں ہوں عبدالمطلب کا فرزند۔ پھر ان لوگوں نے اس کا سینہ بند ابوقیس بن فاکہ ابن مغیرہ کو پہنا دیا۔ اس کی طرف حضرت حمزہؓ بڑھے اور وہ بھی اس کو ابوجہل سمجھ رہے تھے اور انہوں نے اس کو ضرب لگا کر قتل کردیا۔ اب ان لوگوں نے اس کا سینہ بند خالد بن عبدالاعلیٰ کو پہنانا چاہا لیکن اس نے انکار کردیا۔ معاذ بن عمرو بن جموح بیان کرتے ہیں کہ پھر میں نے ابوجہل کی طرف بڑھ کر اس کے ایک ضرب لگائی جس سے اس کی ٹانگ پنڈلی سے اس طرح الگ ہوگئی جیسے پیسنے والے پاٹ کے نیچے سے کھجور کی گٹھلیاں پھسل کر نکل پڑتی ہیں۔ اس پر اس کے بیٹے عکرمہ نے میرے کندھے پر ضرب لگائی جس سے میرا ہاتھ کندھے سے جدا ہوکر کھال میں لٹک گیا۔ میں اس کو کھال میں لٹکا ہوا گھسیٹ کر چل دیا لیکن جب اس نے مجھ کو تکلیف پہنچائی تو میں نے اس پر اپنا پیر رکھ کر کھینچا اور الگ کردیا۔

جب دونوں فریق آپس میں گتھم گتھا ہوگئے تو رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ ابوجہل کو تلاش کیا جائے۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے اس کو آخری سانسیں لیتے ہوئے پایا تو میں نے اس کی گردن پر اپنا پیر رکھ دیا اور میں نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے تجھ کو رسوا کیا۔ تو وہ بولا کہ بلکہ اللہ نے بندے کو جو بندے کی ماں کا بیٹا ہے رسوا کیا۔ اے بھیڑوں کو آواز دینے والے تو بڑی دشوار جگہ پر چڑھ گیا ہے۔ جنگ کا انجام کس کے حق میں ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے حق میں۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ میں تجھے قتل کر رہا ہوں۔ وہ بولا کہ یہ پہلا غلام نہیں ہے جو اپنے آقا کو قتل کرے۔ البتہ میرے لئے شاق ہے کہ آج تو مجھے قتل کرے اور میرے قتل کا ولی لیفوں یا اچھے لوگوں میں سے نہ ہو۔

پھر عبداللہ بن مسعود نے اس کے ایک ضرب لگائی جس سے اس کا سر ان کے سامنے آ گرا اور انہوں نے اس کے ہتھیار اتار لئے اور لے جاکر رسول اللہؐ کے سامنے رکھ دیئے اور کہا کہ اے نبی خداؐ! اللہ تعالیٰ کے دشمن کے قتل ہونے کی

خوشخبری لیجئے۔ پھر کہا کہ مجھ کو یہ سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہے۔

سیرت کی بعض کتابوں میں ہے کہ ابوجہل کو جنہوں نے قتل کیا وہ معاذ بن عمرو بن جموح اور مُعاذ بن عفراء ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ابن مسعود کو اس میں جان کا آخری سانس ملا ہو اور انہوں نے اس کو آخری ضرب لگا کر اس کے ہتھیار اتار لئے ہوں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

پھر رسول اللہؐ نے فرمایا: اے اللہ! مجھے ابن عدویہ سے بھی نجات دے۔ وہ نوفل بن خویلد تھا۔ جبّار بن صَخر نے اس کو گرفتار کیا اور اس نے امام علیؑ کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو جبار سے پوچھا یہ کون ہے؟ لات اور عزیٰ کی قسم میں دیکھتا ہوں کہ میرے ہی لئے آ رہا ہے۔ جبار نے اس کو بتلایا کہ یہ علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں۔ اتنے میں امام علیؑ اس پر آپہنچے اور آپ نے خود اس کو ضرب لگائی اور آپ کی تلوار اس کے پیٹ میں گھس گئی۔ آپ نے اس کو کھینچ کر اس کی پنڈلیوں پر مارا اور ان دونوں کو قطع کردیا۔ اس کے بعد آپ نے اس کے آخری ضرب لگا کر اس کو قتل کردیا۔ ادھر رسول اللہؐ نے دریافت کیا کہ نوفل بن خویلد کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم ہے؟ امام علیؑ نے فرمایا کہ یارسول اللہؐ میں نے اس کو قتل کردیا ہے۔ تب رسول اللہؐ نے تکبیر کہی اور فرمایا کہ حمد ہے اللہ کی جس نے میری دعا قبول کی۔

سیرت ابن اسحٰق میں ہے کہ طعیمہ بن عدی کو بھی امام علیؑ نے قتل کیا۔ آپ نے اس کو نیزے سے چھیدا اور فرمایا کہ آج کے بعد ہرگز ہم سے لڑائی نہ کرنا۔ اب مسلمان برابر مشرکوں کو ڈھونڈتے رہے اور سر تھے کہ گرتے جا رہے تھے اور جسم زمین پر ایک کو دوسرے پر گرا رہے تھے۔ اتنے میں رسول اکرمؐ خود اپنے خیمے سے باہر تشریف لے آئے اور وہاں ابوبکر کے علاوہ کوئی اور باقی نہیں رہا اور ان کے اور خلیفہ ثانی کے ذکر میں کہیں یہ بیان نہیں ہوا ہے کہ انہوں نے اس معرکے میں کسی کی معیت میں شرکت کی ہو۔ البتہ رسول اللہؐ مسلمانوں کے ساتھ شریک رہے اور آنحضرتؐ نے سخت ترین جنگ کی جبکہ امام علیؑ اور حضرت حمزہؓ مشرکین کو ہٹاتے جاتے تھے۔

نبی اکرمؐ نے مٹھی بھر کنکریاں لے کر مشرکین کی طرف پھینکیں اور فرمایا: شَاهَتِ الْوُجُوْهُ اَللّٰهُمَّ ارْعَبْ قُلُوْبَهُمْ ''ان چہروں پر تباہی آئے۔ اے اللہ! ان کے دلوں میں خوف ڈال دے۔''

مسلمانوں نے ان سے نمٹنے میں اور شدت اختیار کرلی۔ چنانچہ وہ اپنے ہتھیار اور مال و متاع چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ امام علیؑ اور حضرت حمزہؓ اور بہادر مسلمان، ان کے بیچ میں گھس کر ان کو گرفتار اور قتل کرنے لگے۔ چنانچہ سر اُڑ رہے تھے اور جسم ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعے مسلمانوں کی مدد کی جو اُن کو ثابت قدم کئے ہوئے تھے اور اس انعام کی بشارت دے رہے تھے جو اللہ نے ان کے لئے مقرر کیا تھا۔ جیسا کہ اس آیت میں آیا ہے:

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ کُلَّ بَنَانٍ ۝ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِکُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْکَافِرِیْنَ

عَذَابَ النَّارِ ٥ ''ایک وہ وقت تھا جب پروردگار نے ملائکہ کو وحی کے ذریعہ بتلایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پس تم ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں جمائے رکھو۔ میں ان لوگوں کے دلوں میں جو کفر اختیار کئے ہوئے ہیں خوف ڈال دوں گا۔ پس تم ان لوگوں کی گردنوں پر ضربیں لگاؤ اور ان کے ہر جوڑ پر مارو۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو دکھ پہنچایا ہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کو دکھ پہنچائے گا تو اللہ بھی سخت عذاب دینے والا ہے۔ پس اس کا مزہ اٹھاؤ۔ بے شک کافروں کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔'' (سورۂ انفال: آیت۱۲تا۱۴)

شرح نہج البلاغہ میں محمد بن اسحٰق سے روایت ہے کہ جنگ بدر کے روز رسول اللہؐ نے ولید بن ہشام جو ابوالبختری کہلاتا تھا کے قتل سے منع فرمادیا تھا کہ اُس نے مکہ میں آنحضرتؐ کو سب لوگوں سے کم تکلیف پہنچائی تھی اور بعض اوقات دوسروں کو بھی آنحضرتؐ کو ایذا پہنچانے سے روکتا رہتا تھا۔ اس نے اس نوشتہ کے منسوخ کرنے میں کوشش کی تھی جس کے ذریعے قریش نے بنی ہاشم کا بائیکاٹ کیا تھا۔ ان کی مڈبھیڑ مخدر بن زیاد بلوی سے ہوئی جو انصار کے حلیف تھے۔ انہوں نے ان سے کہا کہ رسول اللہؐ نے ہمیں تمہارے قتل کرنے کو منع کیا ہے۔ ابوالبختری کے ساتھ ان کا ایک ہم سفر بھی تھا جو مکہ سے آیا تھا، اس کو خبادہ بن ملیحہ کہتے تھے۔ ابوالبختری نے کہا کہ میرے ہم سفر کا کیا ہوگا؟ اس پر مخدر نے ان سے کہا کہ قسم بخدا! رسول اللہؐ نے ہمیں صرف آپ کے قتل کرنے سے روکا ہے۔ اب ابوالبختری بولے کہ پھر تو بخدا میں اور میرا ساتھی اکٹھا ہی مریں گے تاکہ مکہ کی عورتیں یہ نہ کہیں کہ میں نے زندگی کی لالچ میں اپنے ہم سفر کو چھوڑ دیا۔ پس مخدر نے اس پر حملہ کردیا اور دونوں باہم لڑنے لگے اور انہوں نے اس کو قتل کردیا اور رسول اللہؐ کی خدمت میں جاکر آنحضرتؐ کو بتلا دیا اور بولے کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے میں نے کوشش کی کہ ان کو قید کرکے آپ کے پاس لے آؤں لیکن انہوں نے لڑنے کے علاوہ ہر بات سے انکار کردیا۔ چنانچہ میں ان سے لڑلیا۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہؐ نے حارث بن نوفل کے قتل سے بھی منع فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ اس کو قید کرلینا مگر قتل نہ کرنا کیونکہ وہ بدر کی جنگ کے لئے آنا نہ چاہتا تھا۔ اس کی مڈبھیڑ خبیب بن یساف سے ہوئی اور انہوں نے اس کو قتل کردیا کیونکہ وہ اس کو پہچانتے نہ تھے۔ اس کی اطلاع نبی اکرمؐ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اگر وہ قتل ہونے سے پہلے مجھے مل جاتا تو میں اس کو اس کی عورتوں کی خاطر چھوڑ دیتا۔ اسی طرح آنحضرتؐ نے زمعہ بن اسود کے قتل سے منع فرمایا تھا لیکن اس کو ثابت بن جذع نے قتل کردیا کیونکہ وہ اس کو پہچانتے نہیں تھے۔

ابن اسحٰق کی روایت میں آیا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے اپنے چھتہ سے نکل کر جنگ کرنے پر ترغیب دلانا شروع کی تو فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے کہ آج کے روز جو کوئی جنگ میں شدائد برداشت کرتا ہوا پوری کوشش سے، بغیر پیچھے مڑے آگے بڑھتا رہے گا، اللہ اس کو جنت میں داخل کردے گا۔ اس پر آنحضرتؐ سے عمر بن حام نے جو بنی سلمہ سے تھا اور ہاتھ میں کھجوریں لئے ہوئے کھا رہا تھا کہا کہ خوب خوب پھر تو میرے

اور جنت کے درمیان اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ لوگ مجھ کو قتل کر ڈالیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے ہاتھ سے کھجوریں پھینک کر تلوار پکڑ لی اور دشمن سے لڑنے لگے یہاں تک کہ قتل ہو گئے۔

شرح نہج البلاغہ میں واقدی سے روایت ہے کہ قباث بن اشیم کنانی نے بیان کیا ہے کہ میں جنگ بدر میں مشرکین کی طرف سے شریک تھا۔ میں آنحضرتؐ کے اصحاب کی قلت اور اپنے ساتھ کے گھوڑوں اور آدمیوں کی کثرت اپنی آنکھ سے دیکھ رہا تھا۔ پھر میں بھی دوسرے بھاگنے والوں کے ساتھ بھاگا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ مشرکین ہر طرف بے تحاشہ بھاگے پھر رہے تھے۔ میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ ایسا تو میں نے کبھی نہ دیکھا تھا کہ عورتوں کے علاوہ سب ہی بھاگ پڑے ہوں۔ میرے ساتھ ایک شخص ہولیا۔ وہ میرے ساتھ چل رہا تھا کہ ہم سے وہ لوگ آملے جن کو ہم پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تم لڑنے جا رہے ہو۔ وہ بولا قسم بخدا نہیں میرے پاس کچھ بھی نہیں، وہ گھبرا گیا۔ پھر میں تیز تیز چل پڑا اور صبح ہوتے عیفہ جا پہنچا جو سقیار کی بائیں طرف ہے اور فرع سے ایک رات کے فاصلے پر ہے، فرع اور مدینہ میں آٹھ رات کا فاصلہ ہے، طلوع آفتاب سے قبل واپسی کے لئے۔ میں راستا بتاتا چل رہا تھا لیکن تلاش کر لئے جانے کے خوف سے بڑے راہ سے نہیں چلا بلکہ میں اس سے کترا کر نکل گیا۔ عیفہ پر مجھ سے میری قوم کا ایک آدمی مل گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ میرے پیچھے کیا ہوا۔ میں نے کہا کچھ نہیں، ہم قتل ہوئے، اسیر ہوئے اور بھاگ پڑے۔ کیا تمہارے پاس کوئی سواری ہے؟ چنانچہ اس نے مجھ کو اونٹ پر بٹھایا اور مجھ کو سفر کے لئے کھانا دیا یہاں تک کہ میں جحفہ کے راستا پر پہنچ گیا۔ میں چلتا رہا اور مکہ میں داخل ہو گیا۔ وہاں میں نے حیثمان بن حابس بن خزاعی کو دیکھا وہ اداس ہے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مکہ اس لئے آیا ہے کہ قریش کو قتل ہونے والوں کے بارے میں اطلاع پہنچا دے۔ اگر میں چاہتا تو اس سے آگے ہو سکتا تھا لیکن میں نے راستا بدل لیا جس سے وہ مجھ سے کچھ دن پہلے پہنچ گیا۔ جب میں پہنچا تو مکہ میں ان لوگوں کو مقتولین کی بابت خبر پہنچ چکی تھی اور وہ خزاعی پر لعنت کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ وہ ہمارے لئے بھلائی نہیں لایا۔ میں مکہ میں ٹھہر گیا۔ جب خندق کا معرکہ ہو چکا تو میں نے کہا کہ کیوں نہ میں بھی مدینہ چلوں اور دیکھوں کہ محمدؐ کیا کہتے ہیں اور میرے دل میں اسلام کی بات بیٹھ گئی۔ میں مدینہ پہنچا اور میں نے آنحضرتؐ کی بابت دریافت کیا۔ مجھ کو بتایا گیا کہ وہ اصحاب کے ساتھ مسجد کے سائے میں تشریف فرما ہیں۔ پس میں آنحضرتؐ کی خدمت میں گیا۔ لیکن میں ان لوگوں کے درمیان آنحضرتؐ کو پہچان نہ سکتا تھا۔ جب میں نے سلام کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کیا قباث ابن اشیم! تم ہی ہو جس نے جنگ بدر کے روز کہا تھا کہ میں نے ایسا کبھی نہ دیکھا تھا کہ عورتوں کے علاوہ سب ہی بھاگ گئے ہوں۔ میں نے کہا **اشھد انک رسول اللّٰہ.** (میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں)۔ قسم بخدا یہ بات مجھ سے کبھی کسی اور کو معلوم نہیں ہوئی تھی کیونکہ میں نے اس کے لئے کبھی زبان نہیں کھولی تھی، سوائے اس کے کہ میں نے اپنے آپ سے بات کی تھی۔ پس اگر آپ نبیؐ نہ ہوتے تو اللہ آپ کو اس کی خبر نہ دیتا۔ چنانچہ میں نے آنحضرتؐ کی بیعت کی اور اسلام قبول کر لیا۔

شرح نہج البلاغہ کے مؤلف ابن ابی الحدید معتزلی نے واقدی سے روایت کی ہے کہ جب نجاشی کو قریش کے قتل

ہو جانے اور رسول اللہؐ کی فتح کی خبر پہنچی تو وہ دو سفید کپڑے پہن کر نکلا اور اس نے زمین پر بیٹھ کر جعفرؓ بن ابی طالبؓ کو اور ان کے ساتھیوں کو بلا کر کہا کہ تم میں سے کسی کو بدر کے بارے میں علم ہے؟ ان لوگوں نے اس کو کچھ بتایا۔ پھر اس نے کہا کہ میں اس سے واقف ہوں۔ میں نے اس کے اطراف میں بھیڑیں چروائی ہیں اور وہ ساحل سے دن کے کچھ عرصہ کے فاصلہ پر ہے۔ لیکن میں نے چاہا کہ تم سے تصدیق کرالوں کہ اللہ نے بدر کے موقع پر اپنے رسولؐ کو فتح عنایت کی ہے۔ اس پر ان سب نے اللہ کی حمد کی۔ پھر اس کے پادریوں نے کہا کہ اللہ ہمارے ملک کو خوشحال رکھے، یہ طریقہ تو آپ نے کبھی اختیار نہیں کیا تھا۔ ان کا مطلب تھا کہ سفید کپڑے پہن کر زمین پر بیٹھنا۔ اس نے جواب میں کہا کہ جب کبھی حضرت عیسیٰؑ کو کوئی نعمت حاصل ہوتی تو آپ تواضع میں زیادتی کیا کرتے تھے۔[1]

جنگ بدر کے بعد قریش اور قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟

جب قریش مکہ واپس آ گئے تو ابوسفیان بن حرب نے ان کے درمیان کھڑے ہو کر کہا کہ اے گروہ قریش! اپنے قتل ہو جانے والے افراد پر رونا نہیں، نہ کوئی نوحہ کرنے والی ان پر نوحہ کرے، نہ کوئی شاعر ان کی شان میں غمناک نظمیں کہے، بلکہ صبر و شکیب کا اظہار کرو کیونکہ اگر تم شعر کے ذریعہ ان پر نوحہ کرو گے تو یہ تمہارے غصہ کو زائل کر دے گا اور تم کو محمدؐ اور ان کے اصحاب کی دشمنی سے بیگانہ کر دے گا۔ جب اس کی اطلاع محمدؐ ان کے اصحاب کو ہوگی تو وہ تمہاری حالت پر خوش ہوں گے اور یہ دونوں مصیبتوں میں بڑی مصیبت ہوگی اور بہت ممکن ہے کہ تم اپنا بدلہ لے سکو۔ پس میرے اوپر تیل لگانا اور عورتیں اس وقت تک حرام رہیں گی جب تک محمدؐ سے جنگ نہ کرلوں۔ چنانچہ قریش ایک مہینے تک رکے رہے، نہ کوئی شاعر ان پر روتا تھا، نہ کوئی نوحہ کرنے والی ان پر نوحہ کرتی تھی۔

اسود بن مطلب کے تین بیٹے زمعہ، عقیل اور حارث اس جنگ میں کام آ گئے تھے۔ خود اس کی بصارت جاتی رہی اور قریب تھا کہ وہ اس کے رنج میں مرجائے۔ مکہ سے باہر جائے بغیر وہ رو کر اپنے دل کی بھڑاس بھی نہیں نکال سکتا تھا۔ چنانچہ وہ کبھی اس غرض سے باہر چلا جایا کرتا تھا۔

واقدی کی روایت میں آیا ہے کہ اس کا خدمتگار اس کو اس راستے پر لے جاتا تھا جس سے اس کا بیٹا زمعہ بدر گیا تھا۔ جب وہ وہاں پہنچ جاتا تو وہ اس کو شراب پلاتا تھا تا آنکہ اس کو نشہ آ جائے۔ پھر وہ رونا شروع کرتا تھا اور اپنے سر پر مٹی ڈال لیتا تھا اور اپنے خدمتگار سے کہتا تھا کہ خبردار اس کی اطلاع قریش کو نہ ہونے پائے۔ ایک مرتبہ رات میں اس نے ایک چیخ سنی تو اس نے اپنے خدمتگار سے کہا کہ ذرا دیکھو کیا کوئی قریشی عورت اپنے مقتول پر رو رہی ہے تاکہ میں بھی ابوحکیمہ پر روؤں۔ یہ اس کے بیٹے زمعہ کی کنیت تھی کیونکہ میرا جگر بھنا جا رہا ہے۔ خدمتگار گیا اور واپس آ کر کہنے لگا ایک عورت اپنے

۱۔ یہ حدیث واقدی کی روایات میں سے ہے اور وہ جو کچھ دیکھتے یا سنتے ہیں ان میں سے مرسل حدیث کو مسند کی جانب اور صحیح کو ضعیف کی جانب روایت کرنے کے عادی ہیں۔

اونٹ پر رو رہی ہے جو کھو گیا ہے۔ تب وہ بولا:

''کیا وہ اپنے اونٹ کھو جانے کی وجہ سے روتی ہے اور اس کی نیند اڑ گئی ہے اور بیٹے پر نہیں روتی حالانکہ بیٹے کے مقابلے میں انسانوں کے گروہ بھی کم ہیں۔ اگر رونا ہی ہے تو عقیل پر روؤ جو شیروں کا شیر تھا۔ اور ان سب پر روؤ لیکن سب کے نام اکٹھا مت لو۔ ابوحکیمہ کا کوئی ہمسر نہیں تھا۔ بدر میں بنی ہصیص کے اور بنی مخزوم کے اور ابوالولید کی جماعت پر روؤ۔''

واقدی نے روایت کی ہے کہ قریش کی عورتوں نے ہند بنت عتبہ کے پاس جا کر کہا کہ کیا تم اپنے باپ بھائی چچا اور اپنے گھر والوں پر نہیں روتیں؟ تو اس نے کہا کہ میں ڈرتی ہوں کہ اگر ان پر روئی تو یہ خبر محمدؐ اور ان کے اصحاب کو ہو جائے گی تو وہ ہماری اور بنی خزرج کی عورتوں کی مصیبت پر خوش ہوں گے۔ قسم بخدا جب تک میں محمدؐ اور ان کے اصحاب سے اپنوں کے خون کا بدلہ نہ لے لوں نہ روؤں گی اور جب تک محمدؐ سے جنگ نہ کر لیں تیل لگانا میرے لئے حرام ہے۔ قسم بخدا! اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میرے دل سے غم دور ہو جائے گا تو میں روتی، لیکن وہ تو اس وقت تک دور نہیں ہو سکتا جب تک اپنی آنکھ سے اپنے چہیتوں کے خون کا بدلہ لیا جانا نہ دیکھ لوں۔ چنانچہ جس روز سے اس نے قسم کھائی تھی اور جب تک احد کی جنگ واقع نہیں ہوئی تو وہ نہ تیل کے قریب گئی نہ ابوسفیان کے ساتھ شب بسری کی۔

شرح نہج البلاغہ میں واقدی سے روایت ہے کہ جب مشرک مکہ واپس پہنچ گئے تو عمیر بن وہب بن عمیر جمحی، صفوان بن امیہ کے پاس گیا اور اس کے ساتھ ایک کمرے میں بیٹھ گیا۔ تب صفوان نے اس سے کہا کہ بدر کے مقتولین کے بعد زندگی بے مزہ رہ گئی ہے عمیر بن وہب نے کہا کہ ہاں قسم بخدا ان کے بعد زندگی میں کوئی اچھائی نہیں رہی۔ اگر میرے اوپر قرض نہ ہوتا جس کو میں ادا نہیں کر سکتا ہوں اور میرے اہل و عیال نہ ہوتے جن کو میں کچھ دے نہیں سکتا ہوں تو میں جا کر محمدؐ کو قتل کر دیتا تاکہ میری آنکھیں سیر ہو جاتیں کیونکہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ میرے پاس ان کے پاس جانے کی ایک وجہ بھی ہے۔ میں جا کر ان سے کہوں گا کہ میں اپنے اس قیدی بیٹے کے پاس آیا ہوں۔ اس کی بات سے صفوان بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ اے ابوامیہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ کوئی ایسا کر دے۔ وہ بولا ضرور ہو سکتا ہے قسم ہے اس عالم کی۔ تو صفوان نے کہا کہ تمہارا قرض میرے اوپر ہے اور تمہارے عیال میرے عیال کی طرح ہیں اور تم جانتے ہو کہ مکہ میں کوئی مجھ سے زیادہ اپنے عیال کو آرام پہنچانے والا نہیں ہے۔ عمیر نے کہا کہ یہ تو میں خوب جانتا ہوں۔

تب صفوان نے کہا کہ بس تو تمہارے عیال میرے عیال کے ساتھ رہیں گے اور کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جو میرے پاس ہو اور ان کو نہ ملے اور تمہارا قرض میرے اوپر واجب الادا ہے۔ پھر صفوان نے اس کو اونٹ پر سوار کرا کے اس کو ساز و سامان تیار کر دیا اور اس کے عیال کے لئے وہی چیزیں مہیا کر دیں جو اپنے عیال کے لئے کیں۔ پھر اس نے عمیر کو حکم دیا تو اس نے اپنی تلوار کو تیز کر لیا اور زہر میں بجھالیا اور مدینہ کی سمت چل پڑا۔ وہ صفوان سے کہہ گیا کہ میرا معاملہ چند روز چھپائے رکھنا یہاں تک کہ میں مدینہ پہنچ جاؤں۔ عمیر چلتا رہا یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گیا۔ وہاں اس نے مسجد نبوی کے دروازہ

پر اتر کر اپنا اونٹ باندھ دیا اور اپنی تلوار لے کر کمر سے لٹکالی اور آنحضرتؐ کی جانب چلا۔ اس وقت حضرت عمر بن خطاب چند مسلمانوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے اور ان نعمتوں کا ذکر کر رہے تھے جو بدر کے روز اللہ تعالیٰ نے عطا کیں۔ انہوں نے عمیر کو دیکھ لیا کہ وہ تلوار لگائے ہوئے ہے۔ وہ فوراً لپکے اور ساتھیوں سے کہنے لگے کہ تمہارے پاس یہ کتا آ گیا یہ عمیر بن وہب وہی دشمن خدا ہے جس نے بدر کے دن ہمارے درمیان پھوٹ ڈالی تھی۔ ہمارے دشمن کے لئے کام کیا، تفتیش کی اور قریش کو یہ خبر بہم پہنچائی کہ ہمارے پاس نہ کمک ہے، نہ فاضل افراد ہیں۔

چنانچہ لوگوںؓ نے فوراً اس کو پکڑ لیا اور رسول اللہؐ کی خدمت میں لے گئے۔ تب حضرت عمر بن خطاب نے کہا کہ یارسول اللہؐ! یہ عمیر بن وہب مسجد میں ہتھیار لگائے ہوئے داخل ہوا ہے اور یہ وہی خبیث دھوکہ دینے والا ہے جو کسی چیز پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اس کو میرے سامنے لاؤ۔ حضرت عمر نے جا کر اس کی تلوار کا پٹہ لے لیا اور مسلمان اس کو گھیرے میں لئے ہوئے رسول اللہؐ کی خدمت میں لے آئے۔ نبی اکرمؐ نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ اے عمر تم ہٹ جاؤ۔ جب عمیر، نبی اکرمؐ کے قریب آ گیا تو اس نے کہا کہ "انعم صباحًا یا محمدؐ!" یہ جاہلیت کے زمانے کا سلام تھا۔ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ ہم کو اللہ نے اس طریقۂ سلام سے بے نیاز کر دیا ہے اور ہمارا طریقہ السلام ہے اور یہی اہل جنت کا طریقۂ سلام ہے۔ عمیر بولا کہ یہ تو بالکل نئی چیز ہوئی۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ ہاں اللہ نے بدل کر ہم کو بھلائی عطا کی ہے۔ اچھا تو اے عمیر تم یہاں کس لئے آئے ہو؟ وہ بولا کہ میں اپنے اس قیدی کیلئے آیا ہوں جو آپ کے پاس ہے تاکہ آپ اس کا فدیہ لیکر اسے رہا کر دیں اور حق قرابت ادا کریں کیونکہ آپ لوگ خاندان اور اصل کے لحاظ سے ایک ہی ہیں۔ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ پھر تمہارے پاس یہ تلوار کس لئے ہے؟ عمیر کہنے لگا کہ اللہ ان تلواروں کا برا کرے یہ یوم بدر کسی کام نہ آئی۔ میں بھول گیا کہ جب میں اترا ہوں تو یہ میرے گلے میں تھی۔ میری جان کی قسم مجھے اس سے اور بھی کام ہیں۔

اب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اے عمیر مجھے سچ سچ بتا دو کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا کہ میں صرف اپنے قیدی کی خاطر آیا ہوں۔ رسول خداؐ نے فرمایا کہ تم نے صفوان کے ساتھ کمرے میں بیٹھ کر کیا عہد و پیمان کیا تھا؟ عمیر ڈر گیا اور کہنے لگا کہ میں نے اس سے کیا پیمان کیا تھا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم نے مجھے قتل کرنے کا عہد کیا تھا، اس شرط پر کہ وہ تمہارا قرض ادا کر دے گا اور تمہارے عیال کی کفالت کرے گا۔ لیکن تمہارے اور اس امر کے درمیان اللہ حائل ہے۔ عمیر بول پڑا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ. (میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور یہ کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں)۔ یارسول اللہؐ ہم آپ کی وحی کو اور آپ کے پاس آسمان سے جو کچھ آتا تھا سب کو جھٹلایا کرتے تھے لیکن یہ بات چیت میرے اور صفوان کے درمیان ہوئی تھی جو آپ نے بتلائی۔ اس سے کوئی اور واقف نہ تھا اور میں نے اس سے کہا تھا کہ کچھ روز تک چھپائے رکھے۔ پس اللہ نے آپ کو اس سے مطلع کر دیا اور اب میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آیا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ احکام آپ، اللہ سے لے کر آئے ہیں وہ حق ہیں اور میں اس ذات کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھ کو اس راہ پر ڈال دیا ہے۔

اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا: لوگو! اپنے بھائی کو قرآن کی تعلیم دو اور اس کے قیدی کو رہا کردو۔ عمیر نے کہا کہ یارسول اللہؐ میں کوشش کرتا رہا تھا کہ اللہ کے نور کو بجھادوں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری ہدایت کی۔ پس آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں قریش سے ملوں اور ان کو اللہ اور اسلام کی طرف دعوت دوں ہوسکتا ہے کہ اللہ ان کو بھی ہدایت دے اور بربادی سے نکال لے۔ نبی اکرمؐ نے اس کو اجازت دے دی اور وہ مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوگیا۔

ادھر صفوان ہر سوار سے جو مدینہ کی طرف سے آتا ہوا ہوتا عمیر کے متعلق دریافت کرتا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ کیا مدینہ میں کوئی واقعہ درپیش آ گیا؟ کبھی کبھی وہ قریش سے کہتا کہ تم ایسے واقعہ کی خوشخبری سننا جو تم کو بدر کا واقعہ بھلا دے گا۔ پھر ایک آدمی مدینہ سے پہنچا اور صفوان نے اس سے عمیر بن وہب کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتلایا کہ وہ تو مسلمان ہوگیا ہے۔ چنانچہ صفوان اور دوسرے مشرکین نے اس پر لعنت کی اور صفوان نے حلفیہ عہد کیا کہ وہ اس سے کبھی بات نہ کرے گا اور نہ اس کو کوئی فائدہ پہنچائے گا۔ اس نے اس کے عیال کو چھوڑ دیا۔ عمیر بن وہب مکہ پہنچا تو اپنے مکان میں اُترا اور اس نے اپنے اسلام کا اعلان کردیا۔ اس کی خبر صفوان بن امیہ کو پہنچی تو اس نے کہا کہ میں یہ جب ہی سمجھ گیا تھا جب وہ اہل وعیال کے پاس آکر اترا اور اپنے گھر سے پہلے میرے پاس سے ابتدا نہیں کی۔ ایک شخص نے مجھ کو یہ اطلاع دے دی تھی کہ وہ الٹ گیا ہے۔ اب اس سے میں کبھی خود بات نہ کروں گا، نہ اس کو کوئی نفع پہنچاؤں گا۔ پھر عمیر اس کے پاس آپہنچا، جب وہ کمرے ہی میں تھا اور اس نے اس کے ساتھ بات کی۔ لیکن صفوان اس سے کٹا کٹا رہا۔ تب عمیر نے اس سے کہا کہ تم ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار ہو، کیا تم دیکھتے نہیں ہو ہم پتھروں کی عبادت کیا کرتے تھے اور ان ہی کے لئے ذبح کرتے تھے، یہ کوئی دین نہ تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں۔ صفوان پھر بھی اس سے دور ہی رہا اور اس سے ہم کلام نہیں ہوا۔ البتہ عمیر کے ذریعہ سے مکہ میں اور اس کے باہر لوگ اسلام میں داخل ہوگئے۔

ابن اسحٰق نے عکرمہ سے اور انہوں نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ کے غلام ابورافع نے بیان کیا کہ میں عباس بن عبدالمطلبؓ کا خدمتگار تھا اور ہم میں اسلام آچکا تھا۔ ام الفضل اسلام لائیں اور میں بھی اسلام لایا۔ البتہ عباس اپنا اسلام ظاہر کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اس وجہ سے کہ ان کی قوم والے ان کے دشمن ہوجائیں گے اس لئے وہ اپنا اسلام چھپائے رہے۔ دشمن خدا ابولہب بھی بدر کے روز جنگ سے علیحدہ رہا اور اپنی جگہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا۔ جب بدر میں مشرکین کے مصیبت میں گرفتار ہوجانے کی خبر پہنچی تو اللہ نے اس کو ذلیل وخوار کردیا اور ہم کو اپنے دلوں میں قوت اور عزت محسوس ہوئی۔ میں ضعیف آدمی تھا اور پیالے بنانے کا کام کیا کرتا تھا جن کو میں زمزم کے ایک کمرے میں کاٹ کاٹ کر تیار کیا کرتا تھا۔ قسم بخدا میں وہاں بیٹھا ہوا پیالے تیار کررہا تھا اور عباس کی زوجہ ام الفضل میرے پاس تھیں اور ہم لوگ مشرکین کے متعلق خبر سے خوش تھے کہ اتنے میں بدکار ابولہب اپنے پیر کھینچتا ہوا آکر کمرے کی دہلیز پر اس طرح بیٹھ گیا کہ اس کی کمر میری کمر کے قریب ہوگئی۔ وہ بیٹھا ہی ہوا تھا کہ لوگوں نے کہا کہ حارث بن عبدالمطلب بدر سے آپہنچا۔

ابولہب کہنے لگا اے بھتیجے ادھر میرے پاس آ ؤ کیونکہ تم تو خبر لائے ہوگے۔ پس حارث اسی کے پاس بیٹھ گیا۔ لوگ اس کے ارد گرد کھڑے تھے تب اس نے کہا کہ اے بھتیجے! مجھے بتاؤ لوگوں پر کیا گزری؟ اس نے کہا کہ کچھ نہیں۔ بخدا اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ ہم نے ان سے ٹکراؤ لیا تو اپنے کندھے ان کے سامنے ڈال دیئے اور وہ جس طرح چاہتے قتل کرتے رہے اور قیدی بنا رہے تھے اور قسم ہے اللہ کی جس چیز نے لوگوں کو مبہوت کر دیا وہ یہ کہ ہم کو ایسے آدمیوں سے مقابلہ کرنا پڑا جو سفید تھے اور گھوڑوں پر سوار تھے، آسمان اور زمین کے درمیان ایسی تیزی سے چل رہے تھے کہ کوئی شے ان کے سامنے نہ ٹھہر سکتی تھی۔ ابورافع بیان کرتے ہیں کہ پھر میں نے حجرہ کی طناب اپنے ہاتھ سے اٹھا کر کہا کہ وہ ملائکہ تھے۔ اس پر ابولہب نے اپنا ہاتھ بلند کر کے میرے چہرہ پر زور کا تھپڑ مارا۔ پھر مجھ کو اٹھالیا اور زمین پر دے مارا۔ پھر میرے اوپر چڑھ بیٹھا اور مارتا رہا حالانکہ میں کمزور آدمی تھا۔ چنانچہ امُّ الفضل نے کھڑے ہو کر حجرے کی ٹیک کی لکڑیوں میں سے ایک اٹھالی اور اس کو لے کر اس کے ایسی ضرب لگائی جس سے اس کے سر میں ایک بڑا زخم پڑ گیا۔ وہ کہنے لگیں تم نے اس کو اس لئے کمزور مان لیا کہ اس کا آقا چلا گیا ہے۔ اس پر وہ خوب ذلیل اور شرمندہ ہوا۔ خدا کی قسم اس کے بعد وہ صرف سات روز زندہ رہا یہاں تک کہ اللہ نے اس کو سرخ دانوں کا مرض لاحق کر دیا جس نے اس کو مار ہی ڈالا۔ اس کے بیٹوں نے اس کو دو یا تین روز تک پڑے رہنے دیا اور دفن نہیں کیا یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں سڑ گیا۔

قریش اس بیماری سے ایسے ڈرتے تھے جیسے طاعون سے۔ جب وہ سڑ گیا اور اس کی بدبو باہر اطراف کی سڑکوں میں پھیل گئی تو لوگوں نے اس کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے کہا کہ وائے ہو تم پر، تم کو شرم نہیں آتی کہ تمہارا باپ اپنے گھر میں پڑا سڑ رہا ہے اور تم سے اتنا نہیں ہوا کہ اس کو دفن کر کے مٹی میں چھپا دو۔ وہ بولے کہ ہم اس بیماری سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان دونوں نے اس پر پانی ڈال کر اس کو مکہ کے اونچے مقام پر لے گئے اور اس کو ایک گڑھے میں ڈال کر اوپر سے پتھر بھر دیئے یہاں تک کہ اسے ڈھک دیا۔

بیشتر روایت میں آیا ہے کہ جنگ بدر میں جو مشرکین قتل ہوئے وہ بہتّر افراد تھے اور قید ہونے والوں کی تعداد ستر تھی۔ البتہ واقدی نے مقتولین کی تعداد باون بیان کی ہے اور ان کو اپنی گنتی کے مطابق ان کے قتل کرنے والوں کے ناموں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ لوگ جن کو تنہا امام علیؑ نے قتل کیا چوبیس تھے جو انہی باون میں سے تھے اور اٹھائیس کے قتل کرنے میں وہ تمام مسلمانوں کے ساتھ شریک رہے تھے۔

شیخ مفید کی کتاب ''ارشاد'' کی روایت کے مطابق وہ لوگ جن کو امام علیؑ نے قتل کیا ان کو چھوڑ کر جن میں اختلاف ہے یا جن کے قتل میں وہ دوسروں کے ساتھ شریک رہے تھے پینتیس تھے۔

یہ حیرت کی بات ہے کہ محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب حیات محمدؐ میں معرکۂ بدر کا ذکر کیا ہے اور اس کو ان ہی کتابوں سے لیا ہے جو اس جنگ میں امام علیؑ کے جہاد اور بہادری کے ان حیرت خیز کارناموں کو نظر انداز نہیں کرتیں جو تاریخ نے کسی اور شخص کے متعلق بیان نہیں کی ہیں اور ان تمام کتابوں نے جن سے ہیکل نے مدد لی ہے یا دکھلایا ہے کہ امام علیؑ اس

جنگ میں سب سے بڑے بہادر ثابت ہوئے اور بیشتر مقتولین ان ہی کی تلوار سے قتل ہوئے تھے پھر بھی ان صاحب نے اس سے زیادہ نہیں لکھا کہ ''امام علیؑ، حضرت حمزہؓ اور دوسرے بہادر مسلمان اس جنگ میں کود پڑے اور ہر ایک اپنے آپ کو بھول گیا۔'' باوجودیکہ تاریخ و سیرت کی کتابوں میں کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ نے کسی فرد واحد کو قتل کیا ہو یا کسی کے قتل کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ شریک رہے ہوں پھر بھی ہیکل ان دونوں حضرات کی ایسی فضیلت بیان کرتے ہیں جو اُن کو ان تمام مسلمانوں سے بلند کردیتی ہیں جو بدر وغیرہ میں نبی اکرمؐ کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔

چنانچہ ان کا بیان ہے کہ نبی اکرمؐ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ تمہاری مثال فرشتوں میں میکائیلؑ اور انبیاءؑ میں عیسیٰؑ اور ابراہیمؑ کی سی ہے اور حضرت عمر سے فرمایا کہ تمہاری مثال فرشتوں میں جبرئیلؑ اور انبیاءؑ میں نوحؑ اور عیسیٰؑ کی سی ہے۔

یہ اس صورت میں جبکہ حضرت ابوبکر نے قیدیوں کو معاف کردینے کا اور حضرت عمر بن خطاب نے ان کو قتل کردینے کا مشورہ دیا تھا کہ خود آنحضرتؐ اپنے چچا عباس کے قتل کے لئے، امام علیؑ اپنے بھائی عقیل کے لئے اور حضرت حمزہؓ اپنے بھتیجے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے قتل کے لئے اقدام کریں کیونکہ یہ تینوں قیدیوں میں شامل تھے اور یہ کہ آنحضرتؐ مسلمانوں کو باقی قیدیوں کے قتل کرنے کا حکم دیں۔ حالانکہ حضرت عمرؓ خود جانتے تھے کہ یہ تینوں افراد مکہ میں نبی اکرمؐ سے دشمنوں کو دور رکھا کرتے تھے اور یہ ان لوگوں میں شامل تھے جو شعب ابوطالبؑ میں محصور ہوئے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ یہ لوگ مشرکوں کے ساتھ بادل ناخواستہ آئے تھے اور یہ کہ ان کے ذہن اسلام سے اور پیغمبر اسلامؐ کے لائے ہوئے تمام احکام پر ایمان سے بھرے ہوئے تھے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی نیت کیا تھی؟ اگر ان سے لی ہوئی یہ روایت صحیح ہے۔

بہرحال اس جنگ میں صرف چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے۔

جنگ ختم ہو جانے پر نبی اکرمؐ نے حکم دیا کہ مال غنیمت جمع کیا جائے اور مسلمان مقتولین دفن کردیئے جائیں۔ آنحضرت کے حکم سے مشرکوں کے مقتولین کو ایک بڑے گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ جب مسلمانوں نے ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ کے باپ عتبہ کو لے جاکر گڑھے میں ڈالا تو آنحضرتؐ نے دیکھا کہ ابوحذیفہ اداس اور مغموم ہو رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ اے ابوحذیفہ! شائد تم کو اپنے باپ کا کچھ خیال آرہا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں اے اللہ کے نبی! میں نے اپنے باپ کے قتل ہونے کے متعلق کوئی تردد نہیں کیا لیکن میں جانتا ہوں کہ میرا باپ صاحب رائے، حلیم اور ذی شرف تھا اور میں امید کرتا تھا کہ ان ہی وجوہ سے وہ اسلام کی طرف راہ پالے گا۔ البتہ جب میں نے دیکھ لیا کہ ان پر کیا گزری ہے اور مجھ کو یاد آیا کہ وہ میری امیدوں کے باوجود کفر ہی پر مرا ہے تو اس سے مجھ کو رنج محسوس ہوا۔ اس پر رسول اکرمؐ نے اس کو دعائے خیر دی۔

مسلمانوں نے قریش کے لشکرگاہ اور خیموں سے غنیمت کی چیزیں جمع کرلیں لیکن وہ یہ نہ جانتے تھے کہ یہ کس کو ملیں گی اور نبی اکرمؐ ان کا کیا کریں گے تو وہ آپس میں ان کے نمٹائے جانے کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے بلکہ لوگوں کے دلوں میں لالچ موجیں مارنے لگی۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے بھی ان کے خیالات کا احساس فرمالیا جو اُن لوگوں کے

ذہنوں میں گھوم رہے تھے۔ پس آنحضرتؐ نے خمس نکال کر ان کو مسلمانوں میں تقسیم فرمادیا جیسا کہ اس آیت میں حکم ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنَ السَّبِیْلِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعَانِ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ''اور سمجھ کو کہ جو کوئی چیز تم بطور غنیمت پاؤ تو اس کا خمس (پانچواں حصہ) اللہ کیلئے، اس کے رسول کیلئے اور رسول اللہؐ کے قرابتداروں، یتیموں مسکینوں اور پردیسیوں کیلئے ہے۔ اگر اللہ تم پر اور اس امداد پر جو ہم نے دونوں جماعتوں کی آویزش کے روز اپنے بندے پر نازل کی تھی ایمان لائے ہوئے ہو اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (سورۂ انفال: آیت ۴۱)

نبی اکرمؐ نے عبداللہ بن رواحہ اور زید بن حارثہ کو اس فتح کی خوشخبری سنانے کے لئے مدینہ بھیجا جو آنحضرتؐ کو حاصل ہوئی تھی۔ یہ دونوںؓ روانہ ہوگئے یہاں تک کہ عقیق پر پہنچ کر ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے۔ عبداللہ بن رواحہ نے مدینہ کے بلند علاقہ میں پہنچ کر پکار کر کہا کہ اے گروہ انصار! خوشخبری لو کہ تمہارے نبیؐ سلامت ہیں اور انہوں نے مشرکین کو قتل اور قید کرلیا ہے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹے، حجاج کے دونوں بیٹے، ابوجہل، زمعہ بن اسود، امیہ بن خلف یہ سب قتل ہوگئے۔ وہ ان لوگوں کے سامنے قتل ہونے والے اور قید ہونے والے مشرکوں کے نام جلدی جلدی لیتے گئے اور یہ خبر انصار کے گھروں میں پھیل گئی۔ چنانچہ لوگ استفسار حال کے لئے ان کے پاس جمع ہوگئے۔

زید بن حارثہ مدینہ میں نبی اکرمؐ کے ناقہ قصویٰ پر بیٹھے ہوئے داخل ہوئے اور وہاں کے لوگوں کو خوشخبری سناتے رہے۔ جب وہ نماز کی جگہ پہنچے تو انہوں نے اپنی پوری بلند آواز سے کہا کہ عتبہ و شیبہ اور فلاں فلاں قتل ہوگئے ہیں لیکن لوگ ان کو سچ نہ مان رہے تھے۔

مدینہ میں موجود منافقوں نے خبر پھیلادی کے نبی اکرمؐ قتل ہوگئے ہیں اور مسلمان ان سے علیحدہ ہوگئے ہیں۔ اس پر مزید یہ بھی کہا کہ زید بن حارثہ خوف اور بے چینی کے مارے سمجھ ہی نہیں رہے ہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ آنحضرتؐ کا ناقہ زید کے پاس ہے۔ اگر وہ فتحیاب ہوئے ہوتے تو ان کا ناقہ ان ہی کے پاس ہوتا۔ اسامہ بن زید کو معلوم ہوا کہ منافق اور یہودی کیا کہتے پھر رہے ہیں تو وہ اپنے باپ کے پاس گئے اور تنہائی میں ان سے پوچھا کہ کیا جو آپ کہہ رہے ہیں وہ صحیح ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ہاں قسم بخدا، اے میرے بیٹے، کل رسول اللہؐ اپنے ساتھ کے مسلمانوں اور قیدیوں کو لیکر آ رہے ہیں۔ اس پر مسلمانوں کو خبر کی صحت کے بارے میں اطمینان ہوگیا اور اس فتح پر جو اللہ نے اپنے رسول کو دی تھی خوشی منانے لگے۔ منافق اور یہودی اس کمزوری اور بے ہمتی پر جو مشرکین کو لاحق ہوئی تھی بہت پشیمان ہوئے۔ دوسری طرف مسلمان اللہ کی تہلیل و تکبیر کرتے ہوئے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہوئے مدینہ کی سڑکوں پر نکل پڑے۔

ادھر نبی اکرمؐ بدر سے مسلمانوں اور قیدیوں کو لے کر مدینہ کے لئے روانہ ہوئے یہاں تک کہ غروب آفتاب سے قبل اثیل کے مقام پر پہنچ گئے اور آپ نے شب وہیں بسر کی۔ ان قیدیوں میں نضر بن حارث ابن کلدۃ ثقفی بھی تھا جو بنی

عبدالدار سے تھا۔ اس کو مقداد بن اسود نے گرفتار کیا تھا۔ نبی اکرمؐ نے اس کی طرف نظر اٹھائی اور اس کو غور سے دیکھتے رہے۔ نضر نے اپنے برابر والے آدمی سے کہا کہ قسم بخدا! محمدؐ مجھ کو قتل کرنے والے ہیں کیونکہ انہوں نے مجھ کو دو آنکھوں سے دیکھا ہے جن میں موت ہے۔ اُس آدمی نے کہا کہ قسم بخدا! یہ تم کو صرف خوف اور دبدبے کی وجہ سے محسوس ہو رہا ہے۔ اب نضر مصعب بن عمیر کی طرف متوجہ ہوا جو اس پر رحمدل تھے اور کہا کہ اپنے سردار سے کہیئے کہ مجھ کو قیدیوں کی طرح رکھ لیں۔ اس پر مصعب نے اس سے کہا کہ تم تو آنحضرتؐ کے تمام اصحاب کو تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے۔ وہ کہنے لگا کہ لیکن بخدا اگر قریش تم کو گرفتار کرتے تو جب تک میں زندہ رہتا تم کو ہرگز قتل نہ کرسکتے۔ مصعب بولے کہ میں تم کو سچا مانتا ہوں لیکن میں تمہاری طرح نہیں ہوں کیونکہ اسلام نے عہد و پیمان منسوخ کردیئے ہیں۔

پھر نبی اکرمؐ نے امام علیؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ اٹھو اور نضر کی گردن ماردو۔ تب حضرت مقدادؓ چلائے کہ یارسول اللہؐ! یہ میرا قیدی ہے اور ان کو اس کے فدیہ کا لالچ تھا لیکن نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ ''اے اللہ مقدادؓ کو اپنے فضل سے دولت عطا کر۔ چنانچہ امام علیؑ اٹھے اور اس کی گردن اڑادی۔ یہ واقعہ ان لوگوں کے مدینہ کے راستے میں ''اثیل'' کے مقام پر ہوا۔

جب اس کی خبر اس کی بہن قتیلہ کو ملی تو اس نے اس کے ماتم میں اشعار کہے جن میں کچھ کا ترجمہ یہ ہے:

> ''اے شہسوار جس کے لئے اثیل کا مقام پانچویں صبح سے یاد کی علامت بن گیا ہے، تم صاحب توفیق تھے کہ تم کو وہاں موت آگئی۔ پس جب تک وہاں سوار آتے رہیں میرا سلام تم کو پہنچے نیز میرے آنسو جو کچھ بہہ رہے ہیں اور کچھ گھٹ گھٹ کر رہ جاتے ہیں۔ اگر مردے سن اور بول سکتے ہوں تو نضر کو میرا پکارنا سن لینا چاہئے کہ اس کے باپ کے بیٹوں کی تلواریں اس کو ڈھونڈ رہی ہیں اور سب رشتہ دار پراگندہ ہو رہے ہیں۔ وہ صبر کئے ہوئے بادل نخواستہ مدینہ لے جایا جارہا تھا۔ وہ جکڑا ہوا قیدی تھا اور اس کو بھروسا دے کر گرفتار کیا گیا تھا۔
>
> اے محمدؐ! آپ یقیناً اپنی قوم میں باعزت ماں کے بیٹے ہیں اور خود بھی شریف النسب سخی فرد ہیں۔ اگر آپ اس پر احسان فرماتے تو آپ کا کوئی نقصان نہ ہوتا۔ بارہا لوگ غصے کی حالت میں بھی احسان کرتے ہیں۔ جن کو آپ نے قتل کیا نضر رشتے میں ان سب سے زیادہ قریب تھا اور اگر آزاد کیا جانا ہوتا تو وہی ان سب میں زیادہ حقدار تھا۔''

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے یہ اشعار سنے تو آپ کا دل پسیج گیا اور آپ نے فرمایا کہ قسم بخدا! اس عورت کے یہ اشعار اس شخص کے قتل سے پہلے پہنچ جاتے تو میں اس کو قتل نہ کرتا۔

جب نبی اکرمؐ عرق الظبیہ پہنچے تو آپ نے عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا حکم دیا۔ جونہی اس کو اپنے قتل ہونے کا اندازہ ہوا وہ چلایا۔ میرے بچوں کا کیا بنے گا، اے محمدؐ؟ آپ نے فرمایا کہ ان کے لئے جہنم ہے اور امام علیؑ کو اس کے قتل کا حکم دیا پس انہوں نے اس کو قتل کردیا۔

نبی اکرمؐ مسلمانوں کے ایک گروہ کے ساتھ قیدیوں سے پہلے مدینہ میں داخل ہوئے، جب یہ لوگ داخل ہوئے تو زوجۂ نبی اکرمؐ، سودہ بنت زمعہ کی نظر ایک قیدی سہیل بن عمرو پر پڑی جس کے ہاتھ اس کی گردن میں رسی سے بندھے ہوئے تھے تو اس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگیں کہ اے ابویزید! تم نے اپنے آپ کو زندہ بچالیا اور شرافت کی موت کے بجائے اپنے ہاتھ سے اس حالت کو پہنچ گئے۔ اس پر نبی اکرمؐ نے گھر کے باہر ہی سے فرمایا کہ اے سودہ! کیا اللہ اور اس کے رسول کو بھڑکا رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ یارسول اللہؐ! قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق مبعوث فرمایا، میں نے ابویزید کو دیکھا اس کے ہاتھ اس کی گردن سے بندھے ہوئے ہیں تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے وہ بات کہی جو کہی۔

نبی اکرمؐ نے قیدیوں کو اپنے اصحاب میں تقسیم کردیا اور ان کو ہدایت کی کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اور پھر یہ غور فرمانے لگے کہ آیا ان کو قتل کردیں، جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب نے مشورہ دیا تھا کہ وہ خود اپنے چچا عباس کو قتل کریں اور علیؑ کو حکم دیں کہ وہ اپنے بھائی عقیل کو قتل کردیں اور حمزہؓ اپنے بھتیجے نوفل کو قتل کردیں اور مسلمانوں کو حکم دیں کہ وہ باقی قیدیوں کو قتل کر ڈالیں۔ یا یہ کہ سب کو معاف فرمادیں اور ان سے فدیہ لے لیں جو بیشتر مسلمانوں کی رائے تھی۔

آپ نے رات ان ہی دونوں صورتوں کا موازنہ کرنے میں گزاری اور تمام امکانات اور ان دونوں صورتوں سے پیدا ہونے والے نتائج کو حساب میں رکھا۔ بالآخر آنحضرتؐ نے یہ رائے قائم کی کہ معاف کردینا زیادہ افضل اور کشادہ دلی کا عمل ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ لوگ اس کے بعد ہدایت کی طرف آجائیں۔ ان میں کچھ افراد وہ بھی تھے جو بادل نخواستہ آئے تھے اور مکہ میں دعوت حق کے دوران آپ کو ان سے کوئی برائی نہیں ملی تھی۔ البتہ آنحضرتؐ نے ان پر یہ فرض کردیا کہ وہ اپنے آپ کو فدیہ دے کر آزاد کرالیں تاکہ مسلمانوں کو زندگی گزارنے کی امداد حاصل ہوجائے۔

بعض روایات میں ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ قرار دیا کہ جس کسی کو اچھا پڑھنا لکھنا آتا ہو وہ اپنے فدیے کے طور پر مسلمانوں کے بچوں کو یہ چیزیں سکھا دے اور فدیہ چار ہزار اور دو ہزار درہم کے درمیان ہوتا تھا۔ چنانچہ اللہ نے آنحضرتؐ پر سورۂ انفال کی آیات ۶۶ تا ۷۱ نازل فرمائیں جو فدیہ کے احکام سے متعلق ہیں:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَن يَكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ○ لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ○ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَنْ فِى اَيْدِيْكُم مِّنَ الْاَسْرٰى اِن يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا اُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ وَاِن يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ○ ''یہ ایک نبی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ کسی زمین پر اچھی طرح قبضہ جمائے ہوئے اس کے پاس قیدی ہوں۔ تم لوگ دنیا کی بھلائی کے خواہشمند ہو اور اللہ آخرت کی بھلائی چاہتا

ہے اور اللہ بڑا قوت والا اور دانا ہے۔ اگر اللہ کا حکم پہلے سے نہ آ گیا ہوتا تو جو کچھ تم نے لے لیا تھا اس پر بڑے عذاب میں گرفتار ہو جاتے۔ جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا اس کو حلال اور پاک کے طور پر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اے رسولؐ! جو قیدی تمہارے قبضے میں ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں نیکی پائے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو دے گا اور تمہاری خطاؤں کو بخش دے گا۔ اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اگر یہ لوگ تم سے فریب کرنا چاہتے ہیں تو یہ اللہ سے پہلے ہی فریب کر چکے ہیں۔ اسی لئے اللہ نے ان کے اوپر اختیار دیا ہے۔ اور اللہ جاننے والا اور دانا ہے۔

مفسرین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ اس آیت میں خطاب نبی اکرمؐ سے ہے یا عام مسلمانوں سے؟ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ نبی اکرمؐ کی طرف ہے اس حیرانی میں پڑ گئے ہیں کہ ظاہراً یہ آیت قیدی بنانا اس وقت تک حرام قرار دیتی ہے جب تک دعوت اس قدر مستحکم صورت اختیار نہ کر لے اور پھیل کر اس درجے قوت اختیار نہ کر لے کہ فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کرنے میں کوئی خوف نہ رہے۔ ایسی صورت میں نبی اکرمؐ نے اس کو کیسے جائز قرار دے دیا۔ زیادہ قابل قبول رائے یہ ہوئی کہ ان آیات میں خطاب مسلمانوں کی طرف ہے کیونکہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے مشرکین کو گرفتار کیا تھا۔ پس اللہ نے ان کو ڈانٹا ہے اور ان کو یہ صحیح بات بتلائی ہے کہ نبی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ قیدی بنائے، قبل اس کے کہ اس کا دین جم گیا ہو اور لوگوں میں پھیل گیا ہو۔ یہی طریقہ پچھلے انبیاءؑ میں بھی جاری تھا کہ جب وہ اپنے دشمنوں سے جنگ کرتے اور ان پر فتحیاب ہو جاتے تو ان کو قتل کی سزا دیتے تھے تاکہ دوسرے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ البتہ جب دین پھیل جاتا اور اپنے دشمنوں کی طرف سے امن و امان ہو جاتا، تب ان کے لئے یہ جائز ہوتا تھا کہ وہ قیدی بنا کر فدیہ حاصل کر لیں۔ لیکن اس کے باوجود کہ گزشتہ انبیاءؑ کا یہی طریقہ تھا، اللہ نے اس کو ان کے لئے جائز قرار دے دیا تھا جیسا کہ لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌo سے مطلب نکلتا ہے۔

یعنی اگر اللہ اس کو جائز قرار نہ دیتا تو تم اسیروں کا فدیہ لینے کی وجہ سے بڑے عذاب میں گرفتار ہو جاتے کیونکہ تم گزشتہ انبیاءؑ کے طریقے کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے ہو۔ دوسری آیت اسی کی تاکید کرتی ہے کہ جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس میں قیدیوں کا فدیہ بھی شامل ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتا ہے فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ''جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کو حلال اور پاک کے طور پر کھاؤ۔'' پھر اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان قیدیوں سے جنہوں نے فدیہ دیا ہے کہہ دیں کہ جب تم اسلام میں داخل ہو جاؤ گے اور اپنی گمراہی سے باز آ جاؤ گے تو اللہ تم کو اس سے بہتر بدلہ دے گا کہ جو کچھ تم نے اپنی جانوں کے فدیے کے طور پر دیا ہے يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَنْ فِي اَيْدِيكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰى اِن يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا اُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌo

المختصر نہ یہ آیات قیدی بنانے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں اور نہ ان کا خطاب نبی اکرمؐ کی جانب ہے بلکہ یہ مسلمانوں کو گزرے ہوئے انبیاءؑ کا طریقۂ عمل بتلاتی ہے جو اس لئے قیدی نہیں بنایا کرتے تھے کہ ان سے فدیہ وصول کریں قبل اس کے کہ ان کا دین زمین پر قائم ہو بلکہ دراصل یہ فدیہ کے جواز کو ثابت کرتی ہیں جیسا کہ لَوۡلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمۡ فِيۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ۝ سے ظاہر ہوتا ہے۔

جب مسلمان مدینہ میں آ کر ٹھہر گئے اور قیدیوں نے اپنے کو فدیہ دے کر آزاد کرانا شروع کیا تو نبی اکرمؐ نے اپنے چچا عباس سے کہا کہ اے عباس! آپ اپنا، اپنے بھائیوں کے بیٹوں عقیل بن ابی طالبؓ اور نوفل بن حارث اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو بن جحدم کا فدیہ دے دیجئے کیونکہ آپ کے پاس بہت دولت ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یارسول اللہؐ! میں تو مسلمان تھا، یہ لوگ مجھ کو میری خواہش کے خلاف لے آئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ آپ کے اسلام کو تو اللہ ہی جانتا ہے۔ اگر جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ صحیح ہے تو اللہ آپ کو اس کا اچھا اجر دے گا۔ البتہ ظاہر میں آپ ہمارے خلاف تھے۔

رسول اللہؐ نے ان سے بیس اوقیہ (اونس) سونا لیا تھا۔ عباس بن عبدالمطلب نے کہا کہ اس کو میرے فدیہ میں لگا لیجئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نہیں یہ چیز تو اللہ نے آپ سے ہم کو دلوائی ہے۔ اس پر وہ بولے کے میرے پاس اس کے علاوہ کچھ مال نہیں ہے۔ تب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ وہ مال کہاں ہے جو آپ نے مکہ سے چلتے وقت امّ الفضل بنت حارث سے رخصت ہوتے وقت رکھوایا تھا اور ان سے کہا تھا کہ اگر میں سفر میں ختم ہوگیا تو اتنا فضل کے لئے ہے، اتنا عبداللہ کے لئے، اتنا قثم کے لئے اور اتنا عبیداللہ کے لئے۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو برحق مبعوث کیا، اس کا علم میرے اور امّ الفضل کے علاوہ کسی کو نہ تھا۔ بے شک میں سمجھ گیا کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا، اپنے بھائیوں کا اور اپنے حلیف کا فدیہ ادا کر دیا۔

اہل مکہ اپنے اپنے قیدیوں کے لئے فدیہ بھیجتے رہے۔ ان ہی قیدیوں میں عمرو بن ابی سفیان بھی تھا۔ اس کے باپ سے کہا گیا کہ تم بھی اپنے بیٹے کے لئے فدیہ بھیج دو تو وہ بولا کہ میں جان اور مال دونوں نہیں کھو سکتا۔ ان لوگوں نے حنظلہ کو تو قتل کر دیا اور اب میں عمرو کا فدیہ ادا کروں۔ اس کو ان ہی کے پاس رہنے دو، وہ جو جی چاہے اس کے ساتھ کریں۔

عمرو بن ابی سفیان مسلمان کے ہاتھوں میں قید رہے یہاں تک کہ سعد بن نعمان بن اکال جو بنی عمرو بن عوف سے تھے، عمرہ کرنے کے لئے مکہ پہنچے۔ ان کو خیال تھا کہ قریش عمرہ اور حج کرنے والوں کو نہ روکیں گے۔ لیکن ابوسفیان نے ان پر چڑھائی کر کے ان کو مکہ میں اپنے بیٹے عمرو کے بدلہ میں قید کر لیا حالانکہ وہ بہت بوڑھے آدمی تھے۔ اس پر عمرو بن عوف کے بیٹوں نے رسول اللہؐ کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ عمرو بن ابی سفیان کو ان کے حوالہ فرما دیں تا کہ وہ ابوسفیان سے اپنا قیدی اس کے عوض حاصل کر لیں۔ رسول اللہؐ نے ان کی یہ درخواست قبول فرما لی۔ چنانچہ آپ نے اس کو ابوسفیان کے پاس بھیج دیا اور اس نے ان کا قیدی رہا کر دیا۔

مورخ اور سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ کی بیٹی زینبؓ کا شوہر ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ جنگ بدر میں مشرکوں کے ساتھ تھا اور مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوگیا تھا۔ اس کی ماں حضرت خدیجہؓ کی حقیقی بہن تھیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور نبی اکرمؐ نے اپنی بیٹی زینبؓ کی شادی حضرت خدیجہؓ کی خوشنودی کی خاطر اس سے کردی تھی اور وہ ان کو خوش رکھتا تھا یہاں تک کہ قریش نے جب اس سے علیحدہ کردینے کو کہا تو اس نے ان کی بات نہ مانی جیسا کہ ابولہب نے کیا تھا جس کو اپنی جھوٹی عزت کا خیال تھا۔

جب زینب کو علم ہوا کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہوگیا ہے تو انہوں نے کچھ مال اس کے فدیے کے لئے بھیجا جس میں وہ گلوبند بھی تھا جو اُن کی والدہ معظّمہ نے ان کو شب زفاف دیا تھا۔ رسول اللہؐ نے اس کو دیکھا تو غمگین ہوگئے۔ آپ کو حضرت خدیجہؓ، ان کا حسن سلوک اور ان کی وفا یاد آ گئی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے کہا کہ اگر تمہاری رائے ہو تو زینب کے قیدی کو چھوڑ دو اور جو مال انہوں نے بھیجا ہے وہ بھی واپس کردو۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہ آپؐ پر منحصر ہے اے اللہ کے رسولؐ۔ اس طرح اس کو بغیر فدیے کے چھوڑ دیا گیا۔ البتہ رسول اللہؐ نے اس سے وعدہ لے لیا کہ مکہ پہنچنے پر آپ کی بیٹی زینب کو آپ کے پاس بھیج دے گا۔

اس نے وہاں پہنچتے ہی ان کو تیار کرکے اپنے بھائی کنانہ بن ربیع کے ساتھ روانہ کردیا اور انصار کے ایک شخص زید بن حارثہ کو مکہ کے قریب ایک مقام پر جو اُن سب کے لئے مقرر کردیا تھا بھیج دیا تاکہ یہ دونوں مدینہ تک ان دونوں کے ساتھ رہیں لیکن جب ابوسفیان کو اس کا علم ہوا تو وہ مشرکین میں سے کچھ لوگوں کے ساتھ زینب کی تلاش میں نکلا اور جب لوگوں نے خاتون کو دھمکایا تو کنانہ ان کو بچانے کیلئے سختی سے ڈٹ کر مرنے مارنے پر تیار ہوگیا۔ تب ابوسفیان نے اس کو مشورہ دیا کہ اس وقت ان کو واپس لے جائے اور دوسرے روز رات کی تاریکی میں ان کو نکال لے جائے تاکہ کسی کو اس امر کا علم نہ ہونے پائے۔ چنانچہ جس طرح ابوسفیان نے رائے دی تھی کام اسی طرح پورا ہوگیا اور وہ مدینہ میں اپنے والد پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ اقامت پذیر ہوگئیں۔ یہاں تک کہ ان کا شوہر ۶ھ میں قریش کا مال تجارت لیکر شام کی طرف روانہ ہوا اور واپسی پر رسول اکرمؐ کے بھیجے ہوئے ایک لشکری دستے سے برسرپیکار ہوگیا اور اس کے ساتھ کا سب مال ان لوگوں کو مل گیا اور وہ خود فرار ہوگیا۔ جب یہ لشکری دستہ مدینہ واپس آ گیا تو یہ شخص ایک رات کو چپکے سے مدینہ میں داخل ہوکر زینب کے گھر میں داخل ہوگیا جبکہ اسلام نے ان دونوں میں علیحدگی قرار دیدی تھی۔ چنانچہ اس نے ان سے پناہ مانگی اور انہوں نے اس کو پناہ دیدی۔

جب نبی اکرمؐ صبح کی نماز کے لئے برآمد ہوئے تو وہ بھی عورتوں کے ساتھ نکلیں۔ جب نبی اکرمؐ اپنی نماز سے فارغ ہوئے اور آپ نے چلنے کا ارادہ فرمایا تو زینب نے عورتوں کی صفوں کے درمیان سے کھڑے ہو کر کہا کہ اے لوگو! میں نے ابوالعاص کو پناہ دی ہے۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے مجھے اس معاملہ کے بارے میں کچھ پتہ نہ تھا یہاں تک کہ میں نے وہی سنا جو تم سب نے سنا۔ پھر آپ ان

کے گھر گئے اور آپ نے ان سے فرمایا کہ اے میری بیٹی اس کی اچھی طرح عزت کرو لیکن وہ تمہارے ساتھ تنہائی کا معاملہ نہ کرے کیونکہ تم اس کے لئے حلال نہیں ہو۔

سیرت کی بیشتر کتابوں میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ اس لشکری دستے کے پاس گئے جس نے اس شخص کے مال پر قبضہ کرلیا تھا اور آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ یہ ہم سے ہے جیسا کہ تم جانتے ہو اور تم نے اس کا مال حاصل کرلیا ہے۔ اگر تم وہ مال واپس کردو جو اس سے لیا ہے تو یہ مجھ کو بہت پسند ہوگا۔ اگر تم نہ مانو تو وہ ایسی چیز ہے جو اللہ نے تم کو دی ہے اور تم اس کے سب سے زیادہ حقدار ہو۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہؐ! ہم یہ مال اُسی کو واپس کئے دیتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے نبی اکرمؐ کی خوشنودی کی خاطر یہ بات قبول کرلی اور اس کو سارا مال واپس کردیا۔ پس وہ اس مال کو مکہ لے گیا اور اس کے مالکوں کے سپرد کردیا۔

پھر اس نے اعلان کیا کہ اے گروہ قریش! تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جس کا مال میرے پاس ہو اور اس نے وہ مجھ سے نہ لے لیا ہو؟ ان سب نے کہا کہ اللہ تم کو جزائے خیر دے، تم نے ہماری امانت پوری پوری ادا کردی اور ہم نے تم کو وفادار اور سخی پایا۔ تب اس نے لوگوں سے کہا کہ قسم بخدا! مجھ کو کسی چیز نے آنحضرتؐ کے سامنے اسلام قبول کرنے سے نہیں روکا سوائے اس کے کہ مجھ کو ڈر تھا کہ تم لوگ یہ خیال کرتے کہ میں تمہارا مال کھانا چاہتا ہوں لیکن اب میں نے وہ سب تم لوگوں کو واپس کردیا ہے اور اس سے بری الذمہ ہوگیا ہوں تو اپنے اسلام کا اعلان کررہا ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔'' اس کے بعد وہ مسلمان ہوکر مدینہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنی بیٹی زینبؑ کو اس کے پاس پہلے نکاح کی بنا پر واپس بھیج دیا جبکہ اسلام نے ان دونوں کو پانچ سال سے علیحدہ کر رکھا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ نبی اکرمؐ نے ان کو اس کے پاس واپس بھیج دیا لیکن یہ کہ آنحضرتؐ نے ان کو پہلے ہی نکاح کی بنا پر نیا نکاح کئے بغیر بھیج دیا ہو ثابت نہیں ہے کیونکہ اسلامی احکام اس پر زور دیتے ہیں کہ اگر بیوی شوہر سے پہلے اسلام میں داخل ہو جائے اور شوہر شرک پر قائم رہے تا آنکہ عورت عدت پوری کرلے تو وہ مرد سے علیحدہ ہو جائے گی اور کسی دوسرے شخص کے لئے حلال ہوسکے گی۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ پہلے نکاح کا اثر باطل ہوجاتا ہے۔ پس اس کے لئے نیا نکاح کرنا ضروری ہے۔ یہی اہلبیتؑ میں سے ائمہ ہدیٰ کا مذہب رہا ہے جو اُن احکام سے مختلف نہیں ہے جو اللہ نے ان کے جد اعظم رسول اللہؐ پر نازل فرمائے ہیں۔ البتہ اگر شوہر عدت کے ایام پورے ہونے سے پہلے اسلام قبول کرلے تو وہی اس عورت کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ضرور نبی اکرمؐ نے ان کو اس کے پاس نئے نکاح کے بعد ہی واپس بھیجا ہوگا جیسا کہ قوانین شریعت کا تقاضا ہے۔

اسلام میں شراب کی حرمت

چند محدثوں اور سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ امام علیؑ جنگ بدر کے بعد حضرت فاطمہؑ کو اپنے گھر لے گئے جبکہ نبی اکرمؐ نے اس جنگ سے قبل آپ کا نکاح کردیا تھا۔ جب آپ ان کو لے جانے کی تیاری کررہے تھے تو آپ نے اپنی دواونٹنیاں انصار میں سے ایک کے حجرے کے قریب باندھ دی تھیں۔ وہ خود ان کے قریب نہیں تھے کہ اتنے میں حضرت حمزہؓ کہیں سے ان اونٹنیوں کے پاس جا پہنچے اور نشہ ان پر طاری تھا جس نے ان کی عقل وخرد زائل کردی تھی۔ انہوں نے ان دونوں اونٹنیوں پر حملہ کرکے ان کے پیٹ چاک کردیئے اور ان کے جگر باہر نکال کر چل دیئے۔ امام علیؑ نے ان دونوں کی یہ حالت دیکھی اور ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ ان کے چچا حضرت حمزہؓ نے ان کے ساتھ کیا ہے تو وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں ان کی شکایت کرنے کے لئے گئے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ اٹھ کر ان کے ساتھ اونٹنیوں کے پاس تشریف لے گئے پھر اس مقام پر گئے جہاں حضرت حمزہؓ تھے اور وہ اب بھی نشہ میں چور تھے اور ان کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔ حضرت حمزہؓ نے نبی اکرمؐ پر نظر ڈالی اور آنحضرتؐ کو گھورتے رہے پھر بولے کہ ''تم لوگ آج کے بعد سے میرے باپ کے غلام ہو۔'' پس نبی اکرمؐ ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔

اس کہانی کے بیان کرنے والے اس کے بعد یہ بھی کہتے ہیں کہ اس روز تک اسلام نے شراب کو حرام قرار نہیں دیا تھا۔ اس حدیث کو مسلم اور بخاری دونوں نے اپنی اپنی صحیح میں محمد بن شہاب کی بیان کی ہوئی روایتوں میں شامل کیا ہے۔ یہ وہی شخص ہے جو بنی امیہ کے محلوں میں رہتا اور ان کے دسترخوانوں پر کھانے اڑاتا رہتا تھا اور وہ لوگ اس کے اوپر سرکاری خزانہ سے جو وہ چاہتا تھا لٹاتے رہتے تھے۔ ہم نے اس کے کوائف زندگی اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں اور اسی کتاب کی پچھلی فصلوں میں بیان کئے ہیں۔ ان آیات کے مطالعہ سے جن میں شراب اور اس کی خرابیوں کا ذکر ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت جنگ بدر سے پہلے بلکہ نبی اکرمؐ کی ہجرت سے قبل ہوگئی تھی۔ چنانچہ ان آیات میں سے جو اس کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں سورۂ اعراف کی آیتیں ہیں: اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ''کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے بدکاریوں کو خواہ کھلی ہوئی ہوں یا چھپی ہوئی اور اثم کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔'' سورۂ اعراف نبی اکرمؐ پر ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ بیشتر مفسرین کا کہنا ہے کہ اثم کے معنی شراب کے ہیں اور اس کا یہ نام عرب میں عام طور پر مشہور تھا۔ چنانچہ اس کے متعلق ایک شاعر نے کہا ہے:

''میں نے اثم پیا یہاں تک کہ میری عقل زائل ہوگئی۔ کیونکہ اثم عقل کے ساتھ ہی ایسا کرتا رہتا ہے۔''

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

''رسول اکرمؐ نے ہم کو گندی باتیں کرنے سے منع فرمایا اور یہ کہ ہم اثم نہ پیا کریں جو گناہوں کا باعث ہوتا ہے۔'' (مجمع البیان، جلد۳، تفسیر سورۂ اعراف)

تفسیر رازی میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اثم خاص شراب کے لئے آیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شراب کے بیان میں فرماتا ہے کہ اِثْمُھُمَا اَکْبَرُ مِن نَّفْعِھِمَا اس کا گناہ اس کے فائدہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ (امام فخرالدین رازی، جز۱۳، تفسیر سورۂ اعراف)

علامہ طباطبائیؒ تفسیر المیزان میں لکھتے ہیں کہ قرآن شریف اسلام میں شراب کی حرمت ہجرت سے پہلے سے قرار دیتا ہے اور وہ آیتیں جو بعد میں نازل ہوئیں اس کی حرمت پر شدت اور تاکید ظاہر کرتی ہیں۔

جو شے اس امر پر زور دیتی ہے کہ شراب کی حرمت اسلام کے ابتدائی زمانہ سے ہے وہ یہ ہے کہ شراب بالاتفاق گناہ کبیرہ ہے اور سارے گناہان کبیرہ سے رسول اللہؐ نے مکہ ہی میں منع فرمادیا تھا۔

اس کی طرف سورۂ مائدہ کی یہ آیت اشارہ کرتی ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالاَنْصَابُ وَالاَزْلاَمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، شراب، جوا، بت اور تیروں سے فال نکالنا بُرے شیطانی کام ہیں لہٰذا ان سے پرہیز کرو۔''

گویا یہ آیت واضح کرتی ہے کہ شراب شیطانی کام ہے اور ہر نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شیطانی کاموں سے برسرپیکار رہے، ان سے منع کرے اور ان کو اپنی بعثت کے اول روز سے حرام قرار دے۔

طبرانی نے معاذ بن جبل کے طریق روایت سے بیان کیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے سب سے پہلے شراب کے پینے اور لوگوں کو آپس میں جھگڑا کرنے سے منع فرمایا اور شراب بعثت کے ابتدائی زمانہ ہی میں حرام قرار دے دی گئی تھی۔

اس کی تائید ابن ہشام کی اس روایت سے ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی ''سیرت'' میں خلاد بن قرۃ وغیرہ سے بیان کی ہے کہ اعشیٰ بن قیس اسلام قبول کرنے کے ارادے سے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے رسول اللہؐ کی مدح میں یہ شعر پڑھا:

''آپ کی آنکھیں رات میں سوتی نہیں ہیں جیسے وہ شخص جس کی آنکھ میں تکلیف ہو اور آپ رات بے عیب جاگنے والے کی طرح بسر فرماتے ہیں۔''

جب وہ مکہ کے قریب پہنچا تو اس کو قریش کے کسی مشرک نے ٹوکا اور اس کا حال پوچھا تو اس نے اس کو بتادیا کہ وہ رسول اللہؐ سے ملنے جارہا ہے تاکہ اسلام قبول کرلے۔ تب اس نے اس سے کہا کہ اے ابوبصیر! (حضرت) محمدؐ زنا کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اس پر اعشیٰ نے کہا کہ قسم بخدا! یہ ایسا معاملہ ہے جس میں مجھ کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تب اس نے اس سے

کہا کہ وہ شراب کو بھی حرام قرار دیتے ہیں۔ ہاں یہ ایسی چیز ہے جس میں خود خرابیاں ضرور ہیں لیکن میں واپس جا کر اس سال تو اس سے شغل رکھوں گا پھر آ کر اسلام قبول کروں گا۔ چنانچہ وہ واپس چلا گیا لیکن اسی سال مر گیا اور رسول اللہؐ کی خدمت میں واپس نہیں آیا۔

شیخ کلینیؒ کی کافی میں علی بن یقطین سے اور انہوں نے امام ابوالحسنؑ سے روایت کی ہے کہ امامؑ نے اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ کی تفسیر میں فرمایا کہ مَاظَهَرَ مِنْهَا کھلم کھلا زنا اور جھنڈوں کا نصب کرنا ہے جو بدکار عورتیں زمانۂ جاہلیت میں لگایا کرتی تھیں۔ وَمَابَطَنَ بیٹوں کا اپنے باپ کی بیویوں سے نکاح کرنا ہے۔ کیونکہ نبی اکرمؐ کی بعثت سے پہلے جب کسی شخص کی بیوی زندہ ہوتی اور وہ اس سے پہلے مر جاتا تھا تو اس کے بعد اس کا بیٹا اس سے نکاح کر لیتا تھا اگر وہ عورت اس کی ماں نہ ہوتی۔ اللہ نے اس طریقے کو حرام قرار دیدیا اور اثم سے مراد شراب ہے۔

اس کے علاوہ یہ متفق علیہ ہے کہ سورۂ بقرہ نبی اکرمؐ پر ہجرت کے ابتدائی زمانے میں جنگ بدر اور دوسرے غزواتؐ سے قبل نازل ہوئی تھی۔ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

> یَسْأَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَاo ”آپ سے لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدہ ہے اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ سنگین ہے۔“ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۱۹)

اس آیت میں شراب کی حرمت جوئے کی حرمت کے ساتھ ساتھ وارد ہے جس کے بارے میں کسی کو شک نہیں ہے کہ یہ تمام شریعتوں اور مذہبوں میں حرام مانا جاتا ہے۔

اس کے باوجود کتب حدیث میں ہے کہ بڑے بڑے صحابہ میں سے ایک جماعت سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء کی آیتوں کے نازل ہونے کے بعد بھی اس کو پیتے رہے۔ چنانچہ درمنثور میں ہے کہ صحابہ میں سے ایک نے شراب پی اور وہ نماز میں شامل ہو گئے جبکہ وہ اول فول بک رہے تھے۔ اس وقت اللہ کا حکم نازل ہوا:

> یَااَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی. ”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو نماز کے قریب مت جاؤ جب کہ تم نشہ میں ہو۔“

اس کے باوجود مسلمان اس کو پیتے رہے۔ ان ہی پینے والوں میں حضرت عمر بھی تھے جیسا کہ زمخشری کی ربیع الابرار کے حوالہ سے تفسیرالمیزان کی چھٹی جلد میں آیا ہے کہ انہوں نے مستی میں عبدالرحمٰن بن عوف کی داڑھی کھینچی اور اونٹ کی جبڑے والی ہڈی سے ان کا سر پھاڑ دیا اور پھر بدر کے مقتولین پر اسود بن یعفر کے یہ اشعار پڑھ پڑھ کر نوحہ کرنے لگے:

> ”کتنے ہی کنوئیں بدر کے کنوئیں جیسے ہیں جہاں رقاصائیں اور عمدہ عمدہ پینے کی چیزیں

ہوتی ہیں۔ کتنے ہی کنوئیں بدر کے کنوئیں جیسے ہیں جہاں کے راستوں پر بڑے لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔ کیا یہ محمدؐ ہم سے کہتے ہیں کہ ہم عنقریب پھر سے زندہ ہوجائیں گے؟ بھلا زنگ آلود چیزیں اور کھوپڑیاں کیسے زندہ ہوں گی؟ وہ مجھ سے موت کو تو دور کرنہیں سکتے تو جب میری ہڈیاں گل سڑ جائیں گی تو وہ مجھ کو زندہ کیسے کردیں گے؟"

اس کی اطلاع رسول اللہؐ کو پہنچی تو آپ غصہ میں بھرے ہوئے اور اپنی چادر کھینچتے ہوئے برآمد ہوئے۔ آپ نے اپنے ہاتھ میں لی ہوئی چیز کو اوپر اٹھایا تاکہ ان کو ماریں لیکن وہ کہنے لگے کہ میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَن يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ٥ "بس شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں کے مابین شراب اور جوئے کے ذریعہ سے دشمنی اور سرکشی ڈال دے اور تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے ہٹادے۔ پس تو کیا تم اب بھی اس سے نہ بچو گے؟" (سورۂ مائدہ: آیت ۹۱)

اسی طرح اور بہت سی روایات ہیں جو صراحت کرتی ہیں کہ شراب کی حرمت کے بارے میں متعدد آیات کے نازل ہونے کے باوجود بڑے بڑے صحابہ اس کو پیتے رہے۔ (تفسیر المیزان علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ، جلد ۶، صفحہ ۱۳۳)

مختصر یہ کہ اس میں شک نہیں کہ اس کی حرمت بعثت کے ابتدائی دور میں نبی اکرمؐ کی ہجرت سے پہلے ہی ہوگئی تھی اور وہ روایت جو حضرت حمزہؓ کے متعلق بیان ہوتی ہے کہ انہوں نے ہجرت کے تیسرے سال میں شراب پی اور یہ کہ انہوں نے امام علیؑ کے دو اونٹوں کے پیٹ پھاڑ ڈالے تھے، زہری کی ساختہ پرداختہ ہے جس نے اس کو ان جملہ روایتوں کی طرح گھڑا جو اس نے بنی امیہ کے لئے بنی ہاشم میں برائی نکالنے کے لئے گھڑی تھیں۔

اسی طرح مجھ کو اس میں بھی شک ہے جو اس قسم کی چیزیں حضرت عمر اور حضرت ابوبکر سے منسوب کی جاتی ہیں۔ خصوصاً اس لئے کہ یہ دونوں حضرات نبی اکرمؐ سے متصل رہتے تھے اور یہ بعید ہے کہ وہ اس قسم کا کوئی فعل کرتے جبکہ رسول اکرمؐ نے اور حرام چیزوں کے ساتھ اس سے بھی منع فرمایا تھا۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف کی آیتیں نازل ہونے کے بعد اس کی حرمت ان دونوں حضرات سے کیسے مخفی رہ سکتی تھی؟ البتہ سورۂ مائدہ وغیرہ کی آیتیں جو اس کی حرمت سے متعلق ہیں، لوگوں پر اس کی تاکید کے لئے آئی ہیں تاکہ لوگ اس کے پینے میں نرمی سے کام نہ لیں۔

— ۱۱ —

بدر و اُحد کے درمیان

اس میں شک نہیں کہ ان نتائج نے جو جنگ بدر سے پیدا ہوئے تھے۔ قریشیوں، یہودیوں، منافقوں اور ان کے طرز پر چلنے والے ایسے عربوں کے ذہنوں پر جو اب تک شرک پر قائم تھے کاری زخم لگایا تھا۔ اب ان میں اتنا حوصلہ نہ تھا کہ وہ دعوت اسلامی کے مقابلے پر اسی ولولے سے کھڑے ہوجائیں جیسا قریش اور ان کے یہودی اور منافق ساتھیوں سے ظاہر ہوا تھا۔ یہ زخم ان کے دلوں کا خون بہائے جارہا تھا اور اس روز تک بہائے جانے والا تھا جب تک وہ دن آئے کہ یہ لوگ حضرت محمدؐ اور آپ کے پیروؤں سے اس خون کا بدلہ لیں۔ چنانچہ قریش اپنی طرف سے بدلہ لینے کے لئے تیاری کرنے میں لگ گئے۔

انہوں نے اپنے مقتولین پر رونا شروع کیا حالانکہ اس سے پہلے انہوں نے رونا اور نوحہ کرنا منع قرار دیا تھا لیکن انہوں نے دیکھا کہ رونا خیالات کو برانگیختہ کرتا ہے اور جذبات کو ابھارتا ہے۔ چنانچہ عورتیں رات دن نوحہ کر کے لوگوں کے شعور کو بیدار کرتی رہیں۔ اس عمل میں وہ کسی شخص کا سواری کا ناقہ یا گھوڑا لے آتیں اور اس کے گرد نوحہ کر کے بدر اور اس کے واقعات بیان کرتیں۔ قریش اسی حالت پر چلتے رہے اور ان کو کوئی اور فکر نہ تھی سوائے خون کے بدلے کی تیاری اور کارزار کی غرض سے ذہنوں کو آمادہ کرنے کے۔ لیکن ہند باوجود اس کے کہ اس کا باپ، بھائی اور چچا مارے گئے تھے رونے سے یا غم کے اظہار کرنے سے انکار کئے رہی کیونکہ اس کو اپنے خیال میں یہ خوف تھا کہ اس سے حضرت محمدؐ اور آپ کے ساتھی خوش ہوں گے اور اس نے اپنے تئیں یہ عہد کرلیا تھا کہ جب تک حضرت محمدؐ اور آپ کے اصحاب سے بدلہ نہ لے لے گی روئے گی نہیں۔

قریش نے اونٹوں کے اس قافلے کو جس کی وجہ سے جنگ بدر واقع ہوئی تھی دارالندوہ پر جمع کیا۔ یہ قافلہ ایک ہزار اونٹوں اور ان پر لدے ہوئے مال پر مشتمل تھا۔ پھر عبداللہ بن ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور ان کے علاوہ قریش کے معزز افراد اور وہ لوگ جن کے باپ، بیٹے اور بھائی اس جنگ میں مارے گئے تھے ابوسفیان اور ان لوگوں کے

پاس گئے جن کا حصہ اس مال میں شامل تھا اور ان سے کہا کہ اے گروہ قریش! (حضرت) محمدؐ نے تمہارے عزیزوں کو مار ڈالا اور تمہارے اچھے اچھے افراد کو قتل کر دیا۔ پس اس مال میں سے ان سے جنگ کرنے کے لئے ہماری مدد کرو تا کہ ہم ان سے اپنے مقتولین کا بدلہ لیں اور اپنے دلوں کو خوش کریں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ اس مال کے نفع سے ان سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکر تیار کریں۔ اس پر ابوسفیان بولا کہ میں سب سے پہلے اس کو قبول کرتا ہوں اور بنی عبد مناف بھی میرے ساتھ ہیں اس قافلے میں ان کے سو اونٹ تھے۔ پس ان لوگوں نے پچاس ہزار دینار میں ان سب کا مال بیچ ڈالا۔ اس میں سے ان لوگوں نے ۲۵ ہزار دینار کا نفع لے لیا اور اصل مال مالکوں کو واپس کر دیا۔ ہر دینار پر ایک دینار نفع ہوا تھا۔ اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

> اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۝ ”وہ لوگ جو اپنا مال اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں رکاوٹ پیدا کریں، اس کو وہ خرچ کرلیں گے پھر وہ ان کے لئے باعث افسوس ہو جائے گا اور پھر وہ ہار جائیں گے اور جو لوگ کفر اختیار کئے رہیں گے وہ جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے۔“ (سورۂ انفال: آیت ۳۶)

اب قریش نے جنگ کرنے اور طلب انتقام کی تیاری شروع کر دی تھی۔ انہوں نے مکہ سے باہر اپنے ایلچی بھیجے جو حضرت محمدؐ اور آپ کے اصحاب کی برائیاں کرتے پھرتے اور عربوں کو قریش کی نصرت پر بھار کر آنحضرتؐ کو ان کا خطرہ بڑھنے سے پہلے ختم کر دینے پر آمادہ کرتے تھے۔ اس بلانے اور باخبر کرنے کی مہم کے لئے ایک جماعت کھڑی ہوگئی جس میں عمرو بن عاص، ہبیرہ بن وہب، ابن زبعری اور ابوغرہ جمحی، مسافع بن عبداللہ جمحی شامل تھے۔ ابوغرہ اور مسافع شعر کہتے تھے کیونکہ اس زمانے میں شعر کو عوام پر اثر ڈالنے اور جذبات کے ابھارنے کی قوت حاصل تھی۔ ابوغرہ جنگ بدر میں مشرکوں کے ساتھ شامل رہا تھا اور مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا تھا لیکن جب اس نے نبی اکرمؐ سے فریاد کی تو آنحضرتؐ نے اس پر احسان فرما کر اس کو اس شرط پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہ کرے گا اور نہ مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شریک ہوگا۔ نبی اکرمؐ نے اس کو آزاد کر دیا تو صفوان نے جا کر اس سے کہا کہ تم شاعر ہو اپنی زبان سے ہماری مدد کرو۔ میرا یہ تم سے وعدہ ہے کہ تم واپس آ گئے تو تم کو مالا مال کر دوں گا اور اگر تم مر گئے تو تمہاری لڑکیوں کو اپنے بچوں میں شامل کرلوں گا۔ اس پر اس نے کہا کہ محمدؐ نے مجھ پر احسان کیا ہے اور مجھ سے عہد لیا ہے کہ میں ان کے خلاف کسی کی مدد نہ کروں گا۔ اس نے کہا کہ ہماری تو مدد ضرور کرو خواہ صرف اپنی زبان ہی سے سہی اور اس سے لگے رہے یہاں تک کہ اس کو منوا لیا۔ چنانچہ اس نے تہامہ جا کر بنی کنانہ کو دعوت دی اور اپنے اشعار کے ذریعے سے ان کو قریش کا ساتھ دینے پر آمادہ کیا۔ اسی طرح مسافع بن عبداللہ جمحی بنی مالک کی طرف گیا اور اس نے ان کو قریش کے ساتھ جنگ پر چلنے کے لئے تیار کیا اور ان کو وہ بھائی چارہ کا معاہدہ دیا دلایا جو اُن کے اور قریش کے درمیان تھا۔

تاریخ ابن سعد میں ہے کہ ابوغرہ جنگ احد میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوگیا تو نبی اکرمؐ نے اس کے قتل کیے جانے کا حکم دیا۔ اس نے آنحضرتؐ سے فریاد کی جس طرح جنگ بدر کے روز کی تھی۔ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ ''مومن ایک ہی سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا'' ہم نے تجھ پر اس سے پہلے احسان کیا تھا اور تجھ سے وعدہ لے لیا تھا کہ ہمارے خلاف کسی کی مدد نہ کرے گا، تو اپنے عہد پر قائم نہیں رہا، تو آج ہم تجھ کو نہ چھوڑیں گے کہ تو مکہ جا کر فخریہ کہتا پھرے کہ میں نے محمدؐ کے ساتھ دومرتبہ چال چلی۔

قریش نبی اکرمؐ پر مدینہ میں حملہ کرنے کی تیاری کرتے رہے۔ احد کی جنگ اس فوری شکست کا نتیجہ تھی جو قریش کو ہوئی تھی۔ نیز اس کامیابی کا اثر جو مسلمانوں کو بدر میں حاصل ہوئی تھی، قریش کو روک دینے اور ان کے یہ ارادہ کر لینے ہی تک محدود نہیں رہا کہ وہ حضرت محمدؐ اور آپ کے ساتھیوں سے بدلہ لیں گے بلکہ اس کا اثر خاص مدینہ میں بھی ہوا کیونکہ بدر کے بعد یہودیوں اور منافقوں کو اندازہ ہوگیا کہ اس کامیابی نے مسلمانوں کی قوت کو بڑھا دیا ہے اور یہ فرد واحد جو اپنے چند ساتھیوں کو لے کر دو سال پہلے اپنے شہر سے بھاگ کر ان لوگوں کے پاس آئے تھے، قوت میں بڑھتے جارہے ہیں اور اگر ان کو چھوڑ دیا گیا تو مستقبل قریب میں ان کی حیثیت مدینہ اور جزیرۂ عرب کے باقی مقامات میں بول بالا رکھنے والوں کی سی ہو جائے گی اور یہودی تو جنگ بدر سے پہلے ہی اپنی سیاسی اور اقتصادی حیثیت پر اسلام کا خطرہ محسوس کرنے لگے تھے۔

مسلمانوں، یہودیوں اور ان کے حلیفوں کے مابین آویزشیں

گو دونوں فریقوں میں امن کا معاہدہ تھا مگر منافقوں اور یہودیوں کی طرف سے آئے دن کی آویزشیں اور اشتعال انگیزیاں دونوں فریقوں کو مدینہ میں اور اس کے باہر باہم الجھ پڑنے کے لئے تیار رکھتی تھیں۔ نیز اس کامیابی نے جو نبی اکرمؐ کو بدر میں حاصل ہوئی اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کی بڑھی ہوئی قوت نے مدینے میں ایسی صورت پیدا کردی جس کا خطرہ قریش اور ان کے پیروؤں کے خطرے سے کم نہ تھا۔ یہودی نبی اکرمؐ کے بارے میں سازشوں کے جال بچھانے لگے اور آنحضرتؐ کو بدنام کرنے لگے، خواہ نتائج کچھ ہوں۔ آنحضرتؐ بھی اس صورتحال سے ناواقف نہیں تھے بلکہ آپ ان کی تمام خبروں اور سازشوں سے باخبر رہتے تھے اور ایسے اقدامات فرماتے رہتے تھے کہ ان کو اپنے مقاصد کے حصول کا کوئی راستا نہ ملنے پائے۔ مسلمان ان کی طرف سے ایسے چوکس شخص کی مانند ہوشیار رہتے تھے جس نے ہر شے کے لئے تیاری کرلی ہو۔

محمد حسین ہیکل کی کتاب حیات محمدؐ میں آیا ہے کہ جب مسلمان بدر سے فتح مند پلٹے تو سالم بن عمیر نے عہد کیا کہ ابوعفک کو مارڈالے گا جو بنی عمرو بن عوف سے تھا کیونکہ یہ شخص ایسے اشعار بھیجا کرتا تھا جن میں وہ حضرت محمدؐ اور مسلمانوں پر چوٹیں کرتا اور اپنی قوم کو ان پر حملہ کرنے کے لئے اکساتا تھا اور اس طرح بدر کے بعد لوگوں کو غلط راہ پر ڈالتا رہتا تھا۔ چنانچہ گرمیوں کی ایک رات میں سالم اس کے پاس گیا جبکہ ابوعفک اپنے مکان کے صحن میں سو رہا تھا اور اس نے اس کے جگر میں تلوار پیوست کردی اور وہ بستر میں ڈھیر ہوگیا۔

انہوں نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ عصماء بنت مروان جو بنی امیہ بن زید سے تھی، اسلام کو برا کہا کرتی تھی، نبی اکرمؐ کو ایذا پہنچاتی رہتی تھی اور آپ کے خلاف اکساتی رہتی تھی۔ بدر کے بعد بھی وہ ایسا کرتی رہی۔ ایک روز رات کی تاریکی میں عمیر بن عوف اس کے گھر میں اس کے پاس پہنچ گیا جبکہ اس کے چاروں طرف اس کے چند بیٹے سو رہے تھے۔ انہی کے درمیان ایک دودھ پیتا بچہ اس کی چھاتی سے لگا ہوا تھا۔ اس نے اس بچے کو اس کے پاس سے ہٹایا اور پھر اپنی تلوار اس کے سینے میں اتار دی یہاں تک کہ وہ اس کی کمر کے پار ہوگئی۔ پھر وہ نبی اکرمؐ کے پاس گیا اور آنحضرتؐ کو اس عورت کے متعلق اطلاع دی پھر واپسی پر اس کے گھر سے گزرا تو اس نے کچھ لوگوں کے ساتھ اس کے بیٹوں کو دیکھا جو اس عورت کو دفن کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے بڑھ کر اس سے کہا کہ اے عمیر تم نے اس کو قتل کیا ہے۔ اس نے کہا کہ ہاں! تم سب مل کر میرے خلاف چال چلو اور مجھے مہلت بھی نہ دو۔ لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم سب مل کر وہی کہو گے جو وہ کہا کرتی تھی تو میں تم سب کو اپنی تلوار سے مارتا رہوں گا تا آنکہ یا خود مر جاؤں یا تم کو قتل کر ڈالوں۔

کعب بن اشرف قبیلۂ طی سے تھا اور اس کی ماں بنی نضیر سے تھی۔ یہ شخص رسول اللہؐ کو ایذائیں دیتا رہتا تھا اور آنحضرتؐ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ جب اس کو جنگ بدر کی خبریں پہنچیں تو کہنے لگا کہ یہ لوگ عزت والے اور عوام کے فرمانروا ہیں۔ قسم بخدا اگر محمدؐ ان لوگوں پر حاوی ہوگئے تو زمین کے اوپر رہنے سے اس کے اندر دھنس جانا بہتر ہوگا۔ جنگ بدر کے بعد وہ مکہ جا کر قریش کو نبی اکرمؐ کے خلاف اکسانے لگا۔ تب ابوسفیان نے اس سے کہا کہ میں تم کو اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ ہمارا دین بہتر اور اللہ سے قریب تر ہے یا محمدؐ کا دین اور تمہاری رائے میں ہم میں سے کون زیادہ ہدایت یافتہ اور حق سے قریب ہے تو کعب بن اشرف بولا کہ راہ کے لحاظ سے تم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ اور حق سے قریب تر ہو۔ چنانچہ اس وقت تاریخ ابن کثیر کے مطابق اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هٰؤُلَاۗءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا○ اُولٰۗئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا○ ”کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب میں سے کچھ دیا گیا تھا۔ وہ جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ کفر اختیار کئے ہوئے ہیں ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ان لوگوں سے زیادہ صحیح راہ پر ہیں جو ایمان لائے ہوئے ہیں۔ یہ ہیں وہ جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور جن پر لعنت کرتا ہے تو تم دیکھو گے کہ ان کا کوئی مدد کرنے والا نہیں ہوتا۔“ (سورۂ نساء: آیت ۵۱-۵۲)

وہ اس وقت تک مکہ سے باہر نہیں گیا جب تک سب کو جنگ پر متفق نہیں کرلیا۔ وہ مدینہ آیا تو یہاں بھی اسلام سے دشمنی کا اعلان کر رہا تھا اور لوگوں کو جنگ کے لئے آمادہ کر رہا تھا۔ ادھر اس نے ام الفضل بنت حارث اور دوسری مسلمان عورتوں کے متعلق عشقیہ شاعری شروع کردی۔

سیرت ابن اسحٰق میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ابن اشرف کے مقابلے کے لئے کون سامنے آتا ہے؟

محمد بن مسلمہ نے جو بنی عبدالاشہل کا بھائی بند تھا، آنحضرتؐ سے کہا کہ اس کے لئے میں حاضر ہوں یارسول اللہؐ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اچھا تم کرسکو تو کرو۔ تب انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ یارسول اللہؐ ہم کو بھی کچھ کہنا ضرور ہوگا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ہاں جو جی میں آئے کہو، میری طرف سے تم کو اجازت ہے۔

پس محمد بن مسلمہ اور ابونائلہ جو بنی عبدالاشہل ہی کا ایک فرد تھا اکٹھے ہوگئے اور ان کے ساتھ کچھ دوسرے لوگوں کی ایک جماعت بھی شامل ہوگئی۔ ان میں سے ایک شخص رسول اکرمؐ کو برا بھلا کہتا ہوا کعب کے پاس آیا۔ اس کا مفہوم کچھ یوں تھا کہ ''اس شخص کا آنا ہمارے لئے باعث مصیبت ہوگیا، عرب ہمارے دشمن ہوگئے، ان سب نے مل کر ہم کو ایک ہی کمان سے تیر مارنا شروع کردیئے، ہماری راہیں بند کردیں یہاں تک کہ ہمارے بیوی بچے ضائع ہوگئے اور زندگیاں تنگ ہوگئیں۔'' اس پر کعب بولا کہ میں ابن اشرف ہوں، میں تو تجھ کو پہلے ہی بتایا کرتا تھا کہ حالات یہی رخ اختیار کریں گے۔ تب اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم ہمارے ہاتھ کھانا بیچ دو اور ہم تمہارے پاس کچھ رہن رکھ دیں گے اور ضمانت دیں گے۔ اس نے کہا کہ اپنے بیٹوں کو میرے پاس رہن رکھ دو۔ اس نے کہا کہ یہ تو ہمیں ذلیل کرنا ہوا حالانکہ میرے ساتھ کچھ اور لوگ ہیں وہ بھی یہی چاہتے ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں ان کو تمہارے پاس لاؤں تاکہ ان کے ہاتھ بھی کھانا بیچو اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو ہم اپنے بیٹوں کی بجائے اپنا اسلحہ تمہارے پاس رہن رکھ دیں گے۔ کعب اس پر راضی ہوگیا۔

وہ لوگ اس کے پاس ایک چاندنی رات میں آئے۔ جب وہ اس کے قلعے کے پاس پہنچے تو وہ اپنی بیوی کے ساتھ تھا۔ ابونائلہ نے اس کو پکار کر عہد یاد دلایا تو باوجودیکہ اس کی بیوی اس کو خبردار کرتی رہی اور اس کے کپڑوں سے لپٹ گئی لیکن وہ نیچے اتر آیا۔ اس نے بیوی سے کہا کہ اگر ابونائلہ مجھ کو سوتا ہوا پاتا تو نہ جگاتا۔ بیوی نے جواب دیا کہ قسم بخدا! مجھے اس کی آواز میں فساد معلوم ہوتا ہے۔ وہ نیچے آیا اور دونوں چل پڑے یہاں تک کہ ابونائلہ کے ساتھیوں سے جاملے کعب مطمئن تھا وہ ان سے خوفزدہ نہیں تھا۔ برابر چلتے رہے اور آپس میں حضرت محمدؐ اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ قلعے سے دور آگئے۔ اب ابونائلہ نے اپنا ہاتھ کعب الاشرف کے سر پر رکھ کر سونگھا اور کہا کہ میں نے آج رات اس خوشبو سے بہتر خوشبو نہیں سونگھی۔ وہ تھوڑا سا چلا اور پلٹ آیا اور اس کی کنپٹیاں پکڑ کر اپنے ساتھ والوں سے کہنے لگا کہ مارو دشمن خدا کو۔ ان لوگوں نے اس پر تلواروں سے حملہ کردیا اور کعب کچھ بھی نہ کرسکا۔ البتہ اس نے ایک چیخ ماری جس کو قلعوں میں موجود یہودیوں نے سنا پھر محمد بن مسلمہ نے اس کو اپنی تلوار سے ضرب لگائی اور ہلاک کردیا۔

مسلمان نبی اکرمؐ کے پاس صبح سے پہلے واپس پہنچ گئے اور انہوں نے آنحضرتؐ کو نماز میں قیام کی حالت میں پایا اور جو کچھ ہوا تھا اس کی اطلاع دی۔

کعب کے قتل کی خبر پھیلی تو یہودیوں کے دل میں خوف اور دبدبہ بیٹھ گیا اور کوئی یہودی ایسا نہیں بچا جس کو اپنی جان کا خوف نہ ہوگیا ہو پھر بھی وہ لوگ جاسوسی سے اور مسلمانوں کے خلاف اکسانے سے اور ان کے پیچھے لگے رہنے سے اور نبی اکرمؐ کو برا کہنے سے باز نہیں آئے۔ نبی اکرمؐ نے ان سے مطالبہ کیا کہ جو کچھ کر رہے ہو اس سے باز

آ جاؤ اور عہد کی پابندی کرو جو آنحضرتؐ کے مدینہ میں داخل ہونے پر تم نے کیا تھا لیکن ان کی سرکشی، مسلمانوں کو ایذا پہنچانے اور فساد پھیلانے میں اضافہ ہوتا گیا۔ ادھر نبی اکرمؐ اپنی جانب سے مسلمانوں کو امن برقرار رکھنے اور اپنے اعصاب کو قابو میں رکھنے کی تلقین فرماتے رہے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ ایک مسلمان عورت سناروں کے بازار گئی جس پر یہودیوں کا تسلط تھا اور وہاں کے بیشتر کارکن انہی لوگوں میں سے تھے۔ اس عورت کے پاس کچھ زیور تھے جو وہ بیچنے کے لئے دکھانا چاہتی تھی۔ وہ ایک یہودی کے پاس بیٹھ گئی۔ اس کے پاس کچھ اور یہودی جمع ہوگئے اور انہوں نے چاہا کہ وہ عورت اپنا چہرہ کھول دے لیکن وہ انکار کرتی رہی۔ ایک یہودی نے پیچھے سے آکر اس کے لباس کو چپکے سے ایک دھاردار چیز سے اس کی کمر تک کاٹ دیا۔ اب جو وہ کھڑی ہوئی تو اس کا پنہاں جسم کھل گیا۔ لوگ اس پر ہنسنے لگے۔ اس عورت نے چلا کر مسلمانوں سے فریاد کی۔ چنانچہ ایک مسلمان نے اس یہودی سنار پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ تب یہودیوں نے اس مسلمان پر ہلہ بول کر اسے مارڈالا۔ اس مسلمان کے آدمیوں نے دوسرے مسلمانوں سے مدد حاصل کرلی۔ پھر ان میں اور بنی قینقاع میں جھگڑا شروع ہوگیا۔ نبی اکرمؐ نے ان سے کہلا بھیجا کہ مسلمانوں کو آزار پہنچانے سے باز رہو اور امن و امان کے معاہدے کی پابندی کرتے رہو ورنہ تمہارے ساتھ وہی ہوگا جو قریش کے ساتھ ہوا ہے۔ انہوں نے آنحضرتؐ کے دھمکانے کو کوئی اہمیت نہ دی اور آپ کو جواب دیا کہ اے محمدؐ! آپ کو غلط فہمی ہے، آپ نے ایسے لوگوں سے ٹکراؤ لیا تھا جو فن حرب سے ناواقف تھے اسی لئے آپ نے ان پر تسلط حاصل کرلیا۔ البتہ بخدا اگر آپ ہم سے لڑیں گے تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ ہم کیسے لوگ ہیں۔ آپ ہم میں وہ چیز پائیں گے جو آپ نے ہمارے علاوہ کسی میں نہ دیکھی ہوگی۔ البدایہ والنہایہ میں سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

قُل لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَتُغۡلَبُوۡنَ وَتُحۡشَرُوۡنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ○ قَدۡ کَانَ لَکُمۡ اٰیَةٌ فِیۡ فِئَتَیۡنِ الۡتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَاُخۡرٰی کَافِرَةٌ یَرَوۡنَهُمۡ مِّثۡلَیۡهِمۡ رَاۡیَ الۡعَیۡنِ وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصۡرِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ○ ''کہہ دیجئے ان لوگوں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے کہ ان پر عنقریب غلبہ حاصل کرلیا جائے گا اور وہ جہنم کی آگ کی طرف لے جائیں گے اور وہ بڑا ٹھکانا ہے۔ تم لوگوں کے لئے ان دو جماعتوں میں نشانی تھی جو آپس میں جنگ آزما ہوئیں۔ ایک جماعت اللہ کی راہ میں جنگ کر رہی تھی اور دوسری کافر تھی۔ لوگ ان کو ایک ہی جیسے کی طرح دیکھتے تھے لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے مدد پہنچاتا ہے۔ بے شک یہ صورت صاحبان نظر کے لئے باعث سبق ہے۔'' (سورۂ آل عمران: آیات ۱۲۔۱۳)

ان لوگوں کے اس متکبرانہ جواب کے بعد نبی اکرمؐ کے لئے اس کے علاوہ کوئی اور راستا باقی نہیں رہا تھا کہ ان سے جنگ کریں تاآنکہ وہ آنحضرتؐ پر لالچ کی نظر نہ ڈالیں اور وہ منافق اور وہ عرب جو اُن کے ساتھ رائے اور مشورے میں شریک ہوجایا کرتے تھے ان کے چاروں طرف اکٹھے نہ ہوسکیں۔

بنی قینقاع کا مدینہ سے نکالا جانا

اس تلخی پر نبی اکرمؐ نے صبر فرمایا اور اپنے اصحاب کو ہدایت فرمائی کہ حکمت عملی سے کام لیں اور جہاں تک ممکن ہو بنی قینقاع وغیرہ سے چشم پوشی کئے رہیں۔ یہودیوں نے نبی اکرمؐ اور مسلمانوں کے اس حکیمانہ طرز عمل کو اپنے سے ڈر جانے کا نتیجہ خیال کیا اور اسی لئے وہ مسلمانوں کو پریشان کرنے میں مدستور لگے رہے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے ان کو یہ کہتے سنا کہ "قسم بخدا! اگر محمدؐ ہم سے جنگ کریں گے تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم کچھ اور قسم کے آدمی ہیں اور ان کو ہم سے ایسا تجربہ ہوگا جو کسی اور سے نہ ہوا ہوگا۔"

اب اس کے بعد آنحضرتؐ کے لئے اس کے سوا کوئی راستا نہ تھا کہ آپ ان کے ساتھ پختہ ارادے سے سختی کا موقف اختیار فرمائیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ مسلمانوں کو لے کر یہودیوں کے قبیلوں کی طرف نکلے یہودیوں نے دیکھا کہ وہ مسلمانوں سے آمنے سامنے مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہیں اس لئے انہوں نے اپنے گھروں اور قلعوں میں پناہ لے لی۔ پس مسلمانوں نے پندرہ روز تک ان کا ایسا محاصرہ کئے رکھا کہ ان میں سے کوئی فرد نہ باہر نکل سکتا تھا، نہ کوئی ان کے لئے کھانا پینا لے کر اندر جا سکتا تھا۔

جب ان لوگوں پر تمام راستے تنگ ہو گئے تو ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ وہ نبی اکرمؐ کے حکم کے آگے جھک جائیں اور اپنے بارے میں آنحضرتؐ کے فیصلے کو مانیں۔ پس نبی اکرمؐ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے کے بعد یہ طے فرمایا کہ ان کو قتل کر دیا جائے اور ان کے مال و متاع پر قبضہ کر لیا جائے لیکن عبداللہ بن اُبَی بن سلول ان کی سفارش کے لئے آ گیا۔ یہ شخص سربرآوردہ منافقوں میں سے تھا لیکن اسلام ظاہر کیا کرتا تھا۔ اس نے آ کر کہا کہ اے محمدؐ! ان آزاد کردہ غلاموں کے ساتھ حسن سلوک فرمایئے کیونکہ میں ان کا حلیف ہوں۔ نبی اکرمؐ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس نے سوال دہرایا اور نبی اکرمؐ اس سے منہ پھیرے رہے۔ اتنے میں اس نے اپنا ہاتھ نبی اکرمؐ کی زرہ کی جیب میں ڈال دیا جس پر نبی اکرمؐ کی کیفیت بدل گئی اور یہ تغیر آپ کے چہرے پر نمودار ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے غصہ بھری آواز میں اس سے فرمایا کہ وائے ہو تجھ پر مجھے چھوڑ دے۔ تب عبداللہ بن اُبَی بن سلول نے کہا کہ قسم بخدا! میں آپ کو نہ چھوڑوں گا تاوقتیکہ آپ ان آزاد کئے ہوئے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک نہ فرمائیں گے۔ چار سو خود اور تین سو زرہیں جنہوں نے مجھ کو سرخ و سفید سے محفوظ رکھا ہے وہ ایک صبح میں تیار کر لیتے ہیں۔ قسم بخدا! میں آپ کے بارے میں حالات کی تبدیلی سے ڈرتا ہوں۔ عبداللہ بن اُبَی بن سلول اب بھی اوس اور خزرج کے مشرکوں میں صاحب اثر تھا اگرچہ مسلمانوں میں بے اثر ہو چکا تھا خاص طور پر اس فتح کے بعد جو انہوں نے بدر کبریٰ کی جنگ میں حاصل کی تھی۔ عبداللہ، نبی اکرمؐ سے اصرار کرتا رہا اور بالآخر آنحضرتؐ کی یہی رائے ٹھہری کہ آپ ان کو معاف کر کے ان پر احسان فرمائیں کیونکہ اس طرح ممکن تھا کہ آنحضرتؐ کا عبداللہ اور اس کے مشرک اور منافق ساتھیوں کی بات مان لینا انہیں آنحضرتؐ کا احسان مند بنا دے اور وہ اور اس کے ساتھی

اسلام میں داخل ہو جائیں یا مسلمانوں کے خلاف ان کی جاسوسیاں اور سازشیں ہلکی پڑ جائیں۔

چنانچہ نبی اکرمؐ نے ان کو مدینہ سے شہر بدر کرنے کا حکم دیا۔ عبداللہ ابن اُبی بن سلول نے کوشش کی کہ وہ نبی اکرمؐ کے پاس پھر حاضر ہو کر ان لوگوں کے لئے درخواست کرے کہ انہیں بدستور مدینہ میں رہنے دیا جائے۔ لیکن مسلمانوں نے اسے منع کر دیا۔ وہ اصرار کرتا رہا یہاں تک کہ ایک مسلمان سے اس کا جھگڑا ہو گیا اور اس نے اس کا سر پھاڑ دیا۔ تب بنی قینقاع نے کہا کہ اے ابن ابی! ہم ایسے شہر میں نہیں رہیں گے جہاں تمہارا سر پھاڑ ڈالا جائے اور ہم تمہیں بچا نہ سکیں۔ عبداللہ بن صامت نے ان لوگوں کی مدینہ سے شہر بدری کی نگرانی کی۔ وہ اپنے پیچھے اپنے ہتھیار اور سونا گری کے اوزار جن سے وہ سونے کا کام کیا کرتے تھے، چھوڑ کر چلے گئے یہاں تک کہ وادی القریٰ پہنچ گئے اور ایک مدت تک وہاں رہنے کے بعد شمال کی جانب نکل گئے یہاں تک کہ شام کے نواح میں پہنچے اور وہیں قیام پذیر ہو گئے۔

غزوۂ سویق

یہ فطری امر تھا کہ وہ لوگ جو مدینہ میں رہ گئے تھے اپنے حلیف بنی قینقاع پر گزرے ہوئے واقعے سے عبرت حاصل کریں اور خود کو سمیٹے رکھیں اور مدینہ میں امن پیدا ہو جائے خواہ یہ امن اتنا ہی مختصر ہو جیسا آندھی اور طوفان کے بعد کا سکون۔ چنانچہ پورا ایک مہینہ گزر گیا اور مدینہ میں امن قائم رہا۔ منافق بھی اپنے حلیفوں کے شہر بدر ہو جانے اور ماضی قریب میں بدر کے اس واقعے کی وجہ سے اپنے تئیں سمٹے ہوئے تھے جس نے قریش کے سرکشوں اور سرداروں کو تباہ کر دیا تھا اور عرب قبائل کو ایسا سبق سکھا دیا تھا جو کسی کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔

پورے ایک مہینے تک مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں امن چھایا رہا۔ خیال تھا کہ یہ امن کئی مہینے تک چلا جائے گا لیکن ابوسفیان کو شکست کی رسوائی میں رہنا کب گوارا تھا۔ وہ جزیرۂ نما کے عربوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈالنے پر کمر بستہ ہو گیا تھا کہ قریش نقصان پہنچ جانے پر سوتے نہیں بلکہ اپنی قوت اور قدرت کو حملہ کرنے کے لئے محفوظ کئے رہتے ہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ جنگ بدر کے بعد اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک حضرت محمدؐ سے جنگ نہ کر لوں گا سر پر پانی نہ ڈالوں گا۔ چنانچہ اس نے قریش کے دو سو شہ سوار جمع کئے، ان کو لے کر خاموشی سے نکلا اور مدینہ کے قریب ایک مقام تک آ پہنچا۔ صبح ہوتے ہی بنی نضیر میں پہنچ گیا اور حیی بن اخطب کے یہاں جا کر اس کا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن اس نے کھولنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ وہ چھوڑ کر ایک اور شخص کے پاس گیا جس کو سلام بن مشکم کہتے تھے۔ یہ اس زمانے میں بنی نضیر کے سرداروں میں سے تھا۔ ابوسفیان نے اس سے ملنے کی اجازت چاہی تو اس نے اجازت دیدی اور اسے پینے کے لئے کچھ پیش کیا۔ ابوسفیان نے اس سے مسلمانوں کے حالات دریافت کئے اور اپنے ساتھیوں کے پاس واپس چلا گیا۔ یہ لوگ وہاں سے چلے تو مدینہ کے قریب مقام عریض تک پہنچ گئے۔ وہاں ان کو انصار میں سے ایک شخص اور اس کا ایک حلیف اپنے کھیت میں مل گئے۔ انہوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا اور عریض میں دو گھروں کو جلا ڈالا۔ اب اس نے خیال کیا کہ اس نے اپنی قسم

پوری کر دی ہے۔ چنانچہ وہ وہاں سے پلٹ کر اس ڈر سے بھاگ نکلا کہ یہ لوگ مدینہ کے قریب ہیں حضرت محمدؐ اور آپ کے ساتھی کہیں ان تک نہ آ جائیں۔

جب اس واقعے کے بارے میں نبی اکرمؐ کو خبر ملی تو آپ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ اس کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ مقام قرقرہ الکدر تک پہنچ گئے جبکہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی خوف زدہ ہو کر تیزی سے بھاگ رہے تھے کہ نبی اکرمؐ اور آپ کے ساتھی ان کو نہ آلیں اور مسلمان جو کچھ ستو وغیرہ راستے میں ملتا جاتا تھا اس کو اٹھا لیتے تھے۔

نبی اکرمؐ نے جب یہ دیکھا کہ وہ لوگ بھاگنے میں لگے ہوئے ہیں تو اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔

ابوسفیان کو اس بھاگنے سے اور بھی رسوائی اور شرمندگی کا سامنا ہوا حالانکہ وہ سمجھا تھا کہ اس کی یہ پیش قدمی اس کی شان کو بڑھا دے گی اور قریش کو ان کی کچھ حیثیت لوٹا دے گی۔

سیرت رسولؐ پر لکھنے والے کہتے ہیں کہ قریش بھاگتے ہوئے اپنا سامان ہلکا کرنے کے لئے ستو پھینکتے گئے تھے اسی لئے اس غزوہ کو غزوۂ سویق کا نام دیا گیا کیونکہ عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں۔

غزوۂ غطفان

حضرت محمدؐ اور آپ کے اصحاب کے متعلق خبریں عربوں میں پھیل گئیں اور ان خبروں نے عربی قبیلوں کے دلوں میں خاص کر جو مدینہ کے قریب تھے دھاک بٹھا دی۔ ابھی ماضی قریب میں حضرت محمدؐ اور آپ کے ساتھی جو بہت تھوڑے تھے، ایسی پناہ کی تلاش میں مدینہ آئے تھے جو انہیں قریش اور ان کے عرب اور یہودی پڑوسیوں سے محفوظ رکھ سکے اور آج وہ قریش کے مقابلے پر کھڑے تھے۔ مدینہ کے یہودیوں بنی قینقاع کو شہر بدر کر رہے تھے اور شام جانے والی سڑکوں اور راستوں پر خوف پھیلانے کے لئے عسکری دستے بھیج رہے تھے جو قتل کرتے اور قیدی بناتے جا رہے تھے۔ وہ قریش اور عربوں کے قافلوں اور ان کی تجارت کے لئے خطرہ بنے ہوئے تھے۔ پس وہ سوچنے لگے کہ یہ لوگ اس روز بروز بڑھتی ہوئی فوج کے مقابلے پر کریں تو کیا کریں؟ ان کے لئے ضروری تھا کہ اپنے لائحہ عمل کے بارے میں اور حضرت محمدؐ اور آپ کے ساتھیوں سے ہونے والے تصادم کے بارے میں کہ وہ ان پر فتح مند نہ ہو جائیں غور کریں لیکن کبھی کبھی بعض قبیلوں پر غرور طاری ہو جاتا تھا اور ان کے دل ان کو بہکاتے تھے کہ وہ رسول اللہؐ سے عداوت کا اظہار کریں خواہ اس کے لئے انہیں مدینہ پر چڑھائی کرنا پڑے۔

یہی بات تھی کہ بنی ثعلبہ بن محارب میں سے غطفان کی ایک جماعت رسول اللہؐ سے جنگ کرنے کے ارادے سے جمع ہوگئی۔ ان کے بارے میں خبر آنحضرتؐ کو پہنچی تو آپ بارہ ربیع الاول ۳ھ کو ان کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ چار سو پچاس مسلمان تھے لیکن جیسے ہی انہوں نے آنحضرتؐ کی خبر سنی پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھاگ گئے۔ آنحضرتؐ اپنے اصحاب کے ساتھ اور آگے بڑھے یہاں تک کہ ایک چشمے پر پہنچ گئے جو ذو آمر کہلاتا تھا۔

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ اس غزوہ کو غزوۂ ذی آمر کہتے ہیں۔ مسلمان اس چشمے پر اتر پڑے اور وہاں ان لوگوں کو شدید بارش نے آلیا۔ جس سے نبی اکرمؐ کے کپڑے بھیگ گئے۔ آنحضرتؐ نے وہاں ایک درخت کے نیچے آ کر اپنے کپڑے پھیلائے تا کہ سوکھ جائیں۔ ادھر پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے مشرک آپ کو دیکھ رہے تھے۔ مشرکوں نے اپنے ایک بے جگر آدمی کو جو دعثور بن حارث کہلاتا تھا بھیجا اور اس سے کہا کہ اگر ہو سکے تو محمدؐ کو قتل کر آؤ۔ چنانچہ دعثور آنحضرتؐ کی طرف آیا اور کھینچی ہوئی تلوار لے کر آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور بولا کہ اے محمدؐ! آج آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ مجھ کو بچائے گا۔ جبرئیلؑ نے اس کے سینے پر دھکا دیا جس سے اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ پڑی اور رسول اللہؐ نے اس کو اٹھا لیا۔ اب آنحضرتؐ نے دعثور سے فرمایا کہ اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا کوئی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ قسم بخدا! میں کبھی آپ کے خلاف کوئی جماعت اکٹھی نہیں کروں گا۔ تب رسول اللہؐ نے اس کی تلوار اس کو واپس دیدی۔ جب وہ اپنے لوگوں میں واپس گیا تو انہوں نے کہا کہ وائے ہو تجھ پر تو نے کیا کیا؟ وہ بولا! میں نے ایک لمبے شخص کو دیکھا جس نے میرے سینے پر دھکا دیا تو میں اپنی کمر کے بل گر پڑا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ فرشتہ ہے اور میں نے تصدیق کر دی کہ محمدؐ، اللہ کے رسولؐ ہیں اور میں نے آنحضرتؐ سے عہد کر لیا ہے کہ ان کے خلاف کبھی کسی جماعت کو اکٹھا نہ کروں گا۔

اس کے بعد وہ اپنی قوم والوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے لگا اور البدایہ والنہایہ میں آیا ہے کہ سورۂ مائدہ کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی تھی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ "اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کی وہ نعمت یاد کرو کہ جب ایک قوم نے ارادہ کیا کہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائے تو اس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے ہٹا دیا۔" (آیت ۱۱)

اس قصے میں چند سوال پیدا ہوتے ہیں کہ کیا نبی اکرمؐ غزوات کے دوران اپنے اصحاب سے علیحدہ ہو جایا کرتے تھے؟ کیا آنحضرتؐ کے اصحاب آپ کو ایسے کھلے میدان میں جبکہ مشرک ان کے قریب موجود ہوں تنہا چھوڑ دیتے تھے؟ اور آپ دور ایک درخت کے پاس اپنے کپڑے سکھانے کے لئے چلے گئے تو اس لشکر نے جو چار سو پچاس لڑنے والوں پر مشتمل تھا آپ کو کیسے اکیلا چھوڑ دیا؟ اور یہ آدمی جو پہاڑ سے آنحضرتؐ کو قتل کرنے کے لئے اتر کر آیا تھا ان کی نظروں سے کیسے پوشیدہ رہا؟ جبکہ آنحضرتؐ اپنے اصحاب سے دور تھے جیسا کہ البدایہ والنہایہ کی روایت میں ہے۔ یہ سب چیزیں ابن کثیر کی اس روایت میں شک پیدا کرتی ہیں۔ حقیقت حال سے اللہ ہی واقف ہے۔

غزوۂ قرقرۃ الکدر

سیرت کی بعض کتابوں میں آیا ہے کہ بنی غَطَفان اور بنی سُلَیم کے ایک گروہ نے مسلمانوں پر چڑھائی کرنے اور ہلہ بول دینے کے لئے ایکا کیا۔ نبی اکرمؐ کو ان کی خبر پہنچی تو آنحضرتؐ قرقرۃ الکدر کی طرف گئے۔ جو بنی سلیم کی ایک بنجر

زمین تھی جس میں گندے گندے رنگ کے پرندے تھے۔ آنحضرتؐ کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت تھی۔ آنحضرتؐ کا علم امام علیؑ کے پاس تھا تاکہ لوگوں کو راستا بتاتے چلیں۔ جب اس مقام پر پہنچے تو اونٹوں کے آثار نظر آئے لیکن لوگوں میں سے کوئی بھی نہ تھا۔ آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب میں سے کچھ لوگوں کو وادی کے بلند ترین حصے پر بھیجا اور خود نیچے انتظار فرماتے رہے۔ وہاں آپ کو ایک لڑکا ملا جس کا نام یسار تھا۔ آپ نے اس سے ان لوگوں کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ مجھ کو ان کی بابت کچھ معلوم نہیں ہے۔ البتہ لوگ اونٹوں کو پانی پلانے کے لئے آئے تھے، جب بہار کے دن تھے۔ پھر وہ زرخیز علاقے میں چلے گئے۔ ہم ان کے اونٹ ہنکاتے ہیں۔ مسلمانوں کو جتنے اونٹ ملے سب کو جمع کرلیا۔ وہ پانچ سو اونٹ تھے۔ رسول اللہؐ نے خمس لے کر باقی مسلمانوں پر تقسیم فرما دیئے۔ اس طرح ہر ایک کو دو دو اونٹ ملے۔

آنحضرتؐ اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ واپس چلے آئے۔ ذرا دیر نہ ہوئی تھی کہ آپ کو خبر ملی کہ بنی سلیم کی ایک بڑی جماعت آپ سے جنگ کرنے کے ارادے سے بحران پر جمع ہوگئی ہے۔ آنحضرتؐ اپنے اصحاب میں سے تین سو افراد کو لے کر ان کی طرف روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب بحران سے ایک رات کا راستا رہ گیا تھا ان لوگوں کو بنی سلیم کا ایک شخص ملا۔ نبی اکرمؐ نے اس سے ان لوگوں کے متعلق پوچھا تو اس نے آنحضرتؐ کو بتلایا کہ وہ آپ لوگوں کے آنے کی خبر پاکر تتر بتر ہوگئے ہیں۔ اکثر غزوات میں یہی ہوا کرتا تھا کہ عرب لوگ مدینہ پر حملہ کرنے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کے ارادے سے جمع ہوتے تھے۔ جب ان کو معلوم ہوتا تھا کہ نبی اکرمؐ مسلمانوں کو ساتھ لے کر ان کی طرف آرہے ہیں تو وہ ادھر ادھر متفرق ہو جاتے اور آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب کے خوف سے پہاڑوں کی چوٹیوں اور وادیوں کی گہرائیوں میں پناہ لے لیتے تھے۔

سریہ زید بن حارثہ

غزوۂ بدر اور اس کے عقب میں پیش آنے والے مسلمانوں کے موقف اور نبی اکرمؐ کے بھیجے ہوئے عسکری دستوں کے بعد جو عربوں کو دھمکاتے اور ان میں خوف و ہراس پیدا کرتے تھے، قریش اپنا سامان تجارت شام لے جانے کے معاملے پر غور کرنے لگے کیونکہ وہی ایک تنہا ذریعہ تھا جس پر ان کی معاش کا دارو مدار تھا۔ وہ سوچنے لگے کہ اگر یہ حصار جو مسلمانوں نے قائم کردیا تھا باقی رہتا ہے تو وہ حضرت محمدؐ کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جائیں گے تاکہ مکہ کے سینکڑوں باشندوں کی زندگی بھوک کی موت سے دوچار نہ ہونے پائے۔

صفوان بن امیہ نے کھڑے ہو کر اہل مکہ اور قریش کے سامنے اپنے اور حضرت محمدؐ کے مابین جنگ کی وسعتوں اور اس سے پیدا ہونے والے برے نتائج کو بیان کرنا شروع کیا۔ اس نے ان سے کہا کہ:

''محمدؐ اور ان کے اصحاب نے ہماری تجارت کے راستے بند کردیئے ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم ان کے اصحاب سے کیسے نمٹیں۔ وہ ساحل پر جمے رہتے ہیں اور ساحل کے باشندوں نے ان سے صلح کرلی ہے اور ان کے عوام ان

کے ساتھ مل گئے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ ہم کہاں جا بسیں؟ اگر ہم اپنے گھروں میں ٹھہرے رہیں تو ہم اپنی اصل پونجی کھا جائیں گے اور ہمارے پاس کچھ بھی نہ بچے گا۔ جبکہ مکہ میں ہماری زندگی گرمیوں میں شام کی طرف تجارت کرنے پر اور جاڑوں میں حبشہ کی طرف تجارت کرنے پر منحصر ہے۔"

تب اس سے اسود بن عبدالمطلب نے کہا کہ ساحل کا راستا چھوڑ کر عراق کا راستا اختیار کیا جائے اور انہیں فرات بن حیان کا نام بتایا جو بنی بکر بن وائل سے تھا تاکہ وہ ان کو راستا بتائے۔ اس پر فرات بن حیان نے کہا کہ اصحاب محمدؐ میں سے کوئی شخص عراق کے راستے کی طرف نہیں جاتا کیونکہ یہ زمین پتھریلی اور بے آب ہے۔ اے صفوان تم بے آب راستے سے کیوں ڈرتے ہو جبکہ موسم سردی کا ہے اس وقت لوگوں کو پانی کی ضرورت کم ہوتی ہے۔ صفوان نے چاندی اور دوسری چیزیں مہیا کیں جن کی قیمت ایک لاکھ درہم ہوتی تھی۔

یثرب کا ایک آدمی نعیم بن مسعود اشجعی اس راستے کو جانتا تھا جس سے صفوان بن امیہ اپنی تجارت پر جانے والا تھا۔ پس اس نے مدینہ واپس آ کر ایک مسلمان کو بتادیا کہ قریش کا کیا ارادہ ہے۔ اس آدمی نے جلدی سے جا کر اس کی اطلاع نبی اکرمؐ کو دے دی۔ نبی اکرمؐ نے بغیر دیر کئے زید بن حارثہ کو سو سواروں کے ساتھ روانہ کیا تاکہ قریش کے تجارتی قافلے کو اس کے نئے راستے پر روکیں۔ پس یہ لوگ راستا ڈھونڈتے ہوئے چلے اور انہوں نے قریش کے تجارتی قافلے کو ایک مقام پر روکا جس کو قردہ کہتے تھے اور یہ نجد کا ایک چشمہ تھا۔ صفوان اور اس کے ساتھ کے آدمی بھاگ گئے اور مسلمانوں کو پورا قافلہ مل گیا۔ انہوں نے راہ دکھانے والے فرات بن حیان کو گرفتار کرلیا اور مدینہ واپس آ گئے اور نبی اکرمؐ نے مال غنیمت کو اپنے اصحاب میں تقسیم فرما دیا۔ فرات کو نبی اکرمؐ کی خدمت میں لایا گیا۔ آنحضرتؐ نے اس کے سامنے اسلام پیش فرمایا اور اس نے اپنی جان بچانے کی خاطر اسلام قبول کرلیا۔

صفوان بن امیہ اور اس کے ساتھی مکہ واپس چلے گئے۔ اس واقعے نے قریش کی دشمنی کو اور حضرت محمدؐ سے بدلہ لینے کے جذبے کو تیز تر کر دیا خواہ نتائج کچھ ہوں اور کتنی ہی قربانیاں دینی پڑیں۔ یہ چیز حضرت محمدؐ کی دور بین نگاہ اور فکر سلیم سے پوشیدہ نہیں تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ ہر ہونے والے واقعے کے لئے تیار رہتے تھے۔ مسلمانوں کے ارادے میں استحکام پیدا کرتے اور قریش کی حرکات اور تیاریوں کا پوری پوری تفصیل سے مطالعہ کر کے قریش کے بارے میں اور ان کی کارروائیوں کے بارے میں جو معلومات آنحضرتؐ کو حاصل ہوتیں ان سے آپ مسلمانوں کو باخبر رکھتے تھے تاکہ وہ لوگ ہر اس چیز کے لئے جو اُن پر قریش یا دوسروں کی طرف سے عائد کی جائے پوری طرح تیار رہیں۔

امام حسنؑ کی ولادت

امام حسنؑ کی ولادت غزوۂ احد سے پہلے ۱۵ رمضان ۳ھ میں ہوئی۔ جب آپ پیدا ہوئے تو امام علیؑ آپ کو لے کر نبی اکرمؐ کی خدمت میں آئے۔ آنحضرتؐ نے آپ کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر آپ کے دونوں کانوں میں اذان

واقامت کہی اور آپ کے دہن مبارک کو اپنے لعاب سے نرم کیا۔ آنحضرتؐ نے آپ کا نام حسنؑ قرار دیا۔ پس آپ پہلے نواسے تھے جنہوں نے نبی اکرمؐ کے قلب کو اپنے بچپن کے جمال سے اپنی حرکات کے حُسن سے اور اپنی حیات کے نور سے مالا مال کیا۔ پس آنحضرتؐ نے حسن تربیت کے ذریعے آپ کی دیکھ بھال کی، اپنی زبان مبارک سے آپ کو غذا دی، آپ کے فضائل بیان کر کے آپ کے بلند مرتبے کو ظاہر فرمایا اور ایک سے زیادہ موقعوں پر فرمایا کہ حسنؑ اور حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں ان دونوں سے ہوں، جو کوئی ان دونوں سے، ان دونوں کے باپ سے، اور ان دونوں کی ماں سے محبت کرے گا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

مسند احمد، صحیح ابن ماجہ، مستدرک صحیحین اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں آیا ہے کہ عباس بن عبدالمطلب کی زوجہ ام الفضل نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہؐ کے اعضاء میں سے دو عضو ان خاتون کے گھر میں ہیں انہوں نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کیا۔ تب آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ آپ نے اچھا خواب دیکھا ہے۔ حضرت فاطمہ زہراؑ کے یہاں ایک بیٹے کی ولادت ہوگی اور آپ اس کو اپنے بیٹے قثم کا دودھ پلائیں گی۔ چنانچہ جب حضرت فاطمہؑ کے یہاں امام حسنؑ پیدا ہوئے تو ان خاتون نے ان کو اپنے بیٹے قثم بن عباس کا دودھ پلایا۔[1]

ایک روز انصار میں سے ایک شخص نے آنحضرتؐ کو امام حسنؑ کو محبت سے اپنے سینے سے چمٹائے ہوئے، سونگھتے ہوئے، اور بوسے لیتے ہوئے دیکھا تو اس کو نبی اکرمؐ پر حیرت ہوئی اور اس نے کہا کہ میرا ایک بیٹا ہے مگر میں نے کبھی اس کا بوسہ نہیں لیا تو نبی اکرمؐ نے اس سے فرمایا: ''تم نے یہ بھی خیال کیا کہ اگر اللہ تمہارے دل سے رحمت نکال لے تو تمہارے ساتھ کیا کرے گا۔ آنحضرتؐ نے مزید فرمایا: اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ اَبْنَائِیْ مَنْ اَحَبَّھُمَا اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ اَحَبَّہُ اللّٰہُ وَمَنْ اَحَبَّہُ اللّٰہُ اَدْخَلَہُ الْجَنَّۃَ، وَمَنْ اَبْغَضَھُمَا اَبْغَضَنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَنِیْ اَبْغَضَہُ اللّٰہُ وَمَنْ اَبْغَضَہُ اللّٰہُ اَدْخَلَہُ النَّارَ.

حسنؑ اور حسینؑ دونوں میرے بیٹے ہیں جو کوئی ان دونوں سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو اُن دونوں سے بغض و عداوت رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض و دشمنی رکھتا ہے اور جو مجھ سے بغض و دشمنی رکھتا ہے وہ اللہ سے بغض و دشمنی رکھتا ہے اور جو اللہ سے بغض و دشمنی رکھتا ہے اللہ اسے جہنم میں ڈال دے گا۔''

صحیح بخاری، کتاب الادب میں ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ''حسنؑ اور حسینؑ میرے اس دنیا کے دو پھول ہیں۔'' ذخائر العقبیٰ اور کنزالعمال میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ''جس کسی نے ان دونوں سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔''

صحیح ترمذی میں انہی کی سند سے جو ابوہریرہ تک جاتی ہے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہؐ ہم کو خطبہ دے رہے تھے کہ حسنؑ اور حسینؑ دونوں سرخ قمیصیں پہنے ہوئے پیدل چلتے ہوئے اور لڑکھڑاتے ہوئے آگئے تو رسول اللہؐ نے تیزی سے منبر پر سے اتر کر دونوں کو اٹھالیا اور اپنے سامنے بٹھا کر فرمایا: ''اللہ نے یہ سچ کہا ہے کہ اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ

۱۔ بیشتر روایات بتلاتی ہیں کہ قثم امام حسنؑ سے بڑے تھے اور یہ کہ تیسرے سال میں عباس اپنے اہل و عیال کے ساتھ مکہ میں نہیں تھے۔

وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ بیشک تمہاری دولت اور تمہارے بچے آزمائش ہیں۔ میں نے دیکھا کہ یہ دونوں بچے پیدل آرہے ہیں اور لڑکھڑا رہے ہیں مجھ سے صبر نہیں ہوسکا۔ چنانچہ میں نے اپنی بات روک دی اور میں ان کو اپنے پاس اٹھالایا۔

صحیح ابن ماجہ میں تاریخ بغداد میں اور عبدالرؤف مناوی کی کنوزالحقائق فی حدیث خیرالخلائق میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ فرمایا کرتے تھے کہ ''جس کسی نے حسنؑ اور حسینؑ سے محبت کی اس نے ضرور مجھ سے محبت کی اور جس کسی نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے ضرور مجھ سے دشمنی کی۔''

سنن بیہقی میں رزین بن حبیش کی سند سے آیا ہے کہ ایک روز رسول اللہؐ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے کہ حسنؑ اور حسینؑ آگئے اور وہ چھوٹے بچے ہی تھے اور جب آنحضرتؐ سجدے میں تشریف لے گئے دونوں آنحضرتؐ کی پشت پر سوار ہوگئے۔ جب آنحضرتؐ فارغ ہوئے تو لوگ ان دونوں کو آنحضرتؐ کے پاس سے ہٹانے کے لئے ان کی طرف بڑھے۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ان دونوں کو رہنے دو۔ میرے باپ، ماں ان پر فدا ہوں۔ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ ''جو کوئی مجھ سے محبت کرتا ہے اس کو چاہئے کہ ان دونوں سے بھی محبت کرے۔''

صحیح ترمذی، سنن ابن ماجہ، مستدرک حاکم، حِلیۃ الاولیاء، تاریخ بغداد، اصابہ اور کنزالعمال میں صحابہ کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ بیشتر موقعوں پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ فاطمہؑ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسنؑ و حسینؑ اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

کنزالعمال، جلد۶، صفحہ۲۲۲ پر انس بن مالک سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہؐ سو رہے تھے کہ آنحضرتؐ کے پاس حسنؑ چلتے ہوئے آئے اور آپؐ کے سینے پر بیٹھ گئے۔ میں اٹھ کر ان کو آنحضرتؐ پر سے ہٹانے لگا تو آنحضرتؐ نے فرمایا: ''وائے ہو تجھ پر اے انس! میرے بیٹے، میرے میوۂ دل کو رہنے دو کیونکہ جس کسی نے میرے بیٹے کو اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی۔''

اسی قسم کی اور بہت روایات امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے مراتب میں موجود ہیں جو اہل سنت کے محدثین نے اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں۔ (فضائل الخمسہ، جلد۳)

— ۱۲ —

جنگِ اُحد

جنگ بدر اور اس کے بعد کے غزوے اور ان سے غنیمت کے طور پر حاصل ہونے والی دولت اور کامیابیاں یہ سب کچھ باعث اطمینان تھا لیکن ان سب کے ہوتے ہوئے بھی نبی اکرمؐ اسلام کی رفتار پر مطمئن نہیں تھے اور جب تک قریش اپنے مخالفانہ موقف پر قائم تھے آنحضرتؐ ان کامیابیوں سے کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھے بلکہ برابر ان کے متعلق خبریں اور انتقام لینے کے لئے ان کی تیاریاں معلوم کرتے رہتے تھے کہ وہ ایک طاقتور لشکر تشکیل دے رہے تھے جس میں مکہ وغیرہ شریک تھے اور انہوں نے اپنے فوجیوں کو تمام ضروری ساز و سامان سے آراستہ کر کے بھیجنے کا پختہ ارادہ کرلیا تھا۔

تجارتی قافلہ جس کی بدولت جنگ بدر واقع ہوئی اصل مقصود تھا اور لوگ دارالندوہ میں جنگ کے وقت کا انتظار کررہے تھے۔ بالآخر ایک گروہ نے جو کچھ مال اس کے پاس تھا اس کو بیچ کر اس کا نفع جنگ کے لئے علیحدہ کردیا۔ اہل مکہ نے ایک لشکر تیار کیا جس میں مکہ اور دوسرے مقامات کے عربوں پر مشتمل تین ہزار لڑنے والے شامل تھے۔ ان میں سات سو زرہ پوش تھے ان کے ساتھ دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔

عورتوں کو ساتھ لے چلنے کے بارے میں قریش میں اختلاف رائے تھا۔ کچھ اس کے قائل تھے کہ عورتوں کا چلنا ذہنوں کو خوش رکھتا ہے اور ولولہ پیدا کرتا ہے۔ اس رائے رکھنے والوں کی مخالفت نوفل بن معاویہ نے کی اور اس کے ساتھ مشرکوں کی ایک جماعت تھی۔ انہوں نے کہا: اے گروہ قریش! یہ تو کوئی رائے نہ ہوئی کہ تم اپنے ناموس کو دشمن کے سامنے ڈال دو، نہ ہم اس کو عقلمندی سمجھتے ہیں کہ اگر جنگ کا نتیجہ تمہارے خلاف ہوا تو اپنی عورتوں کی طرف سے شرمندگی اٹھاؤ۔

وہ اسی پر بحث کر رہے تھے کہ اتنے میں ہند بنت عتبہ نے اپنی پوری آواز سے چیخ کر نوفل بن معاویہ سے کہا کہ تم تو جنگ بدر میں صحیح سالم رہے اور اپنی عورتوں سے آملے لیکن لات اور عزیٰ کی قسم ہم ضرور ساتھ جائیں گے اور کسی کو ایسا نہ کرنے دیں گے کہ وہ ہم کو واپس کردے جیسا کہ تم نے رقاصاؤں کو واپس کردیا تھا جب تم بدر کے لئے گئے تھے۔ چنانچہ ہمارے چاہنے والے قتل ہوتے رہے اور کوئی نہ تھا جو جنگ کرنے کے لئے ان کا ولولہ بڑھاتا۔ ہند کے اصرار اور سخت رویے

کے نتیجے میں رائے یہی ٹھہری کہ اس جنگ میں عورتیں شریک رہیں کیونکہ وہ تمام قریش میں سب سے زیادہ اپنے باپ، چچا اور بھائی کے طلب انتقام کی خواہشمند تھی۔ سیرت کی بعض کتابوں میں ہے کہ وہ عورتیں جو جنگ احد میں شریک ہوئیں پندرہ تھیں۔ ان میں ہند بنت عتبہ، ام حکیم بنت حارث بن ہشام زوجہ عکرمہ بن ابی جہل، سلافہ بنت سعد زوجہ طلحہ بن ابی طلحہ جس کا شوہر اور چار بیٹے اس جنگ میں قتل ہوئے، ریطہ بنت میتہ بن حجاج زوجہ عمرو بن عاص، خناس بنت مالک جو اپنے بیٹے ابوعزیز بن عمیر کے ساتھ تھی جبکہ اس کا بیٹا مصعب بن عمیر مسلمانوں کی طرف تھا اور انہی کے ساتھ شہید ہوا، عمرہ بنت علقمہ بن حارث کنانیہ زوجہ عزاب بن سفیان اور یہی وہ تھی جس نے مشرکوں کا جھنڈا گرنے کے بعد بڑھ کر اٹھالیا تھا اور قریش واپس آ کر اسی جھنڈے کی چاروں طرف جمع ہوگئے تھے۔ اسی کے بارے میں حسان بن ثابت نے کہا تھا کہ (ترجمہ شعر) ''اگر حارثیہ جھنڈے کو نہ اٹھالیتی تو یہ سب بازار میں کوڑیوں کے مول بکتے ہوتے۔'' اسی طرح کچھ اور عورتیں تھیں جو اپنے شوہروں اور بیٹوں کے ساتھ گئی تھیں۔

اس زمانے میں جب یہ لوگ چلنے کی تیاریوں میں مصروف تھے، عباس اہل مکہ کے ساتھ تھے اور ان کے ہر چھوٹے بڑے معاملے سے باخبر رہتے تھے۔ انہوں نے اسلام ظاہر نہیں کیا تھا بلکہ اس کو چھپائے ہوئے تھے اور ظاہراً ان کے ساتھ جنگ میں شریک تھے۔ لیکن درحقیقت وہ اسلام کے ساتھ پُرخلوص اور باوفا تھے اور ان کا ان لوگوں کے درمیان باقی رہنا خاص کر جبکہ وہ بدر میں قید ہوچکے تھے اور انہوں نے مدینہ میں اپنے اسلام کا اعلان کردیا تھا غالباً نبی اکرمؐ کی رائے سے اسلام کی مصلحت کے ماتحت تھا۔

اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت محمدؐ پر اور آپ کی رسالت پر ان کا ایمان ان طریقوں میں سے ایک طریقہ تھا۔ جس کو انہوں نے نبی اکرمؐ کو اس جنگ کے بارے میں ان لوگوں کی کارروائیوں اور تیاریوں سے باخبر رکھنے کے لئے استعمال کیا۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرتؐ کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے ان لوگوں کی کارروائیوں، ان کے اتحاد، ان کے سازوسامان اور ان کی تعداد کو بیان کیا اور اس کو خفیہ طور پر ایک غفاری شخص کے حوالے کیا تاکہ وہ اس کو نبی اکرمؐ تک پہنچادے اور اسے پوری رازداری کی ہدایت کی اور کہا کہ وہ رات دن برابر چلتا رہے۔

وہ غفاری خط لے کر چلا تو اس کو نبی اکرمؐ تک پہنچنے کے علاوہ کوئی اور فکر ہی نہ تھی۔ ادھر قریش مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے اپنے راستے پر گامزن رہے اور مقام ابواء پر جا پہنچے جہاں نبی اکرمؐ کی والدہ محترمہ آمنہ بنت وہب کی قبر ہے۔ بعض غصے میں بھرے ہوئے قریشی ایسے جوش میں آئے کہ قبر کھودنے کی سوچنے لگے۔ ہند بنت عتبہ کی بھی یہی رائے تھی کیونکہ وہ اسے اپنے مقام پر باعث برکت سمجھ رہی تھی کہ ایسا ضرور کرے تاکہ قریش جو چاہتے ہیں اس کو انجام دے لیں۔ لیکن بعض بڑے قریشی اس میں حائل ہوگئے اور انہوں نے ان لوگوں سے کہا کہ اگر ایسا کیا گیا تو یہ عرب میں ایک دستور بن جائے گا اور پھر بنی خزاعہ اور بنوبکر کو کوئی چیز اس سے باز نہ رکھ سکے گی کہ وہ قریش کے مُردوں کی قبریں بھی کھود ڈالیں۔

وہ غفاری عباس بن عبدالمطلب کا خط لئے ہوئے تیز تیز چلتا رہا یہاں تک کہ تین دن میں مدینہ پہنچ گیا اور اس کو نبی اکرمؐ قبا میں مسجد کے دروازے پر مل گئے اور اس نے خط آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آنحضرتؐ نے خط ابی بن کعب کو دیا اور انہوں نے وہ آنحضرتؐ کو پڑھ کر سنایا۔ نبی اکرمؐ نے ان کو ہدایت کی کہ اس بات کو چھپائے رکھیں اور جو کچھ اس میں ہے اس کی خبر کسی کو نہ کریں۔

نبی اکرمؐ مدینہ واپس آ گئے اور سعد بن ربیع کے گھر جا کر ان کو عباس بن عبدالمطلب کی بھیجی ہوئی خبر سے آگاہ فرما کر ان کو اسے چھپائے رکھنے کی ہدایت کر دی۔ وہ کہنے لگے: بخدا! میں امید کرتا ہوں کہ اس معاملے میں بھلائی ہوگی۔ جب نبی اکرمؐ تشریف لے گئے تو ان کی بیوی نے کہا کہ رسول اللہؐ نے تم سے کیا کہا ہے؟ انہوں نے کہا کہ تم کو اس سے کیا غرض۔ وہ بولی کہ میں نے تم لوگوں کی باتیں سن لی ہیں اور ان کو وہ بات سنا دی۔ تب تو وہ اس عورت کا ہاتھ پکڑ کر نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنحضرتؐ کو اس کے معاملے سے آگاہ کیا اور کہنے لگے کہ مجھ کو ڈر ہے کہ خبر پھیل نہ جائے اور آپ یہ خیال کریں کہ میں نے اس کو افشاء کیا ہے۔ نبی اکرمؐ نے ان سے فرمایا کہ اس کو جانے دو۔

قریش اپنے راستے پر چلتے رہے یہاں تک کہ مقام عقیق پر پہنچ گئے اور مدینہ سے پانچ میل کے فاصلے پر پہاڑ کے دامن میں اتر پڑے۔ پھر چل پڑے اور مدینہ کے مقابل ذوالحلیفہ کے مقام پر جا اترے۔ اس روز شوال کے پانچ دن باقی رہتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے گھوڑے اور اونٹ مدینہ کے چاروں طرف کے کھیتوں میں چرنے کے لئے چھوڑ دیئے۔

ادھر رسول اللہؐ نے فضال کے بیٹوں انس اور مونس کو خبریں لانے کے لئے روانہ کیا۔ ان دونوں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ مدینہ کے قریب آ گئے ہیں اور انہوں نے گھوڑے اور اونٹ کھیتوں میں چھوڑ دیئے ہیں۔ ان دونوں کے بعد آنحضرتؐ نے حباب بن منذر بن جموح کو بھیجا اور ان سے فرمایا کہ جب تم واپس آؤ تو ان کے متعلق خبر مجھ کو لوگوں کے سامنے مت بتانا بلکہ جب تم دیکھو کہ کم لوگ ہیں تب بتانا۔ چنانچہ وہ گئے اور ان میں جا ملے اور ان کی تعداد اور ساز و سامان سے واقف ہو گئے۔ واپس آ کر انہوں نے ان کے حالات آنحضرتؐ کو بتائے اور کہا کہ وہ لوگ تین ہزار سے تھوڑے زیادہ یا تھوڑے کم ہیں۔ گھوڑے اور اونٹ دو سو سے زیادہ ہیں۔ میں نے ان کی زرہیں دیکھیں جو اُن کے کپڑوں کے اوپر تھیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ سات سو ہیں۔ اس پر نبی اکرمؐ نے ان کو ہدایت کی کہ ان کے حالات کے بارے میں کسی چیز کا ذکر نہ کریں۔ اللہ ہمارے لئے کافی ہے۔ وہ بہترین مددگار ہے۔ اے اللہ میں تجھ ہی سے رابطہ رکھتا ہوں اور تیرے ہی پاس بازگشت ہے۔

جمعہ کی شب میں اوس اور خزرج کے سربرآوردہ افراد سعد بن معاذ، اسید بن خضیر اور سعد بن عبادہ آنحضرتؐ کے متعلق مشرکین کے خوف سے ہتھیار لگائے ہوئے مسجد میں رسول اللہؐ کے دروازے پر سوئے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور ایک گروہ مدینہ کی حفاظت پر رہا۔ جمعہ کی صبح کو نبی اکرمؐ نے منبر پر بلند ہو کر فرمایا کہ میں نے پچھلی رات خواب میں دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں ڈالا ہے اور میں نے دیکھا کہ ایک بیل کو ذبح کیا جا رہا ہے اور میں نے اپنی تلوار کی دھار میں ایک شگاف دیکھا اور یہ کہ میں نے ایک مینڈھے کو اپنی سواری پر پیچھے بٹھایا ہے۔ میں نے اس کی یہ تعبیر لی ہے کہ

وہ مضبوط زرہ مدینہ ہے، وہ بیل جو ذبح کیا جارہا ہے میرے اصحاب ہیں جو قتل ہوں گے، میری تلوار میں شگاف میرے اہلبیتؑ کے ایک فرد ہیں جو قتل ہوں گے اور وہ مینڈھا ان کے رسالہ کا سردار ہے جس کو اللہ قتل کردے گا۔ پس اگر تمہاری رائے ہو تو مدینہ میں ٹھہرے رہو اور جہاں وہ ٹھہرے ہوئے ہیں ان کو وہیں چھوڑ دو۔ اگر وہ وہیں ٹھہرے رہے تو وہ بدترین مقام ہے جہاں ٹھہرے ہیں اور اگر وہ ہمارے اوپر چڑھ کر آئے تو ہم ان سے اس شہر کے اندر لڑیں گے کیونکہ ہم اس کو ان سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ چنانچہ بعض راویوں کے خیال کے مطابق رسول اللہؐ اس خواب کی بری تعبیر کی بنا پر مدینہ سے باہر جانے کی رائے نہ رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمان بھی آپ ہی کی رائے سے متفق ہو جائیں۔

پھر آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ عبداللہ بن اُبی بن سلول نے آنحضرتؐ کو رائے دی کہ مدینہ سے باہر نہ جائیں اور کہا کہ یارسول اللہؐ مدینہ میں ٹھہرے رہئے اور اس سے باہر نہ نکلئے کیونکہ قسم بخدا! جب کبھی ہم اس سے باہر نکل کر دشمن کی طرف گئے ہیں تو وہ ہم پر بازی لے گیا ہے اور جب وہ اندر آیا ہے تو ہم اس پر بازی لے گئے ہیں۔ پس یارسول اللہؐ آپ ان کو وہیں رہنے دیجئے۔ اگر وہ ٹھہرے رہے تو بدترین جگہ ٹھہرے رہیں گے۔ اگر وہ اندر آگئے تو مرد ان سے ان کے سامنے سے لڑیں گے اور بچے ان کے پیچھے سے پتھر ماریں گے۔ جب وہ واپس ہوں گے تو جیسے آئے تھے ویسے ہی بغیر کچھ حاصل کئے واپس ہوں گے۔ یہی رائے بڑے بڑے مہاجرین جیسے ابوبکر وعمر اور بعض انصار کی تھی۔

لیکن جوان العمر مہاجر اور انصار اور بعض سن رسیدہ افراد بھی جو بدر میں شریک نہ ہوئے تھے اور بعض وہ جو شریک ہوئے تھے اور فتحیابی کا مزہ چکھے ہوئے تھے اور ان کے دل ایمان سے لبریز ہو رہے تھے یہ خیال رکھتے تھے کہ مسلمانوں کو مغلوب نہیں کیا جاسکے گا۔ اس لئے باہر نکل کر دشمن سے جہاں وہ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں وہیں مقابلہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ بزدلی اور خوفزدگی کے الزام سے ڈرتے تھے۔

بنی عبدالاشہل کے ایک شخص ایاس بن ابی اوس نے کہا کہ یارسول اللہؐ میں نہیں پسند کرتا کہ قریش اپنی قوم میں واپس جاکر کہیں کہ ہم نے محمدؐ کو یثرب کے قلعوں اور پناہگاہوں میں محصور کردیا تھا۔ قریش کی یہ جرأت ہے کہ ہمارے گھروں تک آپہنچے ہیں اور اگر ہم اپنی آبرو اور اپنی کھیتی کو ان سے نہ بچاسکیں گے تو ہم کاشت بھی نہ کرپائیں گے۔ حالانکہ یارسول اللہؐ زمانۂ جاہلیت میں ہم ایسے تھے کہ اگر عرب ہماری طرف آتے تو وہ ہم سے ایسی توقع نہ رکھتے تھے بلکہ ہم خود اپنی تلواریں لے کر ان کی طرف بڑھتے تھے اور ان کو اپنے سے بھگا دیتے تھے اور آج جب اللہ نے ہم کو آپ کے ذریعے سے بڑھا دیا ہے اور ہم اپنا طریقہ رفتار پہچان گئے ہیں اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ اپنے آپ کو اپنے گھروں میں بند نہ رکھیں۔

پھر خیثمہ ابوسعد بن خیثمہ نے کھڑے ہوکر کہا کہ یارسول اللہؐ قریش نے ایک سال تک ٹھہر کر لوگوں کو جمع کیا، عربوں اور اور ان حبشیوں کو جو اُن کے کہنے میں آگئے وادیوں سے کھینچ بلایا اور اب ہماری طرف آئے ہیں، ان کے آگے آگے گھوڑے ہیں، انہوں نے اونٹ کو پانی پلاکر تیار کرلیا ہے اور ہمارے صحن میں آاترے ہیں، وہ ہم کو ہمارے گھروں اور قلعوں میں محصور کردیں گے اور بغیر بات کئے ہوئے لدے پھندے واپس چلے جائیں گے، اس سے ان کی جرأتیں ہمارے

خلاف بڑھ جائیں گی یہاں تک کہ وہ ہمارے خلاف لوٹ مار شروع کردیں گے، ہمارے مکانوں پر چڑھ آئیں گے، ہم پر اپنی نگاہیں جمائے رہیں گے اب جبکہ وہ ہماری کھیتیوں کو برباد کرچکے ہیں۔ ان عربوں کو ہمارے خلاف جرأت ہو جائے گی اور پھر جب وہ دیکھیں گے کہ ہم ان کے مقابلے کے لئے نہیں نکل رہے ہیں تا کہ اپنی ناموس کی حفاظت کریں تو ان کو ہمارے خلاف اور لالچ ہوگا حالانکہ بہت ممکن ہے کہ اللہ ہم کو ان پر فتحیاب کرے کیونکہ یہ اللہ کا ہمارے ساتھ طریقہ رہا ہے یا دوسری صورت ہوگی یعنی شہادت۔ مجھ سے بدر میں غلطی ہوچکی ہے کہ مجھ کو اس میں جانے کی شدید خواہش تھی جو یہاں تک پہنچی کہ میں نے قرعہ اندازی سے اپنے بیٹے کو بھیج دیا اور اس کو شہادت نصیب ہوگئی حالانکہ مجھ کو خود شہادت کی خواہش تھی۔ میں نے پچھلی رات اپنے بیٹے کو خواب میں دیکھا ہے، وہ بہت اچھی حالت میں ہے، جنت کے پھلوں اور دریاؤں کے درمیان آرام سے بسر کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ جنت میں حق ہمارے ساتھ ہے۔ جو کچھ میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا تھا میں نے اس کو سچ پایا۔ پس یارسول اللہؐ! قسم بخدا میں اس کے ساتھ جنت میں ہونے کا مشتاق ہوں۔ میرا سن بہت ہو چکا ہے، میری ہڈیاں دبلی پڑ چکی ہیں، میں اپنے پروردگار سے جاملنا چاہتا ہوں۔ یارسول اللہؐ! آپ اللہ سے دعا فرمایئے کہ مجھ کو جنت میں سعد کی رفاقت عطا کردے۔ پس رسول اللہؐ نے اس کے لئے دعا فرمائی چنانچہ جو لوگ اس معرکے میں قتل ہوئے ان کے ساتھ وہ بھی شہید ہوگیا۔

حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل کی ہے میں آج کھانا نہیں کھاؤں گا تاوقتیکہ ان لوگوں سے مدینہ کے باہر اپنی تلوار سے نہ لڑلوں اور جیسا کہ شرح نہج البلاغہ کی تیسری جلد میں ہے حضرت حمزہؓ نے جمعہ اور ہفتہ کے روز جنگ کی تو دونوں دن روزہ سے تھے۔

اسی کتاب میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت حمزہؓ، سعد بن عبادہ، نعمان بن مالک اور اوس اور خزرج کے دیگر نیک نیت اور سن رسیدہ افراد نے رسول اللہؐ سے کہا: یارسول اللہؐ! ہم کو خوف ہے کہ ہمارا دشمن یہ خیال کرتا ہوگا کہ ہم اس کی طرف جانے اور اس سے مقابلے کی ہمت نہ ہونے کی وجہ سے گریز کر رہے ہیں۔ یہ ہمارے خلاف اس کی جرأت کا باعث ہوگا۔ جنگ بدر کے روز آپ کے پاس صرف تین سو افراد تھے لیکن اللہ نے آپ کو ان پر کامیابی عطا کی جبکہ آج ہم بہت زیادہ افراد ہیں، ہم آج کے دن کی تمنا کرتے تھے اور اللہ سے دشمن کے آنے کی دعا کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ نے اس کو ہماری طرف بھیج دیا ہے اور وہ ہمارے سامنے ہے۔

لوگ اسی طرح ایک دوسرے کے بعد اپنی رائے پیش کرتے رہے لیکن رسول اللہؐ باہر جانے سے گریز فرما رہے تھے۔ وہ لوگ لگے رہے یہاں تک کہ رسول اللہؐ نے ان لوگوں سے موافقت کا اظہار فرمادیا۔ ان لوگوں میں غالب اکثریت لڑنے والوں کی تھی۔ جب جمعہ کی نماز کا وقت ہوا تو آنحضرتؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور منبر پر تشریف لے جا کر وعظ فرمایا اور عمل کرنے کی کوشش کرتے رہنے اور صبر کرنے کی تلقین فرمائی اور ان کو بتلایا کہ اگر وہ صبر کریں گے اور اللہ کے دشمنوں اور اس کے رسول کے دشمنوں سے جنگ کرنے میں پُرخلوص رہیں گے تو کامیابی انہی کو حاصل ہوگی۔ پھر آنحضرتؐ نے دشمن

سے مقابلہ کرنے کے لئے تیاری کا حکم دیا، جس سے بیشتر افراد خوش ہو گئے۔

جب عصر کی نماز کا وقت ہوا تو آنحضرتؐ نے نماز پڑھائی۔ لوگ نبی اکرمؐ کے گرد اکٹھے ہو گئے تا کہ آنحضرتؐ کی آخری رائے معلوم کریں اور اہل وعیال والے لوگ بھی جمع ہو گئے۔ جب آنحضرتؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ اپنے مکان میں داخل ہو گئے اور لوگ آپ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرنے لگے۔ اس وقت سعد بن معاذ اور اسید بن خضیر نے ان لوگوں سے کہا کہ تم نے رسول اللہؐ کو جانے کے معاملے میں بددل کر دیا ہے۔ فیصلہ انہی پر چھوڑ دو۔ آنحضرتؐ باہر تشریف لائے تو آہنی سینہ بند پہنے، عمامہ سر پر رکھے، زرہ زیب تن کئے ہوئے، اپنی تلوار لٹکائے ہوئے، کمان کندھے پر سجائے ہوئے اور سپر کمر میں لگائے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ کو اس حالت میں دیکھ کر وہ لوگ جو چلنے کے لئے مصر تھے آپ کی طرف بڑھے لیکن اپنے موقف پر اس خوف سے پشیمان تھے کہ ان کے بارے میں اللہ کی جانب سے کوئی آیت نہ آ گئی ہو۔ چنانچہ ان لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہؐ! ہم آپ کی مخالفت کرنا نہیں چاہتے، جو آپ چاہیں کیجئے، فیصلہ اللہ پر اور آپ پر ہے، اگر آپ چلتے ہیں تو ہم چلتے ہیں، اگر آپ قیام فرماتے ہیں تو قیام کریں گے۔ اس پر نبی اکرمؐ نے ان کو یہ جواب دیا: ''میں نے تم کو اسی کے لئے کہا تھا تو تم نے مانا نہیں۔ ایک نبی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ جب وہ اپنا آہنی سینہ بند پہن لے اور پھر قبل اس کے کہ اللہ اس کے اور اس کے دشمنوں کے مابین فیصلہ کرے اتار ڈالے۔ پس اب انتظار کرو اور جو حکم وہ تم کو دے اس کو مانو۔ پھر جیسا صبر کرو گے ویسی کامرانی تم کو حاصل ہوگی۔''

یہ ہے مختصر صورت اس کی جو کچھ نبی اکرمؐ اور مسلمانوں کے درمیان ان کے طبقات میں اختلاف کے باعث اس بارے میں ہوا کہ آیا مدینہ میں ٹھہر کر انتظار کیا جائے اور قریش کا مقابلہ شہر کے اندر رہ کر کیا جائے یا جہاں وہ اترے ہوئے تھے وہیں جا کر مدینہ سے باہر ان کا مقابلہ کیا جائے جیسا کہ تمام مؤرخوں اور لکھنے والوں نے بیان کیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ تمام سیرت نگار اس گفتگو کے بارے میں صرف اتنا کہنے پر قناعت کر گئے ہیں کہ رسول اللہؐ، ابن سلول اور دوسرے سن رسیدہ اصحاب کی رائے میں شریک تھے اور مدینہ میں ٹھہرے رہنے کو ترجیح دیتے تھے لیکن اکثریت کے جوش نے آنحضرتؐ کو مجبور کر دیا کہ ان کی پسند کو مان لیں۔

میری رائے یہ ہے کہ معاملہ کی ابتدا ہی میں نبی اکرمؐ حملہ آوروں کا مقابلہ مدینہ کے اندر رہ کر کرنے کو ترجیح نہیں دے رہے تھے بلکہ آنحضرتؐ نے لوگوں سے مشورہ طلب کیا تھا تا کہ ان کی نیت معلوم کر لیں۔ آنحضرتؐ کو پورا یقین تھا کہ ان کا مقابلہ مدینہ کے اندر رہ کر کیا گیا تو دشمن کے لئے گنے چنے گھنٹوں کے اندر اس پر قبضہ کر لینا ممکن تھا کیونکہ ان کو منافقوں اور مشکوک العقیدہ افراد میں حضرت محمدؐ اور ان کے ماننے والوں کے خلاف مدد کرنے والے مل جاتے جن کی تعداد مدینہ کے باشندوں میں بہت تھی اور یہ لوگ ان لوگوں سے پیہم رابطہ بھی رکھتے تھے۔ یہ عقلاً ناقابل قبول ہے کہ عبداللہ بن اُبَی بن سلول اور مہاجرین وانصار میں سے دوسرے منافق اور مشکوک العقیدہ افراد خلوص سے حضرت محمدؐ کو خلوص سے مشورہ دیتے اور آپ کی رسالت کی حفاظت کرتے کیونکہ وہ لوگ تو حملہ آوروں سے پورا پورا تعاون کر رہے تھے اور عبداللہ بن اُبَی

بن سلول نبی اکرمؐ کو مدینہ میں ٹھہرے رہنے کا مشورہ دینے والوں میں سب سے آگے تھا اور بعض سن رسیدہ اصحاب اس میں اس کی موافقت کر رہے تھے۔ نبی اکرمؐ منافقوں کی غرض سمجھ گئے تھے لیکن آپ ابن سلول کی رائے سے اتفاق ظاہر کرتے رہے تا کہ باقی مسلمانوں کا اندازہ کرلیں اور ان کی نیتیں معلوم کرلیں۔

اس میں شک نہیں کہ ان مہاجرین و انصار میں جو عبداللہ بن اُبَی بن سلول کی موافقت کر رہے تھے ایک جماعت ایسی بھی تھی جن کی نیتوں پر شک نہیں ہوسکتا تھا۔ اسی طرح ان میں بعض نفسیاتی مریض اور سازش کرنے والے تھے۔ البتہ جب آنحضرتؐ ان سب کی رائے سے واقف ہوگئے اور آپ نے ان سب کو اچھی طرح پرکھ لیا تب آپ نے اپنی اس رائے کا اعلان فرمادیا جس پر آپ اس پہلے لحظہ سے قائم تھے جب آپ کو قریش کے بارے میں خبر پہنچی تھی۔

جو بات اس خیال کو قابل ترجیح بنادیتی ہے کہ آنحضرتؐ نے عبداللہ بن اُبَی بن سلول کی رائے سے اختلاف نہیں فرمایا حالانکہ آپ کو علم تھا کہ یہ لوگ قریش کے مددگار بن جائیں گے یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ روانہ ہوئے تو عبداللہ بن اُبَی بن سلول اپنے تقریباً ساڑھے تین سو منافق ساتھیوں اور کچھ یہودیوں کو لے کر آنحضرتؐ کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔ یہ لوگ مدینہ سے باہر چند میل تک حملہ آوروں سے مقابلہ کرنے کے لئے آنحضرتؐ کے ہمراہ چلتے رہے پھر بلا سبب واپس ہوگئے۔

یہ ایک ہی بات ہے کہ ان کی واپسی ان کی اپنی پسند سے تھی یا نبی اکرمؐ کے کہنے کی بنا پر۔ بہرصورت یہ ان کی بدنیتی کی پختہ دلیل ہے اور یہ کہ آنحضرتؐ کو ان سے یہ خوف تھا کہ جب جنگ زوروں پر ہوگی تو یہ لوگ مشرکوں سے جاملیں گے اور پھر وہ ایسی قوت بن جائیں گے جس کو کمزور نہ کیا جاسکے گا۔ پس جب آنحضرتؐ ان کے بارے میں اس وقت بھی مشکوک تھے جب وہ لوگ مدینہ سے باہر تھے تو آنحضرتؐ دشمن کا مقابلہ شہر کے اندر کرنے میں ان سے کیونکر اتفاق کرسکتے تھے اور شہر کے دروازوں اور گلیوں میں دفاع کرنے کے لئے ان کی نیت کے خلوص سے کیسے مطمئن ہوسکتے تھے۔

اگر عبداللہ بن اُبَی بن سلول اپنے اس قول میں سچا تھا کہ حملہ آوروں کے مدینہ پر چڑھائی کرنے کی صورت میں وہ اس کا دفاع کرے گا تو پھر وہ راستے سے واپس کیوں ہوگیا جبکہ وہ جانتا بھی تھا کہ نبی اکرمؐ کا لشکر مدد اور پشت پناہی کا شدید ضرورت مند تھا۔ وہ چیز جس نے اس کو یہ سجھایا وہ تدبیر تھی جو نبی اکرمؐ نے اختیار فرمائی اور وہ سیاسی اور عسکری نقطہ نگاہ سے حکیمانہ اور دانشمندانہ تھی۔ چنانچہ اس نے اس کو بہتر سمجھا کہ اگر وہ مدینہ میں رہ جاتا ہے تو مشرکوں کو ایسے افراد مل سکیں گے جو مدینہ میں ان کے ہم خیال ہوں اور شہر پر قبضہ کرلینے میں اور جنگ کو اس کی گلیوں تک لے آنے میں ان کے مددگار ہوجائیں گے اور اگر جنگ کا نتیجہ وہ ہوگا جو احد کے میدان میں ہوا تو چند ہی گھنٹوں کے اندر نبی اکرمؐ اور آپ کے ماننے والے مشرکوں اور منافقوں کے رحم و کرم پر آپڑیں گے۔

بہرحال نبی اکرمؐ نے مدینہ میں ابن ام مکتوم کو پیچھے چھوڑا تا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور آپ نے تین علم تیار کئے۔ مہاجرین کا علم علیؑ ابن ابی طالبؑ کو دیا، اوس کا علم اسید بن خضیر کو اور خزرج کا علم حباب بن منذر، یا بقولے سعد بن عبادہ انصاری کو دیا۔ پھر آنحضرتؐ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ایک ہزار لڑنے والے افراد کو لے کر روانہ ہوئے جن میں

ایک سو زرہ پوش تھے اور ان کے ساتھ دو سو یا ایک قول کے مطابق اس سے زیادہ گھوڑے تھے۔ آنحضرتؐ کے آگے آگے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ چل رہے تھے اور لوگ آنحضرتؐ کے دائیں اور بائیں پر تھے۔ جب آنحضرتؐ راس الثنیہ پر پہنچے تو آپ متوجہ ہوئے کہ ایک ہتھیاروں سے لدا پھندا رسالہ ہے جو اپنے پیچھے شور چھوڑ رہا ہے۔ آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ عبداللہ بن اُبَی بن سلول کے یہودی حلیف ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہم مشرکوں کے خلاف مشرکوں سے مدد لینا نہیں چاہتے۔ چنانچہ عبداللہ بن اُبَی بن سلول اور اس کی جماعت واپس ہوگئی۔

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ مقام شوط میں پہنچے جو مدینہ اور احد کے درمیان ہے عبداللہ بن اُبَی بن سلول ایک تہائی آدمیوں کو لے کر آنحضرتؐ سے علیحدہ ہوگیا اور بولا کہ محمدؐ نے ان کی اطاعت کی ہے اور میری نافرمانی کی ہے۔ اے لوگو! ہم نہیں سمجھتے کہ ہم کس بات پر اپنے آپ کو یہاں پر قتل کرا ڈالیں اور وہ ان منافقوں اور مشکوک العقیدہ افراد کو لے کر واپس ہوگیا جو اس کے کہنے میں آگئے۔ حضورؐ کی پیروی کرنے والوں میں سے عبداللہ بن عمر بن حزام تھا جو بنی سلِمہ کا بھائی بند تھا۔ اس نے کہا کہ "اے لوگو! میں تم سے اللہ کو یاد دلا کر کہتا ہوں کہ تم اپنی قوم والوں کو اور اپنے نبی کو ایسے وقت میں مت چھوڑو جب وہ اپنے دشمن کے سامنے آئے ہوئے ہیں۔" اس پر وہ لوگ بولے کہ اگر ہم یہ جانتے ہوتے کہ تم جنگ کرنے والے ہو تو ہم تمہارے ساتھ ہوتے۔ لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ جنگ ہوگی۔ پس جب ان لوگوں نے اسی طرح خطائیں نکالیں اور علیحدہ ہو جانے کے علاوہ ہر بات سے انکار کر دیا تو اس نے کہا کہ "اللہ تم کو دفعان کرے، اے دشمنان خدا۔ اللہ اپنے نبیؐ کو تمہاری ضرورت سے بے نیاز کر دے گا۔ (شرح نہج البلاغہ، ج۳، ص۳۶۴)

یہ روایت ہمارے اس بیان کی تائید کرتی ہے کہ عبداللہ بن اُبَی بن سلول اپنی اس رائے میں جو اس نے نبی اکرمؐ کو مشورہ میں پیش کی تھی مسلمانوں کو فریب دینے اور مشرکوں کو مدد دینے کی نیت کئے ہوئے تھا کہ جسے مسلمان سمجھ نہ پائیں۔

اس کے بعد رسول اللہؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کون ہے ایسا شخص جو ہم کو ان لوگوں کی طرف ایسے قریب کے راستے سے لے چلے جو ہماری طرف سے ہو کر ان تک نہ جاتا ہو۔ اس پر ابوخیثمہ نے کہا کہ میں ہوں یا رسول اللہؐ۔ چنانچہ آنحضرتؐ ان کے ساتھ بنی حارثہ کی زمین اور ان کی ملکیت کے درمیان ہو کر چلے یہاں تک کہ آپ مربع بن قیظی کی ملکیت سے گزرے۔ یہ ایک منافق شخص تھا جو آنکھوں سے نابینا تھا۔ اس کو جب رسول اللہؐ اور آپ کے ساتھ کے مسلمانوں کا احساس ہوا تو کھڑا ہو کر ان کے منہ پر مٹی پھینکنے لگا اور کہتا جاتا تھا کہ اگر تم رسول اللہؐ ہو تو میں تم کو اجازت نہیں دیتا کہ تم میری حدود میں داخل ہو۔ پھر اس نے ایک مٹھی مٹی لے کر کہا کہ اے محمد قسم بخدا! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ تمہارے علاوہ کسی پر نہ پڑے گی تو میں اس کو تمہارے ہی چہرے پر مارتا۔ اب تو لوگ اس پر جھپٹ پڑے تاکہ اس کو قتل کر ڈالیں لیکن رسول اللہؐ نے ان کو یہ کہہ کر روک دیا کہ یہ دل اور آنکھ دونوں کا اندھا ہے۔ البتہ قبل اس کے کہ رسول اللہؐ لوگوں کو اس کو چھیڑنے سے منع فرمائیں سعد بن زید نے اس کے سر پر ضرب لگائی جس سے سر پھٹ گیا۔

رسول اللہؐ صبح تک چلتے رہے تا آنکہ احد پہنچ گئے۔ اب آپ نے اس کے راستوں کا جائزہ لیا اور پہاڑ کو اپنی

پشت پر قرار دے کر اپنے اصحاب کی صفیں بنانے اور ان کو جنگ کے لئے تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے پچاس افراد پہاڑ کی ایک گھاٹی پر معین کئے اور ان سے فرمایا کہ تم ہمارے پیچھے سے ہماری حفاظت کرنا کیونکہ ہم کو خوف ہے کہ وہ لوگ ہمارے پیچھے کی طرف سے آجائیں گے اور آپ نے ان کو تاکید کی کہ اپنی جگہ پر جمے رہیں خواہ مسلمانوں میں سے آخری فرد بھی قتل ہو جائے۔ آنحضرتؐ نے مزید فرمایا کہ تمہارا یہ بھی فرض ہے کہ اگر تم دیکھو کہ وہ لوگ ہمارے اوپر ہمارے پیچھے کی طرف سے ہم پر حملے کی کوشش کر رہے ہیں تو ان پر تیروں کی بارش کرنا کیونکہ گھوڑے تیروں کے مقابلے پر نہیں بڑھا کرتے۔ پھر آنحضرتؐ نے لوگوں کو منع فرمایا کہ جب تک خود آنحضرتؐ حکم نہ دیں دشمن سے نہ لڑیں۔ مسلمانوں کی تعداد جیسا کہ سیرت کی کتابیں بتلاتی ہیں سات سو لڑنے والے افراد پر مشتمل تھی اس کے مقابلے میں وہ لوگ تین ہزار یا زیادہ تھے اور ان کے ساتھ عورتیں بھی تھیں جو اُن کو بدر کے مقتولین کا بدلہ لینے پر ابھار رہی تھیں۔

جب آنحضرتؐ اپنے لشکر کو آراستہ فرما رہے تھے تو آپ نے کچھ مسلمان لڑکوں کو چھوٹا قرار دے کر واپس فرما دیا۔ ان میں عبداللہ بن عمر، اسامہ بن زید، زید بن ثابت جو بنی مالک بن نجار سے تھے اور اسید بن ظہیر شامل تھے۔ نیز آنحضرتؐ نے سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج کو لشکر میں واپس لے لیا حالانکہ اس سے پہلے ان کو چلے جانے کا حکم دیا تھا کیونکہ وہ پندرہ سال کے تھے۔ ان کو واپس لینے کا سبب یہ تھا کہ آنحضرتؐ کو بعد میں بتایا گیا کہ وہ تیراندازی میں اچھے ماہر ہیں۔

مشرکوں نے آگے بڑھ کر مدینہ کی وادی کی طرف پیٹھ کر لی اور رخ احد کی جانب کر لیا۔ ان لوگوں نے اپنی صفیں قرار دیں تو میمنہ پر خالد بن ولید کو، میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو، گھوڑا سواروں پر صفوان بن امیہ کو اور تیراندازوں پر عبداللہ بن ابی ربیعہ کو مقرر کیا اور علم بنی عبدالدار کے طلحہ بن ابی طلحہ کو دیا۔

ابوسفیان بن حرب بنی عبدالدار کو جنگ پر اکساتے ہوئے چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ اے بنی عبدالدار تم نے جنگ بدر میں ہمارا علم سنبھالا تھا تو جو مصیبت ہم پر پڑی وہ تم نے دیکھ لی۔ اس سے پہلے جن لوگوں کو علم دیئے جاتے تھے تو اگر علم گر جاتا تو وہ لوگ بھی فنا ہو جاتے تھے۔ پس یا تو تم ہمارے علم کی پوری طرح حفاظت کرنا ورنہ ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جاؤ پھر تم کو اس کی حفاظت کر کے دکھا دیں گے کیونکہ ہم ایسے لوگ ہیں جو موت کو بلاتے پھرتے ہیں اور اپنے کشتوں کے خون کا انتقام لینے کے لئے تجدید عہد کرتے رہتے ہیں۔ اگر علم ضائع ہو جائیں تو لوگوں کا سہارا کیا ہو اور اس کے بعد ان کی بقاء کس طرح ہو۔ اس پر بنی عبدالدار کو غصہ آ گیا اور وہ بولے کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنا علم دے دیں۔ البتہ اس کی حفاظت؟ سو تم دیکھ لینا۔ اس کے بعد انہوں نے اسے نیزے کی طرح گاڑ دیا اور بنی عبدالدار نے اس کو گھیرے میں لے لیا اور ابوسفیان کو خوب برا بھلا کہا۔ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ ہم دوسرا علم بنائے لیتے ہیں۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے مگر اس کو بھی بنی عبدالدار کے آدمی کے علاوہ کوئی اور نہیں اٹھائے گا کیونکہ اس کے علاوہ کبھی ایسا ہوا ہی نہیں ہے۔

نبی اکرمؐ اپنے اصحاب کو صف آرا فرما چکے تو آپ نے دریافت کیا کہ مشرکوں کا علم کس کے پاس ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ بنی عبدالدار کے پاس اور مسلمانوں کا علم (لواء) جو امام علیؑ کے پاس تھا آنحضرتؐ نے مصعب بن عمیرؓ کو دیدیا

کیونکہ وہ بھی بنی عبدالدار سے تھے۔ جب مصعب بن عمیرؓ شہید ہوگئے تو وہ علم پھر سے امام علیؑ کے پاس آ گیا۔ اس طرح یہ لواء اور رایت دونوں امام علیؑ کے پاس ہوگئے۔ شیخ مفید کی ''ارشاد'' میں ان دونوں کے فرق کے بارے میں آیا ہے کہ رایت بڑا علم ہوتا ہے اور لواء اس سے چھوٹا۔

نبی اکرمؐ نے انصار کے رایت کے نیچے قیام فرمایا۔

طبری کی روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے زبیر کو گھوڑوں پر مقرر کیا اور انہی کے ساتھ مقداد بن اسودؓ تھے۔ حضرت حمزہؓ لشکر لے کر آنحضرتؐ کے سامنے سے نکلے اور خالد بن ولید مشرکین کی طرف سے گھڑسواروں کو لئے ہوئے بڑھا اور اسی کے ساتھ عکرمہ بن ابی جہل بھی تھا۔ آنحضرتؐ نے زبیر کو بھیجا اور فرمایا کہ خالد بن ولید کی طرف بڑھو اور اس کے سامنے رہو تا آنکہ میں تم کو لڑنے کی اجازت دوں۔

اب آنحضرتؐ اپنے اصحاب کے سامنے تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپؐ نے فرمایا:

''اے لوگو! میں تم کو اسی کی ہدایت کرتا ہوں جو اللہ نے اپنی کتاب میں مجھ کو کی ہے یعنی اس کی اطاعت میں عمل کرنا اور اس کی حرام قرار دی ہوئی چیزوں سے گریز کرنا۔ تم لوگ اجر پانے کی منزل میں ہو اور جس کسی نے وہ یاد رکھا جس پر اس کا ایمان ہے اور اپنے نفس کو صبر کا یقین کا اور محنت کا عادی بنالیا اس کے لئے ذخیرہ ہے کیونکہ دشمن سے جہاد کرنا بہت ناگوار ہوتا ہے بہت کم ہیں وہ افراد جو اس پر صبر کریں سوائے ان کے جو اس کی خوبی کی وجہ سے اس کا پختہ ارادہ کرلیں۔

بیشک اللہ اس کے ساتھ ہے جو اس کی اطاعت کرے اور شیطان اس کے ساتھ ہے جو اللہ کی نافرمانی کرے۔ تم لوگ اپنے اعمال کو جہاد میں صبر سے شروع کرو اور اس کے ذریعے سے وہ چیز طلب کرو جس کا وعدہ اللہ نے تم سے کیا ہے۔ تم کو وہی کرنا چاہئے جس کا میں تم کو حکم دوں کیونکہ میں تمہاری ہدایت کا خواہشمند ہوں۔ ایک دوسرے کی مخالفت، لڑائی جھگڑا، کاہلی، بے بسی اور کمزوری کا باعث ہیں اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ محبوب نہیں رکھتا اور نہ اس کی وجہ سے فتح وکامرانی عطا کرتا ہے۔

اے لوگو! بے شک اس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ جو کوئی حرام فعل کر رہا ہو اور اس سے وہ اجر پانے کے لئے گریز کرے جو اللہ کے پاس ہے تو اللہ اس کا گناہ معاف کردے گا۔ جو کوئی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ اور اس کے ملائکہ اس پر دس مرتبہ درود بھیجیں گے۔ جو کوئی ایک مسلمان کے ساتھ حسن سلوک کرے گا اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ یا جلد اسی دنیا میں یا بہ دیر آخرت میں۔

جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ کی نماز فرض ہے، سوائے بچے کے یا عورت کے یا مریض کے یا غلام کے جو کسی کی ملکیت میں ہو۔ جو اس نماز سے بے پروا ہوا اللہ اس

سے بے پروا ہو جائے گا اور اللہ بڑا بے نیاز لائق حمد ہے۔ میرے علم میں کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو تم کو اللہ سے قریب کرتا ہو سوائے اس کے کہ میں نے تم کو اس کا حکم دے دیا ہے اور میرے علم میں کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو تم کو جہنم سے قریب کرتا ہو سوائے اس کے کہ میں نے تم کو اس سے منع کر دیا ہے۔ میرے ذہن میں روح الامین نے یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اس کو اپنا دور سے دور تک کا رزق حاصل نہ ہو جائے اور اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی خواہ وہ اس سے کھنچنا چاہے۔

پس تم لوگ اپنے پروردگار اللہ سے ڈرتے رہو اور رزق کے طلب کرنے میں اچھی کوشش کیا کرو۔ اس کے ملنے میں دیر تم کو اس امر پر مائل نہ کرے کہ تم اس کو اللہ کی نافرمانی کے ذریعے طلب کرو کیونکہ اللہ کے ہاں جو کچھ ہے وہ اس کو اپنی اطاعت کی بنا پر دیتا ہے۔ تمہارے سامنے حلال اور حرام کو واضح کر دیا گیا ہے سوائے اس کے کہ ان دونوں میں کچھ ملتی جلتی چیزیں ہیں جن کو بیشتر افراد نہیں جانتے۔ سوائے ان کے جو گناہ سے بچے رہتے ہیں۔ جو کوئی ان سے باز رہا اس نے اپنی آبرو اور اپنے دین کو محفوظ کر لیا اور جو کوئی اس میں کود پڑا وہ اس چرواہے کی مثال ہے جو ممنوعہ چراگاہ کے کنارے پر کھڑا ہو اور قریب ہے کہ وہ اس میں گر جائے اور استعمال کر لے۔ کوئی فرشتہ ایسا نہیں جس کی ایک ممنوعہ چراگاہ نہ ہو۔ اللہ کی ممنوعہ چراگاہ اس کی حرام قرار دی ہوئی چیزیں ہیں۔ ایک مومن دوسرے مومن کے لحاظ سے ایسا ہی ہے جیسے سر کے لحاظ سے جسم۔ اگر سر کو شکایت ہو تو سارا جسم اس سے متاثر ہو جاتا ہے۔ تم سب پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔

سیرت ابن ہشام وغیرہ میں ہے کہ ابو عامر جو بنی ضبیعہ کے عمرو بن صیفی بن مالک بن نعمان کا غلام تھا، مکہ کی طرف گیا تھا۔ اس کے ساتھ اوس کے پچاس لڑکے اور دوسروں کے پندرہ مرد تھے جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ یہ سب قریش کے دوست تھے۔ اس نے قریش سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ان کی قوم کا مقابلہ اوس سے ہوا تو کوئی دو افراد ان سے اختلاف نہ کریں گے۔ وہ قریش کے ساتھ احد آیا تھا۔ جب لوگوں میں مقابلہ ہوا تو ابو عامر پہلا شخص تھا جس نے حبشیوں اور مکہ کے غلاموں کے ساتھ اوس سے مقابلہ کیا اور چلا کر کہا: اے گروہ اوس! میں ابو عامر ہوں۔ ان لوگوں نے جواب میں کہا کہ اے فاسق! اللہ تجھ کو ہمارے خلاف مدد نہ پہنچائے۔ ایام جاہلیت میں اس کی کنیت راہب تھی۔ اس کے بعد رسول اللہؐ نے اس کو فاسق کا نام دے دیا۔ جب اس نے ان لوگوں کا جواب سنا تو کہنے لگا کہ میرے بعد میری قوم میں برائی پھیل گئی ہے اس کے بعد اس نے ان سے جنگ کی اور ان کو پتھروں سے کچل ڈالا۔

بعد ازاں رسول اللہؐ نے ایک تلوار نکال کر فرمایا کہ کون اس تلوار کو اس کے حق کے مطابق لیتا ہے؟ لوگ آنحضرتؐ کی طرف بڑھے لیکن آپ نے اس کو ان سے ہٹا لیا۔ ابن کثیر کی روایت میں ہے کہ ان میں حضرت عمر بن خطاب اور

دوسرے لوگ شامل تھے۔ رسول اللہؐ ندا دیتے رہے اور اپنا قول دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ ابودجانہ انصاری اور بنی ساعدہ کے سماک بن خراشہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ اس کا حق کیا ہے یارسول اللہؐ؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس کا حق یہ ہے کہ تم اس سے دشمن کو مارتے رہو یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔ وہ بولے کہ یارسول اللہؐ! میں اس کو لیتا ہوں۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے وہ ان کو دیدی۔ ابودجانہ ایک بہادر مرد تھے، جنگ میں خودسری دکھاتے تھے اور اپنے ایک سرخ پٹی باندھ لیتے تھے۔ چنانچہ جب وہ اس کو باندھ لیتے تھے تو لوگ سمجھ جاتے تھے کہ وہ جنگ کا ارادہ کر رہے ہیں۔

شرح نہج البلاغہ میں واقدی سے روایت ہے کہ مدینہ کا ایک منافق قزمان جنگ احد کے موقع پر پیچھے رہ گیا تھا۔ جب صبح ہوئی تو بنی ظفر کی عورتوں نے اس کو غیرت دلائی اور کہا کہ اے قزمان! سب مرد تو چلے گئے تم یہیں رہ گئے، تم کو اپنے کئے پر شرم نہیں آتی؟ تم تو بالکل عورت ہو گئے ہو۔ وہ اسی طرح اس کو برا کہتی رہیں یہاں تک کہ اس نے گھر کے اندر جا کر اپنا آہنی سینہ بند پہنا اور دوڑتا ہوا نکل کھڑا ہوا اور رسول اللہؐ تک جا پہنچا۔ اس وقت آنحضرتؐ مسلمانوں کی صفیں برابر کر رہے تھے۔ وہ صف کے پیچھے سے آیا اور پہلی صف تک پہنچ کر اس میں شامل ہو گیا۔

جنگ شروع ہوئی تو یہ پہلا شخص تھا جس نے مسلمانوں کی طرف سے تیر چلایا اور پھر اس طرح تیر چلانے لگا گویا کہ وہ نیزے ہیں۔ اس کے بعد اس نے تلوار لے کر خوب خوب چلائی اور بالآخر خودکشی کر لی۔ ہوا یہ کہ جب مسلمان ادھر ادھر ہو گئے تو اس کی تلوار کا نچلا حصہ ٹوٹ گیا تھا۔ چنانچہ وہ کہنے لگا کہ بھاگنے سے تو موت بہتر ہے۔ اے اہل اوس! لڑنے میں شرافت دکھاؤ اور ایسا کرو جو میں کر رہا ہوں۔ وہ خود تلوار لے کر مشرکوں کے بیچ میں گھس جاتا تھا یہاں تک کہ کہا جاتا کہ وہ قتل ہو جائے گا۔ وہ ان میں سے پھر نکل آتا اور کہتا جاتا کہ میں ظفری لڑکا ہوں۔ یہاں تک کہ اس نے ان میں سے سات افراد قتل کر ڈالے۔ اسے بہت زخم آئے جن کی وجہ سے اس میں لڑنے کی قوت نہ رہی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اس کے پاس سے قتادہ بن نعمان گزرے تو اس سے بولے کہ اے ابوفیداق! قزمان نے جواب میں لبیک کہا۔ انہوں نے کہا کہ تم کو شہادت مبارک ہو۔ قزمان نے جواب دیا کہ اے ابوعمرو میں تو صرف بچاؤ کے لئے جنگ کرتا رہا تاکہ قریش پیچھے سے پیش قدمی کر کے ہمارے قریب نہ پہنچ جائیں۔ جب اس کے زخموں نے بہت تکلیف دی تو اس نے اپنے کو خود قتل کر ڈالا۔ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ اس دین کی مدد فاجر شخص سے بھی کرتا ہے۔

اس کے بعد جنگ میں زور پیدا ہو گیا اور تیرانداز مشرکوں کے گھوڑوں پر تیر برسانے لگے جس سے وہ بھاگ پڑے۔ اس پر کسی مسلمان نے کہا کہ قسم بخدا! میں نے آج ایسی تیراندازی کبھی نہیں دیکھی کہ ایک تیر بھی جو دشمن کے گھوڑوں کی طرف پھینکا جاتا ہے زمین پر نہیں گرتا یا تو گھوڑے میں پیوست ہو جاتا ہے یا آدمی میں۔ وہ لوگ ایک دوسرے کے قریب ہو گئے اور مشرکوں نے طلحہ بن ابی طلحہ کو جو اُن کا علمبردار تھا آگے بڑھا لیا اور عورتوں کو مردوں کے پیچھے کھڑا کر لیا، وہ ان کے پہلوؤں میں طبلے اور تاشے بجا رہی تھیں۔ ہند اور اس کے ساتھ کی عورتیں مردوں کو جوش دلا رہی تھیں، بدر کے مقتولین کی یاد دلا رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں:

نحن بنات طارق تمشی علی النمارق
مشی القطا البوارق المسک فی المفارق
والدر فی المخانق ان تقبلوا نعانق
او تدبروا نفارق فراق غیر وامق

''ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں، ہم نرم گدوں پر چلنے والی ہیں، ہماری چال میں بجلی کی سی تیزی ہے، ہماری پیشانیوں میں مشک کی خوشبو رچی ہے، ہماری گردنوں میں موتی ہیں، تم آگے بڑھو گے تو ہم گلے سے لپٹ جائیں گی، اگر تم پیٹھ دکھاؤ گے تو ہم تم کو چھوڑ جائیں گی جیسے محبت ہی نہ ہو۔''

لوگ طلحہ بن ابی طلحہ کے پاس جمع ہوئے جو علم لئے ہوئے تھا، اس نے آواز دی کہ کون مقابلے کو آتا ہے؟ اس پر امام علیؑ نے اس سے کہا کہ کیا میرے مقابلے کے لئے تیار ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ چنانچہ یہ دونوں مقابلے کے لئے دونوں صفوں کے درمیان آ گئے۔ رسول اللہؐ علم کے نیچے تشریف فرما تھے، آپ دو زرہیں اور آہنی ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ وہ دونوں باہم مصروف قتال ہوگئے۔ امام علیؑ نے اس کے سر پر ایک ایسی ضرب لگائی کہ تلوار اس کی کھوپڑی کو توڑتی ہوئی داڑھی تک جا پہنچی اور وہ بیل کی طرح اپنے خون میں لوٹنے لگا۔ امام علیؑ اس کے پاس سے ہٹ گئے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ نے اس کو ختم کیوں نہ کردیا؟ آپ بولے کہ جب وہ گرا تو اس نے اپنی شرمگاہ میرے رخ پر کر کے مجھ سے رحم طلب کیا تھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ طلحہ نے اپنی تلوار سے امام علیؑ کے ضرب لگائی۔ جس کو امام علیؑ نے اپنی ڈھال پر لے لیا اور اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ پھر امام علیؑ نے اس پر حملہ کیا جبکہ طلحہ زرہ اور خود پہنے ہوئے تھا۔ امام علیؑ نے اس پر تلوار مار کر اس کی پنڈلیاں کاٹ دیں جس سے وہ زمین پر گر پڑا۔ جب انہوں نے طلحہ کو قتل کیا تو رسول اللہؐ نے بہت زور سے تکبیر کہی اور آنحضرتؐ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی تکبیر کہی اور پھر رسول اللہؐ کے اصحاب قریش پر ٹوٹ پڑے اور ان کے چہروں پر ضربیں لگانے لگے یہاں تک کہ ان کی صفیں تتر بتر ہوگئیں۔

واقدی کی سیرت اور دوسری کتابوں میں ہے کہ جب طلحہ جو اُن لوگوں کا علمدار تھا قتل ہوگیا تو اس کا بھائی عثمان بن ابی طلحہ آیا اور یہ شعر پڑھنے لگا:

ان علی رب اللواء حقًا ان یخضب الصعدة او ینقدًا

''علم بردار کے لئے یہی سزاوار ہے کہ یا وہ اپنے نیزے کو خون آلود کرلے یا اس کو ٹوٹ جانے دے۔''

چنانچہ وہ علم لے کر آگے بڑھا اور پیچھے پیچھے عورتیں جوش دلاتی اور تاشے بجاتی چلیں۔ اس پر حضرت حمزہؓ نے حملہ کیا اور اس کی گردن کی جڑ پر ایسی تلوار ماری جس نے اس کا ہاتھ اور شانہ کاٹ دیا یہاں تک کہ تلوار اس کے تہبند تک پہنچ گئی اور اس کا پھیپھڑا نمودار ہوگیا اور وہ واپس چلا گیا۔ حضرت حمزہؓ نے کہا کہ میں بیٹا ہوں اس کا جو حجاج کو پانی پلانے والا ہے۔ ان دونوں کے بعد ان کے بھائی ابوسعید بن ابی طلحہ نے علم سنبھالا۔ اس پر امام علیؑ نے حملہ کیا اور اس کو قتل کردیا۔ یہ بھی کہا

گیا ہے کہ اس پر سعد بن ابی وقاص نے تیر مارا جو اس کے نرخرے پر لگا اور وہ زرہ پہنے ہوئے تھا اور اس کے سر پر آہنی ٹوپی اور خود تھا۔ چنانچہ اس کی زبان کتے کی زبان کی مانند باہر نکل پڑی۔

واقدی سے روایت ہے کہ جب اس نے علم لیا اور وہ مسلمانوں کی جانب بڑھا تو عورتیں اس کے پیچھے کھڑے ہوکر کہنے لگیں: ضربًا بنی عبدالدار، ضربًا حماۃ الادبار، ضربًا یصل بالثار ''اے بنی عبدالدار خوب مارو، پچھلی صفوں کے محافظوں کو مارو، ایسا مارو کہ اس سے بدلہ مل جائے۔''

جب سعد بن ابی وقاص نے اس پر حملہ کیا تو اس کے داہنے ہاتھ پر ضرب لگائی اور اس کو کاٹ دیا۔ تب اس نے علم بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ انہوں نے اس پر پھر حملہ کیا اور بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا۔ تب اس نے علم اپنے دونوں پہنچوں میں سنبھال لیا۔ انہوں نے اس پر تیسری بار حملہ کیا اور قتل کرڈالا۔ وہ اس کا سامان اتارنا چاہتے تھے لیکن سبیع بن عوف اور ان کے کچھ ساتھیوں نے ان کو ایسا کرنے سے منع کردیا۔ بعد میں سعد سامان نہ چھیننے پر افسوس کیا کرتے تھے۔

شرح نہج البلاغہ میں واقدی سے روایت ہے کہ اس کے بعد مشرکین کا علم مسافع بن ابی طلحہ نے لے لیا۔ اس کو عاصم بن ثابت ابن ابی الافلح نے تیر مار کر قتل کردیا۔ اس کو اٹھا کر اس کی ماں سلافہ بنت سعد بن شہید کے پاس لے گئے جو احد میں عورتوں کے ساتھ تھی۔ اس نے پوچھا تم کو کس نے مارا ہے؟ اس نے کہا مجھ کو معلوم نہیں ہے البتہ میں نے اس کو یہ کہتے سنا ہے کہ اس کو لو اور میں افلح کا بیٹا ہوں۔ اس پر وہ بولی کہ قسم بخدا! وہ میرا افلح ہے کیونکہ وہ اور یہ عورت دونوں نسب میں اوس تک پہنچتے تھے۔ اسی روز اس کی ماں سلافہ نے نذر مانی کہ عاصم بن ثابت کے سر کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی اور جو کوئی اس کا سر لائے گا اس کے لئے اس نے سو اونٹ مقرر کئے۔ چنانچہ جب مشرکوں نے غزوۂ رجیع میں اس کو قتل کردیا تو انہوں نے ارادہ کیا کہ سلافہ سے انعام لینے کی لالچ میں اس کا سر حاصل کریں لیکن بھڑوں کے جھرمٹ نے اسے گھیر لیا اور محفوظ کرلیا اور کوئی اس کے قریب نہ جاسکا۔ انہوں نے اس کو رات تک کے لئے چھوڑ دیا اس خیال سے کہ رات میں بھڑیں نہ آئیں گی لیکن رات کے آتے آتے وادی میں سیلاب آ گیا جو اس کو بہالے گیا اور ان کو اس کا نشان تک نہ ملا۔

پھر علم اس کے بھائی کلاب بن طلحہ نے لے لیا اس کو زبیر بن عوام نے قتل کردیا۔ اس کے بعد علم اس کے بھائی جلاس بن ابی طلحہ نے لے لیا اس کو طلحہ بن عبید نے قتل کردیا۔ اس کے بعد علم ارطاۃ بن شرجیل نے لے لیا۔ اس کو بھی امام علیؑ نے قتل کردیا۔ اس کے بعد اسے بنی عبدالدار کے ایک نوجوان نے لیا اس کو بھی امام علیؑ نے قتل کردیا۔ اب بنی عبدالدار کے افراد یکے بعد دیگرے علم لیتے گئے یہاں تک کہ ان کے نو آدمی جو مشرکوں کے بہترین بہادر تھے قتل ہوگئے۔

جب علم اٹھانے والے قتل ہوگئے تو مشرک شکست کھا کر ادھر ادھر بھاگے کہ کسی چیز کی طرف مڑ کر دیکھتے ہی نہ تھے یہاں تک کہ اپنی عورتوں کے حلقے میں پہنچ گئے اور وہ بڑا بت جس کو وہ برکت حاصل کرنے کے لئے اپنے ساتھ لائے تھے اس اونٹ کے ہودج میں سے گر پڑا جس میں وہ رکھا ہوا تھا۔

شرح نہج البلاغہ وغیرہ میں واقدی سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ جو کامرانی حضرت محمدؐ کو احد کے روز

مشیت الٰہی سے نصیب ہوئی وہ آنحضرتؐ کو کسی اور موقع پر حاصل نہیں ہوئی۔ کامرانی ان لوگوں کی جانب رہی یہاں تک کہ یہ لوگ رسول اللہؐ کی نافرمانی کر کے غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔

انہوں نے مزید کہا ہے کہ بہت سے صحابہ جو احد میں موجود تھے کہا کرتے تھے کہ قسم بخدا! ہم لوگ ہند اور اس کی ساتھ والی عورتوں کو دیکھتے تھے کہ ایسی شکست خوردہ ہوگئیں تھیں کہ اگر کوئی ان کو پکڑ لینے کا ارادہ کرتا تو ان کے علاوہ اور کوئی چیز نہ لیتا لیکن اللہ کے فیصلے کا کوئی پلٹنے والا نہیں ہے۔ مسلمانوں پر ان تیراندازوں کی سمت سے حملہ ہوگیا جن کو نبی اکرمؐ نے اپنے پیچھے کی جانب مقرر کیا تھا تاکہ اگر ان لوگوں پر ان گھوڑ سواروں کی طرف سے حملہ ہو جائے جو اُن کی پیٹھ کی طرف تھے تو یہ لوگ اپنے تیروں سے ان کی پیٹھوں کی حفاظت کریں اور خالد بن ولید نے ایک سے زیادہ مرتبہ اس سمت حملہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہ ہوا تھا یہاں تک کہ وہ بار بار یہی کرتا رہا۔ یہ نبی اکرمؐ کی انتہائی دانشمندی اور قائدانہ مہارت تھی کہ آنحضرتؐ نے لشکر کے اس ٹکڑے کو جو تقریباً پچاس افراد پر مشتمل تھا حکم دیا تھا کہ اس مقام سے نہ ہٹیں خواہ مسلمان شکست کھا جائیں اور قتل ہو جائیں۔ لیکن جب مشرک بھاگ پڑے اور مسلمانوں نے ان کے پیچھے جا کر ان کو لشکر گاہ سے نکال باہر کیا اور مال غنیمت لوٹنے میں لگ گئے تو ان لوگوں میں بعض نے دوسروں سے کہا کہ ہم یہاں کیوں ٹھہرے رہیں جبکہ اللہ نے مشرکوں کو بھگا دیا ہے اور تمہارے بھائی ان کے لشکر پر غالب آئے ہوئے ہیں۔ چلو اپنے بھائیوں کے ساتھ مشرکوں کے لشکر میں چلیں۔ اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ رسول اللہؐ نے ہم سے فرمایا تھا کہ ہماری پیٹھوں کی حفاظت کرتے رہنا۔ اگر تم دیکھو کہ ہم مال غنیمت حاصل کر رہے ہیں یا قتل ہوگئے ہیں، تب بھی اپنے مقام سے نہ ہٹنا۔ اس پر لوگ کہنے لگے کہ رسول اللہؐ کا یہ ارادہ نہیں تھا۔ اب تو اللہ نے مشرکوں کو ذلت سے دوچار کر دیا ہے اور ان کو شکست دیدی ہے۔ جب ان میں اختلاف رائے ہوا تو ان کے سردار عبداللہ بن جبیر نے ان سے خطاب کیا اور رسول اللہؐ کی اطاعت کا حکم دیا۔ لیکن لوگوں نے ان کا کہنا نہ مانا اور مال غنیمت جمع کرنے کے لئے لشکر کی جانب چلے گئے۔ اور ان کے پاس چند افراد کے علاوہ باقی نہیں رہے جو دس سے زیادہ نہ تھے۔ حالانکہ حارث بن انس ان کو آواز دیتے رہے کہ اے لوگو! اپنے نبیؐ کا عہد یاد کرو اور اپنے سردار کی اطاعت کرو، لیکن کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا اور مسلمانوں کی پیٹھوں کی طرف کا حصہ مشرکوں کی ذد پر آ گیا۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ○ ”بے شک اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا کہ جب تم ان لوگوں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم میں کمزوری آ گئی اور تم نے معاملہ میں آپس میں جھگڑا کیا اور بعد اس کے کہ تم کو جو تم چاہتے تھے وہ چیز دکھادی گئی تھی تم نے نافرمانی کی۔ تم میں کچھ وہ ہیں جو دنیا کے طلبگار ہیں اور کچھ وہ ہیں جو آخرت

کے طلبگار ہیں۔ پھر اس نے تم کو ان کی طرف سے ہٹا دیا تاکہ تم کو آزمائش میں ڈالے۔ پھر بھی اللہ نے تم کو معاف کر دیا اور اللہ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔'' (سورۂ آل عمران: آیت ۱۵۲)

ایک طرف یہ اور دوسری طرف مشرک بری طرح ہار کر بھاگ رہے تھے۔ ان کے دلوں پر رعب چھا گیا تھا اور وہ اپنی لشکرگاہ چھوڑ بیٹھے تھے۔ ہند اور اس کی ساتھ والیاں بھاگ کر بچ پائیں تھیں۔ اگر مسلمان چاہتے تو ان کو گرفتار کر لیتے کیونکہ ان کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔ خالد بن ولید بھی اپنے گھوڑ سواروں کے پاس بھاگ گیا تھا۔ اس نے اس پہاڑ پر نظر ڈالی جس کے ذریعے وہ خواہش مند تھا کہ اسے مسلمانوں پر ان کے پیچھے سے حملہ کرنے کا راستا مل جائے اور اب اس نے دیکھا کہ قریش بھاگ گئے اور اپنا کل ساز و سامان مسلمانوں کے لئے غنیمت کے طور پر چھوڑ گئے ہیں۔ وہ تو ہمیشہ ہی سے اس تاک میں تھا کہ اس کو یہاں سے ایک راستا مل جائے تو اس نے اس کو خالی پایا سوائے ان چند افراد کے جو رسول اللہؐ کے حکم پر قائم رہے۔ خالد نے دیکھا کہ وہ محافظ جا چکے ہیں اور جو باقی رہ گئے ہیں وہ کسی قابل نہیں ہیں۔ پس وہ اپنے گھڑسواروں کو لے کر ان محافظوں پر ٹوٹ پڑا۔ انہوں نے اس پر تیر برسائے یہاں تک کہ ان کے پاس کوئی تیر باقی نہ رہا تب ان لوگوں نے اپنی تلواریں سونت لیں اور ان گھوڑوں کی طرف بڑھ کر ان کے منہ پر مارنا شروع کر دیں۔ اس طرح انہوں نے آخری سانس تک مدافعت جاری رکھی۔ اس تھوڑی سی مدت کی بہادرانہ آویزش میں عبداللہ بن جبیر اور ان لوگوں نے جو اُن کے ساتھ رہے اللہ سے کیا ہوا عہد سچا کر دکھایا۔ اب جو بھاگتے ہوئے مشرکوں نے اپنے گھوڑ سواروں کو دیکھا کہ وہ مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کرنے کے لئے پلٹ آئے ہیں اور ان کو معلوم ہو گیا کہ ان کو الٹا مسلمانوں پر حملہ کرنے کا راستا مل گیا ہے جو خود غنیمت بٹورنے اور لوٹ کھسوٹ میں لگے ہوئے ہیں کیونکہ ان کو اس مال غنیمت نے اپنی طرف کھینچ لیا تھا یہاں تک کہ ان کو نبی اکرمؐ کا بھی خیال نہیں رہا تھا۔ تو وہ لوگ بھی جدھر سے گئے تھے ادھر ہی سے واپس پلٹ پڑے۔ خالد بن ولید اس حفاظتی جماعت کو جو چند افراد پر مشتمل تھی ختم کر کے پہاڑ کی جانب سے آ چکا تھا۔ مسلمان صرف اس وقت چونکے جب دشمن ان کے بیچوں بیچ داخل ہو چکے تھے اور حواس باختہ ہو گئے۔ وہ جدھر بھی رخ کرتے تلواروں کی ضربیں اور نیزے ان پر پڑتے تھے۔ ان پر ایسی سخت گھڑی آن پڑی کہ وہ خود ایک دوسرے کو مارنے لگے اور سمجھتے رہے کہ اپنے دشمن کو مار رہے ہیں۔

سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ حذیفہ کے باپ یمان اور ثابت بن قیس کو رسول اللہؐ کے حکم سے مدینہ میں رہنے دیا گیا تھا کیونکہ یہ دونوں بہت بوڑھے تھے۔ جنگ کے دوران ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ہم دونوں کیوں نہ اپنی اپنی تلوار لے کر رسول اللہؐ سے جا ملیں اور یہ طے کر کے دونوں تیزی سے میدان جنگ کی طرف چل دیئے۔ اتفاق سے یہ دونوں ایسی مشکل کے وقت پہنچے کہ مسلمانوں کے اور دوسرے لشکرگاہ میں تمیز نہ کر سکے اور مشرکوں کی سمت سے داخل ہوئے۔ چنانچہ مشرکوں کی ایک جماعت نے ثابت بن قیس کی طرف متوجہ ہو کر ان کو قتل کر ڈالا۔ البتہ ابو حذیفہ چلتے رہے تا آنکہ مسلمانوں میں پہنچ گئے لیکن وہ لوگ مسلم اور غیر مسلم کو پہچان نہیں رہے تھے۔ بعض مسلمانوں نے ان کی طرف بڑھ کر ان کو

تلوار ماری حالانکہ ان کا بیٹا حذیفہ چیختا رہا کہ اے لوگو! یہ میرے باپ ہیں۔ لیکن ہجوم اور ہتھیاروں کی آویزش نے اس کی آواز کو قاتل کے کانوں تک پہنچنے نہیں دیا اور وہ قتل ہو کر گر پڑے۔ بعد میں رسول اللہؐ نے ان کی دیت ادا فرمائی جسے ان کے بیٹے حذیفہ نے مسلمانوں میں صدقہ کے طور پر تقسیم کردی۔

دوسری طرف امام علیؑ اور چند مسلمانوں نے رسول اللہؐ کو گھیرے میں لے لیا وہ آپ پر سے تلواروں، تیروں اور بھالوں کے حملوں کو روکتے رہے اور آپ کے سامنے مصروف کارزار رہے یہاں تک کہ علم بردار مصعب بن عمیر قتل ہوگئے۔ تب نبی اکرمؐ نے علم امام علیؑ کو دیدیا۔ بیشتر اصحاب آنحضرتؐ کے پاس سے بھاگ گئے اور مشرکوں نے آپ پر حملہ کردیا۔ ان کو سب سے زیادہ فکر یہ تھی کہ نبی اکرمؐ کو قتل کردیں لیکن امام علیؑ، حضرت حمزہؓ، ابودجانہؓ، سہل بن حنیفؓ اور چند اور افراد ایسی سخت جنگ کرتے رہے جس کی مثال تاریخ نے کبھی نہیں دیکھی۔ خود رسول اللہؐ اپنے مقام پر جمے ہوئے دشمن پر اپنی کمان سے تیر چلاتے رہے اور ہر قریب آنے والے کو نیزہ مارتے تھے یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے تیر ختم ہوگئے اور آپ کی کمان کی بیچ کی کڑی ٹوٹ گئی اور آپ زخموں سے چور ہو کر غش کھا گئے۔

شیخ مفید اپنی کتاب ارشاد میں ابن مسعود تک پہنچنے والی سند سے کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہؐ کے ساتھ ثابت قدم رہے وہ امام علیؑ، ابودجانہؓ اور سہل بن حنیفؓ ہیں۔ یہ لوگ رسول اللہؐ کے چاروں طرف آنحضرتؐ کو قریش کے حملوں سے بچا رہے تھے۔ بیشتر کتابیں اس پر زور دیتی ہیں کہ اس روز طلحہ کا طرز عمل بے عیب تھا۔ جب رسول اللہؐ کو غش سے افاقہ ہوا اور آپ نے اپنی آنکھیں کھولیں تو امام علیؑ سے فرمایا کہ لوگوں نے کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ لوگوں نے عہد کو توڑ دیا اور پیٹھ پھیر کر فرار اختیار کیا۔ ابھی وہ آنحضرتؐ سے محوکلام تھے اور ہار کر بھاگنے والوں کی خبریں بیان کر رہے تھے کہ مشرکوں کے ایک رسالہ نے نبی اکرمؐ کی سمت رخ کیا۔ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا: اے علیؑ! مجھے ان سے بچاؤ۔ امام علیؑ ان پر عقاب کی طرح جھپٹے اور سب کو آنحضرتؐ کے سامنے سے بھگادیا۔ وہ ان کو ہٹا ہی رہے تھے کہ اتنے میں ایک دوسری جماعت نبی اکرمؐ کی جانب بڑھی اور بہت ممکن تھا کہ آنحضرتؐ کے متعلق اپنا مقصد حاصل کرلیتی اگر امام علیؑ دوسری بار نبی اکرمؐ کو یہ کہتے نہ سن لیتے کہ اے علیؑ! اب ان لوگوں سے مجھ کو بچاؤ۔ چنانچہ وہ ان پر بھی جھپٹ پڑے اور ان کو پراگندہ کردیا۔ وہ لوگ پھر دوسری طرف سے آنحضرتؐ کی جانب آگئے اور امام علیؑ نے پھر ان پر حملہ کیا اور ان کو آنحضرتؐ کے پاس سے بھگا دیا۔

شرح نہج البلاغہ میں محمد بن حبیب کی ''امالی'' سے روایت ہے کہ جب احد کے روز آنحضرتؐ کے بڑے بڑے صحابہ آپ کے پاس سے بھاگ گئے تو مشرکوں کی ٹولیاں کثرت سے آپ پر آگئیں اور بنی کنانہ کی ایک ٹولی نے آپ کا قصد کیا اور پھر بنی کنانہ کے بنی عبدمناۃ کی ٹولی نے قصد کیا جس میں پچاس سے زیادہ گھڑسوار تھے۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا: یا علیؑ! مجھ کو اس رسالہ سے بچاؤ۔ اس وقت امام علیؑ پیدل تھے اور وہ لوگ اپنے گھوڑوں پر سوار تھے۔ پھر بھی وہ ان کو اپنی تلوار سے برابر مارتے رہے یہاں تک کہ ان کو رسول اللہؐ کے پاس سے بھگادیا۔ پھر ایک دوسرا رسالہ آگیا۔ امام علیؑ نے

اس کے ساتھ بھی وہی کیا۔ وہ لوگ بار بار اکٹھے ہوتے اور امام علیؑ ان کو آنحضرتؐ سے دور روکے رکھتے یہاں تک کہ بنی سفیان بن عوف کے دس افراد قتل ہوگئے۔ تب جبرئیل امینؑ نے نازل ہوکر آنحضرتؐ سے کہا کہ اے محمدؐ! یہ ایسی ہمدردی ہے جس پر ملائکہ بھی تعجب کر رہے ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ان کو اس سے کیا چیز روک سکتی ہے جبکہ وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ تب جبرئیلؑ بولے کہ میں آپ دونوں سے ہوں۔ اس روز آسمان کی جانب سے ایک منادی کو سنا گیا جس کو کوئی دیکھ نہیں رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا: لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارِ وَلَا فَتٰى اِلَّا عَلِيٌّ ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں اور امام علیؑ کے علاوہ کوئی جوان نہیں۔ رسول اللہؐ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ جبرئیلؑ ہیں۔

اس حدیث کو محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے اور یہ مشہور احادیث میں سے ہے۔ شرح نہج البلاغہ میں مزید ہے کہ میں نے اس کو ابن اسحٰق کی ''مغازی'' کے ایک نسخے میں دیکھا ہے۔ میں نے اس کے بارے میں اپنے استاذ عبدالوہاب بن سکینہ سے بھی دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ میں نے کہا کہ پھر یہ صحاح میں کیوں شامل نہیں ہے؟ کہنے لگے کہ کیا ہر صحیح حدیث ان صحاح میں موجود ہے؟ صحاح کے جمع کرنے والوں نے بہت سی صحیح حدیثوں کو نظرانداز کر دیا ہے۔ (شرح نہج البلاغہ، ص۳۲۲ و غزوۂ احد)

طبری نے اس کو اپنی تاریخ کی دوسری جلد میں صفحہ ۱۷ پر بیان کیا ہے۔ انہوں نے اس کو اسی طرح روایت کیا ہے جس طرح ہم نے بیان کیا۔ یعنی لوگوں نے منادی کو یہ کہتے سنا کہ: لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَارِ وَلَا فَتٰى اِلَّا عَلِيٌّ.

اس کو محبّ طبری نے ریاض النضرہ، جلد۲، صفحہ ۱۰۵ پر اور علی بن سلمان نے مرمات، جلد۵، صفحہ ۵۶۸ پر اور احمد نے مناقب میں، ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اور طبرانی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (فضائل الخمسہ، ج۱، ص۳۴۳)

ادھر حضرت حمزہؓ دشمنوں میں گھرے تھے اور جو کوئی ان کے قریب آتا اس کے ٹکڑے کر ڈالتے تھے۔

ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ میں روایت ہے کہ وہ بھورے اونٹ کی مانند لوگوں کو بری طرح پیس ڈال رہے تھے اور وہ ان کے سامنے سے بھاگتے پھرتے تھے۔ بنی حارث بن عبدمنات کے ایک شخص ابن قمیئہ حارثی نے آکر رسول اللہؐ کے ایک پتھر مارا جو آنحضرتؐ کے چہرۂ مبارک پر لگا اور اس سے آپ کی بینی مبارک اور آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے اور آپ کا ہونٹ پھٹ گیا اور آپ کی آہنی ٹوپی کی دو کڑیاں آپ کی پیشانی میں دھنس گئیں جس سے خون بہہ کر آپ کے چہرے پر آ گیا۔ آنحضرتؐ اس کو ملتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے کہ وہ قوم کیسے فلاح پاسکتی ہے جو خود اپنے نبی کے چہرے کو خون آلود کردے۔ اسی کے ساتھ آنحضرتؐ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے جاتے تھے۔

طبری کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ کے مہاجر اور انصار صحابہ سب ہی بھاگ گئے اور عثمان بن عفان تو ایسے بھاگے کہ میدان جنگ سے بہت دور چلے گئے۔ آنحضرتؐ کے پاس سے بھاگنے والوں میں عمر بن خطاب بھی تھے۔ اس پر طبری نے اپنی محمد بن اسحٰق تک کی سند سے قاسم بن عبدالرحمٰن بن رافع سے روایت کی ہے کہ انس بن نضر نے حضرت عمر اور طلحہ بن عبیداللہ سے جو مہاجرین اور انصار کے کچھ افراد کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے کہا کہ آپ

لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں؟ وہ بولے کہ رسول اللہؐ تو قتل کر دیئے گئے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ پھر آنحضرتؐ کے بعد زندگی کس کام کی؟ اٹھو اور اسی بات پر مر جاؤ جس پر رسول اللہؐ شہید ہو گئے۔ اس کے بعد وہ ان کو چھوڑ کر دشمن کی طرف چلے گئے اور لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

طبری نے اپنی تاریخ کے تیسرے جز کے صفحہ ۲۰ پر مزید کہا ہے کہ لوگوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ آنحضرتؐ شہید ہو گئے ہیں۔ اس پر بعض ان افراد نے جو نبی اکرمؐ کے پاس سے بھاگ کر ایک پہاڑ پر پہنچ گئے تھے اور ان میں حضرت عمر بھی تھے جیسا کہ روایت سے نتیجہ نکلتا ہے اور حضرت ابوبکر بھی تھے جیسا کہ محمد حسین ہیکل نے حیات محمدؐ میں ان کو بھی ان بھاگنے والوں میں شمار کیا ہے جنہوں نے پہاڑ پر پناہ لی تھی تو پہاڑ پر پہنچ جانے والوں میں سے بعض افراد نے کہا کہ کاش ہم کو عبداللہ بن اُبَی بن سلول کے لئے پیغام لے جانے والا مل جائے تا کہ وہ ہمارے لئے ابوسفیان سے پناہ طلب کر لے اور کہنے لگے کہ اے لوگو! محمدؐ شہید ہو گئے ہیں پس اپنی قوم میں واپس ہو جاؤ قبل اس کے وہ آ کر تم کو قتل کر ڈالیں۔ اس پر انس بن نضر نے ان سے کہا کہ اے لوگو! اگر محمدؐ شہید ہو گئے ہیں تو محمدؐ کا خدا تو شہید نہیں ہوا ہے۔ پس اسی امر کی خاطر جنگ کرتے رہو جس کی خاطر محمدؐ نے جنگ کی ہے۔

پھر انہوں نے کہا کہ اے میرے اللہ جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں میں تجھ سے اس کی معذرت چاہتا ہوں اور جو کچھ ان سے سرزد ہوا ہے میں تیرے سامنے اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے مشرکین پر اپنی تلوار کھینچ لی اور سخت جنگ کی یہاں تک کہ ستر زخم کھا کر شہید ہو گئے۔ اگر ان کی بہن نے ان کو پہچان نہ لیا ہوتا تو مسلمانوں میں سے کوئی ان کو پہچان نہ سکتا تھا۔

ان دونوں روایتوں کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر پہاڑ پر ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے ابوسفیان تک عبداللہ بن اُبَی بن سلول کے ذریعے سفارش پہنچانے کی خواہش کی تھی۔ یہ روایتیں بیان نہیں کرتیں کہ ان دونوں میں سے کسی نے یا ان لوگوں میں سے جو اُن کے ساتھ تھے کسی نے بھی کہنے والے کے اس کہنے کا برا مانا ہو جس طرح سے انس بن نضر نے برا مانا جنہوں نے اللہ کے سامنے اس کی معذرت پیش کی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

بعض سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ یہ آیت:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَأْئِن مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَن يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَن يَّضُرَّاللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ ○ ’’محمدؐ رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم پیٹھ پھیر کر واپس ہو جاؤ گے اور جو کوئی پیٹھ پھیر کر واپس ہو جائے گا وہ اللہ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اللہ عنقریب شکر کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔‘‘ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۴۴)

اس خیال کی بنیاد کہ حضرت ابوبکر ان لوگوں میں تھے جنہوں نے بھاگ کر پہاڑ پر پناہ لی تھی محمد حسین ہیکل کی

کتاب حیات محمدؐ کی روایت پر ہے۔

البتہ طبری کی روایت میں حضرت عمر اور صحابہ کی ایک جماعت کے علاوہ ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح صاحبان سیرت نے احد میں لڑنے والوں میں حضرت ابوبکر کو نام سے بیان نہیں کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ کی تیسری جلد میں بیان کیا ہے کہ مشرکوں سے پہلے مقابلے میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے صفوں کے درمیان آ کر مبارز طلب کیا تو اس وقت حضرت ابوبکر نبی اکرمؐ کے پہلو میں تھے۔ انہوں نے کہا کہ یارسول اللہؐ! اس کے مقابلے پر میں جاتا ہوں۔ نبی اکرمؐ نے ان سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ ہم کو تمہاری زندگی عزیز ہے اے ابوبکر!۔

شرح نہج البلاغہ کے مطابق حضرت ابوبکر بھی بھاگنے والوں میں شامل تھے۔ ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ میں ۶۰۸ھ میں محمد بن معد علوی موسوی فقیہ سے ان کے مکان پر جو بغداد میں کوچۂ وداب میں واقع تھا ملا۔ اس وقت ایک شخص ان کے پاس واقدی کی کتاب مغازی پڑھ رہا تھا۔ اس نے پڑھا کہ واقدی نے ہم سے بیان کیا کہ انہوں نے ابن ابی سیر سے اور انہوں نے خالد بن ریاح سے اور انہوں نے ابن ابی احمد کے غلام ابوسفیان سے روایت کی ہے کہ میں نے محمد بن مسلمہ کو یہ کہتے سنا کہ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ احد کے روز جب لوگ رسول اللہؐ کے پاس سے بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گئے تھے اور آنحضرتؐ ان کو پکارتے جاتے تھے لیکن وہ لوگ آپ کی طرف ملتفت نہ ہوتے تھے تو میں نے آنحضرتؐ کو کہتے سنا کہ اے فلاں اور اے فلاں میری طرف آؤ لیکن ان دونوں میں سے ایک بھی آنحضرتؐ کی طرف متوجہ نہیں ہوا اور وہ دونوں بھی دوسروں کے ساتھ آنحضرتؐ کے پاس سے چلے گئے۔ تب محمد ابن معد نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ کچھ سن بھی رہے ہو؟ میں نے کہا کہ اس میں کیا بات ہے؟ وہ بولے کہ اس میں ان دونوں کی جانب اشارہ ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ بہت ممکن ہے کہ یہ اشارہ ان دونوں کی بجائے کسی دوسرے دو صحابیوں کی طرف ہو۔ اس پر محمد بن معد نے کہا کہ صحابہ میں ان دو کے سوا اور کون ایسے مرتبے والا ہے کہ واقدی بھاگنے والوں کے ساتھ ان کے نام لینے میں شرم محسوس کرے۔ میں نے کہا کہ ارے یہ اور وہ — اس پر محمد بن معد بولے کہ بس یہ قصہ رہنے ہی دو۔ پھر اللہ کی قسم کھا کر بولے کہ واقدی کی مراد ان دو کے سوا کسی اور سے نہیں اور اگر کسی اور سے ہوتی تو وہ اس کا ذکر صراحت سے کرتے اور محمد بن معد کے چہرے پر میری مخالفت کے باعث ناراضگی کے آثار نمودار ہوگئے۔ (شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر، ج۳، ص۳۹۰)

حضرت عثمان کے متعلق طبری وغیرہ کی روایت میں آیا ہے کہ وہ بھاگے تو ان کے ساتھ انصار کے دو اور افراد بھی تھے۔ یہ سب لوگ جعلب پر جا پہنچے جو مدینہ کی جانب اغرض سے ملا ہوا ایک پہاڑ ہے۔ یہ لوگ وہاں تین روز تک ٹھہرے رہے۔ جب یہ لوگ رسول اللہؐ کے مدینہ پہنچ چکنے کے بعد وہاں پہنچے تو آنحضرتؐ نے ان سے کہا کہ تم لوگ تو بہت ہی دور چلے گئے تھے۔

بہرصورت روایت کا اس پر اتفاق معلوم ہوتا ہے کہ سخت ترین وقت میں رسول اللہؐ کے ساتھ امام علیؑ، حضرت حمزہؓ

اور مہاجرین و انصار کے تین افراد کے علاوہ کوئی ثابت قدم نہیں رہا۔

محمد حسنین ہیکل کہتے ہیں کہ ہر مسلمان کو سب سے بڑی فکر اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی سوائے ایسوں کے جن کو اللہ کی پناہ حاصل ہو جیسے علی بن ابی طالبؑ۔

امام علیؑ اور جو لوگ آپ کے ساتھ تھے، ان جتھوں کو جو رسول اللہؐ کو قتل کرنے کے لئے جمع ہو رہے تھے، ہٹانے میں کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ رسول اللہؐ لوگوں کو بلانے لگے اور فرماتے جاتے تھے کہ اے بندگان خدا! میری طرف آؤ۔ آنحضرتؐ نے اس کو تین بار دہرایا لیکن مسلمانوں میں سے تھوڑے سے افراد کے سوا کسی نے آپ کی بات قبول نہ کی۔

شرح نہج البلاغہ میں واقدی سے روایت ہے کہ محدثوں کی کثیر تعداد نے بیان کیا ہے کہ جب نبی اکرمؐ گر کر پھر اٹھے تو آپؐ نے امام علیؑ سے فرمایا کہ مجھے اس گروہ سے بچاؤ۔ پس انہوں نے ان لوگوں پر حملہ کر کے ان کو پراگندہ کر دیا اور ان میں سے بنی عبدالعزیٰ کے عبداللہ بن حمید کو قتل کر دیا۔ اب نبی اکرمؐ پر ایک دوسری ٹولی نے حملہ کیا اور آنحضرتؐ نے امام علیؑ سے فرمایا کہ مجھ کو بچاؤ۔ چنانچہ انہوں نے ان لوگوں پر حملہ کر کے ان کو آنحضرتؐ کے پاس سے بھگا دیا اور ان میںؑ سے امیہ بن ابی حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کو قتل کر دیا۔ جب کچھ مسلمان واپس آ گئے تو انہوں نے آنحضرتؐ کو گھیرے میں لے لیا۔ اس وقت آنحضرتؐ کے ہاتھ پر ایک تیر آ کر لگا اور ہاتھ خشک ہو گیا۔ پھر ابن خلف جمعی بڑھا اور اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ ضرور حضرت محمدؐ کو قتل کرے گا۔ تب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ میں ہی اس کو قتل کر ڈالوں گا اور آنحضرتؐ نے اس کی زرہ کے گلو پر نیزہ مارا جس سے اس کے ہلکا سا زخم آ گیا اور وہ بیل کی مانند ڈکرانے لگا تو مشرک آ کر اس کو اٹھا لے گئے اور کہنے لگے کہ تیرے کوئی زخم تو آیا نہیں پھر یہ چیخ و پکار کیسی ہے؟ وہ بولا کہ کیا محمدؐ نے کہا نہیں ہے کہ میں تجھ کو قتل کر دوں گا۔ اگر وہ ربیعہ اور مضر کے پورے قبیلے کے لئے کہتے تو وہ ان سب کو ضرور قتل کر ڈالتے۔ چنانچہ ایک دن یا دن کا کچھ ہی حصہ نہ گزرا تھا کہ وہ اسی زخم کے باعث مر گیا۔

تاریخ طبری میں ہے کہ رسول اللہؐ لوگوں کو بلانے لگے یہاں تک کہ آنحضرتؐ پہاڑ تک بھاگے ہوئے مہاجرین و انصار تک پہنچ گئے۔ انہی میں جیسا کہ تمام مؤرخوں کا اتفاق ہے کہ حضرت عمر بن خطاب اور بعض روایات کے مطابق حضرت ابوبکر بن ابوقحافہ بھی تھے اور جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں ان لوگوں نے یہ بھی سوچا تھا کہ عبداللہ بن اُبَی بن سلول کو بیچ میں ڈالیں تاکہ وہ ان کی سفارش ابوسفیان سے کر دے۔ جب نبی اکرمؐ پہاڑ کے قریب تھے تو ایک شخص نے اپنی کمان میں ایک تیر چڑھا لیا اور چاہا کہ نبی اکرمؐ کو نشانہ بنائے کیونکہ راوی کے مطابق وہ آنحضرتؐ کو مشرکوں میں سے کوئی فرد سمجھ رہا تھا۔

البتہ میں نہیں سمجھتا کہ ان لوگوں پر یہ بات چھپی ہوئی تھی کہ آپ رسول اللہؐ ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے یا وہ ان کو صحیح پہچان رہے تھے۔ یہی زیادہ قابل یقین معلوم ہوتا ہے اور ان لوگوں نے آپ کو اس بہانے سے قتل کرنا چاہا تھا کہ وہ ان کو ایک مشرک سمجھ رہے تھے۔ رسول اللہؐ ان کی اس تدبیر کو تاڑ گئے اور آپ نے چیخ کر فرمایا کہ وائے ہو تجھ پر میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔ اس پر وہ خوش ہو گئے کیونکہ راوی کے خیال کے مطابق وہ سمجھ رہے تھے کہ آنحضرتؐ قتل ہو چکے ہیں۔ اسی طرح رسول اللہؐ بھی اپنے اصحاب کو دیکھ کر خوش ہو گئے کیونکہ طبری کے خیال کے مطابق آپ سمجھ رہے تھے کہ قریش کی وجہ سے

آپ ان تک نہ پہنچ سکیں گے۔

اب ابوسفیان اور اس کے ساتھ والے آگے بڑھے یہاں تک کہ ان لوگوں تک پہنچ گئے۔ ان لوگوں نے جونہی اس کو دیکھا وہ ساری خوشی جو اُن کو رسول اللہؐ کی حیات سے ہوئی تھی بھول بیٹھے اور ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں سے ڈر گئے۔ تب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ وہ لوگ ہم پر حاوی نہیں ہوں گے۔ اے اللہ! اگر یہ جماعت قتل ہوگئی تو تیری عبادت کبھی نہ کی جائے گی۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب کو جوش دلایا اور ان لوگوں نے دشمنوں کو پتھر مارے یہاں تک کہ ان کو گرالیا۔ اس پر ابوسفیان بولا کہ ہبل! حنظلہ کے بدلے حنظلہ اور یوم بدر کے بدلے ایک دن دے۔ حنظلہ کے بدلے حنظلہ کہنے میں اس کا اشارہ حنظلہ راہب کی طرف تھا جو اسی روز قتل ہوگئے تھے اور ان کو فرشتوں نے غسل دیا تھا کیونکہ وہ جنب تھے، اسی لئے وہ غسیل الملائکہ (ملائکہ کے غسل دیئے ہوئے) کہلانے لگے۔ ابوسفیان نے ان حنظلہ کے مقابلے میں حنظلہ بن ابی سفیان مراد لیا ہے جو بدر کے روز قتل ہوگئے تھے۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت

جنگ بدر کے بعد سے ابوسفیان اور اس کی بیوی حضرت محمدؐ سے انتقام لینے کے علاوہ کسی اور امر کے بارے میں سوچتے ہی نہ تھے اور ان کی عطش انتقام کی تسکین محمدؐ، امام علیؑ، اور حضرت حمزہؓ کے سوا کسی اور مسلمان سے نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کے لئے ان دونوں نے ایک نڈر حبشی خدمتگار کو منتخب کیا جو وحشی کہلاتا تھا اور جبیر ابن مطعم کی ملکیت تھا۔ ہند نے اس کے پاس جاکر اس کو مال و دولت کا لالچ دلایا تاکہ وہ ان تینوں میں سے کسی ایک کو دھوکے سے مار ڈالے۔ وحشی نے ہند سے کہا کہ محمدؐ پر تو میرا قابو نہیں چل سکتا کیونکہ ان کے اصحاب ان کو ہمیشہ گھیرے میں لئے رہتے ہیں۔ امام علیؑ کا معاملہ یہ ہے کہ جب وہ لڑتے ہیں تو کوے سے زیادہ خوفناک ہوتے ہیں۔ رہے حمزہؓ تو میرا جی چاہتا ہے کہ ان کو لپیٹ میں لے لوں کیونکہ جب انہیں غصہ آجاتا ہے تو کچھ نہیں دیکھتے کہ سامنے کیا ہے۔

طبری نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ حمزہؓ کے لئے وحشی ایک بڑے پتھر کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ وہ خود بیان کرتا ہے کہ میں حمزہؓ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی اس تلوار سے لوگوں کو بھورے اونٹ کی مانند مسل رہے تھے۔ اتنے میں سباغ بن عبدالعزیٰ ان کی طرف گیا تو حمزہؓ نے اس سے کہا کہ اے بے ختنہ کئے ہوئے ابن مقطعہ ادھر میری طرف آ۔ انہوں نے اس کو اپنی تلوار سے پے کردیا۔ ادھر میں اپنا حربہ سنبھال رہا تھا اور وہ مجھ کو نہیں دیکھ رہے تھے۔ میں نے اس کو جنبش دی یہاں تک کہ جب میں اس سے مطمئن ہوگیا تو اس کو ان کی طرف پھینک مارا۔ وہ ان کے کولہے پر لگ کر ان کے پیروں کے درمیان سے نکل گیا۔ اب وہ میری طرف بڑھے لیکن مغلوب ہوکر زمین پر گر پڑے۔ پھر میں رکا رہا یہاں تک کہ جب وہ مرگئے تو میں نے ان کے پاس جاکر اپنا حربہ اٹھالیا اور ان کو چھوڑ کر چلا آیا کیونکہ مجھ کو ان کے علاوہ کسی اور سے سروکار نہیں تھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت حمزہؓ نے سباغ بن عبدالعزیٰ کو قتل کر دیا تو وحشی کی طرف دیکھا جو اپنا حربہ سیدھا کر کے ایک پتھر کے پیچھے چھپ گیا تھا اور ان کے اور اس کے درمیان میں خندق تھی تو حمزہؓ اس کی طرف بڑھے لیکن ان کا پیر پھسل گیا اور وہ اپنی گدی کے بل گر پڑے اور قبل اس کے کہ وہ اٹھتے وحشی نے اپنا حربہ ان کو کھینچ مارا جس سے وہ شہید ہو گئے۔

جب ہند کو ان کی شہادت کی خبر ملی تو اس کی تسکین اسی سے نہیں ہوئی۔ وہ اور اس کے ساتھ کی اور عورتیں مسلمان مقتولین کے اعضاء کاٹنے کے لئے نکل کھڑی ہوئیں۔ وہ کان اور ناک کاٹتی رہیں اور ہاتھ اور پیر جدا کرتی رہیں۔ ہند نے خود اپنے لئے اور اپنی ساتھ والیوں کے لئے لوگوں کے کانوں اور ناکوں سے ہار اور بالیاں بنائیں۔ پھر وہ حضرت حمزہؓ کے پاس آئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے اپنے ہاتھ سے ان کا جگر کھینچا اور اس کا ایک ٹکڑا کاٹ کر منہ میں رکھ لیا اور اس کو دانتوں سے چبانے لگی لیکن اس سے نگلا نہیں گیا۔

شرح نہج البلاغہ میں واقدی سے روایت ہے کہ جب وحشی نے اس کو حضرت حمزہؓ کے قتل کی خبر دی تو اس نے اپنے کپڑے اور زیور اتار کر اس کو دے دیئے اور اس سے کہا کہ جب تم مکہ آؤ گے تو میں تم کو دس دینار دوں گی۔ اس کے بعد اس سے کہا کہ مجھے ان کے مرنے کی جگہ لے چلو۔ وہ اس کو وہاں لے گیا تب اس نے ان کا پیٹ چاک کیا۔ ان کے مردانہ اعضاء، ناک اور دونوں کان کاٹ کر ان کے دست بند اور بازو بند بنائے۔ اور ان کا جگر اپنے ساتھ مکہ لے گئی۔

جب حضرت حمزہؓ اس حالت میں تھے تو ابوسفیان ان کے پاس آیا۔ جو کچھ اس کی بیوی کر چکی تھی اس سے اس کی تسکین نہیں ہوئی تھی۔ طبری وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس نے ان کے جبڑے پر نیزہ مارا۔ اتنے میں اس کی طرف سے بنی حارث بن عبدمناۃ کا بھائی حلیس بن زبان گزرا جو اس زمانے میں حبشیوں کا سردار تھا۔ ابوسفیان نیزے کا سرا حضرت حمزہؓ کے جبڑے پر مارتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ "اب یہ کڑواہٹ چکھو۔" اس پر حلیس نے کہا کہ اے بنی کنانہ! یہ قریش کا سردار اپنے ابن عم کے ساتھ کیسی حرکت کر رہا ہے؟ تب ابوسفیان نے اس سے کہا کہ یہ بات چھپائے رکھنا، مجھ سے غلطی ہو گئی۔

شرح نہج البلاغہ میں واقدی سے روایت ہے کہ عمرو بن جموح کی ایک ٹانگ میں لنگ تھا۔ یوم احد پر اس کے چار بیٹے نبی اکرمؐ کے ساتھ جنگ کے لئے گئے تو اس نے بھی چلنے کا ارادہ کیا لیکن اس کی قوم والوں نے اس کو روک لیا اور اس سے کہا کہ تمہارے چار بیٹے تو نبی اکرمؐ کے ساتھ چلے گئے ہیں۔ تم لنگڑے آدمی ہو، تم پر کوئی فرض نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ میرے بیٹے تو جنت میں جائیں اور میں تمہارے پاس بیٹھا رہوں یہ کبھی نہیں ہوگا۔ اس کی بیوی ہند بنت عمرو بن حزام کہتی ہے کہ گویا میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ اپنا سامان لے کر چل دیئے ہیں اور دعا کرتے جاتے ہیں کہ اے میرے اللہ! مجھ کو میرے گھر والوں میں واپس نہ بھیجنا۔ چنانچہ وہ روانہ ہو گئے اور ان کے گھر والوں نے ان سے واپس چلے جانے کو کہا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یارسول اللہؐ! میری قوم والے چاہتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ نہ چلوں اور میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے لنگڑے پن ہی سے جنت میں ٹہلا کروں۔ اس پر

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم کو اللہ نے معذور رکھا ہے، تمہارے اوپر جہاد نہیں ہے۔ وہ نہ مانے۔ تب نبی اکرمؐ نے ان کی قوم والوں اور ان کے بیٹوں سے فرمایا کہ تم ان کو نہ روکو ممکن ہے اللہ ان کو شہادت عطا کرے اس لئے ان کو جانے دو۔

بعض مسلمان ان کا ذکر کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے عمرو بن جموح کو دیکھا کہ جب مسلمان نبی اکرمؐ کو چھوڑ کر چلے گئے اور پھر جمع ہوئے تو یہ آگے والی جماعت میں تھے۔ گویا ہم ان کو پیچھے سے دیکھ رہے ہیں کہ وہ لنگڑا کر چل رہے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ میں جنت کا مشتاق ہوں۔ ان کا لڑکا ان کے پیچھے پیچھے دوڑتا جاتا تھا یہاں تک کہ دونوں ایک ساتھ شہید ہوگئے۔

واقدی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ مدینہ سے خبریں معلوم کرنے کے لئے نکلیں۔ ان کے ساتھ مدینہ کی کچھ عورتیں بھی تھیں۔ ان کی ملاقات ہند بنت عمرو بن حزام سے ہوئی جو اپنے ایک اونٹ کو ہنکا کر لئے جارہی تھیں۔ جس پر ان کے شوہر عمرو بن جموح، ان کے بیٹے خلاد بن عمرو اور ان کے بھائی عبداللہ بن عمرو بن حزام یعنی جابر بن عبداللہ انصاری کے باپ کی لاشیں تھیں۔ ان سے حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ تم کیا حال چھوڑ کر آرہی ہو؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہؐ خیریت سے ہیں، ان کے علاوہ بڑی مصیبت واقع ہوئی ہے، اللہ نے بہت سے مومنوں کو شہادت نصیب کی ہے۔ تب حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میرا بھائی، میرا شوہر اور میرا بیٹا۔ پوچھا تم اِن کو کہاں لے جارہی ہو؟ بولیں دفن کرنے کے لئے مدینہ لے جارہی ہوں۔

جب وہ اونٹ کو چلا رہی تھیں تو وہ ان سب کو لے کر نیچے بیٹھ گیا۔ انہوں نے اس کو ڈانٹا تو وہ اٹھا۔ تب انہوں نے اس کا رخ مدینہ کی طرف کردیا لیکن وہ پھر پلٹ کر نیچے بیٹھ گیا۔ تب وہ اس کو لے کر احد کی طرف چلیں تو وہ ہلکا پھلکا ہو کر تیز تیز چلتا رہا گویا وہ کوئی چیز اٹھائے ہوئے نہیں ہے۔ وہ نبی اکرمؐ کے پاس گئیں جو ابھی تک احد ہی میں تھے اور جو کچھ واقعہ ہوا تھا اس سے آنحضرتؐ کو مطلع کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اونٹ زیر حکم ہے۔ کیا تمہارے شوہر نے چلتے وقت کچھ کہا تھا۔ بولیں جی ہاں! جب وہ احد کی طرف چلے تو قبلہ رخ ہو کر دعا کی تھی کہ اے میرے اللہ! مجھے میرے گھر والوں کے پاس واپس نہ بھیجنا۔ اس پر نبی اکرمؐ نے ان سے فرمایا کہ اے گروہ انصار! تم میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی بات کی قسم اللہ کو دیدیں تو وہ پوری ہو کر رہتی ہے۔ تمہارا شوہر عمرو بن جموح انہی میں سے ہے۔ اس کے بعد رسول اللہؐ نے ان سب کو دفن کرادیا اور ہند سے فرمایا کہ یہ تینوں جنت میں ایک ہی جگہ رہیں گے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یارسول اللہؐ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ مجھ کو بھی انہی کے ساتھ رکھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ عبداللہ بن عمرو بن حزام اور عمرو بن جموح ایک ہی قبر میں دفن کئے جائیں کیونکہ مشرکوں نے ان دونوں کے ایک ساتھ اعضاء قطع کئے تھے۔ اس طرح دونوں دنیا میں مصیبت میں ایک دوسرے کے شریک تھے۔ آنحضرتؐ نے ان دونوں کو پہاڑ سے متصل دفن کیا تھا، وہاں پینتالیس سال بعد دونوں کی قبر پر سیلاب آگیا۔ جس سے ان پر سے مٹی ہٹ گئی اور دونوں ایسے پائے گئے جیسے اسی روز دفن کئے گئے ہوں۔

جابر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کو ان کی قبر میں دیکھا کہ جیسے سو رہے ہیں، ان کی حالت میں کوئی چیز نہیں بدلی تھی اور ان کے کفن کے کپڑے ان کے اوپر اسی طرح تھے جیسے رکھے گئے تھے، میں نے ارادہ کیا کہ ان پر خوشبو ڈالوں لیکن آنحضرتؐ کے اصحاب نے مجھ کو منع کر دیا۔

واقدی کہتے ہیں کہ ان عورتوں میں جو جنگ احد کے موقع پر موجود تھیں، نسیبہ بنت کعب بھی تھیں جو عمارہ بن غزیہ کی ماں تھیں، یہ وہاں اپنے شوہر غزیہ، اپنے بیٹے عمارہ بن غزیہ اور ایک اور بیٹے عبداللہ بن زید کے ساتھ موجود تھیں۔ وہ دوپہر کے شروع میں ایک مشک لے کر اس ارادے سے نکلیں کہ زخمیوں کو پانی پلائیں گی۔ چنانچہ اس روز انہوں نے بھی جنگ کی اور خوب کی۔ ان کو نیزوں اور تلواروں کے بارہ زخم آئے۔

ان سے ملنے کے لئے ام سعد بنت سعد بن ربیع آئیں اور ان سے کہنے لگیں کہ اے خالہ مجھ کو اپنی خبر سنایئے۔ تب انہوں نے بیان کیا کہ میں دوپہر کے شروع میں احد کی طرف گئی کہ دیکھوں لوگ کیا کر رہے ہیں۔ میرے پاس پانی سے بھری ہوئی مشک تھی۔ میں رسول اللہؐ تک پہنچ گئی جو صحابہ کے درمیان تھے اور حالات مسلمانوں کے حق میں تھے۔ جب مسلمان شکست کھا کر بھاگے تو میں تیزی سے رسول اللہؐ کے دفاع میں تیر چلاتی رہی یہاں تک کہ مجھ کو زخم آ گئے۔

بیان کرنے والی کہتی ہیں کہ میں نے ان کے کاندھے پر زخم دیکھے وہاں گہرا سوراخ تھا۔ تو میں نے ان سے پوچھا کہ اے ام عمارہ یہ زخم تم کو کس نے لگایا؟ وہ بولیں کہ ابن قمیئۃ آگے بڑھ کر آیا تو لوگ رسول اللہؐ کے پاس سے بھاگ گئے اور وہ چیخ رہا تھا کہ مجھ کو محمدؐ تک پہنچنے دو۔ اگر وہ بچ گئے تو میں نہ بچوں گا۔ مصعب بن عمیر نے اس کو روکا اور اس سے الجھ پڑے۔ میں انہی میں تھی۔ بس اس نے یہ ضربت میرے لگا دی۔ میں نے بھی اس کے کئی ضربیں لگائیں لیکن وہ دشمن خدا دو دو زرہیں پہنے ہوئے تھا۔

پھر میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے ہاتھ کو کیا ہوا؟ انہوں نے بیان کیا کہ یہ یمامہ کے مقام پر مسیلمہ کذاب سے جنگ کے موقع پر لپیٹ میں آ گیا۔ جب عرب لوگوں کے ہاتھوں شکست کھا کر بھاگ رہے تھے تو میں انصار کے ساتھ رہی تا آنکہ ہم حدیقۃ الموت پر پہنچ گئے، وہاں ہم ایک ساعت تک لڑتے رہے اور ابودجانہ حدیقہ کے دروازے پر شہید ہو گئے۔ میں اندر داخل ہوئی، میرا مقصود خود مسیلمہ کذاب تھا، لیکن ایک شخص میرے آڑے آ گیا اور اس نے میرے ہاتھ پر تلوار مار کر اس کو کاٹ دیا۔ لیکن قسم بخدا! مجھے زیادہ ٹھہرنا نہیں پڑا کہ وہ خبیث قتل ہو گیا۔ میرا بیٹا عبداللہ بن زید مازنی اپنی تلوار اپنے کپڑوں سے پونچھ رہا تھا، میں نے اس سے کہا کہ کیا اس کو تم نے قتل کیا ہے؟ وہ بولا ہاں۔ میں نے فوراً اللہ کے لئے شکر کا سجدہ کیا اور چلی گئی۔

واقدی کہتے ہیں کہ حمزہؓ بن سعید اپنی دادی سے حدیثیں لیا کرتے تھے کیونکہ وہ بھی احد میں پانی پلانے کے لئے موجود تھیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ کہتے سنا کہ آج کے دن نسیبہ بنت کعب کا مقام فلاں اور فلاں کے مقام سے بہتر ہے کیونکہ اس روز آنحضرتؐ ان کو سخت جنگ کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور وہ اپنے کپڑے اپنے گرد

لپیٹے ہوئے تھیں، یہاں تک کہ ان کے تیرہ زخم آ گئے۔

ان کے پوتے عبدالجبار بن عمارہ نے ان سے روایت کی ہے کہ ام عمارہ نے بیان کیا کہ لوگ رسول اللہؐ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے صرف چند افراد رہ گئے تھے جو دس تک نہیں پہنچتے تھے۔ اس وقت میں، میرے دونوں بیٹے اور میرا شوہر آنحضرتؐ کے سامنے آپ کو دشمن سے بچا رہے تھے اور لوگ تھے کہ آنحضرتؐ کے پاس سے شکست کھا کر بھاگ رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے مجھ کو دیکھا کہ میرے پاس کوئی سپر نہیں تھی اور آنحضرتؐ نے ایک شخص کو دیکھا جو بھاگا جا رہا تھا اور اس کے پاس ایک سپر تھی۔ آنحضرتؐ نے اس سے کہا کہ اے سپر والے یہ سپر ایسے کے لئے چھوڑتا جا جو اس کی مدد سے لڑے۔ اس پر اس نے اپنی ڈھال ڈالدی اور اس کو میں نے اٹھا لیا اور اس کی مدد سے رسول اللہؐ کو بچانے میں مصروف ہوگئی۔ گھڑسواروں نے ہمارے ساتھ بڑی زیادتیاں کیں۔ اگر وہ پیادہ ہوتے تو ہم ان کو ٹھیک کردیتے۔ چنانچہ ایک شخص نے گھوڑے پر آ کر مجھ کو ضرب لگائی لیکن میں نے اس کی ضربت کو اس ڈھال سے روک لیا اور میرا کچھ نہیں بگڑا بلکہ میں نے اس کے گھوڑے کی ایڑی پر ضرب لگائی جس سے وہ کمر کے بل گر پڑا۔ اس پر نبی اکرمؐ نے آواز دی کہ اے عمارہ اپنی ماں کو دیکھو اپنی ماں کو دیکھو۔ چنانچہ میرے بیٹے نے اس آدمی کے مقابلے میں میری مدد کی یہاں تک کہ اس کو گھاٹی میں بھگا دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ عمارہ نے بیان کیا کہ میں نے ایک شخص کو پتھر سے مارا جو گھوڑے پر سوار تھا۔ وہ پتھر گھوڑے کی آنکھ پر لگا جس سے گھوڑا تڑپ گیا یہاں تک کہ گھوڑا اور سوار دونوں گر پڑے اور میں اسے پتھر سے مارنے لگا۔ نبی اکرمؐ میری طرف دیکھ رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔ پھر انہوں نے میری ماں کے کاندھے پر زخم دیکھا تو مجھ سے فرمایا کہ اپنی ماں کے زخم کی مرہم پٹی کرو۔ اللہ تمہارے گھر والوں پر برکت نازل کرے۔ یقیناً تمہاری ماں کا مرتبہ فلاں فلاں کے مرتبے سے بہتر ہے اور تمہاری پرورش کرنے والے یعنی تمہاری ماں کے شوہر کا مرتبہ فلاں فلاں کے مرتبے سے بہتر ہے۔

اسی مضمون کو زیادہ وسعت سے عبداللہ بن صعصعہ نے حارث بن عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عبداللہ بن عاصم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں احد میں رسول اللہؐ کے ساتھ موجود تھا۔ پھر انہوں نے مذکورہ بالا مضمون کی حدیث بیان کر کے آخر میں بیان کیا کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ تمہاری ماں کا مرتبہ فلاں اور فلاں کے مرتبے سے بہتر ہے اور تمہاری ماں کے شوہر کا مرتبہ فلاں کے مرتبے سے بہتر ہے۔ پھر آنحضرتؐ نے ان سب کے لئے دعا فرمائی کہ وہ جنت میں آپ کے رفیقوں میں ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ تیسرے فلاں سے نبی اکرمؐ کی مراد عثمان بن عفان ہیں جو جنگ شروع ہونے پر بھاگ نکلے تھے یہاں تک کہ بہت دور چلے گئے اور جیسا کہ راوی کا بیان ہے تین دن کے بعد ہی نبی اکرمؐ کی خدمت میں واپس ہوئے۔ تب نبی اکرمؐ نے ان سے فرمایا کہ تم تو بہت لمبے چلے گئے تھے۔ نبی اکرمؐ نے ان کا ذکر علیحدہ سے کیا اور ان کو نسیبہ کے شوہر کے مقابل پیش کیا جو خود بھی اور ان کی بیوی بھی جنگ میں اختتام تک مسلسل رسول اللہؐ کے برابر میں موجود رہے کیونکہ عثمان نبی اکرمؐ کی ربیبہ ام کلثوم کے شوہر تھے اور غزیہ عمارہ کی ماں نسیبہ کے شوہر تھے۔ آنحضرتؐ نے ان دو افراد کا

مقابلہ فرمایا۔ ایک عمارہ کی ماں کے شوہر جو دشمن کا مقابلہ کر کے رسول اللہؐ کا دفاع کرتے رہے تا کہ آنحضرتؐ کو کوئی گزند نہ پہنچے اور دوسرے عثمان بن عفان جو رسول اللہؐ کی ربیبہ کی طرف سے آنحضرتؐ کے سببی رشتہ دار تھے اور آنحضرتؐ کے پاس سے سب سے پہلے بھاگنے والوں میں تھے۔ ان دو سببی رشتہ داروں یعنی ایک عمارہ کی ماں کی طرف سے ان کے سببی رشتہ دار اور ایک رسول اللہؐ کی ربیبہ کی طرف سے آنحضرتؐ کے سببی رشتہ دار ان دونوں میں ایسا بڑا فرق تھا جو رسول اللہؐ کی نظر میں اتر گیا۔ رہے پہلے اور دوسرے فلاں تو یہ دونوں محدثین میں جانے پہچانے ہیں اور دونوں کی طرف اشارہ کرنے کا یہ طریقہ بھی محدثوں میں مانوس اور جانا پہچانا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کسی کو پس و پیش ہو۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ راوی کا فرض تھا کہ فلاں اور فلاں کو دونوں کے ناموں سے بیان کردے تا کہ معاملہ کے مشتبہ ہو جانے کی صورت میں خیالات ادھر ادھر نہ گھومیں۔ یہ حدیث بیان کرنے والے کی امانت کا تقاضا ہے کہ حدیث کو صاف صاف بیان کرے اور اس میں سے کسی شے کو چھپائے نہ رکھے۔ پھر اس کو اس میں کیا دریغ تھا کہ ان دونوں افراد کے ناموں کو چھپائے رکھا۔[۱]

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ حنظلہ بن ابی عامر نے جمیلہ بنت عبداللہ بن اُبی بن سلول سے تزویج کی تھی۔ انہوں نے اس کے ساتھ اس رات شب باشی کی جس کی صبح کو جنگ احد ہوئی۔ انہوں نے رسول اللہؐ سے اجازت طلب کی تھی کہ رات اس کے ساتھ بسر کریں گے اور آنحضرتؐ نے اجازت دیدی تھی۔ جب دوسری صبح کو انہوں نے نماز ادا کی تو رسول اللہؐ کے پاس آنا چاہتے تھے لیکن جمیلہ ان کے ساتھ رہی۔ چنانچہ وہ واپس آکر اس کے ساتھ سوئے اور تیزی سے رسول اللہؐ کی خدمت میں چلے گئے جبکہ انہوں نے جنابت کا غسل نہیں کیا تھا۔ جنگ پر جانے سے پہلے اس نے چار مرتبہ گواہی دیدی کہ انہوں نے اس سے مقاربت کی تھی۔ اس سے کہا گیا کہ تم نے کیوں گواہی دی تو وہ بولی کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کھل گیا ہے اور وہ اس میں چلے گئے اور وہ ان کو لے کر بند ہوگیا۔ اس پر میں سمجھ گئی کہ وہ شہید کردیئے جائیں گے۔ جمیلہ کو ان سے عبداللہ بن حنظلہ حمل ٹھہر گیا۔ ان کے بعد اس سے ثابت بن قیس نے تزویج کی اور ان سے اس کے یہاں محمد بن ثابت بن قیس پیدا ہوئے۔

حنظلہ رسول اللہؐ سے آکر ملے تو آنحضرتؐ صفیں برابر کر رہے تھے۔ جب مشرک بھاگے تو حنظلہ نے ابوسفیان بن حرب کا مقابلہ کیا اور اس کے گھوڑے کے ٹخنہ پر ضرب لگا کر اس کو کاٹ دیا۔ جس سے ابوسفیان زمین پر گر پڑا۔ وہ چیخ رہا تھا کہ اے گروہ قریش میں ابوسفیان بن حرب ہوں اور حنظلہ اس کوشش میں تھے کہ اس کو اپنی تلوار سے ذبح کردیں۔ اتنے

۱۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں افراد ممتاز صحابہ میں سے تھے۔ نبی اکرمؐ کے ساتھ رہا کرتے تھے اور ان افراد میں سے تھے جو لڑے نہیں تھے اور دونوں پہلے بھاگنے والوں کے ساتھ تھے اور ان لوگوں کے ساتھ تھے جنہوں نے یہ خواہش کی تھی کہ عبداللہ ابن اُبی بن سلول ان کی سفارش ابوسفیان سے کردے۔ اگر یہ ممتاز، قابل پیروی اور بااختیار نہ ہوتے جبکہ راوی نے یہ روایت بیان کی اور وہ ان دونوں سے اور ان کے ماننے والوں سے ڈر نہ جاتا تو صراحت سے ان کے نام بیان کردیتا۔ ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ مصر، ج ۳، غزوۂ احد۔

میں اسود بن شعیب نے ان کو دیکھ لیا۔ وہ تیزی سے حنظلہ کی طرف آیا اور ان پر تیزی سے حملہ آور ہوا۔ حنظلہ نے اس کے پاس جا کر اس کو اپنے نیزے سے مارا اور قتل کر دیا۔ اس طرح ابوسفیان کو بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا۔ وہ پیدل دوڑتا ہوا بھاگا پھر کوئی قریشی اسے مل گیا جس نے اس کو اپنے گھوڑے پر اپنے پیچھے بٹھالیا۔

واقدی بیان کرتے ہیں کہ ابوعامر راہب اپنے بیٹے حنظلہ کے پاس سے گزرے جب وہ حمزہؓ بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن جحش کے برابر میں شہید پڑے تھے تو بولے کہ مجھ کو تمہارے متعلق اس شخص یعنی رسول اللہؐ سے یہی خدشہ تھا۔ قسم بخدا! تم باپ کے ساتھ نیک تھے اور اپنی زندگی میں اچھی عادتوں والے تھے۔ تمہاری موت بھی تمہارے ذی مرتبہ اور ممتاز ساتھیوں کے ساتھ ہوئی۔ پس اگر اللہ حمزہؓ کو اچھا صلہ دے یا محمدؐ کے اصحاب میں سے کسی کو اچھا صلہ دے تو تجھ کو بھی دے پھر انہوں نے پکار کر کہا کہ اے گروہ قریش گو حنظلہ نے میری اور تمہاری مخالفت کی ہے پھر بھی اس کے اعضا مت کاٹنا۔ چنانچہ مشرکین نے مقتولین کے اعضاء کاٹے تو ان کو چھوڑ دیا۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ لڑائی رک جانے کے بعد جب رسول اللہؐ گھاٹی کے اگلے سرے پر پہنچے تو امام علیؑ ابن ابی طالبؑ نکل کر اپنی چمڑے کی ڈھال میں پانی بھر کر رسول اللہؐ کی خدمت میں لائے تاکہ آنحضرتؐ پانی پی لیں۔ آنحضرتؐ کو اس میں بو معلوم ہوئی تو آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور اس میں سے پیا نہیں۔ البتہ اپنے سر سے خون دھو ڈالا اور اس میں سے کچھ اپنے اوپر چھڑک لیا۔

تاریخ ابن اثیر میں ہے کہ جب آنحضرتؐ زخمی ہو گئے تو امام علیؑ آپ کے لئے پانی لاتے رہے تاکہ اس سے زخموں کو دھوئیں لیکن ان میں سے خون نہ رکا۔ پھر حضرت فاطمہ زہراؑ آگئیں، وہ خاتون آنحضرتؐ کے گلے لگیں اور رو پڑیں۔ پھر انہوں نے ایک چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم میں بھر دی۔ اس سے خون رک گیا۔

ابوسفیان نے مسلمانوں کی طرف آ کر کہا کہ کیا تم میں محمدؐ بن عبداللہ ہیں۔ لوگوں نے اس کو جواب نہیں دیا تو اس نے خیال کیا کہ آنحضرتؐ قتل ہو گئے ہیں۔ پھر اس کو بتایا گیا کہ آنحضرتؐ اس کی بات سن رہے ہیں۔ تب اس کو معلوم ہو گیا کہ آنحضرتؐ زندہ ہیں اور یہ کہ ابن قمیہ اپنے دعوے میں جھوٹا تھا۔ تب اس نے کہا ہبل کو برتری ملے۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اللہ سب سے برتر اور بزرگ تر ہے۔ ابوسفیان بولا کہ ہماری طرف عزیٰ ہے تمہاری طرف کوئی عزیٰ نہیں ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا ہمارا مالک اللہ ہے اور تمہارا کوئی مالک نہیں ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے۔ جنگ میں ہر طرح کے اتفاقات ہوتے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ عمرؓ بن خطاب کو بتاتے جاتے تھے اور وہ اس کو جواب دیتے تھے۔

جب ابوسفیان اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے احد سے چلے گئے تو بہت سے مسلمانوں کو یہ گمان ہوا کہ اب یہ لوگ مدینہ پر چڑھائی کر کے اس پر چھا جائیں گے کیونکہ ان کو مسلمانوں سے سخت زک پہنچی تھی۔ ان لوگوں نے معاملہ رسول اللہؐ کے سامنے پیش کیا۔ آنحضرتؐ کو ایسا کوئی خیال نہ تھا۔ پھر بھی مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے آنحضرتؐ نے امام علیؑ کو

بھیجا اور فرمایا کہ ان لوگوں کے مقامات پر جائیں اور دیکھیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اگر انہوں نے گھوڑوں کو چھوڑ کر اونٹوں پر سواری اختیار کی ہے تو وہ مکہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے ہیں اور اونٹوں کو ہنکا رہے ہیں تب وہ مدینہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر انہوں نے مدینہ کا ارادہ کیا تو میں ان کی طرف وہیں جاؤں گا اور ان سے جنگ کروں گا۔ امام علیؑ کا بیان ہے کہ میں ان لوگوں کے چھوڑے ہوئے مقام پر گیا اور میں نے دیکھا کہ انہوں نے گھوڑوں کی بجائے اونٹوں پر سواری کی ہے۔ چنانچہ میں نے رسول اللہؐ کی خدمت میں واپس آ کر آنحضرتؐ کو بتلادیا۔ تب مسلمان مطمئن ہوگئے کہ قریش مدینہ کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں۔ شیخ محمد غزالی نے اپنی کتاب فقہ السیر ۃ میں جنگ احد کا بیان اسی کم گوئی سے کیا ہے جس اسلوب سے سیرۃ الرسول میں اس کو بیان کیا ہے اور اس میں بھی امام علیؑ ابن ابی طالبؑ کے اس جنگ میں ان ہمیشہ باقی رہنے والے کارناموں سے ناواقفیت برتی ہے کہ وہ کس طرح ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ پختہ ارادہ اور ثابت قدمی سے رسول اللہؐ کے پہلو میں جمے رہے۔ یہ وہ عمل تھا جیسا کہ تاریخ اور سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو اسلام کا نام ونشان تک نہ رہتا۔ لیکن ان صاحب نے اس جنگ کے واقعات کے متعلق اپنے بیان میں امام علیؑ کا ذکر مصعب بن عمیرؓ کی شہادت کے موقع کے علاوہ کیا ہی نہیں۔ اس موقع پر بھی ذکر کیا ہے تو ان دوسرے لوگوں ہی کی طرح جو اس جنگ میں موجود رہے تھے اور ان کا کوئی ایسا کارنامہ بیان نہیں کیا جس کی طرف نظر اٹھے۔

چنانچہ صفحہ ۳۰۳ پر کہتے ہیں کہ اس گرانبار نقصان کے باوجود جو حمزہؓ کے قتل سے مسلمانوں کو ہوا، ان کا تھوڑا سا لشکر پورے میدان پر حاوی رہا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا علم اسلام کے عظیم داعی مصعب بن عمیر کے پاس تھا۔ وہ شہادت پاگئے تو علم امام علیؑ نے لیا اور مہاجرین و انصار حصول فضیلت کے میدان میں ایک دوسرے پر سبقت کرنے لگے۔

انہوں نے مصعب بن عمیرؓ کا ویسا ہی ذکر کیا ہے جس کے وہ مستحق تھے۔ البتہ امام علیؑ کے ساتھ بخل کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت حمزہؓ مشرکین کے پہلے ہی حملے میں شہید ہوگئے تھے جیسا کہ ان کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''اس عظیم نقصان کے باوجود جو مسلمانوں کو حضرت حمزہؓ کے قتل سے ہوا ان کا تھوڑا سا لشکر پورے میدان پر حاوی رہا۔''

حالانکہ حضرت حمزہؓ دوسرے حملے میں شہید ہوئے ہیں جبکہ مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور انہی میں ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ بھی تھے اور وہ امام علیؑ اور انصار کے کچھ افراد جن میں ابودجانہ بھی تھے، جہاد جنگ میں مصروف تھے اور حضرت حمزہؓ اپنی تلوار سے لوگوں کو خوفزدہ کر رہے تھے۔ یہ ہے مؤرخوں کی رائے کے مطابق اور امام علیؑ مشرکوں کے ہجوم کو رسول اللہؐ سے ہٹا رہے تھے کیونکہ وہ آنحضرتؐ کی جانب دم بہ دم جمع ہورہے تھے جبکہ مہاجرین اور بیشتر انصار رسول اللہؐ کے پاس سے بھاگ گئے تھے۔ کچھ مہاجرین نے کہا کہ کون عبداللہ بن اُبی بن سلول کے پاس جانے کو تیار ہے تا کہ وہ ابوسفیان سے ہماری سفارش کردے؟ انہی سخت گھڑیوں میں ان کے پاس سے انس بن نضر گزرے اور انہوں نے ان لوگوں سے کہا کہ اٹھو اور اسی بات پر تم بھی جان دیدو جس پر محمدؐ نے جان دی ہے کیونکہ اگر محمدؐ شہید بھی ہوگئے ہیں تو محمدؐ کا اللہ تو نہیں مرا ہے۔ چنانچہ وہ خود

جنگ میں شامل ہوگئے اور مصروف کارزار رہے یہاں تک کہ ان کو نیزوں اور تلواروں نے مار گرایا اور وہ لوگ بیٹھے ہوئے یہی سوچتے رہے کہ کس کے ذریعے سے وہ ابوسفیان، لات اور عزیٰ کے پاس سفارش پہنچائیں جن کی پرستش ابوسفیان کرتا تھا۔

غزالی نے صفحہ ۲۷۷ پر مسلم کی اس حدیث کی صحت کی تصدیق کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ جنگ احد کے روز نبی اکرمؐ نے سات انصار کے افراد اور دو مہاجروں کو منتخب کرلیا تھا۔ چنانچہ جب مشرکوں نے آنحضرتؐ پر حملہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ کون ہے جو اُن کو میرے پاس سے دفع کرے اور اس کو جنت مل جائے؟ اس پر انصار کا ایک شخص آگے بڑھا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ وہ لوگ پھر آگئے اور انہوں نے آنحضرتؐ پر حملہ کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کون ہے جو اُن کو میرے پاس سے دفع کرے اور اس کو جنت مل جائے۔ چنانچہ لوگ لڑتے رہے یہاں تک کہ ساتوں شہید ہوگئے۔ غزالی کو معلوم تھا کہ دو قریشیوں میں سے ایک علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے جیسا کہ بیشتر قابل اعتماد کتابیں صراحت کرتی ہیں۔ ان میں سے بعض کا بیان ہم نے اس کے مقام پر نقل بھی کیا ہے۔ لیکن موروثی بغض نے ان کو نام کی تصریح کرنے سے روک دیا تھا کہ امام علیؑ کو ان لوگوں پر جو رسول اللہؐ کے پاس سے بھاگ گئے تھے اور پہاڑ پر پناہ گزیں ہوئے تھے کوئی فضیلت حاصل نہ ہوجائے۔ مجھے امید تھی کہ غزالی سیرت طیبہ کے لکھنے میں حق کو آشکار کردیں گے خواہ وہ کہیں ہو اور کسی سمت میں ہو اور کسی کی محبت یا طرف داری کی خاطر حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش نہیں کریں گے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

بہرحال جنگ احد میں مسلمانوں کی طرف سے تقریباً ستر افراد قتل ہوگئے۔ اللہ نے ان کے لئے شہادت مہیا کردی تاکہ وہ انبیاء و صدیقین کے ساتھ اس بلند مرتبے کو حاصل کرلیں جس کا وعدہ رسول امینؐ نے ان سے کیا تھا۔ مشرکین کی طرف سے ان کے اٹھائیس بہادر قتل ہوئے جن میں سے بارہ افراد امام علیؑ نے قتل کئے جیسا کہ شرح نہج البلاغہ، جلد۳، صفحہ ۴۰۱ پر واقدی سے روایت ہے۔

بعض انصار اور مہاجرین کا طرز عمل قابل شکر گزاری تھا جو اُن کے مستحکم ایمان اور رسولؐ اور آنحضرتؐ کی دعوت حق کے لئے خلوص کا ثبوت ہے۔ ایسا ایمان جس نے ان کو ان سخت لڑائیوں میں اپنی جانوں، اپنی اولاد اور اپنی عزیز ترین دولتوں سے بے نیاز کردیا تھا۔

مثلاً انس بن نضر جن کے کارنامے ہم ایک سے زیادہ موقع پر بیان کرچکے ہیں۔ حنظلہ بن ابوعامر جو راہب کہلاتے تھے، ان کا باپ ان لوگوں میں سے تھا جو مکہ چلے گئے تھے اور وہاں لوگوں کو رسول اللہؐ کے خلاف بھڑکایا کرتے تھے لیکن ان کے بیٹے حنظلہ نے اپنے باپ اور مشرکین کے خلاف سخت طرز عمل اختیار کرنے میں ذرا پس و پیش نہیں کیا۔ وہ اپنی بیوی جمیلہ بنت عبداللہ بن اُبَی بن سلول کو پہلی رات کی صبح کو چھوڑ کر چلے گئے جبکہ وہ پہلی بار ان کے پاس شب باشی کے لئے آئی تھی۔ وہ نبی اکرمؐ کے لشکر میں شامل ہوکر بہادری اور قوت ایمان سے لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید کردیئے گئے اور بعد میں غسیل الملائکۃ مشہور ہوئے جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں اور عمرو بن جموح، ان سے جہاد ساقط تھا۔ اس کے علاوہ ان کے چار بیٹے نبی اکرمؐ کے ساتھ تھے۔ پھر بھی انہوں نے شہادت کی خواہش میں ان کے ساتھ جاملنے کے علاوہ ہر

چیز سے انکار کر دیا کیونکہ نبی اکرمؐ کی رفاقت میں قتل ہو جانا ان کے لئے دنیا کی تمام دولت اور لذتوں سے زیادہ پسندیدہ تھا۔ چنانچہ وہ نبی اکرمؐ کے روبرو لڑنے لگے اور مشکل سے مشکل اور شدید سے شدید مرحلوں میں بھی آنحضرتؐ سے دشمنوں کو دور کرتے رہے یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ پھر ان کی بیوی ہند نے ان کو، اپنے بیٹے خلاد بن عمرو کو اور اپنے بھائی عبداللہ کو مدینہ میں دفن کرنے کے لئے ایک اونٹ پر لاد لیا تھا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور وہ اپنے اونٹ کو جس کی پیٹھ پر یہ تینوں موجود تھے ہنکا رہی تھیں۔ وہ ثابت قلبی کے ساتھ حمد و شکر کرتی جا رہی تھیں اور ان لوگوں کے انجام پر اور اس بات پر کہ رسول اللہؐ دشمنوں کی چال سے محفوظ رہے خوش تھیں۔ اس عمل سے انہوں نے تاریخ پر آئندہ نسلوں کے لئے اللہ کی راہ میں ایسا عمل قربانی اور صبر عظیم پیش کر دیا جو اس سب کچھ سے اعلیٰ ہے جو کوئی عورت پیش کر سکتی ہے۔

ان کے علاوہ ابو دجانہ انصاری، سہل بن حنیف، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور مصعب بن عمیر وغیرہ کی مثالیں ہیں جن میں سے بیشتر نے اپنے عقیدے اور اپنے دین کی خاطر شہادت حاصل کی اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے اس کی تمنا کی وجہ سے زندگی اور دنیا کی لذتوں کو حقیر سمجھا۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش اس جنگ کے مقتولین میں سے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے جنگ سے پہلے نبی اکرمؐ سے کہا کہ یا رسول اللہؐ! آپ دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ اب اس حد تک اتر آئے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں اور یہ خواہش رکھتے ہیں کہ جو وہ چاہیں آپ سے حاصل کر لیں۔ پس میں نے اللہ سے یہ سوال کیا اور اس کو قسم دلائی کہ کل ہم دشمن سے جنگ کریں تو وہ مجھ کو قتل کر ڈالیں، میرا پیٹ چاک کریں اور میرے اعضا الگ الگ کر دیں۔ یا رسولؐ اللہ! اب میرا آپ سے یہ سوال ہے کہ جب میں دشمنان خدا کے خلاف جنگ میں کام آ جاؤں تو میرے بعد آپ میرے ترکہ پر قبضہ کر کے جیسا چاہیں اسے صرف فرمائیں۔ ان کے ساتھ یہی معاملہ ہوا، وہ شہید ہو گئے اور ان لوگوں نے ان کے اعضا کاٹ ڈالے تو رسول اللہؐ نے ان کا ترکہ قبضے میں لے لیا اور ان کی ماں کے لئے کچھ مال خیبر میں خرید دیا۔ ان کی بہن حمنہ بنت جحش آئیں تو رسول اللہؐ نے ان سے کہا کہ اے حمنہ میں نے کھو دیا ہے۔ انہوں نے پوچھا کس کو کھو دیا ہے یا رسول اللہؐ؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے ماموں کو۔ وہ بولیں انا للہ و انا الیہ راجعون، اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم فرمائے، ان کو شہادت مبارک ہو۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے کھو دیا ہے۔ بولیں کس کو کھو دیا ہے یا رسول اللہؐ؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے بھائی عبداللہ کو۔ انہوں نے آیہ انا للہ پڑھی اور کہا ان کو شہادت مبارک ہو۔ جب آنحضرتؐ نے ان کو ان کے شوہر مصعب بن عمیر کے متعلق بتلایا تو چیخ پڑیں اور بولیں کہ ہائے مصیبت! تب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ عورت کے لئے شوہر کا وہ مقام ہے جو کسی اور کا نہیں ہے۔

واقدی سے روایت ہے کہ سمراء بنت قیس بنی دینار کی ایک خاتون تھیں۔ ان کے دو بیٹے احد میں نبی اکرمؐ کی جانب سے کام میں آ گئے۔ وہ تھے نعمان بن عبد عمرو اور سلیم بن حارث۔ جب ان کی موت کی خبر ان کو پہنچی تو بولیں کہ رسول اللہؐ پر کیا گزری؟ لوگوں نے کہا کہ وہ بحمد للہ خیریت سے ہیں اور جیسا تم چاہتی ہو ویسے ہی صحیح و سالم ہیں۔ تب بولیں مجھے

دکھادو میں ان پر ایک نظر ڈال لوں۔ لوگوں نے ان کے لئے آنحضرتؐ کی طرف اشارہ کیا تو کہنے لگیں آپ کے بغیر مصیبت پہاڑ ہو جاتی یارسول اللہؐ۔ حضرت عائشہؓ ان سے ملیں تو پوچھا کہ کیا خبر ہے؟ انہوں نے حال بتایا۔ تب انہوں نے کہا پھر تمہارے ساتھ کون ہے۔ بولیں میرے بیٹے ہیں۔ دونوں کو قبر لے جارہی ہوں۔ مطالعہ کرنے والے کو اس قسم کی اور بلند مثالیں ایسی مومن خواتین کی ملیں گی جو اللہ کی راہ میں اور اسلام کی بھلائی کے لئے جہاد کرنے والی تھیں۔

جب لوگ قتل ہوجانے والوں کے دفن سے فارغ ہوگئے تو رسول اللہؐ نے فرمایا کہ کوئی دیکھے کہ سعد بن ربیع پر کیا گزری؟ آیا وہ زندوں میں سے ہیں یا مردوں میں؟ انصار کے ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہؐ میں آپ کے لئے جاکر دیکھتا ہوں۔ وہ ان کو ڈھونڈتا ہوا گیا تو ان کو مقتولین میں پایا جبکہ ان میں ایک سانس باقی تھی۔ اس نے ان سے کہا کہ رسول اللہؐ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں دیکھ کر آؤں کہ تم زندہ ہو یا مُردہ۔ وہ بولے کہ مُردوں ہی میں ہوں۔ رسول اللہؐ کو میرا سلام پہنچا دینا اور آنحضرتؐ سے کہنا کہ ابن ربیع کہتا ہے کہ اللہ آپ کو وہ بہترین جزا عطا کرے جو ایک نبی کو اس کی امت کی طرف سے ملی ہو اور اپنی قوم کو بھی میری طرف سے سلام پہنچا کر ان سے کہنا کہ سعد بن ربیع نے تم سے کہا ہے کہ اگر تمہارے نبیؐ کی طرف کوئی پہنچ گیا جبکہ تمہاری آنکھ میں ذرا سی جنبش بھی باقی ہو تو اللہ کے سامنے تمہارے پاس کوئی عذر نہ ہوگا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک سانس کھینچی جس سے ان کا خون اس طرح نکلا جیسے ذبح کئے ہوئے اونٹ کا اور وہ جاں بحق ہوگئے۔ اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے۔ اس انصاری نے نبی اکرمؐ کی خدمت میں واپس پہنچ کر آنحضرتؐ کو ان کے متعلق بتلایا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ سعد پر رحمت فرمائے کہ انہوں نے زندگی میں ہماری نصرت کی اور مرتے ہوئے ہم کو اچھی باتیں بتائیں۔

پھر آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا کہ میرے چچا حمزہؓ کے متعلق کسی کو علم ہے؟ حارث بن صمہ نے کہا کہ میں ان کی جگہ جانتا ہوں یارسول اللہؐ۔ چنانچہ انہوں نے وہاں جاکر کھڑے ہوکر دیکھا تو ان کو اس حالت میں پایا جس میں ہندلعن اللہ علیہا چھوڑ گئی تھی۔ ان کو یہ برا معلوم ہوا کہ واپس جاکر نبی اکرمؐ کو ان کی ایسی حالت کی اطلاع دیں۔ پس آنحضرتؐ نے امام علیؑ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ جاؤ اپنے چچا حضرت حمزہؓ کو ڈھونڈو۔ ان کو بھی برا معلوم ہوا کہ نبی اکرمؐ کو ان کی حالت بتائیں۔ پھر آنحضرتؐ خود تشریف لے گئے یہاں تک کہ ان کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ آنحضرتؐ نے ان کو وادی کے بیچ میں پایا اور دیکھا کہ ہند نے ان کا پیٹ چاک کر ڈالا ہے۔ ان کا جگر نکال لیا ہے اور ان کے مردانہ اعضا، ناک اور دونوں کان کاٹ لئے ہیں اور ان کے ساتھ وہ کیا ہے جو درندہ جانور بھی نہیں کرتے۔ ان کو اس حالت میں دیکھ کر آنحضرتؐ رو پڑے اور فرمانے لگے کہ قسم بخدا! آپ کی طرح کی مصیبت کسی پر نہیں آئی اور میرے لئے اس سے زیادہ غصہ دلانے والا کوئی واقعہ سامنے نہیں آیا ہے۔

آنحضرتؐ نے مزید فرمایا کہ اے چچا اللہ آپ پر رحمت فرمائے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ بھلائی پر عمل کرتے تھے اور رشتے کا خیال رکھتے تھے۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو یہ خوف نہ ہوتا کہ صفیہ ان کو اس حالت میں دیکھ کر رونے

لگیں گی اور یہ طریقہ میرے بعد سنت قرار پاجائے گا تو میں ان کو اسی طرح چھوڑ دیتا یہاں تک کہ جنگل سے درندے اور گھونسلوں سے پرندے جمع ہو جاتے۔ اگر اللہ نے مجھ کو قریش پر فتح مند کردیا تو میں ان کے تیس افراد کے اور ایک روایت کے مطابق ستر ممتاز افراد کے اعضا قطع کر ڈالوں گا۔ مسلمانوں نے یہ سنا تو کہنے لگے کہ ہم ان کے اس طرح اعضا قطع کریں گے کہ ایسے عرب میں کسی کے قطع نہ کئے گئے ہوں گے۔ اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ٥ ''اگر تم سختی کرو تو اسی کے مانند کرو جیسی تمہارے ساتھ سختی کی گئی ہو اور اگر تم صبر کرو گے تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہوگا۔'' (سورۂ نحل: آیت ۱۲۶)

پس رسول اللہؐ نے معاف کردیا اور صبر فرمالیا اور قطع اعضا سے منع فرمادیا۔

سیرت الحلبیہ میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہؐ کو حمزہؓ سے زیادہ کسی پر روتے نہیں دیکھا۔ آنحضرتؐ ان کے پاس کھڑے ہو کر زور زور سے رونے لگے یہاں تک کہ آنحضرتؐ کی ہچکی بندھ گئی اور قریب تھا کہ آپ کو غش آجاتا۔ آپ فرمارہے تھے کہ یارسول اللہؐ کے چچا، اے اللہ کے شیر، اے اس کے رسول کے شیر، اے نیکیوں کے بجالانے والے، اے تکلیفوں کے دور کرنے والے، یارسول اللہؐ سے دشمن کو دفع کرنے والے۔ پھر آنحضرتؐ نے ان پر ایک چادر ڈالی جو آپ خود اوڑھے ہوئے تھے اور اتنی تھی کہ اگر ان کے سر کی طرف بڑھا دی جاتی تو ان کے پیر کھل جاتے تھے اور اگر ان کے پیروں تک ڈالی جاتی تو ان کا سر کھلا رہ جاتا تھا۔ پس آنحضرتؐ نے ان کو ان کے سر پر ڈال دیا اور ان کے پیروں پر گھاس ڈال دی۔

شرح نہج البلاغہ میں واقدی سے روایت ہے کہ صفیہ بنت عبدالمطلب جو حضرت حمزہؓ کی ماں اور باپ دونوں کی طرف سے بہن تھیں بیان کرتی ہیں کہ احد کے روز ہم ایک محفوظ مقام پر چڑھ گئے جو ٹیلوں کے سب سے بلند حصے تھے۔ ہمارے ساتھ حسان بن ثابت تھے جو سب سے زیادہ بزدل انسان تھے اور ہم سب ایک اونچی جگہ پر تھے۔ وہاں کچھ یہودی آکر ان ٹیلوں پر تیر برسانے لگے۔ انہی میں صفیہ بنت عبدالمطلب بھی تھیں۔ صفیہ نے ان سے کہا کہ تم کچھ کرو اے حسان۔ وہ بولے کہ قسم بخدا! میں لڑ نہیں سکتا ہوں۔ اتنے میں یہودی عورتوں کے مقام تک چڑھ آیا۔ صفیہ بیان کرتی ہیں کہ پھر حسان نے مجھ کو تلوار لادی اور میں نے یہودی کی گردن اڑا کر اس کا سر اس کے ساتھیوں کی طرف پھینک دیا۔ تب وہ ہمارے چاروں طرف سے بھاگ نکلے۔

اس پر وہ مزید بیان کرتی ہیں کہ آخر دوپہر کو میں نکل کر رسول اللہؐ کے پاس گئی جبکہ وہ احد ہی میں تھے اور میرے ساتھ انصار کی عورتیں تھیں۔ میں آنحضرتؐ سے اور آپ کے اصحاب سے ملی۔ جس سے میں سب سے پہلے ملی وہ میرے بھتیجے علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے پھوپھی واپس چلی جایئے کیونکہ لوگوں میں بے حجابی ہے۔ میں نے کہا کہ مجھ کو رسول اللہؐ کے بارے میں بتایئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ خیریت سے ہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے ان کی طرف پہنچا

دیجئے۔ انہوں نے آنحضرتؐ کی جانب ہلکا سا اشارہ کردیا۔ پس میں آنحضرتؐ کی طرف متوجہ ہوگئی۔ جب میں آپ کے سامنے پہنچ گئی تو نبی اکرمؐ نے فرمایا: اے زبیر میری طرف سے اپنی ماں سے ملو۔ اس وقت مسلمان حمزہؓ کے لئے قبر کھود رہے تھے۔ چنانچہ زبیر نے ان کا استقبال کیا اور کہا کہ اے امی لوگوں میں بے حجابی ہے۔ اس لئے آپ واپس چلی جایئے۔ انہوں نے کہا کہ جب تک رسول اللہؐ کو دیکھ نہ لوں گی میں نہیں جاؤں گی۔ جب آنحضرتؐ کو دیکھا تو کہا کہ یارسول اللہؐ میرے ماں جائے حمزہؓ کہاں ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا وہ لوگوں کے درمیان میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں واپس نہ جاؤں گی جب تک دیکھ نہ لوں گی۔ پس آنحضرتؐ نے ان کے بیٹے کو ان کے راستے میں کھڑا کردیا کہ وہ ان کو لے جائیں مگر وہ ٹھہر گئیں۔ نبی اکرمؐ کو یہ گوارا نہ تھا کہ وہ ان کو اس حالت میں دیکھیں۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ جب صفیہ میدان جنگ میں آئیں تو انصار ان کے اور رسول اللہؐ کے درمیان حائل ہوگئے۔ تب نبی اکرمؐ نے ان سے کہا کہ ان کو آنے دو۔ چنانچہ وہ بڑھتی رہیں یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے پاس بیٹھ گئیں اور رونے لگیں۔ ان کے رونے سے نبی اکرمؐ بھی رونے لگے۔ ان کے ہمراہ حضرت فاطمہؑ سیدۃ نساء العالمین بھی تھیں۔ تب آنحضرتؐ نے حضرت صفیہؓ اور حضرت فاطمہؑ سے فرمایا کہ خوشخبری سنو کہ جبرئیلؑ نے مجھ کو بتایا ہے کہ حمزہؓ کو اہل سماوات میں اللہ کا شیر اور اللہ کے رسول کا شیر لکھا گیا ہے۔

اس کے بعد نبی اکرمؐ نے حکم دیا کہ مقتولین دفن کردیئے جائیں۔ چنانچہ ایک ایک قبر میں دو دو تین تین دفن کردیئے گئے اور جب کوئی شہید لایا جاتا کہ اس پر نماز پڑھی جائے تو آنحضرتؐ اس کے ساتھ حضرت حمزہؓ کو شامل کردیتے اور دونوں پر نماز پڑھتے تھے۔

امام علیؑ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت حمزہؓ پر ستر تکبیروں سے نماز پڑھی اور آپ نے شہداء پر چودہ مرتبہ نماز پڑھی اور ہر نماز میں پانچ تکبیریں ادا فرمائیں۔ یہی رائے شیعہ امامیہ کی ہے۔ جب آنحضرتؐ مقتولین کے دفن سے فارغ ہوئے تو آپ نے اپنا گھوڑا طلب فرمایا اور اس پر سوار ہوگئے، مسلمان آپ کے گرد تھے، وہ عام طور پر زخمی تھے، زخمی بنی سلمہ اور بنی عبدالاشہل میں پھیلے ہوئے تھے۔ جب آنحضرتؐ مقام حرہ کے ابتدائی حصے پر پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا کہ صفیں بنالو۔ مردوں نے دو صفیں بنالیں۔ ان کے پیچھے عورتیں تھیں جن کی تعداد چودہ تھی۔ پھر آنحضرتؐ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کرکے فرمایا: اے میرے اللہ! سب حمد تیرے ہی لئے ہے، جس کو تو بند رکھے اس کو کوئی کھولنے والا نہیں، جس کو تو عطا کرے اس سے کوئی روکنے والا نہیں، جس کو تو دے اس کو کوئی دینے والا نہیں، جس کو تو گمراہی پر رکھے اس کا کوئی ہدایت دینے والا نہیں، جس کو تو قریب کرے اس کو دور کرنے والا کوئی نہیں۔ اے میرے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری برکت کا، تیری رحمت کا، تیرے فضل کا اور تیری عافیت کا۔ میرے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ایسی قائم رہنے والی نعمت کا جو نہ بدلے نہ زائل ہو۔ اے میرے اللہ! میں تجھ سے خوف کے روز امن کا سوال کرتا ہوں اور ناداری کے روز ضرورت پوری ہونے کا۔ اے میرے اللہ! جو کچھ تو نے دیا ہے میں اس کے شر سے اور جس سے تو نے محروم رکھا ہے اس کے شر سے

تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے میرے اللہ! ہم کو مسلمان کی حیثیت سے موت دینا، ہم کو ایمان کی محبت عطا کر، اس کو ہمارے قلوب کی زینت قرار دے، کفر، بدکاری اور گناہ کو ہمارے لئے ناگوار قرار دے، ہم کو ہدایت یافتہ افراد میں قرار دے اور اہل کتاب کافروں پر جو تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور تیرے راستے میں رکاوٹ ڈالتے ہیں عذاب نازل کر ان کو سزا اور عذاب دے۔ اے حقیقی اللہ! آمین۔

پھر آنحضرتؐ اپنے راستے پر چلتے رہے یہاں تک کہ بنی حارثہ میں جاکر اترے اور ان کے یہاں سے بنی عبدالاشہل کے یہاں پہنچ گئے۔ وہ لوگ اپنے مقتولوں پر رو رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حمزہؓ کا کوئی رونے والا نہیں۔ عورتیں رسول اللہؐ کو صحیح و سالم دیکھنے کے لئے نکل پڑیں۔ ام عامر اشہلیہ اپنے گھر سے باہر آگئیں اور انہوں نے نوحہ کرنا بند کردیا۔ جب انہوں نے آنحضرتؐ کو دیکھا کہ آپ زرہ پہنے ہوئے ہیں تو کہنے لگیں کہ اے اللہ کے رسولؐ! آپ کے بغیر مصیبت پہاڑ ہو جاتی۔

قبیلہ خزرج کی کبشہ بنت عقبہ بن معاویہ آنحضرتؐ کی طرف تیزی سے دوڑتی ہوئی آئیں جبکہ آنحضرتؐ گھوڑے پر سوار تھے اور سعد بن معاذ اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ سعد بولے کہ یارسول اللہؐ! میری ماں۔ تب آنحضرتؐ نے ان کو خوش آمدید کہا۔ انہوں نے آنحضرتؐ کے قریب ہوکر آپ کو غور سے دیکھا پھر بولیں کہ آپ کو صحیح و سالم دیکھ کر مصیبت ماند پڑ گئی۔ تب آنحضرتؐ نے ان کو ان کے بیٹے عمرو بن معاذ کا پرسہ دیا اور ان سے فرمایا کہ اے ام سعد خوشخبری لو اور مقتولین کے گھر والوں کو خوشخبری سنادو کہ ان کے مقتولین جنت میں ایک دوسرے کی رفاقت میں ہیں اور انہوں نے اپنے اپنے گھر والوں کے لئے شفاعت کی ہے۔ وہ بولیں کہ ہم مطمئن ہیں یارسول اللہؐ۔ اس کے بعد ان پر کون روئے گا۔ پھر کہنے لگیں کہ یارسول اللہؐ! آپ پسماندگان کے لئے دعا فرمایئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے میرے اللہ! ان کے دلوں کے رنج کو زائل کردے، ان کی مصیبت کا اجر دے اور ان کے پسماندگان کا حال اچھا رکھ۔

پھر نبی اکرمؐ نے سعد بن معاذ سے فرمایا کہ تمہارے گھرانے والوں کے زخم کھلے ہوئے ہیں۔ پس جو کوئی زخمی ہے اس کو چاہئے کہ اپنے زخم کا علاج کرے اور تم لوگ میرے ساتھ میرے مکان تک نہ چلو۔ چنانچہ سعد بن معاذ نے ان لوگوں میں آواز لگادی کہ رسول اللہؐ تم سب کو حکم دیتے ہیں کہ بنی عبدالاشہل کا کوئی زخمی آنحضرتؐ کے ساتھ نہ جائے۔ پس سب زخمی پیچھے رہ گئے جو تیس افراد تھے اور انہوں نے رات اپنے زخموں کا علاج کرانے میں بسر کی۔

سعد بن معاذ رسول اللہؐ کے ساتھ ان کے مکان تک گئے۔ پھر اپنی قوم میں واپس آکر خواتین کو ساتھ لے گئے اور کوئی عورت ایسی نہ رہی جو رسول اللہؐ کے مکان میں نہ پہنچ گئی ہو وہ سب مغرب اور عشاء کے درمیان کے وقت میں روتی رہیں۔ ایک تہائی شب گزرنے کے بعد رسول اللہؐ کھڑے ہوئے تو آپ نے رونا سنا۔ تب فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ یہ انصار کی عورتیں حضرت حمزہؓ پر رو رہی ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تم سے اور تمہاری اولاد سے راضی رہے اور آپ نے عورتوں کو حکم دیا کہ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلی جائیں۔ ام سعد بن معاذ کہتی ہیں کہ تہائی رات گزارنے پر اپنے

مردوں کے ساتھ ہم اپنے گھر چلے گئے۔ اس کے بعد سے جب بھی کوئی عورت کسی پر روتی تو حضرت حمزہؓ سے شروع کرتی تھی۔

بعض روایات میں ہے کہ معاذ بن جبل بنی سلمہ کی عورتوں کو لے کر آئے اور عبداللہ بن رواحہ خزرج میں سے بنی حرث کی عورتوں کو لے کر آئے تاکہ وہ حمزہؓ پر روئیں۔ چنانچہ ایک طویل عرصے تک جب مدینہ کی عورتیں اپنے مُردوں پر روتیں تو ابتدا پہلے حضرت حمزہؓ پر رونے سے کرتی تھیں۔

شیخ مفید کی ''ارشاد'' میں روایت ہے کہ جب نبی اکرمؐ مدینہ واپس تشریف لائے تو آپ کا استقبال حضرت فاطمہؑ نے فرمایا اور وہ ایک برتن میں پانی لئے تھیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اپنا چہرۂ مبارک دھویا۔ پھر آنحضرتؐ سے امیرالمؤمنینؑ ملے اور ان کے ہاتھ شانوں تک خون میں لت پت تھے۔ وہ ذوالفقار لئے ہوئے تھے۔ وہ انہوں نے حضرت فاطمہؑ کو دی اور کہا کہ یہ تلوار لو اس نے آج میرا خوب ساتھ دیا۔ پھر آپ یہ اشعار پڑھنے لگے:

افاطم هاک السيف غير ذميم — فلست برعديد ولا بلئيم

لعمری لقد اعذرت فی نصر احمدٌ — وطاعة رب بالعباد عليم

اميطی دماء القوم عنه فانه — سقی آل عبدالدار كأس حميم

اے فاطمہؑ! یہ تلوار لو۔ یہ بے عیب ہے۔ نہ یہ بزدل ہے اور نہ ذلیل فطرت کی ہے۔ قسم ہے میری جان کی کہ میں نے رسول اللہ کی نصرت میں اور پروردگار کی عبادت میں جو اپنے بندوں سے خوب واقف ہے، کوئی عذر نہیں چھوڑا۔ اس پر سے لوگوں کا خون صاف کردو کیونکہ اس نے عبدالدار کی اولاد کو خوب جہنم پہنچایا ہے۔

رسول اللہؐ نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا کہ تمہارے شوہر نے جو اُن پر حق تھا ادا کردیا۔ اللہ نے اس کی تلوار سے بڑے بڑے قریش کو قتل کردیا۔

ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرت میں ابن ابی نجیح سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ جنگ احد کے روز ندا کرنے والے نے ندادی کہ ''لَاسَيْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار وَلَا فَتٰى اِلَّا عَلِیٌّ'' ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں اور علیؑ کے علاوہ کوئی جوان نہیں ہے۔

اس رات اوس اور خزرج کے ممتاز افراد حفاظت کے خیال سے رسول اللہؐ کے دروازے پر سوئے جیسے کہ سعد بن عبادہ، سعد بن معاذ، خباب بن منذر اور قتادہ بن نعمان وغیرہ۔

شرح نہج البلاغہ کی دوسری جلد میں ابن ابی الحدید نے ایک روایت بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص بن امیہ بن عبدالشمس کو جو عثمان کا قرار بتدار تھا، حضرت محمدؐ اور اہل مدینہ کے بارے میں یہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا کہ آیا ان میں شکست کے بعد جس سے وہ دوچار ہوئے ہیں کس قدر کمزوری اور ناطاقتی پیدا ہوگئی ہے تاکہ یہ لوگ اس امکان کا جائزہ لیں کہ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں پر ایسی فیصلہ کن ضرب لگائیں جس کے بعد وہ پھر کبھی

کھڑے نہ ہوسکیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ مدینہ میں ان کو مدد پہنچانے والے موجود تھے جیسے کہ عبداللہ بن اُبَی بن سلول اور منافقوں، یہودیوں اور خود مہاجرین میں سے اس کا ساتھ دینے والے افراد۔

چنانچہ شرح نہج البلاغہ میں بلاذری سے روایت ہے کہ معاویہ بن مغیرہ ہی نے حضرت حمزہؓ کی ناک قطع کی تھی اور ان کے اعضاء کاٹے تھے۔ وہ جنگ احد کے روز شکست کھا کر بھاگ گیا تھا۔ چنانچہ وہ سیدھا چلا اور مدینہ کے قریب ہی رات بسر کی۔ صبح ہوتے ہی وہ اندھیرے منہ عثمان بن عفان بن ابی العاص کے گھر پہنچا جو اس کے چچازاد بھائی تھے۔ اس نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ان کی بیوی ام کلثوم نے جو رسول اللہؐ کی ربیبہ تھیں بتایا کہ وہ وہاں نہیں ہیں۔ تو معاویہ بن مغیرہ نے کہا کہ ان سے کہنا کہ میرے پاس ان کے لئے ایک اونٹ کی قیمت ہے جو میں نے پچھلے سال ان سے خریدا تھا اور اس وقت لے کر آیا ہوں، اگر وہ نہ آئے تو میں چلا جاؤں گا۔ انہوں نے ان سے کہلا بھیجا کہ اس وقت وہ رسول اللہؐ کے پاس ہیں۔ چنانچہ جب وہ آئے تو معاویہ سے بولے کہ تو نے مجھ کو بھی ہلاک کیا اور اپنے آپ کو بھی۔ تم کو کیا چیز یہاں لائی ہے؟ وہ بولا کہ اے میرے عم زاد بھائی! میرے لئے تم سے زیادہ قریب کوئی نہیں ہے اور نہ خونی رشتے میں تم سے زیادہ نزدیک۔ میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تم مجھ کو کھل کر بات کر لینے دو۔ اس پر عثمان ان کو اپنے گھر کے اندر لے گئے اور ان کو گھر کے ایسے کونے میں کھینچ لے گئے جہاں کوئی ان کو نہ دیکھ سکے۔

وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں گئے تاکہ آنحضرتؐ سے اس کے لئے امان طلب کریں لیکن وہاں پہنچتے ہی انہوں نے رسول اللہؐ کو یہ کہتے سنا کہ معاویہ مدینہ میں ہے اور اس نے صبح یہیں کی ہے، اس کو ڈھونڈ لاؤ، ان میں سے کسی نے کہا کہ وہ اپنے قرابتدار عثمان بن عفان کے مکان کو چھوڑ کر کہاں جائے گا اس کو وہیں ڈھونڈو۔ لوگ عثمان کے گھر میں داخل ہوئے تو اس کو نہ پایا تب ام کلثوم نے اس مقام کی طرف اشارہ کیا جہاں وہ تھا۔ ادھر عثمان کو یہ یقین تھا کہ لوگ ان کو ان کے گھر میں پا نہ سکیں گے۔ پھر ان لوگوں نے ان کو وہیں سے برآمد کیا جہاں ام کلثوم نے ان کو اشارہ کیا تھا اور لے کر رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچے۔ جب عثمان نے اس کو ان کے قبضے میں دیکھا تو بولے کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو برحق مبعوث کیا ہے، میں اس کے لئے امان طلب کرنے آیا تھا۔ پس آپ اس کو امان دیدیجئے یارسول اللہؐ۔ آنحضرتؐ نے اس کو امان دیدی اور تین دن کی مدت مقرر کردی اور قسم کھائی کہ اگر اس کے بعد مدینہ کی زمین پر چلتا ہوا پایا گیا تو وہ قتل کردیا جائے گا۔

اب عثمان نے نکل کر اس کے لئے سامان مہیا کیا، اس کے لئے ایک اونٹ خریدا اور اس سے کہا کہ اب تم چلدو۔ اس دوپہر کے بعد کی صبح کو رسول اللہؐ حمراء الاسد کی طرف چلدیئے تاکہ قریش کو جا پکڑیں، قبل اس کے کہ وہ مدینہ کی طرف پلٹیں۔ ادھر معاویہ تین روز تک وہیں ٹھہرا رہا تاکہ راوی کے خیال کے مطابق نبی اکرمؐ اور مسلمانوں کے متعلق اطلاعات حاصل کر کے قریش تک پہنچادے۔ جب چوتھا دن ہوا تو رسول اللہؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ معاویہ نے وہیں صبح کی ہے اور گیا نہیں ہے۔ پس اس کو ڈھونڈ نکالو۔ لوگوں نے آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ غلط راستے پر چلا گیا تھا پس لوگوں

نے اس کو پالیا۔ وہ دو افراد جنہوں نے اس کی تلاش میں تیزی کی زید بن حارثہؓ اور عمار بن یاسرؓ تھے۔ ان لوگوں نے اس کو ایک مقام پر پایا جو حماء کہلاتا تھا۔ زید نے اس کے ایک تلوار ماری۔ عمارؓ بولے کہ اس شخص پر میرا بھی حق ہے اور انہوں نے اس کو ایک تیر مار کر قتل کر دیا۔

شرح نہج البلاغہ میں اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ واقدی نے اپنی کتاب میں اسی قسم کا واقعہ بیان کرنے کے بعد ابن کلبی سے روایت بیان کی ہے کہ اس معاویہ کو مسلمانوں نے احد کے قریب اس وقت پکڑا تھا جب وہ مشرکوں کے ساتھ بھاگا تھا حالانکہ پہلی روایت کہتی ہے کہ اس نے حضرت حمزہؓ کی ناک کاٹی تھی جبکہ مشرکوں نے حضرت حمزہؓ کو دوسرے حملے میں قتل کیا ہے جس میں مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور اس میں غلبہ مشرکوں کو حاصل ہوا تھا تو یہ اس کے مشرکوں کے ساتھ بھاگنے کی صورت صحیح نہیں بیٹھتی۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں اور ابن ابی الحدید نے اس طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ جنگ سے نکل کر مکہ کا رخ کرنے کے بعد قریش کو یہ خیال آیا کہ کسی کو مدینہ کی خبریں لینے کے لئے بھیجیں تاکہ اگر وہاں کے باشندوں پر خوف اور کمزوری طاری ہو تو وہاں پہنچ کر مسلمانوں پر شہر کے اندر ہی ایسی ضرب لگائیں کہ اس کے بعد وہ کھڑے نہ ہوسکیں۔ اسی لئے انہوں نے معاویہ کو اس غرض سے بھیجا کہ اپنے کسی قرابتدار کے ذریعے سے جو وہیں ہو ان کے لئے خبر حاصل کرلے اور وہیں سے نتیجہ لے کر ان کے پاس واپس پہنچ جائے۔ لیکن اللہ نے اپنے نبیؐ کو اس کے مقام سے اور اس مقصد سے جس کے لئے وہ پہنچا تھا باخبر کر دیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اس کی تلاش کرائی اور اس کو تین روز کی مدت دی۔ لیکن وہ چوتھے دن تک رکا رہا۔ جس کے بعد نبی اکرمؐ نے اسے قتل کرنے والوں کو بھیج دیا جبکہ وہ اپنی مہم کو سر کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

جو چیز اس کی تائید کرتی ہے یہ ہے کہ نبی اکرمؐ نے اسی دو پہر کی صبح کو مسلمانوں کو حمراء الاسد کی طرف چل پڑنے کا حکم دیا اس دلیل سے کہ آپ مشرکوں کا تعاقب کرنا چاہتے ہیں اور یہ دکھا دینا چاہتے ہیں کہ آپ کی حیثیت اس شکست سے متاثر نہیں ہوئی ہے جس کی وجہ سے منافق یہ خیال کر کے خوش ہوگئے تھے کہ یہ شکست عربوں کی نظر میں نبی اکرمؐ اور آپ کے اصحاب کی حیثیت کو کم وقعت کردے گی اور خواہ وہ کہیں پر ہوں ان کو زیر کرنے کا ذریعہ بن جائے گی۔ اسی خیال نے آنحضرتؐ کو آمادہ کیا کہ آپ دوسرے یا تیسرے روز اپنے ساتھ کے مسلمانوں کو لے کر قریش کا تعاقب کرنے کے لئے نکلیں تاکہ یہ نہ ظاہر ہو کہ ان میں شکست پا جانے یا ہمت چھوڑ بیٹھنے کے آثار ہیں اور مسلمانوں کے بلند خیالات اور امتیازی شان قائم رہے اور اس طرح آپ منافقوں اور یہودیوں کی تمسخرانہ خوشی کا سدباب کردیں۔

طبری نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ دشمن کو خوفزدہ کرنے کے لئے نکلے اور اس لئے کہ ان کو بتلادیں کہ آپ ان کی تلاش میں نکلے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ جس صورتحال سے یہ لوگ دوچار ہوئے ہیں اس نے نہ ان کو آزردہ کیا ہے نہ ان کے بلند خیالات کو متاثر کیا ہے۔

غزوۂ حمراء الاسد

ابن ہشام ''سیرت'' میں کہتے ہیں کہ یوم احد کے دوسرے روز شوال کی سولہ تاریخ گزرنے پر نبی اکرمؐ کے اعلان کرنے والے نے دشمن کی تلاش میں چلنے کا اعلان کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ کوئی ایسا شخص نہ چلے جو گزشتہ روز کی جنگ میں موجود نہ تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ مدینہ واپس تشریف لانے کے دوسرے یا تیسرے ہی روز روانہ ہو گئے تھے۔ جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حزام نے آنحضرتؐ سے بات کی اور کہا کہ یارسول اللہؐ! مجھ کو میرے باپ نے میری سات بہنوں پر پیچھے چھوڑا تھا اور مجھ سے کہا تھا کہ اے بیٹے نہ میرے لئے اور نہ تیرے لئے یہ مناسب ہے کہ ان عورتوں کو چھوڑ دیں۔ نہ میں ایسا ہوں کہ رسول اللہؐ کی معیت میں جہاد کے لئے تم کو اپنے اوپر ترجیح دوں۔ پس تم اپنی بہنوں کے ساتھ رہ جاؤ۔ اسی لئے میں ان کے پاس پیچھے رہ گیا تھا۔ پس رسول اللہؐ نے ان کو اجازت دیدی اور وہ آنحضرتؐ کے ساتھ چلے۔ آنحضرتؐ نے علم امام علیؑ کو دیا۔ مسلمان آنحضرتؐ کے ساتھ چلے تو ان کے زخم موجود تھے۔ یہاں تک کہ انصار میں سے دو بھائی عبداللہ بن سہل اور رافع بن سہل جو آنحضرتؐ کے ساتھ جنگ احد میں شریک رہے تھے اور دونوں زخمی حالت میں واپس آئے تھے۔ جب نبی اکرمؐ کے اعلان کرنے والے نے دشمن کی تلاش میں چلنے کا اعلان کیا تو ایک بھائی نے دوسرے سے کہا کہ کیا ہم اس غزوہ میں رسول اللہؐ کے ساتھ نہ جائیں گے؟ بخدا! ہمارے سوار ہونے کو سواری نہیں ہے اور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کے بڑے بڑے زخم نہ ہوں۔ اس کے باوجود وہ دونوں نبی اکرمؐ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں اپنے بھائی سے کم زخمی تھا۔ چنانچہ جب وہ مغلوب ہو گیا تھا تو میں نے اس کو اٹھایا تھا اور پھر ہمارے ساتھ وہی ہوا جو مسلمانوں کے ساتھ ہوا تھا۔ رسول اللہؐ مسلمانوں کو ساتھ لئے ہوئے چلتے رہے یہاں تک کہ ایک مقام پر پہنچے جو حمراء الاسد کہلاتا تھا۔ یہ مدینہ سے آٹھ میل تھا۔ آنحضرتؐ نے وہاں تین روز قیام فرمایا۔

سعد بن عبادہ تیس اونٹ کھجوروں کے لے کر آئے اور ذبح کرنے کے لئے بھی اونٹ لائے۔ ان میں سے ایک دن میں دو دو اور تین تین اونٹ نحر کئے جاتے تھے۔ رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ لکڑی جمع کر لی جائے۔ جب شام ہو گئی تو لوگوں نے آگ جلائی اور ہر شخص نے الگ الگ آگ جلائی تا کہ دور سے دکھائی دے جائے۔

ان لوگوں کی طرف سے معبد بن ابی معبد کا گزر ہوا جو اس وقت مشرک تھا۔ بنی حزامہ کے افراد مسلمان ہوں یا کافر سب نبی اکرمؐ سے صلح پر تھے۔ تب معبد نے کہا کہ اے محمدؐ! جو کچھ آپ پر اور آپ کے اصحاب پر گزری وہ ہم کو ناگوار ہوا اور ہماری دلی خواہش تھی کہ اللہ آپ کی منزلت بڑھائے اور مصیبت آپ کی بجائے غیروں پر آئے۔ پھر وہ اپنے راستے پر روانہ ہو گیا یہاں تک کہ مقام ار وحاء پر اس کی ملاقات ابوسفیان اور اس کے ساتھ والوں سے ہو گئی۔ یہ لوگ مسلمانوں کی جانب مدینہ جانے کی سوچ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم نے محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو خوب مار لیا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے کہ ہم ان کو بیخ و بن سے تباہ کئے بغیر واپس چلے جائیں۔ پس ہم ان کے بچے ہوئے افراد پر پھر چڑھائی کریں اور ان سے

فراغت حاصل کرلیں۔ ابوسفیان نے معبد کو دیکھا تو کہا کہ اے معبد تم کیا دیکھ کر آ رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ محمدؐ اپنے اصحاب کو لے کر تمہاری تلاش میں ایسے مجمع کے ساتھ نکلے ہیں کہ ایسا میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ تم کو بری طرح خاکستر کردیں گے۔ ان کے ساتھ وہ افراد بھی آ گئے ہیں جو تمہارے ساتھ والی جنگ میں نہیں تھے۔ وہ اپنے کئے پر نادم ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: وائے ہو تجھ پر اے معبد! یہ کیا کہہ رہے ہو؟ اس نے کہا: بخدا! میں سمجھتا ہوں کہ جب تک تم گھوڑوں کی تعداد نہ معلوم کرلو حرکت نہ کرنا۔ ابوسفیان نے کہا: بخدا! ہم نے آپس میں اتفاق کرلیا ہے کہ ہم ان پر پھر سے چڑھائی کریں تا کہ ان کے باقیماندہ افراد کو بھی نیست و نابود کردیں۔ اس نے کہا کہ میں تم کو اس امر سے منع کرتا ہوں۔ میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس نے مجھ کو ان کے بارے میں یہ اشعار کہنے پر مائل کردیا:

''قریب تھا کہ میری سواری کا جانور آوازوں سے ڈر جائے کیونکہ زمین پر سیلاب کی طرح فوجوں پر فوجیں چلی آ رہی تھیں اور وہ ایسے پروقار بہادروں سے پر ہو رہی تھی جو آویزش کے وقت نہ گرنا جانتے ہیں نہ بے بس مسافر کی طرح پسپا ہوتے ہیں۔ اسی لئے میں نے تمہیں باز رکھنا چاہا اس خیال سے کہ زمین ایسے سردار کے آنے سے جو تنہا نہیں ہے اسی کی طرف جھک رہی ہے اور اے ابن حرب تم پر وائے ہو۔ تم کیا مقابلہ کرو گے جبکہ پوری وادی بطحا آدمیوں سے پٹی پڑی ہے۔ میں علانیہ ہر بہادر کو اور اہل بصیرت و اہل دانش کو متنبہ کرتا ہوں احمدؐ کے لشکر سے، جس کے گھوڑے ناکارہ نہیں ہیں، میں جس صورتحال سے آگاہ کر رہا ہوں وہ الفاظ میں بیان کئے جانے کے قابل نہیں ہے۔''

یہ اشعار سن کر ابوسفیان اور اس کے ساتھی رک گئے۔

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ صفوان بن امیہ نے ان لوگوں کو مدینہ کی جانب واپس جانے سے منع کیا۔ اس نے ان سے کہا کہ وہ لوگ غصے میں بھرے ہوئے ہیں اور ہم کو خوف ہے کہ اب ان کی جنگ اس سے مختلف ہوگی جو تھی۔ چنانچہ وہ لوگ واپس ہو کر مکہ کی طرف چلے گئے۔ جب رسول اللہؐ کو یہ خبر پہنچی کہ ان لوگوں نے واپس جانے کا ارادہ کرلیا ہے تو آنحضرتؐ نے جو ابھی حمراء الاسد ہی میں فروکش تھے فرمایا کہ قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں نے ان کے لئے ایسے پتھر مہیا کر لئے تھے کہ اگر وہ صبح تک رہ جاتے تو گزرے ہوئے روز کی مانند ہو جاتے۔

جب نبی اکرمؐ کو یہ معلوم ہوگیا کہ وہ ادھر واپس نہیں آ رہے ہیں تو آنحضرتؐ مدینہ کی جانب واپس روانہ ہوگئے۔ البتہ اس طرح آپ نے مسلمانوں میں پھر سے اپنے اوپر اعتماد پیدا کردیا اور ان کی وہ حیثیت واپس پلٹادی جو احد میں دگرگوں ہوگئی تھی۔

دوسری طرف منافق اور یہودی اپنے سر اٹھا اٹھا کر ہنستے اور کوشش کرتے کہ مسلمانوں کے لئے حضرت محمدؐ کی رسالت کو یہ کہہ کر مشکوک کردیں کہ محمدؐ تو صرف ملک کے طلبگار ہیں۔ اگر یہ نبی ہوتے تو اس طرح مصیبت سے کیوں دوچار ہوتے۔ اس لئے کہ نہ کسی نبی پر اور نہ اس کے اصحاب پر کبھی ایسی مصیبت پڑی جیسی ان پر پڑی ہے۔

کبھی وہ لوگ یہ کہتے کہ اگر جنگ بدر حضرت محمدؐ کی رسالت کے بارے میں اللہ کی ایک نشانی ہے تو پھر احد اور اس کے نتائج کی کیا حیثیت ہوگی؟ نبی اکرمؐ نے اس نقطہ نظر کی نقصان رسانی اور باریکی کو نہ صرف مدینہ کی نسبت سے بلکہ تمام عربی قبیلوں کی نسبت سے احساس فرما لیا تھا یعنی یہ کہ جن لوگوں کو جنگ بدر نے مرعوب کر دیا تھا ان کو جنگ احد نے پھر سے آنحضرتؐ سے بالخصوص مدینہ کے اندر بھی ٹکر لینے کے لئے جرأت مند بنا دیا تھا۔ اسی لئے آنحضرتؐ نے ایسے اقدام کی جانب توجہ فرمائی جس سے مشرک خوفزدہ ہو جائیں اور شکوک پیدا کرنے والوں کی کوششوں کا سدباب ہو جائے۔ ساتھ ہی جو کچھ مسلمانوں نے اس جنگ میں کھویا ہے اس کا بدل بھی حاصل ہو جائے۔

سریۂ ابی سلمہ

محمد حسین ہیکل کی ''حیات محمدؐ'' اور تاریخ کی دوسری کتابوں میں ہے کہ سب سے پہلی خبر جو آنحضرتؐ کو جنگ احد کے دو مہینے گزرنے کے بعد ملی یہ تھی کہ طلحہ بن خویلد اور سلمہ بن خویلد راس بنی اسد پر اپنی قوم والوں کو اور ایسے عربوں کو جو اُن کی اطاعت میں تھے ابھار رہے تھے مدینہ پر چڑھائی کریں اور خاص حضرت محمدؐ کے گھر تک پہنچ جائیں تاکہ بہت کچھ آنحضرتؐ سے یا مسلمانوں کے مال و دولت میں سے حاصل کرلیں اور ان کو اس سے شجاعت دلا رہے تھے کہ مسلمانوں پر احد میں کیا گزری۔ پس جونہی آنحضرتؐ کو یہ خبر ملی آپ نے ابوسلمہ بن عبدالاسد کو بلوا کر ان کو رسالہ کا علم عطا کیا جو تقریباً ڈیڑھ سو افراد پر مشتمل تھا۔ آپ نے ان کو حکم دیا کہ رات میں چلا کریں اور دن میں پوشیدہ رہیں اور عام راستے کے علاوہ راستا اختیار کریں تاکہ کسی کو ان کی خبر نہ ہونے پائے۔ پھر وہ دشمن پر ان کو علم ہوئے بغیر ناگہانی طور پر ٹوٹ پڑیں۔

چنانچہ ابوسلمہ اپنے رسالہ کے سربراہ کے طور پر اسی منصوبے کے مطابق عمل پیرا ہوئے جو نبی اکرمؐ نے ان کے لئے تیار کر دیا تھا اور چلتے رہے یہاں تک کہ ان لوگوں تک جا پہنچے جبکہ وہ جنگ کرنے کے لئے بالکل تیار نہ تھے۔ مسلمانوں نے ان کو صبح کے اندھیرے میں گھیرے میں لے لیا اور ان کے قائد اور دیگر دشمنوں پر جھپٹ پڑنے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ مشرک ان کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور اس رسالہ نے ان کے تمام مال و دولت پر قبضہ کرلیا۔ پھر یہ لوگ مال غنیمت کے ساتھ کامیابی سے مدینہ واپس آ گئے۔ اس طرح مسلمانوں نے اپنی کچھ ہیبت جو اُنہوں نے جنگ احد میں اپنے غلط طرز عمل سے ضائع کر دی تھی واپس حاصل کرلی۔ ابوسلمہ کو احد میں شدید زخم لگے تھے اور جب نبی اکرمؐ نے ان کو اس رسالہ کی قیادت کے لئے طلب فرمایا تو وہ اپنے زخموں سے پوری طرح شفایاب نہیں ہوئے تھے۔ اب جو انہوں نے اس سریہ میں اپنے نفس کو مشقت میں ڈالا تو ان کے زخم اپنی پہلی حالت پر واپس آ گئے اور وہ انہی کے اثر سے وفات پا گئے۔

اسی کے تھوڑے عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ خالد بن سفیان بن بتیج ہذلی ایک مقام پر آ کر اترا ہے جس کو عرنہ کہا جاتا تھا اور لوگوں کو مدینہ پر ایسے وقت میں چڑھائی کرنے کے لئے بلا رہا ہے جب وہاں کے لوگ غافل ہوں۔ پس نبی اکرمؐ نے عبداللہ بن انیس کو بلا کر بھیجا کہ ان لوگوں کے بارے میں یہ معلوم کر کے آئیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ عبداللہ چلے گئے

اور اس کو اپنی عورتوں کے پاس پایا جن کے لئے وہ مکان تلاش کر رہا تھا۔ وہ اس کے پاس پہنچے تو خالد نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں ایک عرب ہوں، سنا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو محمدؐ پر ان کے گھر میں چڑھائی کرنے کے لئے جمع کر رہے ہیں، میں اسی کے لئے آیا ہوں۔ خالد نے ان سے اپنا ارادہ نہیں چھپایا اور عبداللہ اس کے ساتھ ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے آدمیوں سے تنہائی ہوگئی اور عورتوں کے علاوہ کوئی نہ رہا تو وہ رفتہ رفتہ اس کے قریب پہنچ گئے تاکہ اس کے ساتھ پہلو بہ پہلو چلیں۔ پھر جیسے ہی موقع ملا انہوں نے تیزی سے اس پر اپنی تلوار سے حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور اسکی عورتوں کو اس پر روتا پیٹتا چھوڑ کر بھاگ آئے اور مدینہ واپس آ کر رسول اللہؐ کو اس کے متعلق اطلاع دی۔ اس کا قبیلہ اپنے سردار کی موت کے بعد ایک مدت تک خاموش رہا اور انتقام کے لئے موقع کا انتظار کرتا رہا۔

یوم رجیع

طبری نے محمد بن اسحٰق سے، انہوں نے عاصم بن عمر سے، انہوں نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ ہجرت کا چوتھا سال شروع ہونے پر رسول اللہؐ کی خدمت میں عضل اور قارہ سے کچھ افراد نے آ کر کہا کہ یارسول اللہؐ ہم لوگوں میں اسلام ہے اور بھلائی ہے، آپ ہمارے ساتھ اپنے اصحاب میں سے چند افراد کو بھیج دیجئے کہ ہم کو دین سے واقف کریں، ہم کو قرآن پڑھائیں اور ہم کو اسلام کے احکام کی تعلیم دیں۔ پس رسول اللہؐ نے ان کے ساتھ اپنے اصحاب میں سے چھ افراد کو بھیجا وہ یہ تھے: مرثد بن مرثد غنوی جو حمزہؓ بن عبدالمطلب کے حلیف تھے، خالد بن بکیر، عاصم بن ثابت بن ابی افلح، حبیب بن عدی، زید بن دثنہ اور عبداللہ بن طارق اور ان پر مرثد بن مرثد کو امیر قرار دیا۔ یہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب رجیع کے مقام پر پہنچے جو ہذیل کا ایک چشمہ ہے ان لوگوں نے ان کے ساتھ غداری کی اور زور سے آواز دے کر ان کے خلاف ہذیل کے لوگوں کو بلالیا۔ مسلمان اپنی سواریوں میں تھے اسی لئے انہوں نے صرف لوگوں کو ہاتھوں میں تلواریں لئے دیکھا جنہوں نے ان کو گھیر لیا تھا۔ مسلمانوں نے بھی ان لوگوں سے لڑنے کے لئے فوراً اپنی تلواریں سنبھال لیں۔ تب وہ لوگ بولے کہ قسم بخدا! ہم تم کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے بدلے اہل مکہ سے کچھ حاصل کریں اور ہم تم سے اللہ کا عہد اور پیمان کرتے ہیں کہ ہم تم کو قتل نہیں کریں گے لیکن مرثد بن مرثد، خالد بن بکیر اور عاصم بن ثابت نے کہا کہ ہم مشرک کا عہد و پیمان کبھی قبول نہ کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے ان لوگوں سے جنگ کی یہاں تک کہ قتل ہو گئے۔

البتہ زید بن دثنہ، حبیب بن عدی اور عبداللہ بن طارق نرم پڑ گئے اور زندہ رہنے پر مائل رہے۔ چنانچہ وہ لوگ ان کو قید کر کے بیچنے کے لئے مکہ لے گئے۔ یہاں تک کہ جب ظہران پہنچے تو عبداللہ بن طارق نے اپنے ہاتھ رسی میں سے نکال لئے اور اپنی تلوار لے کر ان لوگوں سے پیچھے رہ گئے۔ تب انہوں نے عبداللہ کو پتھروں سے مار مار کر شہید کر دیا ان کو ظہران میں دفن کر دیا گیا۔ اب یہ لوگ حبیب بن عدی اور زید بن دثنہ کو لے کر چلے یہاں تک کہ مکہ پہنچ کر دونوں کو بیچ

ڈالا۔ حبیب بن عدی کو جحیر بن ابی اہاب تمیمی نے خریدا جو بنی نوفل کا حلیف تھا اور جحیر حارث بن عامر کا بھائی تھا۔ اس نے اس کو اپنے باپ کے بدلے میں قتل کرنے کے لئے خریدا تھا۔

زید بن دثنہ کو صفوان بن امیہ نے اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلے میں قتل کرنے کے لئے خریدا۔ جب قتل کرنے کے لئے آگے بڑھا تو ابوسفیان نے ان سے پوچھا کہ اے زید! میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم یہ چاہو گے کہ تمہاری جگہ پر محمدؐ ہمارے پاس ہوں؟ ہم ان کو قتل کردیں اور تم سلامت رہو اور اپنے گھر والوں کے پاس چلے جاؤ۔ اس پر زید رضوان اللہ علیہ بولے کہ قسم بخدا! میں اتنا بھی نہیں چاہتا کہ محمدؐ اپنی جگہ پر ہوں اور ان کو ایک کانٹا بھی تکلیف دے اور میں اپنے اہل و عیال میں بیٹھا رہوں۔ اس پر ابوسفیان کو تعجب ہوا اور بولا کہ میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کو اس کے اصحاب اس قدر محبوب رکھتے ہوں جیسا محمدؐ کو محمدؐ کے اصحاب محبوب رکھتے ہیں۔

رہے حبیب تو جب وہ لوگ ان کو پھانسی دے کر قتل کرنے کے لئے لے چلے تو انہوں نے ان لوگوں سے کہا کہ اگر تمہاری رائے ہو تو مجھ کو دو رکعت نماز ادا کر لینے دو۔ انہوں نے ان کو اجازت دیدی۔ پس انہوں نے دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر انہوں نے ان لوگوں کی طرف آ کر کہا کہ اگر تم کو یہ خیال نہ ہوتا کہ میں موت سے گھبرا کر ایسا کر رہا ہوں تو میں دونوں رکعتوں کے رکوعوں اور سجدوں میں طول دیتا۔ پھر قوم کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ اے میرے اللہ ان کی تعداد کو شمار کر لے اور ان کو ایک ایک کر کے قتل کردے اور ان میں سے کسی ایک کو باقی نہ چھوڑ۔ ان کی آواز سے ان لوگوں کو ایسی دہشت ہوئی کہ وہ اس خوف سے کہ ان کی لعنت ان پر پڑے گی اپنے پہلوؤں کے بل گر پڑے۔

جب بنی ہذیل نے عاصم بن ثابت کو قتل کر ڈالا تو چاہا کہ ان کا سر سلافہ بنت سعد کے ہاتھ بیچ ڈالیں کیونکہ جب احد کے روز انہوں نے اس کے بیٹے کو قتل کیا تھا تو اس عورت نے نذر مانی تھی کہ اگر اس کو اپنے بیٹے کے قاتل عاصم کے سر پر قابو حاصل ہوگیا تو وہ ان کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی لیکن جب لوگوں نے ان کا سر کاٹنا چاہا تو اس پر بھڑیں جمع ہوگئیں اور وہ سر نہ کاٹ پائے۔ انہوں نے اس کو رات بھر کے لئے چھوڑ دیا لیکن رات میں اللہ نے سیلاب بھیج دیا جو اس کو بہا لے گیا اور اس کا نشان تک نہ ملا جیسا کہ طبری اور دوسروں کی روایت میں ہے۔

مؤرخوں کا کہنا ہے کہ بنی ہذیل کے ہاتھوں ان چھ آدمیوں کا قتل خالد بن سفیان بن بتیج ہذلی کے قتل کے انتقام کے طور پر تھا جس کو عبداللہ بن انیس نے دھوکے سے مار ڈالا تھا۔

رسول اللہؐ کو ان افراد کے متعلق خبر ملی تو آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب اس حادثے پر رنجیدہ ہوگئے اور دعوت حق کے معاملے میں آپ کی تشویش میں اضافہ ہوگیا کیونکہ آپ کو اندیشہ ہوا کہ اگر ایسے واقعات اور بھی ہوگئے تو عربوں میں آپ کی حیثیت خفیف ہو جائے گی۔

منافقوں کی ایک جماعت نے کہا کہ ان دیوانوں کو دیکھو کہ نہ تو یہ اپنے گھر والوں میں بیٹھے رہے اور نہ اپنے قائد کی رسالت کا پورا حق ادا کیا۔ اس پر اللہ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل کی جیسا کہ سیرت ابن ہشام میں ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِي قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ○ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ○ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ○ ''لوگوں میں ایسا بھی ہے کہ اس دنیا کے بارے میں ان کی باتیں تم کو پسند آجاتی ہیں اور وہ اپنے دل کے مافیہ پر اللہ کو گواہ کرتا ہے۔ حالانکہ وہ سب سے زیادہ جھگڑالو دشمن ہے۔ جب وہ بااختیار ہوگیا تو زمین پر پھرنے لگا تاکہ اس میں فساد برپا کرے اور کھیتوں اور جانوروں کو ہلاک کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا ہے۔ جب اس سے کہا گیا کہ اللہ سے ڈرو تو اس کو عزت کا تصور گناہ کی طرف لے جاتا ہے۔ پس اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیسا برا ٹھکانا ہے وہ۔ لوگوں میں وہ بھی ہے جو اللہ کی مرضیاں حاصل کرنے کیلئے اپنے نفس کو بیچ ڈالتا ہے۔ اور اللہ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔'' (سورۂ بقرہ: آیت ۲۰۴ تا ۲۰۷)

کتب سیرت میں ہے کہ حسان بن ثابت نے ان لوگوں کے لئے کئی اشعار لکھے جن میں سے چند یہ ہیں:

یاعین جودی بدمع منک منسکب — وابکی حبیبًا مع الفتیان لم یؤب
صقرًا توسط فی الانصار منصبه — سمع السجیة محضًا غیر مؤتشب
قد هاج عینی علی علات عبرتها — اذ قیل نص علی جذع من الخشب

''اے آنکھ اچھی طرح رو اور خوب آنسو بہا۔ گریہ کر حبیب اور دوسرے جوانوں پر جو واپس نہیں پلٹے وہ تیز نظر تھے، انصار میں اچھی حیثیت کے مالک تھے، سخی طبیعت رکھتے تھے، پاک نژاد تھے، ملی جلی نسل کے نہ تھے۔ جب مجھ سے کہا گیا کہ ان کو لکڑی کی صلیب پر چڑھایا گیا تو میری آنکھ بے چین ہوگئی۔''

انہوں نے بنی ہذیل کی ہجو بھی لکھی جس میں اس جماعت کے ساتھ ان کی غداری کو بیان کیا ہے:

ان سرک الغدر صرفًا لا مزاج له — فأت الرجیع وسل عن دارلحیان
قوم تواصوابأ کل الجار بیتهم — فالکلب والقرد والانسان مثلان
لو ینطق التیس یومًا قام بخطبهم — وکان ذا شرف فیهم وذا شان

''اگر تم خالص غداری پسند کرتے ہو جس میں کوئی میل نہ ہو تو رجیع جاکر لحیان[۱] کے گھرانے کے متعلق دریافت کرو۔ یہ لوگ ایسے ہیں جو ایک دوسرے کو اپنے پڑوسی کو کھا

۱۔ لحیان بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔

جانے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک کتا، بندر اور انسان سب ایک دوسرے کی مانند ہیں۔ ان کے یہاں اگر جنگلی بکرا بھی کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگے تو اس کو بھی ان میں بڑا مرتبہ اور شان حاصل ہو جائے گی۔"

بئر معونہ کا واقعہ

جنگ احد نے برے اثرات چھوڑے تھے اور مسلمان اس کے نتائج برداشت کر رہے تھے۔ مکہ کے اندر اور اس کے باہر ان کا دبدبہ کم ہو گیا تھا۔ مشرک اس اندوہ وخوف کے بعد جو اُن کو جنگ بدر کبریٰ کے باعث لاحق ہو گیا تھا، اب بہتری محسوس کر رہے تھے۔ احد میں مسلمانوں کی شکست ہی کا نتیجہ تھا کہ ہر اونچی اور نیچی جگہ کے عرب ان پر لالچ کی نظریں ڈال رہے تھے۔ باوجودیکہ نبی اکرمؐ نے مسلمانوں کا دبدبہ واپس لانے کے لئے وہ سب کچھ کیا جو آپ کے لئے ممکن تھا پھر بھی اگر احد کی جنگ نہ ہوئی ہوتی تو بنی ہذیل کو اس وفد کو قتل کر ڈالنے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی جو نبی اکرمؐ نے اسلام کی طرف دعوت دینے اور مسلمانوں کو دین کے اصول وفروع سے آگاہ کرنے کے لئے بھیجا تھا جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے کہ یوم رجیع کے بعد جس میں چھ یا سات منتخب مسلمانوں کے ساتھ غداری ہوئی بئر معونہ کا واقعہ رونما ہو گیا۔ جس میں چالیس بہترین مسلمان شہید کر دیئے گئے جیسا کہ طبری کی تاریخ اور ابن ہشام کی سیرت اور دوسری کتابوں میں آیا ہے۔

سید امین کی اعیان الشیعہ میں سیرت النبیؐ کے ذیل میں نیز طبری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ وفد چالیس افراد پر مشتمل تھا جن میں سے ایک شخص کے علاوہ کوئی بھی نہیں بچا۔ اس واقعے کا سبب یہ تھا کہ بنی صعصعہ کا عامر بن مالک بن جعفر جو مشہور نیزہ باز تھا اور ابی براء کے نام سے معروف تھا، نبی اکرمؐ کے پاس مدینہ آیا اور اس نے آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا۔ رسول اللہؐ نے اس سے ہدیہ لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں مشرک سے ہدیہ قبول نہیں کرتا ہوں۔ پھر اس کو اسلام کی دعوت دی اور بتایا کہ اگر وہ اسلام قبول کر لے گا تو اللہ سے اس کو کیا ثواب اور اجر عظیم ملے گا۔ آنحضرتؐ نے اس کو قرآن میں سے پڑھ کر سنایا مگر اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ وہ مسلمانوں کے خلاف سخت اور متنفر بھی نہیں رہا بلکہ اس نے نبی اکرمؐ سے کہا کہ وہ چیز جس کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں اچھی اور قابل قدر ہے۔ اگر آپ اہل نجد کے پاس اپنے اصحاب میں سے کچھ افراد کو بھیج دیں جو اُن کو اسلام کی دعوت دیں تو مجھے امید ہے کہ وہ لوگ آپ کی بات مان لیں گے۔ لیکن نبی اکرمؐ نے اس کی بات نہ مانی کیونکہ آپ کو اپنے اصحاب کے بارے میں یہ خوف ہوا کہ وہ لوگ ان کے ساتھ بھی ویسی ہی غداری کریں گے جیسی بنی ہذیل نے آپ کے بھیجے ہوئے گروہ کے ساتھ پچھلے دنوں کی تھی۔

ابو براء نیزہ باز وفد کے بھیجے جانے پر اصرار کرتا رہا اور ان کو اپنی امان میں لے کر عہد کیا کہ اگر کوئی شخص ان کو کوئی ضرر پہنچائے گا تو وہ ان کا ساتھ دے گا۔ باخبر تاریخ دانوں کا کہنا ہے کہ یہ شخص اپنی قوم میں قابل احترام مانا جاتا تھا

اور جس کسی کو یہ امان دیتا اس کو کسی کی دشمنی کا خوف نہیں رہتا تھا۔ چنانچہ اس صورت میں نبی اکرمؐ نے اس کی بات قبول کرلی اور آپ نے اس کے ساتھ مسلمانوں میں سے چالیس اور تاریخ طبری میں انس ابن مالک کی ایک دوسری روایت کے مطابق ستر بہترین افراد بھیج دیئے۔ نبی اکرمؐ نے ان لوگوں کو منذر بن عمرو کی قیادت میں بھیجا۔ یہ لوگ چلتے رہے یہاں تک کہ بئر معونہ پر اترے جو بنی سلیم اور بنی عامر کے بیچ میں ایک مقام ہے۔

کتب سیرت میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے ان کے ساتھ عامر بن طفیل کے نام ایک خط بھیجا تھا۔ اس وفد نے وہ خط اس کو مسلمانوں میں سے ایک فرد حرام بن ملحان کے ہاتھ بھیج دیا۔ جب وہ خط لے کر اس کے پاس پہنچے تو اس نے اس کی تحریر پر نظر تک نہ ڈالی بلکہ قاصد کے قتل کا حکم دیدیا اور بنی عامر کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے بلوایا البتہ انہوں نے انکار کردیا اور کہا کہ ابن براء نے ان کو امان دیدی ہے اور ہم ابن براء کی لی ہوئی ذمہ داری کو نظرانداز نہیں کرسکتے۔ چنانچہ اس شخص نے ان لوگوں کے خلاف بنی سلیم کے قبیلوں کو لشکر بنانے کے لئے بلا بھیجا۔ یہ عصیہ، رعل اور ذکوان تھے۔ ان لوگوں نے اس کی بات مان لی اور اس کے ساتھ مسلمانوں کی غفلت میں ان کی طرف آپہنچے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ مسلمانوں نے اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال کر دفاع کیا اور ایک ایک کر کے سب شہید ہوگئے۔ ان میں سے بنی نجار کے کعب بن زید کے علاوہ کوئی نہیں بچا۔ ان کو وہ لوگ ایسی حالت میں چھوڑ گئے کہ ان میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ چنانچہ یہ مقتولین میں سے نکل کر چلے گئے اور زندہ رہے تا آنکہ جنگ خندق میں مسلمانوں کی طرف سے شہید ہوئے۔

ادھر عمرو بن امیہ ضمیری اور انصار کے بنی عوف کا ایک شخص وفد والوں کے اونٹ چرانے کے لئے نکلے تھے اور ان دونوں کو کچھ خبر نہیں تھی کہ ان کے مالکوں کے ساتھ کیا واقعہ گزر گیا۔ البتہ انہوں نے لشکرگاہ کے اوپر پرندوں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ ان پرندوں میں کوئی خاص بات ہے۔ اس لئے وہ ان کو دیکھنے کے لئے آگے بڑھے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ان کے لوگ خون میں لت پت پڑے ہوئے ہیں اور وہ گھوڑے جو اُن کے لئے استعمال ہوئے تھے میدان جنگ ہی میں موجود ہیں۔ تب انصاری نے عمرو بن امیہ سے کہا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ میری رائے ہے کہ ہم رسول اللہؐ سے ملاقات کر کے جو کچھ واقعہ گزرا ہے اس کی اطلاع دیدیں۔ اس پر انصاری نے کہا کہ میں اپنے آپ کو منذر بن عمرو پر ترجیح نہیں دوں گا اور لوگوں سے ان کے متعلق پوچھوں گا۔ چنانچہ وہ ان سے جالڑا یہاں تک کہ قتل ہوگیا اور عمرو بن امیہ ضمیری قید کرلیا گیا۔ جب اس نے ان لوگوں سے اپنا نسبی سلسلہ مضر تک بیان کیا تو عامر بن طفیل نے اس کو اس کی پیشانی کے بال کاٹ کر رہا کردیا اور وہ مدینہ جانے والے راستے پر روانہ ہوگیا یہاں تک کہ وہ قرقرۃ پہنچا اور ایک درخت کے سائے میں ٹھہر گیا۔ ابھی اس کے نیچے ہی تھا کہ وہاں دو افراد آئے اور اسی درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اس نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم کون ہو تو انہوں نے اپنا نسبی سلسلہ بنی عامر سے بتلایا۔ اس شخص نے ان کو ان لوگوں میں سے خیال کیا جنہوں نے اس کے آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ وہ ٹھہرا رہا تا آنکہ وہ دونوں سو گئے۔ عمرو نے ان کو قتل کردیا اور یہ طے کرلیا کہ اس نے ان لوگوں سے تھوڑا بہت انتقام لے لیا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان دونوں کو رسول اللہؐ کی طرف سے امان اور

عہد دیا گیا تھا جس کا علم عمرو بن امیہ کو نہیں تھا۔ اس نے اپنا سفر مدینہ تک جاری رکھا اور نبی اکرمؐ کو وہ سب جا کر بتلا دیا کہ جو کچھ اس کے آدمیوں کے ساتھ ہوا تھا اور جو اس نے خود ان دو آدمیوں کے ساتھ کیا تھا اور وہ دونوں ابو براء کی جماعت کے تھے اور ان کے ساتھ رسول اللہؐ نے عہد لیا تھا۔

یہ واقعہ رسول اللہؐ اور آپ کے اصحاب کے لئے پہلے والے واقعے سے زیادہ شدید اور زیادہ اندوہناک تھا کیونکہ اس میں آنحضرتؐ کے پرخلوص اصحاب اور قائدین کی ایک بڑی تعداد آپ سے جدا ہوگئی تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان کے لئے طلب رحم فرمایا اور اللہ سے دعا فرمائی کہ ان مجرموں سے انتقام لے جنہوں نے اصحاب کے ساتھ غداری کی تھی۔ اسی طرح مسلمانوں پر بھی اس غمناک واقعے کا خاصا اثر ہوا اور اس نے ان کے اس ارادوں کو مزید پختہ کر دیا کہ وہ اپنے عقائد کا اور رسول اکرمؐ کا دفاع کریں۔ خواہ کتنی ہی قربانیاں درکار ہوں اور ان لوگوں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ اللہ کے دشمنوں پر ہر حال میں اور ہر مقام پر حملہ کریں گے۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ ابو براء کا فعل ایسا ہے کہ میں اس معاملے میں راضی نہیں تھا اور غداری سے ڈر رہا تھا لیکن ابو براء نے عہد کیا اور امان دیدی۔

تمام مؤرخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دعوت کے معاملے میں ابو براء کی نیت پاک تھی اور اس کو خود بھی یہ واقعہ بہت شاق گزرا یہاں تک کہ جب اس کے بیٹے ربیعہ نے اپنے باپ کو اس جرم سے متاثر دیکھا تو جا کر عامر بن طفیل کو اپنے نیزہ سے چھید ڈالا۔

لیکن مجھ کو اس میں شک ہے کہ ابو براء اس میں بری الذمہ ہے کیونکہ ابو براء اپنی قوم میں سردار اور مرکز اطاعت تھا اور عرب امان دینے کو نسب سے زیادہ نہیں تو اس کے برابر ضرور قابل لحاظ مانتے تھے۔ تاریخ ایسے ثبوتوں سے بھری پڑی ہے کہ عرب جنگ کی آگ بھڑکا دیتے تھے اگر ایک بڑھی کھوسٹ عورت بھی ان کی پناہ میں ہوتی اور اس سے بدعہدی ہوجاتی۔ پھر یہ کیسے ہوا کہ اس نے حضرت محمدؐ کے ستر افراد کو اپنی پناہ میں لے کر ہر برائی کے مقابلے میں ان کی حمایت کا عہد کیا اور تاریخ نہیں بتلاتی کہ پھر اس شخص نے ان غداروں کے خلاف کوئی ردعمل اختیار کیا ہو جس سے اس کی شرافت کا اثر نمایاں ہو جس کے لئے ایک عرب اپنی ہر چیز قربان کر دیتا تھا اور اس کے لئے جنگ کی آگ بھڑکا دیتا تھا، خواہ کتنی ہی قربانیاں دینی پڑیں۔ البتہ وہ دو افراد جن کو سیرت نگاروں کے خیال کے مطابق عمرو بن امیہ نے قتل کر دیا تھا ان کا خون بہا نبی اکرمؐ نے ادا کر دیا اور ان کا فدیہ دینے کے لئے نبی اکرمؐ معاہدے کے مطابق بنونضیر سے مدد حاصل کرنے تشریف لے گئے بلکہ ایک دوسری روایت میں ہے جو پہلی سے زیادہ قابل ترجیح ہے کہ آنحضرتؐ نے ان سے فدیہ قرض حاصل کیا تھا۔

عین ممکن ہے کہ اس واقعے اور اس سے پہلے والے واقعے کے بعد ہی جن کی وجہ سے یہودیوں کے ذہنوں پر اسلام کا دبدبہ کم ہو گیا تھا، آنحضرتؐ کو یہودیوں کا خیال آیا ہو اور آپ کو خوف ہوا ہو کہ وہ لوگ جلد ہی آپ کے خلاف کوئی شر کھڑا کر دیں گے۔ پس آنحضرتؐ ان کی طرف تشریف لے گئے تاکہ ان کی نیتیں معلوم کرلیں جو وہ آنحضرتؐ اور آپ کے

اصحاب پر ظاہر نہ کرتے تھے اور اس لئے بھی کہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ عہد شکنی کی ابتدا کرنے والے وہ ہیں۔ جب آنحضرتؐ نے ان کے سامنے ان دو افراد کی دیت ادا کرنے کا سوال پیش کیا تو ان لوگوں نے اس میں حصہ بٹانے کے لئے آمادگی ظاہر کی اور تجویز کو بخوشی منظور کرلیا۔ پس آنحضرتؐ ان کے مکانوں کی دیوار کے نیچے بیٹھ گئے لیکن آپ ان کی حرکات اور افعال پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ان میں سے ایک گروہ مشکوک حرکات میں مصروف ہے۔ ان لوگوں نے بااتفاق طے کیا کہ ان کا ایک آدمی مکان کے اوپر چڑھ جائے اور ایسی جگہ سے کہ آنحضرتؐ کو یا آپ کے کسی صحابی کو خبر نہ ہونے پائے آنحضرتؐ پر ایک بھاری پتھر گرادے۔ جب اس معاملے کا علم ان کے ایک ممتاز فرد سلام بن مشکم کو ہوا تو اس نے ان لوگوں کو منع کیا اور اس سے ڈرایا اور ان سے کہا کہ جو تدبیر تم کر رہے ہو اس کا علم آنحضرتؐ کو ہو جائے گا اور یہ عہد شکنی ہوگی۔ پھر ان کے پاس تمہارے خلاف ایک دلیل ہو جائے گی۔ لیکن ان لوگوں نے اس کی بات نہیں سنی۔ کہا گیا ہے کہ اس سازش کے متعلق جس پر عمل کرنے کے لئے عمرو بن جحاش بن کعب بخوشی تیار ہوگیا تھا، آنحضرتؐ کو وحی نے اطلاع دیدی کہ ان لوگوں نے کیا ارادہ کیا ہے اور حکم دیا کہ آپ اس مقام کو چھوڑ دیں۔ پس نبی اکرمؐ یکا یک اس مقام سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بغیر اس کے کہ آپ کے اصحاب میں سے کسی کو آپ کے اٹھ جانے کی غرض معلوم ہوتی، آپ مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے اور واپس نہیں آئے۔ آپ کے اصحاب اس پر حیرت زدہ رہ گئے اور دریافت حال کے لئے آپ کے پیچھے پیچھے چلے لیکن وہ لوگ سبب نہ سمجھ سکے جب تک آنحضرتؐ سے ملے نہیں۔ تب آنحضرتؐ نے ان کے ذہنوں کو وہ افعال اور حرکات یاد دلائیں جن سے آنحضرتؐ کے ذہن میں ان کی نیتوں کی نشاندہی ہوئی تھی اور جن سے آسمانی وحی کی تائید ہوتی تھی۔ تب ان لوگوں کو یقین آ گیا۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے محمد بن مسلمہ کو روانہ کیا اور ان سے کہا کہ یہودیوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ نبی اکرمؐ تم لوگوں سے فرماتے ہیں کہ تم اس بستی سے نکل جاؤ اور اب جبکہ تم نے غداری کا ارادہ کرلیا ہے تو میرے ساتھ یہاں مت رہو، تم کو دس روز کی مہلت ہے، اس کے بعد جو کوئی پایا جائے گا اس کی گردن ماردی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ اے محمدؐ! ہم کو خیال بھی نہ تھا کہ قبیلہ اوس کا ایک شخص ہمارے پاس یہ حکم لے کر آئے گا۔ یہ لوگ اسلام کے قبل خزرج کے خلاف اوس کے حلیف بنے ہوئے تھے۔

اس پر محمد بن مسلمہ نے کہا کہ دل پراگندہ ہوگئے ہیں اور اسلام نے معاہدوں کو منسوخ کردیا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ کچھ روز مدینہ سے نکل جانے کی تیاریوں میں لگے رہے۔ اسی درمیان میں جب وہ اس طرح مصروف تھے، عبداللہ بن اُبَی بن سلول نے آ کر ان سے کہا کہ تم لوگ نکلو مت۔ میرے پاس عرب اور میری اپنی قوم کے وہ لوگ ملا کر جو میرے ساتھ ہیں، دو ہزار افراد ہیں۔ یہ بنی قریظہ کے یہودیوں کے علاوہ ہیں کیونکہ وہ بھی تمہارے ساتھ ہو جائیں گے۔ اس کی اس بات کی اطلاع بنی قریظہ کے بزرگ شخص کعب بن اسد کو ہوئی جنہوں نے رسول اللہؐ سے ان کی طرف سے عہد کیا تھا کہ وہ غداری نہیں کریں گے اور نہ آنحضرتؐ کے خلاف کسی کی مدد کریں گے۔ اس لئے اس کو عبداللہ بن اُبَی بن سلول کی بات بری

لگی اور اس نے کہا کہ جب تک میں زندہ ہوں بنی قریظہ کا کوئی شخص غداری نہیں کرے گا۔

سلام بن مشکم نے بنی نضیر کے سردار حیی بن اخطب سے کہا کہ اے حی جو کچھ محمدؐ نے کہا ہے اسے قبول کرلو۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ ہمیں اس سے زیادہ بری صورت قبول کرنا پڑے کیونکہ اس وقت ہمارے لوگ اپنے مال کے ساتھ ہیں۔ اس پر وہ بولا کہ اس سے زیادہ بری صورت کیا ہوگی؟ اس نے کہا کہ مال ضبط کرلینا اور عورتوں کو قیدی بنالینا اور قتل اور جنگ کرنا۔ ابن اخطب نہ مانا اور رسول اللہؐ سے کہلا بھیجا کہ ہم اپنے ٹھکانے نہیں چھوڑیں گے، جو آپ چاہتے ہوں کیجئے۔ اس پر رسول اللہؐ نے تکبیر ادا فرمائی اور مسلمانوں نے بھی تکبیر کہی۔ آپ نے فرمایا کہ یہودی جنگ کا ارادہ کئے ہوئے ہیں۔ ادھر جدی بن اخطب عبداللہ بن اُبَی بن سلول کے پاس گیا اور دیکھا کہ وہ اپنے چند اصحاب کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ اتنے میں اس کا لڑکا عبداللہ بن عبداللہ ابی آیا جبکہ اور جدی اس کے پاس تھا۔ اس نے اپنے ہتھیار سنبھالے اور دوڑتا ہوا نکل کر مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہوگیا۔

جدی بن اخطب کہتا ہے کہ میں نے یہ سب حیی بن اخطب کو بتلادیا تو وہ بولا کہ یہ سب محمدؐ کی چال ہے۔ اس کے بعد رسول اللہؐ اپنے ساتھ مسلمانوں کو لے کر ان کی طرف گئے اور جاکر ان کا محاصرہ کرلیا۔ آپ کا علم امام علیؑ کے پاس تھا۔ بنی قریظہ ان لوگوں سے علیحدہ رہے۔ اسی طرح عبداللہ بن اُبَی بن سلول اور بنی غطفان میں سے ان کے حلیفوں نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ○ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ○

''کیا تم نے ان منافقوں کی حالت پر نظر نہیں کی جو اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہا کرتے ہیں کہ اگر تم گھروں سے نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل چلیں گے اور تمہارے بارے میں کبھی کسی کی اطاعت نہ کریں گے اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ضرور ہم تمہاری مدد کریں گے۔ لیکن خدا گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اگر وہ نکالے بھی گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد بھی نہ کریں گے۔ اگر یہ ان کی مدد کو جائیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ آئیں گے۔ پھر ان کی مدد کسی طرف سے نہ ہوگی۔ (سورۂ حشر: آیات ۱۱-۱۲)

نبی اکرمؐ نے لوگوں کے ساتھ جاکر ان کا محاصرہ کیا تو وہ لوگ قلعہ بند ہوگئے اور اپنے قلعوں پر کھڑے ہوکر مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسانے لگے۔ ایک شخص جس کو عزور کہتے تھے ایسے تیر مارتا تھا جو اس قبہ تک پہنچ رہے تھے جو رسول اللہؐ کے لئے تیار کیا گیا تھا اور اس کے چاروں طرف دوسرے مقام تک مسلمان تھے۔ اسی درمیان میں عشاء کے وقت لوگوں

نے محسوس کیا کہ امام علیؑ وہاں نہیں ہیں۔ لوگوں نے رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! ہم کو امام علیؑ نہیں دکھائی دے رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ علیؑ کو رہنے دو وہ تمہاری ہی کسی فکر میں ہیں۔ یہ لوگ ان کے متعلق معلوم کر ہی رہے تھے کہ وہ عزور یہودی کا سر اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ان کی طرف آپہنچے۔ یہ شخص کچھ یہودیوں کے ساتھ ایسے موقع کی تلاش میں نکلا تھا کہ مسلمانوں پر یک دم حملہ کردے۔ امام علیؑ جو کہ اس کی گھات میں تھے اس پر جھپٹ پڑے اور اس کو قتل کردیا۔ اس کے ساتھ والے جو نو عدد یہودی تھے بھاگ گئے۔ اب نبی اکرمؐ نے ان کے ساتھ دس افراد کو بھیجا جن میں ابودجانہ انصاری اور سہل بن حنیف بھی تھے۔ ان سب نے قبل اس کے کہ وہ قلعے میں داخل ہو پائیں انہیں جالیا اور ان کے ساتھ لڑائی میں الجھ پڑے جو اُن نو یہودیوں کے قتل پر ختم ہوئی۔ ان لوگوں نے ان کے سر کاٹ لئے اور ان کو نبی اکرمؐ کی خدمت میں لے گئے۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ ان کو بنی حطمہ کی بنجر زمین میں پھینک دیا جائے۔ ان آدمیوں کے قتل نے یہودیوں کے دلوں میں خوف پیدا کردیا اور ان کے ارادوں کو ٹھنڈا کردیا۔

نبی اکرمؐ تقریباً بیس روز تک وہیں رہے اور یہودی محاصرے میں رہے۔ بس کبھی کبھی جھڑپ ہوتی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ ان کے دلوں میں مایوسی پیدا ہوگئی۔ خصوصاً اس لئے کہ جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے ان کے کچھ کھجور کے درخت کاٹ ڈالے اور جب ان لوگوں تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے پکار کر کہا کہ اے محمدؐ آپ تو زمین میں فساد انگیزی سے منع فرمایا کرتے تھے پھر آج یہ کیا بات ہے کہ آپ کھجور کے درخت کاٹ اور جلا رہے ہیں۔ پس جیسا کہ مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ نے آنحضرتؐ پر یہ آیت نازل کی:

مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ اَوْتَرَ كْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُولِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِىَ الْفَاسِقِيْنَ○

''جو کھجور کے درخت آپ نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا۔ یہ سب اللہ کی اجازت سے ہے اور اس لئے کہ بدکاروں کو ذلیل کیا جائے۔'' (سورۂ حشر: آیت ۵)

وہ کل درخت جو مسلمانوں نے کاٹے اور جلائے چھ سے زیادہ نہ تھے۔

اس آیت میں ''جو کھجور کے درخت آپ نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا۔ یہ سب اللہ کی اجازت سے ہے'' کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح بنی نضیر کے کافروں کو درختوں کے کاٹے جانے پر غصہ آیا تھا اسی طرح ان کو باقی بچ جانے والے درختوں کے بارے میں بھی غصہ آئے کیونکہ اس صورت میں وہ دیکھیں گے کہ دشمن ان کے پھلوں سے فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔

ممکن ہے کہ کچھ درختوں کے کاٹنے میں کچھ مصلحت ہو اور آنحضرتؐ نے ارادہ فرمایا ہو کہ ان لوگوں کے ذہنوں میں صلح اور وہیں رہ جانے کی طرف سے مایوسی پیدا کردیں کیونکہ جو چیز وطن سے انسان کا لگاؤ پیدا کرتی ہے وہ ہر چیز سے زیادہ اس کی زمین اور اس کی دولت ہے۔ اگر دولت نہ رہے تو انسان کا اپنے شہر اور وطن کے مابین لگاؤ کمزور پڑجاتا ہے۔ نبی اکرمؐ نے یہ طریقہ ان لوگوں کو شہر بدر کرنے کے ارادے سے اختیار فرمایا تاکہ وہ لوگ پھر معاہدے کے ذریعے وہاں

رہنے کی اہمیت کا معاملہ پیش نہ کریں۔ بہر حال کھجوروں اور دیگر پھلدار درختوں کا کاٹنا بذات خود مناسب اور پسندیدہ نہ بھی ہو پھر بھی بعض اوقات مصلحت کی خاطر یقیناً ضروری ہو جاتا ہے۔

چنانچہ یہودی مایوس ہو گئے کہ نبی اکرمؐ فیصلہ واپس نہ لیں گے اور ان کو یقین ہو گیا کہ ان کے لئے چلے جانے کے علاوہ کوئی راستا نہیں ہے اور یہ کہ ان کے وہاں رہنے سے مردوں اور عورتوں کو قتل کا سامنا ہوگا۔ اس لئے انہوں نے ضروری خیال کیا کہ نبی اکرمؐ سے ایسی صلح کی خواہش کریں جس میں ان کے مال، جان اور اہل و عیال کو حفاظت مل جائے اس شرط پر کہ وہ مدینہ سے چلے جائیں گے۔ مسلمانوں نے یہ امر تو ان کے سامنے پہلے پیش کیا تھا لیکن انہوں نے جنگ اور مسلمانوں کے ساتھ پیکار کے علاوہ ہر چیز سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان کے سخت دشمنانہ رویے کے باعث ان کا مطالبہ مسترد کر دیا اور ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی سوائے اس کے کہ وہ اپنے آپ کو اور جتنا سامان ایک اونٹ لاد کر لے جاسکے لے جائیں۔ اس شرط پر کہ وہ تمام اسلحہ بھی جو انہوں نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے جمع کیا تھا چھوڑ جائیں۔ وہ اس پر آمادہ ہو گئے۔ پس وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو تباہ کرنے لگے اور ان میں سے دروازے اور دوسرا جو ساز و سامان ان کو اچھا لگا لیتے رہے تاکہ مسلمان اس سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ ان لوگوں نے اپنا لیا ہوا سامان چھ سو اونٹوں پر لادا۔ ادھر ان کے چھوڑے ہوئے اسلحے میں سے نبی اکرمؐ کو پچاس زرہیں، پچاس آہنی خود اور تین سو چالیس تلواریں ملیں۔ یہ ان برتنوں کے علاوہ تھے جو وہ چھوڑ گئے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان میں سے بیشتر کو مہاجرین میں تقسیم کر دیا کیونکہ بہت سے مہاجر افراد اب تک انصار کے ساتھ رہ رہے تھے۔ ان لوگوں میں سے ایک گروہ خیبر کی طرف اور دوسرا شام کے علاقوں کی طرف چلا گیا۔ جو لوگ خیبر کی طرف گئے ان میں حیی بن اخطب، سلام بن حقیق اور کنانہ بن ربیع شامل تھے۔ یہ تینوں بنی نضیر کے سر برآوردہ افراد تھے۔

سورۂ حشر نے بنی نضیر کے قصے کو پیش کیا ہے جیسا کہ ان آیات میں اشارہ ملتا ہے:

هُوَالَّذِیْ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مَا نِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یَااُولِی الْاَبْصَارِ○ وَلَوْلَا اَنْ کَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبَهُمْ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابَ النَّارِ○ ذَالِکَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ یُّشَاقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ○

''اللہ ہی ہے جس نے ان اہل کتاب کو جنہوں نے کفر اختیار کر لیا پہلے حشر یعنی جلاوطنی کے لئے ان کے گھروں سے نکال دیا۔ تم کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ وہ چلے جائیں گے اور وہ خود بھی یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچالیں گے۔ پس اللہ نے ان کو ادھر سے جالیا جس طرف سے ان کو گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں دبدبہ ڈال دیا۔ وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور

مومنوں کے ہاتھوں سے تباہ کرنے لگے۔ پس اے صاحبان نظر سبق حاصل کرو۔ اگر اللہ نے ان پر جلاوطنی نہ عائد کردی ہوتی تو ان کو دنیا میں عذاب دیتا اور ان کے لئے آخرت میں تو جہنم کا عذاب ہے ہی۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو ایذا پہنچائی اور جو کوئی اللہ کو ایذا دے گا تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔'' (سورۂ حشر: آیت ۲ تا ۴)

پھر اللہ نے اس مال کے متعلق احکام بیان کئے جو مسلمانوں کو جنگ کئے بغیر حاصل ہوا تھا اور اس کو فئ کہا۔ اس کے مقابلے پر مال غنیمت ہوتا ہے جس پر مسلمان جنگ کے ذریعے قابض ہوتے ہیں۔ یہ بیان کرنے کے بعد اللہ نے رسول اکرمؐ کو نادار مہاجروں کے بارے میں ہدایات دیں جیسا کہ اسی سورت کی آٹھویں اور نویں آیت میں ہے۔ اس سورت کو ابن عباس سورۂ بنی نضیر کا نام دیتے تھے:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُ وَ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلاَ يَجِدُوْنَ فِىْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○ ''یہ ان نادار مہاجروں کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور مال سے محروم کردیئے گئے اور اللہ کے فضل اور خوشنودی کے طلبگار ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں۔ اور ان کے لئے ہے جو اُن سے پہلے گھروں میں بسے ہوئے ہیں اور ایمان قبول کر چکے ہیں۔ یہ لوگ ان کو محبوب رکھتے ہیں جو اُن کی طرف ہجرت کر کے آئے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا ہے اس کی حاجت اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے بلکہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ خود ان پر تنگی ہی ہو اور جو شخص اپنے نفس کے لالچ سے محفوظ رہا وہی لوگ بھلائی پانے والے ہیں۔''

امام حسینؑ کی ولادت

تاریخ طبری میں ہے کہ امام حسینؑ ہجرت کے چوتھے سال میں شعبان کے دو روز گزر جانے کے بعد پیدا ہوئے۔ البتہ اہلبیت کرامؑ کی بیشتر روایات کے مطابق آپ اسی سال پانچویں شعبان کو پیدا ہوئے۔

شیخ کلینی کی کافی میں ہے کہ امام حسینؑ ہجرت کے تیسرے سال میں پیدا ہوئے۔ حالانکہ انہوں نے خود ہی بیان کیا ہے کہ آپ ہجرت کے اکسٹھویں سال میں شہید ہوئے جب ستاونویں سال میں تھے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ آپ کی ولادت چوتھے سال میں ہوئی تھی جیسا کہ معمولی غور سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

آپ کا نام رسول اللہؐ نے حسینؑ رکھا جبکہ اس سے قبل آپ کے بھائی کا نام آنحضرتؐ ہی نے حسنؑ رکھا تھا۔

آپ میں اور آپ کے بھائی میں گیارہ مہینے کا فاصلہ تھا۔ ان دونوں کی تربیت اور نگہداشت کا ذمہ آنحضرتؐ نے لیا۔

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جب کبھی امام حسینؑ روتے تو آنحضرتؐ جناب فاطمہؑ سے فرماتے کہ ان کا رونا مجھ کو اذیت پہنچاتا ہے اور پھر ان کو خود لیکر اپنے انگشت مبارک ان کے منہ میں دیدیتے جس کو وہ چوستے رہتے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں دیدیتے تھے اور وہ اس سے ضرورت بھر چوس لیتے تھے۔

شیخ کلینیؒ کی کافی میں محمد بن عمرو الزیات سے اور انہوں نے امام ابوعبداللہ جعفر صادقؑ سے روایت بیان کی ہے کہ امام حسینؑ کی ولادت سے قبل جبرئیل امینؑ نے نبی اکرمؐ پر نازل ہو کر آپ سے کہا کہ اللہ آپ کو ایک بچے کی خوشخبری دیتا ہے جو حضرت فاطمہؑ کے پیدا ہوگا۔ اس کو آپ کی امت آپ کے بعد شہید کردے گی اور اللہ یہ خوشخبری بھی آپ کو دیتا ہے کہ وہ اس کی نسل میں امامت اور وصایت قرار دے گا۔ نبی اکرمؐ نے اس کی اطلاع حضرت فاطمہؑ کو دی۔ جس پر انہوں نے اللہ کی حمد فرمائی اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردیا۔

فضائل الخمسہ عن صحیح ترمذی کی تیسری جلد میں اور صحیح ابن ماجہ، کنزالعمال اور حدیث کی دوسری کتابوں میں ہے کہ مختلف موقعوں پر نبی اکرمؐ فرمایا کرتے تھے کہ حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا حُسَیْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ وَھُوَ وَاَخُوْہُ الْحَسَنِ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ. یعنی حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ جو کوئی حسینؑ کو محبوب رکھتا ہے اللہ اس کو محبوب رکھتا ہے۔ حسینؑ میرے فرزندوں میں سے ایک فرزند ہے۔ وہ اور اس کا بھائی حسنؑ دونوں اہل بہشت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ اس پر راوی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ بخاری نے بھی اس کو ادب مفرد میں باب معانقۃ الصبی میں بیان کیا ہے۔

راوی مزید بیان کرتا ہے کہ حاکم نے اپنی مستدرک میں بیان کیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے امام حسینؑ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے پایا تو آنحضرتؐ ان کی طرف بڑھے۔ امام حسینؑ ادھر ادھر بھاگتے جاتے تھے اور نبی اکرمؐ ان کو ہنساتے جاتے تھے۔ پھر آنحضرتؐ نے ان کو اٹھا کر اپنا ایک ہاتھ ان کی پس گردن اور دوسرا آپ کی ٹھوڑی کے نیچے رکھا اور ان کا منہ اپنے منہ پر رکھ کر چوما اور فرمایا: حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّہٗ. ''حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں، اللہ اس کو محبوب رکھتا ہے جو اس کو محبوب رکھتا ہے۔'' ایسی اور بہت سی حدیثیں ہیں جن کو محدثین اہلسنت نے بیان کیا ہے۔ نبی اکرمؐ کی شدید خواہش ہوتی تھی کہ کوئی موقع ایسا جانے نہ دیں جس میں وہ امام حسینؑ کی وہ حیثیت اور منزلت جو آنحضرتؐ کے ہاں تھی اور وہ بلندی اور بزرگی جو اُن کو اللہ کے نزدیک حاصل تھی بیان کریں۔ آنحضرتؐ اپنے اصحاب کے سامنے امام حسینؑ، ان کے بھائی امام حسنؑ اور ان کے ماں باپ کے بارے میں زور دیتے رہا کرتے تھے تاکہ حجت قائم ہوجائے اور ان لوگوں کو ان حضرات کے مراتب کو کم کرنے، ان کے حقوق پر دست درازی کرنے اور ان کا خون بہانے کے برے نتائج سے ڈرائیں۔

غزوۂ ذات الرقاع

اہل مدینہ کو بنی نضیر کے ذلیل وخوار ہو کر جلاوطن ہو جانے سے اطمینان حاصل ہوگیا اور منافقوں کی حیثیت بھی جو نبی اکرمؐ اور آپ کے اصحاب کے خلاف یہودیوں سے مل کر سازشیں کیا کرتے تھے کمزور پڑگئی۔ نیز عبداللہ بن اُبی بن سلول بھی ڈر گیا اور اس دن کا انتظار کرنے لگا جب وہ اور اس کے پیرو بھی اپنے یہودی حلیفوں کی سی صورتحال سے دوچار ہوجائیں۔ تین مہینے تک مدینہ میں اطمینان رہا اور اس پر امن اور چین کی فضا طاری رہی لیکن جیسا کہ طبری کی تاریخ اور سیرت کی بیشتر کتابوں میں آیا ہے اسی سال کے جمادی الاول کے تھوڑے ہی دن گزرنے پر آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ غطفان کے بنی محارب اور بنی ثعلبہ جنگ کی بھرپور تیاری کر رہے ہیں۔ پس آپ چار سو اور بقولے سات سو مسلمانوں کے ساتھ نکلے اور جیسا کہ ابن ہشام کی سیرت میں ہے کہ آپ نے مدینہ میں ابوذر غفاری کو یا بقولے کسی اور کو چھوڑا۔

جب آنحضرتؐ ذات الرقاع پہنچے جو ایک ایسا مقام ہے جس میں سیاہ، سفید اور سرخ پہاڑ ہیں آپ کی مڈبھیڑ غطفان کے ایک بڑے گروہ سے ہوگئی۔ جو طبری کی روایت کے مطابق آپ سے جنگ کے لئے تیار تھے اور لڑنے پر آمادہ تھے۔ پس دونوں فریق ایک دوسرے سے خوف کھا گئے اور ان کے مابین کوئی معرکہ کارزار نہیں ہوا۔ اللہ نے اس موقع پر صلوٰۃ خوف کے احکام بھیجے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے اپنے اصحاب کے ساتھ دو دو رکعت کر کے نماز پڑھی اس طرح کہ جب تقریباً آدھوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ نماز ادا کر لی تو باقی افراد آنحضرتؐ کو دشمن سے محفوظ رکھنے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ ان کے ختم کر لینے کے بعد باقی افراد نے بھی ادا کی۔ کسی مورخ نے یہ نہیں لکھا کہ اس غزوہ میں دونوں فریقوں میں کوئی لڑائی ہوئی ہو۔ اسی طرح کسی نے یہ بھی نہیں لکھا کہ مسلمانوں نے اس غزوہ میں کوئی مال غنیمت حاصل کیا۔ سوائے ابن سعد کے جنہوں نے اپنی کتاب طبقات میں لکھا ہے کہ نبی اکرمؐ اپنے راستے پر چلتے رہے تا آنکہ ان لوگوں کے پڑاؤ کے مقام پر پہنچ گئے۔ لیکن وہاں عورتوں کے علاوہ کسی کو نہ پایا۔ پس آنحضرتؐ نے ان کو گرفتار کرلیا جبکہ ان کے مرد اور عرب لوگ پہاڑ کی چوٹیوں کی طرف بھاگ گئے۔

ابن سعد نے اس غزوہ کو بدر موعد کے بعد لکھا ہے جبکہ دوسرے سیرت نگاروں نے اس کو اس سے پہلے بیان کیا ہے۔ محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب حیات محمدؐ میں اور سید امین نے اعیان الشیعہ میں لکھا ہے کہ جب بنی غطفان اور ان کے ساتھیوں نے نبی اکرمؐ کو دیکھا تو اپنی عورتوں اور مال ومتاع کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ پس مسلمانوں نے اس میں سے جو کچھ ہوسکا لے لیا۔ البتہ سوائے ابن سعد کی طبقات کے اس کا کوئی ماخذ نہیں ہے۔

ہوسکتا ہے کہ نبی اکرمؐ کا ان کے ساتھ ٹکراؤ دو مرتبہ دو مختلف اوقات میں ہوا ہو۔ ایک میں مال غنیمت حاصل ہوا ہو اور دوسرے میں نہ ہوا ہو۔

تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ بنی غطفان کے ایک شخص نے اپنی قوم والوں سے کہا کہ کیا میں تمہاری طرف سے محمدؐ

کو قتل نہ کردوں؟ لوگوں نے کہا کہ ضرور۔ پس وہ نبی اکرمؐ کے پاس پہنچا اور بولا کہ اے محمدؐ! میں چاہتا ہوں کہ آپ کی یہ تلوار دیکھوں جو چاندی سے آراستہ کی ہوئی ہے۔ نبی اکرمؐ اس تلوار کو اپنے گھٹنوں کے نیچے رکھے ہوئے تھے۔ پس نبی اکرمؐ نے وہ اس کے حوالے کردی۔ اس نے وہی تلوار تان لی اور ارادہ کرلیا کہ نبی اکرمؐ کے مارے کہ اللہ نے اس کو بے ہمت کردیا اور کہنے لگا کہ اے محمدؐ! آپ کو مجھ سے خوف معلوم نہیں ہوتا؟ نبی اکرمؐ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھ سے کوئی خوف نہیں کھاتا کیونکہ اللہ مجھے تجھ سے بچائے رکھے گا۔ اس کے بعد اس شخص نے تلوار نیام میں رکھ کر نبی اکرمؐ کو واپس کردی۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی:

> يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَن يَّبْسُطُوْا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ○ ''اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو۔ جب ایک قوم نے ارادہ کیا کہ اپنے ہاتھ تمہاری طرف بڑھائے تو اللہ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روکے رکھا اور اللہ سے ڈرتے رہو اللہ ہی پر مومن بھروسا کرتے ہیں۔'' (سورۂ مائدہ: آیت ۱۱)

اس واقعے کی طرح کا ایک واقعہ بنی غطفان کے ایک شخص دعثور بن حارث سے منسوب بیان ہوا ہے جو لوگوں میں شہسواری اور مہارت میں مشہور تھا یہ واقعہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں۔ ممکن ہے کہ کسی غزوہ میں ایسا ہی واقعہ ظہور میں آیا ہو جیسا اس سے پہلے ہوچکا ہو۔ اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ راویوں نے ایک ہی واقعے کے مقام اور زمانہ کو بدل دیا ہو جیسا کہ ہمیں سیرت اور تاریخ کی بکثرت کتابوں میں ملتا ہے۔ اس خلط ملط کی وجہ جو تاریخ وسیرت کی کتابوں میں موجود ہے نبی اکرمؐ کی حیات اور تدوین کے زمانے کی درمیانی مدت کا فاصلہ ہے۔ نیز یہ بھی کہ بیشتر واقعات قصہ بیان کرنے والوں، راویوں اور حکومت کے کارپردازوں کی کارستانیوں سے متاثر ہیں کیونکہ اس زمانے میں واقعات کا لکھا جانا اہل حکومت کے زیراثر تھا۔ جیسا کہ ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بتلا چکے ہیں۔

غزوۂ بدر دوم

طبقات ابن سعد میں ہے کہ یہ غزوہ ہجرت سے پینتالیسویں مہینے کے ختم پر اول ماہ ذی قعدہ میں واقع ہوا۔

تاریخ طبری، تاریخ ابوالفدا، سیرت ابن ہشام اور البدایہ والنہایہ میں ہے کہ یہ ماہ شعبان میں واقع ہوا اور اس کو مؤرخوں نے غزوۂ بدر موعد کا نام دیا ہے کیونکہ ابوسفیان نے احد سے چلتے وقت پکار کر یہ کہا تھا کہ تمہارے ساتھ ہمارا وعدہ اگلے سال بدر کا ٹھہرا ہے۔ اس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بدر کے اپنے مقتولین کا بدلہ اسی مقام پر لے گا جہاں وہ قتل ہوئے تھے۔ اس وعدے کی بنا پر نبی اکرمؐ نے اپنے اصحاب کو قریش سے ٹکراؤ ہو جانے کے متعلق خبردار کردیا اور آنحضرتؐ ایک ہزار پانچ سو لڑنے والے افراد لے کر نکلے۔ آپ نے مدینہ میں عبداللہ بن رواحہ کو چھوڑا اور اپنا علم امام علیؑ بن ابی طالبؑ

کو عطا فرمایا۔ نبی اکرمؐ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ بدر پہنچ گئے۔ آپ نے وہاں آٹھ روز قیام فرمایا۔ کہا گیا ہے کہ وہ ایک ایسا مرکز تھا جہاں ہر سال عرب جمع ہو کر خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ مسلمان بھی اپنے ساتھ تجارتی مال لائے تھے اور جب عرب جمع ہوئے تو انہوں نے اس کو بیچ کر ایک درہم پر ایک درہم نفع کمایا۔ وہ لوگ وہاں آٹھ روز قیام کر کے واپس آ گئے کیونکہ ابوسفیان اپنے وعدے کے مطابق نہیں پہنچا تھا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے جیسا کہ تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ مسلمان ابوسفیان سے ٹکراؤ کے لئے آئے تھے کیونکہ اس نے اسی مقام پر جنگ کرنے کی دھمکی دی تھی۔ پس ایسی صورت میں جبکہ آپ قریش اور ان کے عرب پیروؤں سے جنگ کرنے کے لئے نکلے تھے، تجارتی مال کے ساتھ کیونکر نکل سکتے تھے اور ایسے مقام پر کہ جہاں عرب ہر سال خرید و فروخت کے لئے جمع ہوتے ہوں جبکہ ان میں سے بیشتر ابھی شرک پر قائم تھے۔ اور یہ بھی بعید نہ تھا کہ اگر ان حالات میں جنگ ہو جاتی تو ان میں سے بیشتر افراد مشرکوں کا ساتھ دیتے اور اس طرح مسلمان اپنے مال اور جان کے لئے شدید ترین خطرے سے دوچار ہو جاتے۔ لازمی امر ہے کہ نبی اکرمؐ نے ان تمام امکانات کو مدنظر رکھ کر ان سے محفوظ رہنے کے طریقوں پر غور کیا ہوگا۔

میں اس کو ترجیح دیتا ہوں کہ یہ غزوہ اس مقام پر نہیں ہوا جہاں عرب خرید و فروخت کے لئے جمع ہوا کرتے تھے اور نہ اس غزوہ میں مسلمان مال اور تجارتی سامان میں سے کوئی شے لے کر گئے بلکہ تمام غزووں کی طرح آپ نے اس غزوے میں بھی حملہ آور مشرکوں کی چال کو توڑنے کا اہتمام فرمایا۔

اس غزوہ میں ہوا یہ کہ نبی اکرمؐ ایک ہزار پانچ سو افراد یا مختلف روایات کی بناپر اس سے کم یا زیادہ افراد کو لے کر برآمد ہوئے۔ ادھر ابوسفیان نکلنے سے گریزاں تھا کیونکہ وہ نبی اکرمؐ سے اس مقام پر مقابلہ کرنے سے ڈر رہا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ اس کی ٹکر ایسے لوگوں سے ہوگی جن کے مقتولین کا بدلہ نہیں لیا گیا ہے اور ان کو احد کی جنگ سے ایسے سبق ملے ہیں جن سے ان کو قریش اور ان کے حلیفوں کے خلاف خاصی مدد حاصل ہو جائے گی۔ اسی کے ساتھ نکلنے سے پہلے مکہ ہی میں اس کی ملاقات نعیم بن مسعود اشجعی سے ہوگئی جو وہاں عمرہ کرنے کے لئے آیا ہوا تھا۔ اس نے اس سے کہا کہ اے نعیم تم محمدؐ کو یثرب میں کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟ اس نے کہا کہ میں نے انہیں تمہارے ساتھ لڑائی کی تیاری کرتے ہوئے چھوڑا ہے۔ اس پر ابوسفیان نے اس سے کہا کہ اے نعیم یہ قحط کا سال ہے اور ہمارے لئے صرف وہی سال مناسب ہوتا ہے جس میں اونٹ چر سکیں اور ہم دودھ پیتے رہیں۔ البتہ محمدؐ سے وعدہ کیا ہوا وقت آ پہنچا ہے۔ پس تم مدینہ جا کر ان کو روک دو اور ان کو بتادو کہ میرے پاس بکثرت افراد ہیں اور ان میں ہمارے مقابلے کی طاقت نہیں ہے، تاکہ وعدہ خلافی ان کی طرف سے ہو میری طرف سے نہ ہو۔ اس کے عوض تمہارے لئے یہ دس حصے ہیں جو میں سہیل بن عمرو کے قبضے میں دیئے دیتا ہوں وہ تمہارے لئے اس کا ضامن ہوگا۔ تب اس نے سہیل بن عمرو کے پاس جا کر اس سے کہا کہ اے ابویزید کیا تم ان حصوں کی ضمانت لیتے ہو تاکہ میں جا کر محمدؐ کو اور ان کے ساتھیوں کو اس وعدہ کئے ہوئے وقت پر نکلنے سے روک دوں۔ اس نے کہا کہ

ہاں میں اس کے لئے ضامن ہوتا ہوں۔ تب نعیم روانہ ہو کر مدینہ پہنچا اور لوگوں کو تیاریاں کرتا ہوا پایا۔ وہ ان کے درمیان گھس گیا اور بولا کہ میری یہ رائے نہیں ہے۔ کیا محمدؐ خود احد نہیں گئے تھے اور وہاں ان کے اصحاب قتل کر ڈالے گئے۔ وہ اسی طرح مسلمانوں کو اس غزوہ کے نتائج سے خوف دلاتا رہا اور ان کے سامنے اس کے مضرات کی تصویر کشی کرتا رہا یہاں تک کہ مسلمانوں میں سے بہت سے افراد ڈر گئے اور ایک جماعت رسول اکرمؐ کے ساتھ نکلنے میں پس و پیش کرنے لگی۔ جب رسول اللہؐ کو معلوم ہوا کہ ایک گروہ نکلنے میں پس و پیش کر رہا ہے تو آپ نے ان کو جمع کر کے نکلنے پر آمادہ کیا مسلمانوں نے آنحضرتؐ کو نکلنے کے ارادے میں پکا دیکھا تو آپ کے ساتھ چل پڑے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

لیکن واقدی اور ان کے سیکریٹری ابن سعد جو طبقات کے مولف ہیں اس پر زور دیتے ہیں کہ مسلمان اپنے ساتھ مال تجارت لے گئے تھے جو انہوں نے بدر میں فروخت کیا جہاں لوگ ہر سال اس موقع پر جمع ہوا کرتے تھے۔

البتہ جب ابوسفیان نبی اکرمؐ کے واپس چلے جانے سے مایوس ہو گیا تو مکہ سے دو ہزار مشرکین کو لے کر برآمد ہوا اور چلتا رہا یہاں تک کہ مرالظہران پہنچ گیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ مکہ سے دو روز کی مسافت طے کر کے اس مقام پر پہنچا جو عسفان کہلاتا تھا۔ وہ مسلمانوں سے ٹکراؤ ہو جانے سے ڈر رہا تھا کیونکہ وہ بدر کبریٰ کی جنگ اور اس کے نتائج کو مدنظر رکھے ہوئے تھا جس نے قریش کے بڑے بڑے افراد کی زندگی اجیرن کر دی تھی۔ پس اس نے خطروں سے بھرے ہوئے سفر کی بجائے واپس چلنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ اس نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے ان میں اعلان کیا کہ یہ قحط کا سال ہے ایسے سال میں ہم کو نکلنا مناسب نہیں ہے بلکہ تم سب کے لئے صرف ہرا بھرا سال ہی موزوں ہوگا جس میں تم اپنے مویشیوں کو چراؤ اور ان کا دودھ پیتے رہو۔ میں مکہ کی جانب لوٹ چلنا ہی اپنے اور تم سب کے لئے بہتر خیال کرتا ہوں۔ اس پر اس کے بیشتر ساتھیوں نے اس کی بات مان لی۔ پس وہ ان کے ساتھ مکہ واپس چلا گیا۔ مکہ والوں نے اس کا نام جیش سویق یعنی ستو والا لشکر رکھ دیا جس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ وہ لوگ ستو پینے کے لئے نکلے تھے نہ کہ جنگ کے لئے۔

سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ انہی دنوں میں جبکہ نبی اکرمؐ بدر میں ابوسفیان کا انتظار فرما رہے تھے ان کے پاس مخشی بن عمرو ضمیری آیا۔ جس سے نبی اکرمؐ نے کسی غزوہ میں مصالحت کر لی تھی۔ اس نے آنحضرتؐ سے کہا کہ اے محمدؐ! کیا آپ قریش سے مقابلے کے لئے اس چشمے پر آئے ہیں؟ آنحضرتؐ نے اس میں حیرت اور تمسخر محسوس فرمایا۔ پس آنحضرتؐ نے اس سے فرمایا کہ ہاں۔ اے بنی ضمرہ کے فرد اگر تم چاہتے ہو تو ہمارے تمہارے درمیان جو مصالحت ہے وہ واپس کر دی جائے اور پھر ہم دونوں لڑلیں تاکہ اللہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔ اس پر وہ بولا کہ نہیں۔ بخدا اے محمدؐ! ہم کو اس کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

اگر نبی اکرمؐ کو اس کی بات میں مذاق اور تمسخر نہ محسوس ہوا ہوتا تو آنحضرتؐ اس طرز سے کبھی اس سے ہمکلام نہ ہوتے کیونکہ آپ کبھی جنگ کی تجویز نہ کرتے تھے بلکہ صلح و صفائی کرتے رہتے تھے اور کسی کے ساتھ دشمنی یا جنگ نہیں کرتے تھے۔ سوائے اس کے کہ حالات ایسا کرنے پر مجبور کر دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نرم طبیعت اور عالی کردار کے حامل تھے

آپ شرافت اور بلند اخلاق میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ نے آپ کے متعلق یہ آیت نازل کی:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ''بے شک آپ کے اخلاق بلند ہیں۔''

جب نبی اکرمؐ کو قریش کا سامنا ہونے کی کوئی امید نہ رہی اور آپ کو ان کے مکہ واپس چلے جانے کا علم ہوگیا تو آپ بھی اپنے ساتھ والوں کو لے کر مدینہ واپس چلے گئے آپ اس کامیابی پر مطمئن تھے کہ مسلمانوں کا کچھ وہ دبدبہ واپس حاصل ہوگیا جو اُن کی احد میں مشرکین کے ساتھ جنگ میں زائل ہوگیا تھا اور آنحضرتؐ مسلمانوں کے معاملات کو وحی کے مطابق مفصل طریقے پر منظم کرنے میں مصروف ہوگئے۔

یہ کام سردست چند ہزار مسلمانوں سے متعلق تھا لیکن آنحضرتؐ کو یقین تھا کہ یہی نظام جو آپ وحی آسمانی سے پاتے تھے بعد میں سیکڑوں لاکھ انسانوں کا ضابطہ حیات بن جائے گا جس میں کسی جانب سے باطل کا شائبہ داخل نہ ہوگا۔

سیرت کی بعض کتابوں میں کہا گیا ہے کہ ذیل کی آیات رسول اللہؐ پر اسی غزوہ کے موقع پر نازل ہوئی تھیں:

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْفَضْلٍ عَظِیْمٍ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ''جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کا کہنا مانا اور نیک عمل کئے اور تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے بڑا ثواب ہے۔ یہی وہ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ لوگ تمہارے لئے جمع ہو رہے ہیں تو ان کا ایمان اور زیادہ ہوگیا اور وہ بولے کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے۔ وہ بہترین مددگار ہے۔ یہ لوگ اللہ کی طرف سے ملی ہوئی نعمت اور فضل حاصل کر کے اس طرح واپس ہوئے کہ ان کو کوئی گزند نہ پہنچی تھی۔ یہ لوگ اللہ کی خوشنودی کے پابند رہے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔ یہ شیطان ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا رہتا ہے۔ تم ان سے خوف مت کھاؤ بلکہ میرا خوف کرو۔ اگر تم سچے مومن ہو۔'' (سورۂ آل عمران: آیت ۱۷۲ تا ۱۷۵)

دومۃ الجندل

ابن سعد کی طبقات کے علاوہ سیرت کی بعض دوسری کتابوں میں ہے کہ نبی اکرمؐ کو خبر ملی کہ شام کی سرحد کے قریب دومہ ـــ جو آج کل جیسا کہ سید امین نے اعیان الشیعہ کی دوسری جلد میں لکھا ہے جرف کے نام سے مشہور ہے ـــ کے باشندے مسافروں کو لوٹتے رہتے ہیں اور مدینہ پر چڑھائی کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ پس آنحضرتؐ نے مسلمانوں

کو جنگ کے لئے جمع کیا اور ایک ہزار کا لشکر لے کر ان کی طرف چل پڑے۔ آپ رات کو سفر کرتے اور دن میں چھپے رہتے تھے۔ بنی عذرہ کا ایک شخص مذکور راستہ بتانے کے لئے آپ کے ساتھ تھا۔ یہ واقعہ ہجرت کے پانچویں سال ربیع الاول کے آخری دنوں میں پیش آیا۔ ابن سعد نے طبقات میں کہا ہے کہ ان لوگوں کے اور مدینہ کے درمیان پندرہ دن یا کچھ زیادہ کی مسافت تھی۔ جب آنحضرتؐ ان کے قریب پہنچے تو آپ کو ان کے جانور اور چرواہے مل گئے جن پر آپ نے قبضہ کرلیا۔ جب دومۃ الجندل کے رہنے والوں کو ان لوگوں کی خبر ملی تو وہ سب اپنے گھر اور خیمے خالی چھوڑ کر منتشر ہوگئے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان ہی میں قیام فرمایا اور آپ نے وہاں سے اس علاقے میں مختلف جماعتیں بھیجیں لیکن کسی کو نہ پایا۔ البتہ ان کے ایک آدمی کو گرفتار کر کے اس سے ان کے بارے میں سوال کیا تو اس نے بتایا کہ جب ان لوگوں نے تمہارے آنے کی خبر سنی تو وہ منتشر ہوگئے۔ تب رسول اللہؐ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا اور وہ مسلمان ہوگیا۔ پھر اس نے اجازت مانگی تو آپؐ نے اس کو جانے کی اجازت دیدی۔ نبی اکرمؐ آخر ربیع الثانی میں مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ آپ کے ساتھ مال غنیمت تھا جو آپ نے مسلمانوں میں تقسیم فرمادیا۔

البدایہ والنہایہ میں محمد بن عمرو واقدی سے ان کے شیوخ کی سند سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے شام کے قریب جانے کا ارادہ اس لئے فرمایا تھا تاکہ آپ قیصر پر دبدبہ قائم کریں جو اس زمانے میں ان علاقوں کا فرمانروا تھا اور اسی زمانے میں آنحضرتؐ کو یہ خبر ملی تھی کہ وہاں کے لوگ مدینہ پر چڑھائی کرنے کے ارادہ مند ہیں۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ آنحضرتؐ دومۃ الجندل پہنچنے سے پہلے ہی واپس ہوگئے تھے۔

یہاں یہ بتانا مناسب ہے کہ اس غزوہ کی خبریں زیادہ تر واقدی سے روایت کی گئی ہیں اور ان کی روایات زیادہ تر مرسل قسم کی ہیں۔ یہ ناقابل یقین ہے کہ نبی اکرمؐ نے مہینے بھر کے لئے مدینہ چھوڑا ہو جیسا کہ سیرت نگار کہتے ہیں اور وہ بھی ایک ایسے مقام پر جانے کے لئے جو پندرہ روز سے زیادہ کی مسافت پر تھا جبکہ اطراف کے عرب ابھی تک شرک پر قائم تھے اور وہ لوگ مسلمانوں کی تاک میں رہتے تھے اور ان پر حملہ کرنے کے لئے مناسب موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ پس ان کو مدینہ آنے سے کون روک سکتا تھا اگر نبی اکرمؐ وہاں سے ایک ہزار اصحاب کو لے کر چلے جاتے؟ جبکہ ان میں منافقین بھی تھے جن کی تعداد مسلمانوں سے کم نہ تھی اور یہ لوگ مسلسل قریش اور ان کے مشرک حلیفوں سے رابطہ رکھتے تھے۔ یہ نہایت بعید ہے کہ آنحضرتؐ مدینہ کو اس لئے چھوڑ دیں کہ جزیرہ نمائے عرب کے ان علاقوں پر چڑھائی کریں جو شام کی حدود سے ملے ہوئے ہیں سوائے ایسی صورت کے کہ آپ کو اللہ کی جانب سے حکم ملا ہو۔ البتہ حقیقت امور کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

— ۱۳ —

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات

نبی اکرمؐ نے ہجرت کے چوتھے سال کے آخر اور پانچویں سال کے آخری نصف کی درمیانی مدت میں زینبؓ بنت خزیمہ، ام سلمہؓ اور زینبؓ بنت جحش سے تزویج فرمائی۔

البدایہ والنہایہ میں آیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے چوتھے سال کے ماہ رمضان میں زینبؓ بنت خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبدمناف بن ہلال سے تزویج فرمائی۔ یہی وہ خاتون ہیں جو فقراء کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان پر خرچ کرتے رہنے کی وجہ سے ام المساکین کہلاتی تھیں۔ انہوں نے بارہ اوقیہ (اونس) چاندی صدقہ میں دی تھی۔ آنحضرتؐ سے قبل طفیل بن حارث کی زوجیت میں تھیں۔ طفیل نے انہیں طلاق دیدی تو طفیل کے بھائی عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبدمناف نے ان سے تزویج کرلی۔

ابن اثیر کی اسدالغابہ میں آیا ہے کہ وہ عبداللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں جو جنگ احد میں شہید ہوگئے تھے۔ واقدی کی تاریخ میں آیا ہے کہ یہ رسول اکرمؐ سے تزویج کے دو یا تین ماہ بعد انتقال کرگئی تھیں۔ البدایہ والنہایہ میں واقدی سے روایت ہے کہ اسی سال کے ماہ شوال میں آنحضرتؐ نے ام سلمہ بنت امیہ سے تزویج فرمائی۔ ان کے شوہر ابوسلمہ جنگ احد میں شریک ہوئے تھے اور ان کے گہرے زخم آئے تھے۔ ابھی ان کے زخم پوری طرح سے اچھے نہیں ہوئے تھے اور ان کو احد سے واپس ہوئے ایک مہینہ ہوا تھا کہ نبی اکرمؐ نے ان کو ایک جماعت کی سرداری دے کر بنی اسد سے مقابلہ کرنے کے لئے بھیج دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان سے جنگ کی اور ان کے مال و متاع پر قبضہ کرلیا۔ ان کی واپسی پر ان کے زخم پھر سے ہرے ہوگئے اور انہی کے باعث وہ فوت ہوگئے جیسا کہ ہم بیان کرآئے ہیں۔

جب ان خاتون کی عدت ختم ہوگئی تو رسول اللہؐ نے ان سے تزویج کی خواہش ظاہر فرمائی جس پر انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ! میں سخت غیرت محسوس کرتی ہوں اور ڈرتی ہوں کہ کہیں آپ کے ساتھ میرے اس طرزِ عمل سے اللہ مجھ پر عذاب نہ کرے نیز میرا سن زیادہ ہوگیا ہے اور شباب ختم ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ میں بال بچوں والی عورت ہوں اور مجھ کو

ان کے خورد ونوش کے لئے کام کرنا ہوگا۔ آنحضرتؐ نے ان سے کہا کہ غیرت کی بابت جو کچھ تم کہتی ہو تو عنقریب اللہ اس کو زائل کردے گا۔ رہا سن کا معاملہ تو میرا بھی وہی حال ہے جو تمہارا ہے اور تم نے بال بچوں کے متعلق کہا ہے تو تمہارے بچے میرے بچے ہیں۔ اس پر وہ راضی ہوگئیں اور آنحضرتؐ نے ان سے تزویج فرمالی۔ وہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد طویل مدت تک زندہ رہیں۔ وہ ان تمام بیویوں میں جن کو رسول اللہؐ نے اپنے بعد چھوڑا دین اور عقل کے بارے میں اور رسول اللہؐ کی وصیتوں پر عمل کرنے کے بارے میں سب سے زیادہ افضل تھیں۔ ان کے بیٹے سلمہ بصرہ میں بیعت شکنوں کے خلاف اس جنگ میں جس کی قیادت حضرت عائشہؓ نے کی تھی اور صفین کے مقام پر قاسطین کے خلاف معاویہ بن ہند کی قیادت میں ہونے والی جنگوں میں امام علیؑ کی طرف سے شریک رہے۔

طبری کی روایت کے مطابق پانچویں سال کے دوران رسول اللہؐ نے زینب بنت جحش سے تزویج فرمائی۔ وہ ان خاتون کی زید بن حارثہ سے تزویج اور ان کو طلاق دینے کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے زید بن حارثہ کی تزویج اپنی پھوپھی امامہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی سے فرمادی تھی اور جب کبھی زید کو آنحضرتؐ سے ملے ہوئے عرصہ ہو جاتا تو آنحضرتؐ ان سے ملنے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ آنحضرتؐ سے نہ ملے تھے تو آنحضرتؐ ان سے ملنے تشریف لے گئے۔ ان کے دروازے پر بالوں کا ایک پردہ پڑا ہوا تھا۔ ہوا نے اس کو سرکا دیا۔ اس وقت زینب اپنے حجرے میں جھاڑو دے رہی تھیں۔ پس ان کی زیبائی کا آنحضرتؐ کے دل پر اثر ہوا۔ راوی کے خیال کے مطابق اس واقعے کے بعد سے آخر تک وہ زید سے متنفر ہوگئیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے ان کو دیکھا تو سُبْحَانَ مُصَرِفَ الْقُلُوْبِ سُبْحَانَ اللّٰه. یعنی پاک ہے دلوں کا موڑنے والا، پاک ہے اللہ کہتے ہوئے ان کی طرف سے اپنا چہرہ ہٹالیا۔ جب زید اپنے مکان پر آئے تو ان خاتون نے ان کو بتلایا کہ رسول اللہؐ تشریف لائے تھے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ کیا تم نے رسول اللہؐ سے نہیں کہا کہ اندر آجائیں؟ وہ بولیں کہ میں نے پیشکش کی تھی لیکن آنحضرتؐ نے انکار فرمادیا۔ تب وہ بولے کہ کیا تم نے رسول اللہؐ کو کچھ کہتے ہوئے سنا تھا؟ وہ بولیں کہ ہاں جب وہ اپنا چہرہ ہٹا رہے تھے تو میں نے ان کو سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم. سُبْحَانَ مُصَرِفَ الْقُلُوْبِ کہتے سنا تھا۔ اس پر زید اپنے مکان سے نکل کر رسول اللہؐ کی خدمت میں گئے اور آنحضرتؐ سے کہنے لگے کہ یارسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، میں نے سنا ہے کہ آپ میرے گھر پر تشریف لے گئے تو آپ اندر کیوں نہ تشریف لے گئے۔ شاید زینب آپ کو پسند آگئی ہیں تو میں ان سے جدا ہوا جاتا ہوں۔ اس پر رسول اللہؐ نے ان سے فرمایا کہ اپنی زوجہ کے ساتھ رہے جاؤ لیکن اس روز کے بعد سے زید ان خاتون کے ساتھ نباہ نہیں کرسکے اور وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں آکر آنحضرتؐ کو بتاتے رہے۔ پھر بھی رسول اللہؐ ان سے فرماتے تھے کہ اپنی زوجہ کے ساتھ رہو۔ آخر زید نے ان کو طلاق دیدی اور ان سے علیحدہ ہوگئے۔

طبری نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ ان سے باتیں کررہے تھے کہ اتنے میں آنحضرتؐ پر غشی

طاری ہوگئی۔ جب آپ پر سے حالت وحی ختم ہوگئی تو آپ مسکرا کر فرما رہے تھے کہ کون ہے جو زینب کے پاس جاکر یہ خوشخبری دیدے کہ اللہ نے میری تزویج ان کے ساتھ کردی ہے اور رسول اللہؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَهَا لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَکَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۝ ''وہ وقت یاد کیجئے جب آپ اس شخص سے جس پر اللہ نے احسان کیا تھا اور اس پر آپ نے بھی احسان کیا تھا کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کے ساتھ رہتے رہو اور اللہ سے ڈرو اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کردینے والا تھا، یعنی آپ کی ان خاتون کی طرف رغبت اور ان سے تزویج کرنے کی خواہش اور آپ آدمیوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔ پس جب زید کو ان سے علیحدہ ہوئے ایک وطر یعنی مدت حیض کا عرصہ گزر گیا تو ہم نے آپ کی تزویج ان خاتون سے کردی تاکہ مومنوں کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی ازواج سے کوئی باک محسوس نہ ہو جبکہ وہ ان سے ایک مدت حیض کے برابر علیحدہ رہ چکیں۔ اللہ کے حکم پر عمل کیا ہوا ہوتا ہے۔'' (سورۂ احزاب: آیت ۳۷)

بیشتر سنی اور شیعہ مؤرخین ومفسرین جب نبی اکرمؐ کی زینب بنت جحش سے تزویج کا ذکر کرتے ہیں تو اس مقام پر گڑبڑا جاتے ہیں اور نبی اکرمؐ کو ایسے عام انسان کے برابر قرار دیتے ہیں جس کو خواہشات نفسانی کی تکمیل کے علاوہ کسی اور چیز کی فکر ہی نہ ہو بلکہ ان میں سے بعض افراد آنحضرتؐ کو اس حیثیت سے پیش کرتے ہوئے اس غرض کو سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے جس کے خیال سے آنحضرتؐ کے دشمنوں نے ان خاتون سے آنحضرتؐ کی تزویج کے بارے میں ایسی روایات گھڑلی ہیں جیسی کہ طبری اور بیشتر سیرت نگاروں نے بیان کی ہیں۔ یہ ان منافقوں کی گھڑی ہوئی حدیثوں میں سے ہیں جو رسول اللہؐ کے زمانے میں اپنے اوپر اسلام کی نقاب ڈالے رہے اور آنحضرتؐ کے بعد ایک مدت تک زندہ رہے۔ ان کو اس زمانے میں اس کے علاوہ کوئی اور کام نہ تھا کہ جاسوسی کرنے، جھوٹ بولنے اور اسلام اور نبی اکرمؐ کو بری شکل میں پیش کرنے میں لگے رہیں۔

یا یہ امویوں کی بنوائی ہوئی حدیثوں میں سے ہیں جو اسلام کے بدترین دشمن تھے اور جنہوں نے اس مقصد سے صحابہ کی ایک جماعت کو قابو میں کر کے خوب بڑھایا چڑھایا تھا۔

جب تاریخ ترتیب دینے کا شغل ممتاز امویوں اور ان کے اہلکاروں جیسے کہ زہری، ابوبکر بن حزم اور ان دونوں جیسے افراد تک پہنچا تو ان کے بعد انہی لوگوں نے ایسی گھڑی ہوئی خصوصاً امویوں کی پسند کے مطابق روایات بناڈالیں اور ان کے بعد والوں نے ان کو مقبول روایات کے طور پر مان لیا۔

ان لوگوں نے اسلام دشمن مستشرقین کے لئے اس امر کو آسان بنادیا کہ وہ نبی اکرمؐ کی ایسی تصویر پیش کریں کہ گویا وہ اپنی نفسانی خواہشات میں ایسے سرشار تھے کہ عورت اور اس کی دلربائیوں کی طرف مائل ہو جاتے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق آپ کے لئے یہ کافی نہیں تھا کہ آپ کی زوجیت میں تین بیویاں ہیں بلکہ آپ نے چند ہی مہینوں کے اندر ان کے علاوہ اور بھی عورتوں سے تزویج فرما ڈالی۔ ان ہی میں سے ایک شوہر دار عورت بھی تھیں جن سے آپ کو صرف اس وجہ سے محبت ہوگئی کہ آپ ان کے گھر سے گزرے تھے اور ان خاتون کو اتفاقاً دیکھ لیا تھا۔ ان پر نظر پڑتے ہی آپ نے یہ کلمہ اپنی زبان پر جاری فرمایا کہ ''پاک ہے دلوں کا پھیر دینے والا'' اور آپ یہی کلمہ دہراتے ہوئے ان کے پاس سے واپس ہوگئے۔ یہاں تک کہ ان خاتون کو یقین ہوگیا کہ آپ ان کی خوبروئی سے متاثر ہوگئے ہیں۔

اس پر ان خاتون نے اپنے تئیں خوب تر محسوس کیا اور وہ اپنے شوہر سے متنفر ہوگئیں اور شوہر کے ساتھ ان کی زندگی ناقابل برداشت بن گئی۔ چنانچہ ان کے شوہر رسول اللہؐ کے پاس گئے تاکہ ان کو طلاق دیدیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے ان سے کہا کہ اپنی بیوی کے ساتھ رہتے رہیں اور ان کے ساتھ نباہنے میں اللہ سے ڈریں۔ آنحضرتؐ نے یہ کہا لیکن ان لوگوں کے خیال کے مطابق جو ہر قیمت پر اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ کی زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسی چیز نکالیں خواہ وہ چھوٹی سی ہی کیوں نہ ہو جس سے گمراہی پیدا ہو تاکہ وہ آنحضرتؐ کو بدنام کرسکیں اور آنحضرتؐ پر جھوٹ باندھ سکیں۔ آنحضرتؐ ان خاتون کی طرف اپنا طبعی میلان دل میں چھپائے رہے۔

یہ لوگ مزید کہتے ہیں کہ جب یہ خاتون زید کے ساتھ کسی طرح خوش نہ رہ سکیں اور زید کے لئے ان کا تکلیف دہ طرز عمل ناقابل برداشت ہوگیا تو انہوں نے بادل ناخواستہ ان سے علیحدگی اختیار کرلی جس پر نبی اکرمؐ نے ان سے تزویج فرمالی اور ان لوگوں کے خیال میں اسی چیز کو اپنے لئے جائز قرار دے لیا جس کو دوسرے افراد کے لئے حرام قرار دیا تھا۔

ایسی خبریں پھیلانے والے، مستشرقین اور عالمی صیہونیت کے خواہشمند افراد نے اپنے خیالات کو بے لگام چھوڑ دیا۔ زید بن حارثہ کے اپنی بیوی کو طلاق دینے اور اس کے بعد نبی اکرمؐ کی ان خاتون سے شادی فرمالینے کے بارے میں افسانے تیار کرڈالے۔ عیسائیت، صیہونیت اور الحاد کی تبلیغ کرنے والوں کے لئے خواہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی، یہ تعجب خیز بھی نہیں ہے حالانکہ دنیا کے تمام موجودہ مذاہب میں اسلام ہی تنہا وہ مذہب ہے کہ اگر لوگ اس کی طرف پلٹ آئیں اور اس کے اصول، مبادیات اور تعلیمات کو اپنالیں تو وہ اس قابل ہے کہ خواہش پسندی اور نفس پرستی کو روک دے، مظلوموں اور ستائے ہوئے افراد کی مدد کرے اور ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کے کھوٹے پن کو ظاہر کردے جن کے ذریعے انہوں نے کروڑوں انسانوں کو گمراہی میں ڈال رکھا ہے وہ اپنے حقیقی اور سچے اصول، تعلیمات اور قوانین کی بدولت جو اس کو خدائے دانا وحکیم سے ملے ہیں یقیناً اس قابل ہے کہ انسان کو امن، آسائش، عدل اور ہر معاملہ میں جو اس کو درپیش ہو قول وعمل کی آزادی کے ساتھ بھلائی سے ہم کنار کردے اور کسی کو کسی دوسرے سے ضرر نہ پہنچنے دے۔

چنانچہ یہ تعجب کی بات نہیں کہ یہ لوگ اور ان کے صاحبان اقتدار نبی اکرمؐ کے بارے میں ایسا فتنہ خیز طرز اختیار

کریں بلکہ حیرت انگیز اور افسوسناک امر تو یہ ہے کہ سیرت نگاروں اور بیشتر محدثوں نے انہی گھڑی ہوئی روایتوں کو قبول کرلیا ہے حالانکہ تزویج کے واقعات کچھ خاص حالات پر مشتمل ہیں جن کے تحت نبی اکرمؐ نے زینب اور دوسری بیویوں سے تزویج فرمائی جن کی تعداد نو (۹) یا مؤرخوں کے غلط خیال کے مطابق اس سے بھی زیادہ تھی، ان کی اسناد میں تحقیق کئے بغیر اور ان کے زہریلے مضامین پر غور کئے بغیر ان لوگوں نے انہیں قبول کرلیا اور تفسیر پر لکھی ہوئی بیشتر کتابوں نے بھی ان ہی روایتوں پر اعتبار کر کے آیتوں کی تفسیر اور شان نزول تیار کر ڈالی۔

رازی نے اپنی تفسیر میں اس پر زور دیا ہے کہ وَتُخفِیُ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ سے مراد یہ ہے کہ آنحضرتؐ ان خاتون سے اس وقت تزویج کر لینے کی درپردہ خواہش رکھتے تھے جب زید ان کو طلاق دیدیں۔ نیز انہوں نے مَاکَانَ عَلَی النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰہُ لَہٗ سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (نبی اکرمؐ کے لئے اس معاملے میں جو اللہ نے ان پر فرض کیا ہے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ اللہ کا یہی طریقہ ان لوگوں میں بھی تھا جو پہلے گزر چکے ہیں۔ سورۂ احزاب آیت ۳۸) کی تفسیر میں مزید یہ کہا ہے کہ اس فقرے سے کہ ''اللہ کا یہی طریقہ ان لوگوں میں تھا جو پہلے گزر چکے ہیں''، اللہ تعالیٰ حضرت داؤدؑ کے قصے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے وہ بھی تو ایک عورت کی طرف مائل ہوئے تھے جو اُن ہی کے ایک پیرو ''اوریا'' کی بیوی تھیں۔ (تفسیر رازی، جز ۲۵، صفحہ ۲۱۲)

رازی کے خیال میں اس کے معنی یہ ہوئے کہ گویا اللہ کہہ رہا ہے کہ یارسول اللہؐ! آپ ہی تنہا نہیں ہیں جو زینب پر فریفتہ ہوگئے جبکہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ تھیں کیونکہ آپ سے پہلے اسی طرح داؤدؑ نبی اپنے ایک پیرو کی بیوی پر فریفتہ ہوگئے تھے جو ''اوریا'' کہلاتے تھے۔

مستشرقین اور اسلام کے دوسرے دشمن ایسی ہی تاویلات کو اختیار کرلیتے ہیں تاکہ نبی اکرمؐ پر اپنے کریہہ حملوں کو مرکوز کرسکیں حالانکہ وہ آیات بھی جو آنحضرتؐ کی زینب سے تزویج کا ذکر کرتی ہیں اور ساتھ ساتھ دوسری آیات بھی رازی کے بیان کی شدت سے تردید کرتی ہیں جس سے نبی اکرمؐ کی تاریخ حیات اور زینب وغیرہ سے آنحضرتؐ کی تزویج کا مطالعہ کرنے والا خوب سمجھ جاتا ہے کہ اس کا سبب خالص جذبہ انسانیت تھا نہ کہ آنحضرتؐ کی خواہشات نفسانی کی تسکین۔

بعض مسلمان لکھنے والوں نے بعض زمانوں میں یہ کہنا مناسب خیال کیا کہ حضرت محمدؐ اپنی خواہشات نفسانی کی وجہ سے تزویج فرماتے تھے۔ ان لوگوں نے ایسا حضرت محمدؐ کی حقیقی حیثیت کو نہ پہچاننے کی وجہ سے کیا تاکہ وہ دکھلائیں کہ آنحضرتؐ ہر صفت میں عظیم تھے یہاں تک کہ قوت شہوانی میں بھی۔ یقیناً یہ آنحضرتؐ کی غلط تصویر ہے اور آپ کی تاریخ بلکہ آپ کی پوری حیات طیبہ اس کی شدت سے تردید کرتی ہے۔

محمود عقاد اپنی کتاب ''عبقریہ محمدؐ'' میں کہتے ہیں کہ ''اگر حضرت خدیجہؓ سے تزویج کے بعد نبی اکرمؐ کی تزویجوں کے معاملے میں خواہش شہوانی کا غلبہ رہا ہوتا تو ایسی لذت پسندی کا نتیجہ تو یہ ہوتا کہ آنحضرتؐ کے اردگرد نو (۹) ایسی بہترین دوشیزائیں جمع ہوتیں جو حسن کی دلکشی میں مکہ، مدینہ اور جزیرۂ عرب میں مشہور ہوتیں۔ اس میں شک نہیں کہ اگر آنحضرتؐ

اس کا ارادہ فرماتے تو ایسی عورتیں اور ان کے سرپرست آپ کی طرف دوڑ پڑتے اور وہ لوگ ایسے رشتے کو اپنے تئیں قابل فخر خیال کرتے کیونکہ کوئی قرابت بھی ان کے لئے اس سے بہتر نہ تھی۔

حضرت محمدؐ بن عبداللہ بلند درجہ عفت کے باعث اپنے لڑکپن ہی میں بوڑھے مشہور ہو گئے تھے کیونکہ آنحضرتؐ کے بارے میں کوئی ایسی خبر نہیں ملتی کہ آپ نے بھرپور لڑکپن میں اپنے آپ کو لذت پسندیوں میں ڈالا ہو اور نہ آپ ان میں اس طرح پڑے جس طرح دوسرے نوجوان پڑے رہتے تھے حالانکہ زمانۂ جاہلیت کا معاشرہ ایسی حرکتوں کو جائز قرار دیتا تھا جن کو دوسرے قانون اور مذاہب جائز قرار نہ دیتے تھے بلکہ آپ تو اپنے عنفوان شباب، نوخیز عمر اور پختہ عمر، ہر دور میں پاکدامنی، امانتداری، محنت کوشی اور متانت میں مشہور رہے۔ جب آنحضرتؐ تبلیغ حق کے لئے کھڑے ہوئے تو دشمنوں کی کثرت آپ سے مخالفت اور مقابلے میں ڈٹے رہنے کی شدت کے باوجود آپ کی طرف کسی ایسے امر کو منسوب نہیں کر سکا جو آپ کی شہرت کو داغ لگاتا اور نہ کوئی یہ کہہ سکا کہ آپ ان افراد میں سے ہیں جن کو نسوانی حسن اپنی طرف مائل کر لیتا ہے۔

اگر آنحضرتؐ میں کوئی ایسی چیز ہوتی تو جب آپ اپنی زندگی کے ان مرحلوں میں تھے تو وہ ضرور ظاہر کر دی جاتی اور تاریخ آنحضرتؐ کے دسیوں ایسے دشمنوں کا ذکر کرتی جو لوگوں سے کہتے کہ یہ پاکدامنی اور عفت کی دعوت دینے والا اور خواہشات نفسانی کو دبانے کی ترغیب دینے والا ابھی قریب کے پچھلے دنوں میں خود اپنی خواہشات کی تکمیل اور لذتوں کے حصول میں لگا رہا ہے۔

آنحضرتؐ نے حضرت خدیجہؓ سے اس وقت تزویج فرمائی جب آنحضرتؐ کی عمر تیئیس یا پچیس سال کی تھی اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ وہ اس سے قبل کسی عورت سے وابستہ رہے ہوں اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی اور اٹھائیس سال کے طویل عرصے تک وہی تنہا آنحضرتؐ کی بیوی رہیں۔ حالانکہ عرب اور غیر عرب میں کسی حد کے بغیر کئی کئی بیویاں کرنا پسندیدہ طریقہ تھا۔ آنحضرتؐ کو ایک سے زیادہ مرتبہ یہ جواز حاصل تھا کہ آپ ان خاتون کے ہوتے ہوئے اور تزویج فرماتے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ ان خاتون سے آنحضرتؐ کی اولاد میں سے صرف لڑکی ہی زندہ رہی تھیں اور مشرک اس کو آنحضرتؐ کا ایک نقص قرار دے کر آپ کو ابتر کہا کرتے تھے جس سے ان کا یہ مطلب ہوتا تھا کہ آنحضرتؐ کے بعد ان کی نسل میں کوئی نہ ہوگا کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک لڑکی کو نسل کا باقی رکھنے والا نہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے باوجود یہی خاتون ان کی رفیقہ حیات رہیں تا آنکہ ان کی وفات واقع ہوئی جبکہ وہ اپنی عمر کے سڑسٹھ ویں سال کے قریب تھیں۔ اس طویل مدت میں آنحضرتؐ نے ان کے علاوہ کسی اور سے تزویج کا خیال تک نہیں کیا۔ نہ ہی اس دوران میں یا اس سے قبل یہ سنا گیا کہ آنحضرتؐ کو عورت کی دلفریبی نے راغب کیا ہو حالانکہ اس زمانے میں عورت کسی مرد سے اپنے حسن کو چھپاتی نہ تھی۔

یہ ناقابل فہم ہے کہ آنحضرتؐ پچپن سال کی عمر میں پہنچ کر ایک ایسے بدلے ہوئے انسان ہو جاتے کہ آپ کو ایک خاتون اپنی دلفریبی کے دام میں لے آتیں جبکہ وہ ایک دوسرے شخص کی زوجیت میں تھیں بلکہ وہ تو آپ کی بیٹی کے مانند تھیں کیونکہ ان کو آنحضرتؐ نے بچپنے سے پال پوس کر بڑا کیا تھا اور آپ کسی اور شخص سے زیادہ ان کی زیبائی اور صفات سے

آگاہ تھے کیونکہ وہ آپ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ نیز آنحضرتؐ ہی نے ان کے لئے ان کا شوہر منتخب کیا تھا جسے وہ خود بھی اور ان کے بھائی عبداللہ بھی ناپسند کرتے تھے۔

اگر اللہ نے ان کو آنحضرتؐ کی مخالفت کرنے سے باز رہنے کی تنبیہ نہ کی ہوتی تو وہ خاتون ان کے لئے راضی نہ ہوتیں جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے کہ:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلاَ مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

''جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملے کا فیصلہ کردیں تو پھر کسی مومن مرد یا مومن عورت کو اپنے معاملے میں اختیار نہیں رہتا۔'' (سورۂ احزاب: آیت ۳۶)

اس صورت میں ان خاتون نے آنحضرتؐ کے ارادے کے سامنے سر جھکا دیا اور اس نیک مرد سے تزویج کرلی جو اسلام قبول کرنے میں امام علیؑ اور حضرت جعفرؓ کے بعد تمام لوگوں میں سبقت کا شرف رکھتے تھے۔ تزویج کے بعد وہ بیشتر اوقات نبی اکرمؐ سے دور نہ رہتی تھیں اور نہ آنحضرتؐ سے اس کے علاوہ پردہ کرتی تھیں، جتنا اللہ کا حکم تھا۔ چنانچہ بیشتر اوقات آنحضرتؐ ان کو اور وہ آنحضرتؐ کو دیکھتی رہتی تھیں۔

کیا اس کے بعد یہ قابل فہم ہے کہ آنحضرتؐ ان پر فریفتہ ہوجائیں اور بدل کر ایسا انسان ہو جائیں جس پر خواہشات نفسانی پوری طرح چھا جائیں؟ حالانکہ وہ آنحضرتؐ کی نبوت سے قبل، نہ بچپن میں، نہ جوانی میں، آپ پر مستولی ہوئیں تھیں۔ یہ دو ادوار انسانوں کی غالب اکثریت پر تمام ادوار سے زیادہ کٹھن اور نازک ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ جس وقت ان خاتون کے شوہر نے ان کو طلاق دی، آنحضرتؐ کی زوجیت میں پانچ بیویاں موجود تھیں۔ ان ہی میں حضرت عائشہ بھی تھیں جو ابھی اپنی عمر کے پندرہویں ہی سال میں تھیں۔

حضرت خدیجہؓ کے بعد جن خاتون سے آنحضرتؐ نے سب سے پہلے تزویج فرمائی وہ سودہ بنت زمعہ تھیں۔ جو سکران بن عمرو بن عبدشمس کی بیوہ تھیں۔ کسی راوی سے ایسی کوئی روایت وارد نہیں ہوئی ہے کہ ان کے پاس حسن، دولت یا عزت کی ایسی کوئی چیز رہی ہو جس نے دنیاوی لحاظ سے آنحضرتؐ کو تزویج پر مائل کیا ہو بلکہ ان کی تزویج اس لئے ہوگئی تھی کہ مرد کے لئے تزویج ناگزیر ہے اور اس خاص وقت میں یہ خاتون اسلام لانے والی اولین عورتوں میں سے تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اور ان کے شوہر نے مشرکوں کے ہاتھوں وہ سب تکلیفیں اٹھائی تھیں جو شروع کے مسلمانوں پر پڑی تھیں۔ چنانچہ یہ خاتون اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلی گئی تھیں جہاں ان کے شوہر کی وفات واقع ہوگئی اور ان کے لئے اس کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار نہ تھا کہ یا تو حبشہ میں بغیر کسی کفیل کے رہ جائیں یا اپنے لوگوں میں واپس چلی جائیں جو اَب تک کفر پر جمے ہوئے تھے اور ان کو اسلام سے واپس پھر جانے پر مجبور کر رہے تھے۔ پس آنحضرتؐ کی ان کے ساتھ تزویج علاوہ اس کے کہ آنحضرتؐ کو عورت کی شدید خواہش تھی ان تکالیف کی مکافات تھی جو اُن خاتون کو لاحق ہوئی تھیں اور اس احتیاج کی جس سے وہ دوچار تھیں اور خاص کر ان خاتونؓ کے کنبہ والوں کی دلجوئی کے لئے جو آنحضرتؐ کے کٹر دشمن تھے۔

جب ہم آنحضرتؐ کی باقی بیویوں کے متعلق معلوم کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ایک جناب ام سلمہ تھیں جو شباب سے گزر چکی تھیں اور جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ان کے شوہر کی اسلام کی راہ میں دائمی قربانیوں کی مکافات کے طور پر ان کو اور ان کے بچوں کو اپنے گھر والوں میں شامل کرنا چاہا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی زندگی بھر نیک کردار عورت کی مثال بنی رہیں۔

ایک جویریہ بنت حارث تھیں جن سے آنحضرتؐ نے ان کو آزاد کرنے کے بعد تزویج فرمائی تھی اور مسلمانوں نے ان کے احترام میں ان کی قوم کے تمام قیدیوں کو آزاد کردیا تھا۔ اس تزویجی رشتہ کے بعد ان کی قوم کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کیا تھا جیسا کہ سیرت رسولؐ لکھنے والوں کا بیان ہے۔

ایک رملہ بنت ابوسفیان تھیں وہ خود اور ان کے شوہر مکہ میں اسلام لے آئے تھے حالانکہ ان کا باپ اسلام کا دشمن تھا۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلی گئی تھیں جہاں ان کے شوہر کی وفات واقع ہوگئی تھی۔ تب ان کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا کہ آپ باپ کے پاس واپس چلی جائیں جو اسلام اور مسلمانوں کا دشمن تھا۔ جب وہ واپس آگئیں اور اسلام پر قائم رہیں تو لازمی طور پر اپنے باپ اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے طرح طرح کی تکلیفوں اور سختیوں کا شکار ہوتی رہیں۔

بیشتر روایات میں آیا ہے کہ ان کے شوہر نے حبشہ میں عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا اور ان خاتون کو چھوڑ بیٹھا تھا جبکہ وہ پردیس میں تھیں اور ان کی نگہداشت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اس پر نبی اکرمؐ نے نجاشی سے کہلا بھیجا کہ وہ آنحضرتؐ کی تزویج ان خاتون سے کردے تاکہ ان کو پردیس کی اجنبیت سے اور شوہر نہ ہونے کی تنہائی سے نجات مل جائے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ان خاتون سے تزویج کرنے میں نبی اکرمؐ کا مقصد یہ رہا ہو کہ ابوسفیان کی تالیف قلب ہوسکے جس طرح آنحضرتؐ نے اس کے علاوہ دوسرے افراد سے تزویجی رشتوں کے ذریعے تالیف قلب کا طریقہ اختیار فرمایا تھا۔

بہرحال نبی اکرمؐ کی تاریخ کا بے لوث اور غیر جانبدار مطالعہ کرنے والا اس یقین پر پہنچے گا کہ زندگی کے کسی مرحلے میں نبی اکرمؐ لذت پسندی، خواہشات نفسانی اور نسوانی دلفریبیوں وغیرہ میں اور دنیا کے عیش وعشرت اور ظاہری دلکشیوں میں آلودہ نہیں ہوئے۔

اگر ہم یہ فرض بھی کرلیں کہ نبی اکرمؐ ان فطری جذبات کے باعث تزویج فرماتے رہتے تھے جو ہر انسان میں موجود ہوتے ہیں اور آنحضرتؐ ان سے محروم نہ تھے جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ محروم تھے اور آپ عورت سے فطری رغبت کے تقاضے کی تکمیل کے لئے محبت فرماتے تھے تو اس میں حرج کیا ہے تاوقتیکہ عورت آپ کو آپ کے کسی کام سے نہ روکے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا اور نہ اسلام کے ستونوں کو مضبوط کرنے، اس کی تعلیمات کو پھیلانے اور آپ کے ان دشمنوں کی سرکوبی سے روکے جو آپ کے خلاف ہر طرف سے جمع ہو رہے تھے۔

آنحضرتؐ کی تاریخ میں ایسے دسیوں ثبوت اور دلیلیں موجود ہیں کہ آپ نے ایک دن بھی دنیاوی لذت حاصل کی

ہو۔ چنانچہ آپ صرف جو کی روٹی تناول فرماتے تھے بعض مرتبہ آپ کے پاس اپنی خوراک کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا۔ وہ بھی آپ ناداروں کو دیدیتے تھے اور خود ایسے خالی ہاتھ رہ جاتے تھے کہ آپ کے پاس حفظ جان کے لئے بھی کچھ نہ ہوتا تھا بلکہ امکان تھا کہ آنحضرتؐ اپنی بیویوں میں سے بعض کو اس لئے طلاق دیدیں کہ وہ آپ سے زیادہ نفقہ طلب کرتی تھیں۔ ان میں خوش خلق ایک سے زیادہ مرتبہ طلاق اور تنگدستی کی زندگی کے مابین تذبذب میں رہتی تھیں جیسا کہ یہ آیت بتاتی ہے:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًاo وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَالدَّارَالْاٰخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيْمًاo ''اے نبیؐ! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی دلکشیوں کی طلبگار ہو تو آؤ میں تم کو مال و زر دے کر اچھی طرح رخصت کردوں اور اگر تم اللہ کی، اس کے رسولؐ کی اور آخرت کی جائے قیام کی طلبگار ہو تو (یاد رکھو کہ) اللہ نے تم میں سے جو نیک عمل ہیں ان کے لئے بڑا اجر رکھا ہے۔'' (سورۂ احزاب: آیت ۲۸۔۲۹)

مختصر یہ کہ آنحضرتؐ کی اپنی پھوپھی کی بیٹی زینب بنت جحش سے تزویج کا معاملہ یہ ہے کہ جب سے وہ بڑی ہوئیں آنحضرتؐ کی بیٹیوں کی طرح آپ کی تربیت میں تھیں۔ جب وہ تزویج کے قابل سن کو پہنچیں تو ذی مرتبہ مسلمانوں نے آنحضرتؐ سے ان کو تزویج کے لئے طلب کیا لیکن آنحضرتؐ ان میں سے کسی سے ان کی تزویج پر رضامند نہ ہوئے۔ ادھر زید بن حارثہ حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے۔ جن کو انہوں نے آنحضرتؐ کو ہبہ کردیا تھا اور آنحضرتؐ نے ان کو آزاد کردیا تھا۔ چنانچہ وہ اسلام لاکر مؤمن خالص کی حیثیت سے آنحضرتؐ ہی کی خدمت میں رہتے رہے۔ اس پر رسول اکرمؐ نے ان کو بیٹا بنالیا اور آپ نے چاہا کہ وہ خاتون آپ کے غلام زید کی زوجہ ہو جائیں تاکہ اس کے بعد کوئی شخص کسی ایسے فرد سے تزویج کرنے سے گریز نہ کرے جو مرتبہ یا نسب میں اس سے کم تر ہو کیونکہ اسلام تقویٰ اور نیک اعمال کے علاوہ کسی شے کو حساب میں نہیں لاتا جبکہ زید اپنے دین اور پاک نیتی میں تمام مسلمانوں میں سب سے برتر تھے۔

جب ان خاتون کو یہ پیشکش کی گئی تو انہوں نے اس سے انکار کردیا اور انہوں نے اور ان کے بھائی عبداللہ نے اس کو ایسی شرم کی بات سمجھا جو عرب میں کسی نے اس سے پہلے نہ کی تھی۔ لیکن نبی اکرمؐ اس پر اصرار کرتے رہے تاکہ زید پہلے وہ شخص ہوں جو اُن بندھنوں سے باہر نکل آئیں اور ان کو توڑ ڈالیں۔ پھر بھی وہ خاتون اور ان کے بھائی اپنے سخت موقف پر اڑے رہے۔ البتہ جب اس موقع کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِيْنًاo ''اور کسی مومن مرد اور کسی مومنہ عورت کے لئے جب اللہ اور اس کا رسول کوئی حکم دیدے، کوئی اختیار ان کے اپنے معاملے میں نہیں ہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑ جائے گا۔''

اس آیت کے بعد عبداللہ اور ان کی بہن کے لئے کوئی راستا نہیں رہا سوائے اس کے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کے آگے جھک جائیں۔ پس نبی اکرمؐ نے تزویج کو اتمام تک پہنچایا اور ان خاتون کا مہر ادا کردیا۔ جب زید نے ہجرت کی تو یہ خاتون بھی ہجرت کر گئیں لیکن وہ خاتون ان کے لئے نرم نہیں ہوئیں اور ان سے یہ نہ ہوسکا کہ ان خرافات سے پیچھا چھڑالیں جن پر عرب نہایت مبالغہ کے ساتھ چپکے رہتے تھے۔ وہ خاتون کبھی تو ان کو تکلیف پہنچاتی رہتی تھیں اور کبھی ان پر اپنی نسل و اصل کے باعث فخر کیا کرتی تھیں۔ زید کبھی ان کی ان حرکتوں کو برداشت کر لیتے اور کبھی نبی اکرمؐ سے ان کی شکایت کردیا کرتے تھے اور ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی اپنی خواہش آنحضرتؐ پر ظاہر کردیتے تھے۔ آنحضرتؐ ان کو ایسا کرنے سے منع فرماتے رہتے تھے اور ان خاتون سے چاہتے تھے کہ وہ ان کو تکلیف دینے سے باز آجائیں اور زمانہ جاہلیت کے ان اخلاق اور عادات کو بھول جائیں جن کو اسلام نے برقرار نہیں رکھا تھا۔ لیکن ذہن کتنے ہی بلند اور پاک ہوجائیں یہ دشوار ہے کہ باپ دادا سے ورثے میں پائی ہوئی باتوں سے جلدی چھٹکارا حاصل کرلیں۔ خصوصاً جبکہ ان خاتون کی ہم پلہ عورتیں اپنی اصل اور اپنے نسب پر نازاں تھیں اور اپنے آپ کو اس قسم کی تزویج سے بالاتر خیال کرتی تھیں۔ چنانچہ آئے دن ان دونوں کی زندگی میں الجھنیں پیدا ہوتی رہتی تھیں۔ زید نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر شکایت کرتے اور ان خاتون سے علیحدگی اختیار کرنے کے لئے اپنی خواہش ظاہر کرتے لیکن نبی اکرمؐ ان کو منع فرماتے رہتے تھے۔ آخرکار ان دونوں کی زندگی دوزخ کی مانند مصیبت ناک ہوگئی اور اس کا آخری حل طلاق تھا چنانچہ ان دونوں میں طلاق ہوگئی۔

باوجودیکہ طلاق ان خاتون کی رغبت کی وجہ سے ہوئی تھی پھر بھی ان کو رنج اور افسوس ضرور ہوا۔ حالانکہ اب ان کو ایسی تزویج سے نجات مل گئی تھی جو اُن کی پسند کے خلاف تھی۔ چونکہ نبی اکرمؐ ہی ان خاتون کے اس تمام رنج کا سبب تھے آپ نے چاہا کہ اس کا تدارک کریں۔ کوئی شے نہ ان خاتون کی ذہنی پریشانی کو دور کرسکتی تھی نہ اس کی جگہ لے سکتی تھی سوائے اسکے کہ آنحضرتؐ ان سے تزویج فرما کر ان کو اپنی بیویوں میں شامل کرلیں۔

آنحضرتؐ اس پر غور فرماتے رہے اور اپنے آپ سے مشورہ کرتے رہے لیکن آپ کو یہ خوف تھا کہ لوگ کہیں گے کہ محمدؐ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے تزویج کرلی کیونکہ اس زمانے میں لوگ منہ بولے بیٹوں کو اپنی اولاد کی طرح مانتے تھے۔ تب ہی تو اللہ نے آنحضرتؐ پر یہ آیت وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ. (آپ اپنے نفس میں وہ چھپائے ہوئے ہیں جس کو اللہ ظاہر کردینے والا ہے) نازل کی۔ گویا جو کچھ آپ چھپائے ہوئے ہیں اللہ اس کو تکمیل تک پہنچا دے گا اور جو کچھ اللہ نے حلال قرار دیا ہے اس میں آپ کے لئے کوئی حرج نہیں ہے خواہ وہ لوگوں کے نزدیک پسندیدہ نہ ہو۔ آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں یعنی آپ کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ ان خاتون سے تزویج کرنے سے لوگوں کی پسندیدگی کے خیال سے رکے رہیں جبکہ ایسا فعل رضائے الٰہی کے مطابق ہو۔ آپ لوگوں کے لئے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے تزویج کرنے کے معاملے میں مثال بن جائیں گے تاکہ مومنوں کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے تزویج میں جبکہ وہ عدت پوری کرلیں کوئی حرج نہ رہے کیونکہ اللہ کے حکم پر عمل کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد آیت نمبر ۴۰ زید کے نبی اکرمؐ کا بیٹا ہونے کی تردید کرتی ہے:

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآاَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

''محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسولؐ اور آخری نبی ہیں۔''

پس ان آیات میں جو آنحضرتؐ کی نیت اور سوچ سے متعلق ہیں کوئی نشاندہی اس چیز کی نہیں ہے جو بعض مفسرین اور سیرت نگاروں کی پیش کی ہوئی روایتوں میں ملتی ہے اور جو مستشرقین، مبشرین اور صیہونیت کے علمبردار بیان کرتے رہتے ہیں بلکہ آیات اور صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زید کے ان خاتون کو طلاق دینے کا سبب وہ نزاع تھی جو اُن دونوں کے درمیان واقع ہوئی اور جو اُن کی باہمی تزویج کی ابتدا ہی سے ہوگئی تھی۔

نبی اکرمؐ نے بارہا یہ کوشش فرمائی کہ معاملہ زید کے لئے قابل قبول ہو جائے اور زینب کے انکار اور اکڑپن میں کمی آجائے لیکن آپ کامیاب نہیں ہوئے۔ بالآخر علیحدگی ہی ان دونوں کی زندگی کو بربادی اور خرابی سے بچانے کا علاج رہ گیا۔

اس موضوع پر تفسیروں اور تاریخ میں جو کچھ کہا گیا ہے نہ وہ صحیح ہے نہ اس کی تائید ان آیات کے ظاہر سے ہوتی ہے جو اس واقعے کے متعلق نازل ہوئی ہیں ان خاتون سے نبی اکرمؐ کی تزویج ان شریفانہ جذبات کے باعث ہوئی جو ہم بیان کر آئے ہیں۔ یہ جذبات وہ ہیں جو شرافت، رحمت اور بلند اخلاق کے اعلیٰ ترین درجات کی طرف دلالت کرتے ہیں[۱]

اسلام اور دوسری قوموں میں کئی کئی بیویاں ہونا

نبی اکرمؐ کی ازواج اور آنحضرتؐ کی زینب سے تزویج کا بیان ختم کرنے پر مجھ کو خیال ہوا کہ خواہ مختصر طور پر ہی سہی اسلام میں کئی بیویاں رکھنے کی طرف اشارہ کرتا چلوں کیونکہ اسلام کے دشمن اس کو اسلام میں عیب نکالنے اور اس کی صورت بگاڑنے کا ایک ذریعہ قرار دیتے رہتے ہیں۔ اس کی ابتدا کے طور پر عرب اور دوسری گزری ہوئی قوموں میں کئی بیویاں کرنے اور انیسویں صدی کے قرب تک عورت کے ساتھ ظالمانہ طرزِ عمل کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔

استاد محمد عطیہ ابرشی اپنی کتاب عظمت الرسولؐ میں لکھتے ہیں کہ قدیم زمانے میں یونان سماجی زندگی اور تمدن کے لحاظ سے سب قوموں میں پیش پیش تھا اور ایتھنز حکمت و فلسفہ اور طب کا شہر کہلاتا تھا۔ اس کے باوجود ان لوگوں میں یونانی عورت مال تجارت کی طرح خریدی اور بیچی جاتی تھی بلکہ ان کے نزدیک وہ ایک گندگی تھی جو شیطان کے عمل کا نتیجہ تھی۔ اسے گھر کے معاملات اور بچوں کی دیکھ بھال کے علاوہ کسی معاملے میں دخل دینے کا کوئی حق نہ تھا اور مرد کو یہ حق حاصل تھا کہ کسی پابندی اور شرط کے بغیر زیادہ سے زیادہ عورتوں سے شادی کرلے۔

یونان کے شہر اسپارٹا میں کسی مرد کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ ایک سے زائد عورتوں سے شادی کرے جبکہ عورت کو

۱۔ ہم نے جو کچھ ازواج نبی اور آنحضرتؐ کی ام المومنین زینبؓ سے تزویج کے متعلق لکھا ہے اس کے لئے محمد حسین ہیکل کی ''حیات محمدؐ''، محمود عقاد کی ''عبقریہ محمدؐ'' اور خود اپنی کتاب ''عقیدۃ الشیعہ الامامیہ'' پر انحصار کیا ہے۔

اجازت تھی کہ وہ ایک وقت میں دو یا اس سے زیادہ شوہر رکھے اور اسپارٹا کی بیشتر عورتیں ایسا ہی کیا کرتی تھیں۔

البتہ رومیوں میں کئی بیویاں رکھنے کا طریقہ عام تھا باوجودیکہ ان کا قانون ان کو اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ رومی عورت ان ہی مصائب کا شکار رہی یہاں تک کہ جسٹنٹین کا زمانہ آیا جس نے ان قوانین کو رائج کیا جو کئی بیویاں رکھنے سے روکتے تھے لیکن بیشتر رومیوں نے اس قانون کی پروا نہیں کی اور عام آدمی یہاں تک کہ حکام بھی اپنے جنسی جذبات کی تشفی کئی کئی بیویاں رکھ کر کرتے رہے۔ دینی افراد نے بھی اس معاملے میں نرمی اختیار کی اور جو کوئی ایک سے زیادہ تزویج کرنا چاہتا وہ اس کو ایسا کرنے کی اجازت دیدیتے تھے۔ چنانچہ رومیوں میں یہی کیفیت قائم رہی تا آنکہ طویل مدت کے بعد اسلام کا ظہور ہوا۔

یہودی عورت کی حیثیت نوکر جیسی ہوتی تھی۔ چنانچہ وہ لوگ باپ کو اجازت دیتے تھے کہ وہ اپنی کم سن بیٹی کو خریدار کے ساتھ طے کی ہوئی قیمت پر بیچ ڈالے۔ اسی کے ساتھ وہ اپنے باپ کے مال میں سے وراثتاً کچھ نہیں پاتی تھی سوائے اس کے کہ جب اس کے باپ نے کوئی لڑکا نہ چھوڑا ہو۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ قدیم تاریخ بتلاتی ہے کہ اسلام سے پہلے مشرکین کسی نظام یا تعداد کی پابندی کے بغیر کئی کئی بیویاں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ان کے مرد کے لئے اجازت تھی کہ وہ بیس اور تیس بیویاں کر لے اور یہ کیفیت اسلام سے پہلے پورے عرب میں پھیلی ہوئی تھی۔

پروفیسر ابرشی دعویٰ کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل زیادہ بیویوں کو جائز قرار دیتے تھے اور یہ کیفیت ان میں جب حضرت موسیٰؑ بھیجے گئے تب بھی قائم رہی اور حضرت موسیٰؑ نے ایک سے زیادہ بیویاں کیں جیسا کہ حضرت داوُدؑ نے بھی عورتوں کی ایک بڑی تعداد سے تزویج کی تھی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تلمود اور شلیم نے زیادہ بیویاں کرنے کو ان افراد تک محدود کر دیا جو اپنی بیویوں پر اچھی طرح خرچ کر سکیں اور یہودی علماء نے یہ حکم لگایا کہ کوئی شخص چار سے زیادہ بیویاں نہ کرے جبکہ اس گروہ نے جس کو قرائن کہا جاتا ہے تعداد کی پابندی کے قانون کو نہیں مانا کیونکہ بنی اسرائیل کا دین مرد کو اس کی اجازت دیتا تھا کہ بغیر کسی حد یا پابندی کے بڑی سے بڑی تعداد میں بیویاں کرے۔

قدیم فارس میں ان کا دین اس شخص کو جو ایک سے زیادہ بیویاں رکھے بہادری کا سپاسنامہ دیتا تھا نیز اس کو بھی جو بیویوں کی سب سے بڑی تعداد رکھے۔ اس بیان سے ہٹ کر وہ مزید کہتے ہیں کہ جب رومی علاقے میں عیسائیت پھیلی تو وہاں زیادہ بیویاں رکھنے کا رواج پھیلا ہوا تھا اور مانا ہوا رواج تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ بن مریم کے زمانے میں بھی زیادہ بیویاں رکھنے کو کسی نے منع نہیں کیا سوائے ان شہری قوانین کے جن کو جسٹنٹین نے دینی قوانین کا نام دیا تھا۔ اس کے باوجود زیادہ بیویاں رکھنا قائم رہا اور اکثر عیسائی رومیوں میں رائج رہا اور اس پر عمل کیا جاتا رہا یہاں تک کہ جدید معاشرے نے ایسا قانون جاری کیا جو ایک سے زیادہ تزویج کرنے والے کو سزا دیتا ہے۔

پھر رخ بدل کر وہ کہتے ہیں کہ عربی عورت مرد کی دولت کا حصہ مانی جاتی تھی اور اس کا بیٹا اس پر کپڑا ڈال کر اس کو وراثت میں حاصل کر لیتا تھا۔ پس اگر وہ اس سے تزویج کرنا چاہتا تھا تو وہ مہر دیئے بغیر ایسا کر سکتا تھا۔ اس کو یہ بھی حق

تھا کہ وہ اس کی تزویج کسی اور سے کر دے اور اس کا مہر وصول کر لے۔ اس کو یہ بھی حق تھا کہ اس عورت کو کسی دوسرے مرد سے تزویج کرنے سے منع کر دے تا کہ خود اس کا تنہا وارث بنا رہے وغیرہ۔ طرح طرح کی تکلیفیں اور ذلتیں تھیں جو تمام قوموں میں عورت پر عائد ہوتی تھیں۔

دراصل لوگ اس کو انسان ہی نہیں سمجھتے تھے اور نہ وہ اس کا حق رکھتی تھی کہ اس کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک کیا جائے۔ ۹۵۸ء عیسوی میں فرانس میں ممتاز دانشوروں کا ایک اجتماع اس غرض سے منعقد ہوا کہ عورت کی اصل پر غور کیا جائے۔ چنانچہ تمام حاضرین میں سخت جھگڑے اور لڑائی کے بعد جمع ہونے والوں نے یہ طے کیا کہ عورت انسان ہے لیکن وہ اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ مرد کی خدمت کرے اور کچھ نہیں۔

ایسے حالات اور وقت میں جبکہ عورت کے ساتھ تمام قوموں میں ایسا ظالمانہ سلوک کیا جاتا تھا اسلام نے اس کو اس کے تمام حقوق عطا کئے اور حفاظت، پاکدامنی، پاکیزگی اور بلند اخلاق کی حدود میں رہ کر اس کو مرد کا ہمدوش بنا دیا اور کہا کہ: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (عورتوں کو ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے ان پر فرائض عائد ہیں۔ سورۂ بقرہ: ۲۲۸) دونوں کو یہ حق عطا کیا کہ علم حاصل کریں اور پڑھیں۔ چنانچہ کہا: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ. (تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔) اور کہا کہ: خَیْرُکُمْ عِنْدَاللّٰهِ خَیْرُکُمْ لِعِیَالِهٖ. (اللہ کے نزدیک تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ اچھا ہے۔) نیز مرد پر فرض قرار دیا کہ وہ بیوی پر اس کے حسب حال خرچ کرے خواہ وہ خود لاکھوں کی مالک ہو اور جب وہ اس کو طلاق دینا چاہے تو اس پر فرض ہے کہ وہ بیوی کا مہر پورے کا پورا خواہ وہ کتنا ہی زیادہ ہو ادا کر دے جیسا کہ اس آیت میں حکم صریح ہے:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّکَانَ زَوْجٍ وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا۝ ”اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو اور ان میں سے ایک کو بہت مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ نہ لینا۔ کیا تم جھوٹا الزام لگا کر یا کھلی نافرمانی کر کے وہ واپس لو گے۔“ (سورۂ نساء: آیت ۲۰)

ایسے قوانین کی بکثرت مثالیں ہیں جو عورت کے حقوق محفوظ کرتے ہیں اور اس کی عزت، شرافت اور پاکدامنی کی نگہداشت ہوتی ہے۔

رہا اسلام میں ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کا مسئلہ تو اسلام تنہا ایسا مذہب نہیں ہے جو ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت دیتا ہے جیسا کہ اسلام کے دشمنوں کا الزام ہے جو ہر طریقے سے اس پر جھوٹ باندھتے رہتے ہیں بلکہ وہ اکیلا مذہب ہے جس نے تزویج کے معاملات کو منظم کر کے بیویوں کی تعداد پر حد قائم کر دی۔ وہ بھی جب ایک سے زیادہ بیوی کی ضرورت کا جواز موجود ہو۔ مثلاً ان کا خرچ برداشت کرنے کی اہلیت، بیویوں کے مابین عدالت قائم رکھنا، پس اگر بے انصافی کا خوف ہو یا خرچ اٹھانے کی قوت نہ ہو اور ان میں سے اوروں کی بہ نسبت کسی ایک کی طرف زیادہ ایسا میلان ہو کہ ان کو تکلیف پہنچتی ہو تو اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے جیسا کہ وہ آیت بتلاتی ہے جو بیویوں کی تعداد قائم کرتی ہے اور پابندیاں اور

شرائط عائد کرتی ہے جو انسان کے لئے نہایت دشوار کر دیتی ہے کہ وہ اس پر صحیح طریقے سے عمل کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ نساء میں فرماتا ہے:

وَاٰتُوا الْيَتَامٰى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا○ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتَامٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا○ ''اور یتیموں کے مال ان کو دیدو اور خبیث شے کو پاک چیز سے نہ بدلو اور نہ تم اپنے مال ان کے مال میں ملا کر کھاؤ کیونکہ یہ بے شک بڑا گناہ ہے اور اگر تم کو خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرسکو گے۔ پس تم عورتوں میں جو تم کو پسند ہوں ان سے دو، تین یا چار سے نکاح کرلو۔ پس اگر تم کو خوف ہو کہ ان میں عدالت نہ کرسکو گے تو ایک ہی سے نکاح کرو یا وہ لونڈیاں رکھو جو تمہاری ملکیت ہوں۔ یہ بات ناانصافی سے بچنے کے لئے زیادہ قریب ہے۔'' (سورۃ نساء: آیت ۲۔۳)

اور آیت نمبر ۱۲۹ میں ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ''اور تم ایسا نہیں کرسکتے کہ اگر چاہو بھی تو عورتوں کے درمیان انصاف کرسکو۔ البتہ ایسا بھی نہ کرو کہ پوری طرح ایک ہی طرف جھک جاؤ اور اس کو لٹکا ہوا چھوڑ دو۔''

اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے کہ لوگوں میں آئے دن لڑائیاں چھڑتی رہتی تھیں اور ان میں بہت قتل ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ یتیم عورتوں کو اور ان کا مال لے لیتے اور ان سے شادیاں کر کے ان کا مال ہڑپ کر جاتے تھے۔ پھر ان کو بے مال اور بے کفیل کے چھوڑ دیتے تھے۔ اللہ نے ان کو اس سے منع کیا اور ان کے لئے یہ جائز قرار دیدیا کہ دو یا تین یا چار تک عورتیں لے لیں لیکن یتیموں کو چھوڑ دیں اگر ان میں انصاف نہ کرسکتے ہوں۔ اللہ نے متعدد آیتوں میں ان پر زور دیا ہے کہ یتیموں کے مال سے دور رہیں۔ پس سورۃ نساء کی ایک آیت میں فرماتا ہے کہ:

وَاٰتُوا الْيَتَامٰى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا○

اور ایسی بہت سی آیتیں ہیں جو یتیموں کے مال میں ایسا تصرف کرنے سے منع کرتی ہیں جس کا فائدہ یتیموں کو نہ پہنچے۔ اسی کے بعد وہ آیت ہے جو انسان کو اجازت دیتی ہے کہ دو، تین یا چار بیویاں کرلے جس سے عورت کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے اور خود اس کی عزت قائم رہتی ہے۔ پھر اللہ فرماتا ہے: فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ یعنی اگر تم کو خوف ہو کہ آزاد عورتوں کے مابین انصاف قائم نہ رکھ سکو گے اور تمہاری مصلحت کا تقاضا ایک سے زیادہ بیوی کا ہو تو تم لونڈیاں رکھو کیونکہ ان کا معاملہ آزاد عورتوں سے زیادہ آسان ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں اور بھی بہت کچھ بیان کیا گیا ہے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ تزویج سے آنحضرتؐ کی غرض فقط جنسی لذت کا حصول نہیں تھا جیسا کہ اکثر لوگ اور کچھ احمق مسلمان خیال کرتے ہیں۔ اس پر اس سے زیادہ بڑی دلیل کوئی نہیں کہ آنحضرتؐ اپنی جوانی میں جو کہ حیات انسانی میں سخت ترین منزل ہوتی ہے تزویج، لذت پسندی اور دنیاوی لطف اندوزیوں سے بالکل دور رہے اور وہ عرب بھی جو آنحضرتؐ کے سخت ترین دشمن تھے، اس قسم کا کوئی اتہام نہیں لگا سکے۔ آپ نے حضرت خدیجہؓ سے اس وقت تزویج فرمائی جب وہ چالیس سال کی تھیں اور وہ پچیس سال سے زیادہ تک آپ کی تنہا بیوی رہیں کہ ان کے علاوہ آنحضرتؐ کسی اور عورت سے متعارف نہیں ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ستاون سال کی عمر میں آنحضرتؐ متعدد عورتوں سے تزویج فرمائی جو بڑی عمروں کی تھیں اور ان میں سے بیشتر کا کوئی کفیل نہ ہوتا تھا۔ آنحضرتؐ پر یہ امر شاق گزرتا تھا کہ وہ بلاوارث و کفیل ہو کر ذلت اور کمتری کی حالت میں رہیں۔ پس آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ ان کو اس آزمائشی حالت اور تنگدستی سے نجات دلا دیں جس میں وہ گرفتار ہوئی تھیں جیسا کہ ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم یہ دعویٰ کریں کہ آپ کی تزویج کا تنہا یہی مقصد ہوتا تھا بلکہ ممکن ہے اس کے اور بھی اسباب ہوں جو اسلام کی بلند مصلحت کا تقاضا ہوں۔

اس پر مستزاد یہ کہ آنحضرتؐ کی خاص حیات طیبہ بیان کرنے والے راویوں کا کہنا ہے کہ آپ کے دن اعلائے کلمۂ حق بلند کرنے اور اسلام کو مستحکم کرنے کے لئے جہاد میں صرف ہوتے تھے اور آپ کی راتیں عبادت اور قرآن کی تلاوت میں صرف ہوتی تھیں جیسا کہ اللہ اپنی کتاب میں آنحضرتؐ کے بارے میں فرماتا ہے کہ:

> يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ○ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلاً○ نِصْفَهُ اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً○ اَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلاً○ ''اے چادر میں لپٹے ہوئے! رات کو قیام کیجئے مگر کم۔ نصف رات یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ۔ اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے۔''

اور پھر اسی سورۂ مزمل کی آیت ۲۰ میں آنحضرتؐ سے مزید کہا:

> اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهُ وَ ثُلُثَهُ وَ طَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ اَن لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ○ ''آپ کا پروردگار جانتا ہے کہ آپ رات کی دو تہائیوں سے کچھ کم اور اس کے نصف یا اس کے ایک تہائی تک نماز میں کھڑے رہتے ہیں اور اسی طرح آپ کے ساتھ والوں کی ایک جماعت بھی اور اللہ رات اور دن معین کرتا ہے۔ اللہ یہ بھی جانتا ہے کہ آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ پس وہ آپ پر آسانی کئے دیتا ہے۔''

اگر ہم اس لحاظ سے غور کریں تو اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ آنحضرتؐ جسمانی لذتوں سے روگرداں رہ کر روحانی جانب متوجہ رہتے تھے جس کا مقابلہ دنیاوی لطف اندوزیوں اور لذتوں میں سے کوئی چیز نہیں کر سکتی۔ خاص کر ان افراد کے عندیہ میں جو اللہ کی معرفت رکھتے ہیں اور ان کے سامنے سے پردے ہٹ کر ان کو اس فوری جزا اور دائمی نعمت کا یقین ہو جاتا ہے جو اللہ سے ملنے والی ہے، جیسے صاحب ہدایت انبیاء و مرسلین اور لائق عظمت ائمۂ طاہرین علیہم السلام۔

—۱۴—

غزوۂ بنی مصطلق

بیشتر مؤرخین اور سیرت نگاروں نے اس غزوہ کا ذکر ۶ ھ ہجری کے ٹھیک ساتویں مہینے کے حالات میں کیا ہے۔ ابن ہشام نے اپنی ''سیرت'' میں، ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اور طبری وغیرہ نے بھی یہی خیال اختیار کیا ہے۔ البتہ ابن سعد نے اپنی ''طبقات'' میں اس کو پانچویں سال کے واقعات میں بیان کیا ہے اور انہی کی تائید ابوالفدا نے اپنی تاریخ میں کی ہے۔ بعض محدثین نے اسی قول کو ترجیح دی ہے جیسے کہ زرقانی نے سیرت ابن ہشام پر اپنے ضمیمے میں۔ یہ لوگ اپنے خیال کی تائید میں لکھتے ہیں کہ افک کا واقعہ مسلمانوں کے اس غزوہ سے واپسی کے بعد ہوا ہے اور اس خاص معاملے میں دونوں سعد یعنی سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کے درمیان جھگڑا ہوا تھا اور یہ معلوم ہے کہ سعد بن معاذ کی وفات بنی قریظہ کے قتل کا محاکمہ کرنے کے بعد ہوئی تھی جیسا کہ سیرت کی تمام کتابیں متفق ہیں اور یہ ہجرت کے پانچویں سال کے واقعات میں سے ایک ہے۔ پس اگر یہ غزوہ چھٹے سال میں ہوتا تو حدیث افک کے بارے میں جو کچھ سعد بن معاذ کے متعلق بیان کیا گیا ہے اس کا کوئی وجود باقی نہیں رہتا کیونکہ اس صورت میں ان کی وفات تو غزوۂ بنی مصطلق سے پہلے ہوگئی ہوتی جبکہ حدیث افک کا واقعہ اس کے بعد ہی کا ہے۔

بہرحال جس کسی نے اس کا ذکر چھٹے سال کے واقعات میں کیا ہے اس کے بیان میں شک پایا جاتا ہے کیونکہ ان سب نے اپنے بیان کے بعد یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ''یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ پانچویں سال کے واقعات میں سے ہے۔''

مختصر یہ کہ سیرت کی کتابوں میں واقدی اور ابن سعد کی حدیث سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ حارث بن ابی ضرار نے اپنی قوم اور ان کے عرب پڑوسیوں کو مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے تیار کیا۔ جب ان کی خبر رسول اللہؐ کو پہنچی تو آنحضرتؐ نے بریدہ بن حصیب کو ان کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ بریدہ نے آنحضرتؐ سے اجازت طلب کی کہ اس مہم میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے وہ جو چاہیں کہیں؟ رسول اکرمؐ نے ان کو اجازت دیدی۔ چنانچہ بریدہ ان کے پاس گئے اور جب اس مقام پر پہنچے جہاں وہ لوگ جمع ہوئے تھے تو ان لوگوں نے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اس پر وہ بولے کہ میں تم ہی

میں کا ایک فرد ہوں، تمہارے پاس آیا ہوں کیونکہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تم سامان اکٹھا کر رہے ہو اور اس ''شخص'' پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہو۔ ان کی مراد رسول اکرمؐ تھے۔ اگر یہ صحیح ہے تو میں اور میری قوم کے وہ لوگ جو میری اطاعت میں ہیں تمہارے ساتھ ہیں تاکہ ہم سب مل کر دست واحد بن جائیں اور ان لوگوں کا صفایا کردیں۔

اس پر حارث خوش ہوگیا اور اس نے اپنی قوم کے ان افراد کو جو اس کے ساتھ تھے، جلد اپنے پاس آنے کا حکم دیدیا۔ تب انہوں نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں واپس آ کر آنحضرتؐ کو ان لوگوں کے حالات سے آگاہ کردیا۔ اس پر رسول اللہؐ نے جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے، شعبان کی دو راتیں گزر جانے پر لوگوں کو اپنے پاس طلب فرمایا۔ چنانچہ لوگوں نے لبیک کہا اور اس غزوہ کے لئے آنحضرتؐ کے ساتھ منافقوں کی ایک جماعت بھی مال غنیمت کے لالچ میں برآمد ہوئی۔ رسول اکرمؐ اپنے ساتھ والوں کو لے کر روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک چشمہ پر وارد ہوئے جس کو مریسیع کہتے تھے۔ وہ لوگ وہیں اکٹھا ہوئے تھے۔ نبی اکرمؐ نے اس غزوہ میں مہاجرین کا علم عمار بن یاسرؓ کو دیا اور انصار کا علم سعد بن عبادہ کو دیا۔ آنحضرتؐ کی ملاقات مشرکین کے ایک جاسوس سے ہوگئی جسے حارث نے رسول اکرمؐ کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ نبی اکرمؐ نے اس کے سامنے اسلام قبول کرنے کی پیشکش کی لیکن اس نے انکار کردیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے اس کے قتل کا حکم دیدیا۔ اب فریقین کے افراد ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے اور جنگ پوری شدت سے ہونے لگی۔ ان کے دس آدمی قتل ہوگئے اور باقی مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوگئے۔ مسلمانوں میں سے کوئی قتل نہیں ہوا سوائے ایک شخص کے جس کو مسلمانوں ہی میں سے کسی نے غلطی سے قتل کردیا۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ امام علیؑ نے بنی مطلق کے دو افراد کو قتل کیا۔ نبی اکرمؐ نے ان سب کو ان کی عورتوں سمیت قیدی بنالیا اور ان کے مویشیوں اور مال و متاع پر قبضہ کرلیا۔ جن میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں تھیں۔ قیدیوں میں دو سو عورتیں تھیں جن میں جویریہ بنت حارث بھی تھیں۔ جب رسول اللہؐ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو جویریہ ثابت بن قیس شماس کے حصے میں آئیں اور یہ اپنی قوم بڑی میں صاحب عزت تھیں۔

ابن ہشام اپنی ''سیرت'' میں، ابن کثیر ابن تاریخ میں اور دوسرے افراد کہتے ہیں کہ ان خاتون نے اپنا فدیہ دینے کے لئے لکھا اور فدیہ کے لئے مدد حاصل کرنے کی غرض سے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ایک گروہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے جویریہ کو اپنے کمرے کے دروازے پر دیکھا تو مجھ کو وہ بری لگیں اور میں سمجھ گئی کہ رسول اللہؐ بھی ان کے جمال کو ویسا ہی دیکھیں گے جیسا میں نے دیکھا ہے۔ چنانچہ وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں گئیں اور بولیں کہ یارسول اللہؐ! میں جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار ہوں جو اپنی قوم کے سردار ہیں۔ مجھ پر جو آزمائش پڑی ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں ثابت بن قیس بن شماس کے حصے میں پڑی ہوں اور میں آپ کی خدمت میں اپنی آزادی کے لئے مدد طلب کرنے آئی ہوں۔ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ تمہارے لئے تو اس سے بہتر چیز ہوسکتی ہے۔ وہ بولیں کہ یارسول اللہؐ! وہ کیا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرف سے تمہاری آزادی کے لئے فدیہ ادا

کئے دیتا ہوں اور تم سے تزویج کئے لیتا ہوں۔ وہ اس پر خوش ہوگئیں اور بعض روایتوں کے مطابق ان کے آزاد ہو جانے کے بعد آنحضرتؐ کی ان سے تزویج انجام پا گئی۔

مسلمانوں کو رسول اللہؐ سے ان کی تزویج کی خبر ملی تو انہوں نے ان سب قیدیوں کو جو اب تک ان کے قبضے میں تھے، راویوں کے بیان کے مطابق فدیہ لئے بغیر آزاد کردیا۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ کوئی عورت اپنی قوم کے لئے ان خاتون سے زیادہ باعث برکت نہیں ہوئیں کیونکہ وہ ان سب کے اسلام قبول کرنے اور آزاد کئے جانے کا سبب بن گئیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے باپ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں آکر ان کو آپ سے طلب کیا اور آپ نے ان کو واپس دیدیا اور پھر ان سے تزویج فرمائی۔ اس کے علاوہ بھی روایت کیا گیا ہے۔

اس غزوہ میں مسلمانوں کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی اور خود ان کو ایک مقتول کے علاوہ کچھ دینا نہیں پڑا اور اس مقتول کو بھی ایک مسلمان ہی نے غلطی سے قتل کردیا تھا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ نہ کوئی ایسا واقعہ بیان کیا جاتا ہے جو مسلمانوں کے صاف معاملے میں پریشان کن نظر آئے، سوائے اس واقعے کے جو سیرت کی کتابوں میں آیا ہے۔ یعنی کہ حضرت عمر بن خطاب کا ایک نوکر مریسیع پر پانی لے رہا تھا، انصار میں سے بنی عوف کے ایک غلام سے جھگڑ پڑا اور قریب تھا کہ دونوں لڑنے لگیں۔ اس پر حضرت عمر بن خطاب کے غلام نے مہاجرین کو مدد کے لئے پکارا اور بنی عوف کے غلام نے انصار کو پکارا۔ چنانچہ دونوں فریق جمع ہوگئے اور قریب تھا کہ دونوں کے مابین فساد ہو جائے۔

اس حادثے سے عبداللہ بن اُبَی بن سلول نے فائدہ اٹھایا جو منافقوں کے ایک گروہ میں تھا۔ انہی میں زید بن ارقم بھی تھے۔ جو ابھی نوخیز لڑکے ہی تھے۔ عبداللہ بن اُبَی بن سلول نے کہا کہ یہ لوگ ہمارے ہی ملک میں ہمارے اوپر حاوی ہوگئے۔ قسم بخدا ذرا ہم مدینہ واپس ہو جائیں تب وہاں سے جو معزز ہے وہ ذلیل کو نکال باہر کرے گا اور پھر وہ اپنے لوگوں میں جا کر ان کو ورغلانے اور رسول اللہؐ اور آپ کے اصحاب کے خلاف بھڑکانے لگا۔ اس پر زید بن ارقم نے جو کچھ عبداللہ بن اُبَی بن سلول سے سنا تھا رسول اللہؐ کو باخبر کردیا۔ حضرت عمر بھی رسول اکرمؐ کی خدمت میں موجود تھے انہوں نے آنحضرتؐ سے عبداللہ بن اُبَی بن سلول کے قتل کرنے کو کہا لیکن رسول اللہؐ نے یہ بات نہیں مانی اور فرمایا کہ اے عمر کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ کہا کریں کہ محمدؐ نے اپنے اصحاب کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے کوچ کا حکم فرمایا حالانکہ یہ وقت ایسا تھا کہ اگر یہ واقعہ نہ ہوا ہوتا تو کوچ نہ کیا جاتا۔ آنحضرتؐ لوگوں کے ساتھ رات بھر اور دوسرے دن کے کچھ حصے تک چلتے رہے یہاں تک کہ آفتاب سے ان کو تکلیف ہونے لگی اور ان کے لئے چلنا ناممکن ہوگیا تو نبی اکرمؐ نے سفر روک دیا۔ جب لوگوں نے آرام کرلیا تو آنحضرتؐ مدینہ کی جانب پھر روانہ ہوگئے۔ تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ سورۂ منافقون اسی وقت نازل ہوئی۔

عبداللہ بن اُبَی بن سلول نے اپنے باپ کی گفتگو کے بارے میں سنا تو اس سے بیزاری کا اظہار کیا اور نبی اکرمؐ کی خدمت میں آکر کہنے لگا کہ یارسول اللہؐ! بے شک آپ باعزت ہیں اور وہ ذلیل ہے، اگر آپ پسند فرمائیں تو میں اس کو مدینہ سے باہر نکال دوں۔ اس کے بعد اس نے اپنے باپ کو مدینہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور اس سے کہا کہ جب

تک رسول اللہؐ اجازت نہ دیں گے آپ شہر میں داخل نہیں ہوسکتے۔ تب رسول اللہؐ نے اس کو اجازت مرحمت فرمادی اور وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ پھر اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا کہ یارسول اللہؐ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ آپ میرے باپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ آپ اس کو قتل کرنے کے لئے کسی اور کو حکم دیں گے جس پر میرا دل اس سے بدلہ لینے پر مجھے برانگیختہ کرے گا اور اگر میں نے اس کے قاتل کو قتل کردیا تو یہ ایک مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل کرنا ہوگا۔ آپ مجھے ہی حکم فرمایئے قسم بخدا! میں تیار ہوں کہ اس کا سر آپ کی خدمت میں لے آؤں۔ رسول اکرمؐ نے اس کے لئے دعائے خیر فرمائی اور اس سے فرمایا کہ تمہارے باپ کو کبھی کوئی گزند نہیں پہنچے گی اور جب تک وہ ہمارے درمیان رہے گا ہم اس کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہیں گے۔

بعض روایات میں ہے کہ کچھ لوگوں نے عبداللہ بن اُبَی بن سلول سے کہا کہ رسول اللہؐ کی خدمت میں جا کر گزارش کرو کہ آنحضرتؐ تمہارے لئے دعائے مغفرت فرمائیں اس پر اس نے حقارت آمیز طریقے سے اپنا سر اونچا کر کے ہلایا۔ جس پر سورۂ منافقون کی یہ آیات نازل ہوئیں:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ○ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ○ ''جب ان سے کہا گیا کہ جاؤ تاکہ رسول اللہؐ تمہارے لئے استغفار فرمائیں تو انہوں نے حقارتاً اپنے سر ہلا دیئے اور تم نے دیکھ لیا کہ وہ اللہ کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اور بڑے بنتے ہیں۔ ان کے لئے یہ ایک سا ہے کہ آپ ان کے لئے طلب مغفرت کریں یا نہ کریں۔ اللہ ہرگز ان کو نہ بخشے گا۔ بیشک اللہ بدکار لوگوں کو ہدایت سے سرفراز نہیں کرتا ہے۔'' (آیت ۵۔۶)

سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ جب نبی اکرمؐ نے بنی مصطلق کے افراد کو قیدی بنانے کے بعد ان کے سردار کی بیٹی جویریہ سے تزویج فرمائی اور مسلمانوں نے ان کے احترام میں اپنے اپنے قبضے میں آئے ہوئے قیدیوں کو آزاد کردیا تو ان کے سردار حارث نے اسلام قبول کرلیا اور ان لوگوں میں اسلام پھیلنے لگا۔ تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ ان لوگوں کے اسلام لے آنے کے دو سال بعد نبی اکرمؐ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو ان سے صدقات لانے کے لئے بھیجا۔ وہ لوگ ان سے ملاقات کے لئے نکلے تو ولید کو اپنی جان کا خوف ہوا اور اس نے رسول اللہؐ کی خدمت میں واپس آ کر بتلایا کہ ان لوگوں نے تو ہمیں قتل کرنے کا ارادہ کرلیا تھا اور انہوں نے صدقات دینے سے بھی انکار کردیا ہے۔ اس پر مسلمانوں میں ان لوگوں کے متعلق باتیں ہوتی رہیں اور لوگوں نے نبی اکرمؐ کو ان سے دوبارہ جنگ کرنے کا مشورہ دیا اور آنحضرتؐ سے اصرار کرتے رہے۔ یہ لوگ ان پر حملہ کرنے کی باتیں کر ہی رہے تھے کہ ان کا ایک وفد مدینہ آ گیا تاکہ نبی اکرمؐ کو واقعہ کی حقیقت سے آگاہ کردے۔ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ وہ برابر اسلام پر قائم ہیں اور یہ کہ وہ لوگ تو ان کے استقبال کے لئے نکلے تھے نہ کہ ان کو قتل کرنے کے لئے جیسا کہ ولید بن عقبہ نے آ کر بیان کیا۔

اس وقت سورۂ حجرات کی یہ آیت نازل ہوئی تا کہ نبی اکرمؐ کے لئے ان کے کہنے کی تصدیق ہو جائے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنْ جَآئَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ○ وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ

''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی بدکار کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی چھان بین کرلو مبادا تم نادانی سے کسی قوم سے مقابلہ کر بیٹھو اور اپنے کئے پر پشیمانی اٹھاؤ اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کا رسولؐ موجود ہے۔ اگر وہ بیشتر معاملوں میں تمہاری اطاعت کرے گا تو تم تباہ ہو جاؤ گے۔''

مجمع البیان کی پانچویں جلد میں اس آیت کے نزول کے متعلق مذکورۂ بالا قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس نے رسول اللہؐ سے کہا تھا کہ ام ابراہیم حضرت ماریہؓ کے پاس ان کا چچازاد بھائی قبطی آتا رہتا ہے۔ اس پر رسول اللہؐ نے امام علیؑ کو بلا کر ان سے فرمایا کہ میرے بھائی یہ تلوار لے کر جاؤ اور اگر تم اس کو ان کے پاس پاؤ تو اس کو قتل کر ڈالو۔ اس پر امام علیؑ نے کہا کہ یارسول اللہؐ! جب آپ مجھ کو کسی امر کا حکم دیتے ہیں تو میں گرم کی ہوئی کیل کی مانند اس میں منہمک ہو جاتا ہوں۔ کیا دیکھنے والے کو اجازت ہے کہ وہ اس چیز کو دیکھے جو غیر موجود شخص نہیں دیکھ سکتا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہاں دیکھنے والے کو وہ دیکھ لینا چاہئے جو غیر موجود نہیں دیکھتا۔

امام علیؑ فرماتے ہیں کہ پس میں تلوار بلند کئے ہوئے گیا اور میں نے اس شخص کو ان خاتون کے پاس پایا۔ جونہی میں نے تلوار کو نیام سے نکالا وہ سمجھ گیا کہ میرا نشانہ وہی ہے، وہ کھجور کے ایک درخت پر چڑھ گیا، پھر اس نے اپنے تئیں اس پر سے گرا کر اپنے پیر اوپر اٹھا دیئے تو وہ مردمی علامتؑ سے بالکل محروم تھا یعنی اس کے اعضاء مردمی تھے ہی نہیں۔ پس میں نے واپس آ کر نبی اکرمؐ کو بتلا دیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حمد ہے اس اللہ کے لئے جس نے ہم اہلبیتؑ سے برائی کو دور رکھا اور یہی آیت نازل ہوئی۔[1]

حدیث افک

اسی غزوہ سے واپسی کے دوران لوگوں میں حضرت عائشہؓ کے متعلق ایسی چہ میگوئیاں ہوئیں جن سے ان کا مرتبہ گھٹتا اور ان کی شہرت پر دھبہ لگتا تھا۔ چنانچہ منافقوں نے جن میں عبداللہ بن اُبَی بن سلول پیش پیش تھا اس سے خوب فائدہ اٹھایا اور جو چہ میگوئیاں لوگوں میں ہوئی تھیں ان کا خوب چرچا کیا تا کہ نبی اکرمؐ کو رنج ہو اور مسلمانوں میں فتنہ پیدا ہو جائے۔

واپسی میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ جو کچھ ہوا اور جو خود انہوں نے روایت کیا اور جس کو انہی سے لے کر محدثین

۱۔ حضرت عائشہؓ نے نبی اکرمؐ سے کہا تھا کہ آپ کے فرزند ابراہیم کی صورت آپ سے نہیں ملتی اور غالباً انہوں ہی نے نبی اکرمؐ سے یہ بھی کہا تھا کہ ماریہؓ قبطیہ کے پاس ان کے ابن عم جو قبطی ہیں آتے جاتے رہتے ہیں اور ان خاتون کو ان سے متہم کیا تھا جس کے نتیجے میں نبی اکرمؐ نے امام علیؑ کو ان کی تلاش میں بھیجا تھا اور وہ واقعہ رونما ہوا جس کا بیان ہم نے کیا۔

نے احادیث کے مجموعوں، تفسیر اور تاریخ میں شامل کیا اس کا سلسلہ تمام راوی انہی تک پہنچاتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ راوی ان سے بیان کرتے ہیں کہ جب کبھی رسول اللہؐ سفر کا ارادہ فرماتے تو بیویوں کے بارے میں قرعہ اندازی فرماتے اور جس کا نام نکلتا اسی کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر آنحضرتؐ نے بیویوں کے لئے قرعہ ڈالا تو میرا نام نکلا چنانچہ رسول اللہؐ نے مجھ کو اپنے ساتھ لے لیا۔ میں دبلی پتلی اور ہلکی پھلکی تھی۔ آنحضرتؐ اپنی ان بیوی کے لئے جو آپ کے ساتھ چلتیں ایک ہودج مہیا فرماتے تھے۔ جب لوگ عزم سفر کرتے تو اس اونٹ کو جس پر ہودج ہوتا تھا نبی اکرمؐ کے خیمے کے دروازے پر لے آتے تھے۔ پھر لوگ ہٹ جاتے اور میں ہودج میں داخل ہو جاتی۔ پھر لوگ اس کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے اور رسیوں سے باندھ دیتے تھے۔ چنانچہ اس غزوہ میں، میں نبی اکرمؐ کے ساتھ گئی۔ جب آنحضرتؐ اپنے اس غزوہ سے فارغ ہوکر مدینہ واپس روانہ ہوئے تو ایک دن اور ایک رات اور دوسرے دن کے کچھ حصے تک برابر چلتے رہے۔ تب ایک منزل پر رات بسر فرما کر پھر لوگوں کو چلنے کا حکم دیا۔

سیرت کی کتابوں میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جس وقت آنحضرتؐ نے روانگی کا حکم فرمایا وہ رفع حاجت کے لئے نبی اکرمؐ کے خیمے سے باہر گئی ہوئی تھیں اور ہودج درِخیمہ پر سوار ہونے کے لئے رکھا ہوا تھا۔ ان کی گردن میں ایک ہار تھا جو نکل گیا جبکہ وہ رفع حاجت میں مصروف تھیں اور اس کو محسوس نہ کر پائیں۔ جب وہ سواری کے پاس واپس پہنچیں تب ان کو معلوم ہوا کہ ہار گر گیا ہے۔ تب وہ جہاں سے گئی تھیں واپس پلٹیں اور جیسا کہ روایت میں ہے کہ وہ دیر تک اس کو ڈھونڈتی رہیں یہاں تک کہ تھکان نے ان کو ہلکان کردیا۔ اس مدت میں لوگ یہ سمجھے کہ وہ اپنے ہودج میں داخل ہوچکی ہیں اور انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اس کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور اس کو لے کر روانہ ہو گئے کیونکہ ان لوگوں کو ان کے ہودج میں نہ ہونے کا شک بھی نہیں تھا۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ پھر میں اس جگہ واپس گئی جہاں وہ لوگ تھے لیکن میں نے کسی کو نہ پایا اور میں نے خیال کیا کہ لوگ میری کیفیت سے واقف ہیں اور جلد ہی مجھ کو تلاش کرنے آئیں گے۔ اس لئے میں نے طے کیا کہ وہیں ٹھہری رہوں اور پیدل نہ چل پڑوں کیونکہ وہ لوگ وہاں سے بہت دور نکل گئے تھے۔ پس میں نے نقاب اوڑھ لی اور ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔

اس دوران جب میں لوگوں کی واپسی کی منتظر تھی صفوان بن معطل سلمی جو اپنی ضرورت کے باعث پیچھے رہ گیا تھا اور لوگوں کے پیچھے چل رہا تھا آ پہنچا۔ اس نے مجھ کو دیکھ لیا وہ مجھ کو اس وقت سے پہلے سے پہچانتا تھا جب آنحضرتؐ کی بیویوں کو پردہ کرنے کا حکم ہوا تھا۔ اس نے مجھ کو دیکھا تو میری طرف بڑھ کر بولا کہ یہ رسول اللہؐ کی سواری ہے اور مجھ سے پیچھے چھوٹ جانے کا سبب دریافت کیا۔ میں نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا۔ تب وہ اپنے اونٹ پر سے اترا اور اس کو میرے لئے خالی کر کے خود ایک طرف کو ہٹ گیا اور مجھ سے بولا کہ سوار ہو جائیے۔ میں اونٹ پر سوار ہوگئی تو وہ اس کو لے کر اس امید میں تیز تیز چلا کہ مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ان سے جا ملے لیکن وہ ان سے مل نہیں سکا کیونکہ وہ لوگ خود تیز رفتاری

سے چل رہے تھے تاکہ مدینہ پہنچ کر ہی آرام کریں۔ چنانچہ وہ مدینہ میں داخل ہوگئے اور جب تک انہوں نے اپنا سامان نہیں اتارا میرے نہ ہونے کا احساس نہیں کیا۔

صفوان مدینہ میں دن چڑھے داخل ہوا جبکہ میں اس کے اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے مجھ کو اتار دیا اور میں اپنے مکان کے اندر چلی گئی۔ مجھ کو خیال بھی نہیں تھا کہ کوئی میرے اور صفوان سلمی کے بارے میں برا خیال رکھتا ہے۔

راوی ان سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے بارے میں خیالات پھیلتے رہے اور لوگ سرگوشیاں کرتے رہے لیکن ان کو کوئی خبر نہ تھی کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ آخر لوگوں کی باتیں رسول اللہؐ اور ان کے والدین حضرت ابوبکر اور ام رومان زینب بنت عبد دھمان تک پہنچ گئیں۔

واپسی کے بعد وہ کچھ بیمار ہوگئیں اور انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے ساتھ رسول اللہؐ کا طرز عمل ناپسندیدہ ہے اور وہ عدم توجہ کا شکار ہیں۔ اس کے باوجود ان کو یہ علم نہ ہوا کہ کیا کہا جارہا ہے اور لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں؟

ان کی روایات مزید بتلاتی ہیں کہ رسول اللہؐ میرے پاس آئے تو میری ماں میری تیمارداری کر رہی تھیں۔ آنحضرتؐ نے اس سے زیادہ کچھ نہ کہا کہ تم لوگ کیسے ہو؟ حالانکہ اس سے قبل آنحضرتؐ میرا خاص خیال فرماتے تھے اور مہربانی کرتے تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کا یہ طرز عمل دیکھ کر میں کچھ سمجھ نہ سکی کیونکہ اس کا سبب مجھ کو معلوم نہیں تھا۔ تب میری ماں نے آنحضرتؐ سے اجازت طلب کی کہ مجھ کو اپنے گھر لے جائیں تاکہ میری تیمارداری کرسکیں۔ آنحضرتؐ نے ان کو اجازت دیدی اور میں ان کے ساتھ چلی گئی حالانکہ میرے دل میں اس ناقابل تصور سخت طرز عمل کی دہشت قائم تھی۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی ماں کے گھر بیس سے زیادہ دن تک مریض رہیں یہاں تک کہ شفایاب ہوگئیں۔ البتہ ان کو کچھ معلوم نہ تھا کہ ان کے چاروں طرف کیا ہو رہا ہے اور وہ یہ سمجھیں کہ جویریہؓ بنت حارث جن سے آنحضرتؐ کی تزویج اسی زمانے میں ہوئی تھی اور وہ زیبا اور خوبرو بھی تھیں، انہوں نے نبی اکرمؐ کے دل میں اپنی جگہ بنالی ہے۔

سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ عبداللہ بن اُبَی بن سلول نے اس واقعے سے فائدہ اٹھایا اور اسے ایسا موقع مل گیا جس سے وہ نبی اکرمؐ سے اپنے معاندانہ جذبے کی تشفی کرسکتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس کو شہرت دینا شروع کردی تاکہ فتنہ پیدا ہو اور نبی اکرمؐ کو تکلیف پہنچے۔ اس معاملے میں حسان بن ثابت، زینب بنت جحش کی حقیقی بہن حمنہ اور عوف عرف مسطح اس کی مدد کرتے رہے۔ زینبؓ نبی اکرمؐ کی تزویج میں تازہ وارد تھیں اور اپنی خوبروئی اور قرابت کے باوجود آنحضرتؐ کے دل میں حضرت عائشہؓ کی سی حیثیت حاصل نہ کرپائی تھیں اور حمنہ، حضرت عائشہؓ کی خبریں امام علیؑ کو پہنچاتی رہتی تھیں اور حضرت عائشہؓ کے خیال کے مطابق وہ اس کی بات سن لیا کرتے تھے۔

کتب سیرت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ ان کے بارے میں لوگوں کے درمیان باتیں ہونے پر رسول اللہؐ نے کچھ لوگوں سے مشورہ فرمایا جن میں اسامہ بن زیدؓ اور علی ابن ابی طالبؑ بھی تھے۔ اسامہؓ نے ان کی خوب تعریف کی اور رسول اللہؐ کے سامنے ان تمام معاملات سے ان کے بری ہونے پر اصرار کیا جو اُن سے منسوب کئے

جا رہے تھے۔ البتہ خود حضرت عائشہؓ کے خیال کے مطابق امام علیؑ ابن ابی طالبؑ نے کہا کہ یارسول اللہؐ! عورتیں بہت موجود ہیں اور آپ اس پر قدرت رکھتے ہیں کہ ان کی جگہ دوسری کو دیدیں۔

حضرت عائشہؓ کی روایت میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ نے رسول اللہؐ سے کہا کہ کنیز سے دریافت فرمالیجئے وہ آپ کو سچ سچ بتادے گی۔ پس رسول اللہؐ نے بریرہ کو بلایا تاکہ اس سے دریافت کریں تو امام علیؑ نے کھڑے ہوکر اس کو زور سے مارا اور کہا کہ رسول اللہؐ کے سامنے سچ سچ بتادو۔ اس پر اس نے کہا کہ میں ان کے بارے میں اچھائی کے علاوہ کچھ نہیں جانتی اور میں ان پر کوئی عیب نہیں لگاتی سوائے اس کے کہ میں آٹا گوندھتی اور ان کو بلاتی کہ اس کو سنبھال کر رکھ لیں لیکن وہ سوجاتیں اور بکری آکر اس کو چٹ کرجاتی۔

اس بارے میں کہ اس قصے کی خبر حضرت عائشہؓ تک کیسے پہنچی، سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ یہ ان تک ایک عورت کے ذریعے پہنچی جو مہاجرین میں سے تھی اور ام مسطح کہلاتی تھی۔ وہ ایک رات میں اس کے ساتھ رفع حاجت کے لئے نکلی تھیں۔ جب وہ ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں تو دیکھتی کیا ہیں کہ وہ اپنی چادر میں کانپ رہی تھی۔ وہ بولی کہ مسطح پر وائے ہو۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ تم نے مہاجرین میں سے ایک ایسے شخص کو برا کہا جو رسول اللہؐ کے ساتھ جنگ بدر میں شریک تھا۔ تب اس نے کہا کہ اے بنت ابوبکر! کیا آپ کو وہ خبر نہیں ملی ہے اور پھر اس نے جو کچھ ہوا تھا اس سے ان کو آگاہ کیا۔ جب ان کو یہ سب کچھ معلوم ہوا تو انہوں نے ایسا محسوس کیا گویا آسمان ان پر پھٹ پڑا ہے اور ان کا دل ٹوٹا جارہا ہے۔ وہ اپنی ماں کے پاس چلی گئیں کیونکہ وہ غم اور پریشانی سے نڈھال ہورہی تھیں۔ چنانچہ ایسی حالت میں کہ آنسو ان کے گلوگیر ہورہے تھے، انہوں نے اپنی ماں سے کہا کہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کے متعلق تم جو چاہے کہو لیکن تم اس معاملے کی کسی چیز کا ذکر مجھ سے نہ کرنا۔ پس ان کی ماں نے ان کی کیفیت کو ہلکا کرنے اور اس چرچے کے اثر کو کم کرنے کی کوشش کی اور بولیں کہ اے بیٹی! جو کچھ کہا گیا ہے اس کا دل پر اثر نہ لو اور جان رکھو کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ تم ایسی خوبرو عورت کسی مرد کے پاس ہو اور وہ اس کے دل میں ایسی جگہ کرلے جیسی تم نے کرلی ہے اور اس کی ضروریات بھی ہوں اور پھر دوسری عورتیں اس کے متعلق چہ میگوئیاں نہ کریں اور حسد کی وجہ سے اس کو بدنام کرنے کی کوشش نہ کریں۔ لیکن حضرت عائشہؓ اس سے متاثر نہیں ہوئیں اور ان کو یقین ہوگیا کہ جو کچھ کہا گیا ہے نبی اکرمؐ اس سے متاثر ہوگئے ہیں۔ خاص کر اس وجہ سے کہ وہ دیکھ رہی تھیں کہ آنحضرتؐ ان کی طرف سے بدل گئے تھے اور ان کو آنحضرتؐ کی طرف سے ایسی بے رخی محسوس ہورہی تھی جو آنحضرتؐ کی طرف سے پوری ازدواجی زندگی کے دوران انہیں محسوس نہیں ہوئی تھی لیکن جو کچھ بھی کہا جارہا تھا وہ کچھ کر نہ سکتی تھیں۔ چنانچہ لوگ خوب خوب کہتے رہے اور منافق اس کا چرچا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ رسول اللہؐ کو برا لگا اور آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو خطاب کیا جس کے دوران آپ نے فرمایا کہ:

''اے لوگو! یہ کیا بات ہے کہ لوگ میرے گھر والوں کے بارے میں مجھ کو رنج پہنچا رہے ہیں اور ان کے متعلق جھوٹی باتیں کہہ رہے ہیں؟ اللہ کی قسم مجھے ان کے متعلق بھلائی کے علاوہ کچھ علم

نہیں اور میں اس شخص کے بارے میں بھی کوئی برائی نہیں جانتا ہوں۔ وہ کبھی میرے کسی گھر میں داخل نہیں ہوا سوائے اس کے کہ میں اس کے ساتھ رہا ہوں۔"

جب نبی اکرمؐ اس موضوع پر اپنی گفتگو ختم کر چکے تو اسید بن جعفر اور ایک قول کے مطابق سعد بن معاذ نے کھڑے ہو کر کہا کہ یارسول اللہؐ! اگر وہ لوگ جو اس قصے کا چرچا کر رہے ہیں اوس سے ہیں تو ہم ان سے نمٹ لیں گے اور اگر وہ ہمارے بھائی خزرج سے ہیں تو آپ ان کے متعلق ہم کو حکم فرمایئے۔ ان کے اس کہنے نے خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو برانگیختہ کر دیا اور وہ بولے کہ قسم بخدا! تم نے ایسا صرف اس لئے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ وہ لوگ خزرجی ہیں۔ اگر وہ تمہاری قوم سے ہوتے تو تم ایسا نہ کہتے۔ قریب تھا کہ اگر رسول اللہؐ ان کو خاموش رہنے کا حکم دے کر نظرانداز نہ کر دیتے تو ان لوگوں میں جھگڑا ہو جاتا۔

آنحضرتؐ اپنی زوجہ کے پاس تشریف لائے۔ ان کے باپ اور انصار کی ایک عورت آپ کے ساتھ تھی۔ وہ رو رہی تھیں اور ان کے ساتھ وہ عورت بھی رو رہی تھی۔ آنحضرتؐ کو دیکھ کر انہوں نے اپنے آنسو روک لئے لیکن آنحضرتؐ سے کوئی بات نہیں کی۔ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ اے عائشہؓ! جو کچھ لوگ کہہ رہے ہیں وہ تم کو معلوم ہو گیا۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور اگر تم کو برائی کا اندیشہ تھا جیسا کہ لوگ کہہ رہے ہیں تو اللہ سے توبہ کرو کیونکہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔ حضرت عائشہؓ اس انتظار میں رہیں کہ ان کے باپ اور ماں رسول اللہؐ کو جواب دیں لیکن وہ دونوں خاموش رہے اور ایک لفظ بھی نہ بولے۔ تب وہ ان کی طرف متوجہ ہوئیں جبکہ ان کے سینے پر غم چھایا ہوا تھا اور ان دونوں سے کہنے لگیں کہ کیا آپ دونوں جواب نہ دیں گے؟ تب وہ دونوں بولے کہ قسم بخدا! ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا جواب دیں اور پھر گھمبیر خاموشی اختیار کر لی۔ اس وقت حضرت عائشہؓ رسول اللہؐ کی طرف متوجہ ہوئیں جبکہ ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور کہا کہ قسم بخدا! میں ہرگز اس سے توبہ نہ کروں گی جس کا ذکر آپ نے کیا ہے کیونکہ میں بے خطا ہوں اور میں اس امر سے کیسے توبہ کروں جو واقع ہی نہیں ہوا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر بولیں کہ میں یہ نہیں چاہتی کہ آپ لوگ میری تصدیق کریں، بس میں تو وہی کہتی ہوں جو حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ میں اچھے صبر پر قائم ہوں اور لوگوں کے کہنے کے بارے میں اللہ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے۔

راویوں نے ان سے روایت کی ہے اور ہشام نے اپنی سیرت میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے مزید بیان کیا کہ مجھے امید تھی کہ رسول اللہؐ خواب میں ایسی چیز دیکھیں گے جو لوگوں کی باتوں کو غلط ثابت کر دے گی اور میں اپنے آپ کو اس سے کمتر سمجھتی تھی کہ مجھ کو اس تہمت سے بری ثابت کرنے کے لئے میرے بارے میں کچھ قرآن میں نازل ہوگا۔ پس قسم بخدا! کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ رسول اللہؐ پر اللہ کی جانب سے وہ غشی طاری ہوگئی جو آنحضرتؐ کو وحی نازل ہونے کے وقت طاری ہوا کرتی تھی۔ آنحضرتؐ نے اپنے آپ کو اپنے کپڑوں میں لپیٹ لیا اور میں نے آنحضرتؐ کے سر کے نیچے چمڑے کا تکیہ رکھ دیا۔ جب آنحضرتؐ کو اس سے افاقہ ہوا تو آپ بیٹھ گئے اور آپ کا پسینہ بہہ رہا تھا۔ پس آپ اپنی پیشانی سے پسینہ

پوچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اے عائشہ مبارک ہو اللہ نے تمہاری بریت نازل فرمادی ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ حمد اللہ کے لئے ہے نہ کہ آپ کے لئے اور نہ آپ کے اصحاب کے لئے۔

طبری کی روایت میں ہے کہ انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ اللہ کے لئے تعریف ہے اور لوگوں کے لئے برائی ہے۔ پھر آنحضرتؐ نے لوگوں کے پاس جاکر خطبہ دیا اور اس آیت کی تلاوت فرمائی جو اس بارے میں نازل ہوئی تھی۔ (صفحہ ۷۰، جزء ۳، طبع دارالقاموس الحدیث، بیروت):

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُ وْا بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ مِّنْکُمْ لَا تَحْسَبُوْہُ شَرًّا لَّکُمْ بَلْ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ لِکُلِّ امْرِیءٍ مِّنْھُمْ مَّا اکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ○ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِھِمْ خَیْرًا وَّقَالُوْا ھٰذَآ اِفْکٌ مُّبِیْنٌ○ لَوْلَا جَآءُ وْا عَلَیْہِ بِاَرْبَعَۃِ شُھَدَآءَ فَاِذْلَمْ یَاْتُوْا بِالشُّھَدَآءِ فَاُولٰٓئِکَ عِنْدَاللّٰہِ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ○ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ لَمَسَّکُمْ فِیْمَآ اَفَضْتُمْ فِیْہِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ○ ''بیشک جنہوں نے تہمت لگائی وہ تمہیں میں سے ایک گروہ ہے۔ تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لئے اچھا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے اتنا ہی گناہ ہے جتنا اس نے کمایا ہے اور جس نے گناہ کا بڑا حصہ لیا ہے اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔ اچھا تو یہ ہوتا کہ اس کو سن کر مومنین اور مومنات حسن ظن قائم کرتے اور کہتے کہ یہ جھوٹا بہتان ہے۔ وہ کیوں اس پر چار گواہ نہیں لائے۔ پس جب وہ گواہ نہیں لائے تو اللہ کے نزدیک وہ جھوٹے ہیں۔ اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات کا تم نے چرچا کیا تھا اس کے سبب سے تم پر بڑا عذاب آجاتا۔'' (سورۂ نور: آیت ۱۱ تا ۱۴)

اللہ کے اس قول تک کہ:

یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِہٖٓ اَبَدًا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ○ ''اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ کبھی جو ایسا کام پھر کرو۔ اگر تم مومن ہو۔'' (آیت ۱۷)

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ (جس نے گناہ کا بڑا حصہ لیا ہے) سے اللہ کی مراد حسان بن ثابت ہیں۔ ابن اسحٰق سے روایت ہے کہ اس سے عبداللہ بن اُبی بن سلول اور اس کے ساتھی مراد ہیں۔

تفسیر رازی میں ہے کہ اس آیت میں مراد حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ ہیں۔ رازی نے اس آیت کے اسباب نزول زہیری سے، انہوں نے عروہ بن زبیر اور علقمہ بن ابی وقاص سے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کئے ہیں یعنی کہ قصۂ افک اس غزوہ میں ہوا جو آنحضرتؐ کو غزوۂ بنی مصطلق سے قبل پیش آیا تھا۔ نیز انہوں نے اس آیت کے اسباب نزول کے بیان میں جو قصہ افک کی طرف اشارہ کرتے ہیں یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے اسامہ بن زیدؓ اور امام علی

ابن ابی طالبؑ سے مشورہ فرمایا اور امام علیؑ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا کہ اللہ نے آپ پر کوئی پابندی عائد نہیں کی ہے اور ان کے علاوہ عورتیں بہت ہیں اور یہ کہ اگر آپ کنیز سے دریافت فرمائیں گے تو وہ آپ کو سچ سچ بتادے گی۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے ان کی کنیز بریرہ کو بلایا اور اس سے ان کے معاملے کے بارے میں دریافت فرمایا۔ اس نے زور دے کر کہا کہ اس نے ان کے معاملے میں کوئی چیز باعث شک نہیں دیکھی۔ انہوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ امام علیؑ نے اس کو مارا یا اس کے ساتھ کوئی برا سلوک کیا جیسا کہ سیرت نگاروں کا کہنا ہے۔

بے شک حضرت عائشہؓ جن پر اس قصے کے متعلق تمام روایات منتہی ہوتی ہیں یہ کہتی ہیں کہ امام علیؑ یہ چاہتے تھے کہ کنیز سے ایسا بیان زبردستی حاصل کرلیں جو اُن کی حیثیت عرفی اور ان کے مرتبے کے لئے ضرر رساں ہو۔ اس سے وہ باور کرانا چاہتی تھیں کہ امام علیؑ ان سے اسی وقت سے نفرت کرتے اور دشمنی رکھتے تھے جب وہ رسول اللہؐ کے حبالۂ نکاح میں آئی تھیں تا کہ امام علیؑ سے ان کی اپنی دشمنی کا جواز پیدا ہو جائے اور امام علیؑ کے خلاف اٹھنے والوں اور مقابلہ کرنے والوں کا ساتھ دینے کا جواز پیدا ہوجائے۔

تاریخ طبری میں بعض راویوں سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ کا معاملہ عمرۂ قضا کے دوران ہوا تھا۔

یہ ہے قصۂ افک کا خلاصہ جس کے مضمون پر راوی اور رسول اللہؐ کے سیرت نگار متفق ہیں۔ البتہ یہ قصہ جس طرح کہ اس کو حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے اور راویوں نے ان سے روایت کیا ہے ایسا واضح نہیں ہے کہ مطالعہ کرنے والا اس سے بغیر جرح وتعدیل اور فیصلہ کئے ہوئے گزر جائے خواہ اس کے کچھ پہلوؤں ہی کے لحاظ سے سہی اور بعض کو نظر انداز کرجائے۔

اس قصے کے شروع ہی میں یہ ہے کہ جب نبی اکرمؐ جنگ یا غزوہ کے لئے برآمد ہوتے تھے تو آپ اپنی بیویوں کے لئے قرعہ اندازی فرماتے تھے تا کہ جس کے نام قرعہ نکلے اسی کو آپ اپنے ساتھ لے چلیں۔ اس غزوہ میں قرعہ حضرت عائشہؓ کے بارے میں نکلا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان کے لئے ہودج مہیا فرمایا اور ساتھ لے گئے۔ جہاں کہیں آنحضرتؐ اترتے ان کے ساتھ ایک ہی خیمے میں قیام فرماتے جو آپ دونوں کے لئے مہیا کیا جاتا تھا۔ حالانکہ ''سیرت'' یہ بیان نہیں کرتی کہ کوئی اور مسلمان کبھی اپنی بیوی یا کسی بھی عورت کو اپنے ساتھ لے گیا ہو۔ چنانچہ یہ بعید نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کی بیویوں کے آپ کے ساتھ جنگوں اور غزووں میں جانے کی روایات ان جھوٹی باتوں میں سے ہوں جو آپ کی ایسی تصویر پیش کرنے کے ارادے سے بیان کی گئی ہیں کہ گویا آپ جنگ کے اوقات میں بھی جو سخت ترین اور سب سے کٹھن اوقات ہوتے ہیں، لذت کوشی نہ چھوڑ سکتے تھے اور عورتوں سے دوری اختیار نہ کرتے تھے۔ حالانکہ یہ معلوم ہے کہ غزووں اور جنگوں میں آنحضرتؐ کا ایسے دشمنوں سے مقابلہ ہوتا تھا جو مخلوق خدا میں سب سے زیادہ سخت گیر تھے اور آنحضرتؐ کے اور ہر اس شخص کے ساتھ جو آپ سے نسبی یا غیر نسبی تعلق رکھتا تھا ہر قسم کا برا سلوک کرنا جائز سمجھتے تھے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ جب آنحضرتؐ کسی غزوہ کے لئے روانہ ہوتے تھے تو آپ کو شکست کا اندیشہ بھی ہوتا تھا جتنا فتح کا کیونکہ آنحضرتؐ عام اسباب ہی کی حدود میں رہ کر لڑا کرتے تھے، نہ کہ کرامات یا معجزوں کی مدد سے۔ ایسی صورت میں یہ بعید ہے کہ آنحضرتؐ اپنے

غزووں میں اپنی کسی بیوی کو ساتھ لے جاتے ہوں جیسا کہ لوگ کہتے ہیں جبکہ آپ کو شکست کا بھی اندیشہ رہتا تھا پس اگر وہ پکڑلی جاتیں تو اس میں شک نہ تھا کہ بدترین دشمن کا شکار ہوجاتیں۔

میں ہرگز یہ نہیں مان سکتا کہ حضرت محمدؐ بن عبداللہ جیسے فرد جو قوت فکر، قیادت اور غیرت میں عظیم تھے، ایسے حالات میں بھی عورتوں کو ساتھ رکھتے ہوں حالانکہ آپ کے اصحاب جو آپ کے ساتھ ہوتے تھے وہ اپنی بیویوں اور بچوں کو پیچھے چھوڑ آتے تھے اور ان کو صرف لڑنے اور دشمن کو نیست و نابود کرنے کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔

علاوہ بریں اگر ان روایات کی سندوں کے بارے میں چھان بین کریں جو یہ بتلاتی ہیں کہ آنحضرتؐ اپنی ایک یا دو بیویوں کو ساتھ لئے بغیر غزوہ پر تشریف نہ لے جاتے تھے تو ہم کو کسی روایت میں اعتماد اور وثوق کا وجود نہیں ملے گا اور اگر ہم اسے نظرانداز بھی کردیں تب بھی عادت کا تقاضا یہ ہے کہ قائد کوچ کا حکم اسی وقت دے گا جب یہ اطمینان کرلے گا کہ پورا لشکر تیار ہوگیا ہے اور کوچ کے لئے آمادہ ہے۔ روایات کے مطابق آنحضرتؐ اور آپ کی بیوی ایک ہی خیمے میں ہوا کرتی تھیں، پھر آنحضرتؐ کے لئے کیسے ممکن ہے کہ آپ ان کی طرف سے ایسے غافل ہو جائیں کہ وہ قضائے حاجت کے لئے جائیں اور واپسی پر اپنا ہار کھو آئیں جو اُن سے گرگیا ہو اور پھر یہ عمل ایسی طویل مدت تو نہیں لیتا کہ آنحضرتؐ اپنی اس بیوی کو بھول جاتے جو لوگوں کے خیال میں آپ سے قریب ترین تھیں بلکہ اغلب یہ ہے کہ یہ چند منٹوں میں ہوگیا ہوگا۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جبکہ روایات بتلاتی ہیں کہ آنحضرتؐ اپنے لشکر اور اس کے ساز و سامان کے متعلق اطمینان کئے بغیر کوچ کا حکم نہ دیتے تھے، ان کو اپنی بیوی کے ساتھ نہ ہونے کا علم ہی نہ ہو حالانکہ وہ اور آنحضرتؐ ایک ساتھ تھے اور وہ رفع حاجت کے لئے اسی خیمے سے گئی تھیں جس میں وہ اور آنحضرتؐ ایک ساتھ تھے اور پھر آنحضرتؐ ہودج کے جلدی سے اٹھائے جانے کا حکم دیدیتے ہیں قبل اس کے کہ یہ اطمینان فرمالیں کہ وہ واپس آچکی ہیں۔ یہ بہت ہی بعید ہے کہ وہ خیمے سے گئی ہوں اور واپس آکر پھر اپنا ہار ڈھونڈنے چلی گئی ہوں اور آنحضرتؐ کو ان میں سے کسی چیز کا علم نہ ہوا ہو۔

مزید برآں جبکہ یہ حادثہ آنحضرتؐ کے مدینہ کی جانب واپس آتے ہوئے راستے میں ہوا جیسا کہ سیرت نگاروں کا کہنا ہے تو پھر آنحضرتؐ نے ان کی کنیز کو کیوں طلب کرلیا اور اس سے حادثے کے بارے میں کیوں سوال کیا جبکہ وہ کنیز مدینہ میں تھی اور اس سفر میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ نہیں تھی۔

اگر ہم فرض کرلیں کہ اس زمانے میں حضرت عائشہؓ کا وزن تیس کلوگرام تھا جو دبلے پن اور کمزوری کی حالت کا کم سے کم وزن ہے، پھر بھی یہ ناقابل قبول ہے کہ اس کا کوئی اثر محمل پر نہ رہا ہو جیسا کہ ہودج کو اس وزن کے ساتھ اٹھائے جانے کی دلیل پیش کرنے والے کا کہنا ہے جبکہ وہ خود اس کے باہر رہ گئی تھیں۔

وہ آیتیں جن کے متعلق مفسر اور مورخ حضرات کہتے ہیں کہ اس واقعے کی مناسبت سے نازل ہوئیں اس کے متعلق صراحت نہیں کرتی ہیں۔ اگر یہ صریحی ہوتیں تو ہم دیکھتے کہ مومنین ان سے خوفزدہ ہوگئے ہیں کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے تھیں جس کے علم سے زمین اور آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

بلکہ یہ آیات کہتی ہیں کہ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُ وْا بِالْاِفْکِ عُصْبَةٌ مِّنْکُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّکُمْ .... (بے شک جنہوں نے تہمت لگائی وہ تمہیں میں سے ایک گروہ ہے۔ تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو..... تا آخر آیت۔)

افک یعنی تہمت صرف غلط الزام ہی کو نہیں کہتے بلکہ اس کے ذیل میں جو کچھ خلاف واقعہ ہو شامل ہوتا ہے۔ وہ سازشیں جو منافق کرتے ہیں، جھوٹ بولتے رہتے ہیں اور رسول اکرمؐ اور مسلمان مردوں اور عورتوں سے ایسی چیزیں منسوب کرتے رہتے ہیں جو اُن میں نہیں ہوتیں۔

علاوہ بریں اس آیت سے پہلے کی آیتیں زانی مرد اور عورت اور ان لوگوں کے بارے میں احکام پر مشتمل ہیں جو اپنی بیویوں پر برے الزام لگاتے ہیں لیکن ان کے پاس اپنے علاوہ کوئی گواہ نہیں ہوتے اور اس قسم کے دوسرے احکام اور قوانین وغیرہ۔ چنانچہ اس آیت کی حیثیت انہی آیتوں جیسی ہے جو رسول اللہؐ پر احکام بیان کرنے کے لئے کبھی کسی واقعے کے لحاظ سے اور کبھی ابتداً نازل ہوتی تھیں۔

ممکن ہے کہ اس آیت میں افک سے مراد وہ واقعہ ہو جو حضرت عمر کے خدمتگار اور انصاری کے درمیان ہوا تھا۔ اس لئے کہ جو کچھ ہوا وہ مسلمانوں میں فتنہ برپا کرنے کے لئے بنایا گیا تھا تاکہ بنی مصطلق کو یہ موقع مل جائے کہ اس باہمی آویزش کی حالت میں مسلمانوں کے خلاف شورش برپا کردیں۔ اسی لئے نبی اکرمؐ نے کوچ میں جلدی فرمائی اور اپنے پسندیدہ طریقے کے خلاف رات اور دن چلتے رہے یہاں تک کہ آپ نے اس مقام پر نزول فرمایا۔

اس کے علاوہ مفسروں کی جماعت کی یہ رائے ہے کہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُ وْا بِالْاِفْکِ اس فرد کے لئے نازل ہوئی جس نے حضرت ماریہؓ قبطیہ پر تہمت لگائی تھی۔ یہ طریحی کی مجمع البحرین میں ''افک'' کے مادہ کے بارے میں کہا گیا ہے۔ سید عبداللہ شبر کی تفسیر میں ہے کہ یہ آیت اس فرد کے متعلق نازل ہوئی جس نے حضرت ماریہؓ قبطیہ پر تہمت لگائی تھی نہ کہ حضرت عائشہؓ کے متعلق۔ تفسیر قمی میں ہے کہ خاص افراد نے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت ماریہؓ قبطیہ کے متعلق اس تہمت کے بارے میں نازل ہوئی جو حضرت عائشہؓ نے ان پر لگائی تھی۔

امام حسنؑ سے روایت ہے کہ آپ نے زرارہ پر منتہی ہونے والی سند سے بیان فرمایا ہے کہ میں نے امام محمد باقرؑ کو کہتے سنا کہ جب فرزند رسول اکرمؐ، جناب ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تو آنحضرتؐ کو شدید رنج ہوا۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آپ کو اس پر کاہے کو اتنا رنج ہے وہ تو جُریح کا بیٹا ہے۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ ایسی روایات بھی ہیں جو بتلاتی ہیں کہ حضرت ماریہؓ پر تہمت لگانے میں ان کے علاوہ اور افراد بھی شریک تھے اور یہ کہ نبی اکرمؐ نے امام علیؑ کو بھیجا تاکہ اگر وہ اس کو ان کے پاس پائیں تو قتل کر ڈالیں۔ امام علیؑ گئے تو اس کو گھر میں پایا۔ اس نے آپ کو دیکھا تو ڈر کر کھجور کے درخت پر چڑھ گیا اور وہاں سے اپنے تئیں نیچے گرا کر اپنے پیر اوپر اٹھا دیئے۔ تب معلوم ہوا کہ وہ خصی کیا ہوا نامرد ہے۔ امام علیؑ نے آکر نبی اکرمؐ کو یہ بات بتلادی جیسا کہ ہم اس سے پہلے مقام پر بیان کرچکے ہیں۔

بہر حال میں اس کو ترجیح دیتا ہوں کہ یہ واقعہ ان اسباب کی بنا پر جو ہم نے بیان کئے سرے ہی سے من گھڑت ہے۔ اس خیالی واقعے میں یہ باعث تعجب ہے کہ مسلمان ایک مہینے یا اس سے زیادہ تک حضرت عائشہؓ اور معطل بن صفوان کے بارے میں حیران رہے اور چہ میگوئیاں کرتے رہے اور منافق اس کو آنحضرتؐ کو رنج پہنچانے اور مسلمانوں میں فتنہ برپا کرنے کے لئے استعمال کرتے رہے۔ پھر بھی جو شخص اس کی روایت کرتا ہے اس کو حضرت عائشہؓ اور ان کی ماں تک پہنچاتا ہے اور انہی سے تمام مؤرخوں اور اللہ کی کتاب کے مفسروں نے روایت کیا ہے۔ لیکن کسی واقعے کے متعلق محض محدثوں اور مفسروں کا اس کو تحریر میں لے آنا اس کی بابت سوال اٹھانے اور شک کرنے سے نہیں روکتا۔ خصوصاً جب وہ ایسے حالات سے گھرا ہوا ہو۔ اگر یہ صحیح بھی ہو کہ کسی نے حضرت عائشہؓ (پر ایسی) تہمت لگائی تھی جو اُن کے مرتبے اور ان کی حیثیت عرفی پر اثر انداز ہوتی تھی تو ممکن ہے کہ یہ منافقوں نے اس وقت گھڑی ہو جبکہ وہ مدینہ میں تھیں۔

یہ بھی معلوم اور واضح ہے کہ کوئی شیعہ ان کے اس تہمت سے بری ہونے میں شک نہیں کرتا۔ (اگر یہ واقعہ ہوا بھی ہو) کیونکہ آیات نے آکر ان کی بریت کی تاکید کردی اور ہر اس شخص کے لئے حد مقرر کردی جو دوسروں کی عزت سے کھیلتا اور ان پر ایسے امور کی تہمت لگاتا ہو جو اُن میں نہ ہوں۔ البتہ حقیقت حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

—۱۵—

غزوۂ خندق

ان غزووں اور کامیابیوں کے بعد جو مسلمانوں کو نبی اکرمؐ کی قیادت میں پیہم حاصل ہوتی رہیں اور ان شکستوں کے بعد جو اُن کو احد میں اور ان چالیس یا ستر افراد کے معاملے میں اٹھانا پڑیں جو عامر بن مالک عرف ملاعب الاسنہ کی تلاش میں نجد بھیجے گئے تھے مسلمان ایسی زندگی گزار رہے تھے کہ ان کو اپنے اوپر ایک بڑے حملہ کا خطرہ ہر وقت لاحق رہتا تھا جس میں قریش شریک ہونے والے تھے کیونکہ وہ جنگ بدر موعد (یعنی جنگ بدر دوم) میں شکست نما حالت سے دوچار ہوئے تھے اور اس میں غطفان، ہذیل اور وہ قبیلے شریک ہونے والے تھے جو شام سے ملنے والی سرحدوں پر آباد تھے۔ نیز یہودیوں میں سے بنی قینقاع اور بنی نضیر شریک ہونے والے تھے جن کو نبی اکرمؐ نے مدینہ سے باہر نکال کر ادھر ادھر منتشر کر دیا تھا اور اب وہ برابر آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب کی تاک میں تھے اور اس تمنا میں رہتے تھے کہ ان کو ایسا موقع مل جائے چاہے بڑی سے بڑی قیمت پر ہی سہی کہ وہ آنحضرتؐ سے اپنا بدلہ چکالیں۔

قریش دیکھ رہے تھے کہ وہی محمدؐ جو اپنے ماننے والوں کے ساتھ مکہ چھوڑ آئے تھے چند ہی برسوں میں ایسی ہیبت اختیار کر چکے تھے کہ پورے جزیرۂ عرب کو خوفزدہ کئے ہوئے تھے اور آپ کے گروہ والے اس امید میں تھے کہ مستقبل قریب میں عرب اور فارس و روم پر حکومت کرنے لگیں گے۔ قریش یہ سب جان رہے تھے اور آنحضرتؐ کے متعلق خبریں سارے عربوں اور یہودیوں سے زیادہ ان کو تشویش زدہ کر رہی تھیں کیونکہ یہی وہ لوگ تھے جو آنحضرتؐ کے اعلان دعوت کے وقت سے ان کے راستے میں حائل ہوتے آ رہے تھے اور تیرہ سال تک آپ سے لڑتے رہے تھے اور آپ کے درپے رہے تھے یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے ہجرت فرمائی تاکہ اس موت سے بچ جائیں جو وہ لوگ آپ کے لئے تیار کر رہے تھے۔

اب جبکہ یہ لوگ آنحضرتؐ کے معاملے میں عاجز آ گئے تھے ان کے لئے یہی راستا رہ گیا تھا کہ یہودیوں اور جزیرۂ عرب کے مختلف علاقوں کے عربوں کی طرف ہاتھ بڑھائیں تاکہ وہ سب آنحضرتؐ کے خلاف متفق ہو کر آپ پر اسی شہر میں حملہ کریں جس نے آپ کو پناہ دی تھی اور آپ کی نصرت کی تھی تاکہ چند ہی دن میں آنحضرتؐ اور آپ کے ماننے

والوں سے اپنا بدلہ لے لیں۔ یہودی پہلے ہی اس کوشش میں تھے کہ وہ لوگوں کو آنحضرتؐ کے خلاف ابھارنے اور جمع کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں تا کہ مدینہ ہی میں آنحضرتؐ پر حملہ کر دیں۔ یہ منصوبہ قریش اور دوسرے عربوں کے لئے جذبات انگیز تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس نکتے پر ان کا شکریہ ادا کیا اور اس سلسلے میں ان کی کوششوں کو سراہا کیونکہ وہ سب غایت اور مقاصد پر متحد ہو گئے تھے۔

چنانچہ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں آیا ہے کہ ۵ ہجری کے ماہ شوال میں قریش اور عرب اور یہودیوں کی جماعت اس پر متفق ہوگئی کہ حضرت محمدؐ پر مدینہ میں چڑھائی کی جائے۔

ہوا یہ کہ بنی نضیر کے یہودی جن کو نبی اکرمؐ نے مدینہ سے باہر نکال کر ان کی بعض مملوکہ چیزوں پر قبضہ کر لیا تھا ان کے سرداروں میں سے کچھ افراد جن میں سلام بن ابی الحقیق، حیی بن اخطب، کنانہ بن ابی الحقیق، ہودہ بن قیس وائلی وغیرہ شامل تھے، قریش کے پاس مکہ گئے اور ان کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر ابھارا اور وعدہ کیا کہ وہ ان کا اس وقت تک ساتھ دیتے رہیں گے جب تک حضرت محمدؐ اور آپ کے اصحاب کا صفایا نہ کر دیں گے۔ اس پر قریش نے ان سے کہا کہ اے اہل یہود تم لوگ پہلے اہل کتاب ہو اور تم خوب جانتے ہو کہ ہم کس دین پر اور محمدؐ کس پر ہیں۔ پس ہم تم سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ ہمارا دین بہتر ہے یا ان کا دین۔ اس پر وہ بولے کہ ان کے دین سے تمہارا دین بہتر ہے اور تم ان سے زیادہ حق کے سزاوار ہو۔ چنانچہ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتَابِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًاo اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًاo ”کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ وہ جبت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں اور ان لوگوں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے کہتے ہیں کہ راستے کے لحاظ سے یہ لوگ ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کرے تو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔“

قریش یہودیوں سے یہ بات سن کر خوش ہو گئے اور خیال کرنے لگے کہ اس نئے گٹھ جوڑ سے محمدؐ اور آپ کے ماننے والوں پر آخری فتح حاصل ہو جائے گی اور باہم وعدہ کر لیا کہ جیسے ہی عرب کے وہ لوگ جو جنگ پر آمادہ ہیں مدد کو آجائیں گے آنحضرتؐ سے جنگ کر لی جائے گی۔

یہودیوں نے توحید پر بت پرستی کی برتری مان لینے پر ہی اکتفا نہیں کی حالانکہ توحید ہی کی طرف حضرت محمدؐ اور تمام آسمانی مذاہب دعوت دیتے ہیں جن میں خود یہودیت بھی شامل ہے۔ انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ عربوں کے درمیان جا جا کر ان کو حضرت محمدؐ سے جنگ کرنے کے لئے ابھارتے رہے اور آنحضرتؐ اور آپ کے ماننے والوں کو حکومت مل جانے سے خوفزدہ کرتے رہے۔ نیز ان کو اپنے اور قریش کے مابین ہونے والے معاملے سے آگاہ کر کے بتلایا کہ اس پر

اتفاق ہوگیا ہے کہ مدینہ پر اتنی بڑی تعداد کے ساتھ حملہ کیا جائے کہ مسلمان اس کا مقابلہ نہ کرسکیں خواہ ان کے پاس کتنی ہی قوت اور ہیبت ہو اور یہ لوگ اپنا ساتھ دینے والے عربوں کی ایک بڑی تعداد جمع کر لینے میں کامیاب ہوگئے۔ چنانچہ مقرر کئے ہوئے روز قریش ابوسفیان کی قیادت میں چار ہزار جنگجو افراد کے ساتھ نکلے جن میں تین ہزار گھڑسوار تھے۔ ان لوگوں نے اپنا جھنڈا دارالندوہ میں تیار کر کے عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کو دیا۔ ان کے ساتھ ایک ہزار پانچ سو اونٹ تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ بنی سلیم کے سات سو افراد سفیان بن شمس کی قیادت میں تھے جو حرب بن امیہ کا حلیف تھا۔ بنی اسد اور فزارہ کے ایک ہزار افراد عیینہ بن حصن کی قیادت میں اور اشجع اور بنی مرہ بن عوف وغیرہ کے کثیر التعداد افراد تھے ان سب جنگجوؤں کی تعداد دس ہزار سے زیادہ ہوگئی تھی۔

ان لوگوں کی خبر رسول اللہؐ کو خزاعہ کی ایک جماعت کے ذریعے پہنچی انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس اتحاد کی اطلاع دی جو قریش اور ان کے عرب اور یہودی حلیفوں نے آنحضرتؐ پر فوج کشی کے لئے کیا تھا۔ پس نبی اکرمؐ نے اپنے اصحاب کے ایک گروہ کو جمع فرما کر ان کو اس امر سے آگاہ فرمایا جس پر قریش اور ان کے حلیفوں نے ایکا کیا تھا اور ان سب کو جہاد اور حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کی تیاری کے لئے آمادہ فرمایا۔ نیز آنحضرتؐ نے ان سے مشورہ فرمایا کہ ان لوگوں کو مدینہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے کیا کرنا ضروری ہے؟ اس پر سلمان فارسیؓ نے آنحضرتؐ کو مشورہ دیا کہ اس جانب جدھر سے مشرکوں کے لئے اندر آنا ممکن ہے خندق کھود لی جائے۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ فارس میں جب کبھی ہمارا محاصرہ ہو جاتا تھا تو ہم ایسی خندق کھود لیا کرتے تھے جو ہمارے اور ہمارے دشمن کے درمیان حائل ہو جاتی تھی۔ نبی اکرمؐ اور آپ کے اصحاب نے اس رائے کو پسند فرمایا اور خندق کھودنے کا حکم فرمادیا۔ طبری کی تاریخ میں آیا ہے کہ اس موقع پر مہاجرین و انصار جمع ہو کر کہنے لگے کہ سلمان فارسیؓ ہم میں سے ہیں۔ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا: ''سلمانؓ ہم اہلبیتؑ میں سے ہیں۔''

نبی اکرمؐ نے دس دس مسلمانوں کے لئے چالیس چالیس ہاتھ کھدائی مقرر کردی۔ آنحضرتؐ خود بھی دوسروں کی طرح اپنے دست مبارک سے کھود رہے تھے اور کام میں حصہ لے رہے تھے۔ سب مسلمان پورے خلوص اور خوشی سے کام میں مصروف تھے سوائے اس گروہ کے جو ظاہراً اسلام لے آئے تھے اور باطن میں غداری اور نفاق چھپائے ہوئے تھے۔ یہ لوگ اپنے گھر چلے جاتے تھے اور ان میں سے کچھ نبی اکرمؐ کی خدمت میں آ کر اجازت طلب کرتے تھے اور ایسے اسباب بیان کرتے تھے کہ جن کا کوئی تعلق حقیقت سے نہ ہوتا تھا اور کہتے تھے کہ ان کے مکان حملہ آوروں کے کھلے محاذ پر ہیں اور قبضہ کر لئے جانے کا نشانہ ہیں۔

يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ''وہ کہتے ہیں کہ ہمارے گھر خالی ہیں حالانکہ وہ خالی نہیں ہیں۔ یہ لوگ بس بھاگ جانا چاہتے ہیں۔''

(سورۂ احزاب: آیت ۱۳)

پُرخلوص مسلمان رات دن کام میں لگے رہے۔ وہ صرف اہم ضرورت میں کام چھوڑتے تھے اور پھر اپنے کام پر واپس آجاتے تھے۔ اس موقع پر اللہ نے نبی اکرمؐ پر یہ آیتیں نازل فرمائیں:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ○

''ایماندار صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب کسی ایسے کام کے لئے رسولؐ کے پاس جمع ہوتے ہیں جس کے لئے جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے جب تک ان سے اجازت نہ لیں، جاتے نہیں ہیں۔ یارسولؐ! جو لوگ آپ سے اجازت چاہتے ہیں وہی لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ پس جب وہ آپ سے کسی اپنے کام کے لئے اجازت مانگیں تو ان میں سے جن کو آپ چاہیں اجازت دے دیجئے اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیجئے۔ بے شک اللہ بخشنے والا رحیم ہے۔ تم لوگ رسولؐ اللہ کو اس طرح مت بلایا کرو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے آنکھ بچا کر کھسک جاتے ہیں۔ ان لوگوں سے ڈرتے رہو جو اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، مبادا ان پر کوئی مصیبت آپڑے یا ان پر کوئی تکلیف دہ عذاب نازل ہو۔'' (سورۂ نور: آیت ۶۲۔۶۳)

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ جب حضرت سلمان فارسیؓ نو افراد کے ساتھ اس پیائش کے کھودنے میں مصروف تھے جو رسول اکرمؐ نے ان کے لئے مقرر فرمائی تھی تو ایک سفید پتھر ان کے کھودنے میں آڑے آ گیا اور اس نے ان کو عاجز کر دیا اور اس پر پھاوڑے کام نہ کر سکے۔ لوگوں نے سلمان فارسیؓ سے کہا کہ رسول اللہؐ کی خدمت میں جا کر ان کو مطلع کر دو شاید وہ ہم کو اس سے باز رہنے کا حکم دیدیں کیونکہ ہم آنحضرتؐ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں چاہتے۔

جب انہوں نے اس کے متعلق آنحضرتؐ کو آگاہ کیا تو آنحضرتؐ ان کے پاس تشریف لے گئے اور خود بہ نفس نفیس خندق میں اتر گئے۔ آپ نے حضرت سلمانؓ سے پھاوڑا لے کر اس پتھر پر ایک ضرب لگائی جس سے وہ پتھر چٹخ گیا اور اس سے ایک شعلہ برآمد ہوا جس نے اطراف مدینہ کو منور کر دیا۔ راوی کے مطابق ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اندھیرے گھر میں چراغ روشن ہوگیا۔ اس پر رسول اللہؐ نے تکبیر بلند فرمائی۔ پھر آنحضرتؐ نے دوسری ضرب لگائی۔ اس سے وہ پتھر پھر چٹخا اور پہلے کی طرح کا ایک شعلہ نکلا۔ تیسری ضرب میں وہ پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور اس سے ایسا شعلہ نکلا جس نے مدینہ کے اس پار تک روشنی پھیلا دی۔ رسول اللہؐ نے پھر تکبیر ادا فرمائی اور آپ کا عظیم نفس بالآخر حاصل ہونے والی فتح سے چمک اٹھا۔

اب حضرت سلمانؓ نے آنحضرتؐ کا دست مبارک سنبھالا اور آپ خندق سے اوپر نکل آئے۔ تب حضرت سلمانؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں نے ایسی چیز دیکھی ہے جو کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس پر رسول اللہؐ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا تم سنتے ہو کہ سلمانؓ کیا کہہ رہے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ جی ہاں یارسول اللہؐ! ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ہم نے آپ کو ضرب لگاتے دیکھا جس سے لہر کی طرح شعلہ نکلا۔ پھر ہم نے دیکھا کہ آپ نے تکبیر کہی جس پر ہم نے بھی تکبیر کہی۔ اس کے علاوہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا۔ پہلی ضرب میں میرے سامنے حیرہ اور مدائن کسریٰ کے محل روشن ہوئے اور جبرئیلؑ نے مجھ کو بتلایا کہ میری امت ان پر فتحیاب ہو جائے گی۔ پھر میں نے دوسری ضرب لگائی جس سے میرے سامنے ملک روم کے سرخ محل روشن ہوگئے اور جبرئیلؑ نے مجھ کو اطلاع دی کہ میری امت ان پر فاتح ہو جائے گی۔ تیسری ضربت میں میرے سامنے صنعا کے محل روشن ہوئے اور جبرئیلؑ نے مجھ کو بتلایا کہ میری امت اس پر فتح حاصل کرلے گی۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس کو بشارت خیال کیا۔

منافقوں نے یہ سنا تو کہنے لگے کہ تم لوگوں کو تعجب نہیں ہوتا کہ محمدؐ تم سے بیان کرتے ہیں تو تم کو خواہش دلا رہے ہیں اور بتلا رہے ہیں کہ وہ خود یثرب سے حیرہ اور صنعاء اور کسریٰ کے شہروں کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ تم لوگ خندق کھودنے میں لگے ہوئے ہو تاکہ یہ تمہارے بچاؤ کے لئے تمہارے دشمن کے درمیان رکاوٹ بن جائے اور آج کل حالت یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی بحفاظت رفع حاجت تک کے لئے نہیں جاسکتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا○

''ایک وہ وقت تھا کہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم سے صرف جھوٹے وعدے کئے تھے۔'' (سورۂ احزاب: آیت ۱۲)

طبری کی روایت میں ہے کہ مسلمان تیزی سے خندق کھودتے رہے یہاں تک کہ اس کو چھ دن میں پورا کرلیا۔

ادھر مشرک اپنے ساز و سامان اور پوری نفری کے ساتھ جس میں سوار اور پیادہ ملا کر تقریباً دس ہزار لڑنے والے افراد تھے آپہنچے اور خندق کے دوسری جانب اتر پڑے۔

سیرت کی بعض کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدینہ ہر طرف سے درختوں اور جھاڑیوں سے گھرا ہوا تھا، سوائے اس طرف کے جدھر خندق کھودلی گئی تھی۔ نبی اکرمؐ اور ان کے صحابہ جو طبری کی صراحت کے مطابق تین ہزار افراد تھے دشمن کے مقابل اترے۔ چنانچہ خندق ان دونوں کے بیچ میں آگئی۔ یہ ایک پہاڑ کا دامن تھا جس کو سلع کہتے تھے پہاڑ ان لوگوں کے پیچھے ہوگیا۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ عورتیں اور بچے قلعوں میں چلے جائیں جو بلند مقام پر تھے تاکہ خطرے سے دور رہیں۔ آنحضرتؐ نے مدینہ میں ابن ام مکتوم کو چھوڑا۔ بنی قریظہ کے یہودی اب تک رسول اللہؐ کے ساتھ اپنے اسی عہد پر قائم تھے جو اُن کے درمیان اس وقت ہوا تھا جب آنحضرتؐ مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔ ابوسفیان نے حیی ابن اخطب کو جاسوسی کے لئے بھیج کر اس سے کہلوایا کہ عہد و پیمان کو توڑ کر مشرکوں کی صف میں شامل ہو جائیں تاکہ اس طرح نبی اکرمؐ اور آپ کے

اصحاب پر محاصرہ تنگ ہو جائے۔ ان کا سردار کعب بن اسد قرظی تھا۔ اسی نے نبی اکرمؐ کے ساتھ عہد کیا تھا۔ حیی ابن اخطب ان کی طرف گیا لیکن کعب کو اس کے آنے کی غرض کا اندازہ ہوگیا۔ اس نے اسے روکنے کے لئے دروازہ بند کرلیا۔ حیی بن اخطب نے داخل ہونے کی اجازت مانگی تو کعب نے اجازت دینے سے انکار کردیا اور اس سے کہا کہ تم منحوس آدمی ہو۔ میں نے محمدؐ سے عہد کیا تھا میں اس عہد کو توڑنے والا نہیں ہوں کیونکہ میں نے ان میں وفا اور سچائی کے سوا اور کچھ نہیں پایا۔ اس پر حیی ابن اخطب نے کہا: وائے ہو تم پر! دروازہ تو کھولو۔ میں تم سے ایسے معاملے میں بات کرنا چاہتا ہوں جو شاید تمہارے لئے بھلائی کا باعث ہو۔ مگر کعب بن اسد اپنے موقف پر اڑا رہا۔ اب حی نے اس سے کہا کہ تم نے دروازہ اس لئے بند کیا ہے کہ میں تمہارا کھانا نہ کھاؤں، ارے آدمی دروازہ کھول میں تمہارے پاس دنیاوی عزت اور بھلائی کا سمندر لایا ہوں، میں تمہارے پاس قریش اور ان کے سرداروں اور غطفان اور ان کے حلیفوں کو لے کر آیا ہوں اور میں نے ان سب بڑے بڑے افراد کو ایک جگہ جمع کردیا ہے، ان لوگوں نے مجھ سے عہد و پیمان کیا ہے کہ وہ جب تک محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کا صفایا نہ کردیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے۔ اس پر کعب نے اس سے کہا کہ قسم بخدا تم میرے پاس دنیا کی ذلت، لے کر آئے ہو اور ایسا خشک بادل لائے ہو جس کا پانی بہہ چکا ہے۔ اب وہ گرجتا ہے چمکتا ہے لیکن اس میں کچھ نہیں ہے۔ وائے ہو تم پر اے حیی! مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو کیونکہ میں نے محمدؐ میں سچائی اور وفا کے علاوہ اور کچھ نہیں پایا۔ پھر بھی حیی صبح و شام اس کے ہاں چکر لگاتا رہا یہاں تک کہ کعب نے اس کو داخل ہونے کی اجازت دیدی۔ تب حیی نے اس سے ایک عہدنامہ کیا کہ اگر قریش اور غطفان، محمدؐ سے ٹکر لئے بغیر واپس چلے گئے تو وہ اس کے ساتھ اس کے قلعے میں داخل ہوگا۔ اپنے اور اپنی قوم کے ذریعے اس کا ساتھ دے گا۔ پس کعب نے رسول اللہؐ سے کیا ہوا اپنا عہد توڑ دیا اور اس عہد و پیمان سے دست بردار ہوگیا جو اس کے اور رسول اللہؐ کے مابین تھا۔

نبی اکرمؐ تک یہ بات پہنچی کہ کعب نے عہد توڑ ڈالا ہے اور حملہ آوروں کے ساتھ جاملا ہے تو آنحضرتؐ نے سعد بن معاذ، عبداللہ بن رواحہ اور بنی عوف کے ایک فرد خوان بن جبیر کو بھیجا اور ان کو ہدایت کی کہ جاکر دیکھیں کہ ان لوگوں کے متعلق جو اطلاع ہم کو ملی ہے صحیح بھی ہے یا نہیں۔ اگر صحیح ہو تو مجھ کو خاموشی سے بتادینا اور کوئی وضاحت نہ کرنا اور اگر وہ شخص اس عہد پر قائم ہے جو ہمارے اور اس کے مابین تھا تو اس بات کو باآواز بلند بیان کردینا تاکہ لوگوں کو اس خبر کے غلط ہونے کا علم ہو جائے۔ جب وہ لوگ گئے تو دیکھا کہ بنی قریظہ اس سے زیادہ برے ثابت ہو رہے ہیں جتنی ان کو خبر ملی تھی۔ چنانچہ ان لوگوں نے رسول اللہؐ کو برا بھلا کہا اور اعلان کیا کہ ہمارے اور محمدؐ کے درمیان کوئی پیمان نہیں ہے۔ اس پر سعد بن معاذ نے ان کو برا بھلا کہا اور ان لوگوں نے ان کو برا بھلا کہا۔ پھر ان لوگوں نے رسول اللہؐ کی خدمت میں واپس آکر بیان کیا کہ "عضل و القارہ. اس سے مطلب یہ تھا کہ انہوں نے اسی طرح غداری کی ہے جس طرح عضل و قارہ نے اصحاب رجیع یعنی حبیب بن عدی اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ کی تھی۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ "اللہ اکبر! اے گروہ مسلمین تم کو بشارت ہو۔" اس طرح آزمائش سخت ہوگئی اور خوف بڑھ گیا۔

سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ حملہ آوروں نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے تین رسالے تیار کئے۔ پس ابن اعور سلمی کا رسالہ وادی کے اوپر سے آیا۔ عینیہ بن حصن کا رسالہ پہلو سے آیا اور ابوسفیان اپنے ساتھ والوں کو لے کر خندق کی دوسری جانب ٹھہر گیا کسی منافق نے کہا کہ محمدؐ ہم سے کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کا وعدہ کر رہے تھے اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی رفع حاجت کے لئے بھی امن سے نہیں جاسکتا۔ اللہ نے منافقوں اور مسلمانوں کے موقف کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

اِذْ جَآءُ وْ كُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَ بْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالاً شَدِيْدًا۝ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا۝ ''ایک وہ وقت تھا جب وہ لوگ تمہارے اوپر سے تم پر آپڑے اور تمہارے نیچے سے بھی اور تمہاری آنکھیں خیرہ ہوگئی تھیں اور کلیجے منہ کو آگئے تھے۔تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے۔اس دم مومنوں کو آزمائش میں ڈالا گیا تھا اور اچھی طرح ہلا ڈالا گیا تھا۔ اس گھڑی منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اسکے رسولؐ نے ہم سے صرف دھوکہ کے وعدے کئے تھے۔''

مشرک چند روز تک ٹھہرے رہے جبکہ مسلمان ان کے مقابلے پر موجود تھے اور کبھی کبھی ان کی جانب تیر چلاتے رہتے تھے۔ مسلمانوں پر خوف اور آزمائش کی شدت تھی۔ اس وقت رسول اللہؐ نے عینیہ بن حصن اور حارث بن عوف بن ابی حارثہ مری جو دونوں غطفان کے سردار تھے پیام بھیجا اور ان کو مدینہ کے ایک تہائی پھلوں کی پیشکش کی کہ وہ دونوں اپنے ساتھ والوں کو لے کر واپس ہوجائیں۔ وہ دونوں اس پر راضی ہوگئے اور اس کے بارے میں ایک تحریر لکھ لی۔ لیکن قبل اس کے کہ یہ معاملہ دونوں طرف سے تکمیل پذیر ہو، نبی اکرمؐ نے اوس اور خزرج کے سرداروں سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو بلا کر اپنے ارادے سے آگاہ فرمایا۔ اس پر ان دونوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ آیا یہ آپ نے اپنی طرف سے کیا ہے یا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ میں نے تمہاری حفاظت کے خیال سے اپنی طرف سے کیا ہے کیونکہ میں نے دیکھا کہ سارے عرب تمہارے خلاف متحد ہوگئے ہیں اور ہر چہار طرف سے تمہارے اوپر جھپٹ پڑے ہیں، پس میں نے چاہا کہ ان کی قوت کو توڑ دوں۔ اس پر سعد بن معاذ بولے کہ یارسول اللہؐ! ہم اور یہ لوگ جب اللہ کے ساتھ شرک کرتے تھے تو اس وقت وہ ہمارے ساتھ ایک پھل کھانے کے بھی خواہشمند نہ ہوتے تھے مگر یہ کہ وہ خرید کر کھاتے یا مہمانی کے طور پر۔ تو کیا اب جبکہ اللہ نے ہم کو آپ کے اور اسلام کے ذریعے شرف بخشا ہے اور ہم کو اپنی طرف ہدایت دی ہے اور آپ کی وجہ سے عزت دی ہے ہم اپنے مال ان کو ایسے ہی دیدیں؟ قسم بخدا! ہم ان کو تلوار کے سوا کچھ نہ دیں گے تا آنکہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کردے۔

اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم یہ چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔ چنانچہ سعد نے وہ نوشتہ لے کر جو کچھ اس میں لکھا تھا

اس کو مٹا ڈالا اور محاصرہ اور خوف مسلمانوں پر اسی طرح طاری رہے۔ یہ لوگ اسی حالت میں تھے کہ عمرو بن عبدود عامری، عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب، نوفل بن عبداللہ اور ضرار بن خطاب بن مرداس، اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلے اور بنی کنانہ کے پاس جا کر ان کو حکم دیا کہ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ پھر وہ خندق کی طرف بڑھے اور اس کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ ایسی چال ہے جس سے عرب واقف نہیں تھے۔ ان کو خندق میں ایک تنگ حصہ مل گیا جس کی طرف وہ لپک کر گئے اور ان کے گھوڑے اس کو پھلانگ کر دوسری جانب پہنچ گئے۔ اب وہ خندق اور مسلمانوں کے لشکر کے مابین گھومنے لگے۔

ابن ہشام اپنی ''سیرت'' میں اور طبری اور ابن کثیر وغیرہ اپنی اپنی تاریخوں میں کہتے ہیں کہ جب عمرو بن عبدود نے خندق کو اس تنگ مقام سے پار کرلیا تو امام علیؑ نے چند آدمیوں کو لے کر اس کو گھیرے میں لے لیا تاکہ ان کے علاوہ کوئی اور اس پر سے نہ پھلانگ سکے۔ قریش کے دو سواروں نے پار کرنے کی کوشش کی لیکن اس تنگ مقام پر امام علیؑ کے موجود ہونے نے ان کو اس سے باز رکھا۔

یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ عمرو بن عبدود جنگ بدر میں مشرکوں کی طرف سے شریک تھا اور اس کو ایسے بڑے زخم آ گئے تھے جنہوں نے اس کو جنگ احد میں شریک نہیں ہونے دیا۔ یہ شخص عرب کے جنگجو شہسواروں میں سے تھا۔ چنانچہ جنگ احزاب کے روز یہ شخص اپنی حیثیت دکھانے کے لئے نکلا جیسا کہ طبری اور ابن ہشام وغیرہ کا خیال ہے اور لوگوں کو مقابلے کی دعوت دینے لگا۔ ادھر مسلمان خوف سے کانپ رہے تھے اور کسی کو اس کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ امام علیؑ نے اس کو مقابلے کے لئے دعوت دیتے ہوئے سنا تو اپنے مقام سے نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہؐ اس کے مقابلے کے لئے میں موجود ہوں۔ اس پر نبی اکرمؐ نے ان سے فرمایا تم بیٹھے رہو۔ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ ادھر عمرو نے بار بار آواز دی لیکن مسلمانوں میں سے امام علیؑ کے سوا کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔ نبی اکرمؐ ان کو بیٹھے رہنے کا حکم دیئے جا رہے تھے تاکہ مسلمانوں کے جذبۂ قربانی، ایثار اور پیش قدمی کو دیکھیں نہ کہ امام علیؑ کو خطرے سے بچانے کے لئے۔ جب عمرو نے دیکھا کہ کوئی جواب نہیں دے رہا ہے تو ان لوگوں پر فقرے کسنے لگا اور بولا کہ وہ تمہاری جنت کہاں ہے جس کے بارے میں تمہارا خیال ہے کہ تم میں سے جو کوئی قتل ہو جائے گا اس میں داخل ہو جائے گا؟ کیا کوئی میرے مقابلے کو تیار نہیں ہے؟ حلبی نے اپنی ''سیرت'' میں اور مفید نے اپنی ارشاد میں لکھا ہے کہ اس نے یہ اشعار پڑھے:

ولقد بححت من النداء بجمعکم هل من مبارز
انی کذلک لم ازل متسرعًا نحو الهزاهز
ان الشجاعة فی الفتی والجود من خیر الغرائز

''میں ھل من مبارز (ہے کوئی مقابلہ پر آنے والا) کی صدا تمہاری فوج کے سامنے بلند کر کے خوش ہو رہا ہوں۔ میں ہمیشہ اسی طرح جنگ کی طرف لپکتا ہوں۔ بے شک بہادری اور سخاوت ہی ایک جوان آدمی کی بہترین خصلتیں ہیں۔''

نبی اکرمؐ دائیں اور بائیں دیکھ دیکھ کر مسلمانوں کو اس کے مقابلے کے لئے نکلنے کی دعوت دیتے رہے لیکن کسی نے قبول نہیں کیا۔ پھر امام علیؑ نے نبی اکرمؐ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! میں اس کے مقابلے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن نبی اکرمؐ نے پھر فرمایا کہ بیٹھ جاؤ وہ عمرو ہے۔ اس پر امام علیؑ نے کہا کہ ہوا کرے۔ تب آنحضرتؐ نے ان کو اجازت دے کر ان کو اپنی تلوار ذوالفقار عطا کی، ان کو اپنی زرہ پہنائی، ان کے اپنا عمامہ باندھا اور جیسا کہ ایک روایت میں ہے فرمایا: اے اللہ! تو نے مجھ سے عبیدہؓ کو جنگ بدر میں لے لیا، حمزہؓ کو جنگ احد میں لے لیا، اب یہ علیؑ میرا بھائی اور میرے چچا کا بیٹا ہے، اب تو مجھ کو تنہا نہ کر دینا اور تو بہترین وارث ہے۔ چنانچہ امام علیؑ مقابلے کے لئے اس کی طرف چلے اور یہ اشعار آپ کی زبان پر تھے:

لا تعجلن فقد اتاک مجیب صوتک غیر عاجز ذونیة و بصیرة والصدق منجی کل فائز

انی لأرجو ان اقیم علیک نائحة الجنائز من غربة نجلاء یبقی صیتها بعد الهزاهز

''جلدی نہ کر، تیری پکار کا جواب دینے والا آ پہنچا ہے اور وہ پوری قوت والا ہے۔ میں ارادے اور فراست کا حامل ہوں اور سچائی ہر کامیاب کے لئے نجات کا ذریعہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرا ایک ہی وار تم کو ڈھیر کر دے گا اور تم پر رونے والیاں جمع ہو جائیں گی اور اس وار کی شہرت جنگ کے بعد تک قائم رہے گی۔''

شرح نہج البلاغہ کی جلد چہارم، صفحہ ۳۴۴ میں ہے کہ جب امام علیؑ اس کے مقابلے کے لئے نکلے تو نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلِّهٖ اِلَی الشِّرْکِ کُلِّهٖ کل ایمان کل شرک کے مقابلے پر جا رہا ہے۔

جب دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو عمرو نے کہا کہ تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا کہ میں علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں۔ تب وہ بولا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے میرے مقابلے کے لئے تمہارے بجائے تمہارے چچاؤں میں سے کسی کو آنا چاہئے جو تم سے زیادہ سخت ہوں کیونکہ مجھ کو برا لگتا ہے کہ میں تم کو قتل کروں۔ اس لئے کہ تمہارے باپ زمانۂ جاہلیت میں میرے دوست اور ہم نشین تھے۔

شرح نہج البلاغہ میں آیا ہے کہ جب ہم اپنے بزرگ عالم ابوالخیر مصدق بن شبیب کے سامنے روایت پڑھتے ہوئے اس مقام پر پہنچتے تو وہ فرمایا کرتے تھے کہ قسم بخدا! اس نے آپ سے واپس جانے کو آپ کی جان بچانے کی خاطر نہیں بلکہ آپ سے خوف زدہ ہو کر کہا تھا کیونکہ وہ بدر و احد میں آپ کے قتل کے معرکوں سے خوب واقف تھا اور جان رہا تھا کہ اگر وہ خود آپ پر حملہ کرے گا تو آپ اس کو قتل کر ڈالیں گے۔ لیکن اس کو اظہار بزدلی سے شرم دامن گیر ہوئی اس لئے اس نے آپ کی جان بچانے اور آپ کا لحاظ کرنے کا بہانہ کیا۔ حالانکہ وہ ان دونوں باتوں میں جھوٹا تھا۔

سیرت نگاروں نے مزید کہا ہے کہ امام علیؑ نے اس سے کہا کہ لیکن میں تو تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر اس نے کہا کہ اے بھتیجے میں نہیں چاہتا کہ تمہارے جیسے شریف النفس شخص کو قتل کروں۔ پس تم واپس ہو جاؤ یہی تمہارے لئے بہتر

ہے۔ تب امام علیؑ نے فرمایا کہ قریش تیرے متعلق کہتے ہیں کہ اگر تیرے سامنے دو خواہشیں پیش کی جائیں تو، تو ان میں سے ایک ضرور قبول کرلیتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ تین میں سے ایک قبول کرلیتا ہے۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ اس پر امام علیؑ نے اس سے کہا کہ میں تجھ کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اس نے کہا یہ تو رہنے دو۔ تب آپ نے فرمایا کہ اچھا تو میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو اپنے قدموں واپس مکہ چلا جا۔ وہ بولا کہ پھر تو مکہ کی عورتیں میرے بارے میں کہیں گی کہ تم ایسے لڑکے نے مجھ کو دھوکہ دے لیا۔ تب آپ نے فرمایا کہ پھر میں تجھے مقابلے کے لئے کہتا ہوں وہ بولا کہ میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ اس پر امام علیؑ نے فرمایا کہ لیکن میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اس دم اس کو جوش آ گیا اور اس نے اپنے گھوڑے سے نیچے کود کر اس کی پنڈلیاں کاٹ دیں اور امام علیؑ پر جھپٹا۔ پس دونوں سواریوں پر سے اتر کر دست و گریباں ہوگئے۔ عمرو نے امام علیؑ پر اپنی تلوار لگائی لیکن امام علیؑ نے اس کو اپنی ڈھال سے روک لیا۔ تلوار اس میں در آئی اور ایک روایت کے مطابق امام علیؑ کے سر پر لگی۔ اس پر امام علیؑ نے اس کے کاندھے کے جوڑ پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ اپنے خون میں لوٹتا ہوا ڈھیر ہوگیا۔

سیرت کی بعض کتابوں میں آیا ہے کہ جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں امام علیؑ کو غور سے دیکھ رہا تھا تاکہ دیکھوں کہ ان کا معاملہ کیسا رہتا ہے۔ جب امام علیؑ نے اسے ضرب لگائی تو سخت غبار اٹھا جو میرے اور ان دونوں کے درمیان حائل ہوگیا۔ البتہ میں نے تکبیر سنی جس پر مسلمانوں نے بھی تکبیر بلند کی اور ہم سمجھ گئے کہ امام علیؑ نے اس کو قتل کرڈالا ہے۔ دونوں پر سے غبار صاف ہوا تو دیکھتے کیا ہیں کہ امام علیؑ اس کے سینے پر سوار ہیں اور اس کا سر قلم کر رہے ہیں۔ تب اس کے ساتھی خندق پار کرنے کے لئے بھاگے اور ان کے گھوڑے ان کو لے کر پھلانگ گئے۔ سوائے نوفل بن عبداللہ کے، جس کا گھوڑا پھلانگ نہ سکا اور وہ خندق میں گر پڑا۔ مسلمانوں نے اس پر پتھر برسانا شروع کئے تو وہ بولا کہ اے گروہ مسلمین قتل کرڈالنا اس سے زیادہ شریفانہ طریقہ ہے۔ چنانچہ امام علیؑ نے نیچے اتر کر اس کو قتل کردیا۔

سیرت ابن ہشام میں زہری سے روایت ہے کہ عمرو بن عبدود کے ساتھ اس کا بیٹا مسحل بن عمرو بن عبدود بھی تھا اس کو بھی امام علیؑ نے قتل کردیا۔ اب امام علیؑ کی مڈبھیڑ ہبیرہ ابن ابی وہب سے ہوئی۔ امام علیؑ پیدل تھے اور ہبیرہ گھوڑے پر سوار تھا۔ آپ نے اس کو تلوار کی ضرب لگائی جو اس کے زین کی کمانی پر لگی اور اس کی زرہ گر پڑی۔ عکرمہ ابن ابی جہل اور ضرار بن خطاب بھاگ کھڑے ہوئے۔ منبہ بن عثمان بن عبید بن سباق کے ایک تیر لگا اور جیسا کہ طبری کی روایت میں آیا ہے کہ وہ مکہ میں اسی سے مرگیا۔

سیرت ابن اسحٰق میں ہے کہ مشرکوں نے رسول اللہؐ کو پیغام بھیجا اور عمرو بن عبدود کی لاش کے لئے دس ہزار درہم کی پیشکش کی۔ اس پر آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ ہم کو اس کی ضرورت نہیں ہے اور ہم مردے کی قیمت نہیں لیا کرتے۔ کہا گیا ہے کہ یہ پیشکش نوفل بن عبداللہ کی لاش کے لئے تھی۔

ارشاد وغیرہ میں محمد بن اسحٰق سے روایت ہے کہ جب امام علیؑ، عمرو بن عبدود کو قتل کر کے رسول اللہؐ کے پاس آئے

تو آپ کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ آپ نے اس کی زرہ کیوں نہ لی حالانکہ پورے عرب میں اس جیسی زرہ نہیں ہے۔ اس پر امام علیؑ نے فرمایا کہ مجھ کو شرم محسوس ہوئی کہ اس کی شرمگاہ کو عریاں کردوں۔

شرح نہج البلاغہ میں ہے کہ جنگ خندق کے روز امام علیؑ کی عمرو بن عبدود سے مقابلہ آرائی اس سے زیادہ عظیم تر ہے کہ اس کو عظیم کہا جائے اور اس سے زیادہ جلیل ہے کہ اس کو جلیل کہا جائے۔ اس کی کیفیت وہی ہے جو ہمارے بزرگ ابوالہذیل نے بیان کی جب ان سے ایک پوچھنے والے نے پوچھا کہ اللہ کے نزدیک کون مرتبے میں بڑا ہے؟ امام علیؑ یا ابوبکر تو انہوں نے کہا کہ اے بھتیجے قسم بخدا! جنگ خندق کے روز امام علیؑ کی عمرو سے مقابلہ آرائی مہاجرین و انصار کے سارے اعمال اور ان سب کی پوری عبادتوں کے برابر ہے بلکہ زیادہ ہے نہ کہ صرف اکیلے ابوبکر سے۔

فضائل الخمسہ من الصحاح ستہ میں مستدرک صحیحین کی جلد دوم سے سفیان ثوری کی ان کی اپنی سند سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جنگ خُندق کے روز علیؑ ابن ابی طالبؑ کا عمرو بن عبدود سے مقابلہ میری امت کے قیامت تک کے اعمال سے افضل ہے۔ اس کو خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد کی تیرہویں جلد کے صفحہ ۱۹ پر بیان کیا ہے۔

سیوطی نے درمنثور میں وَرَدَّاللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ (اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصے کی حالت میں رہنے دیا۔ انہوں نے کوئی بھلائی نہیں پائی اور اللہ نے لڑائی میں مومنوں کی مدد فرمائی) کی تفسیر میں ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابن عساکر سے روایت کی ہے کہ اللہ نے لڑائی میں امام علیؑ کے ذریعے مومنین کی مدد فرمائی۔ (فضائل الخمسہ من الصحاح ستہ، ج ۲، ص ۳۲۳۔ نیز رازی، تفسیر سورۂ قدر، جز آخر، صفحہ ۳۱، طبع اول، جز ۳۲)

شرح نہج البلاغہ میں قیس بن ربیع کی اپنی سند سے جو ربیعہ بن مالک سعدی تک پہنچتی ہے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حذیفہ یمان کی خدمت میں جا کر کہا کہ اے اباعبداللہ لوگ اسد اللہ الغالب علیؑ ابن ابی طالبؑ کے بارے میں اور ان کے مناقب پر گفتگو کرتے ہیں تو اہل بصرہ ان سے کہتے ہیں کہ تم لوگ اس شخص کی تعریف میں غلو کرتے ہو تو کیا آپ مجھ کو کوئی ایسی حدیث سنائیں گے جو میں لوگوں سے بیان کروں؟ اس پر انہوں نے کہا کہ ربیعہ تم مجھ سے امام علیؑ کے متعلق کیا پوچھتے ہو اور میں ان کے بارے میں تم سے کیا بیان کروں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں حذیفہ کی جان ہے جس روز سے اللہ نے اپنے رسولؐ کو مبعوث کیا، اگر امت محمدی کے اس روز سے آج تک کے اعمال ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور امام علیؑ کے اعمال میں سے ایک عمل دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو یہ عمل ان سب لوگوں کے سارے اعمال پر بھاری ہوگا۔

ربیعہ کہنے لگے کہ اے اباعبداللہ یہ تو ایسی مدح ہوئی کہ نہ یہ ٹھہر سکتی ہے نہ ٹک سکتی ہے اور نہ برداشت کی جاسکتی ہے۔ میرے خیال میں اس میں زیادتی سے کام لیا گیا ہے۔ اس پر حذیفہ نے کہا کہ وائے مصیبت! کیسے برداشت نہیں کی جاسکتی؟ خندق کے روز مسلمان کہاں تھے جب عمرو اور اس کے ساتھی خندق پار کر کے آگئے تھے تو سب کو بے چینی اور پریشانی لاحق تھی اور اس نے مقابلے کے لئے للکارا تو سب نے اس سے جان چرالی، یہاں تک کہ امام علیؑ نے اس سے

مقابلہ کر کے اس کو قتل کردیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں حذیفہ کی جان ہے اس کا اس روز کا یہ ایک عمل امت محمدیؐ کے آج تک کے اور قیامت کے آنے تک کے تمام اعمال سے اجر میں زیادہ بڑا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ کیا مصیبت ہے، کیسے مدح برداشت نہیں کی جاسکتی؟ کہاں تھے فلاں، فلاں اور حذیفہ اور محمدؐ کے سب اصحاب؟

جب اس کی بہن عمرہ کو اس کے قتل کی خبر سنائی گئی تو اس نے پوچھا اس کو کس نے قتل کیا اور کون اس سے زیادہ جری نکلا تو بتایا گیا کہ وہ علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے۔ وہ بولی کہ عمرو نے بڑے بڑے بہادروں کو قتل کیا، برابر والوں سے مقابلہ کیا اور خود اس کی موت بھی ایسے برابر والے کے ہاتھوں واقع ہوئی جو اپنی قوم میں ذی مرتبہ ہے۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

لو كان قاتل عمرو غير قاتله ... لكنت ابكى عليه دائم الابد
لكن قاتله من لا يعاب به ... قد كان يدعى ابوه بيضة البلد
من هاشم فى ذراها وهى صاعدة ... الى السماء تميت الناس بالحسد
قوم ابى الله الا ان يكون لهم ... كرامة الدين والدنيا بلا لدد
يا ام كلثوم ابكيه ولا تدعى ... بكاء معولة حرى على ولد

''اگر عمرو کا قاتل وہ نہ ہوتا جو ہوا ہے تو میں ہمیشہ ہمیشہ روتی رہتی، لیکن اس کو ایسے شخص نے قتل کیا ہے جس میں کوئی عیب نہیں لگایا جاسکتا۔ اس کے باپ کو بیضۃ البلد یعنی شہر کی رونق کہا جاتا تھا۔ وہ ہاشم کی اولاد سے ہے، اس کی بلندی آسمان تک جاتی ہے، جس سے لوگ حسد کر کے مرے جاتے ہیں، وہ ایسی قوم سے ہے جس کو اللہ نے بلاتردید دین اور دنیا کی بزرگی عطا کی ہے۔ اے ام کلثوم اس پر روؤ لیکن اس طرح نہیں جیسے بیٹے پر رویا جاتا ہے۔''

اس سخت ضربت کے باوجود جس کا قریش کو کوئی خیال تک نہ تھا حملہ آور اپنی حالت پر ڈٹے رہے۔ ادھر بنی قریظہ کی عہد شکنی اور مشرکین کی طرف جاملنے سے مسلمانوں پر معاملات سخت ہوگئے اور مسلمانوں کو یہ خوف ہوا کہ وہ لوگ ان پر قلعوں سے حملہ کریں گے اور انہوں نے ان بلند مقامات کی جانب کھسکنا شروع کردیا جہاں عورتیں تھیں۔

چنانچہ یحیٰی بن عباد بن عبداللہ بن زبیر نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ صفیہ بنت عبدالمطلب حسان بن ثابت کے قلعے کے بلند مقام پر تھیں اور حسان عورتوں اور بچوں کے ساتھ تھے۔ صفیہ کہتی ہیں کہ ہماری طرف سے ایک یہودی مرد گزرا اور وہ قلعہ کا چکر کاٹنے لگا۔ بنی قریظہ اپنے اور رسول اللہؐ کے درمیان ہونے والا عہد توڑ چکے تھے اور اب ہمارے اور ان کے درمیان کوئی ایسا نہ تھا جو ہمارا بچاؤ کرتا جبکہ رسول اللہؐ اور تمام مسلمان دشمنوں کے مقابلے پر تھے۔ قریب تھا کہ دشمن مدینہ کو ہر طرف سے گھیرے میں لے لیں۔ خصوصاً بنی قریظہ کے ان سے مل جانے کے بعد کیونکہ وہ لوگ مدینہ کے تمام راستوں سے واقف تھے۔ بنی قریظہ کے ذریعے وہ مدینہ کی گلی کوچوں میں دوڑ لگاتے اور ان کے ذریعے

وہ رسول اللہؐ کی مسجد اور آنحضرتؐ کے بیت الشرف تک پہنچ سکتے تھے۔ صفیہ سمجھ گئیں کہ وہ یہودی اپنی قوم بنی قریظہ کے لئے جاسوسی کر رہا ہے تاکہ عورتوں کے قلعوں کی طرف پہنچنے کا راستا مل جائے۔ ادھر نبی اکرمؐ اور آپ کے ساتھی ان خوفناک گروہوں سے بہت دور تھے۔ ادھر یہ کوشش کر رہے تھے کہ ایک مکمل حملہ کرنے کے لئے موقع حاصل کر لیں۔

صفیہ کو اس یہودی سے جو عورتوں کے قلعوں کے چاروں طرف چھپا چھپا پھر رہا تھا، خوف محسوس ہوا تو انہوں نے حسان سے کہا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ یہودی ہمارے قلعوں کے چکر کاٹ رہا ہے۔ قسم بخدا! میں ڈرتی ہوں کہ یہ ہمارے پیچھے والے راستوں کو پالے گا جبکہ رسول اللہؐ ان مشرکوں کی وجہ سے جو اُن کو گھیرے ہوئے ہیں ہماری طرف سے غافل ہیں۔ پس آپ نیچے جا کر اس کو قتل کر ڈالئے۔ انہوں نے کہا کہ اے بنت عبدالمطلب! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت کرے۔ قسم بخدا! آپ جانتی ہیں کہ میں ایسے کام کا آدمی نہیں ہوں۔ صفیہ کہتی ہیں کہ میں ان سے یہ سن کر مایوس ہوگئی کہ ان میں کوئی خوبی نہیں۔ پھر میں نے اپنی کمر میں ایک کپڑا کس کے باندھ لیا اور ایک ڈنڈا لے کر قلعے سے نیچے اتری اور اس یہودی کو اس ڈنڈے سے اتنا مارا کہ وہ مرگیا۔ اس سے فارغ ہو کر میں قلعے کی طرف واپس چلی گئی اور اب میں نے ان سے کہا کہ حسان اب آپ نیچے جا کر اس کا سازوسامان اس پر سے اتار لیجئے کیونکہ میں ایسا اس لئے نہیں کرسکتی کہ وہ مرد ہے۔ اس پر وہ بولے کہ اے بنت عبدالمطلب! مجھ کو اس کے مال کی کوئی خواہش نہیں ہے۔

مدینہ پر محاصرہ قائم رہا اور بہت سی روایات بتلاتی ہیں کہ مشرکوں کی بعض جماعتیں چھپ کر بنی قریظہ کی جانب سے مدینہ کے اندر داخل ہوگئیں اور مسلمانوں نے شہر کے اندر رہ کر ان سے مقابلہ کیا۔ سچے مسلمان اس توقع کے باعث ثابت قدم رہے کہ ان کو اللہ کی امداد حاصل ہوگی جیسا کہ رسول اللہؐ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا اور اللہ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل کی تھی:

> وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا۝ ”جب مومنوں نے کہا کہ یہ وہ ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا تھا۔ اس سے ان کے ایمان اور اللہ کے سامنے جھکنے میں اور زیادتی ہوگئی۔“ (سورۃ احزاب: آیت ۲۲)

البتہ منافقوں اور مہاجرین اور انصار میں سے کمزور ایمان والوں نے اس پریشانی سے گمراہی اور شکوک پھیلانے کے لئے فائدہ اٹھایا اور جو وعدے ان لوگوں سے نبی اکرمؐ نے مکہ میں فاتحانہ داخل ہونے اور کسریٰ اور قیصر کے محلات پر قابض ہونے کے لئے کئے تھے ان کو ناممکن قرار دینے لگے جس پر یہ آیت نازل ہوئی: وَإِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا۝

نبی اکرمؐ اس پریشانی سے نکلنے کے لئے جیسی مسلمانوں کو اس سے پہلے کبھی پیش نہ آئی تھی سوچنے اور تدبیر کرنے لگے۔ آنحضرتؐ نے مشرکوں سے پوری طرح تصادم لینے کے لئے نہ سوچا تھا نہ اس کو اپنے حساب میں رکھا تھا تاآنکہ وہ

لوگ آپ کو اس پر مجبور نہ کر دیں کیونکہ وہ گروہ جو اکٹھے ہو کر حملہ آور ہوئے تھے مسلمانوں کی ذہنی کیفیات پر بھی اثر انداز ہوئے تھے۔ اب یہ مشکل ہو گیا تھا کہ مسلمان ان کے سامنے ثابت قدم رہیں۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ بنی قریظہ کے یہودی بیرونی حملہ آوروں سے جا ملے تھے اور اہل مدینہ کو اندرونی طور پر ڈرا رہے تھے۔ پس آنحضرتؐ نے پہلے غطفان اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ کی پیداوار کا کچھ حصہ دینے کی پیشکش پر توڑ لینا چاہا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ آپ کو غطفان کی طرف سے اس کے لئے آمادگی بھی نظر آئی لیکن تدبیر فائدہ مند ہونے کے باوجود آنحضرتؐ پیداوار کے مالکوں کی مرضی کے بغیر اس قسم کا معاہدہ نہ کر سکے کیونکہ مدینہ کی پیداوار اپنے اپنے مالکوں کی تھی اور آپ ان کی ملکیت کے معاملے میں زبردستی نہ کر سکتے تھے۔ جب آنحضرتؐ نے اپنی تجویز اوس اور خزرج کے سرداروں کے سامنے پیش کی تو جیسا کہ ہم نے اس سے قبل ذکر کیا آپ کو ان دونوں کی طرف سے اپنے مطالبے کی منظوری حاصل نہیں ہوئی۔

آنحضرتؐ ایسی تدبیر سوچ رہے تھے جس سے معاملے کی شدت میں کمی پیدا ہو اور دشمن میں تفرقہ پیدا کر کے ان میں پھوٹ ڈالدے کہ نعیم بن مسعود حملہ آوروں میں سے چپکے سے نکل کر نبی اکرمؐ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہؐ! میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور آپ کی رسالت پر ایمان لے آیا ہوں۔ میری قوم کو میرے اسلام لانے کا علم نہیں ہے۔ پس آپ جو چاہیں مجھے حکم دیں۔ رسول اکرمؐ کو موقع مل گیا اور آپ نے فرمایا کہ جہاں تک اس کی قوم والے اس کی رائے کا پاس کرتے ہیں اور اسے اپنا مانتے ہیں وہ ان سے ایسی بات منوائیں جو ان لوگوں کے درمیان تفرقہ پیدا کر دے اور آپ نے اس سے فرمایا کہ تم اکیلے شخص ہو اس لئے جتنا ہو سکے ہماری طرف سے ان لوگوں کو توڑو۔

پس نعیم بن مسعود نکل کر بنی قریظہ کے پاس پہنچا کیونکہ وہ پہلے سے ان کا ہم نشین تھا اور اس نے ان سے کہا کہ اے بنی قریظہ! تم اپنے ساتھ میری محبت اور میرے تعلقات کو جانتے ہو۔ وہ بولے کہ کہو کیا چاہتے ہو؟ کیونکہ تمہارے بارے میں ہم کوئی قابل اتہام بات نہیں جانتے۔ تب اس نے کہا کہ قریش اور غطفان کی حیثیت تمہارے جیسی نہیں ہے، یہ شہر تمہارا شہر ہے، تمہارا مال و دولت، تمہاری عورتیں، تمہارے بچے سب اس میں ہیں۔ یہ تمہارے لئے دشوار ہے کہ تم کہیں اور چلے جاؤ۔ رہے قریش اور غطفان تو وہ محمدؐ سے لڑنے آئے ہیں اور اپنی عورتوں، اپنے مال و دولت اور اپنے بچوں کو اپنے شہر میں محفوظ چھوڑ کر آئے ہیں۔ اگر ایسا ہوا کہ وہ محمدؐ اور ان کے ساتھیوں پر قابو پا گئے تو یہ وہ چاہتے ہی ہیں لیکن اگر نہ کر سکے تو وہ اپنے شہر واپس چلے جائیں گے اور معاملہ تمہارے اور ان (یعنی محمدؐ) کے مابین چھوڑ جائیں گے۔ پھر تم کو تنہا ان سے نمٹنے کی طاقت نہ ہوگی۔ میں تمہیں یہ رائے دیتا ہوں کہ تم ان کے ساتھ مل کر مت لڑو تاوقتیکہ ان کے ممتاز افراد سے یہ ضمانت نہ لے لو کہ وہ تمہارے ساتھ رہیں گے اور زیر ہو جانے کی صورت میں تم کو اکیلا چھوڑ کر اپنے شہر واپس نہ جائیں گے۔ بنی قریظہ اس رائے سے مطمئن ہو گئے اور کہنے لگے کہ تم نے صحیح مشورہ دیا ہے۔ پھر وہ وہاں سے نکل کر قریش کی طرف گیا اور ابوسفیان بن حرب اور اس کے ساتھ والوں سے کہنے لگا کہ تم جانتے ہو کہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں اور محمدؐ سے علیحدگی رکھتا ہوں۔ مجھے ایک ایسا معاملہ معلوم ہوا ہے کہ میں اپنا حق سمجھتا ہوں کہ وہ تم کو بتلا دوں۔ تم اس کو چھپائے رکھنا۔

انہوں نے کہا کہ یہ ہم مانتے ہیں۔ تب اس نے کہا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ یہودی اپنے اور محمدؐ کے مابین کئے ہوئے پر نادم ہوگئے ہیں اور انہوں نے یہ امر ان کو بتا کر پیشکش کی ہے کہ تمہارے اور غطفان کے کچھ افراد کو لے کر ان کے سپرد کر دیں گے تا کہ مسلمان ان کو قتل کر دیں۔ پھر وہ سب ان سے مل جائیں گے اور تم سب کا صفایا کر دیں گے۔ انہوں نے اس کو قبول کرلیا ہے۔ پس اگر یہودی تمہارے پاس پیام بھیجیں اور تم سے تمہارے کچھ افراد کو اپنے پاس لے جانے کو کہیں تو تم کسی کو ان کے سپرد نہ کرنا۔

اب وہ غطفان کے پاس گیا اور اس نے ان سے کہا کہ اے گروہ غطفان تم میرے کنبے اور قبیلے والے ہو اور مجھے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم مجھ کو کسی معاملے میں قابل اتہام سمجھو گے۔ وہ بولے کہ ہاں ہم تمہیں قابل اتہام نہیں سمجھتے۔ تب اس نے ان سے وہی کہا جو قریش سے کہا تھا اور ان کو یہودیوں کی ان کے ساتھ غداری کرنے سے ڈرایا۔ اس طرح وہ قریش اور غطفان کی فضا کو بنی قریظہ کے یہودیوں کی طرف سے شک اور شبہ سے پر کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ جب ماہ شوال میں ہفتہ کی شب آئی تو ابوسفیان اور غطفان کے سرداروں نے بنی قریظہ کے پاس عکرمہ بن ابی جہل کو قریش اور غطفان کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا۔ انہوں نے ان سے کہا کہ ہم یہاں رہنے نہیں آئے ہیں، چھوٹے بڑے ہلاک ہو چکے ہیں، پس جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ تا کہ ہم محمدؐ کا مقابلہ کر کے اپنے اور ان کے مابین چلنے والے معاملے کو چکا دیں۔ ان لوگوں نے ان سے کہلا بھیجا کہ آج تو ہفتے کا دن ہے اور ہم اس روز کوئی کام نہیں کرتے ہیں۔ ہم میں سے ایک فرد نے اس روز ایک نیا کام کیا تھا تو اس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ تم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن ہم تمہارے ساتھ مل کر محمدؐ سے نہیں لڑیں گے تاوقتیکہ تم ہم کو ایسی ضمانت نہ دو جو ہمارے قبضے میں رہے تا کہ ہمیں اطمینان ہو جائے کہ تم ان سے آخر تک لڑو گے کیونکہ ہم ڈرتے ہیں کہ اگر جنگ سے تم کو شدید زک پہنچی اور لڑائی تمہارے لئے کٹھن ہوتی گئی تو تم اپنے شہروں کو بھاگ جاؤ گے اور ہمیں ان کے رحم و کرم پر چھوڑ جاؤ گے جبکہ وہ ہمارے ہی شہر کے لوگ ہیں اور ہم اکیلے ان سے نمٹنے کی قوت نہیں رکھتے۔

اس پر عکرمہ اور اس کے ساتھیوں نے قریش اور غطفان کے پاس واپس جا کر دونوں کو ان لوگوں کے مطالبے سے آگاہ کردیا تب یہ لوگ بولے کہ نعیم نے ہم سے سچ کہا تھا اور ان سے کہلا بھیجا کہ ہم اپنے آدمیوں میں سے ایک آدمی بھی تمہارے سپرد نہیں کریں گے۔ اگر تم لڑنے پر آمادہ ہو تو باہر آجاؤ تا کہ ہم ان سے کل جنگ کرلیں لیکن دونوں فریق اپنی اپنی بات پر اڑے رہے اور یہودیوں نے ان کے ساتھ تعاون سے انکار کردیا تا آنکہ وہ کچھ ضامن ان کے حوالے نہ کریں۔

بنی قریظہ کی طرف سے مایوس ہو کر ابوسفیان اور بنی غطفان میں سے اس کے ساتھ والوں نے فیصلہ کیا کہ دوسرے دن کی صبح کو حضرت محمدؐ پر حملہ کردیں۔ گو اس سے پہلے بھی فریقین میں تیروں کی جھڑپیں ہوتی رہی تھیں لیکن رات ہونے پر بارش اور بجلی کے ساتھ ایسی تیز و تند جھکڑ والی ہوا چل پڑی جیسی ان میں سے کسی نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ ہوائیں اور

بارش تیزی اختیار کرتی گئیں یہاں تک کہ ان کے خیمے اکھڑ گئے، ان کی دیگیں الٹ گئیں اور ان سب پر ایسا ڈر اور خوف طاری ہوا جس سے وہ اپنی طویل تاریخ میں کبھی دوچار نہ ہوئے تھے اور ان کو یہ خیال ہوا کہ اس درمیان میں مسلمان ان پر حملہ کرنے اور پٹائی کرنے کی تیاری کرلیں گے۔

چنانچہ طلحہ بن خویلد نے کھڑے ہوکر صدادی کہ محمدؐ نے برائی کی ابتدا کی ہے۔ پس نجات حاصل کرو نجات حاصل کرو۔ ابوسفیان نے کہا کہ اے قوم قریش قسم بخدا! تم لوگ ایسی جگہ پر جمع ہوئے ہو جہاں سواریاں اور ہلاک ہوگئی ہیں، ہم کو بنی قریظہ نے چھوڑدیا ہے، ہم کو ان کی بابت ناخوشگوار خبریں ملی ہیں اور ہم کو آندھی سے جو کچھ تباہی ملی ہے وہ تم لوگ دیکھ رہے ہو۔ پس تم سب لوگ چل پڑو کیونکہ میں خود بھی جارہا ہوں۔ چنانچہ سب لوگ جلدی کرنے میں لگ گئے۔ آندھیاں برابر ان کے خیموں اور ساز وسامان کو تباہ کررہی تھیں۔ انہوں نے اپنے سامان کو اتنا ہلکا کرلیا جتنا وہ لاد کر لے جاسکیں اور بنی غطفان اور دوسری جماعتوں میں سے جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان کو لے کر اور اپنا کثیر سازوسامان جہاں تھا وہیں چھوڑ کر مدینہ سے واپس روانہ ہوگئے کیونکہ ان پر ایسا خوف اور رعب طاری تھا کہ ان کو اپنی جانیں بچانے کے علاوہ کوئی اور خواہش نہ تھی۔

تاریخ وسیرت کی کتابوں میں حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ان کے لئے بددعا کی اور اللہ سے دعا کی کہ آپ کو آزمائش سے نکال دے اور آپ سے ان کے شر کو دور کردے۔ جب آنحضرتؐ نے محسوس فرمایا کہ وہ لوگ گھبرائے ہوئے روانہ ہوگئے ہیں تب آپ نے مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو اُن کی طرف جاکر ہمارے لئے دیکھ آئے کہ انہوں نے کیا کیا ہے اور میں ضمانت دیتا ہوں کہ وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ لیکن کوئی نہ اٹھا۔ تب رسول اللہؐ نے مجھ کو اس کام کے لئے بلایا۔ اب میرے لئے آنحضرتؐ کا حکم ماننے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ چنانچہ میں کھڑا ہوگیا اور ان لوگوں کی طرف جاکر ان میں جاملا جبکہ آندھی اور اللہ کے لشکر ان کی خوب خبر لے رہے تھے اور وہ لوگ روانگی کی تیاری میں لگے ہوئے تھے۔ مین انہی میں رہا تاآنکہ وہ چلے گئے۔ تب میں نے واپس آکر رسول اللہؐ کو ان کی کیفیت سے آگاہ کردیا۔ پس آنحضرتؐ نے اللہ کا شکرادا کیا جیسا کہ یہ آیت اشارہ کرتی ہے:

یَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ ''اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو جب تمہارے پاس لشکر آئے تو ہم نے ان کے مقابلے کے لئے آندھی اور ایسے لشکر بھیجے جو تم نے نہیں دیکھے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کا دیکھنے والا ہے۔'' (سورۂ احزاب: آیت ۹)

تقریباً بیس سے زیادہ رات اور دن مسلسل حملہ آوروں کے سامنے رہ کر نبی اکرمؐ اور آپ کے اصحاب مدینہ واپس ہوگئے جبکہ بھوک، شب بیداری، عورتوں اور بچوں پر دشمن کے قبضہ کرلینے کے خوف نے ان کو تھکا ڈالا تھا اور وہ جاہ رہے تھے کہ اس طویل غزوہ کے بعد جس سے مسلمانوں کو بلکہ مدینہ کو اپنی طویل تاریخ میں اس سے پہلے سابقہ کبھی نہیں پڑا تھا اور

ان چند دنوں میں اث کو خوف، رنج اور بھوک نے خوب ستایا تھا، ان کو کچھ آرام مل جائے چاہے وہ تھوڑے ہی دنوں کے لئے ہو۔ اللہ نے ان کی اس حالت کو ذیل کی آیت میں مختصراً بیان کیا ہے:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا○ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا○

اس تھکا ڈالنے والی مشقت کے بعد مسلمانوں کی خواہش تھی کہ ان کو راحت کا کچھ موقع مل جائے خواہ چند ہی دن کے لئے سہی لیکن ایسی حالت میں ان کو چین کہاں نصیب تھا کیونکہ یہودیوں نے قریش بنی غطفان اور دیگر عربوں کو دھوکے میں رکھا تھا کہ وہ اس غزوہ میں ان کے ساتھ ہیں اور یہ غزوہ مسلمانوں کو بالکل ختم کر دینے والا تھا، اگر اللہ کی عنایت نہ ہوگئی ہوتی جس کے باعث مشرکوں کے لئے شکست کے اسباب اکٹھے ہوگئے۔ یعنی امام علیؑ کا عمرو بن عبدود عامری اور نوفل بن عبداللہ کو قتل کرنا، ان دونوں کے ان بہادر ساتھیوں کا بھاگ جانا جو خندق پار کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے اور وہ دانشمندانہ تدبیریں جو نبی اکرمؐ نے نعیم بن مسعود کے ذریعے دشمن میں تفرقہ ڈالنے اور ان کے اتحاد کو توڑنے کے لئے کیں اور آندھی، بجلی اور بارش نے رہی سہی کسر نکال دی۔ ان کے لئے ٹھہرے رہنے کی کوئی صورت نہ رہی بلکہ انہیں اپنی سلامتی کی امید بھی نہ رہی۔ ان کے دلوں پر خوف اور رعب چھایا ہوا تھا۔

بنی قریظہ ہی تھے جو اُن ہزاروں حملہ آور لوگوں کے مجمع میں شریک ہوگئے تھے۔ نبی اکرمؐ سے کئے ہوئے ان معاہدوں کو بھلا کر جو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ ہر حالت میں پورے پورے وفادار رہنے کے لئے کئے تھے۔ یہ لوگ اب مخالفوں کے طرفدار بن چکے تھے۔ ان کے دل مکر، غداری اور فریب سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ مستقبل قریب میں وہی کردار ادا کر سکتے تھے جو انہوں نے ابھی ابھی قریش اور ان کے عرب حلیفوں کے ساتھ کیا اور پھر وہ واقعات رونما ہوئے جنہوں نے مشرکوں کو خوف زدہ کر دیا اور ان کی تمام امیدوں اور اغراض کو متزلزل کر دیا۔

اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ نبی اکرمؐ نے ان کے ساتھ اس زمانے میں نیا عہد کرلیا تھا تو بھی ان کو اس کے توڑنے اور آنحضرتؐ پر دوبارہ حملہ آور ہونے سے جیسا کہ وہ ابھی کر چکے تھے کیا چیز روک سکتی تھی حالانکہ آنحضرتؐ کی جانب سے انہیں محض سچائی اور وفاداری ہی کا تجربہ ہوتا رہا تھا جیسا کہ ان کے سردار نے اس وقت اعتراف کیا تھا جب حیی بن اخطب نے اس کو حملہ آوروں کے ساتھ شریک ہونے کی دعوت دی تھی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

نبی اکرمؐ بنی قریظہ کے ساتھ کئے ہوئے عہدو پیمان کی تمام شرائط پر اسی طرح قائم رہے تھے جس طرح آپ بنی نضیر اور بنی قینقاع کے ساتھ عہد پر قائم رہے تھے اور وفاداری اور بلند نفسی کے ساتھ ان عہدناموں کی حفاظت اور ان کا لحاظ کرتے رہے تھے کیونکہ آپ کا عالی نفس شرافت، کرامت اور وفا کا سرچشمہ تھا۔ ان سب حقائق کے باوجود وہ لوگ برائی اور فساد کے آلے ثابت ہوئے۔ چنانچہ آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب ان لوگوں کو وہاں سے نکالنے کے بعد ہی راحت کا مزہ چکھ سکتے تھے۔ یہ تھے بنی قریظہ جنہوں نے بعینہ وہی داؤ کھیلا جو بنی نضیر اور بنی قینقاع کھیل چکے تھے بلکہ اس سے بھی برا۔

— ۱۶ —

غزوۂ بنی قریظہ

جس روز نبی اکرمؐ مدینہ مراجعت فرما ہوئے اور ہر مسلمان اپنے اپنے گھر چلا گیا مؤرخوں اور سیرت نبوی لکھنے والوں کا کہنا ہے کہ اسی روز جبرئیلؑ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ اللہ آپ کو حکم دیتا ہے کہ بنی قریظہ کی طرف تشریف لے جائیں۔ پس رسول اللہؐ کے حکم سے منادی نے لوگوں میں اعلان کردیا کہ جو کوئی آنحضرتؐ کا حکم سن کر اطاعت کرنے والا ہے وہ بنی قریظہ میں پہنچ کر ہی نمازِ عصر ادا کرے۔ آنحضرتؐ نے علم امام علیؑ کو دیا۔ مسلمانوں نے اس تھکان اور جگائی کے باوجود جو اُن کو قریش اور بنی غطفان کے محاصرے کے زمانے میں لاحق ہوئی تھی، آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کی۔ امام علیؑ اور مسلمان بنی قریظہ کی طرف روانہ ہوئے جو اپنے قلعوں کے اندر تھے۔ مسلمان ان کے قریب پہنچے تو انہوں نے ان کو نبی اکرمؐ کو برا بھلا کہتے ہوئے اور آنحضرتؐ کے لئے زیادہ سے زیادہ گندے الفاظ کہتے ہوئے سنا۔ امام علیؑ واپس ہوئے تاکہ نبی اکرمؐ سے اجازت لیں کہ ان کے قلعوں کے قریب اس وقت نہ جائیں تاکہ ان کی بدکلامی نہ سنیں۔ لیکن جیسا کہ طبری کی روایت میں ہے کہ نبی اکرمؐ چلتے رہے یہاں تک کہ جب آنحضرتؐ ان کے قلعوں کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا:

اے بندروں کے بھائی بندو! کیا اللہ نے تم کو ذلیل نہیں کیا اور تم پر اپنا عذاب نازل نہیں کیا؟ اس پر انہوں نے کہا کہ اے ابوالقاسم! آپ تو جانتے ہی ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان کے ایک کنوئیں پر پڑاؤ ڈالا یہاں تک کہ سب مسلمان پہنچ گئے۔ تب نبی اکرمؐ تقریباً ایک مہینے تک ان کا محاصرہ کئے رہے۔ جب ان پر محاصرہ سخت ہوگیا تو ان سے کہا گیا کہ رسول اللہؐ کا حکم قبول کرلو۔ ان پر بڑا خوف طاری تھا۔ قریش اور بنی غطفان کے چھوڑ جانے کے بعد حیی بن اخطب بھی اپنے اس عہد و پیمان کو پورا کرنے کی غرض سے جو اس نے بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد سے کیا تھا، ان کے ساتھ ان کے قلعوں میں داخل ہوگیا تھا۔ جب ان لوگوں کو یقین ہوگیا کہ رسول اللہؐ ان کے پاس سے جنگ کئے بغیر جانے والے نہیں ہیں تو کعب بن اسد نے ان سے کہا کہ اے گروہ یہود! تم پر جو وقت آپڑا ہے وہ تم دیکھ رہے ہو، میں تم کو تین صورتیں پیش کرتا

ہوں، ان میں سے جو چاہو اختیار کرلو۔ وہ بولے کہ وہ کیا ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس شخص کی پیروی کرلیں اور ان کی تصدیق کردیں کیونکہ قسم بخدا! یہ تم پر یقیناً واضح ہوگیا ہے کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں اور وہ وہی ہیں جن کا ذکر تم اپنی کتابوں میں پاتے ہو۔ اس طرح تم اپنے آپ کو، اپنے مال کو، اپنے بچوں اور عورتوں کو محفوظ کرلو گے اور تمہیں امن حاصل ہوجائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہم توریت کے احکام ترک نہ کریں گے، نہ اس کو کسی اور کتاب سے بدلیں گے۔

تب انہوں نے کہا کہ تم اس سے انکار کرتے ہو تو آؤ ہم اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کردیں اور پھر اپنے قلعوں سے نکل کر اپنی تلواریں کھینچے ہوئے محمدؐ اور ان کے اصحاب کی طرف نکل کھڑے ہوں۔ اس صورت میں ہمارے پیچھے کوئی ایسی چیز نہ ہوگی جو ہم کو فکر مند کرے۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور ان کے مابین فیصلہ کردے۔ پس اگر ہم ہلاک ہوگئے تو ہم اپنے پیچھے کوئی چیز نہ چھوڑیں گے جس سے ہم ڈریں اور اگر ہم محمدؐ پر کامیاب ہوگئے تو عورتیں بہت ہیں۔ اس پر ان لوگوں نے کہا کہ کیا ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو بلاخطا مار ڈالیں۔ ان کے بعد تو زندگی میں کوئی خوبی نہ ہوگی۔

تب انہوں نے کہا کہ تم نے اس سے بھی انکار کردیا ہے تو دیکھو یہ شب ہفتہ ہے اور غالباً محمدؐ اور ان کے ساتھی اس اطمینان میں ہوں گے کہ ہم اس روز ان سے جنگ نہ کریں گے۔ تو آؤ ہم اپنے قلعوں سے اتر چلیں اور محمدؐ اور ان کے اصحاب کو اچانک جالیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اگر ہم ایسا کریں گے تو سبت کے تقدس کو خراب کریں گے۔ ہم ایسی جدت کے مرتکب ہوں گے جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کی اور تم جانتے ہی ہو کہ جس کسی نے ایسا کیا وہ کیسے مسخ ہوگیا۔

وہ قلعوں کے اندر رہے اور مسلمانوں نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ ان لوگوں کے درمیان وقتاً فوقتاً تیر اور پتھر مارنے کے سوا اور کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ جب وہ لوگ مسلمانوں کے واپس چلے جانے سے مایوس ہوگئے تو انہوں نے نبی اکرمؐ سے کہلوایا کہ آپ ہمارے پاس عمرو بن عوف کے بھائی ابولبابہ بن عبدالمنذر کو بھیج دیجئے تاکہ ہم ان سے اپنے معاملے میں مشورہ کرلیں۔ رسول اللہؐ نے ان کو بھیج دیا۔ جب انہوں نے ان کو دیکھا تو تمام مرد اُن کے قریب آ کھڑے ہوئے اور ان کے چاروں طرف عورتیں اور بچے آ کر رونے لگے جس سے انہیں اُنؑ پر ترس آ گیا۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ اے ابولبابہ! کیا تمہاری رائے ہے کہ ہم محمدؐ کے حکم کے سامنے جھک جائیں؟ (ان پر ایمان لے آئیں)۔ انہوں نے کہا کہ ہاں اور اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا جس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ حکم کے سامنے نہ جھکیں گے تو نتیجہ قتل ہوگا۔
ابولبابہ اپنے اس اشارہ کرنے پر نادم ہوئے جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں آیا ہے اور انہوں نے اس کو رسول اللہؐ سے خیانت خیال کیا۔ پس وہ بنی قریظہ سے واپس آ کر مسجد چلے گئے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ لیا تاکہ اللہ ان کی توبہ قبول کرلے۔ بالآخر رسول اللہؐ نے ان کی توبہ قبول کرلی۔ اس وقت آنحضرتؐ ام سلمہ کے گھر میں تھے۔ رسول اللہؐ نے ان کو اجازت دی کہ ان کو اس کی خوشخبری دیدیں۔ چنانچہ جیسا کہ ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ ان خاتون نے جاکر ان کی توبہ قبول ہو جانے کی خوشخبری سنائی۔ سیرت نگاروں اور مفسرین کا کہنا ہے کہ اس وقت سورۂ انفال کی آیت ۲۷ نازل ہوئی:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَخُونُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ○

''اے ایمان والو! نہ تم اللہ اور رسولؐ کی خیانت کرو اور نہ جان بوجھ کر اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔''

ان کی توبہ کے لئے یہ آیت نازل ہوئی:

وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحًا وَ اٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo ''اور دوسرے وہ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا اور انہوں نے نیک عمل کو عمل بد کے ساتھ مخلوط کردیا، قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرلے۔ یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا رحیم ہے۔'' (سورۂ توبہ: آیت۱۰۲)

ان کی خیانت یہ تھی کہ انہوں نے اس چیز کو ظاہر کردیا جو رسول اللہؐ چھپائے ہوئے تھے چنانچہ کعب بن اسد نے ان سے کہا کہ اب تم محمدؐ کے حکم کے آگے سر جھکادو۔ تم نے ابولبابہ سے سن ہی لیا ہے کہ محمدؐ نے تمہارے لئے کیا طے کرلیا ہے۔ وہ آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ بعض نے کہا کہ تم حالات میں بنی نضیر سے زیادہ برے نہیں ہو، قبیلہ اوس میں تمہارے دوست ہیں، وہ تم کو شر سے بچالیں گے، اگر محمدؐ نے تمہارے ساتھ کچھ کرنا ہی ہے تو ان کو یہ پیشکش کرو کہ ہم اپنے قلعوں سے ریگستان کی طرف چلے جاتے ہیں اور خیال ہے کہ ان کو اس بات کے ماننے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔

چنانچہ بنی قریظہ نے نبی اکرمؐ کو پیغام بھیجا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں ریگستان کی طرف چلے جانے اور اپنی مملوکہ اشیاء چھوڑ جانے کی پیشکش کی۔ آنحضرتؐ نے کچھ نہیں مانا سوائے اس کے کہ وہ آپ کے حکم کو قبول کریں۔ اس پر بنی قریظہ نے اوس کے پاس پیغام بھیجا اور گزارش کی کہ نبی اکرمؐ سے اس پیشکش کے قبول کرانے کے لئے مداخلت کریں جس طرح خزرج نے بنی نضیر کے معاملے میں مداخلت کی تھی۔ پس اوس کی ایک جماعت نے نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ یارسول اللہؐ! کیا آپ ہمارے حلیفوں سے وہ چیز قبول نہیں فرمائیں گے جو آپ نے بنی نضیر سے قبول فرمائی تھی جو خزرج کے حلیف تھے۔ نبی اکرمؐ نے ان سے کہا کہ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں اپنے اور تمہارے حلیفوں کے درمیان تم میں سے ایک آدمی مقرر کردوں۔ ان لوگوں نے کہا کہ ٹھیک ہے یارسول اللہؐ!۔ آپ نے فرمایا کہ تو پھر ان سے کہو کہ بنی اوس میں سے جس کو چاہیں حکم اختیار کرلیں۔ اس پر یہودیوں نے سعد بن معاذ کو حکم بنایا اور معاذ کے ساتھ اپنا وہ موقف بھول گئے جب یہ لوگ عہد شکنی کر کے حملہ آوروں سے جاملے تھے۔ حالانکہ سعد ایسا کرنے سے انہیں ڈراتے رہے تھے اور یہ کہ وہ کیسے رسول اللہؐ اور ان کے اصحاب کو ان کے سامنے برا کہتے رہے تھے یہاں تک کہ ان لوگوں نے آنحضرتؐ کو مجبور کردیا تھا کہ آپ ان سے مقابلہ فرمائیں۔

جنگ خندق میں محاصرے کے دوران سعد بن معاذ کے بازو میں ایک تیر آلگا تھا جس سے ان کی ایک رگ کٹ گئی جس سے ان کا کافی خون بہہ گیا تھا اور ان کی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ تیر لگنے پر انہوں نے کہا تھا: ''یااللہ! اگر تو نے قریش کے ساتھ جنگ کو کچھ دیر باقی رکھنا ہے تو اس کے لئے مجھے بھی زندہ رکھ کیونکہ مجھ کو کسی قوم سے جنگ ان سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے۔ اس قوم نے تیرے رسول کو دکھ پہنچائے، ان کو جھٹلایا اور ان کو دیس سے نکال دیا۔ یااللہ! اگر تو نے ہمارے اور ان کے مابین جنگ قرار دی ہے تو اس میں میرے لئے موقع شہادت قرار دے مگر مجھ کو اس وقت تک موت نہ دے جب تک میں بنی قریظہ کی جانب سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی نہ کرلوں۔''

خندق سے واپسی پر نبی اکرمؐ نے حکم دیا تھا کہ ان کو مسجد ہی میں قائم کئے ہوئے ایک خیمے میں رکھا جائے تا کہ وہ آنحضرتؐ سے قریب رہیں کیونکہ ان کے شدید زخموں کا علاج کیا جارہا تھا اور دوسرے زخموں کی دیکھ بھال ہو رہی تھی۔ جب بنی قریظہ نے ان کو اپنے اور نبی اکرمؐ کے مابین حکم کے طور پر چنا تو ان کی قوم اوس والے ان کو اٹھا کر رسول اللہؐ کی خدمت میں لے گئے اور وہ ان سے کہہ رہے تھے کہ اے ابوعمرو! اپنے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کیونکہ رسول اللہؐ نے تم کو ان پر اسی لئے مقرر فرمایا ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ جب ان لوگوں نے بہت کہا تو یہ بولے کہ میرے لئے ضروری ہے کہ میں اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کروں۔

اس وقت ان کی قوم کے کچھ افراد نے بنی عبدالاشہل کے گھر جاکر بنی قریظہ کو قبل اس کے کہ سعد بن معاذ ان تک پہنچیں، ان کی موت کے فیصلے سے آگاہ کر دیا تب بنی عبدالاشہل کو یقین ہوگیا کہ سعد ان کے متعلق قطعاً نہیں بھولے کہ انہوں نے رسول اللہؐ سے غداری کی تھی اور ان عہدناموں کو توڑ دیا تھا جو اُن کے اور آنحضرتؐ کے مابین تھے اور یہ کہ سعد نے سوچ لیا ہے کہ اگر بنی قریظہ مدینہ سے نکل گئے جس طرح بنی قینقاع اور بنی نضیر نکل گئے تھے، تو وہ وہی کچھ پھر کریں گے جیسا ماضی میں کرچکے تھے اور عین ممکن ہے کہ اب ان کا خطرہ اور بڑھ جائے کہ جس کے بعد مسلمانوں کے لئے ان کا ختم کرنا دشوار ہو جائے۔

بلاشبہ نبی اکرمؐ بھی ان کے بارے میں یہی رائے رکھتے تھے اور اگر آنحضرتؐ کو ان کے متعلق ہلکا سا بھی یہ احتمال ہوتا کہ وہ مسلمانوں سے صلح کرلیں گے تو آپ وہ اقدام نہ فرماتے جو آپ نے فرمایا کیونکہ آنحضرتؐ تلوار کی طرف آخری علاج کے طور پر رجوع فرماتے تھے جب اس کا کوئی متبادل طریقہ نہ ہوتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ عفو کی لذت انتقام سے بہتر ہے۔ جب تم اپنے دشمن پر فتحیاب ہو جاؤ تو دونوں کامرانیوں میں عفو زیادہ شیریں ہوتا ہے۔ البتہ آنحضرتؐ ان لوگوں کی مسلمانوں سے صلح کر لینے کی طرف سے مایوس تھے، خواہ ان کے ساتھ کتنی ہی بھلائی اور حسن سلوک کیا جائے۔

آپ کی یہی رائے تھی کہ اگر آج ان کو معاف کردیا گیا تو جب وہ آنحضرتؐ کے دشمنوں سے ملیں گے، بعینہ وہی کریں گے جو ماضی میں کرچکے تھے۔ اسی طرح آنحضرتؐ یقین رکھتے تھے کہ اسلام کے معاملے میں سعد نہ کسی کا لحاظ کریں گے نہ جانبداری کریں گے یہ بنی قریظہ کی شومئ قسمت تھی کہ انہوں نے اپنے حلیفوں کے سردار کو اپنے اور رسول اللہؐ کے درمیان حکم منتخب کیا۔ حالانکہ یہ ماضی قریب کی بات ہے کہ سعد ان کے پاس جاکر ان کو وہ پیمان اور اشتراک عمل یاد دلاتے رہے تھے جو دسیوں سال سے آنحضرتؐ اور ان لوگوں کے درمیان قائم تھے اور ان کو غداری کے اور ان پیمانوں کے توڑنے کے نتائج سے ڈراتے رہے تھے جو اُن کے اور نبی اکرمؐ کے درمیان موجود تھے اور ان کو سمجھاتے رہے تھے کہ دشمن جماعتوں کے ساتھ تعاون نہ کریں اور اسی جانب ٹھیرے رہیں کیونکہ ان کے اور نبی اکرمؐ کے درمیان معاہدہ فریقین کی بھلائی کے لئے تھا۔ لیکن یہ لوگ ان کے ساتھ سخت ترین بدزبانی سے پیش آئے تھے۔

سعد وہ تھے جنہوں نے بدر، احد، خندق اور دوسرے غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ حق کے معاملے میں خلوص اور سخت روی کے جذبے سے شرکت کی تھی۔ ضروری تھا کہ آنحضرتؐ ان سے یہی توقع کرتے کہ سعد ان مرحلوں کے بعد جن سے وہ ان لوگوں کے ساتھ گزرے تھے پورا یقین رکھتے ہیں کہ ان کی بقا اسلام کو شدید خطروں سے دوچار رکھے گی وہ ان لوگوں کے معاملے میں اللہ کے حکم کے علاوہ فیصلہ نہ کریں گے۔

جب وہ نبی اکرمؐ کی خدمت میں پہنچے تو آنحضرتؐ نے ان کا استقبال کیا اور اپنے چاروں طرف بیٹھے ہوئے اوس کے لوگوں سے کہا کہ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہوجاؤ۔ چنانچہ ان سب نے کھڑے ہوکر ان کو ان کی سواری سے اتارا۔ جب وہ بیٹھ گئے تو ان لوگوں نے ان سے کہا کہ اے ابوعمرو! بنی قریظہ نے آپ کو حکم قرار دیا ہے اور رسول اللہؐ ان کے معاملے میں آپ کے فیصلہ دینے پر راضی ہوگئے ہیں۔

ابن اسحٰق کی روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ تم پر اللہ کا عہد و پیمان عائد ہوتا ہے کہ فیصلہ وہی ہوگا جو میں تمہارے بارے میں کروں۔ ان لوگوں نے کہا ''جی ہاں۔'' پھر دوسری بار وہ اس طرف متوجہ ہوئے جدھر رسول اللہؐ تھے اور آنحضرتؐ سے بھی وہی کہا۔ رسول اللہؐ نے ان کو جواب دیا اور فرمایا ''ہاں۔'' اس پر سعد نے کہا کہ میں ان کے متعلق مردوں کے قتل کئے جانے، عورتوں اور بچوں کے قید کئے جانے اور ان کے مال کے مسلمانوں میں تقسیم کئے جانے کا فیصلہ کرتا ہوں۔ اس پر جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے ان سے فرمایا کہ بیشک تم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ نے سات طبقوں کے اوپر کیا ہے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جس امر نے ان کو سعد بن معاذ کا حکم ماننے پر مجبور کردیا تھا وہ یہ تھا کہ انہوں نے دیکھا کہ امام علیؑ زبیر بن عوام کے ساتھ ان پر یہ کہتے ہوئے چڑھ آئے ہیں کہ میں تم کو ضرور وہ مزہ چکھا دوں گا جو میرے چچا حمزہؓ نے چکھایا تھا اور میں تمہارے قلعے فتح کرلوں گا۔ جب ان لوگوں نے ان کو اپنی طرف بڑھتے سے آتے دیکھا تو ان پر ان کا خوف اور رعب طاری ہوگیا اور ان کو ہلاکت کا یقین ہوگیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ اے محمدؐ! ہم اپنے بارے میں سعد کے فیصلہ کرنے پر راضی ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہؐ مدینہ کے بازار کی طرف تشریف لے گئے جہاں ان لوگوں کے لئے خندق کھودی گئی تھی۔ پھر ان کو ایک ایک کر کے قتل کردیا گیا اور ان کو اس میں دفنا دیا گیا۔ انہی میں حیی ابن اخطب بھی تھا جو ایسا لباس پہنے ہوئے تھا جو ہر طرف سے پھٹا ہوا تھا تاکہ کسی کو اس کے لینے کا لالچ نہ ہو اور اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن سے لپٹے ہوئے تھے۔ اس نے رسول اللہؐ کو دیکھا تو کہنے لگا کہ میں آپ کی دشمنی پر اپنے آپ کو ملامت نہیں کرتا ہوں البتہ جو کوئی اللہ کو چھوڑ دے وہ خود بھی چھوڑ دیا جاتا ہے۔

تب اس نے کہا کہ اے لوگو! اللہ کے حکم میں کوئی چارہ نہیں۔ اللہ نے بنی اسرائیل کے لئے قتل ہونا مقدر کردیا ہے۔ اس کے بعد وہ بیٹھ گیا اور اس کی گردن اڑادی گئی۔ ان لوگوں کی عورتوں میں سے ایک کے سوا کوئی قتل نہیں ہوئی۔

سیرت کی کتابوں میں عروہ بن زبیر سے روایت آئی ہے کہ ان کی خالہ حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں کہ قسم بخدا! یہ عورت میرے پاس مجھ سے باتیں کر رہی تھی اور کھل کر اور پوشیدہ ہنس رہی تھی جبکہ رسول اللہؐ ان لوگوں کے مردوں کو بازار میں قتل کر رہے تھے کہ اتنے میں پکارنے والے نے اس کا نام پکارا، وہ کھڑی ہوئی، میں نے اس سے کہا: اری تجھ کو کیا ہوا؟ وہ بولی کہ میں قتل کی جاؤں گی۔ میں نے کہا: کس لئے؟ بولی: ایک واقعہ کے لئے جو میں نے کیا تھا۔

اس کا معاملہ یہ تھا کہ ایک مسلمان خلاد بن سوید اس کے گھر کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ اس عورت نے اس کے اوپر اپنی چکی گرا دی اور اس کو مار ڈالا جیسا کہ سیرت رسولؐ کی بعض کتابوں میں بیان ہوا ہے۔

ثابت بن قیس بن شماس نے بنی قریظہ کے ایک شخص کی سفارش کی۔ جو بہت بوڑھا تھا جس نے ثابت بن قیس پر ایک جنگ میں جو اُن لوگوں میں یوم بعاث پر واقع ہوئی تھی، احسان کیا تھا کہ وہ اسیر ہوگیا تو اس کی پیشانی کے بال کاٹ کر اس کو آزاد کردیا گیا تھا۔ وہ زبیر بن باطا قرظی کہلاتا تھا۔ جب سعد بن معاذ نے ان کے قتل کا فیصلہ کردیا تو ثابت بن قیس، زبیر بن باطا کے پاس گیا جو اس وقت بہت بوڑھا تھا اور اس کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی اور بولا کہ اے ابوعبدالرحمٰن کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ اس نے کہا کہ کیا میرے جیسا تم جیسے کو بھول جائے گا؟ ثابت نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم کو اس احسان کا جو تمہارا میرے اوپر ہے، بدلہ دوں۔ اس نے کہا کہ شریف آدمی ہی شریف کو بدلہ دیتا ہے۔ چنانچہ ثابت بن قیس نے رسول اللہؐ کی خدمت میں جاکر کہا کہ یارسول اللہؐ! زبیر نے میرے ساتھ نیکی کی تھی اور اس کا میرے اوپر احسان ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کو اس کا بدلہ دوں۔ پس اس کا خون میرے حق میں بخش دیجئے۔ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا: لو وہ تمہارا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے پاس جاکر کہا کہ رسول اللہؐ نے تمہاری جان بخشی کردی ہے۔

اس پر زبیر نے ان سے کہا کہ میں بوڑھا شخص ہوں، اب اس حال میں اپنی بیوی بچوں کے بعد زندگی کا کیا کروں گا؟ تب ثابت نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس شخص کے بیوی بچوں اور مال واپس کردینے کی درخواست کی اور آنحضرتؐ نے وہ سب عطا فرمادیئے۔ انہوں نے زبیر کے پاس جاکر اس کو اس کی اطلاع دی۔ زبیر ان کی طرف متوجہ ہوکر بولا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا جس کا چہرہ اس آئینے کی مانند تھا جو دوشیزائیں استعمال کرتی ہیں۔ اس سے اس کی مراد قریظہ کا سردار کعب بن اسد تھا۔ اس نے مزید پوچھا کہ بنوعمرو بن قریظہ کے ساتھ کیا ہوا؟ چنانچہ وہ اپنے ممتاز افراد اور جوانوں کے بارے میں پوچھتا گیا اور ثابت بن قیس کہتے گئے کہ وہ سب سعد بن معاذ کے حکم سے قتل کردیئے گئے۔ تب تو وہ کہنے لگا کہ میں اپنے احسان کے بدلے میں جو میرا تجھ پر ہے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو مجھ کو انہی سے ملحق کردے کیونکہ قسم بخدا! ان اچھے افراد کے بعد زندگی میں کیا رکھا ہے؟ پس ثابت نے لے جاکر اس کو قتل کردیا۔

سلمیٰ بنت قیس ام المنذر، رسول اکرمؐ کی ایک خالہ تھیں۔ انہوں نے رفاعہ بن سموائل قرظی کی سفارش کی کیونکہ اس نے ان کے پاس آکر پناہ حاصل کی تھی۔ اس پر رسول اللہؐ نے اس شخص کو انہی خاتون کے حوالے کردیا۔

کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ نبی اکرمؐ نے ان لوگوں کے بارے میں سعد کے فیصلے کو کیسے مان لیا جو بڑا سنگدلانہ اور

سخت تھا جیسا کہ کہا گیا ہے اور دشمنوں نے اس کو اسلام کی صورت بگاڑنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ لیکن اس کے جواب میں جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہ بھی کہیں گے کہ سعد نے ان کے درمیان فیصلہ انہی کی شریعت کے مطابق کیا جس پر وہ عمل پیرا تھے اور جس کے مطابق وہ خود لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتے تھے۔

محمود عقاد اپنی کتاب عبقریات الاسلامیہ، طبع دار الفتوح صفحہ ۲۱۹ میں لکھتے ہیں کہ سعد نے ان کے درمیان توریت کے حکم کے مطابق فیصلہ دیا جس پر وہ ایمان رکھتے تھے جیسا کہ تثنیہ کی اصحاح ۱۰ تا ۱۵ میں آیا ہے کہ "جب تم شہر کے قریب ان سے لڑائی کرنے کے لئے جاؤ تو ان سے صلح کا مطالبہ کرو۔ اگر وہ تم سے صلح قبول کرلیں اور شہر کا دروازہ تمہارے لئے کھل جائے تو اس میں موجود ہر قسم کی چیزوں پر قبضہ کرلو کیونکہ وہ تمہاری ہیں اور تمہاری بندگی میں ہیں اور اگر تمہارے ساتھ ان لوگوں کا برتاؤ سلامتی کا نہ ہو بلکہ وہ تمہارے ساتھ جنگ آزما ہوں تو ان کا محاصرہ کرلو۔ اگر تمہارا پروردگار ان پر تم کو قبضہ دلا دے تو ان کے تمام مردوں کو تلوار سے قتل کر ڈالو۔ رہیں عورتیں، بچے، مویشی اور شہر کی تمام اشیاء تو وہ تم اپنے لئے لے لو اور اپنے دشمنوں کا مال کھاؤ جو تمہارے اللہ نے تم کو دیا ہے۔"

تفسیر الکاشف جلد ۶ صفحہ ۲۰۹ میں ہے کہ یہ حکم توریت میں تثنیہ کے اصحاح ۲۰ میں ہے نہ کہ اصحاح ۱۰ تا ۱۵ میں۔ اس کے بعد یہ مزید کہا گیا ہے کہ یہ حکم اس سے زیادہ کی وضاحت کرتا ہے جس پر سعد بن معاذ نے بنی قریظہ کے خلاف فیصلہ کیا کیونکہ یہ صراحت سے کہتا ہے کہ اگر شہر صلح قبول کرلے تو اس کے تمام باشندے مقبوضہ غلام ہیں۔ اگر انکار کریں تو ان کے مردوں کو خواہ لڑنے والے ہوں یا لڑنے والے نہ ہوں تلوار سے قتل کرنا، مال و اسباب لوٹنا اور بچوں، عورتوں اور آل اولاد کو قیدی بنانا واجب ہے۔ الکاشف کے مصنف مزید کہتے ہیں کہ توریت میں ایک دوسرا حکم بھی ہے جس کو محمود عقاد نے بیان نہیں کیا ہے اور وہ پہلے حکم سے زیادہ ظالمانہ ہے کیونکہ وہ تمام باشندوں کے قتل کا حکم دیتا ہے اور عورتوں اور بچوں کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتا۔ اسی طرح وہ پورے شہر کو اس کی تمام چیزوں سمیت اس طرح جلا ڈالنے کا حکم دیتا ہے کہ اس کو بنانا یا اس کی تجدید کرنا کبھی بھی ممکن نہیں رہتا۔

چنانچہ تثنیہ کے اصحاح ۱۳ میں صاف صاف حکم ہے کہ "پس ایسے شہر کے باشندوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دو، جو کچھ اس میں ہے اس کو جلا دو، جانوروں کو تہ تیغ کردو اور سارے مال و اسباب کو اس کی کھلی جگہ کے بیچ میں جمع کر کے شہر کو آگ لگا دو اور اس کا کل مال پورے کا پورا تمہارے پروردگار اللہ کا ہے۔ اس طرح وہ شہر ہمیشہ کے لئے برباد ہو جائے گا اور پھر کبھی آباد نہ ہوگا۔

یہ وہ صریح احکام ہیں جن کو یہودی مذہباً مانتے تھے اور ان کو وہ اپنی طویل تاریخ میں قوموں پر اپنی توریت اور مقدس کتابوں کے احکام کی حیثیت سے عائد کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ جس کسی قوم کے خلاف اقدام کرتے ان کے سرداروں کو قتل کر دیتے، مال ہتھیا لیتے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیتے اور ان کے شہروں اور بستیوں کو نذر آتش کر دیتے تھے۔ خواہ اس قوم نے ان کے ساتھ کوئی عہد شکنی کی ہو یا نہ کی ہو اور ان سے جنگ کرنے کا اعلان کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ کیا ان

صریحی احکام کے ہوتے ہوئے جو اُن کی مقدس کتابوں میں درج ہیں اور ان عملی کارروائیوں کے سامنے جو وہ ان دوسری قوموں کے ساتھ کرتے رہے جن کو وہ اپنے زیرنگیں لے آتے تھے وہ شخص ظالم کہلائے گا جو اُن پر ویسا ہی فیصلہ عائد کرے جس کو وہ مانتے رہے اور ان پر منطبق کرے جس طرح وہ خود ایسے لوگوں پر منطبق کرتے رہے جنہوں نے نہ ان سے عہد شکنی کی تھی نہ اعلان جنگ کیا تھا۔ درآنحالیکہ نبی اکرمؐ نے ان کے کسی فرد واحد کو قتل نہیں کیا سوائے اس وقت کے جب انہوں نے اس عہد کو توڑا جو آنحضرتؐ نے ان سے کیا تھا اور انہوں نے قریش اور ان کے حلیف حملہ آوروں سے مل کر آنحضرتؐ کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا۔ اس پر بھی آنحضرتؐ نے ان کے حلیف قبیلہ اوس کے سرداروں کو ان کے پاس بھیج کر مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ان عہدوں اور پیمانوں پر قائم رہیں جو انہوں نے نبی اکرمؐ کے ساتھ کئے تھے لیکن انہوں نے ان لوگوں کا مقابلہ اسلام اور نبی اسلامؐ کو برا کہنے سے کیا اور بعد میں انہوں نے سعد کو منتخب کیا تاکہ وہ ان پر ایسا فیصلہ عائد کرے جس کے وہ مستحق ہوں۔ جبکہ تمام آسمانی اور وضع کی ہوئی شریعتیں اس پر متفق ہیں کہ جو جس مذہب کا پیرو ہو اسی کے احکام اس پر عائد ہوں گے یہی بھید ہے رسول اعظمؐ کے سعد بن معاذ سے یہ کہنے میں کہ تم نے ان لوگوں کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو سات طبقوں کے اوپر اللہ کا ہے۔

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے سعید بن زید انصاری کو بنی قریظہ کا چھوڑا ہوا مال دے کر بھیجا تاکہ وہ اس سے گھوڑے اور اسلحہ خریدیں۔ چنانچہ انہوں نے مال لے جاکر خریداری کرلی۔ آنحضرتؐ کو جب کبھی موقع مل جاتا کہ اسلحہ اور گھوڑے خریدیں تو آپ ایسا ہی کیا کرتے تھے تاکہ ظلم، فساد اور سرکشی کے خلاف جنگ کرنے کے لئے اپنی قوت بڑھاتے رہیں اور آپ اسی معاملے کو افضلیت دیتے تھے جبکہ خود آپ اور آپ کے اصحاب اللہ کے احکام نافذ کرنے کے لئے بیشتر اوقات میں شدید ترین احتیاج اور ناداری برداشت کیا کرتے تھے جیسا کہ سیرت کی کتابیں بیان کرتی ہیں اور قرآن مجید کا حکم بھی ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

''اور جو قوت اور گھوڑے تم فراہم کرسکتے ہو تیار رکھو تاکہ ان سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوفزدہ کرو۔'' (سورۂ انفال: آیت ۶۰)

سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ ان لوگوں کی عورتوں میں سے آنحضرتؐ نے اپنے لئے ریحانہ بنت عمرو بن خناقہ کو پسند فرمایا۔ چنانچہ وہ اپنی وفات تک آنحضرتؐ کے بیت الشرف میں خدمت انجام دیتی رہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کو پیشکش کی تھی کہ ان سے تزویج کر کے ان کو اپنی بیویوں میں شامل کرلیں لیکن انہوں نے انکار کردیا تھا اور یہ پسند کیا کہ وہ آنحضرتؐ کی ملکیت میں رہیں۔ شروع میں انہوں نے اسلام لانے سے بھی انکار کیا تھا لیکن بعد میں اسلام میں داخل ہوگئی تھیں۔

نبی اکرمؐ کے ساتھ بنی قریظہ کے طرز عمل اور اس کے بعد ان پر کیا گزری اس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاھَرُوھُم مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ مِنْ صِیَاصِیْھِمْ وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًاo وَاَوْرَثَکُمْ اَرْضَھُمْ وَ دِیَارَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ وَ اَرْضًالَّمْ تَطَؤُھَا وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًاo ''اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان کی مدد کی تھی اللہ نے ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ تم ایک گروہ کو قتل کرتے رہے اور ایک گروہ کو قیدی بناتے رہے اور اللہ نے تم کو ان کی زمین، ان کے گھروں اور ان کے مال کا وارث بنا دیا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے کبھی قدم تک نہ رکھا تھا۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔'' (سورۂ احزاب: آیت ۲۶)

رسول اللہؐ، سعد کا حکم بنی قریظہ پر نافذ فرما چکے تو سعد بن معاذ وفات پا گئے۔ ان کی وفات کی خبر رسول اللہؐ کو ہوئی تو آنحضرتؐ تیزی سے مسجد تشریف لے گئے لیکن ان کو مردہ پایا۔

بعض روایات میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ملائکہ سعد کی روح کے پہنچنے پر خوش ہوئے۔ جب آپ ان پر نماز پڑھ کر ان کو دفن کر چکے تو فرمایا کہ قبر کو فشار ہوتا ہے۔ اس سے محفوظ رہنے والوں میں سعد بن معاذ بھی ہیں اور آنحضرتؐ نے ان پر اور ان افراد پر جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے کئے ہوئے عہد پر سچے رہے بکثرت رحمت کی دعا فرمائی۔

جب آنحضرتؐ نے ان کی ماں کو ان پر گریہ کرتے ہوئے اور انصار کی عورتوں کو نوحہ کرتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ ہر نوحہ کرنے والی غلط گوئی کرتی ہے سوائے سعد بن معاذ پر نوحہ کرنے والی کے۔

سلام بن ابی الحقیق کا قتل

جب مسلمان جنگ احزاب اور بنی قریظہ کے معاملے سے فارغ ہو گئے اور انہوں نے حیی بن اخطب کو قتل کر دیا کیونکہ وہ اور سلام بن ابی الحقیق، قریش، بنی غطفان اور بنی قریظہ کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے اکسانے میں شریک رہے تھے۔ سلام، خیبر کی طرف جا کر ایک قلعے میں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔ سعد بن معاذ کے حکم پر بنی قریظہ اور ان کے سرداروں کے قتل کئے جانے کے بعد قبیلہ خزرج نے رسول اللہؐ سے اس کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ رسول اللہؐ کے اجازت دے دینے پر خزرج میں سے بنی سلمہ کے پانچ افراد عبداللہ بن عتیک کی قیادت میں اس شخص کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ لوگ چھپ چھپ کر چلتے رہے یہاں تک کہ ایک رات سلام بن ابی الحقیق کے دروازے پر پہنچ گئے۔ اس وقت وہ ایک بالا خانے پر تھا جس تک سیڑھیوں کے ذریعے چڑھا جاتا تھا۔ جیسے آج کل ہمارے بالا خانوں کا زینہ ہوتا ہے۔ جب وہ اس کمرے تک پہنچ گئے جس کے اندر وہ تھا تو انہوں نے اس سے ملاقات کی اجازت چاہی۔ اس پر اس کی بیوی نکل کر آئی اور پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم عرب ہیں اور عطیہ کے خواہشمند ہیں۔ اس نے کہا کہ یہ

ہیں وہ صاحب ان کے پاس چلے جاؤ۔ پس وہ لوگ اس کے پاس اندر چلے گئے اور انہوں نے دروازے بند کر لئے تا کہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ کیا معاملہ ہو رہا ہے۔ اس کی بیوی نے یہ دیکھا تو اس کو خیال ہوا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ اس لئے اس نے ان کے متعلق خبر پھیلانے کے لئے چیخ ماری۔ اس پر یہ لوگ اپنی تلواریں لئے تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔ وہ اپنے بستر پر سو رہا تھا۔ اس کی بیوی زور زور سے چیختی رہی لیکن ان لوگوں نے رسول اللہؐ کی ہدایت کی تعمیل میں اس کو کوئی گزند نہیں پہنچائی۔ جب وہ اس کو ختم کر چکے تو اس خوف سے کہ مدد کے لئے بلائے ہوئے لوگ ان کو پکڑ نہ لیں، تیزی سے نکل گئے۔ لوگوں نے اس واقعے کے متعلق اس کی بیوی کی چیخ و پکار سنی تو دوڑتے ہوئے آئے اور روشنیاں کر کے ان لوگوں کو تلاش کرنے لگے۔ لیکن یہ سب ایک ایسی جانب چلے گئے تھے جو کسی کے خیال میں بھی نہ تھی۔ پھر ان میں سے ایک شخص چپکے سے جمع ہونے والوں میں جا پہنچا تا کہ اس کے مرجانے کا یقین کرلے اور یہودیوں کو اس کی خبر نہ ہو۔ اس شخص نے اس کی بیوی کو کہتے سنا کہ میں نے ابن عتیک کی آواز سنی ہے۔ پھر خود ہی پلٹ کر کہنے لگی کہ ابن عتیک ان مقامات پر کہاں؟ اس کے بعد یہ لوگ رسول اللہؐ کی خدمت میں واپس آ گئے اور ہر ایک اس کو قتل کرنے کا دعویٰ کرنے لگا۔

غزوۂ بنی لحیان و ذی قرد

سیرت نبویؐ لکھنے والوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ غزوۂ بنی لحیان اور غزوۂ ذی قرد دونوں صلح حدیبیہ کے بعد واقع ہوئے۔ ابن سعد نے اپنی طبقات میں یہ رائے اختیار کی ہے کہ دونوں حدیبیہ سے پہلے ہوئے جبکہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں ان دونوں کو غزوۂ احزاب اور بنی قریظہ کے قتل کے بعد جبکہ غزوۂ بنی مصطلق کو چھ ماہ گزر چکے تھے بیان کیا ہے اور یہ ماہ ربیع الاول میں ہوا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جمادی الاول میں ہوا تھا۔

نبی اکرمؐ اپنے دو سو اصحاب کے ساتھ بنی لحیان کی طرف روانہ ہوئے تا کہ اپنے ان سات اصحاب کا انتقام لیں جن کو انہوں نے اب سے کوئی دو سال قبل چشمۂ رجیع پر غداری سے قتل کر دیا تھا۔ البتہ کسی کو آنحضرتؐ کے ارادے کا علم نہ تھا۔ مبادا اس کی خبر ان لوگوں تک پہنچ جائے اور وہ بھاگ جائیں یا اپنی حفاظت کا انتظام کرلیں۔ آنحضرتؐ نے ظاہر یہ کیا کہ شام کا ارادہ ہے اور اپنے ساتھیوں کو لے کر تیز تیز چلتے رہے تا آنکہ بنی لحیان کی جائے قیام پر جا پہنچے۔ لیکن اتفاق سے کچھ لوگوں نے آنحضرتؐ کو ان لوگوں کی طرف جاتے ہوئے دیکھ لیا اور بنی لحیان کو باخبر کر دیا۔ وہ اپنے مکانات چھوڑ کر اور اپنی آل اولاد اور متاع لے کر پہاڑ کی چوٹیوں پر پناہ گزیں ہو گئے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ ان کو نہیں پا سکے۔ اس لئے آنحضرتؐ واپس ہو کر عسفان کی طرف چل پڑے تا کہ اہل مکہ یہ خیال کریں کہ آپ ان کی طرف کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ نے عسفان پر اتر کر اپنے اصحاب میں سے دو سواروں کو بھیجا اور وہ مکہ کے قریب غمیم کے کنارے تک پہنچ گئے اور آنحضرتؐ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ واپس آ گئے۔ واپس پہنچنے پر آپ اور آپ کے اصحاب پروردگار سے توبہ کرتے رہے اور اس کی حمد بجا لا کر سفر کی کلفت، حالات کی سختی اور اہل و عیال اور مال کے تباہ ہونے سے پناہ طلب کرتے رہے۔

مدینہ کے اونٹوں پر عینیہ بن حصن کی لوٹ مار

آنحضرتؐ کی واپسی کے تھوڑے دن بعد عینیہ بن حصن اور اس کے ساتھی بنی غطفان کے کچھ لوگ آنحضرتؐ کی دودھ دینے والی اونٹنیاں لوٹ کر لے گئے جو بنی غفار کے ایک شخص اور اس کی بیوی کی رکھوالی میں تھیں۔ ایک قول کے مطابق یہ ابوذرؓ، ان کے بیٹے، ان کی بیوی اور تین اور اشخاص کی رکھوالی میں تھیں۔ پس انہوں نے ان کے بیٹے کو قتل کردیا اور بیوی کو قیدی بنالیا۔ صرف ابوذرؓ اور ان کے ساتھی بچ نکلے۔

طبری میں ابوسلمہ بن اکوع کی روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہؐ نے اپنی اونٹنیاں ان کے چرواہے اور اپنے غلام رباح کے ساتھ بھیجیں اور میں طلحہ بن عبیداللہ کے گھوڑے پر ان کے ساتھ تھا۔ عبدالرحمٰن بن عینیہ نے رسول اللہؐ کی اونٹنیوں پر حملہ کیا اور ان کے چرواہے کو قتل کر کے ان کو ہنکا لے گیا۔ سلمہ بن اکوع کہتا ہے کہ تب میں نے رباح سے کہا کہ یہ گھوڑا لو اور اسے طلحہ کو دے دینا اور رسول اللہؐ کو خبر کردینا کہ آپ کی اونٹنیاں ابن عینیہ لوٹ کر لے گیا ہے۔

کتاب سیرت میں ہے کہ ابن اکوع نے مزید بیان کیا کہ وہ مدینہ کی بلندی پر کھڑے ہو کر چلایا کہ کیسی بری صبح ہے۔ یہ کلمہ مدد طلب کرنے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ میں ان لوگوں کے مقامات پر گیا اور ان پر تیر برساتا رہا اور ان کے گھوڑوں کو پے کرتا رہا۔ جب کوئی سوار واپس ہوتا تو میں ایک درخت کی اوٹ میں اس کی تاک میں بیٹھ کر اس پر تیر چلا دیتا اس طرح میں سوار کو یا گھوڑے کو نشانہ بنالیتا تھا۔ جب ہم درختوں سے باہر نکل کر ٹیلوں اور پہاڑوں کی طرف پہنچے تو میں نے پہاڑوں اور ٹیلوں پر چڑھ کر ان کو تیروں اور پتھروں سے مارنا شروع کردیا یہاں تک کہ وہ رسول اللہؐ کے تمام اونٹ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اونٹ میرے پیچھے رہ گئے اور میں ان لوگوں کو برابر نشانہ بناتا رہا یہاں تک کہ وہ وزن کم کرنے کے لئے تیس سے زائد بھالے اور تیس لباس پھینک گئے۔ وہ جو کچھ چھوڑتے گئے میں رسول اللہؐ کے راستے میں جمع کر کے ان پر پتھر رکھتا گیا اور ان کے پیچھے پیچھے چلتا رہا یہاں تک کہ دن چڑھے عینیہ بن بدر الفزاری ان کی مدد کو آپہنچا۔ اس وقت وہ لوگ ایک تنگ درے میں تھے اور میں پہاڑ کے اوپر تھا۔ تب عینیہ نے ان سے پوچھا کہ یہ میں کس کو دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے کہا اس سے ہم کو بہت تکلیف پہنچی ہے یہ صبح سے ہم کو چھوڑ ہی نہیں رہا اور جو کچھ ہمارے پاس تھا اس نے سب ہم سے چھین لیا اور اپنے پیچھے رکھ آیا ہے۔ عینیہ بولا کہ اس کے پیچھے مدد نہ ہوتی تو یہ تم کو چھوڑ بھاگتا۔

پھر اس نے ان میں سے چار آدمیوں کو آواز دی جو پہاڑ کی طرف چڑھ آئے۔ میں نے ان کو دیکھا تو کہا کہ کیا تم مجھ کو پہچانتے ہو۔ وہ بولے کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ میں ابن اکوع ہوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمدؐ کو باعزت قرار دیا ہے تم میں سے کوئی چاہے تو مجھ کو پکڑ نہیں سکتا اور میں چاہوں تو مجھ سے بچ کر کوئی جا نہیں سکتا۔ وہ مزید کہتا ہے کہ میں اپنی جگہ ہی پر تھا کہ میں نے درختوں کے درمیان سے رسول اللہؐ کے سوار آتے دیکھے جن کے آگے آگے اخرم اسدی اور ان کے پیچھے ابوقتادہ اور مقداد بن اسود کندیؓ تھے۔ اب تو وہ مشرک بھاگ پڑے اور میں نے پہاڑ سے نیچے اتر کر

اخرم کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور بولا کہ اے اخرم! ان لوگوں سے ڈرتے رہو کیونکہ مجھے خوف ہے کہ وہ تم کو لوٹ لیں گے۔ پس اتنا انتظار کرو کہ رسول اللہؐ اور آپ کے اصحاب تم سے آملیں۔ اس پر وہ بولے کہ اے سلمہ! اگر تم کو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہے تو میرے اور شہادت کے رکاوٹ مت بنو۔ تب میں نے ان کے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی اور اس نے عبدالرحمٰن بن عینیہ پر حملہ کردیا۔ عبدالرحمٰن کے گھوڑے کے پیر کاٹ دیئے اور عبدالرحمٰن نے اس کو نیزہ مار کر شہید کردیا۔ اب عبدالرحمٰن، اخرم کے گھوڑے پر سوار ہوگیا لیکن ابوقتادہ نے اس کو آلیا اور گھوڑے کے پیر کاٹ کر اس کو قتل کردیا۔

یہ لوگ مار دھاڑ کرتے ہوئے چلتے رہے یہاں تک کہ غروب آفتاب سے قبل ایک چشمہ پر پہنچ گئے جو ذی قرد کہلاتا تھا۔ وہ وہاں پانی پینا چاہتے تھے کہ ان کو ان کی تلاش میں آنے والے نظر آگئے۔ تب یہ لوگ درۂ ذی بئر کی طرف متوجہ ہوگئے اور رسول اللہؐ اپنے مسلمان ساتھیوں کے ہمراہ ذی قرد پر پہنچ گئے۔ آپ کے ساتھ پانچ سو اصحاب تھے۔ آنحضرتؐ نے ہر سو افراد پر ایک ایک اونٹ نحر کرنے کے لئے تقسیم فرمایا۔

ابن اکوع کہتا ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ آپ مجھ کو سو افراد منتخب فرما دیجئے تاکہ مشرکوں پر رات کے وقت چڑھائی کردیں اور ان کو کوئی خبر نہ ہو۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ارے سلمہ کیا تو ایسا کرسکتا ہے؟ میں نے عرض کیا: ضرور۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو شرف نبوت عطا کیا ہے۔ اس پر آنحضرتؐ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک نظر آگئے۔

اس کے بعد نبی اکرمؐ نے فرمایا: اب تو وہ لوگ غطفان کی زمین پر پہنچ چکے ہیں۔ جب صبح ہوگئی تو آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ واپس چلے گئے اور آپ نے وہ اونٹ جو حملہ آور ہنکا لے گئے تھے واپس حاصل کر لئے۔

کتب سیرت کی بعض روایات میں آیا ہے کہ ابوذرؓ کی زوجہ جن کو دشمنوں نے اس وقت قیدی بنالیا تھا جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ اونٹ چرا رہی تھیں، دشمنوں کی تاک میں رہیں اور جیسے ہی وہ سو گئے وہ ایک اونٹنی پر بیٹھ کر جو رسول اللہؐ کے اونٹوں میں سے ان لوگوں کے پاس رہ گئی تھی، مدینہ کی طرف بھاگ نکلیں۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ یارسول اللہؐ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ مجھ کو اس کے ذریعے سے نجات دیدے گا تو میں اس کو نحر کردوں گی۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: تم نے برا کیا کیونکہ گناہ آلود فعل کی نذر نہیں مانی جاسکتی اور نہ ایسی چیز کی جو تمہاری ملکیت میں نہ ہو۔ یہ اونٹنی رسول اللہؐ کی تھی اور اس کا نام عضباء تھا۔ اس سے پہلے وہ بنی عقیل کے ایک شخص کی تھی جو مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوگیا تھا۔ اس کی طرف سے رسول اللہؐ کا گزر ہوا جبکہ وہ قیدی تھا تو اس نے کہا کہ اے محمدؐ! آپ لوگوں نے مجھ کو کیوں پکڑ رکھا ہے؟ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ ہم نے تم کو تمہارے حلیفوں بنی ثقیف کے جرم کی وجہ سے پکڑا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں میں سے دو افراد کو پکڑ لیا تھا۔ بالآخر بنی ثقیف نے اس کو دونوں مسلمانوں کے عوض آزاد کرالیا اور عضباء رسول اللہؐ کے اونٹوں میں رہی۔

کتب تاریخ و سیرت کا بنظر غائر مطالعہ کرنے پر ان غزوات کے حالات کی ترتیب و تنظیم میں کثرت سے نمایاں

اختلاف ملتا ہے۔ بعض مرتبہ ایک ہی روایت دوسری کے برعکس ملتی ہے جس کی وجہ سے عربوں اور مسلمانوں سے متعلق زمانۂ اولیٰ کے دور کے حالات اور آنحضرتؐ کی سیرت کے متعلق بیشتر روایات میں شک پیدا ہو جاتا ہے۔ ان ہی باتوں کو پڑھ کر مستشرقین، عربوں اور مسلمانوں کے دشمن اپنی تحقیق اور مطالعے میں ان عیوب اور کمزوریوں پر اعتماد کر لیتے ہیں اور بعض اوقات ایسے نتائج اخذ کر لیتے ہیں جو رسول اکرمؐ اور آپ کی سیرت کے لئے باعث بدنامی ہوتے ہیں۔

اسی غزوہ کے متعلق ابن اکوع کی روایت قدیم عرب کی ان داستانوں کی سی لگتی ہے جو قصہ گو جنگوں اور باہمی لڑائیوں کے حالات میں شامل کر دیا کرتے تھے۔

یہ روایت ابن اکوع کے متعلق بیان کرتی ہے کہ وہ دشمنوں کا پیچھا کرتے رہے جبکہ خود تن تنہا تھے اور پیدل تھے اور وہ لوگ بڑی تعداد میں تھے۔ گویا کہ وہ لوگ اس کے سامنے بھیڑوں کی مانند تھے کہ وہ ان کو قتل کرتا رہا اور ان کے گھوڑوں کے پیر کاٹتا رہا یہاں تک کہ وہ تیس سے زیادہ بھالے اور لباس چھوڑ گئے اور وہ اکیلا ان کو بھگاتا رہا یہاں تک کہ ان کو ہلکان کر دیا۔ حالانکہ بعض روایات میں ہے کہ ان کو مسلمانوں نے نبی اکرمؐ کی معیت میں بھگایا تھا اور ان سے صرف دس اونٹ واپس حاصل کئے تھے اور باقی اونٹ حملہ آور لے کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

سیرت کی بعض کتابیں بتلاتی ہیں کہ قید کی حالت میں ابوذر کی بیوی دشمنوں کو دیکھتی رہیں اور جیسے ہی وہ سوئے یہ ان لوگوں کے پاس باقی رہ جانے والے اونٹوں میں سے ایک یعنی نبی اکرمؐ کی اونٹنی عضباء پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف بھاگ گئیں۔ کچھ دوسری روایتیں بتلاتی ہیں کہ نبی اکرمؐ اور آپ کے اصحاب نے تمام اونٹ واپس حاصل کر لئے تھے اور حملہ آوروں کی ایک جماعت کو قتل کر ڈالا تھا اور اسی طرح کی شک اور تشویش پیدا کرنے والی باتیں مذکور ہیں۔

سیرت رسولؐ پر بیشتر کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس موقع پر ابن اکوع کا کردار قابل ستائش تھا۔ البتہ اس کی وہ تصویر جو سیرت اور تاریخ کی بعض کتابیں پیش کرتی ہیں دوسرے ماخذوں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی بلکہ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں داستانوں سے زیادہ مشابہ ہے۔

تاریخ طبری میں آیا ہے کہ اس غزوہ میں عکاشہ بن محصن نے کسی حملہ آور کو پالیا جس کو ادبار کہتے تھے۔ وہ اور اس کا بیٹا عمرو بن ادبار ایک ہی اونٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے ان دونوں کے ایک نیزہ اس طرح مارا کہ دونوں اس میں بندھ گئے اور دونوں کو اکٹھا قتل کر دیا۔

اس واقعے میں اور دوسرے بیانات میں اختلاف کا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ ''سیرت'' ضبط تحریر میں آنحضرتؐ کی وفات کے اسّی سال بعد لائی گئی اور اس زمانے کے سیرت نگاروں نے ان تابعین اور آزاد کردہ غلاموں وغیرہ پر اعتماد کیا جنہوں نے سیرت کے متعلق روایتیں اور واقعات اپنے پیشرووَں سے حاصل کئے تھے اور چند محدود تالیفات کے سوا جن میں بہت ہی کم حالات سماتے تھے سارا دارو مدار حافظے پر تھا۔ منجملہ اور اسباب کے یہ بھی اس ابہام کا سبب ہے جو بعض اسلامی معاملات اور آنحضرتؐ کی سیرت اور غزوات کے متعلق پایا جاتا ہے کہ یہ داستان گویوں اور گھڑنے والوں کی کارستانیاں ہیں جن کی طرف ہم متعدد موقعوں پر اشارہ کرتے آئے ہیں۔

— ۱۷ —

غزوۂ حدیبیہ

یہ واقعہ جس کو بعض سیرت نگار غزوۂ حدیبیہ اور بعض صلح حدیبیہ کا نام دیتے ہیں آنحضرتؐ اور مسلمانوں کی ہجرت مدینہ کے چھ سال بعد اوائل ماہ ذی قعدہ میں پیش آیا۔ آنحضرتؐ مدینہ میں قدم بھی جمانے نہ پائے تھے کہ واقعات پر واقعات ہوتے رہے اور ہجرت کے بعد شروع ایام ہی سے آنحضرتؐ اور آپ کے ساتھ کے مسلمان، قریش، یہود اور جزیرے کے عربوں کے درمیان مستقل جہاد اور پیہم غزوات میں پھنسے رہے۔ اس دوران حاصل ہونے والی کامیابیوں اور مال غنیمت نے مسلمانوں کی قوت کو بڑھایا اور اسلام کے پھیلنے میں مدد کی۔ البتہ کچھ ناکامیاں بھی ہوئیں لیکن ان کا اثر محدود رہا اور دعوت اسلام کی رفتار اور اس کے پھیلنے پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

جو قوت تدبیر آنحضرتؐ کو عطا ہوئی تھی آپ اس کو استعمال فرماتے تھے قبل اس کے کہ دشمنان اسلام آپ کے خلاف اپنے مفاد میں کچھ کرسکیں۔ چنانچہ اس مختصر عرصے میں آنحضرتؐ یہودیوں کی تین جماعتوں اور ان کے عرب مددگاروں کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہوگئے اور جزیرۂ عرب کے بہت سے افراد نئے دین کی طرف متوجہ ہوگئے اور مسلمانوں کی ذہنیت بلند ہوگئی جس کے باعث ان کو یقین ہوگیا کہ بالآخر وہ پورے جزیرۂ عرب میں اپنے مقابل والوں اور دشمنوں پر غالب ہوجائیں گے۔

آنحضرتؐ بعثت کے بعد اس سارے عرصے میں اس مخالفانہ طرز عمل کے باوجود جو مشرکین، یہودیوں اور منافقوں کا آپ کے ساتھ تھا، وہ سارے قوانین لوگوں تک پہنچاتے رہے جو آپ کو وحی کے ذریعے ملتے تھے۔ یہ احکام انسان کے اپنے پروردگار سے، اپنے معاشرے سے اور اپنے گھرانے سے باہمی تعلقات کو منظم کرتے ہیں اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہیں۔ انہی میں وہ احکام ہیں جو حج اور خانۂ کعبہ سے متعلق ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے ثواب کا ذریعہ اور امن کا مقام قرار دیا ہے۔ مسلمانوں میں حج اور خانۂ کعبہ کی زیارت کرنے کا شوق ہمیشہ سے موجزن تھا۔ ہجرت کے پہلے سال ہی سے خانۂ کعبہ کو قبلہ قرار دیا جاچکا تھا۔ لیکن قریش کسی صورت میں ان کے لئے زیارت کو ممکن بنانے یا ان کے لئے

اس قسم کے کسی عمل میں آسانی پیدا کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔

اِدھر مسلمان اس سفر کے لئے بیتاب تھے، اُدھر نبی اکرمؐ نے ان کو اطلاع دی کہ آپ نے اللہ کے حکم سے اس عہد کی تجدید کا عزم کیا ہے کہ ماہ ذی قعدہ کی پہلی دہائی میں خانہ کعبہ کی زیارت اور بعض مناسک ادا فرمائیں گے۔ یہ خبر بجلی سے زیادہ تیزی کے ساتھ مدینہ کے تمام اطراف میں پھیل گئی اور نبی اکرمؐ نے اعلان فرمایا کہ آپ قریش سے جنگ کرنے کی نہیں سوچ رہے ہیں اور نہ قوت کے استعمال کی۔ تاوقتیکہ آپ کو اس امر کے لئے صاف راستا ملتا رہے۔ آنحضرتؐ نے مدینہ کے اندر اور باہر کے لوگوں کو دعوت دی نیز غیر مسلم قبیلوں کے یہاں وفد بھیجا اور ان کو بھی اپنے ساتھ پرامن افراد کی طرح نہ کہ لڑنے والوں کی حیثیت سے خانہ کعبہ کی طرف چلنے کی دعوت دی۔ آپ نے نہایت شدت سے یہ ظاہر فرمایا کہ مکہ میں مسلم اور غیر مسلم کی بڑی سے بڑی تعداد کے ساتھ داخل ہوں تاکہ قریش اور دوسرے لوگ سمجھ لیں کہ آپ مقدس مہینے میں نہ فساد کرنے کے لئے نکلے ہیں نہ جنگ و جدال کے لئے بلکہ آپ مذہبی فریضہ ادا کرنے کے لئے نکلے ہیں جو اسلام نے اسی طرح فرض قرار دیا ہے جس طرح اس سے پہلے عربوں کے اور بعض مذہبوں کے قانون نے فرض قرار دیا تھا۔ اس کی پہچان یہ تھی کہ آنحضرتؐ ایک ایسی بڑی جماعت کے ساتھ برآمد ہوئے جو نہ آپ کے مذہب پر عمل پیرا تھے نہ آپ کی نبوت کو مانتے تھے۔ اس کے بعد قریش کا کیا فرض تھا؟ کیا آپ یہ سمجھیں گے کہ وہ آنحضرتؐ کا اسی طرح خیر مقدم کریں گے جس طرح حاجیوں کا کرتے تھے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ کثیر افراد ایسے تھے کہ اگر آنحضرتؐ فتح کرنے یا جنگ کرنے کا ارادہ فرماتے تو وہ لوگ قریش کا ساتھ دینے لگتے۔ یا آپ یہ خیال کریں گے کہ وہ آنحضرتؐ سے جنگ کا اعلان کردیں گے حالانکہ وہ جان رہے تھے کہ آنحضرتؐ وہاں عمرہ کرنے کے لئے آرہے تھے نہ کہ جنگ کے لئے، ایک پرامن شخص کی طرح نہ کہ لڑنے والے کی طرح۔ ایسی صورت میں قریش کا ان مشرک قبائل کے ساتھ کیا طرز عمل ہونا چاہئے تھا جن کے نزدیک ان کے ایک ایسے شخص کے ساتھ موجودہ طرز عمل کا کوئی جواب نہ تھا جو پرامن طور پر محترم مہینوں میں عمرہ کرنے کے لئے آیا تھا جس طرح جاہلیت کے زمانے میں عرب ادا کیا کرتے تھے۔ باوجودیکہ ان کی آپس میں دشمنی جنگیں اور انتقامات کے معاملات چلتے رہتے تھے۔

بہت ممکن ہے کہ آنحضرتؐ نے غیر مسلموں کو اس سفر میں اپنے ساتھ شریک ہونے کی دعوت قریش کو آخری حد تک پہنچانے اور اتمام حجت کے لئے دی ہو جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں۔

آنحضرتؐ نے اس سفر میں شریک ہونے کے لئے ان عربوں کو بلایا تو ضرور جو اب تک شرک پر قائم تھے لیکن سیرت نگاروں کا کہنا یہی ہے کہ وہ آنحضرتؐ کے ساتھ چلنے پر تیار نہیں ہوئے۔ پھر بھی آنحضرتؐ انہی مہاجرین و انصار کو لے کر جو آپ کے ساتھ تھے روانہ ہوگئے۔ یہ لوگ ایک ہزار چارسو یا برواتیے اس سے زیادہ تھے۔ آنحضرتؐ نے مدینہ میں ابن ام مکتوم کو چھوڑا۔

ارشاد مفید میں ہے کہ آنحضرتؐ نے علم امام علیؑ کو دیا جیسا کہ آنحضرتؐ اپنی بیشتر جنگوں میں دیتے رہے تھے۔

آپ نے قربانی کے لئے ستر جانور ساتھ لئے اور خود سب لوگوں کے آگے آگے اپنی قصویٰ نامی اونٹنی پر برآمد ہوئے۔ سب لوگ اپنی تلواریں نیاموں میں رکھے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ مسلمانوں کے ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ ذوالحلیفہ پہنچ گئے۔[1] یہاں پر آنحضرتؐ نے احرام اختیار کیا، لبیک کہا اور قربانی کے جانوروں کو منگا کر ان میں سے چند کے کوہانوں کو داہنی طرف سے چھیل کر ان کی کھال کا ٹکڑا ان کی گردنوں میں لٹکا دیا۔ یہ دکھانے کیلئے کہ وہ قربانی کے ہیں۔

جب آنحضرتؐ عسفان پہنچے تو قریش کو آپ کی خبر ہوگئی۔ چنانچہ وہ لوگ آنحضرتؐ کو خانہ کعبہ سے روکنے کے لئے جمع ہوئے۔ ان کی عورتیں اور بچے بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ ذوطویٰ پر اترے اور وہاں سے انہوں نے خالد بن ولید کی قیادت میں دوسو سوار کراع الغمیم بھیجے[2] تاکہ آنحضرتؐ کا راستا بند کردیں۔ ادھر بشر یا بشیر بن سفیان نے مکہ میں داخل ہو کر قریش کے موقف ان کے ارادوں اور آنحضرتؐ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے سازو سامان اور افراد کے ساتھ روانگی کے بارے میں اطلاعات حاصل کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے مکہ سے آکر نبی اکرمؐ سے عسفان کے مقام پر ملاقات کی اور آنحضرتؐ کو بتلایا کہ یارسول اللہؐ قریش نے آپ کے آنے کا حال سن لیا ہے اور وہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ چیتے کی کھالیں پہنے ہوئے ہیں اور ذوطویٰ کے مقام پر اتر کر اللہ سے عہد کر رہے ہیں کہ آپ ہرگز مکہ میں داخل نہ ہوسکیں گے اور یہ کہ خالد بن ولید ان کے سواروں میں شامل ہے۔ وہ ان کو کراع الغمیم تک لے آیا ہے۔ یہی کچھ ابن ہشام اور دوسروں نے بھی بیان کیا ہے۔

یہ روایت بتلاتی ہے کہ خالد بن ولید ابھی تک مشرک تھا اور قریش اور دوسرے عربوں کے ساتھ مل کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف چالیں چلتا رہتا تھا لیکن طبری کی روایت بتلاتی ہے کہ جو شخص سواروں کے ساتھ آیا وہ عکرمہ بن ابوجہل تھا۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے خالد کو اس کے لئے بلایا اور اس نے اس کو مار بھگایا، یہاں تک کہ اس کو مکہ کی دیواروں کے اندر پہنچا دیا۔ وہ جب کبھی مسلمانوں پر پھر حملہ کرنے آیا اس کے ساتھ ایسا ہی کیا۔

لیکن بیشتر سیرت نگار اور مورخ یہی صراحت کرتے ہیں کہ خالد ابھی تک مشرک تھا اور اس نے رسول اکرمؐ اور آپ کے اصحاب کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے سواروں کی قیادت کی تھی۔ طبری نے دونوں روایتیں درج کر کے مشہور روایت کو ترجیح دی ہے۔

جب بشیر بن سفیان نے رسول اللہؐ کو قریش کے موقف کی اطلاع دی تو آنحضرتؐ نے فرمایا افسوس ہے قریش پر کہ ان کو جنگ کا ہوکا ہوگیا ہے۔ ان کا کیا بگڑے گا اگر وہ میرے اور عربوں کے درمیان سے ہٹے رہیں۔ اگر وہ مجھ سے ٹکراتے ہیں جیسا کہ ان کا ارادہ ہے تو اگر اللہ نے مجھ کو ان پر فتح مند کردیا تو وہ کثرت سے اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ لیکن اگر وہ نہ سمجھے اور لڑے جبکہ ان کے پاس طاقت ہے تو قریش کیا سوچتے ہیں؟ قسم بخدا! میں اس امر پر جس کے

۱۔ یہ اہل مدینہ کی میقات ہے جہاں سے حج کے لئے احرام باندھا جاتا ہے۔ یہ مدینہ سے چھ میل کی دوری پر واقع ہے۔

۲۔ کراع الغمیم مکہ اور مدینہ کے درمیان عسفان سے آٹھ میل پہلے ایک مقام ہے۔

لئے اللہ نے مجھ کو مبعوث کیا ہے لڑتا رہوں گا یہاں تک کہ میری گردن جدا ہو جائے۔

البتہ آنحضرتؐ سوچ میں پڑ گئے کہ اگر قریش آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے پر اور آپ سے جنگ کرنے پر تلے رہیں تو آپ کو کیا کرنا چاہئے حالانکہ آپ مدینہ سے اس غرض کے ساتھ تو نہیں نکلے تھے۔ آنحضرتؐ چاہتے تھے کہ ان کے ساتھ اس وقت تک تصادم نہ ہو جب تک ان عربوں پر حجت نہ قائم ہو جائے جو محترم مہینوں کو مقدس مانتے تھے اور ان میں جنگ کرنا حرام سمجھتے تھے۔ خصوصاً اس وقت ایسے حالات میں آنحضرتؐ جنگ کو مطابق مصلحت نہیں سمجھتے تھے اور اس لئے بھی کہ آپ ضروری تیاری کے ساتھ نہیں نکلے تھے۔

سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو ہمیں ایسے راستے سے لے چلے جس پر وہ لوگ نہ ہوں۔ اس پر ایک شخص نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور کہا کہ میں ہوں یا رسول اللہؐ۔ چنانچہ وہ شخص سب کو ایک سخت راستے سے لے کر چلا جس میں بکثرت پتھر اور تنگ گھاٹیاں تھیں۔ یہ لوگ اس راستے پر چلتے رہے یہاں تک کہ نرم زمین پر آپہنچے۔ پھر وہ دائیں طرف ایک راستے پر چلے جس نے ان کو درّۂ مراد پہنچا دیا جو مکہ کی نچلی طرف سے حدیبیہ جانے کا راستا تھا۔

قریش کے سواروں نے جب یہ دیکھا کہ نبی اکرمؐ نے کیا کیا ہے تو الٹے پاؤں مکہ کے راستے پر واپس ہوئے تا کہ اگر حضرت محمدؐ اس میں داخل ہونا چاہیں تو ان کو روک لیں۔ ادھر رسول اللہؐ درّۂ مراد میں چلتے رہے اور حدیبیہ پہنچ گئے۔ وہاں آنحضرتؐ کی اونٹنی قصویٰ نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ لوگ کہنے لگے کہ یہ بے قابو ہوگئی ہے ان کا مطلب تھا کہ ضد کر رہی ہے اور چلنا نہیں چاہتی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ بے قابو نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کو اسی اللہ نے روکدیا ہے جو مکہ سے ہاتھیوں کو روکے رہا تھا۔ قسم بخدا! قریش کسی جگہ بھی مجھ کو بلا کر مجھ سے قرابت داری کی رعایت چاہیں گے تو میں ضرور ان کے ساتھ رعایت کروں گا۔

پھر آنحضرتؐ نے لوگوں سے کہا کہ اترو۔ آپ سے کہا گیا کہ یا رسول اللہؐ اس وادی میں کوئی چشمہ نہیں ہے کہ ہم اتریں۔ اس پر آنحضرتؐ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر اپنے اصحاب میں سے ایک شخص کو دیا۔ اس شخص نے وہاں پر موجود متعدد کنوؤں میں سے ایک کنوئیں کے بیچ میں وہ تیر گاڑ دیا جس پر اس میں جوش پیدا ہو کر ایسے جھاگ بن گئے کہ سیرت نگاروں کے بیان کے مطابق اس میں گلانے کے لئے کھالیں ڈالدی جائیں۔ مطلب یہ کہ اس میں پانی نمودار ہو کر بلند ہو گیا۔ ابوالفداء نے اپنی تاریخ میں مزید یہ لکھا ہے کہ یہ نبی اکرمؐ کے مشہور معجزوں میں سے ہے۔ نبی اکرمؐ اسی مقام پر ٹھہرے رہے جبکہ قریش اپنی پوری قوت کے ساتھ مکہ کی حدیبیہ کی طرف والی سرحد پر ڈٹے رہے۔

بعض سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ قریش نے آنحضرتؐ کی خدمت میں بدیل بن ورقاء خزاعی کو خزاعہ کے چند آدمیوں کے ساتھ بھیجا اور انہوں نے آپ سے گفتگو کر کے دریافت کیا کہ آپ کس غرض سے تشریف لائے ہیں؟ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ ہم جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے اور یہ کہ ہم خانۂ کعبہ کی زیارت کے لئے اس کی حرمت کو بڑھانے کی غرض

سے آئے ہیں اور آنحضرتؐ نے ان سے قریب قریب وہی فرمایا جو بشیر بن سفیان سے فرمایا تھا۔ پس ان لوگوں نے واپس جاکر جو کچھ آنحضرتؐ سے سنا تھا قریش کو بتلا دیا اور کہا کہ اے گروہ قریش تم لوگ محمدؐ پر جلدی کر رہے ہو، وہ لڑنے کیلئے نہیں آئے ہیں بلکہ خانۂ کعبہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ ان لوگوں نے قریش کو یقین دلانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ قریش بولے کہ قسم بخدا! وہ ہرگز یہاں زبردستی داخل نہیں ہوسکیں گے اور نہ عرب اس بات کو برداشت کریں گے۔

پھر ان لوگوں نے مکرز بن حفص بن احنف کو بھیجا جو بنی عامر بن لوی سے تھا۔ رسول اللہؐ نے اس کو آتے دیکھا تو فرمایا کہ یہ شخص دھوکہ باز ہے۔ جب اس نے رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچ کر آنحضرتؐ سے بات چیت کی تو آپ نے اس کو وہی جواب دیا جو بدیل اور اس کے ساتھیوں کو دیا تھا۔ اس نے ان لوگوں کے پاس واپس جاکر ان کو بتلایا تو انہوں نے اس کی بتائی ہوئی باتوں کو بھی قبول نہیں کیا۔

پھر انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حلیس بن علقمہ کو بھیجا جو اس وقت اہل حبش کا سردار تھا اور اس زمانے میں اہل حبش قریش کے لئے قوت بنے ہوئے تھے اور وہ ان پر لڑائی کے معاملے میں اعتماد کرتے تھے۔ ان لوگوں نے اس کو اس امید پر بھیجا تھا کہ اگر حضرت محمدؐ اس کی بات نہیں سنیں گے اور اس کے مطالبات کو قبول نہیں کریں گے تو ان کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ چنانچہ حلیس، نبی اکرمؐ کی لشکرگاہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کو آتا ہوا دیکھ کر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ یہ ایسی قوم سے ہے جو خدا بنے ہوئے ہیں۔ تب آپ نے حکم دیا کہ قربانی کے جانوروں کو آگے کردیا جائے تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ حضرت محمدؐ حج کرنے والے کے طور پر آئے ہیں نہ کہ لڑنے والے کے طور پر۔ حلیس نے جو دیکھا کہ وادی سے ستر قربانی کے اونٹ اس کی طرف آرہے ہیں جن کی گردنوں کے بال زیادہ مدت تک بند رہنے سے اڑ گئے ہیں تو وہ اس منظر سے متاثر ہوکر رسولؐ اللہؐ سے ملاقات کئے بغیر ہی قریش کے پاس واپس چلا گیا کیونکہ اس کو یقین ہوگیا کہ مسلمان جنگ کے خواہاں نہیں ہیں اور نہ کسی پر چڑھائی کے۔ چنانچہ اس نے ان لوگوں کو جو کچھ دیکھا تھا اور جو اس کی رائے تھی اس سے مطلع کردیا۔ وہ لوگ جواب میں کہنے لگے کہ تم تو دیہاتی عرب ہو ان کے مقاصد کو باور نہیں کرپائے۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ اس نے یہ سن کر غصے میں آکر کہا کہ اے گروہ قریش! ہم اس مقصد کے لئے تمہارے حلیف نہیں بنے ہیں اور نہ تم سے ایسا پیمان کیا ہے کہ کسی ایسے شخص کو اللہ کے گھر سے روکا جائے گا جو اس کی تعظیم کرنے کے لئے آیا ہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں حلیس کی جان ہے! اگر تم لوگ محمدؐ اور ان کے آنے کے مقصد کے درمیان رکاوٹ بنوگے تو میں سارے اہل حبش کو ایک ایک کرکے لے جاؤں گا۔

قریش اس شخص کے غصے کے نتائج سے ڈر گئے کیونکہ اس کے ساتھ کے اہل حبش قریش کی طاقت کا بڑا حصہ تھے۔ انہوں نے اس سے نرم روی کا مطالبہ کیا تاکہ حضرت محمدؐ سے ایسا معاملہ کیا جائے جو اُن کے مفاد میں ہو اور اس سے حلیس اور اس کے ساتھی بھی مطمئن رہیں۔

اس کے بعد قریش کی یہ رائے ہوئی کہ حضرت محمدؐ کے پاس عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجیں کیونکہ یہ لوگ اس شخص کی

رائے، دانشمندی اور مشکلوں کے حل کر لینے پر اطمینان رکھتے تھے۔ لیکن جب اس نے ان لوگوں کی، ان افراد کے ساتھ سختی اور بدسلوکی دیکھی اور سنی جو اُن کے پیامبر ہو کر اس سے پہلے گئے تھے تو اس نے معذرت کی۔ البتہ جب ان لوگوں نے اصرار کیا کہ وہ اس کی دانشمندی اور حکمت عملی پر اعتماد کرتے ہیں اور اس کو کوئی الزام نہ دیں گے تو وہ نبی اکرمؐ کی خدمت میں جاکر آنحضرتؐ کے سامنے بیٹھ گیا اور بولا کہ اے محمدؐ! آپ نے لوگوں کو ان کے خاندانی اختلافات کے باوجود یکجا کرلیا ہے اور آپ ان کو مکہ پر لے آئے ہیں تاکہ ان کے ذریعے سے اس کا معاملہ چکادیں۔ یہ قریش آپ کے مقابلے کے لئے آئے ہیں، ان کے ساتھ بچے اور عورتیں بھی ہیں، یہ چیتے کی کھال پہنے ہوئے ہیں اور انہوں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ آپ اس میں ان کے ہوتے ہوئے زبردستی داخل نہیں ہوسکتے خواہ اس میں ان کو کتنی ہی قربانیاں دینا پڑیں۔ اللہ کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ میں ان کے ساتھ ہوں اور یہ آپ کے پاس سے چلے جائیں۔ وہ آنحضرتؐ سے قریش اور آپ کے بارے میں ان کے سخت موقف پر بات کر رہا تھا۔ اسی دوران اس نے اپنا ہاتھ آنحضرتؐ کی ریش مبارک کی طرف بڑھایا۔ لیکن جب بھی عروہ اپنا ہاتھ آپ کی ریش مبارک کی طرف بڑھاتا تو مغیرہ بن شعبہ جو آنحضرتؐ کے سر مبارک کی جانب کھڑا تھا کہتا کہ رسول اللہؐ کے چہرے سے اپنا ہاتھ ہٹالے قبل اس کے کہ وہ تجھ تک نہ پہنچے اور عروہ اس سے کہتا کہ وائے ہو تجھ پر تو کتنا بیہودہ اور بدتمیز ہے اور رسول اللہؐ مسکرا دیتے تھے۔

پھر عروہ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ اے محمدؐ! یہ کون ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی کا بیٹا مغیرہ بن شعبہ ہے۔ اس پر اس نے اس سے کہا کہ اے دھوکہ دینے والے! کل کے علاوہ بھی تو نے اپنی شرمگاہ دھوئی ہے؟ اس سے عروہ کا اشارہ مغیرہ کی غداری کی طرف تھا جب اس نے ثقیف میں سے بنی مالک کے تیرہ افراد قتل کردیئے تھے۔ اس پر مقتولین کے کنبے والوں بنو مالک نے ثقیف کے لحیان کو ابھارا تھا جو مغیرہ کے حلیف تھے تب ان کے مابین عروہ نے صلح کرا کے اپنے مال سے مقتولین کے عوض تیرہ خون بہا ادا کردیئے تھے۔

جب عروہ نبی اکرمؐ کے ساتھ اپنی گفتگو ختم کرچکا تو آنحضرتؐ نے اس کو وہی جواب دیا جو اس سے پہلے آنے والوں کو دیا تھا اور اس پر زور دیا کہ آپ لڑائی کرنے یا چڑھائی کرنے نہیں آئے ہیں۔ عروہ نے یہ بھی دیکھا کہ نبی اکرمؐ کے اصحاب آنحضرتؐ کو گھیرے لئے رہتے تھے، آپ کی راہ میں فنا ہونے پر آمادہ رہتے اور آپ کے قدموں کے نیچے کی مٹی کو باعث برکت مانتے تھے۔ پس اس نے قریش کے پاس واپس جاکر کہا کہ اے گروہ قریش میں کسریٰ سے اس کے ملک میں ملا ہوں، قیصر سے اس کے ملک میں ملا ہوں، نجاشی سے اس کے ملک میں ملا ہوں۔ پھر بھی بخدا! میں نے کسی قوم میں ایسا حکمران نہیں دیکھا جیسے محمدؐ اپنے اصحاب کے درمیان میں ہیں اور میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو اُن کو کبھی بھی کسی چیز کی خاطر کسی کے سپرد نہیں کریں گے۔

سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ قریش کی جانب سے ان کوششوں کے بعد نبی اکرمؐ نے ان کی جانب خراش بن امیہ خزاعی کو اونٹ پر سوار کر کے بھیجا تاکہ ان کو آپ کے تشریف لانے کا مقصد بتائے۔ انہوں نے اس کے اونٹ کے پیر

کاٹ دیئے اور اس کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ اتنے میں اہل حبش ان کے ارادے میں حائل ہو گئے۔ تب انہوں نے رسول اللہؐ کی خدمت میں واپس آ کر جو کچھ اپنے اوپر گزری تھی اس کی اطلاع آنحضرتؐ کو دیدی۔

ابن اسحٰقؒ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ قریش نے پچاس آدمی بھیجے تا کہ صحابہ میں سے کسی ایک کو مار ڈالیں۔ چنانچہ انہوں نے ان پر پتھر برسانے شروع کئے لیکن صحابہ نے ان کو گرفتار کرلیا اور ان کو آنحضرتؐ کی خدمت میں لے آئے۔ آنحضرتؐ نے ان کو معاف کر دیا اور جانے دیا۔ پھر آنحضرتؐ نے عمر بن خطاب کو بلا کر حکم دیا کہ قریش کے پاس جا کر آنحضرتؐ کے اس سفر کی غرض واضح کریں۔ اس پر حضرت عمر نے آنحضرتؐ سے کہا کہ مجھے قریش سے اپنی جان کا ڈر ہے اور بنی عدی میں کسی کو ایسا نہیں پاتا جو اُن لوگوں کو مجھ سے دور رکھ سکے۔ (ابن ہشام، ج۲، ص۳۱۵)

پھر آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر ان لوگوں کے پاس بھیجا تا کہ وہ ان کو بتادیں کہ آنحضرتؐ عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں نہ کہ حملہ کرنے یا لڑنے کے لئے اور اپنے ساتھ قربانی کے جانور لائے ہیں تا کہ ان کو اللہ کی راہ میں نحر کریں اور اس کے بعد جہاں سے آئے ہیں وہیں چلے جائیں۔ چنانچہ حضرت عثمان ابان بن سعد بن عاص کے پاس گئے جنہوں نے ان کو ان لوگوں کی طرف سے پناہ دیدی اور ان کو نبی اکرمؐ کا پیغام پہنچا دیا۔ ان لوگوں نے آنحضرتؐ کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے قطعاً انکار کر دیا اور حضرت عثمان کو تین دن تک اپنے پاس قید کئے رکھا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو خیال ہوا کہ وہ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ رسول اللہؐ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ اب تو ہم ان لوگوں سے لڑے بغیر نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ آپ نے اپنے اصحاب کو بلایا اور آپ ایک درخت کے نیچے جلوہ افروز ہوئے جو اس وادی میں تھا۔ وہاں سب افراد نے اس امر پر آنحضرتؐ کی بیعت کی کہ آپ کے پاس سے بھاگیں گے نہیں تاوقتیکہ موت نہ آ جائے۔ یہ بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ یہی وہ بیعت ہے جس کے متعلق مفسروں کا کہنا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ''اے رسولؐ! اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے پس وہ جان گیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس اس نے ان پر سکون و اطمینان نازل کیا اور انہیں قریبی فتح عطا کی۔'' (سورۂ فتح: آیت ۱۸)

بیعت ختم ہونے کے بعد نبی اکرمؐ کو اطلاع ملی کہ حضرت عثمان کو کوئی اذیت نہیں پہنچی اور انہوں نے نبی اکرمؐ کا پیام تو ان لوگوں تک پہنچا دیا لیکن انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے پہلے موقف پر اڑے رہے حالانکہ ان کو یقین تھا کہ حضرت محمدؐ صرف ادائے مناسک کے لئے ہی آئے ہیں۔ اس سخت موقف کے بعد ان کو خیال ہوا کہ اس سختی میں جس پر وہ اب تک قائم تھے کمی کریں یا شاید انہوں نے اندازہ کر لیا کہ جنگ ان کے مفاد میں نہ ہوگی کیونکہ وہ حضرت محمدؐ سے جو چاہتے ہیں وہ حاصل نہ کرسکیں گے خواہ کتنی ہی قربانیاں دیں خصوصاً اس لئے کہ عروہ بن مسعود نے ان کو بتا دیا تھا کہ آنحضرتؐ کے اصحاب آپ کو گھیرے رہتے ہیں اور آپ کی راہ میں مرنے کو تیار رہتے ہیں۔

ان لوگوں کو یہ خیال ہوگیا کہ اپنی سخت روی کو کم کر دیں اور حضرت محمدؐ کے ساتھ پہلے کے مقابلے میں کچھ نرمی کے ساتھ پھر سے گفتگو شروع کریں۔ شاید حضرت عثمانؓ ان کے ان خیالات کا خاکہ نبی اکرمؐ کی خدمت میں لائے جو گفتگو کی بنیاد بن سکتے تھے۔ ان کی طرف سے آخری گفتگو کرنے والا سہیل بن عمرو تھا اور اس کے ساتھ حویطب بن عبدالعزیٰ بھی تھا۔ قریش نے ان دونوں سے یہ اقرار لے لیا تھا کہ وہ حضرت محمدؐ کو اس سفر کے دوران مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ یہ وفد نبی اکرمؐ سے ملاقات کے لئے آ گیا۔

کتب سیرت وحدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ فریقین کے مابین طویل مذاکرات ہوئے اور اس کے متعدد دَور ہوئے۔ مذاکرات کے درمیان سہیل مجبور ہو جاتا تھا کہ قریش کے پاس جاکر جو کچھ اس کے اور نبی اکرمؐ کے درمیان بات چیت ہوئی بتلادے اور پھر واپس آ کر آنحضرتؐ کے سامنے ان لوگوں کا نقطہ نظر پیش کردے۔ حدیثوں کے بعض مجموعوں سے معلوم ہوتا ہے کہ طرفین کے درمیان گفتگو صرف نبی اکرمؐ کے مکہ میں ادائے مناسک کے لئے داخل ہونے ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ اہل مکہ میں سے جو لوگ اسلام لے آئے تھے ان کے اپنے اہل وعیال اور خاندان میں واپس جانے پر بھی گفتگو ہوئی۔

چنانچہ صحیح ترمذی، جلد۲۔ کنز العمال، جلد۲، صفحہ۴۰۷۔ خصائص نسائی، صفحہ۱۱ اور تاریخ بغداد، صفحہ۶۴۳ میں ہے کہ باہمی گفتگو آنحضرتؐ کے اس سال مکہ معظمہ میں داخل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں طرفین کے موقف تک محدود نہیں رہی بلکہ دوسرے معاملات تک پہنچ گئی۔ چنانچہ ترمذی وغیرہ نے ربعی بن خراش تک پہنچنے والی سند سے امام علیؑ بن ابی طالبؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حدیبیہ کے روز ہمارے پاس مشرکوں میں سے کچھ افراد آئے جن میں سہیل بن عمرو اور مشرکوں کے کچھ سردار تھے اور کہنے لگے کہ اے محمدؐ! ہمارے کچھ سربرآوردہ افراد، ہمارے بھائی اور ہمارے غلام آپ کی طرف چلے آئے ہیں اور ان کو دین کا کوئی علم نہیں ہے بلکہ یہ لوگ ہماری دولت اور ملک سے بھاگ کر نکل آئے ہیں۔ آپ ان کو ہمیں واپس دے دیجئے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر ان کو دین کا علم نہیں ہے تو ہم ان کو دین کی تعلیم دے لیں گے اور آپ نے مزید فرمایا کہ اے گروہ قریش تم باز آ جاؤ ورنہ اللہ تمہارے اوپر ایسے فرد کو مسلط کرے گا جو تلوار سے تمہاری گردن اڑا دے گا۔ اللہ نے ایمان پر اس کے دل کا امتحان کرلیا ہے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور مشرکوں نے دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ پس آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ وہ ہے جو جوتے کی مرمت کر رہا ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنا نعل مبارک امام علیؑ کو دیا تھا کہ وہ اس کو پیوند لگا دیں۔

نسائی نے اپنی خصائص میں، حاکم نے مستدرک صحیحین میں اور دوسروں نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے البتہ نسائی اور حاکم نے یہ صراحت کی ہے کہ جب مشرکین نے نبی اکرمؐ سے ان افراد کی واپسی کا مطالبہ کیا جو آپ کی طرف بھاگ آئے تھے تو آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ تم دونوں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ شخص ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ اس پر رسول اللہؐ کا چہرۂ مبارک متغیر ہوگیا اور آپ نے وفد کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے گروہ قریش! تم اس وقت تک باز نہیں آ ؤ گے جب تک اللہ تم میں ایسے شخص کو نہ بھیجے گا جس کے دل کا اس نے ایمان کے بارے

میں امتحان کرلیا ہے۔ وہ تمہاری گردنیں اڑادے گا۔ تب حضرت ابوبکرؓ بولے کہ کیا وہ میں ہوں یارسول اللہؐ؟ دیگر صحابہ بھی پوچھنے لگے کہ کیا وہ میں ہوں یارسول اللہؐ؟ تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نہیں، البتہ وہ جوتا گانٹھنے والا ہے۔ اس پر یہ لوگ متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ امام علیؑ رسول اللہؐ کا جوتا گانٹھ رہے تھے۔

سید مرتضیٰ فیروز آبادی کی کتاب فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ میں ہے کہ اس واقعے کو بیش از بیش محدثوں اور مؤرخوں نے بیان کیا ہے اور انہوں نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں اس روایت کو ترمذی، نسائی اور خطیب بغدادی سے بیان کرکے دیگرسنی مجموعہ ہائے احادیث کی طرف نشاندہی کردی ہے۔ (فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ۔ جز ثانی، صفحہ ۳۴۷)

بہرحال سیرت اور تاریخ نگاروں کا کہنا ہے کہ گو نبی اکرمؐ اور سہیل بن عمرو کے مابین باہمی گفتگو جیسا کہ بعض کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے بہت سے امور پر پھیلی رہی لیکن مرکز بحث یہی امر رہا کہ آنحضرتؐ اس سال مکہ معظمہ میں داخل نہ ہوں بلکہ اگلے سال داخل ہوں۔ چنانچہ معاہدے کی تمام شرائط پر فریقین کا اتفاق ہوگیا اور ان شرائط کے صرف دو نسخے لکھنا رہ گئے۔ ایک نبی اکرمؐ کے لئے اور دوسرا مشرکین کے لئے۔

اس معاہدے کی اہم ترین شرط یہ تھی کہ اس سال نبی اکرمؐ اپنے ساتھ والوں سمیت واپس چلے جائیں اور اگلے سال اپنے مسلمان ساتھیوں کو لے کر مکہ تشریف لائیں۔ اس وقت یہاں کے باشندے باہر نکل جائیں گے اور نبی اکرمؐ تین روز تک بغیر ہتھیاروں کے وہاں قیام فرمائیں گے سوائے ان تلواروں کے جو نیاموں کے اندر ہوں گی اور یہ کہ اگر کوئی مشرک حضرت محمدؐ کے حلقے میں شامل ہونا چاہے گا تو وہ اس کا حقدار ہوگا اور جو کوئی مشرکوں میں شامل ہونا چاہے گا اس کو بھی یہ حق ہوگا اور فریقین میں سے کسی طرف سے اس پر کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔

سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ جب نبی اکرمؐ اور مشرکین مکہ کے مابین معاہدہ مکمل ہوگیا اور صرف اس کا لکھا جانا اور طرفین کی طرف سے اس کی توثیق کا کام رہ گیا تو حضرت عمر، حضرت ابوبکر سے گفتگو کرکے جھپٹ کر نبی اکرمؐ کی خدمت میں آئے اور آپ سے کہنے لگے کہ کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ضرور ہوں۔ تب وہ بولے کہ کیا ہم مسلمان اور یہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ضرور ہیں۔ تب وہ بولے کہ پھر ہم کیوں اپنے دین میں نیچا پن اختیار کریں؟ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اسی کا رسولؐ ہوں۔ میں اس کے حکم کی خلاف ورزی ہرگز نہ کروں گا۔ لیکن وہ اس سے مطمئن نہ ہوئے حالانکہ نبی اکرمؐ کا جواب صراحت کررہا تھا کہ اس صلح کے لئے آپ کو اللہ کی جانب سے حکم دیا گیا تھا، کیونکہ نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ میں اس کے حکم کی خلاف ورزی ہرگز نہ کروں گا۔

ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ میں ہے کہ حضرت عمر نے نبی اکرمؐ سے کہا کہ کیا آپ ہم لوگوں سے یہ نہیں کہا کرتے تھے کہ ہم خانہ کعبہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہاں ضرور، لیکن کیا میں نے تم کو یہ بھی بتلایا تھا کہ ہم اسی سال وہاں جائیں گے؟ وہ بولے کہ نہیں۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بس تم وہاں جاؤ گے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ میں جب سے اسلام لایا ہوں آج کے سوا کبھی شک میں نہیں پڑا۔

تاریخ طبری، سیرت ابن ہشام وغیرہ میں ہے کہ امام علی ابن ابی طالبؑ، رسول اللہؐ اور سہیل بن عمرو کی موجودگی میں قبالہ لکھ رہے تھے کہ اتنے میں ابوجندل بن سہیل بن عمرو مشرکین میں سے نکل کر قیدی کی حیثیت سے لوہے میں جکڑا ہوا نبی اکرمؐ کی طرف چلا آیا۔ سہیل نے جو اپنے لڑکے کو دیکھا تو کھڑے ہو کر اس کے منہ پر مارا اور اس کا گریبان پکڑ کر کہنے لگا کہ اے محمدؐ! ہمارے اور آپ کے درمیان اس کے آپ کے پاس آنے سے پہلے فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔ تب وہ اپنے بیٹے کو گھسیٹنے لگا تا کہ اس کو قریش کی طرف واپس کر دے۔ البتہ اس کا بیٹا پوری آواز سے چیخ رہا تھا کہ اے گروہ مسلمین! کیا مجھ کو مشرکوں کی طرف لوٹایا جا رہا ہے تا کہ وہ مجھ کو میرے دین سے نکال لے جائیں؟ اس پر رسول اللہؐ نے اس سے فرمایا کہ اے ابوجندل صبر کرو اور دیکھتے رہو، اللہ جلد تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لئے راہ نجات و کشائش پیدا کر دے گا۔ ہم نے سر دست اپنے اور ان لوگوں کے مابین صلح کر لی ہے۔ ہم نے ان سے اور انہوں نے ہم سے عہد کر لئے ہیں کہ ہم ان سے غداری نہ کریں گے۔ ادھر حضرت عمر جھپٹے جبکہ ابوجندل ان کے برابر برابر چل رہا تھا اور انہوں نے اپنی تلوار کا دستہ اس کے قریب کر کے کہا کہ یہ مشرک ہیں ان میں سے ہر ایک کا خون کتے کے خون کے مانند ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ میں نے تلوار کا دستہ اس کے قریب کر کے اس سے کہا کہ ان میں سے ہر ایک کا خون کتے کے خون کے مانند ہے اور امید یہ تھی کہ وہ اس کا اثر لے کر اپنے باپ کو مار ڈالے گا لیکن وہ اپنے باپ سے ہچکچا گیا اور اس طرح یہ قصہ ختم ہو گیا۔ (سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۱۸ و ۳۱۹ نیز تاریخ طبری اور البدایہ والنہایہ وغیرہ)

حضرت عمر کے اس موقف سے جس پر مؤرخوں کا اتفاق ہے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے ایسا اقدام کس طرح کیا باوجودیکہ رسول اللہؐ ان سے فرما چکے تھے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ اللہ ہی کے حکم سے کیا ہے اور باوجودیکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ نبی اکرمؐ کس قدر خواہش مند اور مصر تھے کہ اس پر عمل درآمد ہونے لگے اور معاہدہ کی شرائط ایک خاص نوشتہ میں محفوظ کر لی جائیں جو دونوں فریقوں کے لئے لازمی ہوں۔ ایسی صورت میں انہوں نے کیسے اپنی تلوار ابوجندل کو پیش کی اور اس کو اپنے باپ کو قتل کرنے پر آمادہ کرتے رہے جبکہ وہ قریش کی جانب سے رسول اللہؐ کے ساتھ محو گفتگو تھا اور اگر ابوجندل حضرت عمر کی خواہش کے مطابق اپنے باپ کو ان کی تلوار سے قتل کر ڈالتا تو نبی اکرمؐ کا قریش کے سامنے کیا موقف ہوتا جبکہ وہ ان کا نمائندہ اور ان کے نمایاں افراد میں سے تھا بلکہ تمام عربوں ہی کے سامنے جو اس قسم کے غدارانہ قتل کو قبیح ترین قتل قرار دیتے اور اس سے درگزر نہ کرتے تھے خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

اس کے علاوہ اگر حضرت عمر بن خطاب کی یہ خواہش پوری ہو جاتی تو کیا قریش خاموش بیٹھ جاتے؟ اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ وہ اور ان کے حلیف مکہ کے عین دروازے پر نبی اکرمؐ سے شدید ترین جنگ کرتے جبکہ مسلمانوں کے پاس اس موقع پر تلواروں کے علاوہ کچھ بھی نہ ہوتا اور ان کی ایسی حالت ہوتے ہوئے ناممکن تھا کہ مسلمان ان کے ہاتھوں سے بچ کر نکل پاتے۔ چنانچہ تمام حالات یہی اشارہ کرتے ہیں کہ کامیابی قریش کو حاصل ہوتی اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ اگر حضرت عمر اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جاتے تو یہ مسلمانوں پر غداری اور معاہدوں سے پھر جانے کے الزام کا باعث

ہو جاتا اور نبی اکرمؐ کے ان تمام اعلانات کو جھوٹا ثابت کر دیتا جو آپ مدینہ سے روانگی کے وقت سے فرماتے رہے تھے کیونکہ آپ دسیوں موقعوں پر صراحت سے فرما چکے تھے کہ آپ جنگ و پیکار کے لئے نہیں چلے ہیں بلکہ مناسک حج ادا کرنے کے لئے نکلے ہیں کسی اور غرض سے نہیں۔

المختصر یہ کہ اگر حضرت عمر بن خطاب کا موقف ٹھیک بیٹھ جاتا تو نبی اکرمؐ اور آپ کی شہرت کے لئے بہت برا ہوتا اور اس وقت پورا امکان تھا کہ مسلمان ایک شدید ناگزیر جنگ سے دوچار ہو جاتے جس کے خطرات کا بڑا حصہ اس وقت کے حالات میں ہمارے اندازے کے مطابق مسلمانوں کو درپیش ہوتا۔

بہرحال سیرت نگار اس پر متفق ہیں کہ یہ امام علیؑ تھے جنہوں نے اس معاہدے کی شرائط کو خاص نوشتے میں قلم بند کیا۔ ان لوگوں کا بیان ہے کہ امام علیؑ لکھنے لگے تو نبی اکرمؐ نے ان سے فرمایا کہ لکھو:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس پر سہیل بولا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ رحمٰن و رحیم کون ہے بلکہ لکھئے: **باسمک اللّٰھم۔** نبی اکرمؐ اس پر رضامند ہو گئے۔ پھر آنحضرتؐ نے ان سے کہا لکھو کہ یہ ہے جس پر محمدؐ رسول اللہ اور سہیل بن عمرو نے باہم مصالحت کی ہے۔ اس پر سہیل نے یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ اگر ہم یہ مانتے ہوتے کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں تو ہم آپ سے برسرپیکار ہی نہ ہوتے۔ پس آپ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھئے۔ اس پر نبی اکرمؐ نے امام علیؑ سے کہا کہ اس کو مٹا دو اور وہی لکھ دو جو یہ چاہتا ہے۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ امام علیؑ نے کہا کہ قسم بخدا! میں اس کو نہ مٹاؤں گا۔ پس نبی اکرمؐ نے اس کو ان کے ہاتھ سے لے کر رسول اللہ کا فقرہ مٹا دیا۔

نسائی نے اپنی خصائص میں روایت کیا ہے کہ اس موقع پر نبی اکرمؐ نے امام علیؑ سے فرمایا کہ تم کو بھی ایسا ہی واقعہ درپیش ہوگا اور تم کو اس کی وجہ سے پریشانی ہوگی۔[1]

اس صلح نامے میں یہ تھا کہ فریقین دس سال تک اور یعقوبی کی روایت کے مطابق تین سال تک جنگ سے دست کش رہیں گے۔ اس مدت میں لوگ امن سے رہیں گے اور ایک دوسرے سے ہاتھ کھینچے رہیں گے۔

یہ کہ قریش میں سے جو کوئی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر حضرت محمدؐ کی طرف چلا آئے گا تو اس کو ان

۱۔ محدثین کی ایک جماعت نے جیسے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہؐ کی دی ہوئی خبر صحیح ثابت ہوئی کیونکہ جب جنگ صفین میں ابن عاص کی چال کے نتیجے میں امام علیؑ اور معاویہ کے مابین صلح واقع ہوئی اور ان لوگوں نے ارادہ کیا کہ صلح کی شرائط قلمبند کر لیں تو آپ نے لکھا کہ یہ ہے وہ جس پر امیر المؤمنین اور معاویہ نے مصالحت کی ہے۔ اس پر معاویہ کے وفد نے ان سے کہا کہ اگر ہم جانتے ہوتے کہ آپ امیر المؤمنین ہیں تو ہم آپ سے برسرپیکار ہی نہ ہوتے بلکہ آپ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھئے۔ تب امام علیؑ نے کاتب کو حکم دیا کہ وہ آپ کا اور آپ کے والد کا نام لکھ دے۔ یہ کاتب عبداللہ بن عباس تھے۔ اس پر انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ تب امام علیؑ نے ان کو وہ بات بتلائی جو نبی اکرمؐ نے صلح حدیبیہ کے وقت فرمائی تھی۔ یہ آنحضرتؐ کی نبوت کی بے شمار دلیلوں میں سے ایک مانی جاتی ہے۔

لوگوں کی جانب واپس کر دیا جائے گا اور حضرت محمدؐ کے پیروؤں میں سے جو کوئی قریش کی جانب چلا جائے گا اس کو واپس نہیں کیا جائے گا اور یہ کہ عربوں میں سے جو کوئی حضرت محمدؐ کا حلیف ہونا چاہے گا وہ ایسا کرنے کا حقدار ہوگا اور جو کوئی قریش کا حلیف ہونا چاہے گا وہ بھی اس کا حقدار ہوگا اور یہ کہ اس سال حضرت محمدؐ اور آپ کے ساتھ والے مکہ سے واپس چلے جائیں گے اور آنے والے سال میں آ کر اس میں داخل ہوں گے اور تین روز تک اندرون شہر قیام کریں گے۔ ان کے ہتھیاروں میں صرف تلواریں ہوں گی جو نیاموں کے اندر ہوں گی۔ ان کے علاوہ کوئی اور ہتھیار نہ ہوگا۔ اس عہدنامے کی سہیل بن عمرو کے علاوہ مشرکین کی ایک جماعت نے توثیق کی اور اسی طرح مسلمانوں کی ایک جماعت نے نبی اکرمؐ کے ساتھ اس کی توثیق کی۔ اب جلدی سے بنوخزاعہ نے نبی اکرمؐ کے ساتھ حلیف ہونے کا معاہدہ کرلیا اور اسی طرح بنوبکر نے قریش کے ساتھ کرلیا اور فریقین میں سے ہر ایک نے صلح نامے کا ایک ایک نسخہ اپنے پاس رکھ لیا۔

سیرت ابن اسحٰق میں ہے کہ طرفین کے درمیان صلح مکمل ہو جانے پر رسول اللہؐ نے قربانی کا اپنا جانور نحر کیا اور اپنے سر کے بال منڈوا لئے۔ لوگوں نے رسول اللہؐ کو نحر کرتے اور سر منڈواتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی نحر کرنے اور سر منڈوانے پر لپک پڑے۔

البدایہ والنہایہ میں روایت ہے کہ آنحضرتؐ کے حدیبیہ سے روانگی سے پہلے آپ کی خدمت میں مکہ سے کچھ مومن خواتین آئیں۔ پس اللہ نے ان کے بارے میں آنحضرتؐ پر یہ حکم نازل کیا:

> اِذَاجَآءَ کُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۝ ''جب آپ کے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان کرلیا کیجئے۔ اللہ ان کے ایمان سے زیادہ آگاہ ہے۔ پس اگر آپ کے علم میں وہ ایماندار ہوں تو ان کو کفار کی طرف واپس نہ کیجئے۔'' (سورۂ ممتحنہ: آیت ۱۰)

صحیح صورت حال یہ ہے جیسا کہ سیرت کی بیشتر کتابوں میں سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ مومن عورتیں جن کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ ہجرت کر کے آئی تھیں جیسا کہ ہم عنقریب واضح کریں گے۔ نبی اکرمؐ نے تقریباً بیس روز حدیبیہ میں قیام فرمایا اور اس درمیان میں آپ مکہ کے اندر داخل نہیں ہوئے بلکہ مدینہ واپس چلے گئے۔ مفسرین اور سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ ابھی آنحضرتؐ مدینہ کے راستے ہی میں تھے کہ اللہ نے سورۂ فتح نازل فرمائی۔ البتہ یہ لوگ اس فتح کے بارے میں مختلف رائیں رکھتے ہیں جس کا اشارہ اس آیت میں ہے کہ انا فتحنا لک فتحاً مبیناً ۝ (بے شک ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح عطا کی)۔

کہا گیا ہے اور یہی قابل ترجیح بھی ہے کہ یہ صلح حدیبیہ ہے جس نے بکثرت عربوں کے لئے ممکن کر دیا کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ چنانچہ دو ہی سال کے اندر یعنی چھٹے سال سے آٹھویں سال ہجری کے درمیان کثیر تعداد عرب اسلام میں داخل ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں اس سے زیادہ افراد اسلام میں داخل ہوئے جتنے آنحضرتؐ کے مدینہ

تشریف لانے سے اب تک داخل ہوئے تھے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ ۶ھ میں مکہ کے لئے ایک ہزار چار سو افراد کے ساتھ روانہ ہوئے تھے اور ۸ھ میں فتح مکہ کے وقت آپ دس ہزار لڑنے والے افراد کے ساتھ برآمد ہوئے۔ پس آنحضرتؐ کا مکہ تشریف لانا اور وہ صلح نامہ جو وہاں تکمیل پذیر ہوا اسلام پھیلنے کا ایک ذریعہ ثابت ہوا اور اصل میں یہی فتح تھی کیونکہ قریش کا حضرت محمدؐ کے ساتھ باہمی گفتگو اور معاہدہ کرنا ہی قریش کی طرف سے جزیرۂ عرب میں حضرت محمدؐ اور آپ کی رسالت کے وجود کا اعتراف ہے جبکہ پہلے وہ آپ کا وجود ہی نہ مانتے تھے۔

ابن ہشام نے اپنی ''سیرت'' میں زہری سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ اس سے پہلے اللہ نے کوئی ایسی فتح عطا نہیں کی جو اس سے بڑی ہو۔ چنانچہ جب صلح ہوگئی اور لوگوں کو ایک دوسرے کی طرف سے امن حاصل ہوگیا تو جو کوئی سمجھ کر اسلام کے بارے میں بات کرتا اسلام میں داخل ہو جاتا تھا۔ اس طرح ان دو سالوں میں اسلام میں اس سے زیادہ افراد داخل ہوئے جتنے اب تک اس میں موجود تھے۔

کہا گیا ہے کہ اس آیت میں فتح سے مراد فتح خیبر ہے کیونکہ صلح حدیبیہ نے مسلمانوں کو غزوۂ خیبر اور وہاں کے یہودیوں پر غلبہ پانے کے لئے تیار کیا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ کہا گیا ہے۔

اسی طرح مفسرین میں اس کے متعلق بھی اختلاف ہے کہ دوسری آیت کس کی طرف اشارہ کرتی ہے، یعنی: لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (تاکہ اللہ آپ کے پہلے کے اور بعد کے گناہ بخش دے)۔ (سورۂ فتح: آیت ۲)

بکثرت مفسرین نے اس کی تفسیر میں گڑبڑ کی ہے اور نبی اکرمؐ کو عام آدمیوں کے برابر قرار دے کر بے سمجھے بوجھے گناہ اور نافرمانیاں آنحضرتؐ کے ذمے لگادی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ آپ کے نبوت سے پہلے کے اور بعد کے گناہ بخشنے کے لئے۔ اور اسی طرح کی بہت سی بکواس ہے جو نبی اکرمؐ کے مرتبے اور آپ کے چھوٹے اور بڑے، نبوت کے قبل اور اس کے بعد گناہوں سے معصوم ہونے کے منافی ہے۔

اس کی تفسیر میں قابل ترجیح یہ ہے کہ یہ فتح وہ ہے جو اسلام کے پھیلنے اور وسعت پانے کا سبب ہے کیونکہ قریش کے اسلام میں داخل ہونے سے قریش اور دوسرے عربوں کا آپ کے ساتھ موقف بدل گیا۔ اب وہ آپ کو نیک، رحمدل، مہربان اور ہمدرد ماننے لگے حالانکہ پہلے وہ آپ کو رکاوٹ ڈالنے والا، بے راہ رو اور ان کے دین سے، ان کی عادتوں اور طریقوں سے کنارہ کشی کرنے والا سمجھتے رہے تھے۔ یہ نظر جس سے قریش آپ کو دیکھتے تھے بدل گئی اور اب وہ اس سے پہلے جو کچھ گناہ وغیرہ آپ سے منسوب کرتے تھے اس کے غلط ہونے کا اعتراف کرنے لگے۔ اسکے علاوہ اور کچھ بھی کہا گیا ہے۔

مزید برآں اس آیت کا صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہونا تمام مفسرین کے نزدیک طے شدہ امر نہیں ہے کیونکہ ان میں سے بعض اس کے فتح مکہ کے بعد نازل ہونے کو قابل ترجیح قرار دیتے ہیں اور یہ بعید بھی نہیں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب نبی اکرمؐ نے یہ آیت لوگوں کے سامنے تلاوت فرمائی تو ایک شخص نے کہا کہ یہ کیا فتح ہوئی کہ ہم خانۂ کعبہ کی زیارت سے روک دیئے گئے۔ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ کیسی بیہودہ بات کر رہے ہو۔ ارے یہ

تو عظیم ترین فتح ہے کہ مشرکین اس پر مطمئن ہوگئے کہ تم کو اپنے علاقے سے سلامتی کے ساتھ واپس آنے دیا، تم کو فیصلہ کا حق دیدیا، تمہارے ساتھ امن و امان سے رہنے پر رغبت ظاہر کی، تمہاری وہ چیزیں قبول کرلیں جو اُن کو ناپسند تھیں اور اللہ نے تم کو ان پر ظفر مند کر کے تم کو صحیح سلامت اجر یافتہ واپس کردیا۔ پس یہ عظیم ترین فتح ہے۔

اس پر مسلمانوں نے کہا کہ آپ سچ فرما رہے ہیں یارسول اللہؐ! ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شخص حضرت عمر تھے کیونکہ جیسا کہ سیرت کی اکثر کتابیں صراحت کرتی ہیں کہ انہیں کو نبی اکرمؐ کے موقف پر اکثر تشویش رہا کرتی تھی۔

البدایہ والنہایہ میں صحیح بخاری کی یہ روایت جو زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک رات میں اور حضرت عمر نبی اکرمؐ کے ساتھ جارہے تھے کہ انہوں نے آنحضرتؐ سے کوئی بات دریافت کی لیکن آنحضرتؐ نے ان کو کوئی جواب نہ دیا۔ انہوں نے پھر پوچھا، آنحضرتؐ نے پھر جواب نہ دیا۔ تب انہوں نے پھر سوال دہرایا اور آنحضرتؐ نے پھر جواب نہ دیا۔ اس پر راوی کے خیال کے مطابق حضرت عمر ڈرے کہ ان کے بارے میں اللہ کی جانب سے کوئی آیت نازل ہوئی ہے۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ تب میں اپنا اونٹ ہنکا کر مسلمانوں کے سامنے جا پہنچا اور ڈر رہا تھا کہ میرے بارے میں قرآنی آیت نازل ہوگی۔ میں رکنے بھی نہ پایا تھا کہ میں نے آواز لگانے والے کو سنا جو میرے لئے آواز دے رہا تھا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ میرے متعلق قرآنی آیت نازل ہوگئی ہے۔ چنانچہ میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ معلوم کروں۔ پس آنحضرتؐ نے مجھ کو سورۂ فتح کے نازل ہونے کی خبر دی۔

سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ جب رسول اللہؐ مدینہ منورہ پہنچ گئے تو آنحضرتؐ کی خدمت میں عتبہ بن اسید بن جاریہ جس کی کنیت ابوبصیر تھی حاضر ہوا، یہ ان مسلمانوں میں سے تھا جو مکہ میں نظر بند تھے۔ جب مشرکین کو اس کے بارے میں اطلاع ہوئی تو انہوں نے اپنے دو آدمیوں کے ہاتھ رسول اللہؐ کی خدمت میں یہ لکھ کر بھیجا کہ اس معاہدے پر عمل کرتے ہوئے جو اُن کے اور آنحضرتؐ کے درمیان حدیبیہ میں اتمام پذیر ہوا تھا عتبہ بن اسید بن جاریہ کو ان کی طرف واپس بھیج دیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے ابوبصیر سے فرمایا کہ اے ابوبصیر! تم کو معلوم ہے کہ ہم نے ان لوگوں سے کیا وعدہ کرلیا ہے۔ یہ قرین مصلحت نہیں ہے کہ ہم ان کے ساتھ خلاف ورزی کریں۔ بے شک اللہ تمہارے اور ان مسلمانوں کے لئے جو مکہ میں ہیں عنقریب کشائش اور نجات کا موقع فراہم کرے گا۔ آنحضرتؐ نے اس کو حکم دیا کہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ مکہ واپس چلا جائے۔ چنانچہ ابوبصیر ان دونوں کے ہمراہ چل دیا یہاں تک کہ جب یہ تینوں افراد ذوالحلیفہ پہنچ گئے تو ابوبصیر نے ان میں سے ایک شخص سے اس کی تلوار دیکھنے کے لئے مانگی اور اس سے تلوار لے کر ایک شخص کو قتل کردیا۔ اس پر دوسرا شخص بھاگ کر مدینہ چلا گیا۔ جب یہ شخص رسول اللہؐ کی طرف بڑھا تو آنحضرتؐ اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے اور آپ نے فرمایا کہ یہ شخص پناہ کی تلاش میں تمہارے پاس آیا ہے۔ اس نے آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچ کر آپ کو بتلایا کہ ابوبصیر نے اس کے ساتھی کے ساتھ کیا کیا۔

وہ رسول اللہؐ کو سنا ہی رہا تھا کہ ان دونوں پر کیا گزری کہ اتنے میں ابوبصیر تلوار تانے ہوئے آتا ہوا دکھائی دیا اور

رسول اللہؐ کے پاس پہنچ کر بولا کہ یارسول اللہؐ! قسم بخدا، میں نے آپ کی ذمہ داری پوری کردی۔ آپ نے مجھ کو ان کی طرف واپس کردیا تھا پھر اللہ نے مجھ کو ان سے نجات دلادی۔ لیکن اس نے دیکھا کہ رسول اللہؐ اس کی باتوں سے خوش نہیں ہوئے بلکہ آنحضرتؐ کے رخ مبارک پر غصے کے آثار نمایاں ہوگئے۔ اس پر وہ سمجھ گیا کہ آنحضرتؐ اس کو ان کی طرف واپس کردیں گے۔ پس وہ مدینہ سے نکل کر ایسے مقام پر چلا گیا جہاں سے قریش کے قافلے اپنی تجارت کے لئے شام جاتے ہوئے گزرا کرتے تھے اور اس کے وہاں ہونے کی خبر سن کر اس سے کچھ وہ مسلمان بھی جاملے جو مکہ میں رکے پڑے تھے۔ انہی میں ابوجندل بن سہیل بن عمرو بھی تھا جس کو نبی اکرمؐ نے حدیبیہ میں ان لوگوں کی طرف واپس کردیا تھا اب جو بھی مکہ میں اسلام میں داخل ہوتا ابوبصیر سے آکر مل جاتا تھا کیونکہ نبی اکرمؐ اور مشرکین کے مابین معاہدہ اس کی اجازت نہ دیتا تھا کہ کوئی شخص آنحضرتؐ سے مدینہ میں جاملے۔ یہ لوگ چھپ چھپ کر ابوبصیر کے پاس جاتے رہے یہاں تک کہ ستر افراد ہوگئے۔ انہی میں ان عربوں کی ایک جماعت بھی شامل ہوگئی جو اسلام میں داخل ہوگئے تھے یہاں تک کہ ان کی تعداد پوری تین سولڑنے والے افراد کی ہوگئی۔ یہ لوگ قریش کی تجارت پر رہزنی کرتے رہے۔ جب بھی کوئی قافلہ شام کی طرف جاتا یہ لوگ اس کو روک کر مردوں کو مار ڈالتے اور قافلے پر قبضہ جمالیتے تھے۔ قریش پر حالات تنگ ہوگئے اور ان کو ان لوگوں سے نجات پانے کا کوئی طریقہ نظر نہ آیا سوائے اس کے کہ نبی اکرمؐ کا ذریعہ اختیار کریں۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرتؐ سے اللہ اور رحم کے نام پر کہلوایا کہ ان لوگوں کو روکیں اور ان کو مدینہ میں پناہ میں لے لیں۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے ان کو بلوالیا اور وہ لوگ مدینہ آکر مسلمانوں میں شامل ہوگئے۔ اب جو کوئی چھپ کر مدینہ چلا جاتا تو قریش اس خوف سے کہ وہ بھی ویسا ہی کرے گا جیسا ابوبصیر اور اس کے ساتھیوں نے کیا تھا اس کی واپسی کا مطالبہ نہ کرتے تھے۔

البتہ وہ مسلمان عورتیں جو مکہ میں تھیں اور ان میں سے بعض ہجرت کر کے مدینہ آجاتی تھیں تو رسول اللہؐ ان کو واپس نہ فرماتے تھے اور یہ رائے رکھتے تھے کہ حدیبیہ کا صلح نامہ مسلمان عورتوں پر عائد نہیں ہوتا کیونکہ اسلام مسلمان عورت کی مشرک سے تزویج کو قائم نہیں رکھتا اور نہ ایسی عورت کو اس مرد کی زوجیت پر باقی رہنے دیتا ہے بلکہ ان دونوں میں علیحدگی واجب ہوتی ہے۔

سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ صلح نامہ کے بعد ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ایسی عورتوں کی معیت میں نکل آئی جو اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھیں۔ اس پر اس کے دونوں بھائیوں عمارہ اور ولید نے جاکر رسول اللہؐ سے مطالبہ کیا کہ اس کو مکہ واپس فرمادیں لیکن نبی اکرمؐ نے اس کو ان دونوں کے ساتھ واپس بھیجنے سے انکار فرما دیا۔ اسی موقع پر اللہ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا:

اِذَا جَآءَ کُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۝ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَاٰتُوْهُمْ مَّا اَنْفَقُوْا وَلَا

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنكِحُوْهُنَّ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَلاَ تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْأَ لُوْا مَا اَنْفَقْتُمْ وَالْيَسْئَلُوْا مَا اَنْفَقُوْا ذَالِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ٥ ''اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان کرلیا کرو۔ اللہ ان کے ایمان سے بہتر واقف ہے۔ پس اگر تم سمجھ لو کہ وہ مومن عورتیں ہیں تو ان کو کفار کی طرف واپس نہ بھیجو۔ وہ ان کے لئے حلال نہیں ہیں۔ نہ وہ لوگ ان کے لئے حلال ہیں اور جو کچھ ان لوگوں نے خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کردو۔ تم کو منع نہیں ہے کہ تم ان سے نکاح کرلو جبکہ تم ان کا مہر ادا کردو اور کافر عورتوں کو عقد میں باقی نہ رکھو۔ جو کچھ تم نے خرچ کیا وہ تم طلب کرلو اور جو کچھ ان لوگوں نے خرچ کیا ہے وہ طلب کرلیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان حکم جاری کرتا ہے اور اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔'' (سورۂ ممتحنہ: آیت ۱۰)

سیرت ابن ہشام میں مذکور ہے کہ زہری کا بیان ہے کہ جب یہ حکم نازل ہوا کہ کافر عورتوں کو زوجیت میں باقی نہ رکھو تو حضرت عمر بن خطاب نے اپنی دو بیویوں قریبہ بنت امیہ بن مغیرہ اور ام کلثوم بنت جرول جو اُن کے بیٹے عبداللہ کی ماں تھیں کو طلاق دی۔ تب پہلی سے معاویہ ابن ابی سفیان نے تزویج کرلی اور دوسری سے ابوجہم بن حذیفہ بن غانم نے اور وہ دونوں مشرک تھے۔

—۱۸—

غزوۂ خیبر

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ چھٹے سال کے اوائل ماہ ذیقعدہ میں رسول اللہؐ مناسک حج ادا کرنے کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے اور قریش نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا کیونکہ انہوں نے اس کو اپنے لئے شکست اور توہین خیال کیا تھا۔ صلح حدیبیہ نبی اکرمؐ اور قریش کے مابین طرفین کے وفود کے واسطے سے ملاقاتوں اور گفتگوؤں کے ذریعے ہوئی تھی اور آخر میں ایک معاہدہ پر اتفاق ہوگیا تھا جس کی اہم شق یہ تھی کہ نبی اکرمؐ اور آپ کے اصحاب اگلے سال مناسک حج ان تبدیلیوں کے ساتھ ادا کرنے آئیں گے جو اسلام نے عائد کی ہیں اور فریقین میں سے کوئی دوسرے پر کوئی زیادتی نہ کرے گا اور جب رسول اللہؐ مدینہ واپس چلے گئے تو راستے میں اللہ نے آپ پر سورۂ فتح نازل کی۔ پس آپ نے اس کو مسلمانوں کے سامنے تلاوت فرما کر ان کو مدد الٰہی کی نوید سنائی۔ یہ معاہدہ ان شقوں اور شرائط کے ساتھ جس سے یہ تشکیل دیا گیا تھا قریش کی جانب سے اس کا اعتراف تھا کہ اسلام ان دوسرے ادیان کے ساتھ ساتھ ایک دین ہے جو اس وقت جزیرہ نمائے عرب میں رائج تھے جبکہ اس سے قبل قریش حضرت محمدؐ کو تمام دینوں سے خارج مانتے تھے جس کی وجہ سے آپ کا مقابلہ کرنا اور آپ کو فنا کر دینا ضروری سمجھتے تھے خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

صلح حدیبیہ کے بعد نبی اکرمؐ ایک حد تک قریش اور ان عربوں کی طرف سے مطمئن ہوگئے جو ابھی تک شرک پر قائم تھے اور اس کے بعد نبی اکرمؐ اس امر کی طرف متوجہ ہوئے کہ فارس، روم، عمان، یمامہ وغیرہ ان ملکوں میں جو حجاز کی سرحدوں سے ملے ہوئے تھے، اسلام کی دعوت دینے والے بھیجیں، لیکن آپ کی نظر یہودیوں پر تھی جو اَب بھی مدینہ کے باہر موجود تھے اور آنحضرتؐ کو ان کی غداری کا خدشہ لاحق تھا کیونکہ یہودی اسلام کی دشمنی میں عربوں وغیرہ میں سب سے زیادہ سخت تھے اور ان کو حجاز کی سرحدوں سے ملے ہوئے ملکوں میں ایسے افراد مل جاتے تھے جو اُن کو اکساتے رہتے تھے۔ امداد کا لالچ دیتے رہتے تھے اور ان کے بھائیوں، بنی قریظہ، بنی نضیر اور بنی قینقاع کی یاد دلاتے رہتے تھے جن کو نبی اکرمؐ نے ان کے گھروں سے نکال دیا تھا یا قتل کر دیا تھا۔ اب یہ مشکل تھا کہ آنحضرتؐ ان کی طرف سے مطمئن ہو جاتے اور ان کے ساتھ

ویسی مصالحت کر لیتے جس طرح قریش کے ساتھ کی تھی کیونکہ آنحضرتؐ ان کو آزما چکے تھے اور آپ کو ان کے متعلق معلوم ہو گیا تھا کہ وہ نہ عہد کی پابندی کرتے ہیں نہ حلف کی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان سے ان ہی کے قلعوں اور پناہگاہوں میں جنگ کرنے کی تیاری کرنا شروع کر دی قبل اس کے کہ وہ ایسے قبیلوں سے اتحاد قائم کر سکیں جو اسلام کے دشمن تھے۔ خواہ وہ حدود حجاز کے اندر ہوں یا باہر جیسا کہ مؤرخوں میں مشہور ہے کہ آنحضرتؐ حدیبیہ سے واپس آ کر ایک مہینے سے زیادہ نہ ٹھہرے ہوں گے کہ آپ نے اپنی رائے کا اظہار اپنے اصحاب میں فرما دیا اور حکم دیا کہ جلد سے جلد خیبر پر چڑھائی کی تیاری کریں۔ لیکن جیسا کہ سیرت کی بعض کتابوں میں آیا ہے کہ اس شرط پر کہ آپ کے ساتھ صرف وہ افراد جائیں جو حدیبیہ میں موجود رہے تھے اور وہ جو خوشی سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوں۔

آنحضرتؐ مدینہ سے ایک ہزار چھ سو مسلمانوں کی معیت میں برآمد ہوئے۔ آپ نے مدینہ میں نمیلہ بن عبداللہ لیثی کو متعین کیا اور علم جنگ جیسا کہ سیرت ابن ہشام کی روایت میں ہے امام علیؑ ابن ابی طالبؑ کو دیا۔ نبی اکرمؐ خیبر کی جانب چلتے رہے اور خیبر اور مدینہ کی درمیانی مسافت تین دن میں طے کر کے رات میں وہاں کے نمایاں مقامات پر جا پہنچے۔ چنانچہ آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب نے اس کے قریب نزول فرمایا اور اللہ سے کامیابی کی دعا کی اور یہ کہ آپ کو فتح اور غنیمت کے ساتھ مدینہ واپسی نصیب ہو۔

ابھی لوگ اپنی عادت کے مطابق صبح سویرے اپنے کھیتوں اور دوسری ضروریات کے لئے جانے کی غرض سے نکل ہی رہے تھے کہ انہوں نے یکایک مسلمانوں کے لشکر کو اپنے شہر کے دروازوں پر پایا تو وہ چیختے ہوئے واپس بھاگے کہ ”لو یہ محمدؐ اور ان کے ساتھیوں نے آ کر تم کو گھیر لیا ہے۔“ چنانچہ لوگ اپنی نیند سے گھبرائے ہوئے جاگے۔ ادھر نبی اکرمؐ نے خوشی محسوس فرمائی اور فرمایا کہ اللہ اکبر خیبر یقیناً زیر ہو گیا اور ہم ان لوگوں کے علاقے میں نازل ہو گئے ہیں۔ پس کیسی بری ہے ان لوگوں کی صبح جن کو آگاہ کیا جا چکا ہے۔

سیرت کی بعض کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودی اس حملے کی توقع کر رہے تھے اور بنی غطفان سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھے۔ جب مسلمانوں نے ان کو یکایک آ لیا تو انہوں نے فوراً ان سے رابطہ کر کے ان سے لشکر کے بھیجنے میں جلدی کا مطالبہ کیا۔ بعض مؤرخوں کا کہنا ہے کہ وہ ان کی مدد کے لئے آئے تھے لیکن مسلمانوں کا لشکر دونوں کے درمیان حائل ہو چکا تھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ بنی غطفان خیبر کے یہودیوں کی مدد کے لئے نکلے تو انہوں نے اپنے قبیلوں میں چیخ سنی تو وہ اس ڈر سے واپس ہو گئے کہ مسلمانوں نے ان کے مکانوں اور قبیلوں پر دھاوا بول دیا ہے۔ بہرحال خیبر کے یہودی حجاز کے یہودی گروہوں میں تعداد اور ساز و سامان کے لحاظ سے سب سے زیادہ تھے اور قلعوں کے لحاظ سے سب سے زیادہ مضبوط تھے۔

عرب عام طور پر اور قریش خاص طور پر اشتیاق اور جذبے کے ساتھ اس غزوہ کے نتیجہ کے طالب تھے۔ وہ چاہ

رہے تھے کہ اس میں دباؤ مسلمانوں پر رہے اور اس کے نتیجوں پر شرطیں لگا رہے تھے۔ یہودیوں نے آپس میں مشورہ کر کے بالآخر جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو وطیع اور سلالم کے قلعوں میں اور اپنے مال و متاع کو ناعم کے قلعے میں محفوظ کردیا۔ لڑنے والے نطاۃ کے قلعے میں جمع ہوگئے۔ چنانچہ فریقین کا مقابلہ اسی قلعے کے چاروں طرف ہوا۔ ان لوگوں نے سخت جنگ کی یہاں تک کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد زخمی ہوگئی۔ دونوں فریق بے جگری سے محوقتال تھے۔ مسلمان حملے کرتے تھے اور وہ لوگ حوصلہ اور بہادری سے مقابلہ کر رہے تھے۔ دونوں بے مثال تھے۔ یہ دن کے کچھ حصے تک اسی طرح دست وگریباں رہے۔ اسی روز محمود بن مسلمہ قتل ہوئے جن پر ایک یہودی نے قلعے کے اوپر سے چکی کا پاٹ گرادیا۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ جنگ کئی دن شدت سے چلتی رہی۔ رسول اللہؐ ہر روز اپنے اصحاب میں سے کسی ایک کو قائد بناتے تھے اور وہ ناکام واپس آجاتے تھے۔ وہ مزید ابن اسحٰق کی روایت بیان کرتے ہیں جس کی سند ابوسلمہ بن عمرو اکوع تک پہنچتی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکر کو اپنا علم دے کر جو سفید تھا خیبر کے بعض قلعوں کی طرف روانہ فرمایا لیکن وہ بغیر کچھ حاصل کئے واپس آگئے۔ پھر دوسرے روز آنحضرتؐ نے حضرت عمر بن خطاب کو روانہ فرمایا لیکن ان کا حال بھی اپنے ساتھی ہی کا سا ہوا۔

طبری نے ابو بریدہ اسلمی سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر علم لے کر کچھ آدمیوں کے ساتھ گئے اور اہل خیبر مقابلے پر آئے تو حضرت عمر اور ان کے ساتھی بھاگ پڑے۔ رسول اللہؐ کی خدمت میں آکر ان کے ساتھی انہیں اور وہ اپنے ساتھیوں کو موردالزام ٹھہراتے رہے۔ چنانچہ لڑائی چلتی رہی اور جس کسی کو بھی علم دیا جاتا وہ ناکام بھاگ آتا تھا۔

جب مسلمانوں پر حالت شاق ہونے لگی اور ان کی غذا ختم ہوگئی تو نبی اکرمؐ نے بلند آواز سے جس کو بیشتر مسلمانوں نے سنا فرمایا کہ قسم بخدا! میں کل علم ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہیں۔ اس پر تمام قریشی اس فضیلت کی خواہش کرنے لگے اور ہر ایک کی یہ تمنا ہوئی کہ علم اسی کو ملے۔

ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر کا بیان ہے کہ اس دن کے سوا مجھے امیر بننے کا اشتیاق کبھی نہیں ہوا۔ جب میں نے رسول اللہؐ سے یہ بات سنی تو مجھ کو تمنا پیدا ہوئی کہ علم مجھ کو دیا جائے۔ امام علیؑ کو اس وقت آنکھوں کی تکلیف تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ درد کی شدت کے باعث کچھ دنوں کے لئے مدینہ میں رہ گئے تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ تکلیف جاری ہے تو اپنے ناقہ پر سوار ہوکر نبی اکرمؐ سے آملے اور غیر حاضری کی گھڑیوں کی تلافی کردی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ مدینہ سے نبی اکرمؐ کے ساتھ ہی روانہ ہوئے تھے اور جیسا کہ ہم نے اس غزوہ کے متعلق اپنے بیان کے شروع ہی میں کہا ہے کہ آنحضرتؐ نے علم آپ ہی کو عطا فرمایا تھا۔ اس صورت میں آپ کو آنکھوں کی تکلیف خیبر پہنچنے کے بعد ہوئی ہوگی۔

بہرحال جو بھی صورت رہی ہو جب مسلمان یہودیوں پر غالب آنے میں کمزور ثابت ہوئے تو نبی اکرمؐ نے امام علیؑ کو طلب فرمایا۔ اس وقت آپ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں جیسا کہ تمام روایات کا اتفاق ہے۔ پس آنحضرتؐ نے ان کی

آنکھوں پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے اپنا لعاب دہن لگایا اور وہ اسی دم اچھی ہوگئیں۔ تب آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ یہ علم لو اور پلٹنا مت جب تک اللہ تم کو فتح مند نہ کردے۔ اس پر امام علیؑ نے آنحضرتؐ سے فرمایا: یارسول اللہؐ! میں کس بات کے لئے ان سے لڑوں؟ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: ان سے لڑو تاآنکہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔ جب وہ یہ مان لیں تو گویا انہوں نے تم کو اپنا خون بہانے سے روک دیا۔

سلمہ بن اکوع کا بیان ہے کہ تب امام علیؑ تیزی سے لپکتے ہوئے گئے اور ہم لوگ ان کے پیچھے قدم بہ قدم چلتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے علم کو ان پتھروں کے بیچ میں گاڑ دیا جو قلعے کے دامن میں جمع تھے۔ ایک یہودی کو جو قلعے کے اوپر تھا یہ معلوم ہوگیا۔ اس نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ آپ نے کہا: میں علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں۔ تب وہ بولا کہ قسم ہے اس پیام کی جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوا تھا کہ تم لوگ غالب آجاؤ گے۔ اب یہودی آپ کی طرف بڑھے۔ ان کے آگے آگے ان کے بہادر افراد تھے جن میں مرحب کا بھائی حارث بھی تھا۔ یہ ان کے مشہور بہادروں میں سے تھا۔ پس اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کردیا۔ امام علیؑ نے جھپٹ کر اس پر اپنی تلوار کی ضرب لگائی اور وہ ڈھیر ہوگیا۔ اب امام علیؑ نے اپنے ساتھیوں کی معیت میں یہودیوں پر حملہ کیا اور وہ آپ کے سامنے سے تتر بتر ہوگئے اور حارث کے قتل ہو جانے سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کا ایک گروہ بھاگ کر قلعہ کے اندر چلا گیا۔ یہ ان کے قائد مرحب کو برا لگا کیونکہ اس نے اپنے بھائی کو گرتے اور اس کے ساتھیوں کو مار کھاتے دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ اپنی شجاعت کے غرور میں قلعے سے نکلا۔ اس طرح کہ دو زرہیں پہنے تھا، دو تلواریں لگائے تھا اور دو عمامے رکھے ہوئے تھا۔ وہ اپنا بھالا سنبھالے ہوئے یہ رجز پڑھ رہا تھا:

قد علمت خیبر انی مرحب　　　شاکی السلاح بطل محرب
اذا السیوف اقبلت تلتھب　　　اطعن احیاناً و حیناً اضرب

''خیبر واقف ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیاروں سے لیس، تجربہ کار بہادر ہوں۔ جب تلواریں زوروں سے چل رہی ہوں تو میں گاہ نیزے چلاتا ہوں اور گاہ تلوار سے ضرب لگاتا ہوں۔''

اس پر امام علیؑ اس کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھے:

انا الذی سمتنی اُمّی حیدرۃ　　　کلیث غابات شدید قسورۃ
اکیلکم بالسیف کیل السندرۃ

''میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے، میں جنگل کے شیر کی مانند ہوں، نہایت تندخو، میں تم کو سخت تلواروں سے خوب ماروں گا۔''

چنانچہ اس کے اور امام علیؑ کے درمیان دو وار ہوئے۔ امام علیؑ نے اس پر اپنی تلوار ماری جس سے اس کا وہ پتھر شق ہوگیا جو اس نے کھود کر اپنے سر پر خود کے اوپر مڑھ رکھا تھا اور ساتھ ہی اس کا خود اور سر بھی شق ہوگیا۔ یہاں تک کہ

تلوار اس کے دانتوں تک جا پہنچی اور اہل لشکر نے ضربت کی آواز سنی۔ یہودیوں نے اپنے دلاور مرحب کا حال دیکھا تو شکست کھا کر بھاگ پڑے اور مسلمان قلعے پر قابض ہوگئے۔

سیرت ابن ہشام میں رسول اللہؐ کے غلام ابورافع کی سند سے ابن اسحٰق کی یہ روایت آئی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ جب رسول اللہؐ نے امام علیؑ کو علم دے کر روانہ کیا تو ہم لوگ ان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب ہم قلعے کے قریب پہنچے تو وہاں والے آپ کی طرف بڑھے تو آپ ان سے قتال کرنے لگے۔ ایک یہودی نے آپ کو تلوار سے ضرب لگائی جس کو آپ نے اپنی ڈھال سے روکا اور ڈھال آپ کے ہاتھ سے گر گئی۔ تب آپ نے قلعے کے قریب پڑا ہوا ایک دروازہ اٹھا لیا اور ڈھال کی جگہ اس کو اپنے ہاتھ میں سنبھال لیا۔ جب تک آپ لڑتے رہے وہ آپ کے ہاتھ میں رہا یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو فتح عنایت فرمائی۔ جب آپ فارغ ہوگئے تو اس کو اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔ ہم آٹھ افراد نے مل کر چاہا کہ اس دروازے کو پلٹیں لیکن ایسا نہ کر سکے۔

اس پر ہیکل نے اپنی کتاب حیات محمدؐ یہ اضافہ کیا ہے کہ امام علیؑ ڈھال کی بجائے اس دروازے کو ہاتھ میں لئے ہوئے لڑتے رہے تا آنکہ یہودی شکست کھا گئے۔ ان لوگوں نے قلعے کے چاروں طرف ایک خندق کھودلی تھی۔ امام علیؑ نے اس دروازے کو جو آپ کے ہاتھ میں تھا پل کی طرح خندق پر رکھ دیا اور مسلمان اس پر سے گزر کر قلعے کے اندر کی عمارتوں میں جا پہنچے یہ ان کے قائد حارث بن ابی زینب کے قتل کے بعد ہوا۔

ابن دحلان اپنی ''سیرت'' میں کہتے ہیں کہ جب مرحب نے امام علیؑ پر اپنی تلوار کی ضرب لگائی اور آپ نے اس کو اپنی ڈھال پر لیا تو ڈھال آپ کے ہاتھ سے گر گئی۔ تب آپ نے ایک دروازہ اٹھا لیا جو قلعے کے قریب پڑا تھا اور اسی سے اپنے لئے ڈھال کا کام لیتے رہے۔ اس کی لمبائی اسّی بالشت تھی۔ بیہقی سے روایت ہے کہ امام علیؑ نے مرحب پر حملہ کیا اور اس کے سر پر ضربت لگائی تو اس نے آپ کی ضربت کو اپنی ڈھال پر روک لیا۔ چنانچہ تلوار اس کی ڈھال پر لگی جس سے وہ ٹوٹ گئی اور خود اور وہ پتھر جو اس کے نیچے تھا شق ہو گیا اور اس کی کھوپڑی چیخ گئی یہاں تک کہ تلوار اس کے دانتوں میں در آئی۔ اسی طرح امام علیؑ کے مرحب کو قتل کرنے کی حدیث ان سب نے بیان کی ہے۔ یعنی طبری نے، ابن سعد نے طبقات میں اور سیرت حلبیہ کے مصنف نے اور کہا ہے کہ اس امر پر متواتر حدیثیں موجود ہیں کہ امام علیؑ ہی مرحب کے قاتل ہیں۔

ابن اثیر کا کہنا ہے کہ یہی صحیح ہے اور اسی پر اہل سیر اور اہل احادیث کا اتفاق ہے۔ مسلم نے اپنی صحیح میں بھی یہی فیصلہ کیا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں کہا ہے کہ متواتر احادیث بکثرت سندوں سے بتاتی ہیں کہ مرحب کے قاتل امام علیؑ ہیں۔

اسی طرح استیعاب میں ہے کہ یہی صحیح ہے اور اس پر بیشتر اہل سیر اور اہل احادیث متفق ہیں۔ اس کو ابن کثیر نے بھی اپنی البدایہ والنہایہ میں بیان کیا ہے۔

یعقوبی اپنی ''تاریخ'' میں کہتے ہیں کہ قلعہ قموص خیبر کے قلعوں میں سب سے زیادہ مضبوط تھا اور یہی وہ قلعہ تھا جس میں مرحب تھا۔ پس رسول اللہؐ نے فرمایا میں کل علم ایسے مرد کے حوالے کروں گا جو بار بار حملے کرنے والا ہے بھاگنے

والا نہیں ہے، وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسولؐ بھی اس کو دوست رکھتے ہیں۔ وہ پلٹ کر آنے والا نہیں ہے تاوقتیکہ اللہ اس کو فتح نہ دے اور آنحضرتؐ نے علم امام علیؑ کے سپرد کیا۔ چنانچہ آپ نے مرحب کو قتل کر کے دروازہ اکھاڑ ڈالا یہ ایک پتھر تھا جس کی لمبائی چار ہاتھ، چوڑائی دو ہاتھ اور موٹائی ایک ہاتھ تھی۔ ضربت علیؑ نے اس کو پیچھے کی جانب پھینک دیا پھر آپ اور دوسرے مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے۔

اسی طرح ابوالفداء نے اپنی تاریخ میں صراحت کی ہے کہ امام علیؑ ہی ہیں جنہوں نے مرحب کو قتل کیا اور دروازے کو ڈھال کی طرح استعمال کرنے کی حدیث بیان کی ہے جو ہم دوسروں کے حوالے سے پہلے بیان کر آئے ہیں۔

استاد عبدالرحمٰن شرقاوی نے اپنی کتاب **محمد رسول الحریۃ** میں جنگ خیبر اور اس میں امام علیؑ کے کارناموں اور ان کی ان پُرشجاعت، کامیابیوں کو بیان کیا ہے جو اُن جناب نے تھوڑے سے گھنٹوں میں حاصل کی تھیں حالانکہ اس سے پہلے تمام مسلمان کئی روز تک مسلسل کوشش کرتے رہے تھے اور کچھ حاصل نہ کر پائے تھے۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت محمدؐ نے خیال کیا کہ اس قلعے کو سر کرنے کے لئے اپنی تمام جنگی قوتیں اکٹھا کرلیں کیونکہ یہودیوں کے وہاں یکجا ہو جانے سے انہیں مسلمانوں کو دھوکہ سے قتل کرنے کی زیادہ قدرت حاصل ہوگئی ہے۔

پس حضرت محمدؐ نے اپنے لشکر کو جمع فرما کر حکم دیا کہ قلعہ پر چڑھائی کر دیں۔ آنحضرتؐ نے علم لشکر حضرت ابوبکر کو دیا لیکن حضرت ابوبکر کچھ نہ کر سکے اور نہ قلعے پر چڑھائی کر سکے۔ دوسرے روز آنحضرتؐ نے قیادت حضرت عمر کے سپرد کی اور وہ دن بھر لڑتے رہے لیکن وہ بھی قلعے پر چڑھائی کرنے سے قاصر رہے اور یہودی اپنی مضبوطی پر قائم رہے اور ان لوگوں کے حملوں کو روکتے رہے لیکن ان کا کوئی فرد کھلے میدان میں لڑنے کے لئے نہیں نکلا۔

پس رسول اللہؐ نے امام علیؑ کو بلایا اور فرمایا کہ یہ علم لو اللہ تم کو فتح عطا کرے۔ امام علیؑ نے اپنی زرہ اتار ڈالی تاکہ حرکت کرنے کے لئے ہلکے ہو جائیں اور آپؑ نے اپنے آدمیوں سے بھی کہا کہ اپنی زرہیں جو اُن کو بھاری کئے ہوئے تھیں اتار ڈالیں تاکہ ہلکے ہو جائیں۔ اب آپ روانہ ہوئے اور آپ کے ذہن میں رسول اکرمؐ کی وصیت جاگزیں تھی کہ چلتے رہو یہاں تک کہ ان لوگوں کے درمیان پہنچ جاؤ، تب ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ قبول نہ کریں تو ان سے جنگ کرو کیونکہ قسم بخدا! اگر ایک شخص کو بھی تمہارے ذریعے سے ہدایت مل گئی تو وہ تمہارے حق میں سرخ اونٹوں سے زیادہ قیمتی ہے۔

چنانچہ امام علیؑ گئے، پہلے انہوں نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی لیکن ان لوگوں نے آپ کا مذاق اڑایا تب آپ نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ مسلمانوں سے ایک ایک کر کے جنگ کریں اور آپ کی طرف اپنے بہادروں کو بھیجیں تاکہ آپ ان سے خود یکے بعد دیگرے مقابلہ کریں۔ پس ان لوگوں کا سورما حارث نکل کر آیا۔ امام علیؑ نے اس کو مار گرایا۔ تب آپ کی طرف سے ان کے بہادروں کی قوت کا مذاق اڑانے والی آوازیں بلند ہونے لگیں اور امام علیؑ نے خیبر کے بہادروں سے کہا کہ میری کی طرف کسی ایسے شخص کو بھیجیں جو جنگ میں جم سکے۔ اس پر ان کا سربرآوردہ شخص مرحب نکل کر آیا۔ وہ واقعی خیبر کے شہسواروں کا سردار تھا، لیکن وہ امام علیؑ کی جانب غرور، خود اعتمادی اور اطمینان کی وجہ سے اپنے خوفناک ڈیل

ڈول کے ساتھ آہستہ روی سے چل رہا تھا، اس کے ہاتھ میں ایک سہہ شعبہ ہتھیار تھا، اس کا لمبا تڑنگا جسم زرہ میں ڈھکا ہوا تھا، اس کا سر اور پنڈلیاں بھی لوہے میں غرق تھیں، اس کے جسم میں کوئی کھلی جگہ ایسی نہ تھی جس میں تلوار گھس سکے۔

امام علیؑ اپنے میانہ قد کے ساتھ بغیر زرہ کے اس کی طرف بڑھے۔ آپ کے ہاتھ میں صرف ایک تلوار تھی۔ سب یہی سوچ رہے تھے کہ آج علیؑ کا خاتمہ ہے لیکن امام علیؑ نے زرہ اور آہنی سینہ بند نہ ہونے سے پورا فائدہ اٹھایا اور مرحب کو اس کے سینہ بند، زرہ اور حربہ سمیت آنے دیا یہاں تک کہ قریب تھا کہ اس کے حربے کا پھل آپ کے سینے میں لگ جائے کہ آپؑ ایک دم پلٹ کر ہوا میں بلند ہوئے اور مرحب کے حربے سے بچتے ہوئے جھپٹ کر پوری قوت سے اس کے سر پر تلوار ماری جس سے اس کا خود کٹ گیا اور امام علیؑ کی تلوار اس کے سر پر لگی جس سے وہ دوٹکڑے ہوگیا اور مرحب یہودیوں کو ہراس وتعجب میں ڈالتا ہوا ڈھیر ہوگیا۔ ادھر مسلمانوں کے لشکر میں فتح کی آوازیں بلند ہوگئیں۔

امام علیؑ قلعے کے دروازے کی جانب بڑھے اور اپنے آدمیوں کے ساتھ پوری طاقت لگا کر اسے دھکیلا یہاں تک کہ اس کو گرالیا اور یہودی تھے کہ مرحب کی موت سے سراسیمہ ہو کر حواس باختہ دوسرے قلعے کی طرف بھاگ رہے تھے۔ (محمدؐ رسول الحریۃ، استاد عبدالرحمٰن شرقاوی صفحہ ۳۳۲)

سید مرتضیٰ فیروز آبادی نے اپنی کتاب فضائل الخمسہ، جلد دوم میں ''خیبر میں حدیث رایت'' پوری کی پوری بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد، نسائی، استیعاب، کنزالعمال، ریاض النضرۃ، وغیرہ سے روایت کی ہے۔

ان سب سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث رایت اور خیبر میں امام علیؑ کے کارنامے اور اس دروازے کو اٹھالینا جس کو کم سے کم اندازے کے مطابق سات آدمی بھی حرکت نہ دے سکتے تھے یہ سب محدثین اور مؤرخین میں متفق علیہ مانا جاتا ہے سوائے ابن ہشام کے کیونکہ انہوں نے اپنی ''سیرت'' میں مرحب کے بارے میں امام علیؑ کے عمل سے لاعلمی ظاہر کی ہے اور اس کے قتل کو محمد بن مسلمہ سے منسوب کیا ہے۔ اسی طرح ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں خیبر میں امام علیؑ کے کارنامے اور ان کا مرحب کو قتل کرنا بیان کرنے کے بعد وہ روایت بیان کردی ہے جس پر ابن ہشام نے ابن اسحٰق سے لے کر اعتماد کرلیا ہے۔ یہ سب شک کرنے والے موسیٰ بن عقبہ متوفی ۱۴۵ھ کی روایت پر اعتماد کرتے ہیں جو زہری سے لی گئی ہے۔ اسی طرح یہ لوگ عبداللہ بن سہل کی روایت پر اعتماد کرتے ہیں جس کو اس نے جابر بن عبداللہ سے منسوب کردیا ہے حالانکہ عبداللہ بن سہل اور ابن عقبہ دونوں کے دونوں صاحبان حدیث میں قابل اتہام مانے جاتے ہیں۔

چنانچہ ابن حجر کی تہذیب التہذیب میں آیا ہے کہ عبداللہ بن سہل کی بیشتر روایات حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہوئی ہوتی ہیں اور وہی ان کی تقریباً تنہا مصدر ہیں۔ (تہذیب التہذیب، ابن حجر، جلد۱۲)

موسیٰ بن عقبہ سے یہ بعید نہیں کہ وہ اس روایت کو جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ مرحب کا قاتل محمد بن مسلمہ تھا جابر بن عبداللہ سے منسوب کردے جبکہ اس نے اس کو حضرت عائشہؓ سے لیا تھا اور امام علیؑ کے بارے میں حضرت عائشہؓ کا موقف تمام زمانوں میں کھلا ہے کہ ان کی علیؑ اور آل علیؑ سے دشمنی کا ذکر کئے بغیر اس کی تفسیر نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ اپنی پوری کوشش امام

علیؑ کے فضائل چھپانے میں صرف کرتی رہیں اور انہوں نے ان کے بکثرت فضائل دوسروں سے منسوب کردیئے۔

اس من گھڑت قصے کا دوسرا مصدر محمد بن شہاب زہری ہے اور موسیٰ بن عقبہ نے اس روایت کی سند اسی کو قرار دیا ہے۔ یہ معلوم امر ہے کہ زہری بنی امیہ کا کارندہ تھا اور علیؑ اور آل علیؑ سے روگرداں تھا جیسا کہ ہم نے اعداد وشمار کے ذریعے اپنی کتاب الموضوعات فی الآثار والاخبار میں ثابت کیا ہے۔

علاوہ ازیں وہ لوگ جو محمد بن شہاب کے حالات لکھتے ہیں یہی کہتے ہیں کہ اس کی بیشتر روایات مرسل ہوتی ہیں اور اسماعیلی نے اپنی کتاب العتق میں اس پر زور دیا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ نے زہری سے کوئی چیز سنی ہی نہیں۔ اسی طرح ابن حجر نے اپنی کتاب تہذیب کی دسویں جلد میں موسیٰ بن عقبہ کے حالات بیان کرتے ہوئے یہی صراحت کی ہے۔

بہرصورت یہ ناممکن ہے کہ یہ اکیلی نادر روایت محدثین اور مؤرخین کے اس مانے ہوئے اجماع کے مقابل میں ٹھہر سکے کہ مرحب کے قاتل امام علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔

مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا سوائے محمد حسین ہیکل کے جس نے اس اکیلی روایت کو اختیار کیا ہو۔ انہوں نے اپنی کتاب حیات محمدؐ میں اسے بلا پس و پیش لیا ہے اور جو روایت محدثین اور مؤلفین میں مشہور ہے اس سے لاعلمی برتی ہے۔ یہ امر ان سے اور ان جیسے افراد سے بعید بھی نہیں ہے جو امام علیؑ کے کارناموں کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

غزالی نے اپنی کتاب فقہ السیرۃ میں دونوں روایتوں کو پیش کر کے اپنے آپ کو دونوں کی صحت میں شک کرنے والا قرار دیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ان کو یا کسی اور کو اس مشہور روایت کی صحت میں پس و پیش تو نہیں ہے البتہ ان کو یہ شاق گزرتا ہے کہ امام علیؑ کے متعلق صاف چیز چھوڑ دیں بغیر اس کے مقابلے پر ایسی چیز گھڑے ہوئے جو اس کو آلودہ کردے، خواہ وہ معمولی درجے کا ہی شک پیدا کرے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب فقہ السیرۃ میں اسی پر عمل کیا ہے اور امام علیؑ کا کوئی موقف یا فضیلت بیان نہیں کی سوائے اس کے کہ جب تک وہ اس کا کوئی بدل نہ پاسکے ہوں۔ لیکن جب وہ کسی دوسرے کے متعلق بیان کریں گے تو تم دیکھو گے کہ وہ ہر طریقے سے یہ کوشش کریں گے کہ عدم سے کوئی شے پیدا کرلیں، وہم سے واقعہ تیار کرلیں اور باطل کو حق قرار دے دیں۔

بہرحال اسلام کی راہ میں امام علیؑ اور ان کے پدر بزرگوار کے موقف نیز اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے لئے ان دونوں کی قربانیاں ایسی ہیں کہ تاریخ انسانیت میں ان کی مثال اس سے پہلے نہیں گزری اور اس بارے میں رسول اللہؐ اور آپ کی آل پاکؑ سے دشمنی رکھنے والوں کے علاوہ کوئی انکار یا شک نہیں کرتا۔

سیرت کی بعض کتابوں میں آیا ہے کہ امام علیؑ نے مرحب کو قتل کردیا تب اس کا بھائی یاسر مقابلے کے لئے آیا۔ یہ بھی یہودیوں کے شہسواروں اور بہادروں میں سے تھا۔ امام علیؑ نے اس کی طرف بڑھ کر اس کو بھی اس کے بھائی کے پاس پہنچا دیا۔ ایک دوسری روایت میں جس کو سیرت نگاروں نے ہشام بن عروہ سے روایت کیا ہے کہ اس کو زبیر بن عوام نے قتل کیا جن کی ماں صفیہ تھیں۔ ابن کثیر کا کہنا ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ آئی ہوئی تھیں انہوں نے جو اپنے بیٹے کو نکلتے ہوئے

دیکھا تو ان کی طرف سے ڈریں اور نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولیں کہ یارسول اللہؐ! کیا میرا بیٹا قتل ہو جائے گا؟ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نہیں تمہارا بیٹا اس کو قتل کر دے گا۔ چنانچہ زبیر نے اس کو قتل کر ڈالا۔

بیشتر سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ امام علیؑ کے مرحب اور اس کے بھائی کے قتل کر ڈالنے سے یہودیوں پر خوف و ہراس طاری ہو گیا تو انہوں نے قلعے میں پناہ لے کر اس کا دروازہ بند کر لیا۔ یہ مضبوط قلعہ تھا اور قلعۂ قموص کہلاتا تھا۔ ان لوگوں نے اس کے چاروں طرف خندق کھود لی تھی جس کو مسلمان عبور نہ کر سکتے تھے۔ پس امام علیؑ نے قلعے کے دروازے کو اکھاڑ ڈالا اور اس کو پل بنا دیا جس کے ذریعے مسلمان امام علیؑ کی قیادت میں بے جگری سے پار اتر گئے اور باقی قلعوں پر حملہ کر کے جو کوئی ان میں تھا اس پر غالب آ گئے۔ یہاں تک کہ قلعہ وطیح اور سلالم تک جا پہنچے۔ یہ دونوں ان کے آخری مضبوط قلعے تھے اور انہی میں ان کی عورتیں، بچے اور مال و زر تھا۔

جب یہودیوں نے محسوس کیا کہ یہ قلعہ بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا ہے اور اگر وہ اپنے موقف پر قائم رہیں گے تو مسلمان ان کو عنقریب قید کر لیں گے یا قتل کر ڈالیں گے تو انہوں نے نبی اکرمؐ سے صلح کی درخواست کی۔ نبی اکرمؐ نے ان کے مال و دولت کو قبضے میں لے کر ان کی درخواست قبول فرمالی اور ان کو زمین پر اس شرط سے کام کرتے رہنے دیا کہ ان کے کام کے عوض نصف پیداوار ان کی ہوگی۔ یہودی عورتوں میں صفیہ بنت حیی بن اخطب بھی قلعۂ قموص میں موجود تھی، یہ کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق کی بیوی تھی، امام علیؑ نے ان کو قید کیا تو ان کو بلالؓ کے ساتھ رسول اللہؐ کی خدمت میں بھیج دیا، ان کے ساتھ ان کی قریبی عورتیں بھی تھیں۔ بلالؓ ان کو لے کر یہودی مقتولین کی طرف سے گزرے تو ان میں سے ایک نے چیخ مار کر اپنا سر پیٹ لیا اور سر پر مٹی ڈال لی۔ نبی اکرمؐ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے بلالؓ سے کہا کہ تمہارے دل میں بالکل رحم نہیں ہے کہ تم ان عورتوں کو ان کے مقتول مردوں اور بچوں کے پاس سے گزار کر لائے ہو۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کنانہ بن ربیع کے پاس بنی نضیر کا خزانہ تھا۔ رسول اللہؐ نے اس کو بلوا کر اس سے خزانے کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے اس کا اقرار نہ کیا۔ تب ایک یہودی نے آ کر رسول اللہؐ کو بتایا کہ میں نے کنانہ بن ربیع کو فلاں کھنڈر پر روزانہ صبح کے وقت آتے ہوئے دیکھا ہے، لیکن کنانہ انکار پر اڑا رہا۔ اس پر رسول اللہؐ نے اس کھنڈر کے کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہاں سے ان کے کچھ خزانے دستیاب ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے اس سے باقی خزانوں کے بارے میں دریافت کیا لیکن وہ ماننے سے انکار کرتا رہا۔ تب رسول اللہؐ نے زبیر سے کہا کہ اس کو لے جا کر سزا دو تاکہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ نکال دے۔ جب اس نے اقرار نہ کیا تو نبی اکرمؐ نے اس کو محمد بن مسلمہ کے حوالے کر دیا جس نے اس کو اپنے بھائی محمود بن مسلمہ کے بدلے میں قتل کر دیا۔

جس روز مسلمانوں کے ہاتھوں خیبر کی فتح مکمل ہوئی اسی روز حبشہ سے جعفرؓ بن ابی طالب اور ان کے ساتھ کے مسلمان واپس پہنچے۔ نبی اکرمؐ ان سے ملے تو ان کو سینے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا کہ قسم بخدا! میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کس چیز پر زیادہ خوش ہوں آیا جعفرؓ کے آنے پر یا خیبر کے فتح ہونے پر۔ اس ہنگامی اتفاق سے جو

آنحضرتؐ کے نزدیک فتح خیبر کے برابر یا اس سے زیادہ تھا، آپ پر خوشی اور مسرت کے ایسے آثار نمودار ہوئے کہ بعض مسلمانوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ جعفرؓ اور ان کے ساتھ والے مہاجرین منزلت میں ان لوگوں سے زیادہ ہیں جو آنحضرتؐ کے ساتھ ہجرت کر کے آئے اور جنگوں اور غزووں میں آنحضرتؐ کے ساتھ شریک رہے۔

غزالی کی ''فقہ السیرۃ'' میں ہے کہ جعفرؓ بن ابی طالب کی بیوی اسماء بنت عمیس نبی اکرمؐ کی بیوی حفصہ سے ملاقات کے لئے آئیں تو حضرت عمر بن خطاب بھی اپنی بیٹی کے پاس آگئے جبکہ اسماء ان کے پاس موجود تھیں۔ تب انہوں نے اپنی بیٹی سے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے بتلایا کہ یہ اسماء بنت عمیس ہیں۔ اس پر وہ بولے کہ ارے یہ حبشیہ، یہ سمندر پار والی اور پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ ہجرت کرنے میں ہم تم سے اول رہے ہیں، اس لئے ہم رسول اللہؐ پر تم سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ اس پر اسماء کو غصہ آگیا اور بولیں کہ ہرگز نہیں۔ تم رسول اللہؐ کے ساتھ تھے تو آنحضرتؐ تمہارے بھوکوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے، تمہارے ناواقفوں کو دین سے واقف کیا کرتے تھے، حالانکہ ہم حبشہ میں دشمنوں کی سرزمین پر تھے اور یہ سب اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاطر تھا۔ قسم بخدا! میں نہ کچھ کھاؤں گی نہ کچھ پیوں گی تاوقتیکہ اس کا ذکر رسول اللہؐ سے نہ کرلوں اور آنحضرتؐ سے اس کے بارے میں دریافت نہ کرلوں۔ بے شک میں نہ جھوٹ بولتی ہوں نہ غلط بات کہتی ہوں اور نہ اس پر کچھ بڑھاؤں گی۔ اس کے بعد انہوں نے نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یارسول اللہؐ! عمر بن خطاب ایسا ایسا کہتے ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ تم نے ان سے کیا کہا؟ اس پر انہوں نے اپنی کہی ہوئی بات آنحضرتؐ کو بتادی۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ ہرگز تم لوگوں سے زیادہ مجھ پر حقدار نہیں ہیں، انہوں نے اور ان کے ساتھ والوں نے ایک ہی ہجرت کی ہے جبکہ تم صاحبان سفینہ کو دو دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہے۔

غزالی نے فقہ السیرۃ میں اس حدیث کو صحیح حدیثوں میں شمار کیا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ مسلم اور بخاری نے اس کو اپنی اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔

سیرت نگاروں اور محدثین کا کہنا ہے کہ نبی اکرمؐ نے جعفرؓ اور دیگر مہاجرین کو بھی اتنا ہی مال عطا فرمایا جتنا ان لوگوں کو دیا جو جنگ میں شریک رہے تھے اور جیسا کہ بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ ان کے علاوہ کسی اور کو نہیں دیا۔

معاملۂ فدک

فدک کے یہودیوں کے ساتھ نبی اکرمؐ کا موقف اور آنحضرتؐ کی حیات میں اور بعد وفات فدک پر کیا گزری۔

سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں آیا ہے کہ جب مسلمان خیبر کے یہودیوں پر غالب آگئے اور ان کے اموال ان کے قبضے میں آگئے اور ان کے اور نبی اکرمؐ کے مابین یہ معاہدہ ہوگیا کہ زمین اس شرط پر انہی کے قبضے میں رہے گی کہ وہ اس پر نصف پیداوار کے عوض کام کرتے رہیں گے اور باقی نصف مسلمانوں کو ملے گی تو فدک کے یہودیوں پر خوف طاری ہوگیا اور ان کو خیال ہوا کہ نبی اکرمؐ ان پر بھی حملہ کریں گے اور ان کو یقین ہوگیا کہ وہ خود آنحضرتؐ سے مقابلے کی طاقت

نہیں رکھتے۔ چنانچہ قبل اس کے کہ آنحضرتؐ ان کی طرف متوجہ ہوں ان لوگوں نے آپ سے کہلایا کہ وہ اس بات پر تیار ہیں کہ زمین اور دیگر ملکیت اس شرط پر آنحضرتؐ کے حوالے کردیں کہ آپ ان کے قتل سے درگزر فرمائیں اور انہوں نے آنحضرتؐ کو یہ پیشکش کی کہ وہ زمین پر نصف پیداوار کے عوض کام کرتے رہیں گے اور وہ سب شرائط بھی ان پر عائد رہیں گی جو خیبر کے یہودیوں کے ساتھ طے پائی ہیں۔ آنحضرتؐ نے اس بات کو مان لیا اور ان سے زمین کی نصف پیداوار کے عوض صلح کرلی۔ چنانچہ خیبر مسلمانوں کی ملکیت میں رہا کیونکہ اس پر آنحضرتؐ جنگ کے ذریعے قابض ہوئے تھے اور فدک نبی اکرمؐ کو ملا۔ نبی اکرمؐ نے اس کو اپنی زندگی ہی میں حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کو ہبہ فرمادیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ اس کے غلے میں سے حضرت فاطمہؑ کی ضرورت بھر ان کو دیدیا کرتے تھے اور باقی مسلمانوں کی ضروریات پر صرف فرمایا کرتے تھے جیسا کہ تمام شیعہ کتابیں اور بعض سنی کتابیں بتلاتی ہیں۔ چنانچہ سیوطی کی درمنثور میں بزاز، ابویعلیٰ، ابن حاتم اور ابن مردویہ کی ابوسعید خدری سے یہ روایت آئی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ جب وات ذا القربی حقہ کی آیت نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے حضرت فاطمہؑ کو بلا کر ان کو فدک عطا کردیا۔ یہی کچھ افراد نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

شرح النہج میں ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فدک حضرت فاطمہؑ کو ہبہ کردیا تھا اور جب خلافت پر حضرت ابوبکر متمکن ہوئے تو انہوں نے جو پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ اس کو حضرت فاطمہؑ سے اس دلیل سے چھین لیا کہ ان کے خیال کے مطابق نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ ہم گروہ انبیاءؑ ہیں، ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے اور وہ اس کو ان کے قبضے سے چھین لینے پر اڑے رہے حالانکہ انہوں نے اس کا مطالبہ کیا اور اس پر اپنی ملکیت کے لئے ثبوت بھی پیش کئے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت فاطمہؑ نے ان کو اپنے استدلال سے لاجواب کردیا تو انہوں نے اس کے بارے میں ایک تحریر لکھ کر آپ کو دیدی لیکن حضرت عمر نے ان کو اس سے منع کیا اور ایک طویل گفتگو کے بعد جس کی طرف ہم صرف یہ سرسری اشارہ کر رہے ہیں، وہ تحریر آپ سے چھین لی اور فدک حکومت کے ایک صیغے کے طور پر خلفاء کے قبضے میں رہا۔ یہاں تک کہ جب حکومت معاویہ کو ملی تو انہوں نے اس کے تین حصے کر کے مروان بن حکم، عمرو بن عثمان اور یزید بن معاویہ کو بانٹ دیا۔ مروان کے زمانۂ خلافت میں یہ پورے کا پورا اسی کو مل گیا اور اس نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ہبہ کردیا۔ عبدالعزیز نے اس کو اپنے بیٹے عمر بن عبدالعزیز کو ہبہ کردیا۔ جب خلافت ان تک پہنچی تو فدک پہلی چھینی ہوئی چیز تھی جس کو انہوں نے علویوں کو واپس دیدیا اور اس کو امام زین العابدینؑ کے حوالے کردیا۔ پس آپ اس کی آمدنی حضرت فاطمہؑ کی اولاد پر صرف فرمایا کرتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد یزید بن عبدالملک نے اس کو علویوں کے قبضے سے چھین لیا اور یہ خلفاء کے قبضے میں رہا یہاں تک کہ عباسیوں کی حکومت آگئی۔ پس ان کے ایک فرمانروا ابوالعباس سفاح نے اس کو علویوں کو واپس کردیا لیکن عبداللہ بن حسن کی شورش کے بعد منصور نے اس کو پھر چھین لیا۔ پھر مہدی عباسی نے اس کو ان لوگوں کو واپس دیدیا۔ پھر اس کو موسیٰ بن مہدی عباسی نے چھین لیا اور یہ علاقہ عہد مامون تک عباسیوں کے قبضے میں رہا۔

مامون نے اسے فاطمیوں کے سپرد کردیا اور یہ ان ہی کے قبضے میں رہا۔ یہاں تک کہ متوکل آ گیا جو علیؑ اور اولاد علیؑ سے سخت نفرت کرتا تھا۔ پس اس نے اس کو ان سے چھین لیا۔ اسی طرح اس کے متعلق اور بہت سی روایات ہیں۔

جو امر قابل تاکید ہے وہ یہ کہ فدک حضرت فاطمہؑ کی ملکیت تھا اور ان کو ان کے والد بزرگوارؐ سے بطور ہبہ ملا تھا جیسا کہ عثمان بن حنیف کے نام امام علیؑ کے خط میں ہے۔ چنانچہ اس خط میں وہ فرماتے ہیں کہ ''ہاں اس آسمان کے زیر سایہ ہمارے قبضے میں صرف ایک فدک تھا لیکن کچھ لوگوں کے دانت اس پر آ گئے تو دوسروں نے اس کو جانے دیا اور اللہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔'' (شرح نہج البلاغہ، ج۴، ص۷۷ ومابعد)

رسول اللہؐ اسلام کے معاملے میں یہودیوں کی طرف سے مطمئن ہوگئے اور عربی علاقوں سے ان کا مرکزی زور ختم ہوگیا اور آپ نے مدینہ واپس ہونے کا قصد فرمایا تو زینب بنت حارث جو سلام بن مشکم کی بیوی تھی، ایک پکی ہوئی بکری لے کر آئی جس میں اس نے زہر ملا دیا تھا اور زہر کا زیادہ حصہ اس کے دست میں تھا کیونکہ اس عورت کو معلوم ہوا تھا کہ آنحضرتؐ بکری کے گوشت میں دست زیادہ پسند فرماتے ہیں۔ جب اس نے وہ آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیا تو آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب کھانے کے لئے بیٹھے۔ آپ نے اس میں سے دست لیکر اس کا ایک ٹکڑا اپنے دہن مبارک میں لیا اور اس کو چبایا لیکن نگلا نہیں بلکہ یہ کہہ کر تھوک دیا کہ اس ہڈی نے مجھ کو بتلایا ہے کہ یہ زہر آلود ہے۔ البتہ بشیر بن براء نے اس کا ایک ٹکڑا کھا لیا تھا اور نگل بھی لیا تھا۔ آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب کھانے سے دست کش ہوگئے اور زینب کو بلا کر زہر کے بارے میں اس سے پوچھا۔ اس نے اعتراف کرلیا اور کہا کہ میری قوم نے مجھ سے یہی کہا تھا۔ پس میں نے آپ لوگوں کے لئے بکری تیار کی اور اپنے دل میں یہ کہتی رہی کہ اگر یہ دنیاوی فرمانروا ہیں تو گویا میں ان سے اپنا بدلہ چکا لوں گی۔ اگر یہ نبی ہیں جیسا کہ یہ دعویٰ کرتے ہیں تو اللہ ان کو اس سے آگاہ کردیگا۔ بشیر بن براء اسی وقت وفات پا گئے۔

اس واقعے کے بعد زینب کا کیا ہوا؟ اس کے متعلق راویوں میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ نبی اکرمؐ نے اس کا عذر قبول کرلیا اور اس کو معاف کردیا کیونکہ اس نے اپنے باپ اور شوہر کا انتقام لینے کے لئے ایسا کیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے بشیر بن براء کے بدلے میں جن کو زہر نے مار ڈالا تھا، اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ یہی زیادہ قابل ترجیح ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایسے جرم کا اقدام کرنے پر بھی نبی اکرمؐ اس کا عذر قبول فرمالیتے۔

مؤرخوں کا کہنا ہے کہ اس زہر کا اثر نبی اکرمؐ کے جسم مبارک میں باقی رہا اور آپ کے آخری مرض میں آپ پر حاوی ہوگیا۔ چنانچہ ان لوگوں کے خیال کے مطابق آپ کی وفات اسی کے اثر سے واقع ہوئی۔

اس کے بعد رسول اللہؐ نے وادی القریٰ کے راستے سے مدینہ واپس جانے کی تیاری فرمائی۔ وہاں کے یہودی مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ رسول اللہؐ نے اپنے اصحاب کو تیار فرمالیا جیسا کہ واقدی کی روایت میں ہے کہ علم سعد بن عبادہؓ کو عطا فرمایا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور ان سے فرمایا کہ اگر تم اسلام قبول کرلو گے تو تم اپنا مال اور جانیں سب محفوظ کرلو گے۔ لیکن انہوں نے اسلام سے انکار کردیا اور مقابلہ کرنے پر مصر رہے۔

چنانچہ ان میں سے ایک آدمی نے نکل کر مقابلے کا مطالبہ کیا۔ اس کے لئے زبیر آگے بڑھے اور اس کو قتل کردیا۔ پھر ان کے بہادروں میں سے دوسرا شخص نکلا۔ اس کی طرف امام علیؑ ابن ابی طالبؑ بڑھے اور طرفین میں معرکۂ کارزار گرم ہوگیا۔ یہاں تک کہ ان کے گیارہ افراد مارے گئے۔ امام علیؑ جب بھی ان میں سے کسی کو قتل کرتے تو پہلے اسلام کی دعوت دیتے تھے اور وہ انکار کردیتے تھے۔ ان کے اور مسلمانوں کے مابین جنگ دوسرے روز تک جاری رہی۔ جب سورج چڑھ گیا تو انہوں نے پناہ طلب کی۔ چنانچہ مسلمانوں نے ان کے مال و متاع پر قبضہ کرلیا اور نبی اکرمؐ نے زمین اور باغات ان کے پاس اس شرط پر رہنے دیئے کہ وہ ان پر نصف پیداوار کے عوض کام کرتے رہیں گے جیسا کہ آپ نے اہل خیبر کے ساتھ کیا تھا۔

البتہ تیماء کے یہودیوں کے سامنے نبی اکرمؐ نے یہ پیشکش کی کہ یا اسلام میں داخل ہو جائیں یا جزیہ ادا کریں۔ انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا اور پابندی سے دیتے رہے۔ چنانچہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان جنگ واقع نہیں ہوئی۔ اس طرح جزیرہ نمائے عرب میں جو کچھ اقتدار ان کو حاصل تھا وہ ختم ہوگیا اور مسلمان شمال کی طرف شام کی سرحدوں تک امن سے ہوگئے جس طرح صلح حدیبیہ کے بعد جنوب کی طرف سے امن سے ہوگئے تھے۔

کتب حدیث و سیرت میں ہے کہ غزوۂ خیبر میں شریک مسلمانوں میں سے ایک شخص حجاج بن ملاط سلمی بھی تھے۔ اہل مکہ میں سے کچھ لوگ ان کے مقروض تھے، لیکن وہ ڈرتے تھے کہ وہ یہ قرض ادا کرنے سے انکار کردیں گے۔ اس لئے اس نے خیبر اور فدک پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! میری صاحبہ ام شیبہ بنت ابی طلحہ اور دوسرے افراد کے ذمے میرے کچھ مال ہیں اور میں ان کو حاصل نہیں کرسکتا سوائے اس کے کہ میں کچھ خلاف واقعہ بیان کروں۔ اس پر نبی اکرمؐ نے اس سے فرمایا کہ اے حجاج جاؤ جو چاہو کہہ لو۔

پس حجاج تیزی سے مکہ جا پہنچا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ مجھ کو درۂ بیضاء پر قریش کے کچھ افراد ملے جو نبی اکرمؐ اور یہودیوں کے مابین جنگ اور اس کے نتائج کی اطلاعات حاصل کرنے کے لئے نکلے تھے اور ان کی تمنا یہ تھی کہ اس غزوہ میں نبی اکرمؐ کو شکست ہو جائے (جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں)۔ جب ان لوگوں نے مجھ کو دیکھا تو وہ لپک کر میرے پاس آئے اور وہ میرے اسلام لے آنے سے بے خبر تھے۔ وہ مجھ سے کہنے لگے کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ وہ (معاذ اللہ) لٹیرا اپنے ساتھیوں کو لے کر خیبر گیا ہے۔ پس جو کچھ تم جانتے ہو ہم کو بتاؤ۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے پاس ایسی خبر ہے جو تم کو خوش کردے گی۔ اس پر وہ سب میرے ناقے کے چاروں طرف متوجہ ہوگئے۔ تب میں نے ان سے کہا کہ اللہ نے محمدؐ اور ان کے اصحاب کو ایسی شکست دی ہے جس کی مثال تم لوگوں نے کبھی نہ سنی ہوگی۔ محمدؐ کے اصحاب قتل ہوگئے اور وہ خود یہودیوں کے ہاتھوں میں قید ہوگئے ہیں اور ان سب کی یہ متفقہ رائے ہے کہ ان کو تمہارے پاس بھیج دیں تاکہ تم ان کو جو کچھ انہوں نے تمہارے آدمیوں کے ساتھ کیا ہے اس کے بدلے میں قتل کرڈالو۔ اس پر وہ سب بہت خوش ہوئے اور مکہ میں ہر طرف چلا چلا کر لوگوں کو یہ خوشخبری دینے لگے وہ کہہ رہے تھے کہ محمدؐ یہودیوں کے ہاتھوں قید ہوگئے ہیں اور وہ لوگ عنقریب ان کو تمہارے پاس لا رہے ہیں تاکہ وہ تمہارے سامنے قتل کیے جائیں۔

اس کے بعد حجاج نے ان سے کہا کہ میرے قرضداروں سے میرا مال جمع کرنے میں میری مدد کرو کیونکہ میں فوراً خیبر واپس جانا چاہتا ہوں تاکہ یہودیوں سے وہ مال غنیمت خرید سکوں جو انہوں نے محمدؐ سے لوٹا ہے۔ قبل اس کے کہ تاجر لوگ مجھ سے پہلے پہنچیں۔ چنانچہ انہوں نے جلدی جلدی میرے سارے کے سارے قرضے وصول کرا دیئے اور میں نے اپنی صاحبہ کے پاس آ کر اپنی وہ چیزیں لیں جو اس کے پاس تھیں اور اس سے کہا کہ میں جلدی سے واپس جانا چاہتا ہوں تاکہ مجھے وہ مل جائے جو یہودیوں نے محمدؐ سے غنیمت میں حاصل کیا ہے، قبل اس کے کہ تاجر لوگ مجھ سے پہلے پہنچیں۔ یہ خبر مکہ کے کنبوں اور گھروں میں تمام ممکن تیزی کے ساتھ پھیل گئی اور ہر ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگا۔ خوب چرچا ہو گیا اور گیت گائے جانے لگے۔ اس وقت مکہ میں وہ مسرت نمودار تھی جو اس کی طویل تاریخ میں کبھی نہ دیکھی گئی تھی۔ البتہ یہ خبر ہاشمیوں کے لئے بہت تکلیف دہ تھی اور ان کے دلوں کے لئے آزردگی کا سبب تھی۔

عباس بن عبدالمطلب نے جب یہ سنا، تو بھاگے ہوئے میرے پاس آئے اور میرے برابر میں کھڑے ہو کر جبکہ میں تاجروں کے خیموں کے درمیان اپنے خیمے میں تھا، بولے کہ اے حجاج! یہ تم کیا خبر لائے ہو؟ میں نے کہا کہ کیا جو کچھ میں آپ کو بتاؤں اس کو محفوظ رکھ سکیں گے؟ وہ بولے کہ ضرور۔ تب میں نے ان سے کہا کہ پھر تو ذرا ٹھہرے رہئے یہاں تک کہ میں فارغ ہو جاؤں کیونکہ میں اپنا مال جمع کرنے میں لگا ہوا ہوں۔ چنانچہ وہ میرے پاس سے چلے گئے یہاں تک کہ جب میں نے اپنا وہ سب مال جمع کر لیا جو مکہ میں تھا اور میں چلنے کے لئے تیار ہو گیا تو میں نے ان سے تنہائی میں ملاقات کر کے کہا کہ اے ابوالفضلؓ میری بات تین روز تک اپنے تک محفوظ رکھئے گا کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو ڈھونڈا جائے گا۔ اس کے بعد آپ جو چاہیں کہتے رہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں ایسا ہی کروں گا۔ تب میں نے ان سے کہا کہ قسم بخدا! میں آپ کے بھتیجے کو یہودیوں کے سردار کی بیٹی صفیہ بنت حیی بن اخطب کا شوہر ہوتے دیکھ کر آیا ہوں کیونکہ خیبر اور فدک فتح ہو گئے ہیں اور آنحضرتؐ ان کے مال و دولت پر قابض ہو گئے ہیں اور سب مال ان کا اور ان کے اصحاب کا ہو گیا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اے حجاج! یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ قسم بخدا! یہی ہوا ہے۔ تین دن تک اس کو چھپائے رکھئے گا۔ میں اسلام میں داخل ہو چکا ہوں اور مکہ والوں سے اپنے مال لینے کے لئے آیا ہوں اس خوف سے کہ کہیں اس پر قبضہ نہ کر لیا جائے۔ اس کے بعد میں ان کے پاس سے چلا گیا۔ چنانچہ جب تیسرا دن ہوا تو عباس نے اپنا عمدہ لباس پہنا، عطر لگایا، اپنا عصا لیا اور نکل کر کعبہ پہنچے اور اس کا طواف کرنے لگے۔ لوگوں نے ان کو دیکھا تو بولے کہ اے ابوالفضلؓ قسم بخدا! یہ صبر مصیبت کا پیش خیمہ ہے۔ وہ بولے ہرگز نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم تم نے کھائی ہے خیبر فتح ہو گیا ہے۔ آنحضرتؐ نے اس کے مال و دولت پر قبضہ حاصل کر لیا ہے اور خود ان کے سردار کی بیٹی کے شوہر ہو گئے ہیں اور خیبر ان کے اور ان کے اصحاب کا ہو گیا ہے۔ تب وہ سب بولے کہ یہ خبر آپ کو کس نے دی؟ انہوں نے کہا کہ اسی نے جس نے تم کو وہ خبر دی تھی، حالانکہ وہ تمہارے پاس آ کر اپنا مال لے کر رسول اللہؐ اور ان کے اصحاب سے ملنے کے لئے چلا گیا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ وہ دشمن خدا حجاج ہم سے بچ نکلا ہے۔ اگر ہم کو اس کا علم ہو جاتا تو ہم اس کو سمجھ لیتے۔ اس کے بعد کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ ان کو

رسول اکرمؐ کی فتح مندی اور ان کے خیبر فدک وغیرہ پر قابض ہو جانے اور ان کے اپنے اصحاب کے ساتھ فاتحانہ اور اللہ کی امداد ملنے پر خوش خوش مدینہ واپس جانے کی اطلاعات پہنچ گئیں۔

آنحضرتؐ کی واپسی ماہ صفر کے دوسرے نصف میں ہوئی۔ آنحضرتؐ مدینہ میں ساتویں سال کے ماہ ہائے ربیع الاول و ثانی، جمادی الاول و ثانی، رجب، شعبان، رمضان اور شوال کے دوران مقیم رہے اور اسی مدت کے دوران وہ وقت آ پہنچا جس کے بارے میں آپ نے قریش کے ساتھ باہم وعدہ فرمایا تھا کہ مناسک حج ادا کرنے کے لئے مکہ واپس آئیں گے۔ ان مہینوں کے دوران آنحضرتؐ مسلمانوں کے معاملات کی درستی اور ان احکام کی تبلیغ میں جو وقتاً فوقتاً نازل ہوتے رہتے تھے، مصروف رہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ جب آنحضرتؐ کو یہ معلوم ہو جاتا کہ عرب کے بت پرست مسلمانوں پر چڑھائی کرنے یا ان کا مال لوٹنے کی سازش کر رہے ہیں تو آپ ان سے نمٹنے کے لئے ایک کے بعد ایک سریہ بھیجتے رہتے تھے۔ مسلمان ایک قبیلے کے بعد دوسرے سے ان سخت جھڑپوں کے باعث مضبوط ہو گئے تھے اور اس سے پہلے غزوۂ احزاب میں مخالفین کی جمعیت پراگندہ ہو گئی تھی۔ قریش نے حدیبیہ میں باہمی وعدے کر لئے تھے اور یہودیوں کی خیبر، فدک اور تیماء کی پناہ گاہوں میں سے آخری پناہ گاہ بھی تباہ ہو چکی تھی۔

سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک سریہ پر حضرت ابوبکر کو بنی فزارہ کی طرف اور حضرت عمر کو ایک مقام تربت کی جانب روانہ فرمایا۔ ان دونوں مقامات پر کوئی لڑائی نہیں ہوئی اور وہ واپس چلے آئے۔

آنحضرتؐ نے عبداللہ بن رواحہ کو بشیر بن رزام یہودی کے پاس بھیجا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ ہم کو رسول اللہؐ نے بھیجا ہے تاکہ تم کو خیبر پر کارکن مقرر کر دیں۔ وہ لوگ اسی کے پاس ٹھہرے رہے یہاں تک کہ وہ تیس افراد کو لے کر ان کے ہمراہ چل پڑا۔ راستے میں بشیر بن رزام اپنے چل پڑنے پر نادم ہوا اور کوشش کرنے لگا کہ عبداللہ بن رواحہ کو دھوکے سے قتل کر دے۔ عبداللہ اس سے ہوشیار ہو گئے اور انہوں نے رزام کو قتل کر دیا اور ہر مسلمان نے اپنے اپنے ساتھ سوار یہودی کو قتل کر دیا۔ یہ تیس افراد تھے ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ ان میں سے ایک فرد کے سوا کوئی باقی نہ بچا۔

آنحضرتؐ نے بشیر بن سعد کو ایک سریہ پر جو تیس افراد پر مشتمل تھا، بنو مرہ کی جانب روانہ فرمایا لیکن بنو مرہ ان پر غالب آ گئے اور ان لوگوں نے ان کو قتل کر دیا۔ صرف بشیر بن سعد زندہ بچے۔ وہ نبی اکرمؐ کی خدمت میں پلٹ آئے۔ تب آنحضرتؐ نے سو سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ غالب بن سعد کو روانہ فرمایا۔ یہ لوگ ان کا مال و دولت لے کر مدینہ واپس آ گئے۔ اس طرح جب بھی آنحضرتؐ کو اطلاع ملتی کہ کوئی قبیلہ چڑھائی کرنے کو سوچ رہا ہے یا غداری کی نیت رکھتا ہے تو آپ مدینہ سے سریہ روانہ فرما دیتے تھے۔

ان مسلسل مصروفیتوں کے باوجود آنحضرتؐ جزیرۂ عرب کے باہر دعوت اسلام پھیلانے کی تدبیروں سے غافل نہیں رہتے تھے۔ خصوصاً اس لئے کہ جزیرۂ نما کے اندر اسلام کے مخالفین یا صلح جو ہو گئے تھے یا خوفزدہ ہو گئے کیونکہ یہودیوں کی آخری پناہ گاہ کے تباہ ہونے کے بعد عرب آنحضرتؐ پر غالب آنے سے مایوس ہو گئے تھے اور قریش بھی دو سال یا اختلاف روایات کے لحاظ سے اس سے بھی زیادہ عرصے تک صلح پر پابند ہو چکے تھے۔

دعوت اسلام کی حجاز سے باہر توسیع

کتب سیرت سے پتا چلتا ہے کہ جب رسول اللہؐ جزیرہ نمائے عرب میں دعوت اسلام کی رفتار سے مطمئن ہو گئے تو دوسرے ممالک کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ آپ نے ہرقل شاہ روم، کسریٰ شاہ فارس، مقوقس شاہ مصر، نجاشی شاہ حبشہ اور یمن میں کسریٰ کے نمائندے کو پیغامات بھیجے۔ اس زمانے میں ہرقل اور کسریٰ قوی ترین مملکتوں کے سربراہ تھے۔ آنحضرتؐ نے ایک مہر تیار کرائی تھی جس پر محمدؐ رسول اللہ نقش تھا۔ آپ نے ہرقل کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد لکھا:

''اللہ کے بندے محمدؐ کی جانب سے روم عظیم کے ہرقل کی جانب!

سلام ہو اس پر جو ہدایت کو قبول کرے۔ میں تم کو دین اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کرلو، سلامت رہو گے، اللہ تم کو دوہرا اجر عطا فرمائے گا۔ اگر تم روگرداں رہو گے تو تمہارے اوپر تمہاری رعایا کا بھی گناہ رہے گا۔ یَااَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ''اے اہل کتاب آگے بڑھو اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان ایک جیسی ہے یعنی کہ ہم سب صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور نہ اپنے میں سے کسی دوسرے کو پالنہار قرار دیں سوائے اللہ کے۔'' (سورہ آل عمران: آیت ۶۴)

آنحضرتؐ نے یہ خط دحیہ بن خلیفہ کلبی کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ آپ نے ہر سربراہ اور فرمانروا کو اسی قسم کے پیام لکھے۔ آپ نے کسریٰ کا خط عبداللہ بن حذافہ سلمٰی کو، نجاشی کا خط عمرو بن امیہ ضمری کو، مقوقس کا خط حاطب بن ابی بلتعہ کو، فرمانروائے عمان کا خط عمرو بن عاص سہمی کو اور فرمانروائے یمامہ سلیط کا خط سلیط بن عمرو کو دیا۔ اسی طرح آنحضرتؐ نے حجاز سے باہر ہر فرمانروا اور سربراہ مملکت کو مسلمانوں میں سے ایک ایک شخص کے ہاتھ خط روانہ فرمائے۔ بعض مؤرخین کے مطابق ایک ہی وقت میں اور بعض کے مطابق الگ الگ اوقات میں یہ قاصد آنحضرتؐ کے خطوط لیکر روانہ ہوئے۔ آنحضرتؐ کے ان خطوط پر ان فرمانرواؤں اور سربراہوں کا ردعمل اور جوابات مختلف تھے۔ بعض میں جھکاؤ اور نرمی تھی اور بعض میں سنگدلی تھی جس سے غرور اور تمکنت ٹپکتی تھی جیسا کہ کسریٰ کے طرزِ عمل سے ظاہر ہوا جب اس کو نبی اکرمؐ کا خط ملا تو اس پر غصہ طاری ہوگیا۔ اس نے خط کو پھاڑ ڈالا اور یمن میں اپنے کارکن کو کہلا بھیجا کہ حضرت محمدؐ پر فوج کشی کر کے ان کا سر اس کو بھیج دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بازان نے نبی اکرمؐ کو ایک خط بھیجا جس کے مضمون کا ذکر مؤرخوں نے نہیں کیا۔ اسی دوران میں کسریٰ مرگیا اور حکومت اس کے بیٹے شیرویہ کو ملی۔ آنحضرتؐ کو فوراً اس کی موت کی اطلاع مل گئی۔ پس یمن کے عامل بازان کو بھی کسریٰ کی موت کی خبر بھجوائی گئی اور بازان کے بھیجے ہوئے آدمیوں کو آمادہ کرلیا کہ وہ اس کے پاس آنحضرتؐ کے قاصدوں کی حیثیت سے جا کر اسلام کی دعوت دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بازان اور لوگوں کی ایک جماعت اسلام میں داخل ہوگئی۔

یہ لوگ پہلے ہی سے جزیرۂ عرب میں پے در پے حاصل ہونے والی اسلامی کامیابیوں سے آگاہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے فارسی سامراج کے استحصال اور غلامی کے طریقوں کو جانچا آخرکار دین اسلام میں ہی آزادی کا راستا ملا اور انہوں نے اس دعوت کو خوش آمدید کہا۔ بعض روایات بتلاتی ہیں کہ باذان یمن میں نبی اکرمؐ کی طرف سے کارکن کی حیثیت سے قائم رہا۔

حارث غسانی کے موقف سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے ہرقل سے اجازت طلب کی کہ نبی اکرمؐ سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکر بھیج دے جس کی قیادت وہ خود کرے گا لیکن ہرقل نے نبی اکرمؐ کے خط پر کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا اور یہ خیال کیا کہ آپ اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہیں۔ حارث نے ہرقل سے اتفاق نہیں کیا اور اس سے خواہش کی کہ وہ اس کے پاس آئے تا کہ وہ اس کے ہمراہ بیت المقدس کی زیارت بھی کرلے۔ اس کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ نبی اکرمؐ کی طرف سے دی گئی اس دعوت کو اللہ عنقریب کامیابی عطا کرے گا اور یہ کہ شام، فلسطین اور وہ علاقے جو اس وقت روم کے ماتحت تھے تھوڑے ہی برسوں میں اس دین کے آگے سرنگوں ہو جائیں گے جس کی دعوت آج ان کو دی گئی تھی۔

مصر کے مقوقس کا ردعمل بالکل علیحدہ طریقے سے تھا۔ اس نے قاصد کی عزت کی۔ اس کی بہت اچھی ضیافت کی اور اس کو نبی اکرمؐ کے لئے ایک خط دیا جس میں اپنی طرف سے اعتراف کیا کہ اس زمانے میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ البتہ اس کے خیال کے مطابق وہ عنقریب آنے والا ہے لیکن وہ شام کے علاقے سے آئے گا نہ کہ حجاز سے۔ نیز اس نے قاصد کے ساتھ ہدیہ کے طور پر دو کنیزیں، ایک سفید خچر، ایک گدھا اور کچھ مال بھی بھیجا۔ آنحضرتؐ نے اس کے اچھے سلوک کے اعتراف میں اس کا ہدیہ قبول فرمالیا۔

نجاشی کا ردعمل بھی اچھا رہا جیسا کہ ان مسلمانوں کے ساتھ جنہوں نے اس کے یہاں پناہ حاصل کی تھی اس کا پچھلا طرزعمل اس کی حسن نیت کی گواہی دیتا تھا۔ چنانچہ اس نے ان کو عزت سے رکھا تھا اور ان کے لئے تمام اسباب راحت مہیا کر دیئے تھے اور آنحضرتؐ کی خواہش پر رملہ بنت ابی سفیان کی تزویج آپ سے کی تھی۔ نیز جب مسلمان حبشہ سے واپس ہوئے تو اس نے ان کے لئے دو کشتیوں کا انتظام کیا تھا جن میں وہ چیزیں موجود تھیں جن کی ان لوگوں کو ضرورت ہوسکتی تھی اور ان کے ذریعے اس نے ان سب کو حجاز کے ساحل تک پہنچوایا تھا۔

البتہ یمامہ اور عمان کے فرمانرواؤں نے نبی اکرمؐ کی دعوت کو ناپسند نہیں کیا بلکہ اپنے اور نبی اکرمؐ کے مابین گفتگو کا دروازہ کھلا رہنے دیا۔ ان سرداروں میں سے منذر بن ساور عبدی نے اسلام قبول کرلیا اور لوگوں کو بھی دین اسلام کی طرف دعوت دینے لگا اور اس کی اطلاع نبی اکرمؐ کو بھی لکھ کر بھیج دی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے منذر بن ساور عبدی کو ان علاقوں پر اپنی طرف سے کارکن رہنے دیا۔[۱]

۱۔ حضرت رسول اکرمؐ کے ان خطوط اور قاصدوں کے متعلق جو آپ نے فرمانرواؤں اور سربراہوں کے پاس روانہ فرمائے تھے ہم نے بھی یہاں محمد حسین ہیکل پر اعتماد کرتے ہوئے وہی کچھ لکھا ہے جو انہوں نے اس موضوع پر لکھا ہے۔

— ۱۹ —

عمرۂ قضا

یہ آٹھ مہینے جو نبی اکرمؐ کو خیبر، فدک اور تیماء کے یہودیوں سے نمٹنے اور عمرۂ قضا بجالانے کے مابین گزرے، اسلام کے ستونوں کو جمانے اور اس کی اشاعت کی خاطر پیہم عملی کارروائیاں کرنے سے بھرے ہوئے تھے۔ جب یہ سال گزرنے لگا اور ساتویں سال کا ماہ ذیقعدہ آ گیا تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ اپنے اصحاب کو ساتھ لے کر مناسک حج ادا کرنے کے لئے مکہ کے لئے روانہ ہوں۔ جیسا کہ آپ کے اور قریش کے مابین حدیبیہ میں طے پایا تھا۔ چنانچہ منادی نے لوگوں میں اعلان کیا کہ مکہ کی جانب سفر کی تیاری کریں۔ لوگوں نے بڑی چاہ سے اس اس اعلان پر لبیک کہا کیونکہ وہ معاہدے میں طے کئے ہوئے وقت کے گزرنے کا نہایت بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔

نبی اکرمؐ مدینہ سے دو ہزار مہاجرین و انصار کے ساتھ نکلے جو ہتھیاروں سے لیس تھے۔ آنحضرتؐ سے کہا گیا کہ یارسول اللہ! آپ اپنے ساتھ ہتھیار لے کر چلے ہیں جبکہ ان لوگوں نے آپ سے شرط کی تھی کہ آپ وہاں داخل ہوں گے تو آپ کے پاس نیاموں میں رکھی ہوئی تلواروں کے سوا کوئی ہتھیار نہ ہوگا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہم مکہ میں تلواروں کے بغیر داخل نہ ہوں گے البتہ باقی ہتھیاروں کو ہم مکہ سے باہر رکھ دیں گے تاکہ ہتھیار ہمارے قریب رہیں۔

ذوالحلیفہ پہنچنے پر آنحضرتؐ نے اور آپ کے اصحاب نے حج کے لئے احرام باندھا۔ آپ نے اپنے ساتھ قربانی کے لئے ساٹھ اونٹ لئے جبکہ محمد بن مسلمہ کی قیادت میں تقریباً ایک سو گھوڑے آپ کے آگے چل رہے تھے۔ جب آپ مکہ کے قریب پہنچ گئے تو سرداران مکہ وہاں سے نکل کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور ٹیلوں پر چلے گئے جیسے کوہ ابوقبیس، کوہ حرا وغیرہ بڑے بڑے صحابہ آنحضرتؐ کو اپنے حصار میں لئے ہوئے تھے۔ آپ کے پیچھے وہ باقی افراد تھے جو آپ کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ جونہی خانۂ کعبہ ان لوگوں کے سامنے آیا مسلمانوں کے ہونٹ لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کی آوازوں سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ مکہ کے بچے کھچے لوگ دارالندوہ کے اردگرد رہ کر آنحضرتؐ کو اور آپ کے اصحاب کو دیکھتے رہے۔

قریش خیال کر رہے تھے کہ رسول اکرمؐ محنت، مشقت اور تنگدستی سے دوچار ہوں گے اور اس کا ذکر کریں گے۔

رسول اللہؐ نے کعبے میں پہنچ کر اپنی چادر اپنے داہنے ہاتھ کے نیچے سے نکالی اور اس کا سرا اپنے بائیں شانے پر ڈال لیا اور تب کہا کہ اللہ رحم فرمائے ان لوگوں پر جن کو میں آج دیکھ رہا ہوں کہ ہر ایک بجائے خود ایک قوت ہے۔ پھر آپ نے رکن پر بوسہ دیا اور خانۂ کعبہ کے چاروں طرف تیز چال سے چلنے لگے یہاں تک کہ خانۂ کعبہ نے آپ کو لوگوں سے مخفی کر دیا۔ پھر آپ نے رکن یمانی کو بوسہ دیا اور چلتے رہے یہاں تک کہ حجر اسود کو چوما۔ جب آنحضرتؐ تیز تیز چلتے تو آپ کے اصحاب بھی آپ کے پیچھے پیچھے تیز قدم چلتے تھے یہاں تک کہ طواف پورا ہو گیا۔

قریش آپ کی جانب پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے دیکھتے رہے اور اس منظر سے تعجب میں پڑ گئے۔ ان لمحات میں جبکہ قریش ان نکالے ہوئے لوگوں کو ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھ رہے تھے جو سات سال پہلے مکہ سے شہر بدر ہو کر نکل گئے تھے اور آج واپس آئے تھے اور اس میں فتح مندانہ اور کامرانی کے ساتھ داخل ہو رہے تھے، نہ کوئی روکنے والا ان کو روکتا تھا اور نہ کوئی رکاوٹ ڈالنے والا ان کے اور شہر کے درمیان رکاوٹ ڈالتا تھا۔ ان لمحات میں مسلمانوں کا منادی آواز دے رہا تھا کہ:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَاَعَزَّ جُنْدَهٗ وَخَذَلَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ. ''کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے۔ وہ ایک ہے۔ اس نے اپنے بندے کی مدد کی۔ اس کے لشکر کو قوت عطا کی اور اس کی مخالف جماعتوں کو تنہا چھوڑ دیا۔''

ان آوازوں کی بازگشت وادی کے ہر چہار طرف گونجنے لگی، جس سے ان لوگوں کے دل دہل گئے جو پہاڑوں کی چوٹیوں اور دوسرے بلند مقامات پر چڑھے ہوئے تھے اور اس آواز دینے والے سے ان کو دشمنی اور بغض پیدا ہو گیا۔ مسلمان خانۂ کعبہ کے گرد طواف ختم کر چکے تو نبی اکرمؐ ان کے ساتھ صفا و مروہ کی طرف تشریف لے گئے اور عمرہ کے اعمال بجالائے۔ ان تینوں دنوں میں نبی اکرمؐ فریضہ نمازوں کے اوقات میں نماز بجالاتے تھے اور آپ کے پیچھے دو ہزار مسلمان ہوتے تھے۔ قریش ان تمام مناظر کو دیکھتے رہتے تھے۔ اسی سفر میں نبی اکرمؐ نے میمونہ بنت حارث سے تزویج فرمائی جو عباس بن عبدالمطلب کی بیوی ام الفضلؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ ان کا مہر جو چار سو درہم تھا اور عباس نے ادا کیا۔

معاہدۂ حدیبیہ کے مطابق جب تین دن گزر گئے تو قریش نے حویطب بن عبدالعزیٰ کو چند افراد کے ساتھ نبی اکرمؐ سے کہلوایا کہ معاہدے پر عمل کریں اور مکہ سے چلے جائیں۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا: اگر تم مجھے رہنے دو تو کیا حرج ہے۔ میں تمہارے لئے کھانا تیار کراؤں اور تم اس میں شریک ہو جاؤ۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم کو آپ کا کھانا نہیں چاہئے۔ بس آپ یہاں سے چلے جایئے کیونکہ مقررہ مدت ختم ہو گئی ہے۔ پس نبی اکرمؐ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ واقعہ ماہ ذی الحجہ کا ہے۔ کچھ مفسرین کا کہنا ہے کہ اسی عمرے کے موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُؤُسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ''بے شک اللہ نے اپنے رسولؐ کا خواب واقعہ کے مطابق سچ کر دکھایا کہ تم مسجد حرام

میں انشاء اللہ امن کے ساتھ داخل ہوگے اور اپنے سر منڈواؤ گے اور تھوڑے سے بال کترواؤ گے۔ تم کو کوئی خوف نہ ہو۔ پس وہ جان گیا وہ سب جو تم کو معلوم نہیں ہوا۔ پس اس نے اس کے علاوہ قریب میں حاصل ہونے والی فتح قرار دی ہے۔'' (سورۂ فتح: آیت ۲۷)

خالد بن ولید، عمرو بن عاص اور عثمان بن طلحہ کا قبول اسلام

نبی اکرمؐ اس عمرے سے جس کو سیرت نگار عمرۂ قضا کہتے ہیں، مکہ سے ماہ ذی الحجۃ میں واپس ہوئے۔ اب ہجرت کا آٹھواں سال شروع ہوگیا۔ آنحضرتؐ نے چند ماہ مدینہ میں قیام فرمایا۔ البدایہ والنہایہ میں ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ اسی دوران عمرو بن عاص، خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ نے اسلام قبول کیا، جو اُن تمام مراحل میں جن سے اب تک اسلام گزرتا رہا تھا اس کے مخالف اور شدید ترین دشمن رہے تھے۔ ہم گزشتہ صفحات میں ان کے کچھ حالات بیان کر آئے ہیں۔

خالد بن ولید کے قبول اسلام کے متعلق بعض کتب سیرت میں خود ان کی زبانی ہے کہ جب اللہ نے میری بھلائی کا ارادہ کیا تو میرے دل میں اسلام ڈالدیا اور میرے لئے ہدایت مہیا کردی۔ تب میں نے کہا کہ میں تمام مواقع پر حضرت محمدؐ کی مخالفت پر ڈٹا رہا ہوں، کوئی موقع ایسا نہ تھا کہ جہاں میں نے اپنے آپ کو غلطی پر محسوس نہ کیا ہو اور یہ نہ سمجھا ہو کہ حضرت محمدؐ ضرور کامیاب ہو کر رہیں گے۔ چنانچہ جب آنحضرتؐ عمرۂ قضا کے لئے تشریف لائے تو میں مکہ سے روپوش ہوگیا۔ میرا بھائی ولید بن ولید ان کے ہمراہ تھا جو اسلام میں داخل ہو چکا تھا۔ اس نے مجھ کو تلاش کیا لیکن اس روز مجھ کو مکہ میں نہ پایا۔ تب اس نے مجھ کو اس مضمون کا خط لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بعدازاں یہ کہ میں نے اسلام کے بارے میں تمہارے طرز عمل سے زیادہ تعجب خیز چیز نہیں دیکھی۔ تمہاری جو عقل ہے وہ ہے۔ اسلام جیسی چیز سے کوئی شخص ناواقف نہیں ہے۔ مجھ سے رسول اللہؐ نے تمہارے بارے میں دریافت کیا تو میں نے کہا کہ عنقریب اللہ اس کو لے آئے گا۔ پس جو اچھے موقع تم کھو چکے ہو اب ان کی تلافی کرو۔''

یہ خط مجھ کو ملا تو اسلام میں میری دلچسپی بڑھ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک بدحال قحط زدہ علاقے میں ہوں اور وہاں سے نکل کر ہرے بھرے کھلے ہوئے علاقے میں آ گیا ہوں۔ جب میں نے مدینہ کی طرف روانگی کا قصد کیا تو میری ملاقات صفوان بن امیہ سے ہوگئی۔ میں نے اس سے کہا کہ اے ابووہب! تم دیکھتے نہیں ہو کہ محمدؐ عرب اور عجم پر حاوی ہوگئے ہیں۔ کیوں نہ ہم ان کے پاس جاکر ان کی پیروی کرلیں کیونکہ ان کا شرف ہمارا شرف ہے۔ اس پر اس نے کہا کہ اگر عرب میں میرے سوا کوئی نہ رہے تو بھی میں ہرگز ان کی پیروی نہ کروں گا۔ تب میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے باپ اور بھائی بدر میں مارے گئے ہیں۔ اس کے بعد میں نے عکرمہ بن ابوجہل سے ملاقات کی اور اس سے وہی کہا جو صفوان سے کہا تھا تو اس نے بھی وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اسے چھپائے رکھنا۔

پھر میں عثمان بن طلحہ جمحی سے ملا۔ اس کے باپ، چچا اور بھائی احد میں قتل ہوئے تھے اس لئے میں اس سے بات کرتے ہوئے ہچکچاتا رہا لیکن میں نے بالآخر اس کو اپنی رائے سے آگاہ کیا تو اس نے فوراً میری بات مان لی اور مجھ سے وعدہ کیا کہ اگر وہ مجھ سے پہلے پہنچ گیا تو وہ ایک مکان میں جو اس نے میرے لئے معین کیا تھا میرا انتظار کرے گا اور اگر میں اس سے پہلے پہنچ گیا تو میں اس کا انتظار کروں۔ ہم لوگ ایک رات مکہ سے مدینہ کی طرف چل پڑے۔ صبح ہونے پر ہم ایک مقام پر پہنچے جہاں ہمیں عمرو بن عاص ملا۔ اس نے ہمیں خوش آمدید کہا اور پوچھا کدھر جارہے ہو؟ ہم نے اس کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا تو وہ بولا کہ میں بھی اسی راستے پر ہوں۔ تب تو ہم سب ایک ہی راستے پر چلنے لگے یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گئے۔ چنانچہ ہم رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ مسلمان آپ کے گرد موجود تھے۔

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ پہلے جس شخص نے بڑھ کر رسول اللہؐ کی بیعت کی وہ خالد بن ولید تھا۔ پھر عثمان بن طلحہ آگے بڑھا اور اس نے بیعت کی۔ پھر ان دونوں کے بعد عمرو بن عاص آنحضرتؐ کے روبرو بیٹھ گیا لیکن رسول اللہؐ سے شرم کے مارے آنکھیں زمین پر گاڑے رہا اور نبی اکرمؐ سے خواہش کی کہ اس کے پچھلے گناہوں کو معاف فرمادیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے اس سے فرمایا کہ اسلام پہلے والی باتوں سے تعرض نہیں کرتا۔ پھر اس نے رسول اللہؐ کی بیعت کرلی۔

عمرو بن عاص کے قبول اسلام کے متعلق ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اس کو خیال آیا کہ آنحضرتؐ اگلے سال مکہ میں داخل ہوں گے جسے وہ برداشت نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اس نے اپنی اور اپنی قوم کی بھلائی اسی میں سمجھی کہ وہ حجاز سے حبشہ چلے جائیں۔ وہ اپنی قوم کے کچھ افراد کے ساتھ حبشہ روانہ ہوئے اور نجاشی کے لئے تحفے بھی لے گئے۔ نجاشی نے تحفے قبول کئے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ اسی دوران آنحضرتؐ نے نجاشی کے پاس عمرو بن امیہ ضمری کو خط دیکر بھیجا۔ عمرو بن عاص نے نجاشی سے درخواست کی کہ اس قاصد کو میرے حوالے کردو تاکہ میں اسے قتل کردوں۔ نجاشی نے اس کی یہ بات مسترد کرتے ہوئے کہا کہ حضرت محمدؐ پر وہی عظیم المرتبت فرشتہ نازل ہوتا ہے جو حضرت عیسیٰؑ بن مریم پر نازل ہوتا تھا۔ پھر نجاشی نے اس کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ بالآخر اس نے نجاشی کے سمجھانے پر اسلام قبول کرلیا۔ بعدازاں وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے حبشہ سے مدینہ روانہ ہوگیا یہاں تک کہ راستے میں خالد اور عثمان بن طلحہ سے جاملا جیسا کہ سیرت نگاروں نے طویل حدیث میں بیان کیا ہے جو ایک داستان سی لگتی ہے۔ واقدی نے اس روایت کو عبدالحمید بن جعفر سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے۔[1]

عمرو بن عاص کی نبی اکرمؐ کے مبعوث ہونے کے بعد سے اس کے اسلام میں داخل ہونے اور زندگی کے آخری سانس تک کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اس فیصلے پر پہنچے گا کہ وہ حضرت محمدؐ بن عبداللہ کی رسالت کو دل سے مان کر اور

۱۔ عبدالحمید بن جعفر اس جماعت سے روایت کرتا ہے جس میں زہری شامل ہے۔ جس جماعت میں سفیان ثوری اور یحییٰ بن سعید شامل ہیں بعض محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ نسائی نے بھی ان راویوں کو ضعیف کہا ہے۔ جو کچھ تہذیب التہذیب میں آیا ہے اسے محدثین کی ایک جماعت نے قابل اعتماد قرار دیا ہے۔ اس قصے کی خرابی کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کی سند عمرو بن عاص پر منتہی ہوتی ہے جو اسلام کے کامیاب ہونے کے بعد بھی حق سے منحرف رہا اور معاویہ وغیرہ جیسے منحرف اسلام کے مفاد میں سرگرم عمل رہا۔

ایمان لاکر اسلام میں داخل نہیں ہوا تھا بلکہ جس چیز نے اس کو اسلام کے ساتھ یہ موقف اختیار کرنے پر آمادہ کیا یہ تھی کہ ان فتح مندیوں کے بعد جو رسول اللہؐ کو جزیرہ نمائے عرب میں عربوں اور یہودیوں پر حاصل ہوتی گئیں اس نے قریش اور دوسرے عربوں کے لئے یہ ناممکن خیال کرلیا کہ وہ آنحضرتؐ کی راہ میں حائل ہوسکیں گے اور اس نے یقین کرلیا کہ حضرت محمدؐ ایک مرتبہ قریش کی ناگواری کے باوجود مکہ میں عمرہ کرنے کے لئے داخل ہونے کے بعد جلد یا بدیر ضرور فاتحانہ انداز سے داخل ہوں گے اور جب مکہ سرنگوں ہو جائے گا تو پورے حجاز میں کوئی ایسا نہ رہے گا جو اسلام کی اس پیش قدمی کو روک سکے جو اَب جزیرۂ عرب کی سرحدوں تک محدود رہنے والی نہ تھی۔ خواہ وہ اور اس جیسے اسلام کے دوسرے شدید سے شدید دشمن کچھ بھی کرلیں جو اب تک تمام اسلام دشمن تحریکات کی قیادت کرتے رہے تھے۔

اس کو یقین ہوگیا کہ اگر وہ اسی حالت پر رہے گا جس پر ہے تو کوئی متبادل طریقہ ایسا نہیں ہے جو اس کو حضرت محمدؐ اور آپ کے اصحاب کے مقابلے پر مدد دے سکے سوائے اس کے کہ حضرت محمدؐ کی نبوت کا خواہ صرف زبانی ہی سے سہی اقرار کرلے۔ اسی لئے اس نے وقت ضائع کئے بغیر اس میں جلدی کی۔ ادھر حضرت محمدؐ کے عفو نے اس کو اپنے اسی دامن وسعت میں لے لیا جس میں اس کے اسلام لے آنے کے چند ہی مہینوں بعد ابوسفیان اور اس کی بیوی ہندہ کو بھی لے لیا تھا جس نے آنحضرتؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کو جو اسداللہ اور اسدالاسلام تھے، مثلہ کیا تھا اور ان کا جگر چبایا تھا اور جیسا کہ مؤرخین کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ وہ جگر کو اپنے ساتھ مکہ لے گئی تھی تاکہ جب کبھی وہ واقعات یاد آئیں جو جنگ بدر میں اس کے باپ، بھائی اور شوہر پر گزرے تھے تو اس کو دیکھ کر اپنے کو تسکین دے لیا کرے۔

عمرۂ قضا اور فتح مکہ کے درمیان سریے اور غزوات

عمرۂ قضا کے بعد آنے والے مہینوں میں مسلمانوں اور مشرکوں کے مابین جھڑپیں ہوتی رہیں جن سے نمٹنے کے لئے نبی اکرمؐ نے مشرکوں کی جانب بعض سریے بھیجے۔ سریہ اخرم بن ابی العوجاء جو پچاس مسلمان سپاہیوں پر مشتمل تھا بنی سلیم کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اس موقع پر بنی سلیم نے اپنے عرب حلیفوں کو بلا کر مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔ چنانچہ مسلمان ان سے لڑے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ ان میں سے سوائے سریے کے قائد اور ان کے دو ساتھیوں کے کوئی نجات نہ پا سکا۔

سریہ غالب بن عبداللہ اللیثی جو مسلمانوں کی ایک جماعت پر مشتمل کدید کے مقام پر بنی ملوح کی طرف بھیجا گیا۔ اس کا نتیجہ مسلمانوں کے مفاد میں رہا کیونکہ انہوں نے بنی ملوح کے کچھ افراد کو قتل کر کے ان کے مال و دولت اور مویشیوں پر قبضہ کرلیا اور صحیح و سالم واپس آگئے۔

سریہ شجاع بن وہب اسدی جو آٹھویں سال کے ماہ ربیع الاول میں واقع ہوا۔ ان کے ساتھ چوبیس مسلمان تھے۔ انہیں ہوازن کی ایک جماعت کی طرف بھیجا گیا۔ مسلمان رات کو چلتے اور دن میں پوشیدہ رہتے تھے یہاں تک کہ ایک روز صبح وہ ان لوگوں کے جائے قیام پر پہنچ گئے۔ چنانچہ یہ ان کے مال و دولت اور مویشی لے کر مدینہ واپس چلے آئے۔

سریہ کعب بن عمیر غفاری جو پندرہ افراد پر مشتمل تھا اور شام کے علاقے میں ذات اطلاح بھیجا گیا۔ وہاں پہنچ کر ان کو لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ملی۔ پس کعب بن عمیر نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے اس کا جواب تیروں اور تلواروں سے دیا۔ چنانچہ مسلمانون نے ان سے شدید ترین جنگ کی یہاں تک کہ سب کے سب شہید ہو گئے اور ان میں ایک شخص کے سوا کوئی بھی نہ بچ سکا۔

غزوۂ موتہ

یہ صورتحال ان واقعات کی تھی جو عمرۂ قضا اور غزوۂ موتہ کے درمیان پانچ یا چھ ماہ کے دوران واقع ہوئے۔ غزوۂ موتہ کے لئے نبی اکرمؐ نے تین ہزار جنگجوؤں کا لشکر تیار فرمایا اور ان کو شام کے علاقے کی طرف کوچ کا حکم دیا تا کہ وہاں کے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیں اور اگر وہ انکار کریں اور مسلمانوں کی شرائط قبول نہ کریں تو ان سے جنگ کریں۔ یہ آٹھویں ہجری سال کے پانچویں مہینے کا واقعہ ہے۔

اس غزوہ کے اسباب کے بارے میں مؤرخوں میں اختلاف ہے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ اس کا سبب حرث بن عمیر ازدی کا انتقام لینا تھا جن کو نبی اکرمؐ نے ایک خط دے کر فرمانروائے بصریٰ کی جانب بھیجا تھا۔ جب وہ مقام موتہ پر اترے تو شرحبیل بن عمرو غسانی ان کے مقابلے کو آ گیا۔ اس نے ان سے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے بتایا شام کا۔ وہ بولا کہ شاید تم محمدؐ کے قاصدوں میں سے ہو؟ انہوں نے اقرار کیا تو اس نے ان کو باندھ لیا، پھر لا کر اس کی گردن اڑا دی۔ ان کے علاوہ کوئی اور قاصد جن کو نبی اکرمؐ نے حجاز کے باہر فرمانرواؤں اور رؤساء کے پاس بھیجا تھا قتل نہیں کیا گیا۔ اس واقعے کا نبی اکرمؐ اور مسلمانوں پر شدید اثر ہوا۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے تین ہزار کا یہ لشکر اس گورنر اور اس کے اہالی موالی سے انتقام لینے کے لئے روانہ فرمایا تھا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ غزوہ، کعب بن عمیر کے سریے کا انتقام لینے کے لئے تھا جو نبی اکرمؐ نے شام کے علاقے میں ذات اطلاح کی طرف روانہ کیا تھا تا کہ ان لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی جائے۔ اس کا معاملہ یہ تھا کہ ان لوگوں کا مقابلہ اس مقام پر جمع ہونے والے مجمع نے تلواروں اور تیروں سے کیا۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص کے سوا کوئی بچ کر نہ نکل سکا۔ وہ بھی زخمی ہو گیا تھا اور معرکہ ختم ہونے اور لوگوں کے چلے جانے کے بعد اپنے آپ کو مقتولین کے درمیان سے گھسیٹ کر زخموں سے چور مدینہ واپس پہنچا تھا تا کہ نبی اکرمؐ کو جو کچھ اس پر اور اس کے ساتھ والوں پر گزری تھی بتلا دے۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی اس غزوہ کے اغراض و اسباب کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ بعید نہیں ہے کہ اس غزوہ کا جس کے لشکر کی تعداد جیسا کہ روایات بتلاتی ہیں تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھی اور جو ہرقل وغیرہ فرمانرواؤں اور سربراہوں کی طرف قاصد بھیجے جانے کے بعد واقع ہوا یہ سبب رہا ہو کہ نبی اکرمؐ نے یہ قاصد صرف حجاز ہی کے عربوں کو نہیں بلکہ تمام عالم کو روانہ کئے تھے جبکہ آنحضرتؐ جزیرہ نمائے عرب میں دعوت اسلام کی صورتحال

سے مطمئن ہوگئے تھے اور آپ نے یہ غور فرمانا شروع کر دیا تھا کہ اس دعوت کو عرب سے باہر بھی اثر پذیر ہونے کا موقع ملنا چاہئے۔ چنانچہ اس وقت مملکت روم ایسی عظیم مملکت تھی کہ اس کا رسوخ شام کے علاقے تک پھیلا ہوا تھا جس کی سرحد حجاز سے ملتی تھی اور اہل مکہ و حجاز ان علاقوں سے دوسرے علاقوں کے مقابلے میں زیادہ گہرے تعلقات رکھتے تھے۔ پس آنحضرتؐ نے ایسے دعوت دینے والوں کو بھیجا جو باقوت افراد بھی تھے۔ لڑنے کے لئے نہیں بلکہ اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے کیونکہ لڑائی آخری چیز تھی جو آپ کے ذہن میں ہوتی تھی۔ اسی لئے آپ ان سریوں کے قائدین کو ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ اسلام کی طرف دعوت دیں اور لوگوں کو قائل کرنے کی پوری کوشش کریں اور طاقت اس وقت تک استعمال نہ کریں جب تک اس کے لئے مجبور نہ ہو جائیں جیسا کہ آنحضرتؐ خود بھی مشرکین مکہ و عرب حجاز اور یہودیوں کے ساتھ غزوات میں فرمایا کرتے تھے۔

آنحضرتؐ کو یہ خیال نہ تھا کہ ان لوگوں کا مقابلہ ایسے ہولناک مجمعوں سے ہوگا جن کی تعداد راویوں کے ایک گروہ کے مطابق ایک ہزار اور دوسرے گروہ کے مطابق دو ہزار تھی۔ اگر آنحضرتؐ جانتے بھی ہوتے پھر بھی آپ اپنے تمام غزووں اور جنگوں میں تعداد کو کبھی خاطر میں نہیں لایا کرتے تھے۔ نہ اس کا حساب لگاتے تھے اور باوجودیکہ اس جنگ سے آنحضرتؐ کا لشکر شکست خوردہ لوٹا اور شدید پست حوصلگی کا شکار ہوا پھر بھی اس نے ان فرمانرواؤں کے ذہنوں پر گہرا اثر چھوڑا جو اپنے لئے یہ عین ممکن سمجھ رہے تھے کہ جب چاہیں گے حضرت محمدؐ کو ختم کر ڈالیں گے۔

اس غزوہ سے ان لوگوں کو یقین آ گیا کہ حضرت محمدؐ اور آپ کے ماننے والے دنیا کی طاقتوں کے درمیان ایک قابل لحاظ طاقت بن گئے ہیں اور یہ کہ یہ لوگ اپنے ایمان اور اپنے عقیدوں اور دینی اصولوں میں پرخلوص ہونے کی بناپر بڑی بڑی مملکتوں کو اپنے سامنے جھکا لینے کا قصد کئے ہوئے ہیں۔ یہ سازوسامان اور تعداد سے نہیں ڈرتے خواہ وہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو ان لوگوں کے قلیل تعداد کے باوجود اس ہولناک بڑے مجمعے کے مقابلے پر آنے اور اس مقابلے میں شدید ثابت قدمی دکھانے نے ان لوگوں کی عقلوں کو دنگ کر دیا اور ان کے دلوں میں رعب اور ہراس پیدا کر دیا۔ یہ لوگ اس نوخیز ابھرتی ہوئی حکومت سے خوف کھانے اور ڈرنے لگے۔ جو نہ انسان پر غلبہ چاہتی تھی، نہ زمین کی پیداوار کا استحصال چاہتی تھی، نہ اس کے علاقوں کو اپنے زیراثر و اقتدار لانا چاہتی تھی بلکہ چاہتی یہ تھی کہ ساری انسانیت اللہ پر ایمان لے آئے جو ایک ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ بیٹا ہے اور اس کو سرکشوں اور ظلم کیشوں سے نجات دلانا چاہتی تھی اور کمزوروں اور ظلم رسیدہ افراد کو زورآوروں کے چنگل سے اور ان کے استحصال سے آزاد کرانا چاہتی تھی تاکہ انسان اپنی فکر، اپنے عمل اور اپنی زندگی میں آزاد ہو جائے گا اور اپنے خالق کے علاوہ کسی کے سامنے نہ جھکے جو جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔

اس غزوہ کے اسباب کچھ بھی ہوں اس میں شک نہیں کہ حضرت محمدؐ خود دانشمند تھے اور انہیں حکیم وخبیر اللہ کی مدد حاصل تھی۔ آپ کی نظریں اپنے زمانے سے بہت آگے تک دیکھ رہی تھیں۔ اسباب کچھ بھی ہوں آپ نے لشکر کو تیار

فرمایا اور اپنے تین پاکیزہ کردار اصحاب کو یکے بعد دیگرے اس کی قیادت کے لئے نامزد فرمایا۔

شیعہ کتب متفق ہیں کہ رسول اکرمؐ نے قیادت کا شرف حضرت جعفرؓ ابن ابی طالبؑ کو عطا فرمایا تھا۔ ان کے بعد حضرت زید بن حارثہؓ کو اور ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو قائد لشکر مقرر فرمایا تھا اور کہا تھا کہ اگر یہ تینوں شہید ہوجائیں تو لشکر جس کو مناسب سمجھے قائد منتخب کرلے جبکہ سنی کتابیں متفقہ طور پر کہتی ہیں کہ رسول اکرمؐ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو سالار لشکر مقرر فرمایا تھا۔ ان کے بعد حضرت جعفرؓ ابن ابی طالبؑ کو اور ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو سپہ سالار نامزد فرمایا تھا۔

ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ میں واقدی سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ بنفس نفیس ان مسلمانوں کے ساتھ جو مدینہ میں ہی رہ گئے تھے اس لشکر کو رخصت کرنے کے لئے آئے اور ان لوگوں کے ساتھ چلتے رہے تا آنکہ درۂ وداع پر پہنچ گئے۔ وہاں آپ نے کچھ دیر توقف فرما کر ان لوگوں کو اللہ سے ڈرتے رہنے، اللہ پر بھروسا کرنے، صبر کرنے اور مشکل کی گھڑیوں میں ثابت قدم رہنے کی ہدایت فرمائی اور ان سے مزید کہا کہ تم کو کچھ کلیساؤں میں عام لوگوں سے علیحدگی اختیار کئے ہوئے افراد ملیں گے ان کو نہ چھیڑنا، کچھ لوگ ایسے بھی ملیں گے جن کے سروں میں شیطان کے گھونسلے بنے ہوئے ہوں گے ان کو تلواروں سے توڑ پھوڑ ڈالنا، کسی عورت یا بچے کو قتل نہ کرنا خواہ وہ چھوٹا کمزور ہو خواہ بڑا سن رسیدہ ہو، نہ کسی درخت یا باغ کو کاٹنا، نہ کسی کے گھر کو منہدم کرنا۔

جب آنحضرتؐ نے عبداللہ بن رواحہ کو رخصت کیا تو عبداللہ نے آپؐ سے درخواست کی کہ یارسول اللہؐ! مجھے ایسی چیز عطا فرمایئے جو میں آپ سے لے کر یاد رکھوں۔ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ اے عبداللہؓ! تم ایسے علاقے کی طرف جارہے ہو جہاں سجدہ کرنے والے کم ہیں، بس تم اللہ کا سجدہ کرنے والوں کی کثرت پیدا کردینا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! کچھ اور عنایت فرمایئے۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ کو یاد کرتے رہنا اور اسی کو کافی سمجھنا کیونکہ جو کچھ تم چاہو گے وہ اس کے لئے تمہارا مددگار ہوگا۔ جب انہوں نے آنحضرتؐ سے مزید کی فرمائش کی تو آپ نے ان کو انسانوں سے اچھا سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی اور کہا کہ اے ابن رواحہ! اگر تم نے دس برائیاں بھی کی ہوں تب بھی ایک نیکی کرنے سے دریغ نہ کرنا۔ اس پر ابن رواحہ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ اس کے بعد میں آپ سے کسی شے کا سوال نہ کروں گا۔ بعدازاں نبی اکرمؐ نے ان سب کو رخصت کیا اور مسلمانوں نے عبداللہ اور ان سب کی بہ سلامتی واپس آنے کے لئے دعا کی تو عبداللہ نے جواب میں یہ اشعار پڑھے:

لکننی اسأل الرحمٰن مغفرة   وضربة ذات قرع تقذف الزبدا
او طعنة بيدى حران بجهزة   بحربة تنفذ الاحشاء والكبدا
حتى يقال اذا مروا على جدثى   يا ارشد الناس من غاز وقد رشدا

''میں اللہ سے مغفرت کا سوال کرتا ہوں اور یہ کہ مجھ کو ایسی ضربت عطا ہو جس کی

کاٹ جھاگ پیدا کردے، یا میرے ہاتھ میں ایسا نیزہ ہو جو خون کا پیاسا ہو اور ایسی ضرب لگائے جو آنتوں اور جگر تک پہنچ جائے تاکہ جب لوگ میری قبر سے گزرا کریں تو کہیں کہ کیا ہدایت یافتہ اور صحیح العمل شخص تھا۔"

یہ لشکر شام کے اگلے علاقوں کی طرف رخ کئے ہوئے چلا اور وادی القریٰ میں اترا اور وہاں لوگوں نے آرام کیا اور ان کو خیال یہ تھا کہ دشمن کو دھوکے سے جالیں گے جیسا کہ بیشتر غزوات میں ان کا طریقہ رہا کرتا تھا اور کامیاب و کامران واپس آجائیں گے۔ لیکن ان کے متعلق خبریں ان سے پہلے اس علاقے میں پہنچ گئیں تھیں جہاں ہرقل کی طرف سے شرحبیل گورنر تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے اطراف کے قبیلوں کو جمع کر کے ہرقل سے کہلا بھیجا تھا کہ وہ اپنے پاس سے لشکر بھیج کر اس کی مدد کرے اور اس نے عربوں کی ایک بڑی تعداد اس کی کمک کے لئے بھیج دی تھی۔

بعض روایات میں ہے کہ ہرقل خود اس لشکر کا قائد بن کر آیا تھا جبکہ کچھ روایات بتلاتی ہیں کہ اس نے اس کو اپنے بھائی تیودور کی قیادت میں بھیجا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے روم اور عرب سے ایک لاکھ یا اختلاف روایات کے مطابق دو لاکھ افراد جمع ہوگئے۔ مسلمان معان پر پہنچے تو ان کو اس اجتماع کی اطلاع ملی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو یہ اطلاع اس وقت ملی جب یہ لوگ وادی القریٰ میں تھے۔ یہ لوگ وہاں دو راتیں ٹھہرے رہے اور واپس ہو جانے یا چلتے رہنے کے بارے میں مشورے کرتے رہے۔ ایک گروہ کی یہ رائے تھی کہ دشمن کے ساز و سامان اور اس کے لشکر کی تعداد کے متعلق نبی اکرمؐ کو لکھ کر بھیج دیا جائے یا تو وہ افراد بڑھا دیں اور چلتے رہنے کا حکم دیں یا واپس جانے کا حکم دیں۔ قریب تھا کہ یہی رائے مان لی جاتی کہ اتنے میں عبداللہ بن رواحہ نے کھڑے ہو کر لوگوں میں شجاعت پیدا کرنے کے لئے کہنا شروع کیا: اے لوگو! ہم آدمیوں سے تعداد یا کثرت پر نہیں لڑتے بلکہ اس دین کی خاطر لڑتے ہیں جس سے اللہ نے ہم کو عزت بخشی ہے۔ پس دو نیکیوں میں سے ایک ضرور ہے یا ہم دشمن پر غالب آجائیں گے یا شہادت حاصل کرلیں گے۔

ان کلمات نے ان سراپا ایمان لوگوں پر بہت اچھا اثر کیا۔ چنانچہ سب نے چلتے رہنے اور لڑائی کرنے کا پختہ عزم کرلیا خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو اور اپنے راستے پر بڑھتے رہے۔ جب یہ لوگ مقام بلقاء پر پہنچ گئے تو ان کو اطلاع ملی کہ رومیوں کا لشکر بلقاء کی بستیوں میں سے ایک بستی میں جس کو مشارف کہتے تھے ڈیرے ڈالے ہوئے ہے۔ مسلمان بھی ایک بستی کی طرف جس کو موتہ کہتے تھے چلے گئے اور انہوں نے اپنے لشکر کو وہاں ترتیب دیا۔ جب دونوں فریق ٹکرائے تو مسلمانوں کی طرف سے تین ہزار افراد تھے اور ان کے مقابلے پر رومیوں کے دو لاکھ افراد تھے۔ علم لشکر زید بن حارثہ نے لیا اور اپنے ساتھ کے مسلمانوں کو لیکر ان لوگوں پر اپنی تلواروں اور نیزوں سے حملہ کیا۔ یہ لوگ زندگی اور موت سے بے نیاز ہو کر لڑے جیسے انہیں زندہ رہنے کی کوئی خواہش نہ ہو۔ زید کچھ دیر لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ اب علم جعفرؓ ابن ابی طالبؓ نے لے لیا۔ وہ علم لئے ہوئے لڑتے رہے اور دشمن پر اپنی تلوار سے حملے کرتے رہے جس سے وہ لوگ ان کے پاس سے چھٹ جاتے تھے حالانکہ وہ سیلاب کی مانند تھے کہ آنکھ ان کے آخری سرے کو دیکھ نہ سکتی تھی۔

مؤرخین ان افراد سے جو اس معرکے میں موجود تھے روایت کرتے ہیں کہ جب لڑائی میں شدید گرما گرمی پیدا ہوگئی تو وہ اپنے گھوڑے سے جو سرخ رنگ کا تھا، اتر پڑے اور انہوں نے اس کے پیر کاٹ دیئے تا کہ بھاگ جانے کی خواہش نہ رہے اور پاپیادہ دشمن پر حملہ آور ہوگئے۔ وہ لڑتے رہے اور جوان کے قریب آتا رہا اس کو قتل کرتے رہے یہاں تک کہ ان لوگوں نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ چنانچہ ایک رومی نے ان کے داہنے ہاتھ کو تلوار مار کر کاٹ دیا۔ اس پر انہوں نے علم بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ اب ایک دوسرے شخص نے بائیں ہاتھ پر تلوار ماری اور اس کو قطع کر دیا۔ اب انہوں نے علم کو سینے سے چمٹالیا۔ یہاں تک کہ دشمن کے کسی شخص نے ان پر تلوار کا وار کر کے ان کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ لوگوں کو ان کے نصف جسم پر پینتیس زخم ملے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان کے جسم پر آگے کی طرف لوگوں کو نوے زخم ملے جن میں کچھ تلوار کے تھے اور کچھ نیزے کے۔

سنی اور شیعہ کتب حدیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ نے ان کے دونوں ہاتھوں کے عوض دو پَر عطا کر دیئے ہیں جن سے وہ ملائکہ کے ساتھ جنت میں پرواز کرتے رہتے ہیں۔ بخاری نے اپنی صحیح میں شعبی سے اور انہوں نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ جب آپؐ عبداللہ بن جعفرؓ کو سلام کیا کرتے تھے تو کہا کرتے تھے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ ذِی الْجَنَاحَیْنَ. سلام ہو آپ پر اے دو پَروں والے شہید کے بیٹے۔

ابن کثیر نے اپنی بدایہ میں بیان کیا ہے کہ جب جعفرؓ ابن ابی طالبؑ نے گھوڑے سے اتر کر اس کو پے کر دیا اور لشکر روم پر حملہ کیا تو کہتے جاتے تھے:

یا حبذا الجنة واقترابها طيبة وبارد شرابها
والروم روم قد دنا عذابها كافرة بعيدة انسابها
على ان لا قيتها خرابها

''اے خوشا نصیب کہ جنت کا حاصل ہونا کیسا اچھا ہے اور اس کا پینے کا پانی کیسا ٹھنڈا ہے۔ یہ روم وہ ہے جس کی سزا کا وقت آ پہنچا ہے۔ یہ کافر قوم ہے ان کے نسب غیر معروف ہیں۔ میرے اوپر فرض ہے کہ میں ان کو تباہی سے دوچار کردوں۔''

وہ اور دوسرے سیرت نگار مزید بیان کرتے ہیں کہ جب جعفرؓ ابن ابی طالبؑ قتل ہوگئے تو علم عبداللہ بن رواحہؓ نے لے لیا۔ ان کو کچھ ہچکچاہٹ اور خوف محسوس ہوا تو اپنے تئیں مخاطب ہو کر کہا:

يا نفس الا تقتلى تموتى هذا حمام الموت قد صليت
وما تمنيت فقد اعطيت ان تفعلى فعلهما هديت

''اے میرے نفس! اگر تو قتل نہ کیا جائے گا تو ویسے مرے گا۔ یہ شاندار موت ہے جو تجھ کو مل رہی ہے۔ جو کچھ تو نے آرزو کی تھی وہ حاصل ہوگئی۔ اگر تو نے ان دونوں میں سے پہلا کام کرلیا تو ہدایت پا جائے گا۔''

اس کے بعد وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑے اور اپنے ساتھ کے مسلمانوں کو لے کر دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ وہ لڑ رہے تھے کہ ان کے چچازاد بھائی نے ایک ہڈی لاکر دی جس پر کچھ گوشت تھا اور کہا کہ اس سے آپ اپنی کمر مضبوط کر لیجئے کیونکہ ان دنوں میں آپ جس مشقت سے دوچار ہوئے ہیں سو ہوئے ہیں۔ انہوں نے اسے ان کے ہاتھ سے لے کر اس میں سے ایک بچہ کاٹ لیا لیکن جب دیکھا کہ مسلمان شدید جنگ میں لگے ہوئے ہیں اس کو اپنے ہاتھ سے پھینک کر دشمن پر حملہ آور ہوئے اور لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔

تاریخ ابن کثیر میں ہے کہ رسول اللہؐ نے زیدؓ، جعفرؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کی خبر لوگوں کو اسی وقت سنادی جیسے ہی وہ شہید ہوئے اور آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ: زید نے علم اٹھایا اور شہید کردیئے گئے، پھر جعفرؓ نے علم اٹھایا اور وہ بھی مار شہید کردیئے گئے، پھر ابن رواحہ نے علم اٹھایا اور ہچکچاہٹ کے بعد وہ اسے لے کر لڑے اور شہید ہوگئے۔

کتب سیرت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت جعفرؓ کی بیوی اسماء بنت عمیس سے ملاقات کی اور ان سے فرمایا کہ جعفرؓ کے بیٹے کہاں ہیں؟ وہ ان کو لے آئیں اور وہ تین تھے۔ عبداللہؓ، عونؓ اور محمدؓ۔ پس آپ ان کو اپنی گود میں بٹھا کر ان کے سروں پر ہاتھ پھیرنے لگے جیسے یتیموں کے سروں پر پھیرا جاتا ہے اور آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں اور آپ رو پڑے۔ اس پر اسماء نے آپ سے کہا: یارسول اللہؐ! آپ ان کے سروں پر یتیموں کی طرح ہاتھ پھیر رہے ہیں، کیا آپ کو جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کی کوئی خبر ملی ہے؟ آنحضرتؐ کو ان کی فراست پر حیرت ہوئی اور آپ نے فرمایا: اے اسماء! کیا تم کو نہیں معلوم ہوا کہ جعفرؓ شہید ہوگئے؟ وہ رونے لگیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: روؤ نہیں کیونکہ اللہ نے مجھ کو بتلایا ہے کہ ان کو جنت میں یاقوت سرخ کے دو پَر دے دیئے گئے ہیں جن سے وہ ملائکہ کے ساتھ محو پرواز رہتے ہیں۔

اس پر ان خاتون نے رسول اللہؐ سے عرض کیا: آپ لوگوں کو جمع فرما کر ان کو جعفرؓ کے مرتبے سے آگاہ فرما دیجئے۔ پس رسول اللہؐ اٹھ کر منبر پر تشریف لے گئے اور آپ نے حضرت جعفرؓ کے فضائل بیان فرمائے جبکہ آپ کے چہرۂ اقدس پر آثار رنج نمودار تھے۔ پھر آنحضرتؐ نے بیت الشرف واپس آکر اپنے گھر والوں سے کہا کہ جعفرؓ کے بچوں کے لئے کھانا تیار کراؤ۔ پھر آپ اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ فرما رہی تھیں، ہائے میرے چچا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہاں رونے والیوں کو جعفرؓ پر رونا چاہیئے۔

سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ عبداللہ بن رواحہ کے شہید ہونے پر مسلمان جی چھوڑ بیٹھے۔ علم جنگ ثابت بن ارقم نے لے لیا اور وہ انصار کو آواز دینے لگے جس پر ان میں سے کچھ لوگ ان کے پاس جمع ہوگئے۔ تب انہوں نے خالد بن ولید سے کہا کہ اے ابوسلیمان علم جنگ تم لے لو۔ چنانچہ علم خالد بن ولید نے لے لیا اور اپنے ساتھ والوں کو لے کر لشکر روم پر حملہ آور ہوئے اور مشرک ان پر حملہ کرتے رہے یہاں تک کہ ان پر لوگوں کی کثرت ہوگئی پھر وہ مسلمانوں کو لے کر میدان چھوڑ دیا اور واپس ہوگئے۔ واقدی نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ خالد مسلمانوں کے ساتھ جمے رہے اور بھاگے نہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ انہوں نے میدان چھوڑ دیا۔

شرح نہج البلاغہ میں ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ خالد لوگوں کے ساتھ شکست خوردہ واپس آئے اور اہل مدینہ نے ان کے متعلق سنا تو جرف کے مقام پر ان کا استقبال اس طرح کیا کہ وہ ان کے چہروں پر مٹی ڈالنے لگے اور کہتے جاتے تھے کہ اے بھگوڑو! تم اللہ کے راستے میں جنگ سے بھاگ آئے۔ اس پر رسول اللہؐ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ یہ بھگوڑے نہیں ہیں بلکہ بار بار حملہ کرنے والے ہیں۔ اس پر واقدی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ کسی لشکر کو جو کسی مہم پر بھیجا گیا ہو ایسی حالت کا سامنا نہیں کرنا پڑا جیسا کہ اصحاب موتہ کو اہل مدینہ سے ہوا کہ ان لوگوں نے ان کا استقبال بری طرح سے کیا۔ یہاں تک کہ کوئی شخص اپنے اہل خاندان کے پاس اپنے گھر جا کر دروازہ کھٹکھٹاتا تو وہ اس کے لئے کھولنے سے انکار کردیتے اور کہتے کہ تم سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نہ رہا گیا تاکہ تم بھی اسی طرح قتل کردیئے جاتے جیسے وہ قتل کئے گئے۔ ان میں سے بڑے بڑے افراد لوگوں سے شرم کے مارے گھروں میں بیٹھ رہے یہاں تک کہ رسول اللہؐ نے ان کو ایک ایک کر کے بلوایا اور ان سے فرمایا کہ تم اللہ کی راہ میں بار بار حملہ کرنے والے ہو۔

بہرحال جو بھی کیفیت رہی ہو سیرت کی بیشتر کتابیں یہی کہتی ہیں کہ خالد بن ولید شکست کھا کر مدینہ لوٹ آئے۔ بعض کتابوں میں ہے کہ وہ بہادری اور مہارت کی بدولت اس لڑائی کو سنبھالنے اور لشکر کی ازسرنو تنظیم کرنے میں کامیاب ہوگئے جس سے دشمن یہ سمجھا کہ ان کے لئے مدینہ سے کمک آ پہنچی ہے اور یہ کہ مدینہ سے ملنے والی اس کمک کی بدولت وہ اب دوسرے مرحلے میں ہیں اور ان کا موقف پہلے موقف سے زیادہ سخت اور شدید ہوگا۔ اسی لئے رومیوں نے ان پر حملہ کرنے سے گریز کیا اور ان کو نکل جانے دیا۔ لیکن خالد نے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا ہو وہ تھا اسی لئے کہ نکل جانے میں آسانی پیدا ہو جائے۔ اس کے علاوہ کچھ نہ تھا اور مدینہ میں مسلمانوں نے ان کا پرتشدد اور تمسخر انگیز استقبال کیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے کچھ افراد لوگوں سے شرم کے مارے گھروں میں بیٹھ رہے تھے حالانکہ رسول اللہؐ نے ان کے لئے معاملہ ہلکا کردیا تھا جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ ان کا فاتحوں جیسا استقبال کیا تھا۔

البتہ اس غزوہ کے چھوڑے ہوئے اثرات یہ تھے کہ قریش کو اس سے خوشی ہوئی کیونکہ انہوں نے اس کو ناخوشگوار شکست قرار دے کر اس کے بعد سے مسلمانوں کی حیثیت اور اہمیت کو بے وزن سمجھ لیا اور انہوں نے صلح نامے کو ایسا ذی اثر نہیں مانا کہ اس پر عمل کرنا ان کے لئے ضروری ہو۔ اسی وجہ سے انہوں نے فوراً شرائط کی خلاف ورزی شروع کردی اور بنی خزاعہ کے مقابلے پر جو نبی اکرمؐ کے حلیف تھے بنی بکر کی مدد کی اور ان کو اسلحہ اور آدمی بہم پہنچائے یہاں تک کہ خزاعہ کے کچھ آدمی مارے گئے اور مسلمانوں اور اُن کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے لوگوں کے لئے قریش کی حیثیت برسر جنگ کی ہوگئی۔

— ۲۰ —

فتح مکّہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان ان تمام شرائطِ معاہدہ پر قائم رہے جو ان کے اور قریش کے مابین صلح نامۂ حدیبیہ میں شامل تھیں لیکن جنگ موتہ کے بعد قریش نے مسلمانوں کو کمزور سمجھنا شروع کردیا اور اسی ناسمجھی نے ان کو ایسی حماقت کرنے پر آمادہ کردیا جس سے صلح کا معاہدہ کالعدم ہوگیا۔

چنانچہ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ہر ایک کو یہ حق دیتا تھا کہ جو شخص چاہے حضرت محمدؐ کے ساتھ معاہدہ کرلے، اسی طرح جو چاہے قریش کے ساتھ کسی معاہدے میں داخل ہوجائے۔ ادھر بنی بکر اور بنی خزاعہ میں زمانۂ قدیم سے دشمنی اور پیہم جنگیں چلی آرہی تھیں۔ جب صلح حدیبیہ ہوگئی تو بنی خزاعہ نے حضرت محمدؐ سے معاہدہ کرلیا جس طرح وہ اس سے پہلے آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب سے معاہدہ کئے ہوئے تھے اور بنی بکر نے قریش کے ساتھ معاہدہ کرلیا۔ یہ لوگ اس پر عمل پیرا رہے اور یہ خیال کرتے رہے کہ وہ اپنی جانوں اور مال کی طرف سے امن میں ہیں اور دونوں قبیلوں میں سے ہر ایک اس سے وابستہ رہا جس سے اس کی مصالحت تھی۔

جب جنگ موتہ ہوگئی تو بنی بکر بن عبد مناۃ کے، قبیلہ بنی دیل یا بنی دؤل نے جو قریش کے حلیف تھے سوچا کہ اب ان کے لئے اچھا موقع ہے کہ مسلمانوں کے حلیف بنی خزاعہ سے اپنے قدیمی انتقامات چکالیں اور سمجھ بیٹھے کہ اس شدید صدمے کے بعد جس سے مسلمان دوچار ہوئے تھے اب وہ اتنی قدرت نہ رکھتے تھے کہ جو لوگ ان کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے تھے جیسے کہ بنی خزاعہ وغیرہ ان کی مدد کرسکیں، ان کو اس پر عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ، حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص وغیرہ نے اکسایا اور ان کو خفیہ طور پر افراد اور اسلحہ بہم پہنچایا اور انہوں نے رات کے وقت بنی خزاعہ پر دھاوا بول دیا جبکہ وہ اپنے ایک چشمے پر تھے جو وتیر کہلاتا تھا۔ اس طرح انہوں نے ان کے بیس افراد مار ڈالے۔ یہ ہجرت کے آٹھویں سال کے ماہ شعبان کا واقعہ ہے۔ بنی خزاعہ نے خانۂ کعبہ میں اور بعد میں مکہ میں بدیل بن ورقا کے گھر میں پناہ لی اور اس سے قریش اور بنی بکر کے اس عہد کے توڑنے کی شکایت کی جو انہوں نے رسول اللہؐ سے کیا تھا۔

سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ ابوسفیان اس عہد شکنی کو ناپسند کرتا تھا کیونکہ اس سے ان کے اور رسول اللہؐ کے مابین صلح کی خلاف ورزی ہوتی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ بنی خزاعہ نبی اکرمؐ سے جنگی امداد طلب کریں گے۔ چنانچہ ان کی ایک جماعت مدینہ گئی۔ جب یہ لوگ رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچے تو عمرو بن سالم خزاعی نے اپنے یہ اشعار پڑھے:

لاھم انی ناشد محمدا خلق ابینا و ابیہ الاملدا
ان قریشًا اخلفوک الموعدا و نقضوا میثاقک المؤکدا
ھم بیتونا بالھجیر ھجدا نتلو القرآن رکما و سجدا

''بڑی اہم بات ہے جو میں حضرت محمدؐ کے سامنے بیان کر رہا ہو۔ ہمارے اور ان کے باپ رحمدل واقع ہوئے ہیں۔قریش نے آپ سے کئے ہوئے عہد کی خلاف ورزی کی ہے اور انہوں نے آپ کے ساتھ تاکید سے کیا ہوا معاہدہ توڑ ڈالا ہے۔ انہوں نے ہمارے اوپر دھاوا بول دیا جبکہ ہم لوگ اپنے چشموں پر محو آرام تھے اور قرآن کی تلاوت اور رکوع و سجود میں لگے ہوئے تھے۔''

اپنے اشعار ختم کر کے اس نے نبی اکرمؐ کے پاس بیٹھ کر وہ مصائب بیان کئے جو اُن لوگوں پر بنی بکر اور قریش کی طرف سے لاحق ہوئے تھے اور آنحضرتؐ سے قریش اور بنی بکر کے خلاف امداد طلب کی۔ اسی طرح وفد کے دوسرے اراکین نے بھی جو کچھ ان پر قریش اور ان کے حلیفوں سے لاحق ہوا تھا بیان کیا۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ اس موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر میں نے بنی خزاعہ کی مدد نہ کی تو پھر جس معاملے میں مجھ کو ان کی مدد درکار ہوگی میری مدد بھی نہ کی جائے گی۔ آنحضرتؐ نے یقین فرما لیا کہ قریش نے اپنی طرف سے عہد شکنی کی ہے اور اب معاہدہ قائم نہیں رہا ہے کیونکہ یہ دونوں فریقوں کی طرف ہی سے قائم رہ سکتا تھا اور آپ فوراً کھڑے ہوگئے اور آپ نے مدینہ اور اس کے باہر مسلمانوں میں اعلان کرادیا کہ جس دم حضرت محمدؐ اپنے ساتھ روانگی کا حکم دیں یہ معلوم کئے بغیر کہ کس طرف جانا ہے چلنے کے لئے پوری طرح تیار رہیں۔

آنحضرتؐ کی خدمت میں گروہ کے گروہ آتے رہے یہاں تک کہ رمضان کے پہلے عشرے میں مدینہ کے اندر تقریباً دس ہزار لڑنے والے جمع ہوگئے۔ ادھر قریش کو اس پر جو انہوں نے بنی خزاعہ کے ساتھ کیا تھا ندامت ہوئی اور احساس ہوا کہ یہ ان کی طرف سے نقض عہد ہے۔ چنانچہ حرث بن ہشام اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کچھ افراد کے ساتھ ابوسفیان کے پاس گئے اور انہوں نے اس سے کہا کہ اس معاملے کو درست کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر اس کی اصلاح نہ ہوئی تو تم کو محمدؐ اور ان کے اصحاب کے سوا کوئی ٹھیک نہ کر سکے گا۔ ابوسفیان نے کہا کہ ہند نے ایک خواب دیکھا ہے جس نے اس کو رنجیدہ اور ہراساں کردیا ہے اور وہ اس کے شر سے ڈر گئی ہے۔ اس نے دیکھا ہے کہ حجون سے خون نکلا اور بہتا رہا یہاں تک کہ خندق پر تھوڑی دیر کے لئے رک گیا اور پھر یہ خون ختم ہوگیا۔ لوگوں نے اس خواب کو برا مانا اور کہا کہ یہ کوئی خرابی ہے۔

ان سب میں یہ طے پایا کہ جلدی سے ابوسفیان، حضرت محمدؐ کے پاس جا کر اس معاملے میں ان سے بات کرے

قبل اس کے کہ بنی خزاعہ آنحضرتؐ سے فوجی مدد طلب کریں۔ ممکن ہے کہ آنحضرتؐ ان کے اور اپنے درمیان معاہدہ کی تجدید فرمالیں اور صلح کی مدت کو بڑھالیں۔ ان کو نبی اکرمؐ کی خدمت میں بنی خزاعہ کے وفد کے جانے کا علم نہ تھا۔ ابوسفیان اپنے غلام کو لے کر نکلا اور یہ دونوں دو سواریوں پر تھے۔ یہ دونوں اپنی چال تیز کئے ہوئے تھے ابوسفیان سمجھ رہا تھا کہ اس واقعے کے بعد جس نے ان لوگوں کے اور نبی اکرمؐ کے مابین معاہدے کو ختم کردیا تھا، وہ پہلا شخص ہے جو مکہ سے باہر جارہا ہے۔

ادھر جب بنی خزاعہ کا وفد آیا تھا تو نبی اکرمؐ اپنے اصحاب سے فرما چکے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان آکر معاہدہ کی تجدید اور مدت صلح کو بڑھانے کی خواہش کرے گا اور جب بنی خزاعہ نے آنحضرتؐ کو اپنے اوپر گزری ہوئی کیفیت سنائی تو آپ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم واپس جاکر وادی میں ادھر ادھر ہو جاؤ۔ جب وہ ابوا کے مقام پر پہنچے تو ادھر ادھر ہوگئے جیسا کہ رسول اللہؐ نے حکم فرمایا تھا۔ چنانچہ ان میں سے کچھ افراد غیر معروف راستے سے ساحل کی طرف چل پڑے اور بدیل بن ام احرم اور ان کے ساتھ کچھ افراد مکہ اور مدینہ کے عام راستے پر روانہ ہوئے۔ یہ لوگ ابوسفیان سے مل گئے جو مدینہ کے لئے اپنا راستا لئے ہوئے تھا۔ جب اس نے ان لوگوں کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ لوگ اس سے پہلے حضرت محمدؐ کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اسی لئے اس نے ان سے کہا کہ تمہارا یثرب کے ساتھ کب سے معاہدہ ہے؟ وہ بولے کہ ہمارا یثرب سے کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ اس کو یقین ہوگیا کہ وہ اس کو چھپا رہے ہیں۔ تب اس نے ان سے کہا کہ کیا تمہارے پاس یثرب کی کچھ کھجوریں نہیں ہیں جو ہم کھا سکیں۔ کیونکہ یثرب کی کھجوریں تہامہ کی کھجوروں سے افضل ہوتی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ جو تم مانگ رہے ہو اس میں سے ہمارے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔ ابوسفیان نے ان پر زور ڈالا اور کہا کہ اے بدیل! کیا تم محمدؐ کے پاس گئے تھے؟ اس نے کہا کہ نہیں بلکہ میں خزاعہ کے علاقے میں اس ساحل کی طرف سے ایک مقتول کے معاملے میں گیا تھا جو اُن کے درمیان تھا۔ چنانچہ میں نے ان کا معاملہ ٹھیک کرادیا۔ اس پر ابوسفیان بولا کہ قسم بخدا! میں نہ جانتا تھا کہ تم چلتی پھرتی سواری ہو اور وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوگئے۔

ابوسفیان پر یہ خوف طاری رہا کہ بدیل اس سے پہلے حضرت محمدؐ کے پاس پہنچ گیا ہوگا۔ اسی لئے وہ ان کے اونٹوں کی قیام گاہ پر پہنچا اور ان کی مینگنیاں توڑ کر دیکھیں تو اس میں اس کو کھجور کی گٹھلیاں ملیں۔ اس طرح اس کو ان کے مقام پر یثرب کی گٹھلیوں کے آثار بھی مل گئے۔ اب تو اس کو یقین ہوگیا کہ وہ لوگ ضرور اس پر سبقت لے گئے ہیں اور اب اس کی کوشش کوئی نتیجہ نہ لائے گی کیونکہ اس سے پہلے خزاعہ اپنے حلیف کے پاس ہو آیا ہے ایسا حلیف جو ظلم کا ساتھ نہیں دیتا خواہ وہ حلف مشرک کی طرف سے مشرک کے خلاف ہو۔ پھر بھی وہ اپنے راستے پر چلتا رہا تاکہ دیکھے کہ شاید اس کو ان مخمصوں سے نجات کا کوئی راستا مل جائے۔

مدینہ پہنچ کر اس نے نبی اکرمؐ سے ملاقات کر کے خواہش کی کہ معاہدہ کی تجدید کردیں اور اس کی مدت میں توسیع کردیں۔ نبی اکرمؐ نے اس سے دریافت فرمایا کہ اے ابوسفیان! کیا تم اسی کے لئے آئے ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا تمہارے نزدیک کوئی واقعہ ایسا ہوا ہے جس کی وجہ سے اس کی ضرورت ہے؟ وہ بولا: معاذاللہ! ہم تو اپنے

موقف پر ہیں اور حدیبیہ کے روز کی صلح میں ہم تغیر یا تبدل نہیں کرتے اور وہ آنحضرتؐ کے پاس سے اٹھ کر اپنی بیٹی رملہ کے پاس گیا جن کی کنیت ام حبیبہ تھی۔ نبی اکرمؐ نے اس سے اس وقت تزویج فرمائی تھی جب وہ حبشہ میں تھی اور اس کا شوہر مر گیا تھا یا باختلاف روایت عیسائی ہوگیا تھا۔ وہ اس فرش پر بیٹھنے لگا جس پر آنحضرتؐ بیٹھا کرتے تھے تو اس کی بیٹی نے اس کو تہہ کر دیا۔ اس پر اس نے کہا: تم اس فرش کو مجھ پر ترجیح دیتی ہو یا مجھ کو اس پر ترجیح دیتی ہو؟ اس نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہؐ کا فرش ہے اور تم ایک نجس اور مشرک شخص ہو۔ اس پر وہ بولا کہ اے ام حبیبہ تم کو میرے بعد برائی لاحق ہوگئی ہے۔ اس نے کہا کہ اللہ نے مجھ کو اسلام کی ہدایت فرمائی ہے جبکہ آپ قریش کے سردار اور اس کے بڑے آدمی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیسے اسلام کو ناپسند کرتے ہیں اور پتھر کی پرستش کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے، نہ کسی چیز سے بے نیاز کرتا ہے۔ تب اس نے اس سے کہا: تم کیسی عجیب ہو؟ چاہتی ہو کہ میں اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دوں اور محمدؐ کے دین کی پیروی کرنے لگوں؟ بعدازاں وہ اس کے سامنے سے بھی اٹھ کھڑا ہوا اور اس کو اس موقف پر غصہ طاری تھا جس کی اسے ایسی شخصیت سے توقع نہ تھی جو اس سے قریب ترین تھی۔

سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ ابوسفیان، حضرات ابوبکر، عمر اور عثمان کے پاس گیا تاکہ نبی اکرمؐ کو تجدید معاہدہ اور توسیع مدت کے لئے راضی کرنے میں ان کی مدد حاصل کرے لیکن اس نے دیکھا کہ وہ لوگ اس کی بات قبول نہیں کر رہے ہیں اور ان لوگوں نے اس غرض سے نبی اکرمؐ کی خدمت میں جانے سے انکار کر دیا۔

تب وہ حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی خدمت میں گیا اور راوی کے خیال کے مطابق ان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ اس کو پناہ دیں جس طرح ان کی بہن زینب نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دی تھی جبکہ وہ مشرک تھا۔ ان بی بی نے اپنے والد بزرگوار کے حضور اس قسم کے معاملات میں دخل دینے سے انکار کر دیا۔ وہ ان بی بی سے اصرار کرتا رہا اور ان کے بیٹوں حسنؑ اور حسینؑ کا وسیلہ بھی اختیار کیا لیکن وہ بی بی اپنے انکار پر قائم رہیں۔

پھر وہ امام علیؑ کے پاس گیا اور ان سے بھی وہی بات کہی جو اس نے دوسروں سے کہی تھی۔ امام علیؑ نے اس سے فرمایا: وائے ہو تجھ پر اے ابوسفیان! رسول اللہؐ نے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ ایسا نہیں کریں گے اور کوئی شخص ان سے ایسی چیز کے بارے میں بات نہیں کرسکتا جو آنحضرتؐ کو ناپسند ہو۔

جب ابوسفیان ان سے بھی مایوس ہوگیا تو اس نے خواہش کی کہ اس کو ایسا مشورہ دیں جو اس کے لئے سودمند ہو۔ اس پر آپ نے اس سے فرمایا کہ میں تم کو صرف یہ رائے دے سکتا ہوں کہ تو لوگوں کے درمیان کھڑا ہو جا اور پناہ طلب کر۔ حالانکہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ بات تم کو کوئی فائدہ دے گی۔

پس ابوسفیان نے باہر نکل کر لوگوں کے ایک گروہ کے روبرو با آواز بلند پکارا کہ میں نے اپنے کو لوگوں کی پناہ میں دیا ہے اور پھر نبی اکرمؐ کی خدمت میں جا کر آنحضرتؐ کو اس کی اطلاع دے دی۔ بعدازاں کہا کہ اے محمدؐ! میں نہیں سمجھتا کہ آپ میری پناہ ٹھکرا دیں گے۔ اس پر آنحضرتؐ نے اس سے کہا کہ تم یہ کہہ رہے ہو؟

ابوسفیان اپنے ناقے پر سوار ہو کر مکہ کی جانب روانہ ہوگیا جہاں سے اس کی غیر حاضری خاصی طویل ہوگئی تھی اور قریش کو خیال ہوگیا تھا کہ وہ ضرور اسلام میں داخل ہوگیا ہے۔ جب وہ مکہ پہنچا اور اپنی بیوی ہند کے پاس گیا تو اس نے اس کو بتلایا کہ اس کے بارے میں کیا کیا قیاس لڑائے گئے۔ پھر اس شخص نے خواہش نفسانی پوری کرنے کے لئے اس سے قربت کی اور بتلایا کہ مدینہ میں اس پر کیا گزری۔ اس نے اس کے سینے پر لات مار کر کہا کہ تو نے قوم کا ایلچی ہونے کا کیسا برا کردار ادا کیا۔ صبح ہونے پر ابوسفیان نے خانۂ کعبہ جاکر دونوں بتوں اساف اور نائلہ کے قریب اپنا سر منڈوایا، ان دونوں کے لئے جانور ذبح کئے اور ان دونوں بتوں کے سروں پر خون مل دیا۔ پھر ان دونوں سے متوجہ ہو کر کہا کہ میں تم دونوں کی پرستش ترک نہ کروں گا تاآنکہ اسی پر مرجاؤں جس پر میرے آباؤ اجداد مرے۔

جب لوگ اس کے پاس جمع ہوگئے تو ان کو اس کے سفر کے متعلق بتلایا اور وہ بات بھی بتلائی جس کا مشورہ امام علیؑ نے اسے دیا تھا۔ تب لوگوں نے اس سے کہا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ نے تمہارے ساتھ کھیل کیا۔ قریش نے اس کو سفر کے دوران بزدل قرار دیا اور کہا کہ اس پر حضرت محمدؐ کی طرف سے ہراس طاری ہوگیا۔ لیکن پھر وہ اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر غور وفکر کرنے لگے کہ آنے والے دنوں میں کیا صورتحال پیش آسکتی ہے؟

جب رسول اللہؐ نے مکہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ ہماری تیاری کرادو لیکن معاملے کو چھپائے رکھنا۔ آپ نے منع فرمایا کہ کوئی مدینہ سے باہر نہ جائے، مبادا آپ کی تیاری کی خبر قریش کو ہو جائے۔ آپ کی خواہش یہ تھی کہ مکہ میں جنگ وقتال کے بغیر فاتحانہ داخل ہوں۔ آپ نے اللہ سے دعا کی کہ قریش نہ کچھ دیکھ پائیں نہ کوئی اطلاع حاصل کر پائیں۔

حضرت ابوبکر اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ سے ملنے گئے تو وہ رسول اللہؐ کے لئے سامان تیار کر رہی تھیں۔ انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہؐ کا کدھر کا ارادہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو نہیں معلوم۔ تب وہ رسول اللہؐ کے پاس گئے۔ آنحضرتؐ نے ان کو بتایا کہ وہ قریش کی طرف کا ارادہ رکھتے ہیں اور آپ نے ان کو ہدایت کی کہ معاملے کو مخفی رکھیں اور اس بارے میں تاکید فرمائی۔ اس پر حضرت ابوبکر نے آنحضرتؐ سے فرمایا کہ کیا ہمارے اور ان کے مابین معاہدہ نہیں ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ انہوں نے ہی عہد کو توڑ دیا ہے اور پھر تاکید فرمائی کہ یہ خبر ہر ایک سے پوشیدہ رکھی جائے خواہ کوئی شخص بھی ہو۔

محدثین کا کہنا ہے کہ کسی کو یہ خیال نہیں گزرا کہ آنحضرتؐ قریش کی طرف کا ارادہ رکھتے ہیں بلکہ آنحضرتؐ کے افعال لوگوں کو خیال دلا رہے تھے کہ آپ قریش کی بجائے ان عربوں کی طرف کا قصد رکھتے ہیں جو اب تک شرک پر قائم تھے جیسے بنی سلیم، ہوازن، ثقیف وغیرہ۔ اس غرض سے کہ کسی کے خیال میں مکہ نہ آنے پائے۔ آنحضرتؐ نے ابوقتادہ کو چند اصحاب کے ایک گروہ کے ساتھ یطن کے مقام پر بھیجا تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ آنحضرتؐ اسی سمت کا ارادہ رکھتے ہیں۔

سیرت نبوی لکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس شدید تحفظ اور حضرت ابوبکر اور آنحضرتؐ کے چند مخصوص صحابہ کے ماسوا

تمام افراد سے چھپائے رکھنے کے باوجود یہ خبر سرکتے سرکاتے حاطب بن بلتعہ تک پہنچ گئی۔ یہ ایک مسلمان تھے۔ انہوں نے ایک خط لکھا جس میں قریش کو رسول اللہؐ کے ارادے سے آگاہ کیا اور وہ خط مدینہ کی ایک عورت کو دیا جس کو یہ خط قریش تک پہنچانے کے عوض خاصا مال دیا۔ اس نے وہ خط اپنی چوٹی میں لپیٹ لیا اور مکہ کی جانب روانہ ہوگئی۔

ادھر رسول اللہؐ پر وحی نازل ہوئی اور جو کچھ حاطب نے کیا تھا آنحضرتؐ کو باخبر کردیا۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے اسی وقت امام علیؑ اور زبیر کو بلا کر حکم دیا کہ قبل اس کے کہ وہ عورت ان دونوں کی دسترس سے باہر ہو جائے یہ تیزی سے اس کی تلاش میں چل پڑیں۔ یہ دونوں جلدی جلدی روانہ ہوگئے یہاں تک کہ اس کو مدینہ سے چند میل دور ذوالحلیفہ پر اس عورت کو جالیا۔ انہوں نے اس کو اتار کر اس کی سواری پر خط کو تلاش کیا لیکن اس کے پاس کوئی چیز نہ ملی۔ تب ان دونوں نے اس سے کہا کہ قسم ہے اللہ کی تو خط نکال کر دے دے ورنہ ہم تجھ کو برہنہ کر ڈالیں گے۔ جب اس نے ان دونوں کی طرف سے سختی دیکھی تو اپنی چوٹیاں کھول کر خط نکالا اور ان دونوں کے حوالے کردیا۔ وہ دونوں یہ خط رسول اللہؐ کی خدمت میں لے گئے۔

محدثین و مؤرخین کے ایک گروہ نے بیان کیا ہے کہ امام علیؑ سے پہلے زبیر نے اس عورت کے پاس پہنچ کر اس سے خط کے متعلق پوچھا۔ اس نے انکار کردیا کہ وہ اپنے ساتھ کوئی چیز لے کر نہیں چلی ہے اور رونے لگی۔ پس وہ اس کے پاس سے واپس آگئے اور امام علیؑ سے کہنے لگے کہ اس عورت کے پاس تو کوئی چیز نہیں ہے۔ چلئے رسول اللہؐ کے پاس چل کر ان کو بتلادیں کہ وہ عورت بے خطا ہے۔

اس پر امام علیؑ نے ان سے کہا کہ مجھ کو رسول اللہؐ نے بتایا ہے کہ اس عورت کے پاس خط ہے اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ وہ اس سے حاصل کروں۔ تم کہتے ہو کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ تب آپ نے اپنی تلوار کھینچی اور اس عورت کی طرف بڑھ کر اس سے کہا کہ قسم بخدا! یا تو خط نکال دے ورنہ میں تجھ کو ننگا کر کے تیری گردن اڑادوں گا۔ اس نے جو یہ دیکھا تو بولی کہ آپ اپنا چہرہ میری طرف سے ہٹا لیجئے۔ جب آپ نے اپنا چہرہ اس کی طرف سے ہٹایا تو اس نے اپنا دوپٹہ کھول کر اپنی چوٹی میں سے خط نکالا اور آپ کے حوالے کردیا۔ آپ وہ لے کر نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو مسجد میں جمع فرمایا یہاں تک کہ مسجد بھر گئی، تب آپ نے ان کے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا: اے لوگو! میں نے اللہ سے دعا مانگی تھی کہ ہماری خبریں قریش سے پوشیدہ رہیں، لیکن تم میں سے ایک شخص نے ایک خط لکھ کر ان کو ہمارے حالات کی خبر پہنچا دی۔ پس وہ خط لکھنے والا کھڑا ہو جائے قبل اس کے کہ وحی اس کی تذلیل کرے۔ اس پر کوئی شخص نہ اٹھا۔

جب نبی اکرمؐ نے اپنی بات دہرائی تو حاطب بن بلتعہ جو اس طرح تھرا رہا تھا جیسے تیز ہوا میں کھجور کی ٹہنی، کھڑا ہو کر بولا کہ یارسول اللہؐ! میں ہی اس خط کا لکھنے والا ہوں اور نبی اکرمؐ کے سامنے عذر کرنے لگا اور کہتا رہا کہ یارسول اللہؐ! میں یقیناً مسلمان ہوں، اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں، میں نے نہ کوئی تغیر کیا ہے نہ تبدیلی، میں ایسا شخص تھا کہ ان لوگوں میں نہ میری اصل ہے نہ رشتہ دار ہیں، ان سب کے سامنے میرے بیوی بچے ہیں، میں نے ان کیلئے یہ کام کیا تھا۔

نبی اکرمؐ نے اس کو مسجد سے نکال دینے کا حکم دیا۔ پس لوگوں نے اس کو دھکے دے دے کر نکال دیا جبکہ وہ نبی اکرمؐ کی طرف مڑ مڑ کر دیکھ رہا تھا اور آنحضرتؐ اس سے کلام نہ فرما رہے تھے۔ پس آنحضرتؐ کو اس پر رحم آ گیا اور آپ نے اس کو مسجد میں واپس بلا کر ہدایت کی کہ ایسا پھر نہ کرے۔

بعض روایات میں واقدی وغیرہ سے روایت ہوا ہے کہ حضرت عمرؓ نے نبی اکرمؐ سے کہا کہ یارسول اللہؐ! مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں؟ رسول اللہؐ ان کی جانب متوجہ نہیں ہوئے۔ جب انہوں نے اپنی خواہش پر اصرار کیا تو واقدی کے مطابق نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ تم کیا سمجھ رہے ہو اے عمر! اللہ نے اہل بدر کو جانچ لیا تھا اور ان سے کہہ دیا تھا کہ جو چاہو کرو۔ میں نے تم کو معاف کر دیا۔[1]

لکھنے والوں کا کہنا ہے کہ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَیْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ۝ ”اے ایمان والو! میرے دشمن یا اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ وہ تمہاری طرف محبت پیش کرتے ہیں حالانکہ جو حق کی طرف سے آیا ہے اس سے انکار کرتے ہیں۔ رسولؐ کو اور تم کو اس بات پر باہر نکالتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لائے ہو۔ اگر تم میری رضا کی خاطر سفر اختیار کرو گے تو تم لوگ ان سے خفیہ محبت کرتے ہو لیکن میں بہتر جانتا ہوں کہ تم کیا پوشیدہ رکھے ہوئے ہو اور کیا ظاہر کر رہے ہو۔ تم میں سے جس کسی نے ایسا کیا ہے وہ یقیناً مناسب راستے سے بھٹک گیا ہے۔“ (سورۂ ممتحنہ: آیت ۱)

لشکر کی تیاری ہو چکی تو نبی اکرمؐ رمضان کے پہلے عشرے میں دس ہزار لڑنے والے مہاجرین و انصار اور ان کے علاوہ دوسرے قبیلوں جیسے کہ اسلم، غفار، مزینہ، جہینہ، اشجع، سلیم وغیرہ کے ساتھ مدینہ سے برآمد ہوئے۔ ان لوگوں کے ساتھ تقریباً ایک ہزار گھوڑے تھے۔ آنحضرتؐ نے مہاجرین کے لئے تین علم لشکر قرار دیئے۔ پس آپ نے امام علیؑ کو ایک علم دیا

۱۔ یہ حدیث ان لوگوں نے گھڑی ہے جو جنگ بدر میں شریک ہونے والے بعض افراد کے بعض جرائم کی پردہ پوشی کرنا چاہتے تھے۔ یہ دین کی منطق کے خلاف ہے کہ اللہ لوگوں کو جرائم اور خلاف حکم افعال کے ارتکاب کرنے پر صرف اس لئے معاف کر دے کہ وہ کسی ایسی جنگ میں شریک ہو جائیں جس کے نتائج اسلام کے مفاد میں ہوں یا اس لئے کہ انہوں نے کوئی نیک یا انسانوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہو۔ ان کے اچھے اعمال کتنے ہی بااثر ہوں، قرآن نے اچھے اعمال کرنے اور برے اعمال کرنے والوں کی حدود اس آیت میں بیان کر دی ہیں: ”فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره.“ جو کوئی ذرہ بھر نیکی کرے گا وہ اس کے سامنے آ جائے گی اور جو کوئی ذرہ بھر برائی کرے گا وہ اس کے سامنے آ جائے گی۔

اور زبیر اور سعد بن ابی وقاص کو ایک ایک علم دیا۔ باقی لوگوں کے لئے علم ہائے لشکر اور علم ہائے جنگ دیئے۔ چنانچہ ہر قبیلے کے ایک ایک فرد کو علم جنگ دیا۔ عباس بن عبدالمطلب اور مخرمہ بن نوفل مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے جبکہ یہ دونوں سمجھ رہے تھے کہ نبی اکرمؐ ابھی تک وہیں ہیں۔ یہ دونوں آنحضرتؐ سے سقیا پر ملے تو عباس اور ان کے ساتھی نبی اکرمؐ کے ساتھ ہو لئے اور عباس نے اپنے اہل خاندان اور سامان کو مدینہ بھیج دیا۔

وہ لوگ جو آنحضرتؐ سے راستے میں ملے اور مدینہ جا رہے تھے، ایک ان کے چچا کے بیٹے اور رضاعی بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب تھے یا بروایتے ان کا نام مغیرہ تھا اور دوسرے ان کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ جن کا نام عبداللہ بن امیہ مخزومی تھا جو جناب ام سلمیٰ کے باپ کی طرف سے بھائی تھے۔ ان دونوں نے رسول اللہؐ سے اجازت طلب کی لیکن آپ نے دونوں کو منع فرمادیا۔ تب جناب ام سلمیٰ نے کہا کہ یارسول اللہؐ! یہ آپ کے چچا کے اور پھوپھی کے بیٹے ہیں اور آپ کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے ان دونوں کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان چچا کے بیٹے نے میری توہین کی۔ آنحضرتؐ کی مراد یہ تھی کہ وہ آپ کی ہجو کیا کرتے تھے اور پھوپھی کے بیٹے وہی ہیں جس نے مجھ کو مکہ میں کیا کچھ نہیں کہا۔ آنحضرتؐ کی مراد، ان کا آنحضرتؐ سے یہ کہنا تھا کہ قسم بخدا! میں آپ پر اس وقت تک ایمان نہ لاؤں گا جب تک آسمان تک ایک سیڑھی لگا کر اس کے ذریعے اس پر چڑھ نہ جائیں اور میں دیکھوں۔ پھر آپ سند لے کر آئیں اور چار فرشتے گواہی دیں کہ اللہ نے آپ کو بھیجا ہے۔

اس پر ام سلمیٰ نے پھر وہی بات کہی اور بولیں کہ یارسول اللہؐ! آپ کے چچا کے بیٹے اور آپ کی پھوپھی کے بیٹے آپ کیلئے بدترین انسان نہیں ہوسکتے۔ تب آنحضرتؐ کے چچا کے بیٹے نے کہا کہ یا تو وہ مجھ کو اجازت دیں ورنہ میں اپنے اس بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر دنیا میں کہیں نکل جاؤں گا یہاں تک کہ بھوکا پیاسا مرجاؤں۔ اس پر نبی اکرمؐ کو ان دونوں پر رحم آ گیا۔

تب امام علیؑ نے ابوسفیان سے کہا کہ نبی اکرمؐ کی خدمت میں ان کے سامنے کی طرف سے آ کر وہی کہو جو حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا تھا: تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا. (قسم بخدا! اللہ نے آپ کو ہم پر غلبہ عطا کیا ہے)۔

تب نبی اکرمؐ نے فرمایا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ. یعنی آج تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔

ابوسفیان نے اپنے کئے پر معذرت کرتے ہوئے جو اشعار پڑھے ان میں یہ بھی تھے:

''تمہاری جان کی قسم ایک وہ دن تھا کہ میں اس لئے علم جنگ اٹھائے ہوئے تھا کہ لات کا لشکر محمدؐ کے لشکر پر غالب آجائے۔ اس وقت میں یقیناً اس حیران شخص کی مانند تھا جس کی رات اندھیری ہوگئی ہو اور ایک یہ وقت ہے کہ مجھ کو ہدایت دی گئی ہے اور میں ہدایت پا گیا ہوں۔''

جب رسول اللہؐ ظہران پہنچے تو عباس بن عبدالمطلب نے کہا کہ کیا برا وقت ہے قریش کے لئے۔ قسم بخدا! اگر محمدؐ ان کے علاقے میں اچانک پہنچ گئے اور مکہ میں زبردستی داخل ہوگئے تو قریش کے لئے تباہی ہی تباہی ہے۔ بعدازاں وہ

رسول اللہؐ کے سفید خچر پر سوار ہو کر اس پر چلتے رہے تا کہ کوئی مکہ کی طرف جانے والا نظر آ جائے اور وہ ان لوگوں کو رسول اللہؐ کی صورتحال سے باخبر کر دیں اور وہ آپ کے پاس آ کر آپ سے امن کی درخواست کریں۔

آنحضرتؐ چل رہے تھے کہ آپ نے ابوسفیان کی آواز سنی۔ اس کو قریش نے بھیجا تھا تا کہ ان کے لئے نبی اکرمؐ کے متعلق خبر معلوم کرے۔ اس کے ساتھ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقہ تھے۔ اس کی آواز عباس بن عبدالمطلب نے سنی تو پکار کر بولے کہ اے ابوسفیان!۔ اس پر ابوسفیان نے ان کو پہچان لیا اور بولا کہ ہاں اے ابوالفضل! میں موجود ہوں۔ تب انہوں نے اس سے کہا کہ وائے ہو تجھ پر یہ رسول اللہؐ دس ہزار لڑاکو جنگجو کے ساتھ صبح صبح تم تک آ پہنچے ہیں۔ اب تو وہ کہنے لگا: میرے ماں باپ فدا ہوں! کیا کوئی طریقہ ہے بچاؤ کا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں اس خچر کے پچھلے حصے پر بیٹھ جاؤ تا کہ میں تم کو رسول اللہؐ کی خدمت میں لے چلوں کیونکہ اگر آنحضرتؐ اس سے پہلے تمہارے اوپر غالب آ گئے تو تم کو ضرور قتل کر دیں گے۔ اس پر اس نے کہا کہ قسم بخدا! میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں۔

جیسا کہ واقدی کی روایت میں ہے کہ عباس بن عبدالمطلب بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس کو اپنے ساتھ خچر پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور مسلمانوں کے لشکر کی سمت چل پڑا۔ ان لوگوں نے رات کو روشنیاں کر لی تھیں۔ جب میں مسلمانوں کے کسی گروہ کی طرف سے گزرتا وہ کہتے کہ ''رسول اللہؐ کے چچا، رسول اللہؐ کے خچر پر ہیں۔'' یہاں تک کہ جب میں ایک ایسے گروہ کی طرف سے گزرا جس میں حضرت عمرؓ بھی تھے تو انہوں نے میرے پیچھے ابوسفیان کو دیکھ لیا اور بولے کہ ابوسفیان اللہ کا دشمن ہے۔ حمد ہے اللہ کی جس نے تجھ کو کسی عہد و پیمان کے بغیر کر دیا ہے اور وہ تیزی سے رسول اللہؐ کی طرف چل دیئے۔ عباس کہتے ہیں کہ میں نے بھی خچر کو تیز چلایا۔ یہاں تک کہ ہم لوگ ایک ساتھ رسول اللہؐ کے خیمے کے دروازے پر پہنچے۔

جب ہم لوگ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ یارسول اللہؐ! یہ ابوسفیان ہے، اللہ نے اس کے متعلق موقع دیا ہے، آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑادوں۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! میں نے اس کو پناہ دی ہے، میں رسول اللہؐ سے اصرار کرتا رہا اور کہا کہ قسم بخدا! آج رات اس سے میرے سوا کوئی اور بات نہ کرے۔ جب حضرت عمرؓ بھی بضد رہے تو میں بولا کہ اے عمر ذرا ٹھہرو، قسم بخدا! اگر یہ شخص بنی عدی بن کعب سے ہوتا تو تم ہرگز ایسا نہ کہتے۔ وہ بولے کہ ذرا ٹھہرو ابوالفضل، قسم بخدا! تمہارا اسلام اس شخص کے اسلام سے اچھا معلوم ہوتا ہے جو خطاب کی اولاد سے ہو۔

نبی اکرمؐ نے ان دونوں کی باہمی گفتگو عباس بن عبدالمطلب سے یہ کہہ کر ختم کی کہ آپ اس کو لے جایئے، ہم نے بھی اس کو پناہ دی، یہ آج رات آپ کے پاس رہے گا صبح ہو جائے تو آپ اسے لیکر میرے پاس آ جائیں۔

چنانچہ جب صبح ہوگئی تو وہ اس کو رسول اللہؐ کی خدمت میں لے کر آ گئے۔ آنحضرتؐ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: وائے ہو تجھ پر اے ابوسفیان! کیا اب بھی وقت نہیں ہے کہ تو جان لے کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے؟ اس نے کہا کہ میرے ماں باپ فدا ہوں، آپ کتنے بردبار اور کتنے سخی ہیں۔ میرے دل میں یہ خیال آ رہا تھا کہ اگر اللہ کے ساتھ کوئی

اور معبود ہوتا تو ہم کو مالدار بنا دیتا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا یہ وقت نہیں آیا کہ تو جان لے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا: میرے ماں باپ فدا ہوں، آپ کتنے بردبار، کتنے سخی اور کتنے عفو کرنے والے ہیں۔ رہی یہ بات تو اس کے بارے میں ابھی تک میرے دل میں کچھ کھٹکا ہے۔

اس پر عباس بن عبدالمطلب نے اس سے کہا: وائے ہو تجھ پر، گواہی دیدے اور کہہ "**لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**" قبل اس کے کہ تو قتل کردیا جائے۔ جیسا کہ واقدی اور طبری وغیرہ کی روایت میں ہے کہ پس اس نے بادل ناخواستہ یہ کلمات شہادت ادا کردیئے کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ موت اس کو ہر لحمہ گھور رہی تھی۔ حالانکہ اس کے ذہن میں آنحضرتؐ کی نبوت کے بارے میں طرح طرح کے شکوک تھے اور یہ شک اس کے ذہن میں مرتے دم تک رہے اور وقتاً فوقتاً اس سے ایسی حرکات ظاہر ہوتی رہتی تھیں جو ثابت کرتی تھیں کہ وہ بدترین مشرک اور اسلام اور اہل اسلام کا شدید ترین دشمن ہے۔ جیسا کہ ہر اس شخص پر عیاں ہو جاتا ہے جو اس شخص کی تاریخ کا اس کے اسلام کا دعویٰ کرنے سے لے کر اس کی زندگی کے آخری سانس تک کا مطالعہ کرے۔

بعدازاں نبی اکرمؐ نے عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا کہ اس کو حطیم کے قریب قید رکھیئے تاکہ الٰہی لشکر اس کی طرف سے گزرے تو یہ اس کو دیکھ لے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! ابوسفیان افتخار پسند ہے، آپ اس کے لئے کوئی ایسی چیز قرار دیجئے جس سے یہ اپنی قوم پر فخر کرسکے۔

اس پر نبی اکرمؐ نے اپنے وہ زندۂ جاوید کلمات ادا فرمائے جو آپ کے اس عظیم دل سے نکلے تھے کہ آج کی دنیا میں ایسا دل کسی انسان میں نہیں ہوتا۔ آپ کے قلب مبارک میں مکہ کے کل باشندوں کے لئے وسعت پیدا ہوگئی۔ حالانکہ وہ وہی لوگ تھے جنہوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ کی توہین کی، آپ کے پیرووں کو تکلیفیں دیں، آپ کو شہر سے نکالا، آپ کے خلاف عربوں کو اکٹھا کر کے آپ کے مقام ہجرت میں آپ پر حملے کئے، آپ کے چچا کے قتل ہونے کے بعد نہایت بری طرح ناک کان وغیرہ قطع کئے، آپ کو ابھی دو سال قبل مناسک حج ادا کرنے کے لئے مکہ میں آنے سے منع کردیا اور آپ کے ساتھ وہ وہ سلوک کئے جن کو عرب کے اصولوں اور عادات میں مناسب نہیں مانا جاتا تھا۔ ابوسفیان اور اس کی بیوی ہند، یہ دونوں تو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھنے میں سب سے زیادہ سخت تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود جب اللہ نے آنحضرتؐ کو ان لوگوں کو غلبہ عطا فرما دیا تو آپ نے ان پر احسان فرمایا اور اپنے حکم سے اعلان کرادیا کہ "جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ امن پائے گا، جو اپنے ہتھیار ڈال دے گا امن پائے گا، جو اپنے گھر میں داخل ہوکر دروازہ بند کرلے گا امن پائے گا۔" جب رسول اللہؐ نے اس کے جذبۂ افتخار پسندی کی تسکین کے لئے اس کو یہ امتیاز عطا فرما دیا تو عباس بن عبدالمطلب اس کو اس مقام پر لے گئے جو رسول اللہؐ نے اس کے لئے معین فرمایا تھا اور جہاں سے اس عظیم لشکر کو گزرنا تھا جس کی نظیر مکہ نے اس سے قبل نہ دیکھی تھی۔

البتہ ابوسفیان کو یہ خیال ہوا کہ نبی اکرمؐ نے اس کے ساتھ ایسا کہیں کسی برے خیال سے تو نہیں کیا ہے؟ کیونکہ

اس کی سرشت میں غداری اور چالبازی تھی اور غدار کا خیال غداری اور غداروں ہی کی طرف جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے عباس بن عبدالمطلب سے کہا کہ کوئی دھوکہ تو نہیں ہے اے بنی ہاشم؟ عباس بن عبدالمطلب نے اس کو جواب دیا کہ اے ابوسفیان! حاملان نبوت دھوکے بازی سے کام نہیں لیتے۔ البتہ آنحضرتؐ نے تم کو ایک ضرورت سے نظر بند کیا ہے۔ اس پر وہ بولا کہ تم نے خود ہی یہ بات ظاہر کر کے مجھ کو کیوں نہ بتلادی تاکہ میرے اندیشے کو پہلے ہی سکون ہو جاتا اور میرا نفس مطمئن ہو جاتا۔

اس کے بعد اس کے پاس سے قبیلے، رسالے اور علم ہائے جنگ یکے بعد دیگرے گزرنے لگے۔ سب سے پہلے بنی سالم کو لئے ہوئے خالد بن ولید گزرے۔ ان لوگوں کے دو علم جنگ تھے، ایک کو عباس بن مرداس اٹھائے ہوئے تھے اور دوسرے کو خفاف بن ندب۔ ایک علم جنگ مقداد بن اسود اٹھائے ہوئے تھے۔ ابوسفیان نے کہا کہ اے ابوالفضلؑ! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ بنی سلیم ہیں اور ان پر خالد بن ولید سردار ہیں۔ جب خالد بن ولید، عباس بن عبدالمطلب اور ابوسفیان کے سامنے پہنچے تو انہوں نے تین مرتبہ تکبیر کہی اور سب لوگوں نے ان کے ساتھ تکبیر کہی۔ اس طرح تمام قبیلے اس کے پاس سے یکے بعد دیگرے گزرتے رہے۔ جب بھی کوئی قبیلہ اس کے سامنے سے گزرتا تین مرتبہ تکبیر کہتا تھا اور ابوسفیان اس کے متعلق پوچھتا اور عباس بن عبدالمطلب اس کو جواب دیتے جاتے تھے یہاں تک کہ سب رسالے گزرتے گئے اور سوائے اس رسالے کے جس میں رسول اللہؐ تھے کوئی اور باقی نہ رہا۔

جب رسول اللہؐ کا رسالہ نمودار ہوا تو بیچ میں شدید سیاہی اور گھوڑوں کے سموں سے غبار بلند ہوا اور آدمی گزرنا شروع ہوئے۔ ابوسفیان، عباس بن عبدالمطلب سے کہہ رہا تھا کہ کیا ابھی تک محمدؐ نہیں گزرے؟ اور عباس بن عبدالمطلب کہہ رہے تھے کہ نہیں۔ وہ لوگ اسی طرح سے گزر رہے تھے اور ابوسفیان تھا کہ کینہ اور دشمنی میں کٹا جارہا تھا کہ اتنے میں رسول اللہؐ ان دونوں کے سامنے نمودار ہوئے۔ آپ اپنے ناقہ ''قصویٰ'' پر سوار حضرت ابوبکر اور اسید بن خضیر کے درمیان میں تھے جو اس کو ہنکا رہے تھے۔ اب عباس بن عبدالمطلب نے اس سے کہا کہ اے ابوسفیان! یہ ہیں رسول اللہؐ اپنے سبز رنگ کے رسالے میں۔ ابوسفیان دیکھ رہا تھا اور کانپ رہا تھا۔ یہ رسالہ مہاجرین و انصار کے بڑے بڑے افراد اور علم ہائے لشکر و جنگ سے اٹا ہوا تھا۔ یہ سب لوگ لوہے میں ڈھکے ہوئے تھے اور آنکھوں کے سوا ان کا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس رسالے میں دو ہزار زرہ پوش تھے۔ رسول اللہؐ کا علم جنگ سعد بن عبادہ انصاری کے پاس تھا اور وہی رسالے کے سردار تھے۔ اس پر ابوسفیان نے عباس بن عبدالمطلب سے کہا: میں نے اس جیسا رسالہ کبھی نہیں دیکھا اور نہ کسی مخبر نے مجھ کو اس کے متعلق خبر دی۔ سبحان اللہ! کسی میں ان لوگوں سے مقابلے کی طاقت نہیں۔ اے ابوالفضلؑ! تمہارا بھتیجا بڑا بادشاہ ہوگیا ہے۔ اس پر عباس بن عبدالمطلب نے اس سے کہا: وائے ہو تجھ پر یہ بادشاہی نہیں ہے بلکہ یہ نبوت ہے۔

جب سعد ان دونوں کے سامنے سے گزرے تو پکار کر بولے کہ اے ابوسفیان! آج خون بہنے کا دن ہے، آج عزت والوں کے قید ہونے کا دن ہے، آج اللہ نے قریش کو ذلیل کیا ہے۔ جب رسول اللہؐ ان دونوں کے سامنے سے گزرے تو آنحضرتؐ سے ابوسفیان سے پکار کر کہا کہ یارسول اللہؐ! آپ نے اپنی قوم والوں کے قتل کا حکم دے دیا ہے کیونکہ

سعد کہہ رہے ہیں کہ ''آج خون بہنے کا دن ہے، آج عزت والوں کے قید ہونے کا دن ہے، آج اللہ نے قریش کو ذلیل کیا ہے۔'' میں آپ کو آپ کی قوم کے بارے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیونکہ آپ انسانوں میں سب سے زیادہ نیک، سب سے زیادہ رحم کرنے والے اور سب سے زیادہ قرابت کا پاس کرنے والے ہیں۔ پھر عبدالرحمٰن بن عوف اور عثمان بن عفان نے کہا کہ یارسول اللہؐ! ہم کو سعد سے امن کی امید نہیں، اگر ان کو قریش میں بالادستی حاصل ہوگئی۔ اس پر رسول اللہؐ نے توقف فرمایا اور پکار کر کہا کہ اے ابوسفیان! آج رحم کرنے کا دن ہے، آج اللہ نے قریش کو عزت بخشی ہے اور پھر آنحضرتؐ نے امام علیؑ کو سعد کے پاس بھیجا کہ ان سے علم شکر لے کر مکہ میں داخل ہوں۔

شرح نہج البلاغہ میں واقدی سے روایت ہے کہ عباس بن عبدالمطلب نے ابوسفیان سے کہا: وائے ہو تجھ پر تم اپنے لوگوں میں پہنچ جاؤ قبل اس کے کہ رسول اللہؐ ان تک پہنچیں۔ پس ابوسفیان تیزی سے چل کر کداء کی طرف سے داخل ہوا اور آواز لگاتا جاتا تھا کہ جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا امن پائے گا، جو کوئی اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کرلے گا امن پائے گا، یہاں تک کہ وہ اپنی بیوی ہند بنت عتبہ کے پاس جا پہنچا۔ اس نے پوچھا: اے ابوسفیان! تمہارے اس طرف کیا حالات ہیں۔ اس نے کہا: کہ محمدؐ! دس ہزار آہن پوش افراد کے ساتھ آپہنچے ہیں اور انہوں نے میرے لئے یہ قرار دیا ہے کہ جو کوئی میرے گھر میں داخل ہوگا وہ امن پائے گا، جو کوئی گھر میں بند ہوجائے گا وہ امن پائے گا اور جو کوئی اپنے ہتھیار ڈال دے گا وہ امن پائے گا۔ اس پر وہ بولی اللہ تمہارا برا کرے کیسے برے ایلچی قوم کے ہو۔ وہ بولتی رہی کہ وائے ہو تم پر جاؤ آنے والوں کو قتل کرڈالو۔ اللہ برا کرے ان آنے والوں کا۔ ابوسفیان کہتا رہا کہ تم اس چیز کے بارے میں دھوکے میں مت رہو کیونکہ میں نے جو افراد، جانور اور اسلحہ دیکھے ہیں کسی میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے۔ محمدؐ دس ہزار لڑنے والوں کے ساتھ آئے ہیں۔ اسلام لے آؤ تب ہی سلامت رہو گی۔

کامل میں مبرد کی روایت ہے کہ وہ اس کے سر سے چمٹ گئی اور لوگوں سے کہنے لگی کہ اس کو قتل کر ڈالو۔ ادھر اہل مکہ میں سے بہت سے افراد ذی طویٰ کی طرف گئے اور رسول اللہؐ اور اس مجمع کو دیکھتے رہے جو آنحضرتؐ کے اردگرد اکٹھا تھا۔ ایک گروہ نے ابوسفیان کے ڈرانے کے باوجود مقابلہ کرنے اور جنگ کے لئے تیاری کرنے پر اصرار کیا، ان میں صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو اور بنی بکر اور بنی ہذیل کے وہ افراد تھے جو اُن سے وابستہ تھے۔ ان سب نے اس کی قسم کھائی جس کی وہ پرستش کرتے تھے کہ محمدؐ مکہ میں لڑ کر داخل نہیں ہوسکیں گے۔

ان جوشیلے لوگوں میں بنی دؤل کا ایک شخص تھا جو حماس بن قیس بن خالد کہلاتا تھا۔ وہ جلدی سے اپنے گھر گیا اور اپنی تلوار اور ہتھیار ٹھیک ٹھاک کرنے لگا۔ اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ اپنے ہتھیار کاہے کے لئے تیار کر رہے ہو؟ وہ بولا کہ (حضرت) محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کے لئے اور میری خواہش ہے کہ ان میں سے ایک خدمتگار تیرے لئے حاصل کرلوں۔ اس پر اس نے اس سے کہا کہ تیرا برا ہو ایسا نہ کرنا، (حضرت) محمدؐ سے جنگ نہ کرنا، قسم بخدا! میں نہیں سمجھتی کہ کوئی (حضرت) محمدؐ اور ان کے اصحاب کا مقابلہ کرسکے گا۔ لیکن اس نے اپنی بیوی کی بات پر توجہ نہ کی اور جلدی جلدی صفوان اور

اس کی جماعت کے ساتھ چل دیا اور لڑنے والوں کے ہمراہ خندمہ کی جانب روانہ ہوگیا جو مکہ جانے والا ایک راستا تھا۔ ادھر نبی اکرمؐ نے خالد بن ولید کو حکم دیا تھا کہ آپ اپنے ساتھ مسلمانوں کو لے کر اسی راستے سے مکہ میں داخل ہو جائیں اور منع کردیا تھا کہ کسی سے اس وقت تک نہ لڑیں جب تک وہ لوگ نہ لڑیں۔ لیکن صفوان نے اپنے ساتھ کے قریش اور ان کے حلیفوں کے افراد کے ہمراہ خالد کو روکا اور ان لوگوں میں شدید لڑائی ہوگئی۔ پہلے ہی حملے میں قریش اور ان کے حلیفوں کے اٹھائیس افراد مارے گئے۔ صفوان اور اس کے ساتھ والے بھاگ پڑے۔ انہی بھاگ جانے والوں میں حماس بن قیس بن خالد بھی تھا۔ وہ تیزی سے خوف میں حواس باختہ اپنے گھر پہنچا اور اندر جاکر دروازہ بند کرلیا۔

تب اس کی بیوی نے اس سے کہا: وہ خدمتگار کہاں ہے جس کا تو مجھ سے وعدہ کرگیا تھا؟ وہ کہنے لگا: وائے ہو تجھ پر (حضرت) محمدؐ ایسا لشکر لے کر آئے ہیں جس کا مقابلہ کرنے کی کسی میں ہمت نہیں ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ جو کوئی اپنے گھر میں داخل ہوکر دروازہ بند کرلے گا وہ امن پائے گا۔ یہ قصہ چھوڑ اور دروازہ بند کرلے۔ وہ بولی: میں نے تجھ سے (حضرت) محمدؐ سے لڑنے کو منع نہیں کیا تھا؟ وہ جب بھی تم سے لڑیں گے تم پر فتح پالیں گے۔

رسول اللہؐ نے مکہ شہر میں چاروں طرف سے داخل ہونے کا منصوبہ بنایا تھا۔ امام علیؑ علم لشکر لئے ہوئے اسی سمت سے داخل ہوئے جس سے نبی اکرمؐ داخل ہوئے۔ جیسا کہ مؤرخین کے ایک گروہ نے صراحت کی ہے۔

کتب سیرت میں ہے کہ نبی اکرمؐ اذاخر کی گھاٹی پر سے دیکھنے لگے تو آپ کو تلواریں چمکتی ہوئی دکھائی دیں۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ کیا میں نے لڑنے سے منع نہیں کیا تھا؟ آپ سے کہا گیا: یارسول اللہؐ! مکہ کے باشندوں کے ایک گروہ نے خالد بن ولید کو داخل ہونے سے روکا اور ان لوگوں نے مسلمانوں پر اپنے ہتھیار چلانا شروع کردیئے۔ اس لئے انہوں نے ان سے جنگ کی اور ان کے کچھ افراد کو قتل کرڈالا۔ اگر یہ نہ ہوا ہوتا تو وہ نہ لڑتے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ کا فیصلہ بہتر ہے۔

رسول اللہؐ اس عظیم گروہ کے ساتھ جو آنحضرتؐ کے پیچھے پیچھے تھا، مکہ میں داخل ہوئے جو شرک کی ایک بڑی پناہگاہ تھا اور وہ زرہ پوش فوجی جو آپ کے چاروں طرف حلقہ کئے ہوئے تھے، اشارے کے منتظر تھے تاکہ ارض مکہ پر کسی چلنے والے کو باقی نہ چھوڑیں۔ اس وقت جب آپ مکہ کے دروازوں پر تھے آپ کے سامنے اس طویل زمانے کی تصویر آگئی، جب تیرہ سال تک آپ سخت مشکلوں سے دوچار رہے تھے اور وہاں سے بے کسی کے عالم میں اس طرح نکلے تھے کہ قتل اور ایذا رسانی کے خوف سے دن میں پہاڑوں کی کھوؤں میں پوشیدہ رہتے اور رات کو سفر کرتے تھے۔

آنحضرتؐ کے سامنے ان تمام تکلیفوں کی تصویر آگئی جو آپ کو دعوت اسلام کی تاریخ کے ان شروع کے برسوں میں لاحق ہوئی تھیں اور آج آپ نے وہاں اپنے کو فاتحانہ واپس آتے ہوئے دیکھا جہاں سے آپ بے کس ہوکر ڈرتے ہوئے ہر طرف دیکھتے ہوئے نکلے تھے۔ آپ کے نزدیک یہ ایک نعمت تھی جس کی برابری کوئی شے نہ کرسکتی تھی اور ایک عزت تھی جس سے آپ کو اللہ نے نوازا تھا اور بجائے اس کے کہ آپ وہاں فاتح کی حیثیت سے کامرانی کے نشے میں داخل

ہوتے، انکساری کے ساتھ ایک شکر گزار بندے کی طرح سر جھکائے ہوئے داخل ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ کی چال میں بھی اللہ کے سامنے انکساری اور اس کے احسان کا اعتراف نمایاں تھا۔

آپ چل رہے تھے کہ آپ کے اصحاب میں سے کسی نے آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! آپ اپنے گھر میں نہیں اتریں گے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر چھوڑا ہے؟ پھر آپ نے ابطح کے مقام پر قیام فرمایا اور آپ کے لئے وہیں ایک خیمہ لگا دیا گیا۔ آنحضرتؐ کے ساتھ آپ کی دو بیویاں ام سلمیٰ اور میمونہ بھی تھیں۔ آپ نے کچھ افراد کے قتل کا حکم دیا جن میں چھ سردار اور چار عورتیں تھیں۔ ایک بیان یہ ہے کہ گیارہ افراد تھے۔

ان ہی میں عبداللہ بن ابی سرح تھا جسے آنحضرت نے کاتب وحی مقرر کیا تھا جیسا کہ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں روایت کی ہے کہ جب قرآن مجید آپ پر نازل ہوتا تھا تو وہ اس کو لکھتا تھا لیکن جو آنحضرتؐ اس کو املا بولتے تھے وہ اس میں تغیر و تبدل کر دیا کرتا اور پھر اپنے منافق ساتھیوں میں جا کر ان سے کہا کرتا تھا کہ میں بھی وہی کہتا ہوں جو (حضرت) محمدؐ کہتے ہیں، قسم بخدا! وہ نبی نہیں ہیں۔ اگر نبی ہوتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ میں کیا کرتا رہتا ہوں۔

رسول اللہؐ کو جب املا لکھنے میں اس کی تحریف کا پتہ چلا تو وہ مکہ بھاگ گیا اور قریش سے مل کر ان کے مجمع ہائے عام میں آنحضرتؐ کو بدنام کرنے اور آپ کا اور قرآن کا مذاق اڑانے لگا۔ وہ ان سے کہا کرتا تھا کہ میں نے اس میں خوب تبدیلیاں کر ڈالی ہیں۔ نبی اکرمؐ مکہ میں داخل ہوئے تو عبداللہ نے حضرت عثمان بن عفان کی پناہ طلب کی کیونکہ وہ ان کا رضاعی بھائی تھا۔ انہوں نے اس کو چھپا لیا۔ بعدازاں انہوں نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے لئے امان طلب کی۔ اس پر رسول اللہؐ کچھ دیر تک خاموش رہے۔ پھر فرمایا کہ ہاں۔ تب حضرت عثمان اس کو لے کر چلے گئے۔ (ان کی خلافت کے دور میں یہ شخص ان کا مقرب ترین بندہ رہا)۔ جب وہ چلا گیا تو رسول اللہؐ نے اپنے گرد موجود افراد سے کہا کہ میں دیر تک خاموش رہا تا کہ تم میں سے کوئی اٹھ کر اس کو قتل کر دیتا۔ ایک انصاری نے کہا کہ آپ ہم میں سے کسی کو اشارہ فرما دیتے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نبی اشارے سے قتل نہیں کرتا۔

ان ہی میں عبداللہ بن خطل تھا۔ اس مسلمان نے اپنے غلام کو قتل کیا اور مرتد ہو کر اپنے شعروں میں نبی اکرمؐ کی ہجو کرنے لگا۔ اس کے قتل کرنے میں سعید بن حرث مخزومی اور ابو برزہ اسلمی شریک رہے۔

ان ہی میں حویرث بن نقید بن وہب بن عبد قصّی تھا۔ یہ نبی اکرمؐ اور آپ کے اصحاب کو ایذائیں دیا کرتا تھا۔ اس کو امام علیؑ نے قتل کیا۔

ان ہی میں مقیس بن خبابہ تھا۔ جس کے ایک بھائی ہشام کو غزوۂ ذی قرد میں ایک انصاری نے غلطی سے قتل کر دیا تھا کیونکہ وہ اس کو دشمنوں میں سے سمجھے تھے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے اس شخص کو اس کا خون بہا دیدیا تھا۔ پھر اس نے اپنے بھائی کے قاتل کو قتل کر ڈالا اور مرتد ہو کر قریش کی طرف واپس چلا گیا۔ اس کو نمیلہ بن عبداللہ نے قتل کر دیا۔

ان ہی میں عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ یہ مکہ میں نبی اکرمؐ کے داخل ہونے کے بعد یمن بھاگ گیا تھا۔ اس کی بیوی

ام حکیم بنت حارث بن ہشام نے آ کر اسلام قبول کیا اور اپنے شوہر کے لئے امان طلب کی۔ نبی اکرمؐ نے اس کو امان دیدی تب وہ اس کو تلاش کر کے رسول اللہؐ کی خدمت میں لائی۔ نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم لوگ اس کے باپ کو برا نہ کہنا کیونکہ میت کو برا کہنا زندہ کو ایذا دیتا ہے اور بات میت تک نہیں پہنچتی۔ جب وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کی طرف بڑھ کر اپنی ردا اس کے دوش پر ڈالی۔ پھر بیٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا۔ عکرمہ اپنی بیوی کے ساتھ آنحضرتؐ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور بولا کہ اے محمدؐ! اس عورت نے مجھ کو بتلایا ہے کہ آپ نے مجھ کو امان دیدی ہے۔ آپ نے فرمایا: اس نے سچ کہا ہے تم امان میں ہو۔ تب عکرمہ نے کہا کہ آپ مجھ کو کاہے کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس کی کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اور تم نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو۔ اس کے بعد آنحضرتؐ اس کو اسلام کے اصول اور فروع گناتے رہے۔ عکرمہ نے عرض کیا: آپ نے جس چیز کی طرف دعوت دی وہ حق ہے اور نیکی ہی نیکی ہے اور آپ تو ہم کو اس کی دعوت دینے سے قبل بھی ہم لوگوں میں، قول میں سب سے زیادہ راست گو اور نیکی میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ پھر وہ اسلام لے آیا اور اپنے پچھلے اعمال پر آپ سے معذرت کی۔ نبی اکرمؐ نے اس کا عذر قبول فرما کر اس کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

ان ہی میں وحشی تھا جس نے جنگ احد میں حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا۔ وہ بھی نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالب امان ہوا۔ آنحضرتؐ نے قبول فرمالیا۔ البتہ آپ نے اس سے کہا کہ اپنے چہرے کو میرے سامنے سے پوشیدہ کر لے کیونکہ میں اپنے چچا کے قاتل کو دیکھنا گوارا نہیں کرتا ہوں۔ چنانچہ اس کے بعد سے وہ نبی اکرمؐ کے سامنے نہیں آیا اور شام کا علاقہ فتح ہونے کے بعد تک زندہ رہا۔ جیسا کہ مؤرخین کے ایک گروہ کا بیان ہے وہ حمص میں نشے کی حالت میں مرا۔

ان ہی میں کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی تھا۔ یہ شاعر تھا اور نبی اکرمؐ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ یہ مکہ سے بھاگ گیا۔ آخر میں نبی اکرمؐ نے اس کو معاف کردیا اور اس نے ایک قصیدے میں آپ کی مدح فرمائی جو کافی مشہور ہوا۔

ان ہی میں ہبّار بن اسود تھا جس نے آپ کی بیٹی کو جب وہ مدینہ کے راستہ میں تھی اتنا ڈرایا کہ اسکا حمل ساقط ہو گیا۔

ان ہی میں عبداللہ ابن ابی ربیعہ اور بنی مخزومہ کا حرث بن ہشام تھا۔ یہ دونوں ام ہانی بنت ابی طالبؑ کے گھر گئے اور ان سے طالب پناہ ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے ان کو پناہ دیدی۔ جس وقت یہ دونوں ان کے پاس تھے تو وہاں امام علیؑ بھی پہنچ گئے جن کا چہرہ خود میں چھپا ہوا تھا۔ اس لئے وہ ان کو پہچان نہ سکیں اور ان سے بولیں کہ میں رسول اللہؐ کے چچا کی بیٹی ام ہانی ہوں۔ اس پر انہوں نے اپنے چہرے کو کھول دیا اور ان بی بی نے ان کو گلے سے لگا لیا۔ جب امام علیؑ نے ان دونوں کو دیکھا تو ان پر تلوار کھینچ لی۔ تب ان بی بی نے ان سے کہا کہ آپ میرے بھائی ہیں، میرے ساتھ یہ نیکی کریں اور انہوں نے ان دونوں کی طرف بڑھ کر ان پر ایک کپڑا ڈال دیا۔ تب امام علیؑ نے ان بی بی سے کہا کہ کیا تم مشرکوں کو پناہ دے رہی ہو؟ ام ہانی، امام علیؑ اور ان دونوں کے درمیان حائل ہو گئیں اور بولیں کہ اگر آپ ان دونوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ساتھ مجھ کو بھی قتل کر دیجئے۔ اس پر وہ ان دونوں کو چھوڑ کر چلے گئے۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ ان بی بی نے بیان کیا کہ جب میرے بھائی علیؑ میرے گھر سے چلے گئے تو میں نے ان دونوں کو اپنے گھر میں بند کرلیا اور ان سے کہا کہ ڈرو نہیں۔ پھر میں مقام بطحا میں رسول اللہؐ کے خیمے پر گئی، لیکن ان کو وہاں نہ پایا۔ وہاں میں نے حضرت فاطمہؑ کو پایا۔ میں نے ان سے وہ سب بیان کیا جو میرے حقیقی بھائی علیؑ نے میرے ساتھ کیا تھا۔ میں نے اپنے دو مشرک رشتہ داروں کو پناہ دی تھی لیکن وہ ان پر جھپٹ پڑے تا کہ ان کو قتل کردیں۔ اس پر فاطمہؑ نے مجھ پر علیؑ سے زیادہ سختی کی۔ میں ان سے باتیں کر ہی رہی تھی کہ رسول اللہؐ تشریف لے آئے۔ آنحضرتؐ نے مجھ کو دیکھا تو فرمایا کہ ام ہانی خوش آمدید۔ میں نے آنحضرتؐ سے وہ بیان کردیا جو علیؑ نے میرے ساتھ کیا تھا کہ میں نے اپنے دو مشرک رشتہ داروں کو پناہ دی تھی تو وہ ان کو قتل کرنے کے لئے ان پر جھپٹ پڑے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ جس کو تم نے پناہ دی اس کو ہم نے پناہ دی۔ میں نے آنحضرتؐ سے یہ سنا تو ان دونوں کے پاس واپس گئی اور ان کو رسول اللہؐ کی کہی ہوئی بات کی اطلاع دے کر کہا کہ اگر تم دونوں چاہو تو میرے پاس ٹھہرو یا اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ یہ تم کو اختیار ہے۔ چنانچہ وہ دو روز تک میرے پاس ٹھہرے رہنے کے بعد اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

وہ عورتیں جن کا خون آنحضرتؐ نے جائز قرار دیدیا تھا، یہ تھیں: ہند بنت عتبہ اور بنی ہاشم کی آزاد کردہ کنیز سارہ، یہ مکہ میں گانے والی اور بین کرنے والی تھی۔ اس نے بدر و احد کے بعد مدینہ جا کر رسول اللہؐ کی خدمت میں اپنی حاجت بیان کی تھی۔ آنحضرتؐ نے اس سے کہا کہ تجھ کو جو کچھ گانے سے اور بین کرنے سے ملتا ہے وہ تیرے لئے کافی ہوگا۔ تب اس نے کہا کہ جب سے قریش کے افراد قتل ہوئے ہیں انہوں نے گانا سننا چھوڑ دیا ہے۔ رسول اللہؐ نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور اس کے لئے ایک اونٹ کھانے سے لدوایا اور اس کے ساتھ کردیا۔ چنانچہ وہ مکہ پاس واپس چلی گئی اور اس کے بعد قریش اس کے پاس جمع ہونے لگے اور وہ ان کے لئے رسول اللہؐ کی ہجو گانے لگی۔

اور ابن خطل کی دو کنیزیں جن کے نام قریبہ اور فرتنا تھے۔ یہ دونوں رسول اللہؐ کی ہجو گایا کرتی تھیں، قریبہ قتل ہوگئی اور فرتنا بھاگ گئی۔ بعد میں رسول اللہؐ نے اس کو معاف فرمادیا اور وہ حضرت عثمان کی خلافت کے آخر تک زندہ رہی۔

مردوں میں جن کے قتل کا حکم آنحضرتؐ نے دیا تھا چار افراد کے سوا کوئی قتل نہیں ہوا۔ باقی کو آپ نے معاف کردیا۔

اب رسول اللہؐ نے غسل فرمانے اور نماز ادا کرنے کے بعد اپنی سواری طلب فرمائی۔ چنانچہ سواری درخیمہ کے قریب لگادی گئی جو آپ کے لئے حجون پر نصب کیا گیا تھا۔ آنحضرتؐ وہاں سے برآمد ہوئے تو آپ ہتھیار لگائے ہوئے تھے اور آپ کے سر پر آہنی کلاہ تھی۔ وہاں آئے ہوئے لوگ آنحضرتؐ کے برآمد ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ آنحضرتؐ سوار ہو کر لوگوں کے ساتھ چلے اور سعید بن عاص کے جو ابواحیحہ کہلاتا تھا گھر کے مقابل سے گزرے۔ وہاں اس کی لڑکیاں نکل آئیں جو اپنے بال بکھرائے ہوئے تھیں۔ انہوں نے گھوڑوں کے منہ پر دوپٹے مارے، جس پر رسول اللہؐ مسکرا دیئے۔ اس وقت ایک آدمی نے جو آنحضرتؐ کے پہلو میں تھا، حسان بن ثابت کا یہ شعر پڑھا:

''عورتوں کے دوپٹے مارنے سے ہمارے گھوڑوں کو پسینہ آنے لگتا ہے۔''

جب آنحضرتؐ خانۂ کعبہ پہنچ گئے تو آپ نے سواری سے اتر کر رکن کو بوسہ دیا۔ پھر آپ نے تکبیر کہی اور مسلمانوں نے بھی آپ کی تکبیر پر تکبیر کہی یہاں تک کہ مکہ گونج اٹھا۔ رسول اللہؐ نے سب کو اشارہ کیا کہ خاموش ہو جائیں جبکہ مشرک پہاڑوں پر سے دیکھ رہے تھے۔ پھر آنحضرتؐ نے اپنی سواری پر خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔ اس کی مہار محمد بن مسلمہ پکڑے ہوئے تھے۔ کعبہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت سیسے سے جڑے ہوئے تھے ان میں ہبل سب سے بڑا تھا جو دروازے کے سامنے آویزاں تھا۔ اساف اور نائلہ بھی جہاں لوگ جانور ذبح کرتے تھے وہاں رکھے تھے۔ جب آنحضرتؐ کسی بت کے سامنے سے گزرتے تو اپنی چھڑی سے جو آپ کے ہاتھ میں تھی مارتے اور فرماتے: جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل کان زهوقا ''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے والا ہی تھا۔'' اس پر بت منہ کے بل گر پڑتا تھا۔

پھر آنحضرتؐ نے ہبل کے بارے میں حکم فرمایا اور وہ توڑ ڈالا گیا اور آپ اس پر کھڑے ہوگئے، تب زبیر نے ابوسفیان سے کہا کہ اے ابوسفیان ہبل توڑ ڈالا گیا۔ احد کے روز تم کیسے گھمنڈ میں تھے اور اس وقت سمجھ رہے تھے کہ اس نے تم پر نعمت نازل کی ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ اے ابن عوام چھوڑو اس بات کو اگر محمدؐ کے اللہ کے ساتھ ایک دوسرا معبود بھی ہوتا تو معاملہ کچھ اور ہی ہوتا۔ بعدازاں نبی اکرمؐ خانۂ کعبہ کے ایک جانب بیٹھ گئے اور آپ نے کو عثمان بن طلحہ کے پاس بھیجا کہ ان سے کعبہ کی کنجی لے آئے۔ یہ کنجی ان کی ماں کے پاس تھی۔ انہوں نے اپنی ماں سے کہا کہ رسول اللہؐ نے کعبے کی کنجی منگوائی ہے۔ وہ بولی کہ میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اس امر سے کہ تیرے ذریعے سے قوم کی یادگار چیز ان کے ہاتھ میں چلی جائے اور کنجی ان کو دینے سے انکار کردیا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ قسم ہے اللہ کی یا تو تم یہ مجھ کو دیدو ورنہ کوئی اور آکر تم سے لے لے گا۔ اس پر اس نے وہ ان کو دیدی اور انہوں نے وہ لاکر نبی اکرمؐ کو دیدی۔ جب نبی اکرمؐ نے وہ حاصل کرلی تو عباس بن عبدالمطلب نے ہاتھ پھیلا کر کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یارسول اللہؐ! آپ دونوں کام حجاج کی سقائی اور خانۂ کعبہ کی دیکھ بھال ہم ہی کو سپرد فرما دیجئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں آپ کو وہ دوں گا جو آپ کو مطمئن کردے اور وہ نہ دوں گا جس سے آپ استحصال کرسکیں۔ آنحضرتؐ نے حکم فرمایا کہ خانۂ کعبہ کھولا جائے۔ چنانچہ وہ کھولا گیا اور آپ اندر تشریف لے گئے۔ اس کے اندر کی طرف دیواروں پر شکلیں اور تصویریں بھری پڑی تھیں۔ جو لوگ آنحضرتؐ کے ساتھ تھے آپ نے ان کو حکم دیا کہ کوئی شکل یا تصویر نہ چھوڑیں سب کو ضائع کردیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ اس میں بنفس نفیس شریک ہوئے اور آپ نے ایک بالٹی میں پانی اور کپڑا منگوا کر کپڑے کو پانی میں بھگولیا اور تصویروں کو رگڑتے رہے یہاں تک کہ ان کو ایک ایک کر کے مٹا ڈالا۔ لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کو ایک بوڑھے کی شکل میں تیروں سے فال نکالتے دکھایا تھا۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ اور آپ کے ساتھ بلال بن رباح، اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ اس کے اندر بند رہے اور اللہ کی مرضی تک وہیں مقیم رہے تا آنکہ جب سب شکلیں اور تصویریں جو وہاں تھیں زائل ہوگئیں اور آنحضرتؐ نے وہاں نماز ادا فرمائی تب آپ وہاں سے باہر تشریف لائے اور دروازہ کا بازو تھام کر لوگوں کی طرف دیکھا۔

آپ کے ساتھ اس کی کنجی تھی اور اہل مکہ آپ کے سامنے کھڑے تھے، کچھ زمین پر بیٹھے تھے، تب آنحضرتؐ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ، اَلَا اِنَّ كُلَّ مَاْثِرَةٍ اَوْ دَمٍ اَوْ رِبًا فِی الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ تَحْتَ قَدَمِیْ هَاتَيْنِ، اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ تَعْظُمُهَا بِالْآبَاءِ، اَلنَّاسُ لِآدَمَ وَ آدَمُ مِنْ تُرَابٍ. یعنی حمد ہے اللہ کی جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اس نے اپنے بندے کو کامیابی عطا کی اور ساری جماعتوں کو شکست دی۔ آگاہ ہو جاؤ کہ زمانہ جاہلیت کی تمام یادگاریں، خون، سود، سب میرے ان قدموں کے نیچے ہیں۔ اللہ نے جاہلیت کا غرور اور اپنے آباؤاجداد پر فخر کے تصور کو ختم کر دیا ہے۔ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

یَاۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۝ ”اے لوگو! ہم نے تم کو نر اور مادہ سے پیدا کیا ہے اور تم کو قوموں اور قبیلوں میں قرار دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک تم میں سب سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ صاحب تقویٰ ہے۔“ (سورۂ حجرات: آیت ۱۳)

پھر آنحضرتؐ نے اپنی گفتگو کا رخ اہل مکہ کی جانب دوبارہ فرمایا اور آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں اور تم کیا سمجھ رہے ہو؟ وہ لوگ بولے کہ آپ سخی بھائی ہیں اور سخی بھائی کے بیٹے ہیں۔ اب آپ صاحب اقتدار ہوگئے ہیں اور ہمارا معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ ”آج تم سے کوئی باز پرس نہیں ہے، اللہ تم کو بخش دے، وہ سب رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“ جاؤ تم سب آزاد ہو، اس عام اعلان کے بعد اہل مکہ کو اپنی حیثیت کے بارے میں اطمینان ہوگیا کیونکہ اس سے پہلے وہ آنحضرتؐ کے قبضے اور آپ کے قدموں کے نیچے تھے اور سب کی زندگی اس ایک جملے پر منحصر تھی جو آنحضرتؐ ان ہزاروں اسلحہ پوش افراد سے فرما سکتے تھے جو اُن سب کو چند لمحوں میں نیست و نابود کر سکتے تھے۔ لیکن آنحضرتؐ تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اسی لئے آپ نے ان سب کو معاف فرما کر تمام دنیا کے لئے، نیز ہر دور اور ہر زمانے کی انسانی نسلوں کے لئے رحم اور عفو کی اور کینہ اور انتقام سے دست کش رہنے کی مثال قائم کر دی۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے عثمان بن طلحہ کو بلوایا جو ہجرت مدینہ سے پہلے جب آپ سے ملے تھے تو آپ نے کعبہ کی کنجی ان کے ہاتھ میں دیکھ کر اس روز فرمایا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ ایک روز تم یہ کنجی میرے ہاتھ میں اس طرح دیکھو کہ اسے میں جس کو چاہوں دے سکوں گا۔ پس عثمان نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ اب تو قریش برباد اور ذلیل ہوگئے ہیں۔ نبی اکرمؐ نے جواب دیا کہ وہ آباد ہوگئے ہیں اور معزز ہوگئے ہیں۔ پس جب آپ نے فتح مکہ کے دن ان کو بلایا تاکہ ان کو کعبے کی کنجی حوالے کریں تو ان سے فرمایا کہ کیا تم وہی نہیں ہو کہ میں نے تم سے ایسے ایسے کہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ جی ہاں

یارسول اللہ! اور آنحضرتؐ نے کعبے کی کنجی ان کے سپرد کر کے فرمایا کہ اے بنی طلحہ یہ کنجی لو ہمیشہ ہمیشہ تمہارے پاس رہے گی۔ ظالم کے سوا اسے تم سے کوئی نہیں لے گا۔ چنانچہ ان کے بعد کعبے کی مجاورت ان کے بھائی شیبہ کو ملی اور ان کے بعد وراثتاً ان کی اولاد کو ملتی رہی۔

ابھی کعبہ کی کنجی آنحضرتؐ کے دست مبارک ہی میں تھی کہ آپ نے اپنے اردگرد کے لوگوں سے فرمایا عمر بن خطاب کو میرے پاس بلا لاؤ۔ جب وہ آپ کی خدمت میں آئے تو نبی اکرمؐ نے ان سے فرمایا کہ یہ ہے وہ جس کا وعدہ میں نے تم لوگوں سے کیا تھا۔ اس سے آنحضرتؐ کا اشارہ حدیبیہ کے روز حضرت عمرؓ کے طرزِ عمل کی طرف تھا کیونکہ حدیبیہ کے سال سے پہلے نبی اکرمؐ نے لوگوں سے وعدہ کیا تھا وہ مکہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوں گے۔ جب حدیبیہ کے سال میں قریش نے مصالحت کر لی اور آنحضرتؐ مدینہ واپس ہو گئے تو حضرت عمرؓ کو آنحضرتؐ کی نبوت میں پس و پیش اور شک ہوا اور انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ کیا آپ نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم فاتحانہ داخل ہوں گے، آپ کا وہ وعدہ کہاں ہے؟ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ تم اسی سال داخل ہو گے؟ تب انہوں نے کہا کہ نہیں۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہم انشاء اللہ داخل ہوں گے۔ اس طرزِ عمل کے پیش نظر جب کعبہ کی کنجی آنحضرتؐ کے دست مبارک میں تھی تو آپ نے ان کو بلوا کر بتلایا کہ یہ ہے جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کیونکہ اس وقت حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا تھا کبھی شک نہ کیا تھا سوائے اس وقت کے جب ہم حدیبیہ سے واپس آ گئے اور مکہ میں داخل نہ ہوئے کیونکہ نبی اکرمؐ نے ہم سے اس میں داخل ہونے کا وعدہ فرمایا تھا حالانکہ ایسا ہوا نہیں۔

نماز ظہر کا وقت ہوا تو رسول اللہؐ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ کعبے کی چھت پر جا کر اذان کہیں۔ جب انہوں نے اذان شروع کی اور اس فقرے پر پہنچے کہ **اشھد ان محمد رسول اللہ** تو انہوں نے اپنی آواز جتنا زیادہ سے زیادہ ممکن تھا بلند کر لی، تب قریش کے کچھ لوگ کہہ اٹھے کہ کاش! ہم آج سے پہلے مر گئے ہوتے، تو بلالؓ کو کعبہ کے اوپر سے (نعوذ باللہ) گدھے کی طرح چلاتے ہوئے نہ سنتے۔

دوسرے لوگوں نے بھی ایسی باتیں کیں جن سے ان کی آنحضرتؐ سے دشمنی عیاں ہوتی تھی۔ پس جیسا کہ شرح نہج البلاغہ میں ہے کہ آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوئی جس نے آنحضرتؐ کو ان لوگوں کی باتوں سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ شرح نہج البلاغہ میں اور اس کے علاوہ سیرت کی دوسری کتابوں میں ہے کہ سہیل بن عمرو نے بیان کیا کہ جب حضرت محمدؐ مکہ میں داخل ہوئے تو میں نے اپنے گھر کے اندر جا کر اس کا دروازہ بند کر لیا اور اپنے بیٹے سے کہا جو بہت پہلے سے ایمان لے آیا تھا کہ محمدؐ سے میرے لئے امان طلب کرو کیونکہ مجھ کو اپنے لئے امان محسوس نہیں ہوتی کیونکہ میں نے جس کسی کو بھی ان کے ساتھ برا سلوک کرتے دیکھا اس کے ساتھ شریک ہو گیا اور میں قریش کے ساتھ بدر و احد میں موجود رہ چکا ہوں۔ عبداللہ نے جا کر آنحضرتؐ سے امان طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ وہ امن سے رہیں گے۔ پھر آپ نے اپنے اردگرد کے افراد کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی سہیل سے ملے تو ان کی طرف تیز نظر سے نہ دیکھے کیونکہ سہیل صاحب عقل و شرف ہے

اور اس جیسا شخص اسلام سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔ پس عبداللہ نے جا کر اپنے باپ کو رسول اللہؐ کی کہی ہوئی بات بتلادی۔ اس پر سہیل نے کہا کہ قسم بخدا وہ کمسنی میں بھی نیک تھے اور بڑے ہو کر بھی۔ پھر تو وہ اپنے گھر سے نکل کر مکہ میں گھومتے پھرے اور کسی نے ان کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا اور وہ نبی اکرمؐ کے ساتھ جنگ حنین میں شریک ہوئے۔

رسول اللہؐ خانۂ کعبہ سے صفا اور مروہ کی طرف تشریف لے گئے اور بیٹھ کر اللہ سے دعا فرمانے لگے اور خدا کی طرف رجوع کرتے رہے۔ انصار نے آپ کو بیٹھے ہوئے اللہ سے دعا کرتے اور اس کا شکر ادا کرتے دیکھا تو ان کو خیال ہوا کہ آنحضرتؐ مکہ فتح کر لینے کے بعد مدینہ کو چھوڑ کر مکہ ہی کو اپنا وطن قرار دے لیں گے۔ یہ لوگ اس پر آپس میں گفتگو کرنے لگے اور ان باعث ترجیح امور کا ذکر کرنے لگے جن کے خیال سے نبی اکرمؐ مکہ کو اختیار اور مدینہ کو ترک کرنے والے تھے۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہو گیا کہ ان میں کیا معاملہ چل رہا ہے۔ پس دعا سے فارغ ہوئے تو آپ نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ معاذاللہ زندگی تمہاری زندگی ہے اور موت تمہاری موت ہے۔ یعنی میری زندگی اور موت دونوں تمہارے ساتھ وابستہ رہیں گی۔ اس پر انصار مطمئن ہو گئے کہ رسول اللہؐ کسی کو اُن پر ترجیح نہ دیں گے۔

نبی اکرمؐ خانۂ کعبہ واپس آ گئے اور اہل مکہ آپ کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ یہ لوگ گروہ در گروہ اسلام پر آپ کی بیعت کر رہے تھے مرد بھی اور عورتیں بھی۔ سوائے ان تھوڑے سے افراد کے جو قتل کے خوف سے مکہ سے نکل گئے تھے۔ لوگ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ کہہ کر رسول اکرمؐ کے دست مبارک پر بیعت کر رہے تھے۔

آپ کی خدمت میں ایک شخص بیعت کے لئے آیا تو اس کو تھرتھری اور خوف طاری ہو گیا۔ رسول اللہؐ نے اس کی طرف مہر و محبت کی نظر ڈالی اور اس سے فرمایا کہ مت ڈرو، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں بھی ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو مکہ میں خشک گوشت کے قتلے کھاتی تھی۔

مردوں کی بیعت ختم ہوئی تو عورتیں بیعت کے لئے بڑھیں۔ آنحضرتؐ نے ان سے بیعت لینے کا طریقہ یہ رکھا تھا کہ آپ کے سامنے ایک برتن میں پانی رکھ دیا گیا۔ جب عورتیں اسلام قبول کرتیں تو آنحضرتؐ پانی میں اپنا ہاتھ ڈال کر نکال لیتے پھر عورتیں اپنا ہاتھ اس میں ڈالتیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ اپنا ہاتھ ایک کپڑے پر رکھ دیتے تھے اور شہادتین کا اقرار کرنے کے بعد عورتیں اپنے ہاتھ اس کپڑے پر پھیرتی تھیں۔ آپ ان سے یہ شرط کرتے تھے کہ وہ اللہ کے ساتھ کوئی چیز شریک نہیں کریں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، کسی پر اپنی طرف سے گھڑ کر بہتان نہیں لگائیں گی اور کسی نیک کام میں آپ کی خلاف ورزی نہیں کریں گی۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ جس بہتان سے ان کو روکا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بعض عورتیں کہیں سے بچہ اٹھا لاتیں اور شوہر سے کہتیں کہ میرا یہ بچہ تم سے ہے۔

ہند بنت عتبہ ان ہی عورتوں میں تھی جنہوں نے بیعت کی لیکن آنحضرتؐ نے اس کو پہچانا نہیں تھا۔ جب آپ نے فرمایا: وَلَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ ''اور اللہ کے ساتھ شرک نہیں کریں گی۔'' تو اس نے کہا: بخدا! آپ ہم سے اس امر پر بیعت لے

رہے ہیں جس پر آپ نے مردوں سے لی۔ ہم اسی پر آپ کو بیعت دیتے ہیں۔

جب آنحضرتؐ نے فرمایا: وَلاَ یَسْرِقْنَ ''اور چوری نہیں کریں گی۔'' تو اس نے کہا: ابوسفیان کنجوس آدمی ہے وہ مجھ کو اتنا بھی نہیں دیتا جو مجھ کو اور میرے بچوں کے لئے کافی ہو۔ بعض مرتبہ میں اس سے لے لیتی اور اس کو علم نہیں ہوتا تھا۔

تب آنحضرتؐ نے فرمایا: تم ہند ہو؟ وہ بولی: ہاں! میں ہند ہوں، جو کچھ مجھ سے اس سے پہلے سرزد ہوا اس سے درگزر کیجئے، اللہ آپ کو معاف کرے گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اتنا لیا کر جو تیرے لئے اور تیرے بچوں کے لئے پورے طور پر کافی ہو جائے۔

پھر آپ نے فرمایا: وَلاَ یَزْنِیْنَ ''اور زنا نہیں کریں گی۔'' تو کہنے لگی: یارسول اللہؐ! کیا کوئی آزاد عورت بھی زنا کرتی ہوگی؟ اس پر قریش کا ایک شخص جس کے اس کے ساتھ زمانۂ ماقبل اسلام میں تعلقات رہے تھے ہنس پڑا جیسا کہ سیرت کی بعض کتابوں میں آیا ہے۔

جب آنحضرتؐ نے فرمایا: وَلاَ یَقْتُلْنَ اَوْلاَدَھُنَّ ''اور اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گی۔'' تو اس نے کہا: ہم نے ان کو بچپنے سے پالا اور بڑے ہونے پر آپ نے ان کو قتل کر ڈالا۔

اور جب آنحضرتؐ نے فرمایا: وَلاَ یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ ''اور نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔'' تو اس نے کہا: ہم یہاں اس لئے تو آکر نہیں بیٹھے ہیں کہ آپ کی نافرمانی کریں۔

جس طرح آنحضرتؐ نے ہند اور اس جیسے بڑے بڑے جرم کے مرتکبوں کو معاف کر دیا، اسی طرح آپ نے صفوان بن امیہ کو معاف فرما دیا۔ یہی شخص اور ایک گروہ اس سمت پر متعین تھے جس طرف سے خالد بن ولید داخل ہوئے تھے۔ پھر مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے یہ بھاگ پڑا تھا اور اپنے غلام یسار سمیت مکہ سے جان بچا کر بھاگ گیا تھا۔ اس کے لئے امان طلب کرنے کے لئے نبی اکرمؐ کی خدمت میں عمیر بن وہب آیا اور نبی اکرمؐ نے اس کی خواہش قبول کر کے اس کو معاف کر دیا۔

لیکن صفوان کو عمیر بن وہب کے کہنے سے اطمینان نہیں ہوا اور اس نے کہا کہ نبی اکرمؐ کے پاس ہے کوئی ایسی نشانی لائے جس سے وہ مطمئن ہو جائے۔ عمیر نے نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر صفوان کی خواہش پیش کی۔ آپ نے اس کو اپنا وہ عمامہ دیدیا جس میں آپ مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ عمیر وہ عمامہ لے کر چلتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ میں تیرے پاس ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں جو سب سے زیادہ اچھا ہے، سب سے زیادہ نیک ہے، سب سے زیادہ بردبار ہے، ان کی بزرگی تیری بزرگی ہے، ان کی عزت تیری عزت ہے، ان کا ملک تیرا ملک ہے، انہوں نے تیرے پاس اپنی وہ چادر بھیجی ہے جس میں وہ مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ صفوان اس کے ساتھ رسول اللہؐ کی خدمت میں آیا۔ آنحضرتؐ نماز عصر پڑھ رہے تھے۔ صفوان نے دریافت کیا: آپ لوگ کتنی نمازیں پڑھتے ہیں؟ کہا گیا: ایک دن اور رات میں پانچ نمازیں۔ اس نے کہا: کیا محمدؐ لوگوں کے ساتھ ہی نماز پڑھتے ہیں؟ بتایا گیا: ہاں۔

جب نبی اکرمؐ نے سلام پڑھ لیا تو صفوان نے آنحضرتؐ سے کہا: اے محمدؐ! عمیر بن وہب میرے پاس آپ کی چادر لے کر آیا ہے اور اس کا خیال ہے کہ آپ نے مجھ کو طلب فرمایا ہے۔ پس اگر آپ صرف اسلام ہی سے خوش ہوسکتے ہیں تو خیر ورنہ مجھ کو دو مہینے دے دیجئے۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا: اے ابووہب! اترو میں تمہیں چار مہینے دیتا ہوں۔ تب وہ اتر پڑا اور اپنے مستقبل سے مطمئن ہوگیا اور شرک پر قائم رہا یہاں تک کہ جنگ حنین ہوئی اور وہ اب بھی شرک پر ہی قائم تھا۔ نبی اکرمؐ نے اس سے سو زرہیں عاریتاً لیں اور وہ مسلمانوں کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوا۔ جنگ ختم ہوگئی تو وہ رسول اللہؐ کے ساتھ ایک گھاٹی سے گزرا جو اونٹوں اور بکریوں سے بھری ہوئی تھی۔ صفوان نے اس کو دیکھا اور دیر تک دیکھتا گیا۔ تب نبی اکرمؐ نے اس سے فرمایا: اے ابووہب! یہ گھاٹی تم کو پسند آ گئی؟ وہ بولا: جی ہاں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: وہ اور جو کچھ اس میں ہے تمہارا ہوگیا۔ اس پر صفوان نے کہا: قسم بخدا! نبی کے سوا کسی اور کا نفس ایسا پاکیزہ نہیں ہوسکتا۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ رسول اللہؐ کے مکہ فتح کر لینے کے دوسرے روز رسول اللہؐ کے حلیف بنی خزاعہ نے مشرکین میں سے ایک شخص پر حملہ کر دیا جو بنی ہذیل سے تعلق رکھتا تھا اور اس کو قتل کر دیا۔ نبی اکرمؐ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا جس کے دوران کہا کہ اے لوگو! اللہ نے مکہ کو اسی روز قابل احترام قرار دے دیا تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا۔ پس اس روز سے قیامت تک کے لئے قابل احترام ہے۔ کسی شخص کو جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے یہ جائز نہیں ہے کہ اس میں خون بہائے یا اس میں کوئی درخت کاٹے، نہ مجھ سے پہلے جائز تھا، نہ کسی کے لئے میرے بعد جائز ہوگا، نہ میرے لئے جائز ہے، سوائے آج کے اس وقت کے کہ (یہ خدا کی طرف سے) یہاں کے باشندوں پر عتاب کے طور پر ہے۔ اس کا احترام پھر گزشتہ کی طرح واپس آجائے گا۔ تم میں سے جو حاضر ہیں وہ غیر حاضر کو بھی بتلا دیں۔ اگر کوئی تم سے کہے کہ رسول اللہؐ نے اس میں قتل کئے ہیں تو تم کہنا کہ اللہ نے اس کو اپنے رسولؐ کے لئے حلال قرار دے دیا تھا لیکن تمہارے لئے حلال قرار نہیں دیا۔ اے بنی خزاعہ کے لوگو! قتل کرنے سے دست کش ہوجاؤ، زیادہ تر یہ نفع خیز ہوگا، تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا ہے، میں اپنے مال میں سے اس کا خون بہا ادا کر دوں گا۔ لیکن جو کوئی میرے اس کہنے کے بعد قتل کرے گا تو پھر مقتول کے وارث بہتر فیصلہ کرنے والے ہوں گے، چاہیں تو قاتل کو مار ڈالیں اور چاہیں تو اس کی دیت قبول کر لیں۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے مقتول کا خون بہا ادا فرمایا۔

قریش نے مکہ اور اس کے باشندوں سے متعلق آنحضرتؐ کے ان افعال کو جن میں مکہ کا احترام اور تقدس جھلکتا تھا اور آنحضرتؐ کی نرم دلی، وسعت قلبی سخاوت اور ان لوگوں کے لئے عام معافی کو جو آپ کے سخت ترین دشمن رہے تھے، عظیم قرار دیا جس کی وجہ سے ان کے دل آنحضرتؐ کی طرف مائل ہوگئے اور لوگ اسلام کی طرف بڑھنے لگے۔ جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے وہ ایک دوسرے سے ان ہی باتوں کا چرچا کرتے رہے۔ چنانچہ گھر میں کوئی بت توڑے بغیر نہ چھوڑا گیا۔ اس طرح ان کے سردار اور ان کے پیرو ایمان لاتے رہے اور کلمۂ الٰہی مکہ کے چہار طرف بلند ہوتا رہا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر یہ سورہ نازل فرمایا:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ○ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا○ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا○ ''اب جبکہ اللہ کی مدد اور فتح حاصل ہوگئی اور آپ نے لوگوں کو دین الٰہی میں گروہ در گروہ داخل ہوتے دیکھ لیا تو اپنے پروردگار کی حمد بجالایئے اور اس سے طلب مغفرت کیجئے۔ وہ یقیناً توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

ابن ہشام نے اپنی ''سیرت'' میں بیان کیا ہے کہ نبی اکرمؐ کے مکہ میں فاتحانہ داخل ہونے کے بعد ایک مرتبہ جب آنحضرتؐ خانۂ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے فضالہ بن عمیر بن ملوح لیثی آپ کی طرف پہنچا اور وہ اپنے دل میں آنحضرتؐ کو قتل کرنے کی ٹھانے ہوئے تھا۔ جب وہ آنحضرتؐ تک پہنچ گیا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا: کیا تم فضالہ ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں! یارسول اللہؐ۔ آپ نے دریافت فرمایا: اپنے دل میں کیا بات کر رہے تھے؟ وہ بولا: کچھ نہیں! میں تو اللہ کو یاد کر رہا تھا۔ اس پر نبی اکرمؐ ہنس پڑے، پھر آپ نے فرمایا: اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہ ''میں اللہ سے طلب مغفرت کرتا ہوں۔'' فضالہ کہتا ہے کہ آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھ دیا جس سے میرے دل کو سکون حاصل ہوگیا۔

ابن ہشام نے اپنی ''سیرت'' میں اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ فضالہ کہا کرتا تھا کہ قسم بخدا! اس کے بعد آنحضرتؐ نے میرے سینے سے اپنا دست مبارک ہٹایا ہی تھا کہ میرے نزدیک ساری خلق خدا میں آنحضرتؐ سے زیادہ محبوب کوئی نہ رہا۔ پھر میں گھر والوں کے پاس آ گیا اور ایک عورت کے پاس سے گزرا جس سے میں باتیں کر رہا تھا، اس نے کہا: آؤ اپنی بات جاری رکھو۔ میں نے کہا: اب نہیں۔ پھر وہ یہ شعر پڑھنے لگا:

''وہ بولی کہ آؤ بات کرو، لیکن میں نے کہا نہیں۔ تجھ کو اللہ نے اسلام سے محروم رکھا ہے۔
اگر میں (حضرت) محمدؐ اور ان کی جماعت کو فتح کے دن ہی دیکھ لیتا جب بت توڑے جا رہے تھے تو میں
دیکھ لیتا کہ دین الٰہی ہم میں روشنی پیدا کئے ہوئے ہے جبکہ شرک کے چہرے پر تاریکی چھائی ہوئی ہے۔''

طبقات ابن سعد اور سیرت کی دوسری کتابوں میں ہے کہ نبی اکرمؐ مکہ میں پندرہ روز مقیم رہے۔ اس زمانے میں آپ نے مکہ کے معاملات کو منظم فرمایا اور وہاں کے باشندوں کو احکام دین کی تعلیم دی۔ پھر آپ نے عتاب بن اسید کو وہاں کا عامل مقرر فرما دیا اور معاذ ابن جبل کو بھی وہیں چھوڑا تاکہ وہ لوگوں کو احکام وسنت کی تعلیم دیں۔

فتح کے بعد خالد بن ولید کا بنی جذیمہ کی طرف جانا

معلوم ہوتا ہے کہ خالد بن ولید بنی جذیمہ کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے روانہ ہوئے، جبکہ نبی اکرمؐ ابھی مکہ ہی میں تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ بھیجا۔ جو تین سو پچاس افراد پر مشتمل تھی جن میں مہاجر اور انصار تھے۔ ان ہی میں عبدالرحمٰن بن عوف اور بنی سلیم تھے۔ یہ لوگ ایک چشمے پر اترے جو بنی جذیمہ کا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں بنی جذیمہ نے بنی مغیرہ کی کچھ عورتوں کو لے لیا تھا اور عبدالرحمٰن کے باپ عوف کو اور فاکہ ابن مغیرہ کو قتل کر ڈالا تھا۔ یہ

دونوں یمن سے تجارت کے سلسلے میں آ کر بنی جذیمہ کے مہمان ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے ان دونوں کو قتل کر ڈالا۔ عوف کے ساتھ ان کا بیٹا عبدالرحمٰن بھی تھا۔ مارنے والے نے ان کے باپ کو مار ڈالا۔ جب مکہ فتح ہوگیا اور نبی اکرمؐ نے ان کی طرف خالد بن ولید کی قیادت میں یہ سریہ روانہ فرمایا تو ان لوگوں نے ان کا مقابلہ اپنے ہتھیاروں کے ساتھ کیا۔ خالد نے ان سے کہا کہ ہتھیار ڈال دو کیونکہ لوگوں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

جذیمہ کے ایک شخص نے جو جحدم کہلاتا تھا کہا کہ اے بنی جذیمہ! یہ خالد بن ولید ہے۔ قسم بخدا! ہتھیار ڈالنے کے بعد قید کے سوا کچھ نہیں اور قید کے بعد گردنوں کا مارا جانا ہے۔ قسم بخدا! میں کبھی بھی ہتھیار نہ ڈالوں گا۔ اس پر اس کو اس کی قوم والوں نے پکڑ لیا اور کہا: اے جحدم! کیا تم چاہتے ہو کہ ہمارا خون بہا دیا جائے؟ لوگوں نے اسلام قبول کرلیا ہے، ہتھیار ڈال دیئے ہیں، جنگ رک گئی ہے، لوگ امان میں ہیں۔ وہ سب اس سے اس بات پر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ جب انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو خالد بن ولید کے حکم سے ان کے ہاتھ باندھ دیئے گئے۔ بعدازاں ان کو تلوار کی دھار پر رکھ لیا گیا اور ان میں سے ایک گروہ کو قتل کر ڈالا گیا۔

رسول اللہؐ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا: اے میرے اللہ! میں تیرے سامنے اس سے بری الذمہ ہوتا ہوں جو کچھ خالد بن ولید نے کیا ہے۔ پھر جیسا کہ ابن اسحٰق وغیرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہؐ نے امام علیؑ کو بلا کر فرمایا کہ اے علیؑ ان لوگوں کی طرف جا کر ان کے معاملے کو دیکھو اور زمانہ جاہلیت کے طریقوں کو اپنے قدموں کے نیچے ڈال دو۔ پس امام علیؑ اس مال اور عطیہ کے ساتھ جو رسول اللہؐ نے دیا تھا روانہ ہوئے۔ جب ان لوگوں کے پاس پہنچے تو آپ نے ان کو مقتولین کا خون بہا اور جو اُن کا مالی نقصان ہوا تھا ادا کیا اور ان سے کہا کہ کیا تمہارا کوئی خون یا مالی نقصان رہتا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ تب آپ نے اس نقصان کے احتیاط میں جس کو نہ آپ جانتے تھے، نہ وہ لوگ جانتے تھے، جو کچھ مال آپ کے پاس بچ رہا تھا وہ بھی ان لوگوں کو دے دیا۔ اس کے بعد آپ نے نبی اکرمؐ کی خدمت میں واپس آ کر جو کچھ انجام دیا تھا اس کی اطلاع دی۔

اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: تم نے ٹھیک کیا اور اچھا کیا۔ پھر رسول اللہؐ قبلے کی طرف رخ فرما کر اور دونوں ہاتھ پھیلا کر کھڑے ہوئے اور تین بار کہتے رہے کہ اے اللہ! جو کچھ خالد نے کیا میں تیرے سامنے اس سے بری ہوتا ہوں۔

تاریخ طبری اور سیرت ابن ہشام میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف اور خالد بن ولید میں جھگڑا ہوگیا کیونکہ عبدالرحمٰن نے ان سے کہا کہ تم نے اسلام کے زمانے میں زمانہ جاہلیت کے طریقوں پر عمل کیا ہے۔ خالد نے ان سے کہا کہ میں نے تمہارے باپ کا انتقام لیا ہے۔ اس پر عبدالرحمٰن نے ان سے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، میں نے اپنے باپ کے قاتل کو اسی روز قتل کر دیا تھا بلکہ تم نے اپنے چچا فاکہ بن مغیرہ کا انتقام لیا ہے۔ قریب تھا کہ ان دونوں کے مابین فساد واقع ہو جاتا۔ اس معاملے کی اطلاع رسول اللہؐ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! جو کچھ خالد بن ولید نے کیا میں اس سے تیرے سامنے بری ہوتا ہوں۔ پھر آنحضرتؐ نے امام علیؑ کو بلوا کر مال سپرد فرمایا اور پھر وہ معاملہ ہوا جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

— ۲۱ —

غزوۂ حُنین

یہ غزوہ مکہ فتح کرنے کے بعد واقع ہوا۔ وہاں کے باشندے آنحضرتؐ کے مطیع فرمان بن چکے تھے۔ آپ قیام فرما ہوتے یا سفر پر تشریف لے جاتے، وہ آپ سے وفادار رہتے تھے۔ ان کے ذہن آپ سے مطمئن تھے اور عرب کے جو افراد شرک پر باقی رہ گئے تھے ان کے بارے میں بھی توقع تھی کہ چند مہینوں کے دوران مطیع ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اس لئے مسلمان اطمینان، سکون اور ہر نئے روز کے بہتر ہونے کی توقع میں زندگی گزار رہے تھے۔ نبی اکرمؐ مکہ میں رہتے ہوئے قرب و جوار کے قبیلوں کی طرف یکے بعد دیگرے سریے روانہ فرما رہے تھے تاکہ پورے علاقے کو صنم پرستی سے پاک کر کے لوگوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان کے ذریعے ایک سلک میں منسلک کر دیں۔ ادھر یہ لوگ اس قابل رشک حالت میں بسر کر رہے تھے کہ دوسری طرف سے خبریں آنے لگیں کہ ہوازن، ثقیف، جشم، نصر اور ان کے حلیفوں کو نبی اکرمؐ کی مکہ میں کامیابی سخت ناگوار گزری ہے اور وہ سوچ رہے ہیں کہ کہیں یہ دائرہ وسیع ہو کر ان تک نہ آ پہنچے اور جلد یا بہ دیر مسلمان ان کے علاقوں اور شہروں پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ پس ایسی صورت میں کہ آنحضرتؐ ان پر حملہ کریں وہ سب مالک بن عوف کی زیر قیادت آنحضرتؐ کو اپنے علاقوں اور شہروں سے روکے رہنے کے لئے متحد ہو گئے۔

جب آنحضرتؐ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے تو ان کو خیال ہوا تھا کہ آنحضرتؐ کا رخ انہی کی طرف ہے وہ لوگ آپ کے مقابلے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ اس کے بعد ان پر واضح ہو گیا کہ آنحضرتؐ مکہ کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن جب مکہ آنحضرتؐ کے سامنے سرنگوں ہو گیا اور اس کے باشندوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو ان کو کوئی شک باقی نہ رہا کہ آنحضرتؐ ان کے شہروں پر بھی فوج کشی کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے تیاری کے طور پر اپنے حلیفوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کیا تاکہ آنحضرتؐ پر ایسے انبوہ کے ساتھ حملہ کریں کہ اس سے پہلے دیکھنے میں نہ آیا ہو۔ کعب و کلاب کے علاوہ سارے قبائل ان کے ساتھ متحد ہو گئے۔ البتہ ان دونوں میں سے کسی نے مالک بن عوف کے بلانے پر لبیک نہیں کہا۔

درید بن صمہ، بنی جشم کا ایک بہت بوڑھا شخص تھا جس کو یہ لوگ اٹھا لائے تاکہ اس کی رائے اور جنگوں کے

بارے میں معلومات سے فائدہ حاصل کرسکیں۔ گو ان کے ساتھ تمام قبیلوں کے سربرآوردہ افراد تھے لیکن قیادت عامہ مالک بن عوف کے ہاتھ تھی۔ یہ انبوہ جس کی تعداد مؤرخوں نے تیس ہزار بتلائی ہے، مالک بن عوف کی قیادت میں چل پڑا تاکہ جہاں بھی حضرت محمدؐ ہوں ان پر حملہ کردیں اوطاس کے میدان میں جس کو حنین کہا جاتا تھا اتر پڑے۔ وہ لوگ اترے تو درید نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ کس وادی میں ہو؟ کہا کہ اوطاس میں۔ وہ بولا کہ یہ گھوڑوں کے چلنے پھرنے کے لئے اچھی جگہ ہے۔ نہ اس میں زیادہ جنگل ہیں اور نہ زیادہ مٹی ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ مجھ کو اونٹوں کی بلبلاہٹ، گدھوں کی ڈھینچک ڈھینچک، بکریوں کی ممیاہٹ اور بچوں کا رونا سنائی دے رہا ہے۔ اس پر مالک بن عوف نے اس سے کہا کہ ہم اپنے ساتھ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی لائے ہیں تاکہ کسی کو بھاگ نکلنے کا خیال ہی نہ ہو۔ تب درید نے کہا کہ شکست خوردہ کب کسی چیز کا خیال کرتا ہے۔ اگر معاملہ تمہارے حق میں رہا تو تم کو مُردوں اور ان کی تلواروں کے سوا کوئی اور چیز سہارا نہ دے گی۔ اگر معاملہ تمہارے خلاف ہوا تو تم کو عورتوں اور مال کی طرف سے بھی رسوائی ہوگی۔

اس کے بعد درید نے پوچھا کہ کعب و کلاب نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا؟ اس نے کہا کہ ان میں سے کوئی شخص ہمارے ساتھ نہیں آیا۔ اس پر وہ بولا کہ پھر بڑائی اور بہادری کہاں؟ اگر عظمت و شوکت کا موقع ہوتا تو کعب و کلاب اس سے نہ چوکتے۔ میری خواہش ہے کہ تم بھی کعب و کلاب کا سا رویہ اختیار کرو۔ پھر اس نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون کون آیا ہے؟ اس نے کہا کہ عمرو بن عامر اور عوف بن عامر۔ وہ بولا کہ یہ دونوں نوآموز ہیں، نہ مفید ہوسکتے ہیں نہ مضر۔ غرضیکہ ان دونوں کے درمیان گفتگو ہوتی رہی اور کسی ایک معاملے میں بھی متفق نہ ہوسکے۔ بالآخر مالک نے اس سے کہا کہ آپ بوڑھے ہوگئے ہیں اور آپ کی معلومات فرسودہ ہیں۔ پھر اس نے مجمع کی طرف ملتفت ہوکر کہا کہ خدا کی قسم اگر تم نے میری نافرمانی کی تو میں اس تلوار پر بھروسا کئے رہوں گا یہاں تک کہ یہ میری کمر سے علیحدہ ہو جائے۔ یہ شخص اس وقت عمر میں تیس سال کا نوجوان تھا۔ ارادے کا پکا اور عزم پر عمل کرنے والا۔ پس لوگوں نے اس کے کہنے پر عمل کیا اور درید نے بھی اپنی کبرسنی اور جنگوں کے بارے میں معلومات کے باوجود پھر اس کی رائے کی مخالفت نہیں کی۔ مالک نے اپنے ساتھ والوں کو حکم دیا کہ حنین کی چوٹیوں اور گھاٹیوں پر پھیل جائیں۔

جب رسول اللہؐ کو علم ہوا کہ یہ لشکر آپ سے جنگ کے لئے نکلا ہے تو آپ نے عبداللہ بن حدرد اسلمی کو حکم دیا کہ بھیس بدل کر ان لوگوں میں گھل مل کر ان کی خبریں لے آئیں۔ چنانچہ انہوں نے جاکر اور ان لوگوں میں گھل مل کر ان کی تیاریوں، تعداد اور رسول اللہؐ سے جنگ کرنے کے ارادے کے بارے میں معلومات حاصل کرلیں۔ ادھر نبی اکرمؐ تیاری فرماتے رہے اور مسلمانوں کو ان لوگوں سے جنگ کرنے اور صبر و ثابت قدمی دکھانے کی تلقین کرتے رہے۔ عبداللہ نے واپس آکر نبی اکرمؐ کو ان کے حالات سے آگاہ کیا تو رسول اللہؐ نے اس سے حضرت عمرؓ کو آگاہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ بولے: یارسول اللہؐ! عبداللہ بن حدرد نے آپ سے جھوٹ بولا ہے۔

ابن ہشام اور طبری وغیرہ کی روایت میں ہے کہ عبداللہ نے ان سے کہا: اے عمر! تم کب تک حق کو جھٹلاتے

رہو گے؟ اس پر حضرت عمرؓ نے رسول اللہؐ سے کہا: یارسول اللہؐ! کیا آپ سماعت فرما رہے ہیں کہ عبداللہ بن حدرد کیا کہہ رہے ہیں؟ تب رسول اللہؐ نے ان کے درمیان معاملہ صاف کرنے کے لئے فرمایا: اے عمر! تم تو گمراہی میں پڑے ہوئے تھے، اللہ نے تم کو سیدھی راہ دکھلا دی ہے۔

نبی اکرمؐ اپنے لشکر کی تیاری فرما چکے جس کے لئے آنحضرتؐ نے کچھ سامان صفوان بن امیہ سے عاریتاً لیا تھا تو آنحضرتؐ مکہ سے بارہ ہزار لڑنے والے افراد کے ساتھ برآمد ہوئے جن میں دو ہزار اہل مکہ تھے اور دس ہزار وہ تھے جو آپ کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے۔ یہ لشکر ۳ شوال ۸ ھ کو مکہ سے روانہ ہوا۔ اس کے پیش رو حصے میں سامان سے لدے ہوئے گھوڑے اور اونٹ تھے۔ مسلمانوں کو اس تعداد پر جس کی مثال انہوں نے اس سے پہلے مشرکوں کے ساتھ ہونے والی جنگوں میں کبھی نہ دیکھی تھی، خاصا غرور ہوگیا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے کہا کہ آج تعداد کی کمی کے باعث ہم مغلوب نہیں ہوں گے۔

مالک بن عوف نے اپنے تین آدمیوں کو حکم دیا کہ نبی اکرمؐ کے ساتھیوں میں چھپ کر گھس جائیں اور ان کے بارے میں اس کے لئے خبریں لے آئیں۔ وہ لوگ گئے اور فوراً ہی حواس باختہ اس کے پاس واپس آ گئے کیونکہ ان پر خوف طاری ہوگیا تھا۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے رنگ برنگ کے گھوڑوں پر سفید آدمی دیکھے ہیں۔ پس قسم بخدا! ہم آپ کی رائے کو صحیح نہیں سمجھتے لیکن وہ مسلمانوں سے جنگ کرنے اور موقع پا کر ان کا قلع قمع کرنے کے ارادے پر ڈٹا رہا۔

کتب سیرت میں حارث بن مالک سے روایت ہے اس نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہؐ کی معیت میں نکلے جبکہ ہم زمانہ جاہلیت سے متصل ہی تھے۔ قریش اور دوسرے عربوں کا ایک بڑا بیری کا درخت تھا جس کو وہ ذات انواط کہتے تھے، وہ ہر سال اس کے نیچے جمع ہو کر جانور ذبح کر کے کھاتے، آرام کرتے اور راتیں گزارتے تھے۔ جب ہم نے اس کو دیکھا تو ہم نے کہا: یارسول اللہؐ! جیسا ان کا ذات انواط ہے ہم کو بھی ایک ذات انواط بنا دیجئے۔ اس پر رسول اللہؐ نے جواباً فرمایا: تم تو اسی طرح کہہ رہے ہو جس طرح حضرت موسیٰؑ کی قوم والوں نے کہا تھا کہ **اجعل لنا الها کما لهم الهه**۔ ''جیسے ان لوگوں کے خدا ہیں ہم کو بھی ویسا ہی خدا بنا دیجئے۔'' یقیناً تم سب لوگ تو کچھ جانتے ہی نہیں ہو۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا: تم وہی طریقے اختیار کرتے جا رہے ہو جو تم سے پہلے والوں کے تھے۔

نبی اکرمؐ شام کے وقت حنین پہنچے اور وادی کے داخلوں پر اتر پڑے اور صبح تک وہیں ٹھہرے رہے۔ نبی اکرمؐ نے اپنے ساتھیوں کو ترتیب دے کر لشکر اور جنگ کے علم تقسیم کئے۔ چنانچہ مہاجرین کا علم امام علیؑ کو عطا فرمایا اور علم جنگ سعد بن ابی وقاص کو دیا۔ اوس کا علم اسید بن خضیر کو اور خزرج کا سعد بن عبادہ کو دیا۔ باقی علم قبائل کو عطا کئے۔ خود آنحضرتؐ اپنے سفید خچر پر سوار ہوئے اور آپ نے دو زرہیں اور آہنی خود زیب تن فرمایا۔

جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ہم وادی حنین پہنچے تو تہامہ کی وادیوں میں سے ایک وادی میں اترتے چلے گئے۔ صبح کا اندھرا تھا، دشمن ہم سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ وہ گھاٹیوں، موڑوں اور تنگ حصوں میں ہماری گھات میں بیٹھے

ہوئے تھے۔ ہم بلا خوف چلے جارہے تھے کہ ہوازن اور ان کے عرب ساتھیوں نے مل کر ہم پر سخت حملہ کر دیا۔ پس لوگ رسول اللہؐ کے پاس سے دائیں بائیں طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ رسول اللہؐ کہتے رہے کہ اے لوگو! میں اللہ کا رسول محمدؐ بن عبداللہ ہوں، لیکن بھاگنے والوں میں سے کوئی جواب نہ دیتا تھا۔ ابن قتیبہ نے معارف میں بیان کیا ہے کہ حنین کے روز جو افراد رسول اللہؐ کی معیت میں ثابت قدم رہے وہ علی ابن ابی طالبؑ، عباس بن عبدالمطلب، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم تھے۔

عباس بن عبدالمطلبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس واقعہ کے بارے میں یہ اشعار کہے:

نصرنا رسول اللّٰہ فی الحرب سبعۃ وقد فر من قد فر منھم و اقشعوا

و ثامننا لاقی الحمام بسیفہ بما مسہ فی اللّٰہ لا یتوجع

''ہم سات افراد نے جنگ میں رسول اللہؐ کی مدد کی اور باقی لوگ بھاگ گئے اور منتشر ہوگئے۔ ہمارا آٹھواں فرد تلوار کے ذریعے موت سے ہمکنار ہوا اور جو کچھ اللہ کی راہ میں درپیش آئے اس سے تکلیف نہیں ہوتی۔''

شیخ مفید نے ارشاد میں کہا ہے کہ نبی اکرمؐ کے پاس صرف دس افراد رہ گئے تھے جن میں سے نو بنی ہاشم سے تھے اور دسویں ایمن ابن ام ایمن تھے جو شہید ہوگئے اور نو جمے رہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ بھاگ گئے تھے وہ رسول اللہؐ کے پاس واپس آگئے۔

تاریخ الخمیس میں اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ کے پاس چار افراد کے ماسوا کوئی نہ رہا تھا۔ تین بنی ہاشم یعنی علیؑ، عباسؓ اور ابوسفیان بن حارثؓ جو آنحضرتؐ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے اور چوتھے عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ علیؑ و عباسؓ آنحضرتؐ کے سامنے سے اور عبداللہ بن مسعودؓ بائیں جانب سے حفاظت کر رہے تھے۔ چنانچہ جو کوئی رسول اللہؐ کی طرف بڑھتا قتل ہو جاتا تھا۔ (تاریخ الخمیس فی اصول النفس نفیس از شیخ حسین دیار بکری، صفحہ ۱۰۲)

سیرت الحلبیہ میں بھی اس بیان کی تصدیق ہے۔ اس روز مسلمانوں کی حالت کو اللہ نے اس طرح بیان کیا ہے:

وَیَوۡمَ حُنَیۡنٍ اِذۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡکُمۡ شَیۡئًا وَّضَاقَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّیۡتُمۡ مُّدۡبِرِیۡنَ۝ ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ وَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡھَا ''اور حنین کا دن وہ تھا جب تم کو تمہاری کثرت نے دھوکہ میں ڈال دیا اور کوئی چیز تمہارے کام نہ آسکی اور تمہارے اوپر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ تب اللہ نے اپنے رسولؐ پر اور مومنین پر سکون قلب نازل کیا اور ایسے لشکر بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا۔'' (سورۂ توبہ: آیت ۲۵-۲۶)

شیخ مفید کی ارشاد میں ہے کہ اس آیت میں مومنین سے مراد امام علیؑ اور بنی ہاشم کے وہ افراد ہیں جو اُن کے

ساتھ ثابت قدمی سے جمے رہے۔ اسی طرح تاریخ یعقوبی کی دوسری جلد میں ہے کہ مسلمان رسول اللہؐ کے پاس سے بھاگ گئے اور صرف بنی ہاشم کے دس افراد اور بقولے نو افراد باقی رہے۔ وہ تھے امام علیؑ ابن ابی طالبؑ، عباس بن عبدالمطلبؓ، ابوسفیان بن حارثؓ، نوفل بن حارثؓ، ابولہب کے دونوں بیٹے عتبہؓ و معتبؓ، فضل بن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلبؓ۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ ایمن ابن ام ایمنؓ بھی ان لوگوں کے ساتھ تھے۔

بہرحال سیرت نبی لکھنے والوں کا اس پر اتفاق ہے کہ امام علیؑ اور بیشتر بنی ہاشم نبی اکرمؐ کے ساتھ موجود رہے۔ بعض شاذ روایتوں میں یہ بھی ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ بھی آنحضرتؐ کے پاس موجود رہے لیکن نبی اکرمؐ کی مشرکین کے ساتھ جنگوں سے متعلق ان دونوں حضرات کی تاریخ یہی تاکید کرتی ہے کہ یہ ان افراد میں نہیں ہوتے تھے جو مشکلات میں ثابت قدم رہتے تھے اور بیشتر غزوات میں ان دونوں کا ذکر لڑنے والوں میں آتا ہی نہیں ہے۔ احد میں تو یہ دونوں حضرات اول بھاگنے والوں میں تھے ہی جیسا کہ ہم اس کے مقام پر بیان کر آئے ہیں۔

سیرت نبی لکھنے والوں نے ان افراد کے بارے میں جنہوں نے مکہ میں ظاہراً اسلام قبول کیا تھا اور اب خوشی منا کر اپنی حقیقت کو بے نقاب کر رہے تھے یہ بیان کیا ہے کہ:

تاریخ طبری، سیرت ابن ہشام، تاریخ الخمیس اور دوسری کتابوں میں ہے کہ جب مسلمان بھاگے اور مکہ کے جفاشعاروں نے جو رسول اللہؐ کے ساتھ تھے بھگدڑ دیکھی تو ابوسفیان بن حرب کہنے لگا کہ ان کا بھاگنا سمندر تک ختم ہونے میں نہیں آئے گا۔ اس کے ترکش میں تیر بھرے ہوئے تھے اور وہ اس بھگدڑ سے خوشی حاصل کر رہا تھا۔ شیبہ بن طلحہ نے کہا کہ آج میں محمدؐ سے اپنا بدلہ چکائے لیتا ہوں اور آنحضرتؐ کی طرف آپ کو قتل کرنے کے لئے بڑھا تو اس کی نظر امام علیؑ اور بنی ہاشم کے دوسرے افراد پر پڑ گئی جو آنحضرتؐ کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے اور آپ کی مدافعت کر رہے تھے۔

تاریخ طبری میں شیبہ سے روایت ہے کہ جس چیز نے اس کو آنحضرتؐ سے دور رکھا وہ یہ تھی کہ کوئی شے آنحضرتؐ کو ڈھکے ہوئے تھی۔ چنانچہ وہ کچھ کرنے سے قاصر رہا اور سمجھ گیا کہ اس کو آنحضرتؐ سے روک دیا گیا ہے۔ علاوہ بریں یہ احساس بھی تھا کہ ابھی پچھلے دنوں ہی مکہ میں نبی اکرمؐ نے ان کے ساتھ کریمانہ سلوک کر کے کعبے کی کنجی ان لوگوں کو واپس دے دی تھی۔ صفوان بن امیہ کے ماں کی جانب سے بھائی کلدۃ بن حسل نے کہا کہ آج جادو ٹوٹ گیا ہے۔ صفوان نے اپنے بھائی کی یہ بات سنی اور ابوسفیان کو خوش ہوتے ہوئے دیکھا تو ان دونوں سے کہا کہ مجھے یہ زیادہ محبوب ہوگا کہ مجھ پر قریش کا کوئی شخص ملکیت حاصل کر لے، بہ نسبت اس کے کہ بنی ہوازن کا کوئی فرد میرا مالک بنے۔ مطلب یہ کہ مجھ کو مالک بن عوف کی کامیابی کے بجائے محمدؐ کی کامیابی زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس شخص کو مسلمانوں کے بھاگنے پر ابوسفیان وغیرہ کا احساس خوشی برا معلوم ہوا حالانکہ ابھی وہ شرک پر ہی قائم تھا۔

بہرحال حنین میں مسلمانوں کی حالت ابتدا میں اس سے بھی بدتر تھی جو احد میں ہوئی تھی۔ البتہ نبی اکرمؐ کی اور آپ کے ہاشمی ساتھیوں کی ثابت قدمی کی بدولت صورتحال مسلمانوں کے مفاد میں بدلنا شروع ہوگئی۔ عباس بن عبدالمطلب

اس روز کے موقف کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ: میں رسول اللہؐ کی معیت میں آپ کے سفید خچر کی لگام تھامے ہوئے تھا۔ میں بڑے ڈیل ڈول اور تیز آواز والا تھا۔ رسول اللہؐ مسلمانوں کی حالت دیکھ کر کہہ رہے تھے کہ اے لوگو! کدھر جارہے ہو لیکن لوگ اس طرف دھیان ہی نہیں دے رہے تھے۔ تب آنحضرتؐ نے مجھ سے کہا کہ اے عباس! ذرا چیخ کر کہئے کہ اے صاحبان بیعت الرضوان اور صاحبان سورۂ بقرہ، اے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو! تم رسول اللہؐ کو چھوڑ کر کدھر بھاگ رہے ہو؟ پس میں نے لوگوں کو آواز دی کیونکہ میں بھاری آواز والا تھا۔ چنانچہ لوگ واپس آنا شروع ہوگئے یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے اردگرد سو کے قریب افراد اکٹھے ہوگئے۔ اس پر دشمن اپنی تلواریں اور نیزے لیکر بڑھ آئے۔

چنانچہ ہوازن کا علم بردار جرول طبری کے خیال کے مطابق مسلمانوں کو تہہ و بالا کرتا اور مقابلہ طلب کرتا ہوا نکلا۔ لوگ اس سے دور دور ہٹ گئے۔ البتہ امام علیؑ ابن ابی طالبؑ نے اس کا مقابلہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔ جیسا کہ تاریخ یعقوبی اور مفید وغیرہ کی روایت میں بھی آیا ہے۔ ابن ہشام اور طبری کی روایت میں یہ ہے کہ امام علیؑ نے بڑھ کر اس کے اونٹ کے پیر قطع کر دیئے جس کے باعث وہ زمین پر گر پڑا اور ایک انصاری نے اس کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلوں میں جان پڑ گئی اور فریقین ایک دوسرے پر پل پڑے جبکہ نبی اکرمؐ اپنے خچر پر آہستہ آہستہ آگے بڑھتے جاتے تھے اور اپنی تلوار سے مارتے جاتے اور کہتے جاتے تھے کہ لڑائی اب چمکی ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ اپنے خچر سے اتر پڑے اور یہ کہتے ہوئے کہ ''میں نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں''، دشمن کے انبوہ کی جانب بہادروں کو گراتے اور شہزوروں کو زیر کرتے ہوئے بڑھے۔ چنانچہ لوگوں میں آنحضرتؐ سے زیادہ کسی کے باعث رونے پیٹنے کا شور وغل نہیں پڑا۔ اس حالت میں کبھی امام علیؑ، آنحضرتؐ کی دائیں طرف سے اور کبھی بائیں طرف سے نمودار ہوتے اور اپنی تلوار سے سروں کو اڑاتے اور شہزوروں کو گراتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے ان کے چالیس زور آوروں کو قتل کر ڈالا۔ بیشتر مسلمان میدان جنگ میں جلدی جلدی واپس آ گئے یہاں تک کہ کسی شخص کو اس کے اونٹ نے دیر کرادی یا ہجوم کے باعث اس کو رکنا پڑا تو وہ اس پر سے کود کر عباس بن عبدالمطلبؓ کی آواز کی طرف چل پڑا تا کہ اپنے آپ سے بھاگ جانے اور شکست کھا جانے کا دھبہ مٹا ڈالے۔ البتہ ان میں سے بعض اس وقت تک واپس نہیں آئے جب تک یقین نہیں کرلیا کہ جنگ کا رخ صحیح طور پر مسلمانوں کے مفاد میں پلٹ آیا ہے۔

صبح کی علامات نمودار نہ ہوئیں تھیں کہ میدان جنگ لڑائی واقع ہونے کے باعث کانپنے لگا تھا۔ نبی اکرمؐ نے ایک مٹھی خاک اپنے دست مبارک میں اٹھائی اور کہا گیا ہے کہ ابوسفیان بن حارث نے اٹھا کر دی۔ آپ نے اس کو دشمنوں کے رخ پر پھینک دیا اور کہا: شَاهَتَ الْوُجُوْهُ وَ هُمْ لَا يَنْصُرُوْنَ. (چہرے برباد ہوگئے ہیں اور ان کی مدد نہ کی جائے گی)۔ پھر آپ دشمن کی طرف بڑھے اور مسلمان آنحضرتؐ کے پیچھے پیچھے ہولئے۔ دوپہر نہ ہونے پائی تھی کہ مسلمانوں کی باری آگئی کہ اب وہ مشرکین کو مار رہے تھے اور ان کے سینوں میں نیزے بھونک رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی صفیں پھٹ گئیں اور

ان کے رسالے تتر بتر ہوگئے۔ ان کے بھاگ نکلنے کے راستے بند ہوگئے۔ اب ان کے لئے بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ مسلمان ان کو پیچھے سے قتل کرتے یا گرفتار کرتے چلے آرہے تھے کیونکہ خود رسول اللہؐ کو بنفس نفیس جنگ کرتے دیکھ کر مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوگئے تھے اور اس قسم کی مثال پہلے نہیں دیکھی گئی تھی۔ آنحضرتؐ کے گرد امام علیؑ اور وہ بنی ہاشم شریک کارزار تھے جو آنحضرتؐ کے ساتھ اس کڑی آزمائش کی ان پہلی گھڑیوں میں بھی جمے رہے تھے جو اُن پر صبح کے اندھیرے میں آپڑی تھی۔ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو اس کارزار کا نتیجہ وہ ہوتا جو خود مشرکین کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا اور اب یہ حال تھا کہ مشرکوں کی صفوں میں خوف و ہراس اس طرح پھیل گیا تھا کہ ہر فرد نکل بھاگنے کی فکر میں تھا کیونکہ سب کو یقین ہوگیا تھا کہ مزید ٹھہرنا ان کو کوئی فائدہ نہ دے گا اور ان کا آخری فرد تک موت سے دوچار تھا وہ سب کے سب اپنی عورتوں، بچوں اور مال و متاع مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر میدان جنگ کو خالی کرتے جارہے تھے۔

جب مسلمان بنی ہوازن اور ان کے بھاگتے ہوئے حلیفوں کا پیچھا کر رہے تھے، ربیعہ بن رفیع سلمی کی مڈبھیڑ درید بن صمہ سے ہوگئی جو ایک بہت بوڑھا شخص تھا اور یہ لوگ اس کو اپنے ساتھ اس کی رائے اور اس کے جنگی تجربوں سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے لاد کر لائے تھے۔ اس نے کارزار سے پہلے ہی ان لوگوں کو نصیحت کی تھی اور اس کے نتائج سے ڈرایا تھا لیکن مالک بن عوف نے اس کی رائے ماننے سے انکار کردیا تھا۔ اب یہ شخص اپنے اونٹ پر ایک ہودہ میں ان کے ساتھ ہی رہ گیا تھا۔ جب ربیعہ نے اس کو پایا تو وہ ہودہ کھولنے سے پہلے سمجھا کہ وہ ان کے معزز لوگوں کی کوئی عورت ہے۔ لیکن جب اس نے اس کے اونٹ کو بٹھایا تو معلوم ہوا کہ وہ مرد ہے۔ تب اس نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے بتلایا کہ میں درید بن صمّہ ہوں، تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں اور اس نے اس کے تلوار کی ضرب لگائی لیکن اسے کچھ اثر نہ ہوا۔ اس پر درید نے اس سے کہا کہ تیری ماں نے تجھ کو بری طرح خارج کیا ہے، اس سواری کے پیچھے سے میری تلوار لے کر مجھ کو اس کی ضرب لگا اور ہڈیوں سے ہٹائے رہنا اور کھوپڑی کو جھکائے رکھنا کیونکہ میں خود لوگوں کو اسی طرح قتل کیا کرتا تھا، جب اپنی ماں کے پاس جانا تو اس کو بتلا دینا کہ تو نے درید بن صمّہ کو قتل کیا ہے کیونکہ کبھی کبھی میں تمہاری عورتوں کو آزاد کرتا رہا ہوں۔ اس کے بعد اس نے اس کو قتل کردیا۔ جب اس نے اپنی ماں کے پاس جاکر اس کو بتایا تو وہ بولی کہ ہاں قسم بخدا اس نے ایک ہی صبح تمہاری تین ماؤں کو آزاد کیا تھا۔ میں، میری ماں اور تمہارے باپ کی ماں۔

مسلمان ہوازن کا پیچھا کرتے رہے یہاں تک کہ اوطاس پہنچ گئے۔ یہاں انہوں نے ان کو بھاگنے کی بدترین سزا دی اور ان کی عورتوں کو قید کر کے اپنے ساتھ اٹھالے گئے۔ چنانچہ ان قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تک پہنچ گئی۔ پھر ان لوگوں نے مال غنیمت کا شمار کیا۔ تو وہ بائیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی اور اس کے علاوہ بہت سا ساز و سامان تھا جو اُن کے ہاتھ آیا۔

ان ہی قیدیوں میں شیما بنت حارث بن عبداللہ بن عبدالعزیٰ تھی جو رسول اللہؐ کی رضاعی بہن تھی۔ اس نے

مسلمانوں سے کہا کہ قسم بخدا میں تمہارے آقا کی رضاعی بہن ہوں۔ وہ لوگ اس کو رسول اللہؐ کی خدمت میں لے آئے۔ طبری کی روایت میں ہے کہ جونہی اس نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو کہنے لگی کہ یارسول اللہؐ! میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اس کی علامت کیا ہے؟ وہ بولی: کاٹنے کا نشان ہے جو آپ نے میری کمر میں لگایا تھا جبکہ میں آپ کو پکڑ رہی تھی۔ رسول اللہؐ اس کو پہچان گئے تو آپ نے کھڑے ہوکر اس کے لئے اپنی چادر کو بچھایا اور اس کو اس پر بٹھایا اور کہا کہ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ محبت اور عزت کے ساتھ قیام کرو اور اگر چاہو تو میں تم کو مال دے کر تمہارے لوگوں میں واپس بھیج دوں۔ اس نے کہا کہ آپ مال دے کر مجھ کو میرے لوگوں میں واپس کر دیجئے۔ پس آپ نے اس کو مال دے کر عزت واکرام کے ساتھ اس کی قوم والوں میں واپس بھیج دیا۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے مال اور قیدیوں کو جمع کرایا۔ چنانچہ وہ سب ایک مقام پر اکٹھے کئے گئے اور آپ نے ان کی نگہداری پر بدیل بن ورقاء اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو مقرر فرمادیا۔ ان کو حکم دیا کہ ان سب کو جعرانہ لے جاکر ان کی حفاظت کرتے رہیں تاآنکہ آنحضرتؐ دشمن کو پراگندہ کر کے اور طائف کے محاصرے سے فارغ ہو کر واپس آجائیں۔ مالک بن عوف بنی ثقیف کے ساتھ بھاگ کر طائف چلا گیا تھا۔ پس نبی اکرمؐ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ طائف جاکر وہاں کے باشندوں کا محاصرہ کرلیں تاکہ وہ اسلام قبول کرلیں۔ طائف ایک قلعہ بند شہر تھا جس کے کئی دروازے تھے جو بند ہوجاتے تھے۔ اسی کے ساتھ اس کے باشندے جنگ کے حالات سے باخبر تھے اور دولت مند تھے۔ دولت کے باعث انہوں نے اپنے قلعوں کو سب قلعوں سے زیادہ مستحکم بنالیا تھا۔

مسلمان حنین کے قیدیوں اور مال غنیمت کو زیر حراست چھوڑ کر طائف کے راستے پر روانہ ہوگئے۔ طائف سے واپس ہوتے ہوئے یا طائف جاتے ہوئے لِیہ کے مقام سے گزرے۔ وہاں مالک بن عوف کا ایک قلعہ تھا۔ انہوں نے اس کو مسمار کردیا۔ نخب کے مقام پر نبی اکرمؐ اور آپ کے ساتھیوں نے ایک بیری کے درخت کے نیچے جو صارہ کہلاتا تھا پڑاؤ ڈالا۔ اس کے ایک طرف بنی ثقیف کے ایک شخص کا احاطہ تھا۔ رسول اللہؐ نے اس سے کہلا بھیجا کہ یا تو تم اس میں سے باہر آجاؤ یا ہم اس کو تمہارے اوپر گرا دیں گے۔ جب اس نے باہر آنے سے انکار کردیا تو رسول اللہؐ نے اس کے مسمار کئے جانے کا حکم دے دیا۔ رسول اللہؐ چلتے رہے یہاں تک کہ طائف کے قریب پہنچ گئے۔ اب آپ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا تاکہ غور کریں کہ کیا کیا جائے؟ بنی ثقیف نے جیسے ہی ان گروہوں کو اپنے قلعوں کے قریب اترے ہوئے دیکھا تو فوراً ان پر تیروں کی بارش شروع کردی جو مسلمانوں میں سے بعض افراد کو آکر لگے جس کی وجہ سے نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ مسلمان تیروں کی زد سے باہر مقام اختیار کرلیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایک دوسرا مقام اختیار کر کے وہاں اپنے خیمے نصب کر لئے۔

مسلمان کئی دنوں تک قیام کر کے انتظار کرتے رہے کہ دشمن ان کے مقابلے کے لئے نکلیں گے۔ لیکن بنی ثقیف اس شکست کے بعد جو انہیں کے اپنے حلیفوں سمیت حنین میں ہوئی تھی، کی تاب نہ رکھتے تھے اور ان کو اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ حضرت محمدؐ اور آپ کے ساتھ والوں کا مقابلہ چند گھنٹوں سے زیادہ نہ کرسکیں گے۔ پس وہ کیوں اپنی عورتوں اور اپنی دولت کو

غنیمت ہو جانے اور قیدی بنا لئے جانے کے خطرے سے دوچار کرتے؟ جبکہ ان کے پاس اتنی پونجی اور کھانے کا سامان تھا جو ایک طویل مدت کے لئے کافی ہوسکتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مسلمانوں کے ہتھیار ان کے مضبوط قلعوں کو تباہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ پس ان کو انتظار کرتے رہنا لازم تھا، طویل انتظار جو مسلمانوں سے زیادہ ان کے اپنے مفاد میں تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ سلمان فارسیؓ نے ان کے خلاف منجنیق کے استعمال کی رائے دی جو اس سے پہلے عرب میں غیر معروف تھی۔ اس لئے انہوں نے اس کی شکل بنا کر مسلمانوں کو دی۔ انہوں نے اس کو بنایا اور بنا کر اس کے ذریعے قلعوں کے پیچھے تک پتھر پھینکنے لگے لیکن یہ ترکیب کم مفید ثابت ہوئی اور ان کے قلعوں اور اعصاب پر اثرانداز نہیں ہوسکی۔ چنانچہ انہوں نے ایک اور قسم کا آلہ استعمال کیا جس کا علم مکہ کے نچلے حصے میں رہنے والے قبیلوں کو تھا وہ دبابہ تھا۔ یہ ایک آلہ تھا کہ لوگ اس کے اندر گھس جاتے تھے اور وہ ان کو تیروں اور تلواروں سے بچائے رہتا تھا۔ پھر وہ اس کے ذریعے سے قلعوں تک بلکہ اس کے اندر پہنچ جاتے تھے۔ لیکن اہل طائف ایسے طریقوں سے واقف تھے جن سے وہ ان لوگوں کو بھاگنے پر مجبور کردیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے لوہے کے کچھ ٹکڑے گرم کر کے دبابہ پر مارتے جس سے آگ بھڑک اٹھتی۔ آگ لگنے سے لوگ اس کے اندر سے نکل کر بھاگنے پر مجبور ہو جاتے اور جب وہ اس میں سے نکلتے تو ان کو تیروں اور تلواروں پر دھر لیا جاتا۔ اس طرح سے کچھ لوگ جاں بحق ہوگئے۔

اس طرح نبی اکرمؐ کے لئے ان پر دباؤ ڈالنے کا اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ نہ رہا کہ انگور کی بیلوں اور درختوں کو کاٹ ڈالیں۔ طائف والے انگور کی بیلوں اور مختلف قسم کے پھلدار درختوں کے باعث دولتمند تھے۔ ان لوگوں نے یہ دیکھا کہ املاک خطرے سے دوچار ہیں تو اسلام قبول کرنے پر مائل ہوگئے۔ انہوں نے اللہ کو بیچ میں ڈال کر نبی اکرمؐ سے کہلایا کہ وہ یہ املاک اپنے اصحاب کے لئے یا خود اپنے لئے محفوظ رہنے دیں۔

اس کے بعد آنحضرتؐ کے منادی نے اہل طائف میں اعلان کردیا کہ ان میں سے جو کوئی آنحضرتؐ کی طرف آجائے گا اس کو معاف کردیا جائے گا۔ پس کچھ آنحضرتؐ کی طرف بھاگ آئے۔ انہی میں ابوبکرہ نفیع بن حارث بن کلدہ تھا جس نے نبی اکرمؐ کو بتلایا کہ ان لوگوں کے پاس خوراک اور دوسری چیزوں کا اتنا ذخیرہ موجود ہے جو اُن کے لئے طویل زمانے تک کو کافی ہوگا۔ اب رسول اللہؐ نے نفل بن معاویہ دوئلی کو بلوا کر اس سے مشورہ فرمایا کہ ان کے معاملے میں کیا ہونا چاہئے؟ نوفل نے رائے دی کہ یارسول اللہؐ بنی ثقیف اس لومڑی کے مانند ہیں جو بل کے اندر ہو اگر آپ وہاں ٹھہرے رہیں گے تو اس کو پکڑ لیں گے اور اگر آپ اس کو چھوڑ دیں گے تو وہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچائے گی۔ نبی اکرمؐ پر اس طرح تقریباً پندرہ روز گزر گئے اور ماہ ذیقعدہ قریب آ گیا تھا جو ایک ذی احترام مہینہ ہے جس میں اسلام نے جنگ کو حرام قرار دیا ہے۔ پس نبی اکرمؐ نے اس کو قابل ترجیح قرار دیا کہ ان سے محاصرہ اٹھا کر جعرانہ تشریف لے جائیں جہاں قیدی اور مال غنیمت چھوڑ آئے تھے اور پھر مکہ اور وہاں سے مدینہ تشریف لے جائیں۔ اس عزم کے ساتھ کہ اگر طائف کے قلعہ بند قبیلے اپنے اسلام دشمن طرز عمل پر قائم رہے تو قابل احترام مہینوں کے گزر جانے کے بعد پھر طائف واپس آئیں گے۔

پس آنحضرتؐ اور آپ کے ساتھ کے مسلمان ان لوگوں سے دست کش ہو کر جعرانہ چلے آئے جہاں اپنے مال غنیمت اور قیدیوں کو چھوڑ گئے تھے۔ بنی ہوازن اس صورتحال کی نزاکت کو سمجھ گئے۔ یعنی یہ کہ عنقریب ان کی عورتیں اور ان کی دولت آنحضرتؐ اور آپ کے ساتھ والے مسلمانوں کے ہاتھوں میں غنیمت بن جائیں گی اور ان لوگوں میں بہت سے افراد ایسے تھے جو غنیمت کے لالچ میں ساتھ ہو گئے تھے۔ پس اگر صرف دولت ہی کا معاملہ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ اس کو بھلا کر نظرانداز کر دیتے لیکن ان کی عورتیں اور بچے جو سب ملا کر چھ ہزار ہوتے تھے، مسلمانوں اور ظاہراً اسلام قبول کرنے والوں کے ہاتھوں میں مال غنیمت بن چکے تھے۔ آپس میں تبادلہ خیال کے بعد ان میں سے اکثر کی رائے یہ ٹھہری کہ نبی اکرمؐ سے سلامتی کا مطالبہ کر کے اسلام میں داخل ہو جائیں کیونکہ اسلام اب صبح و شام ہی میں پورے جزیرۂ عرب کا دین بننے والا تھا۔

پس ان لوگوں نے نبی اکرمؐ کی خدمت میں اپنا ایک وفد بھیجا تا کہ وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں معذرت پیش کریں اور آپ کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کر کے درخواست کریں کہ ان کی عورتوں اور بچوں کو واپس فرما دیں۔ چنانچہ یہ وفد جعرانہ پہنچا جبکہ نبی اکرمؐ خمس علیحدہ کرنے کے بعد غنیمت کا مال تقسیم فرما رہے تھے۔ یہ وفد چودہ افراد پر مشتمل تھا جو اُن کے بزرگ تھے۔ جیسا کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایک شخص تھا جو ابوثر دان یا ابویرقان کہلاتا تھا اور رسول اللہؐ کا رضاعی چچا تھا۔ اس وفد کا سربراہ زہیر بن صرد تھا۔ آنحضرتؐ کے رضاعی چچا نے آپ سے کہا کہ یارسول اللہؐ! قیدیوں کے ان احاطوں میں وہ عورتیں بھی ہیں جنھوں نے آپ کی کفالت کی ہے اور آپ کی پھوپھیاں، خالائیں اور پالنے والیاں ہیں۔ ہم نے آپ کو اپنی گودوں میں پالا اور اپنی چھاتیوں سے دودھ پلایا ہے، ہم نے آپ کو شیرخوار دیکھا تو ہم نے آپ سے بہتر کوئی شیرخوار نہ پایا، ہم نے آپ کو دودھ چھوٹا بچہ دیکھا اور آپ سے بہتر دودھ چھوٹا بچہ نہ پایا، پھر ہم نے آپ کو بحالت جوانی دیکھا اور آپ سے بہتر کوئی جوان نہ پایا، آپ میں خوبی کی تمام صفات بدرجہ کمال پہنچی ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم آپ کے ہم قوم اور کنبے والے بھی ہیں۔ پس آپ ہمارے اوپر احسان فرمائیے، اللہ آپ پر احسان کرے گا۔

زہیر بن صرد نے کہا کہ یارسول اللہؐ! میں خاندان والا اور کنبے والا ہوں اور قیدیوں کے ان احاطوں میں آپ کی پھوپھیاں، آپ کی خالائیں اور آپ کی گود پالنے والیاں ہیں۔ اگر ہم ابوشمر غسانی یا نعمان بن منذر سے رجوع کرتے تو ان سے بھی ہم کو اچھے سلوک کی امید ہوتی اور آپ تو تمام انسانوں میں سب سے بہترین ہیں۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

> ''اے اللہ کے رسولؐ! ہمارے اوپر کریمانہ احسان فرمائیے کیونکہ آپ وہ ہستی ہیں جن سے ہماری امیدیں وابستہ ہیں اور آپ ہی کو ہم اپنا ذخیرۂ توقعات مانتے ہیں۔ آپ ان عورتوں پر احسان فرمائیے جن کو قسمت نے پراگندہ کر دیا ہے اور جن کے حالات زمانے نے دگرگوں کر دیئے ہیں۔''

عقل اس بات کو نہیں مانتی کہ نبی اکرمؐ ان افراد پر مہربانی نہ فرماتے کیونکہ ان کا دامن رحمت تو ابوسفیان، ہند اور قریش پر جنھوں نے آپ کو سخت اذیت دی تھی، نیز ادھر ادھر کے دسیوں غیر قریشیوں پر بھی پھیل چکا تھا پس ضروری تھا کہ جب ہوازن نے اطاعت کا اعلان کر کے عفو طلب کیا تو ان پر بھی آپ کا دامن رحمت سایہ فگن ہو جاتا بالخصوص ان میں بنی

سعد بھی تھے جن میں نبی اکرمؐ چار سال سے زیادہ عرصے تک رہ چکے تھے اور آپ ان سب کی پسندیدہ ہستی تھے۔ آپ نیکیوں پر آمادہ کرتے رہتے اور اس کی جزا کا وعدہ فرماتے تھے جو آپ کی رسالت کا ایک جزو تھا۔

کیا یہ عقل میں آجانے کی بات ہے کہ آنحضرتؐ ان لوگوں کے لئے ان مواقف کو بھول جاتے جبکہ قریب ماضی میں آپ کی رضاعی بہن شیما آئی تھی تو آپ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھا کر اس کو اس پر بٹھایا تھا اور اس کو اپنی عطا ہائے کریمانہ سے مالامال کردیا تھا۔ حسن سلوک آپ کی نمایاں ترین خصلتوں میں سے تھا اور فتح مندی کے موقع پر عفو آپ کا محبوب ترین طریقہ عمل تھا۔ پس آنحضرتؐ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ تم کو اپنی عورتیں اور بچے زیادہ محبوب ہیں یا اپنی دولت؟ وہ بولے کہ یارسول اللہؐ! آپ ہم کو ہماری دولت اور ہمارے اہل وعیال کے مابین اختیار کرنے کا حق عطا فرمارہے ہیں تو ہم کو اپنی عورتوں اور بچوں سے کوئی چیز زیادہ عزیز نہیں ہے۔

اس پر آنحضرتؐ نے مسلمانوں کے درمیان کھڑے ہوکر فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی آکر توبہ کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم لوگ ان کے قیدیوں کو واپس دیدو۔ آگاہ ہو جاؤ کہ جو کچھ میرا اور بنی عبدالمطلب کا ہے وہ ان کو دیدیا گیا۔ پھر آپ نے ہوازن کی جانب متوجہ ہوکر فرمایا کہ جب میں نماز ظہر ادا کرلوں تو تم لوگ کھڑے ہوکر کہنا کہ ہم اپنی عورتوں اور بچوں کے معاملے میں رسول اللہ کی خدمت میں مسلمانوں کی سفارش کے خواہاں ہیں اور مسلمانوں کے سامنے رسول اللہ کی سفارش کے خواہاں ہیں۔ چنانچہ جب آنحضرتؐ نماز ظہر سے فارغ ہوئے تو ہوازن نے اس پر عمل کیا جو نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا۔ اس پر آنحضرتؐ نے ان کو جواب دیا کہ جو کچھ میرا اور بنی عبدالمطلب کا حصہ تھا وہ میں تم کو دیتا ہوں۔ مہاجروں نے کھڑے ہوکر کہا کہ جو کچھ ہمارا تھا وہ ہم رسول اللہؐ کو دیتے ہیں۔ انصار نے بھی کھڑے ہوکر بعینہ یہی کیا۔ عباس بن مرداس نے کھڑے ہوکر کہا کہ میں اور بنی سلیم ان کو کوئی چیز دینے پر تیار نہیں ہیں۔ لیکن بنی سلیم نے رائے بدل کر کہا کہ جو کچھ ہمارا حصہ تھا وہ رسول اللہؐ کا ہے۔ رسول اللہؐ نے کھڑے ہوکر ان لوگوں سے جو اپنے حصے کے قیدیوں پر باقی رہنا چاہتے تھے فرمایا کہ یہ لوگ آکر مسلمان ہوگئے ہیں اور میں نے ان کو قیدیوں اور ان کی دولت میں اختیار کا حق دیا تھا۔ پس انہوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو اختیار کیا ہے۔ پس جو کوئی قیدیوں پر اپنے حق پر قائم ہے اس کو چاہیئے کہ اس سے ان لوگوں کے حق میں دستبردار ہو جائے اس کو ہر انسان کے بدلے میں چھ اونٹ دیئے جائیں گے۔ اس پر وہ سب خوش ہوگئے اور سب اپنے اپنے حق سے دستبردار ہوگئے۔

اس طرح ہوازن نے اپنے اسلام کا اعلان کرنے کے بعد اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو واپس حاصل کرلیا۔ اب نبی اکرمؐ نے ہوازن سے مالک بن عوف کے متعلق دریافت کیا جو اس انبوہ کی قیادت کر رہا تھا۔ ان لوگوں نے بتلایا کہ اس نے طائف جاکر بنی ثقیف کی پناہ حاصل کرلی ہے۔ تب آپ نے فرمایا کہ اس کو بتلادو کہ اگر وہ مسلمان ہوکر میرے پاس آئے گا تو میں اس کے اہل وعیال اور مال واپس کردوں گا اور اس کو سو اونٹ بھی دوں گا۔ جب لوگوں نے اس کو جو کچھ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا بتلایا تو وہ چھپ کر نکلا اور نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام لے آیا اور نبی اکرمؐ نے اس کے

اہل وعیال اور مال واپس کر کے جو وعدہ فرمایا تھا وہ بھی عطا کر دیا۔ نیز اس کو اس کی اپنی قوم پر اور ان قبیلوں پر جو طائف کے گرد ونواح میں اسلام میں داخل ہو گئے تھے عامل مقرر فرمادیا۔

جب نبی اکرمؐ ہوازن سے نمٹ چکے اور آپ نے ان کی عورتیں اور ان کے مال ان کو واپس کر دیئے تو آپ نے سوار ہو کر لوگوں کے ہمراہ مکہ کی جانب چلنے کا ارادہ فرمایا۔ اس پر مسلمانوں نے آپ کے گرد جمع ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہؐ مال غنیمت کے ہمارے حصے ہم میں تقسیم فرمادیجئے۔ وہ لوگ خائف ہوئے کہ آنحضرتؐ مال غنیمت ان عربوں کو دیدیں گے جو مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں آئے ہیں جیسا کہ آپ نے مالک بن عوف کے ساتھ کیا تھا۔ وہ لوگ آنحضرتؐ سے جھگڑتے رہے یہاں تک کہ مجبور کر کے ایک درخت تک لے گئے جو وہیں تھا۔ آپ کی چادر آپ کے اوپر سے ہٹ گئی۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے لوگو! میری چادر مجھ کو واپس دیدو کیونکہ قسم بخدا اگر تمہارے حصے میں پوری وادی تہامہ کے درختوں کے برابر نعمتیں بھی ہوتیں تو میں وہ سب تم ہی پر تقسیم کر دیتا۔ پھر تم نے مجھ کو کبھی کنجوس، بزدل اور جھوٹا نہیں پایا ہے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ ایک اونٹ کے برابر میں کھڑے ہو گئے اور اس کے کوہان پر سے ایک بال لے کر اپنی انگلیوں کے درمیان رکھا پھر اس کو بلند کر کے فرمایا کہ اے لوگو! تمہاری غنیمت میں میرا کوئی حصہ سوائے خمس کے نہیں ہے۔ اس بال برابر بھی نہیں ہے اور خمس تمہارے لئے نہیں ہے۔

پھر آپ مال غنیمت کی تقسیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے ابتداء مولفۃ القلوب سے کی۔ چنانچہ ابوسفیان، اس کے دونوں بیٹے معاویہ اور یزید، حکیم بن حزام، علاء بن جاریہ ثقفی، حارث بن ہشام، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ، عینیہ بن حصن، اقرع بن حابس اور مالک بن عوف نصری میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ عطا فرمائے۔ دوسروں کو اس سے کم دیا۔ ان میں مخرمہ بن نوفل زہری، عمیر بن وہب اور ہشام بن عمرو شامل تھے۔ سعید بن یربوع، عامر بن مخزوم اور ان کے علاوہ ایک جماعت میں سے ہر ایک کو پچاس پچاس اونٹ عطا کئے۔ کہا گیا ہے کہ اس سے کم دیئے۔ عباس بن مرداس کو چالیس اونٹ دیئے۔ وہ اس سے راضی نہیں ہوا کیونکہ دوسروں کو اس سے زیادہ عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ اس نے رسول اللہؐ سے احتجاج کرتے ہوئے یہ اشعار کہے اور کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس کو چار اونٹ دیئے تھے:

> ''مجھے ایک شکار مل گیا تھا جو نومولود گھوڑے کی طرح ریتیلی زمین پر رک رک کر چل رہا تھا۔
> قوم والے مجھ پر نظریں جمائے ہوئے تھے گو وہ جاگ رہے تھے اور سو بھی جاتے تھے لیکن میں نہ سوتا تھا۔ یہ ابن حصن اور ابن حابس ہرگز اس مجمع میں ابن مرداس پر فوقیت نہ رکھتے تھے۔ میں ان دونوں میں کسی سے کم نہ تھا اور آپ جس کو آج ذلیل کر دیں گے وہ پھر کبھی عزت حاصل نہ کر سکے گا۔''

ارشاد میں شیخ مفید کی روایت میں ہے کہ رسول اللہؐ نے اس کی یہ بات سنی تو امام علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ! کھڑے ہو کر اس کا منہ بند کر دو۔ عباس بن مرداس بولا کہ یہ فقرہ مجھ کو روز خثعم سے زیادہ شدید معلوم ہوا جب ہم اپنے گھروں کو آئے تھے۔ بعدازاں امام علیؑ نے میرا ہاتھ پکڑا اور وہ مجھ کو لے چلے۔ اگر میری دانست میں کوئی شخص بھی ایسا ہوتا جو مجھ کو ان سے

چھڑا سکتا تو میں اس کو ضرور پکار لیتا۔ پس میں نے کہا کہ اے علیؑ! کیا آپ میری زبان کاٹنے والے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں تمہارے بارے میں رسول اللہؐ کے حکم کی تعمیل کرنے جارہا ہوں۔ وہ میرے ساتھ تھے، انہوں نے مجھ کو مویشیوں کے باڑے میں داخل کر کے کہا کہ چالیس کے بعد سو کی تعداد پوری کرلو۔ میرے منہ سے نکلا کہ میرے ماں باپ آپ لوگوں پر نثار ہوجائیں، آپ کتنے سخی، بردبار اور باعلم ہیں۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہؐ نے تم کو چالیس دے کر مہاجرین کے برابر کردیا تھا۔ پس اگر تم چاہتے ہوتو یہی لئے رکھو اور اگر چاہتے ہوتو سو لے کر سو والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ میں نے کہا کہ آپ مجھ کو مشورہ دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ جو رسول اللہؐ نے عطا فرمایا ہے اس کو قبول کرلو۔ میں بولا کہ میں ایسا ہی کروں گا۔

بیشتر سیرت نگاروں نے صرف اتنا ہی بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہؐ نے اس کے اشعار سنے تو فرمایا کہ جاؤ اس کی زبان قطع کرو۔ چنانچہ اس کو اس کی حسب خواہش دیدیا گیا۔

جب مال غنیمت کی تقسیم اس طرز پر ہوچکی جس میں بڑا حصہ ان افراد کو ملا جو اب تک باطن میں شرک پر قائم تھے، جیسے ابوسفیان، معاویہ، عکرمہ اور ان جیسے افراد اور انصار کے حصے میں قدرے محرومی آئی ان میں سے بعض نے کہا کہ یہ تقسیم عادلانہ نہیں ہے۔ بعض کہنے لگے کہ حضرت محمدؐ اپنی قوم سے جاملے اب دیکھیں اس کے بعد ہمارے ساتھ کیا کرتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ ایسے کلمات ان کے منہ سے جاری ہوئے جو بتلا رہے تھے کہ جس طریقہ سے مال غنیمت کی تقسیم کی گئی اس سے وہ خوش نہ تھے۔

سعد بن عبادہ نے نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر آنحضرتؐ کو انصار کے موقف سے آگاہ کیا تو آپ نے ان سے فرمایا: اے سعد! تمہارا اس میں کیا رویہ ہے؟ انہوں نے کہا: اپنی قوم کے بغیر میری کیا حیثیت ہے؟ تب آنحضرتؐ نے ان سے کہا: اے سعد! اپنی قوم والوں کو اس احاطے میں اکٹھا کرلو۔ انہوں نے سب کو بلوالیا۔

پس نبی اکرمؐ تشریف لائے اور امام علیؑ ان کے ہمراہ تھے اور دوسرے مہاجرین بھی آگئے۔ نبی اکرمؐ ان کی جانب سے رخ پھیر کر انصار کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے فرمایا: اے گروہ انصار! یہ تمہاری کیا باتیں مجھ تک پہنچی ہیں اور تم نے اپنے دلوں میں میرے خلاف کیا نئی نئی باتیں اٹھائی ہیں؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ جب میں تمہارے پاس آیا تو تم لوگ گمراہ تھے اور اللہ نے تم کو ہدایت بخشی؟ تم کنگال تھے اللہ نے تم کو مالدار بنادیا، آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے تمہارے دلوں میں باہمی محبت پیدا کردی۔ وہ بولے: یقیناً یا رسول اللہؐ۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: اے گروہ انصار! کیا تم مجھ کو جواب نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا: یارسول اللہؐ! ہم آپ کو کیا جواب دیں؟ اس کے رسولؐ کا ہمارے اوپر احسان ہی احسان ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: دیکھو قسم بخدا! اگر تم چاہتے تو کہتے اور سچ ہی کہتے کہ آپ ہمارے پاس آئے تو آپ کو جھٹلایا جارہا تھا ہم نے آپ کی تصدیق کی، آپ بے یار و مددگار تھے ہم نے آپ کی مدد کی، آپ غریب الوطن تھے ہم نے آپ کو پناہ دی، آپ بے زر تھے ہم نے آپ کو سہارا دیا۔ اس پر وہ سب زور زور سے رونے لگے اور ان کے بزرگ اور سربرآوردہ افراد نے کھڑے ہوکر آنحضرتؐ کے ہاتھ اور پیر چوم کر کہا: ہم اللہ اور رسولؐ سے راضی ہیں، یہ ہماری

دولت آپ کے سامنے حاضر ہے آپ چاہتے ہیں تو اس کو بھی اپنی قوم پر تقسیم فرما دیجئے، ہم میں سے جس کسی نے جو کچھ کہا ہے وہ سینہ میں حسد وغرور اور دل میں کدورت کی وجہ سے کہا ہے، لیکن ان سب نے اس کو گناہ مان کر اور اپنا قصور تصور کر کے اللہ سے اپنے ان گناہوں کے لئے طلب مغفرت کی ہے۔ یارسول اللہؐ! آپ بھی ان کے لئے طلب مغفرت فرمائیے۔

چنانچہ رسول اللہؐ نے کہا: اے اللہ! انصار کو اور ان کے بچوں اور ان کے بچوں کے بچوں کو بخش دے۔ اے گروہ انصار! کیا تم اس پر مطمئن نہیں ہو کہ دوسرے لوگ مال و متاع لے کر واپس جائیں اور تم لوگ اللہ کے رسول کو ساتھ لے کر واپس جاؤ؟ سب نے کہا: ہم اس پر راضی ہیں یارسول اللہؐ۔ تب رسول اللہؐ نے فرمایا: انصار میرے گھر کے افراد اور میرے رازدار ہیں۔ اگر دوسرے لوگ ایک راستا اختیار کریں اور انصار دوسرا راستا لیں تو میں ضرور انصار والے راستے پر چلوں گا۔ اس دانشمندانہ اور ہوشمندانہ حکمت عملی سے ان کے دل خوش ہو گئے۔

نبی اکرمؐ اپنے ساتھ والوں کو لے کر ماہ ذی قعدہ میں جعرانہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد حالت احرام سے آزاد ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے مکہ میں عتاب بن اسید کو اپنی نیابت میں چھوڑا اور ان کے ساتھ معاذ بن جبل بھی وہاں رہے تا کہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیتے رہیں اور قرآن پڑھایا کریں۔ وہاں سے آپ مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور اواخر ذی قعدہ میں شہر میں داخل ہوئے اور اس وقت آپ اپنی تمام جنگوں اور غزووں کی کامیابیوں میں سب سے بڑی کامیابیاں حاصل کر کے آئے تھے۔ یہ دو کامیابیاں تھیں فتح مکہ اور حنین میں تیس ہزار لڑنے والے افراد پر مشتمل لشکر کی ایسی شکست جس سے زیادہ بری شکست سے ہوازن اور ان کے حلیف آشنا نہ ہوئے تھے۔ ان پے درپے کامیابیوں نے عرب کے ان بڑے بڑے افراد اور قائدین پر بڑا گہرا اثر مرتب کیا جو یہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ وہ حضرت محمدؐ کے سامنے سرنگوں ہونے اور آنحضرتؐ کی اطاعت کا اقرار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ نبی اکرمؐ کے طائف سے واپس آنے کے بعد بجیر بن زہیر بن ابی سلمیٰ نے اپنے شاعر بھائی کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ کو لکھا کہ حضرت محمدؐ نے مکہ کے ان افراد کو قتل کرا دیا ہے جو آنحضرتؐ کی ہجو کیا کرتے تھے اور قریش کے وہ شاعر جو باقی رہ گئے تھے جیسے ابن زبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب قتل کے خوف سے منہ چھپا کر بھاگ گئے ہیں۔ پس اگر تم کو اپنی جان کا کوئی خیال ہے تو رسول اللہؐ کی خدمت میں آجاؤ کیونکہ آنحضرتؐ اس کو قتل نہیں کرتے جو توبہ کر کے آپ کی خدمت میں آجائے۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو ایسے مقام پر چلے جاؤ جہاں تم ان سے بچ سکو۔

کعب کو اپنے بھائی کا خط ملا تو اس پر زمین تنگ ہو گئی اور قتل ہو جانے کا خوف طاری ہو گیا اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے وہ بھی کانپنے لگے۔ کعب کو اپنے بھائی کے سچا ہونے اور اس کی نصیحت کے پرخلوص ہونے کا یقین ہو گیا اور اس بات کا بھی کہ اگر وہ حضرت محمدؐ کے پاس نہ گیا تو تاحیات خارج الوطن اور مارا مارا پھرتا رہے گا۔ پس وہ جلدی سے مدینہ پہنچ کر اپنے ایک دوست کے پاس ٹھہر گیا تا کہ وہ شخص نبی اکرمؐ سے اس کو معاف کئے جانے کے بارے میں بات کرے۔

پس یہ دونوں دوسری صبح کو رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کعب نے رسول اللہؐ کے سامنے بیٹھ کر آپ کے دست مبارک میں اپنا ہاتھ رکھ دیا جبکہ رسول اللہؐ اس کو پہچانتے نہ تھے اور وہ بولا: یارسول اللہؐ! اگر کعب بن زہیر آپ کی

خدمت میں توبہ کر کے اور مسلمان ہو کر آئے اور آپ سے امان کا خواہاں ہو تو کیا آپ اس کی خواہش قبول فرمالیں گے؟ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ضرور۔ تب کعب بن زہیر نے آنحضرتؐ سے کہا: یارسول اللہؐ! میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔ پھر اس نے اسلام قبول کیا اور آنحضرتؐ نے اس کو معاف کر دیا اور اس نے اپنا وہ قصیدہ پڑھا جس کے مطلع میں وہ کہتا ہے کہ:

''خوشحالی کا وقت آ پہنچا ہے، اسی لئے میرا دل آج خوشی سے جھوم رہا ہے اور ہر قسم کی قید سے آزاد ہے۔ جدائی کی صبح میں جب لوگ رخصت ہو رہے ہوں کیا خوشی ہوسکتی ہے سوائے اس کے جب نرم و نازک جلد والی اور سرگیں آنکھوں والی حسینہ محوطرب ہو۔''

اسی میں وہ کہتا ہے کہ:

''مجھ کو بتایا گیا کہ رسول اللہؐ نے مجھ کو متنبہ کیا ہے لیکن ان سے معافی کی خواہش کی جاسکتی ہے۔ ایسے موقع پر اسی نے میری ہدایت کی جس نے آپ کو قرآن عطا کیا ہے جس میں نصیحت اور تفصیلی احکام ہیں۔ اب آپ میری بیہودہ گوئی پر میرا مواخذہ نہ فرمایئے اگرچہ میں نے بہت کچھ بکواس کی ہے مگر میں نے گناہ نہیں کیا ہے۔''

اس قصیدے میں اس نے مہاجرین کی تعریف تو کی لیکن انصار کو نظرانداز کر دیا۔ چنانچہ اس نے قصیدہ ختم کیا تو نبی اکرمؐ نے اس سے فرمایا: تم نے انصار کا ذکر خیر نہیں کیا حالانکہ وہ بھی اس کے سزاوار ہیں۔ اس پر اس نے کچھ شعر کہے جن میں وہ کہتا ہے کہ:

''جو زندگی میں عزت کا خواہاں ہو وہ انصار کی خاطر گھوڑوں پر سوار رہتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بڑوں سے یکے بعد دیگرے اعزازات حاصل کرتے آئے ہیں۔ ان کے اچھے اچھوں کے بیٹے ہوتے آئے ہیں۔ یہ بڑی تیز انگاروں کی مانند سرخ آنکھوں سے دیکھنے والے ہیں جن میں کبھی کمزوری کا شائبہ بھی نہیں آتا۔ انہوں نے اپنے نفوس کو نبی اکرمؐ کے ہاتھوں ایسی موت کے بدلے میں بیچ ڈالا ہے جو دشمنوں سے مقابلے میں آتی ہے۔''

رسول اللہؐ نے کعب بن زہیر کو یہ عزت بخشی کہ جو چادر خود زیب تن کئے ہوئے تھے، وہ اتار کر اس کو پہنادی۔

تاریخ طبری میں ہے کہ مدینہ واپس آنے کے چند ہی دنوں کے اندر اندر رسول اللہؐ نے فاطمہ بنت ضحاک بن سفیان سے تزویج فرمائی لیکن جب رسول اللہؐ نے اپنی بیویوں کو حق اختیار دیا تو ان بی بی نے دنیا کو پسند فرمایا اور مزید یہ کہ انہوں نے آنحضرتؐ سے اللہ کی پناہ طلب کی چنانچہ آنحضرتؐ نے ان سے مفارقت اختیار فرمالی۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا: رسول اللہؐ اس امر کو پسند فرماتے ہیں کہ جب وہ بیویوں کے پاس آئیں تو وہ آپ سے کہیں: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْکَ. (میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں)۔ انہوں نے ان کے کہنے پر عمل کیا اور آنحضرتؐ سے یہی کہا، جس پر آپ نے ان کو ان سے ملے بغیر طلاق دیدی۔

حضرت ابراہیم بن محمدؐ کی ولادت

کہا گیا ہے کہ آٹھویں سال کے آخری حصے میں ماریہ قبطیہ سے آنحضرتؐ کے فرزند حضرت ابراہیم کی ولادت ہوئی۔ چنانچہ طبری اور یعقوبی کا بیان ہے کہ وہ ۸ھ، ماہ ذی الحجہ میں پیدا ہوئے اور جب ابورافع نے آنحضرتؐ کو ان کی ولادت کی خوشخبری سنائی تو آپ نے ان کو ایک غلام عطا کیا۔ بہت مسرور ہوئے اور جدالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کے نام سے برکت حاصل کرنے کے لئے ان کا نام بھی ابراہیم رکھا۔ جبرئیل امینؑ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: السلام علیک یا ابا ابراھیم. انصار کی ہر دودھ پلانے والی عورت اس کی متمنی تھی کہ ان کی رضاعت کا شرف حاصل کرے لیکن نبی اکرمؐ نے ان کو بنی نجار کی عورتوں میں سے ام بردہ بنت منذر بن یزید کے سپرد فرمایا۔

یعقوبی مزید بیان کرتے ہیں کہ زہری نے عروہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میرے پاس رسول اللہؐ اپنے بیٹے ابراہیم کو لے کر تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ اس میں میری شباہت دیکھو۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں تو ان کو دیکھتی ہوں کہ یہ اس (یعنی ماریہؓ) کے مشابہ ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ ان کا گورا پن اور ان کا گوشت نہیں دیکھتی ہو؟ اس پر وہ بولیں کہ جس کا زمانہ حمل کم رہا ہو وہ گورا اور موٹا ہو ہی جاتا ہے۔

ان کے گورا اور موٹا ہونے کو بیان کرنے سے نبی اکرمؐ چاہتے تھے کہ اپنی بیوی ماریہ قبطیہ پر حضرت عائشہؓ کے بہتان کو غلط ثابت کریں اور آنحضرتؐ زور دے رہے تھے کہ وہ آپ کے سوا کسی اور کے مشابہ نہیں ہیں لیکن وہ اپنے موقف سے ہٹنے پر تیار نہ تھیں۔ حالانکہ اپنی بیوی کے بارے میں ایسا گناہ آلود شبہ خود آپ پر بھی اثرانداز ہوتا تھا اور ان (یعنی حضرت عائشہؓ) کو اس سزا کا مستحق قرار دیتا تھا جو اسلام نے مقرر کی ہے۔ لیکن وہ کہہ ہی بیٹھیں کہ جس کا زمانہ حمل کم رہا ہو وہ گورا اور موٹا ہو ہی جاتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ سورۂ نور کی گیارہویں آیت اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُ و بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ مِنْکُمْ لَا تَحْسَبُوْہُ کے بارے میں نازل ہوئی جس نے حضرت ماریہؓ کو ان کے خالہ زاد بھائی جبیر کے ساتھ متہم کیا تھا۔ جیسا کہ ہم نبی اکرمؐ کی غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی کے دوران حضرت عائشہؓ کے صفوان بن معطل سلمی کے ساتھ متہم کئے جانے کے بیان میں ذکر کر چکے ہیں۔ اسی طرح یہ کہا جاتا ہے کہ سورۂ حجرات کی چھٹی آیت اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَۃٍ. اسی موقع پر نازل ہوئی تھی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

بہت مرتبہ حضرت عائشہؓ پر حسد اس طرح سوار ہوئی تھی کہ وہ خود اور حفصہ، اور آنحضرتؐ کی وہ بیویاں جو اُن دونوں سے ملی رہتی تھیں، آپس میں مل کر اتنا خرچہ طلب کرتی تھیں جو آنحضرتؐ نہیں دے سکتے تھے یہاں تک کہ یہ عورتیں حسد اور جلن میں اپنے مطالبات کی وجہ سے آنحضرتؐ کو تکلیف پہنچاتی تھیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ نے اپنی اپنی لڑکیوں کے رسول اللہؐ کے ساتھ ایسا موقف اختیار کرنے پر برا مانا اور اسی موقع کے لئے یہ آیت نازل ہوئی:

یَاۤاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًاo وَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَالْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًاo ''اے نبیؐ! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اس دنیا کی زندگی اور زینت کی خواہش ہے تو آؤ میں تم کو مال دے کر خوش اسلوبی سے رخصت کردوں اور اگر تم نظر میں اللہ، اس کے رسولؐ اور دار آخرت کو رکھے ہوئے ہو تو سمجھ لو کہ تم میں سے جو حسن عمل کرنے والی ہیں ان کے لئے اللہ نے عظیم ثواب رکھا ہے۔'' (سورۂ احزاب: آیت ۲۸۔۲۹)

ایک مرتبہ یہ اتفاق ہوا کہ آنحضرتؐ اپنی بیوی زینبؓ بنت جحش کے پاس آئے۔ یا ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ام سلمیٰؓ کے پاس آئے اور ان کے پاس دیر تک رہے جس سے آپ کی دوسری بیویوں کے ذہنوں میں حسد پیدا ہوئی اور جیسا کہ خود حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے اور حفصہؓ نے مل کر طے کیا کہ اب آنحضرتؐ جس کے پاس تشریف لائیں تو وہ آنحضرتؐ سے کہے کہ مجھے مغافیر کی بو آرہی ہے۔ مغافیر ایک بدبودار پتا ہوتا ہے اور نبی اکرمؐ کو بدبو سخت ناپسند تھی۔ آنحضرتؐ حضرت عائشہؓ کے یہاں تشریف لائے تو انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ مجھ کو مغافیر کی بو آرہی ہے۔ آپ نے ان سے کہا کہ میں نے زینبؓ کے پاس شہد کا شربت پیا تھا اور اب ایسا نہ کیا کروں گا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ حفصہؓ کے یہاں گئے، انہوں نے بھی آپ سے وہی کہا اور آپ نے ان کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہؓ کو دیا تھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ کی بیشتر بیویوں نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ طے کیا کہ آنحضرتؐ سے یہی کہیں گی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اس کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا۔[1]

ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے حفصہؓ سے کوئی بات کہی اور ان کو حکم دیا کہ یہ کسی کو نہ بتائیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے حضرت عائشہؓ سے بات کہی تھی۔ پھر انہوں نے اس کو اپنے باپ کو یا جیسا کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اپنی ساتھ والی کو بتلا دیا اور اسی قسم کے بہت سے افعال ہیں جو اُن خواتین سے آئے دن سرزد ہوتے تھے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ ایک پورے مہینے بھر ان سب سے علیحدہ رہے اور مسلمانوں میں مشہور ہوگیا کہ نبی اکرمؐ نے اپنی سب بیویوں کو طلاق دیدی ہے اور بات یہاں تک پہنچی کہ ایک روز آنحضرتؐ نے مسلمانوں کے درمیان خطبہ دیا جس کے دوران آپ نے فرمایا کہ یہاں سے فتنہ اٹھتا ہے جس طرح شیطان کے سینگ نکلتے ہیں جیسا کہ بخاری نے اپنی صحیح کی جلد۲ میں صفحہ۱۸۹ میں بیان کیا ہے۔ اس موقع پر اللہ نے آنحضرتؐ پر یہ آیات نازل فرمائیں:

یَاۤاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

۱۔ اس روایت میں جھوٹی اور موضوع ہونے کی علامات نمایاں ہیں کیونکہ یہ نبی اکرمؐ کی اس طرح تصویر کشی کرتی ہے کہ گویا آپ اپنی بیویوں کے ہاتھوں میں آلۂ کار بنے ہوئے تھے اور جیسا وہ چاہتیں آپ کے ساتھ کرتی رہتی تھیں حالانکہ آپ اس سے کہیں بلند اور ارفع تھے کہ ایسے رہے ہوں جیسا کہ دوسرے موقعوں پر اپنی بیویوں کے ساتھ آپ کے مواقف سے ثابت ہوتا ہے۔

رَّحِيمٌ○ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ○ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَأَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ○ اِنْ تَتُوبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَ جِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيرٌ○ عَسٰى رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا○ ''اے نبیؐ! جو کچھ اللہ نے آپ کے لئے حلال قرار دیا اس کو آپ حرام کیوں قرار دیتے ہیں تاکہ اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کریں جبکہ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اللہ نے آپ کے لئے اپنی قسموں سے آزاد ہونے کا طریقہ مقرر کردیا ہے۔ وہ آپ کا آقا ہے اور وہ جاننے والا صاحب حکمت ہے۔ جب نبی نے اپنی بیوی سے ایک بات کہی اور اس نے اس بات کو آشکارا کردیا اور اللہ نے یہ معاملہ آپؐ پر ظاہر کردیا تو آپؐ نے اس کا کچھ حصہ بتلایا اور کچھ حصے سے چشم پوشی کی۔ پھر جب آنحضرتؐ نے اس کو اس سے آگاہ کیا تو وہ پوچھنے لگی کہ آپ کو یہ سب کس نے بتایا؟ آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ مجھ کو اس نے بتایا جو خود بڑا علم والا اور سب خبریں رکھنے والا ہے۔تم دونوں کو چاہئے کہ اللہ کے سامنے توبہ کرو کیونکہ تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہوگئے ہیں۔ اگر تم دونوں رسول اللہؐ کے خلاف عمل کرتی رہوگی تو اللہ، جبرئیلؑ اور مومنوں میں سے ایک صالح شخص ان کے مددگار ہیں اور اس کے علاوہ ملائکہ ان کے پشت پناہ ہیں۔ اگر وہ تم کو طلاق دیدیں گے تو عنقریب اللہ ان کو بدلے میں ایسی بیویاں دیدے گا جو تم سے بہتر مسلمان، ایمان والیاں، اطاعت کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں، شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں گی۔'' (سورۂ تحریم: آیت ا تا ۵)

ایک قول کے مطابق ہوا یہ تھا کہ نبی اکرمؐ نے اپنے لئے حضرت ماریہ قبطیہؓ کو حرام قرار دے دیا تھا کیونکہ حضرت حفصہؓ نے ایک ایسے روز جو اُن کے لئے تھا، آنحضرتؐ کو ماریہؓ کے ساتھ دیکھ لیا تھا جس کی وجہ سے آنحضرتؐ نے ان کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا اور ان سے کہا کہ اس امر کو مخفی رکھیں اور اسی طرح ان کو یہ بھی بتلادیا کہ آنحضرتؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ حاکم ہوں گے اور ان سے عہد لیا کہ اس کی خبر کسی کو نہ دیں گی لیکن جب آنحضرتؐ ان کے پاس سے ہٹے تو انہوں نے اس کی اطلاع حضرت عائشہؓ کو کردی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عائشہؓ ہی کے ساتھ ہوا تھا اور انہوں نے حضرت حفصہؓ کو اس بات سے آگاہ کردیا تھا جس کے متعلق نبی اکرمؐ نے ان سے کسی دوسرے کو نہ بتانے کا عہد لیا تھا جیسا کہ ان آیات کی شان نزول کے بارے میں تفسیر کی کتابوں میں آیا ہے۔

نبی اکرمؐ کی خدمت میں عربوں کے وفد

اب نواں سال شروع ہوا۔ اس کے شروع ہوتے ہی نبی اکرمؐ کی خدمت میں پے بہ پے عربوں کے وفد اپنے اپنے اسلام کا اعلان کرنے کے لئے آنے لگے۔ آنحضرتؐ نے قبیلوں میں اپنی محصل روانہ فرمائے تاکہ وہ زکوٰۃ وصول کریں۔ بیشتر قبیلوں نے ان کا استقبال خوش دلی سے کیا اور خوشی خوشی اپنے مال کی زکوٰۃ ان کے حوالے کردی۔ بنی تمیم اور بنی مصطلق کی شاخوں کے سوا کسی نے زکوٰۃ ادا کرنے سے احتراز نہیں کیا۔

سیرت کی بعض کتابوں میں ہے کہ جب زکوٰۃ کا محصل بنی عنبر کے پاس پہنچا جو تمیم کا ایک حصہ تھے، تو وہ لوگ تلواریں اور تیر لے کر نکل آئے اور انہوں نے اس کو اپنی سرزمین سے نکال دیا۔ جب اس کی اطلاع نبی اکرمؐ کو ہوئی تو آپ نے عینیہ بن حصن کو پچاس سواروں کا سربراہ بنا کر روانہ کیا۔ ان نے بنی عنبر کو بے خبری میں جالیا۔ چنانچہ ان کے مرد بھاگ گئے اور مسلمانوں نے مرد، عورتیں اور بچے ملا کر تقریباً پچاس افراد کو قیدی بنالیا اور مدینہ واپس آ گئے۔ نبی اکرمؐ نے ان کو ایک مکان میں ٹھہرایا جو اُن کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ بنی تمیم ایسے افراد تھے کہ ان میں سے کچھ اسلام لے آئے تھے اور فتح مکہ اور جنگ حنین میں نبی اکرمؐ کے طرفدار رہے تھے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اب تک شرک پر قائم تھے۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان کی قوم کے بنی عنبر کے ساتھ کیا گزری تو انہوں نے اپنے معزز افراد کا ایک وفد نبی اکرمؐ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ لوگ مدینہ آئے اور مسجد میں داخل ہو کر آنحضرتؐ کے حجروں کے پیچھے سے آواز دینے لگے کہ اے محمدؐ! ہمارے پاس نکل کر آیئے۔ چنانچہ بعض سیرت نگاروں کے کہنے کے مطابق یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُ ھُمْ لاَ یَعْقِلُوْنَ○ ''یہ لوگ جو آپ کو حجروں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں ان میں سے بیشتر سمجھتے نہیں ہیں۔'' (سورۂ حجرات: آیت ۴)

جب تک وہ لوگ اس اکھڑ طریقے سے آواز دیتے رہے آنحضرتؐ ان کے پاس نہیں آئے۔ البتہ جب موذن نے ظہر کی نماز کے لئے اذان کہی اور آنحضرتؐ باہر تشریف لائے تو ان لوگوں نے آنحضرتؐ کو بتلایا کہ عینیہ نے ان کے آدمیوں کے ساتھ کیا کیا اور ان کی قوم کی عرب میں کیا حیثیت ہے اور انہوں نے اپنے آپ کو عینیہ سے بھی زیادہ قابل فخر بتانا چاہا اور ان کا خطیب عطارد بن حاجب تقریر کرنے لگا۔ اس پر نبی اکرمؐ نے مسلمانوں میں سے ثابت بن قیسؓ کو بھیجا تاکہ اس کا جواب دے اور اسی طرح ان کے شاعر کو حسان بن ثابت نے جواب دیا۔ بالآخر اقرع بن حابس نے کہا کہ یہ شخص غیر متاثر ہے۔ ان کا خطیب ہمارے خطیب سے بہتر ہے، ان کا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ بہتر شاعر ہے، ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ اونچی ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ اسلام لے آئے اور نبی اکرمؐ کے سامنے معذرت خواہ ہوئے اور اپنی اطاعت کا اعلان کردیا۔ پس آنحضرتؐ نے ان کی قوم والوں کو انہیں واپس دیدیا اور ان کو معاف کردیا۔

بنی مصطلق نے بھی آ کر اپنے اسلام قبول کر لینے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی آمادگی پر زور دیا اور یہ بھی کہا کہ وہ ہرگز

اسلام سے واپس نہیں پھرے ہیں اور یہ کہ وہ زکوٰۃ کے محصل کے ساتھ کوئی برا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ اس پر آنحضرتؐ نے ان لوگوں کا عذر قبول فرما کر ان کے لئے دعائے خیر کی۔

اسی سال کے اوئل میں عروہ بن مسعود ثقفی رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ شخص طائف سے اس روز روپوش ہوگیا تھا جب نبی اکرمؐ نے اس کا محاصرہ کیا تھا۔ اب اس نے اسلام قبول کر کے نبی اکرمؐ سے درخواست کی کہ اس کو اپنی قوم میں جانے کی اجازت دیں تا کہ وہ ان کو اسلام کی دعوت دے۔ رسول اللہؐ نے اس سے فرمایا کہ اگر وہ ان کے پاس اس غرض کے لئے جائے گا تو وہ اس کو قتل کر ڈالیں گے۔ عروہ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ یارسول اللہؐ وہ مجھ کو اپنی دوشیزاؤں سے زیادہ چاہتے ہیں اور وہ تھا بھی ان لوگوں میں صاحب عزت و اطاعت۔ چنانچہ وہ ان میں واپس چلا گیا لیکن جب اس نے ان تک پہنچ کر اپنا دین ظاہر کیا اور ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے ہر طرف سے اس کو تیر مارنا شروع کر دیئے۔ ایک تیر اس کے ایسا لگا جس نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ جب وہ موت سے مقابلہ آزما تھا تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تم اپنے مرنے کو کیسا سمجھتے ہو؟ وہ بولا کہ یہ ایک عزت ہے جو مجھ کو اللہ نے عطا کی ہے اور شہادت ہے جو اللہ نے میرے لئے مقرر کی تھی۔ اس طرح میں بھی ایک ویسا ہی شہید ہوں جیسے وہ لوگ تھے جو تم سے رخصت ہونے سے قبل رسول اللہؐ کے ساتھ شہید ہوئے۔ پس تم لوگ مجھ کو ان ہی کے ساتھ دفن کر دینا۔ چنانچہ لوگوں نے اس کو ان ہی کے ساتھ دفن کیا۔

سیرت ابن ہشام میں رسول اللہؐ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ کو اس کے قتل کی اطلاع پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اس کی مثال اپنی قوم میں ایسی ہے جیسے کہ صاحب یاسین اپنی قوم میں تھے۔ اس عرصے میں وہ قبیلے جو طائف کے چاروں طرف آباد تھے اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ یہ قبیلے بنی ثقیف پر نگاہ رکھتے اور ان کو کبھی کبھی راستے میں لوٹ لیا کرتے تھے۔ پھر ان کو خطرہ محسوس ہوا اور اسی کے ساتھ یقین ہوگیا کہ حضرت محمدؐ ان کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور ان کے لئے آنحضرتؐ سے جنگ کرنا یا ان کی سزا سے بچ نکلنا ممکن نہیں ہوگا۔ پس ان سب کی یہ رائے ہوئی کہ وقت گزر جانے سے پہلے معاملات درست کرنے کے لئے نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ یہ واقعہ جیسا کہ طبری اور دیگر سیرت نگاروں نے خیال ظاہر کیا ہے، آنحضرتؐ کے تبوک جانے سے پہلے کا ہے۔

قبیلہ ثقیف کا قبول اسلام

سیرت ابن ہشام وغیرہ میں ہے کہ ثقیف کے ایک سربرآوردہ شخص عمرو بن امیہ اور ان کے ایک اور قائد عبد یالیل بن عمرو کے درمیان دشمنی تھی جو انتہائی درجے تک پہنچ گئی تھی۔ جب عمرو بن امیہ کو اس خطرے کا یقین ہوگیا کہ اگر وہ اسلام کے بارے میں اپنی مخالفت پر جمے رہیں گے تو ہلاکت کا شکار ہو جائیں گے تو وہ اپنے مدمقابل عبد یالیل کے پاس گیا اور اس کے دروازے پر پہنچ کر قاصد کے ذریعے کہلا بھیجا کہ اس کے مقابلے کے لئے باہر آجائے۔ عبد یالیل نے قاصد سے پوچھا کہ کیا واقعی عمرو نے تم کو میرے پاس بھیجا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں اور وہ آپ کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ اس پر اس نے کہا کہ یہ ایسی چیز ہے جس کا مجھ کو گمان بھی نہ تھا کیونکہ عمرو کبھی ایسا کرنے والا نہ تھا۔ پھر اس نے باہر نکل کر اس کو

خوش آمدید کہا۔ تب عمرو نے اس سے کہا کہ ہمارے اوپر ایسا معاملہ آن پڑا ہے جس سے نہ بھاگنا مناسب ہے، نہ چشم پوشی۔ اس شخص (یعنی رسول اللہؐ) کے معاملے کو تم دیکھ ہی رہے ہو۔ سارا عرب ان کے سامنے جھک چکا ہے اور تمہارے اندر ان سے لڑنے کی تاب نہیں ہے۔ پس اپنے معاملے پر غور کرو۔

چنانچہ اہل ثقیف نے جمع ہو کر اس معاملے میں مشورہ کیا۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ نہ کوئی زیر زمین تمہیں پناہ دے سکتا ہے اور نہ کوئی تم میں سے نکل کر کہیں جا سکتا ہے۔ ہر صورت میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ آخر ان سب کا مشورہ یہی ٹھہرا کہ رسول اللہؐ کی خدمت میں ایک شخص کو بھیجیں جو آنحضرتؐ سے ان شرائط کے بارے میں بات کرے جن پر یہ سب متفق ہو گئے تھے اور ان سے اس کے بارے میں ایک نوشتہ حاصل کر لے۔ چنانچہ ان سب کی رائے ان کے بزرگ فرد عبد یالیل پر ٹھہری۔ لیکن اس نے تنہا نبی اکرمؐ کی خدمت میں جانے سے انکار کر دیا اور اس کو خوف ہوا کہ وہ لوگ اس کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو عروہ بن مسعود کے ساتھ کیا تھا، جب اس نے ان کو اسلام کی طرف دعوت دی تھی۔ کئی دنوں پر مشتمل باہمی گفتگو کے بعد وہ لوگ ایک وفد بھیجنے پر متفق ہو گئے جو اُن کے ایسے چھ سربرآوردہ افراد پر مشتمل تھا جو ثقیف کے مختلف قبائل کی نمائندگی کرتے تھے۔ یہ تھے بنی یسار سے عثمان بن ابی عاص، بنی سالم سے اوس بن عوف، بنی حارث سے نمیر بن خرشہ بن ربیعہ، عبد یالیل، حکم بن عمرو ابن وہب بن معتب اور شرحبیل بن غیلان بن سلمہ بن معتب۔ آخر الذکر تینوں ایک ہی قبیلے سے تھے۔ اس وفد کی سرداری عبد یالیل کو حاصل تھی۔ یہ وفد طائف سے مدینہ کے لئے روانہ ہوا۔ مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے یہ لوگ اس کے بیرونی علاقے میں اترے۔ وہاں ان کی ملاقات مغیرہ بن شعبہ سے ہوگئی جو رسول اللہؐ کے اونٹ چرا رہا تھا کیونکہ اس زمانے میں اس کا یہی مشغلہ تھا۔ ان لوگوں نے اس کو اپنے معاملے سے آگاہ کیا تو وہ اونٹوں کو ثقفیوں کے پاس چھوڑ کر تیزی سے چل پڑا تاکہ رسول اللہؐ کو وفد کے آنے کی خوشخبری سنا دے۔ راستے میں اس کو حضرت ابوبکر مل گئے۔ اس نے ان کو بتا دیا کہ ثقیف اسلام کے ارادے سے آ پہنچے ہیں۔ حضرت ابوبکر کو خواہش ہوئی کہ رسول اللہؐ کے لئے وہ مخبر بنیں۔ انہوں نے مغیرہ سے کہا کہ میں تم کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ تم مجھ سے پہلے رسول اللہؐ کی خدمت میں نہ جانا تاکہ میں آنحضرتؐ کو بتا دوں کہ یہ لوگ کیا ارادہ رکھتے ہیں۔ مغیرہ نے ان کی خواہش مان لی۔

حضرت ابوبکر نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو ان لوگوں کے آنے کی اطلاع دی اور مغیرہ نے وفد کے پاس واپس جا کر جو کچھ ہوا تھا اس سے آگاہ کر دیا اور ان کو اسلام کا طریقۂ سلام سکھایا۔ جب یہ لوگ نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضری کے لئے پہنچے تو آنحضرتؐ نے ان کو مسجد سے باہر ایک مقام پر ٹھہرا دیا۔ آنحضرتؐ کے اور ان کے درمیان پیغام رساں خالد بن سعید بن عاص تھا۔ ان لوگوں نے اسلام میں داخل ہونے کے لئے شرائط رکھنی چاہیں۔ ان میں یہ تھا کہ ان کے اصنام تین سال تک ان کے لئے چھوڑ دیئے جائیں۔ آنحضرتؐ نے انکار فرما دیا۔ یہ لوگ آنحضرتؐ سے منوانے کی کوشش کرتے رہے اور آپ ان کے مسمار کرنے پر اصرار فرماتے رہے۔ بالآخر انہوں نے آپ سے خواہش کی ایک ہی مہینے کے لئے ان کو رہنے دیں لیکن آپ نے انکار فرما دیا اور ان کے فی الفور مسمار کرنے پر اصرار کیا۔

ایک اور شرط یہ تھی کہ ان کو نماز سے بری کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ نے ان کی یہ بات بھی نہیں مانی اور فرمایا کہ دین میں نماز کے بغیر کوئی خوبی نہیں۔ آخر انہوں نے آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ ہمیں اپنے بتوں کو اپنے ہی ہاتھوں سے توڑنے کو نہ کہا جائے۔ اس پر آنحضرتؐ نے ان سے اتفاق کر لیا۔ پھر ان کا نبی اکرمؐ کے ساتھ معاہدہ ہو گیا کہ وہ اسلام قبول کر کے اس کے تمام احکام غیر مشروط طور پر مانیں گے۔ چنانچہ اس بارے میں آنحضرتؐ نے ان کے لئے ایک تحریر لکھ دی۔ پھر ان کے اوپر اسی روز ایک رکن کو امیر مقرر فرما دیا وہ عثمان بن ابی العاص تھا کیونکہ آپ نے ان میں اسلام کی طرف رغبت اور اس کے احکام اور اصول سیکھنے کی خواہش پائی۔

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ عثمان بن ابی العاص نے بیان کیا کہ جب رسول اللہؐ نے مجھ کو ثقیف پر امیر بنا کر ابھیجا تو جس آخری بات جس کا آنحضرتؐ نے مجھ کو پابند کیا یہ تھی کہ آپ نے فرمایا کہ جب ان کے ساتھ نماز پڑھنا تو ان میں جو سب سے زیادہ کمزور ہو اس کے مطابق پڑھانا۔ کیونکہ ان میں بڑے بھی ہوں گے چھوٹے بھی ہوں گے، کمزور بھی ہوں گے اور ضرورت مند بھی ہوں گے۔ نیز آنحضرتؐ نے ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو لات کے مسمار کرنے کے لئے طائف بھیجا۔ چنانچہ یہ دونوں وفد کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ یہ دونوں طائف پہنچے تو مغیرہ نے ابوسفیان بن حرب سے کہا کہ تم اس کو مسمار کرنے کے لئے آگے بڑھو۔ ابوسفیان نے انکار کر دیا اور کہا کہ تم یہاں اپنی قوم کے درمیان ہو اور ان کے لئے مجھ سے زیادہ قوت والے ہو۔ پس مغیرہ داخل ہوا اور ابوسفیان اس کے مال کے ساتھ ایک مقام پر ٹھہرا رہا جس کو ہدم کہتے تھے۔ مغیرہ نے اس کو مسمار کرنا شروع کیا اور اس پر چڑھ کر اس کو کدال سے توڑنے لگا۔ اس کی قوم کے لوگوں یعنی بنی معتب نے اس کو گھیرے میں لے لیا، اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پر تیر مارے جانے لگیں جیسا کہ عروہ بن مسعود پر مارے گئے تھے۔ اس نے اس کو پوری طرح مسمار کر ڈالا اور کسی نے اس کو نہیں روکا۔ پھر اس وفد نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو بتلایا کہ حضرت محمدؐ نے ان کی شرائط مسترد کر دی ہیں اور ان کے ساتھ اسلام کے علاوہ ہر طرح کی مصالحت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ تاہم جب عورتوں نے دیکھا کہ لات مسمار کر دیا گیا ہے تو روتی پیٹتی نکل پڑیں اور مردوں کو اس بات پر برا بھلا کہنے لگیں کہ انہوں نے اس کو بچایا کیوں نہیں۔

لات کو مسمار کرنے کے بعد مغیرہ نے اس کی دولت کو قبضے میں لے لیا اور رسول اللہؐ کو اس کی اطلاع دیدی۔ تب رسول اللہؐ کی خدمت میں ملیح بن عروہ نے آکر درخواست کی کہ اس مال سے وہ قرض ادا کر دیئے جائیں جو اس کے باپ عروہ بن مسعود پر واجب الادا تھے۔ رسول اللہؐ نے اس کی اجازت دیدی۔ اس پر قارب بن اسود نے آپ سے عرض کیا: یارسول اللہؐ! اسود کے قرضوں کا کیا ہوگا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: اسود مشرک مرا ہے۔ اسود اور عروہ باپ اور ماں دونوں طرف سے بھائی بھائی تھے۔ اس لئے قارب نے کہا: یارسول اللہؐ اگر اس کے قرض ادا کر دیں گے تو ایک مسلمان کے ساتھ حسن سلوک فرمائیں گے۔ اس سے وہ اپنے کو مراد لے رہا تھا۔ اس نے نبی اکرمؐ سے مزید کہا کہ یہ قرض تو اب مجھ پر واجب الادا ہے اور میں ہی اس کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرما دیا کہ اس مال سے عروہ اور اس کے بھائی اسود کا قرض ادا کر دیا جائے۔

— ۲۲ —

غزوۂ تبوک

یہ غزوہ ماہ رجب ۹ ھ میں واقع ہوا۔ رسول اللہؐ کے سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ روم کے علاقے سے یہ خبر آئی کہ بادشاہ روم نے جزیرہ نما کے عربوں پر چڑھائی کرنے کے لئے ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے اور حضرت محمدؐ اور آپ کے ماننے والوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے ساز و سامان جمع کر رہا ہے کیونکہ یہ لوگ ان علاقوں کے لئے باعث خطرہ بنے ہوئے تھے جو حجاز کی سرحدوں سے ملے ہوئے تھے۔

تاریخ الخمیس میں ہے کہ نباطیوں کی ایک جماعت نے مدینہ آ کر اس کی خبر دی۔ جب آنحضرتؐ اس خبر سے مطلع ہوئے تو آپ نے ان عظیم لشکروں کی طرف روانہ ہونے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا جو روم نے تیار کئے تھے۔ آپ نے خود اپنی سربراہی میں ایسا طاقتور لشکر لیا جو حملہ آوروں کی ہر خواہش کو پامال کرنے پر قادر تھا۔

نبی اکرمؐ نے عرب کے مختلف علاقوں میں لوگوں کو یہ بتانے کے لئے پیامات بھیج دیئے کہ آپ نے کیا ارادہ فرمایا ہے اور یہ کہ لوگ بڑے سے بڑا لشکر جو وہ تیار کر سکتے ہوں تیار کر لیں۔ آپ نے صرف اسی غزوے میں پہلے غزووں اس سے مختلف طریقہ اختیار فرمایا کیونکہ پہلے آپ اپنے ارادے سے صرف خاص خاص اصحاب کو مطلع فرمایا کرتے تھے اور بعض مرتبہ کسی کو بھی نہ بتلاتے تھے بلکہ لشکر کا ایک حصہ اس سمت سے مختلف سمت میں روانہ کر دیتے تھے جہاں اصل میں جانے کا ارادہ ہوتا تھا تاکہ اپنے دشمنوں اور ان منافقوں کو دھوکے میں رکھیں جو آپ کے اصحاب میں پھیلے ہوئے تھے۔ مبادا یہ لوگ دشمن سے جا ملیں اور وہ مقابلے کے لئے تیار ہو جائے یا بھاگ نکلے۔

نبی اکرمؐ نے اس لشکر کی تیاری کا خوب اہتمام فرمایا اور یہ ارادہ کیا کہ یہ اس قابل ہو کہ آپ اس کی مدد سے اس وقت کی سب سے بڑی حکومت کا مقابلہ کر سکیں۔ جب آپ ایسے عظیم لشکر کے لئے مناسب مقدار میں غذا اور ساز و سامان مہیا نہ فرما سکے جیسی اس کے لئے ضرورت تھی تو آپ نے خیال فرمایا کہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ دولت مند مسلمانوں پر بار ڈالا جائے اور لشکر کی تیاری کے لئے جس قدر غذا اور دوسرے ساز و سامان کی ضرورت ہے اس کے لئے ان سے مدد لی

جائے۔ پس آنحضرتؐ نے ان میں سے کچھ افراد کے پاس کہلوایا اور ان کو اس امر پر آمادہ کیا کہ اللہ نے جو فراوانی ان کو عطا فرمائی ہے اس سے آپ کے ساتھ تعاون کریں۔ پس ان میں سے ایک جماعت نے اس سلسلے میں خرچ کرنے میں بہت جلد کشادہ دستی سے عمل کیا حالانکہ اس سال حجاز میں افلاس پھیلا ہوا تھا اور قحط اور خشک سالی کے باعث کمزور طبقوں میں ضروریات زندگی کا حاصل کرنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

یہ غزوہ شدید گرمی کے زمانے میں ہوا جبکہ لوگ مدینہ کے پھلوں اور دیگر سہولتوں کے لئے نئے موسم کا انتظار کر رہے تھے اور خواہش کر رہے تھے کہ کاش یہ غزوہ سال کے آخری حصے میں ہوتا جو موسم کے لحاظ سے زیادہ معتدل اور پُر آسائش ہوتا۔ اس کے باوجود مسلمانوں کے کچھ افراد نے اس دعوت کو پر ایمان دلوں اور ایسے ذہنوں کے ساتھ قبول کیا کہ ان کو اس وعدے پر اطمینان تھا جو اللہ نے ان جہاد کرنے والوں سے کیا ہے جو اپنی عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر صحرا اور بیابان پار کرتے ہوئے ایسے دشمن کی طرف چلے جاتے ہیں جو تعداد اور ساز و سامان میں ان سے بڑھا ہوا ہوتا ہے اور وہ سال بھی ایسا قحط زدہ تھا کہ اس کو مؤرخوں نے قحط اور خشک سالی کی وجہ سے جس سے لوگ دوچار تھے ''سال عسرت'' کا نام دیا تھا۔

جہاد کے لئے یہ دعوت کچھ ایسے افراد نے بھی قبول کی جو اسلام میں لالچ یا خوف سے داخل ہوئے تھے اور اب تساہل کر رہے تھے، عذر تلاش کر رہے تھے، کبھی گرمی کی شکایت کرتے تھے، کبھی فاصلے کی دوری کی اور اس دشمن کی قوت کا عذر پیش کرتے تھے جو فارس کے سواروں پر غالب آ گیا تھا اور غزوۂ موتہ میں مسلمانوں سے برسرپیکار رہا تھا، جس میں دو لاکھ سے زائد لڑنے والے افراد تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے ان لوگوں کو میدان جنگ میں اپنے مقتولین چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی عذر تھے جن کی بنیاد پر وہ مسلمانوں کے ارادوں اور ولولے کو پست کرنے کے لئے استدلال کرتے رہتے اور سرگوشیوں میں بیان کرتے رہتے تھے۔

چنانچہ اللہ نے اپنے رسولؐ پر سورۂ توبہ نازل فرمائی جو اللہ کی راہ میں جہاد پر ابھارتی ہے۔ خواہ نتائج اور مشکلات کتنی ہی کیوں نہ ہوں وہ جہاد کریں اور اسی کے ساتھ منافقوں اور ساتھ چھوڑ جانے والوں کی نیتوں کو آشکارا کرتی ہے اور ان کو عذاب اور برے ٹھکانے سے ڈراتی ہے۔

اس دوران جب رسول اللہؐ لوگوں کو ساز و سامان سے آراستہ فرما رہے تھے بنی سلمہ کا ایک شخص جد بن قیس آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا۔ آنحضرتؐ نے اس سے فرمایا: اے ابوقیس تم کو بنی اصفر سے جنگ کرنے میں کوئی دلچسپی ہے؟ ممکن ہے کہ تم ان کی کسی دوشیزہ کو حاصل کر لاؤ۔ جد نے آنحضرتؐ سے کہا: میری قوم والے جانتے ہیں کہ میں عورتوں کو ان سب سے زیادہ پسند کرتا ہوں اور جب میں ان کو دیکھ پاتا ہوں تو صبر نہیں کر پاتا لیکن مجھ کو اجازت دیجئے (کہ میں یہیں رہوں) اور مجھ کو آزمائش میں نہ ڈالئے۔ چنانچہ رسول اللہؐ اس سے دست کش ہو گئے اور فرمایا: میں نے تم کو اجازت دیدی۔

اتنے میں اس کا بیٹا عبداللہ آ گیا جو ماں کی طرف سے معاذ بن جبل کا بھائی تھا۔ وہ اپنے باپ کو اس جواب پر جو اس نے رسول اللہؐ کو دیا تھا ملامت کرنے لگا اور کہنے لگا کہ تم بنی سلمہ میں سب سے زیادہ مالدار ہو تم کو کس چیز نے جانے

سے روکا؟ وہ بولا: مجھے کیا پڑی ہے کہ میں بنی اصغر سے جنگ کروں۔ قسم بخدا! میں ان کو نہ چھیڑوں گا۔ میں اپنے اسی گھر میں ہوں اور زمانے کی گردشوں سے خوب واقف ہوں۔ اس پر اس کے بیٹے نے کہا: قسم بخدا! تمہارے اندر نفاق کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ قسم خدا کی ضرور رسول اللہؐ پر تمہارے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہوگی جس سے تمہاری رسوائی ہوگی۔ جد نے اپنا جوتا لے کر اپنے بیٹے کے منہ پر مارا اور اللہ نے اس کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَمِنهُم مَّنْ يَّقُوْلُ ئذَنْ لِّىْ وَلاَ تَفْتِنِّىْ اَلاَ فِى الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِاالْكَافِرِيْنَo ''ان میں سے ایک وہ ہے جو کہتا ہے کہ مجھ کو یہیں رہنے کی اجازت دے دیجئے اور مجھ کو آزمائش میں نہ ڈالئے۔ ارے وہ تو آزمائش ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ بے شک جہنم کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔'' (سورۂ توبہ: آیت ۴۹)

جب نبی اکرمؐ نے لوگوں کے سامنے یہ آیت پڑھی تو اس کے بیٹے نے اس کے پاس آ کر کہا: میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اب تمہارے بارے میں قرآن نازل ہوگا جسے سب مسلمان پڑھیں گے؟ اس پر اس کے باپ نے اس سے کہا: چپ رہ اے بیہودہ! قسم بخدا، اب میں تجھ کو کبھی کوئی نفع بخش چیز نہ دوں گا۔ تو مجھ پر محمدؐ سے بھی زیادہ سخت گیر ہے۔ بعدازاں جد اپنی قوم والوں کو جہاد سے باز رکھنے لگا اور ان کو جانے سے روکنے لگا۔

منافقوں کے ایک گروہ نے یہ کہا کہ اس زمانے میں مت نکلو اور گرمی کا زمانہ ختم ہو جانے کا انتظار کرلو۔ اس پر اللہ نے ان کے بارے میں یہ وحی فرمائی:

وَقَالُوْا لاَ تَنْفِرُوْا فِى الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَّوْكَانُوْا يَفْقَهُوْنَo فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلاً وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا جَزَاۤءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَo ''اور وہ کہتے ہیں کہ گرمی میں مت نکلو۔ کہہ دیجئے کہ آتش جہنم زیادہ گرم ہے۔ کاش تم سمجھتے ہوتے۔ پس ان کو چاہئے کہ خوش کم ہوں اور روئیں زیادہ یہ اس کی جزا ہے جو وہ کرتے رہے ہیں۔'' (سورۂ توبہ: آیت ۸۱۔۸۲)

سیرت کی دوسری کتابوں میں ہے کہ بیاسی افراد نبی اکرمؐ کی خدمت میں آنحضرتؐ کے ساتھ جانے سے معذرت کرنے کے لئے آئے لیکن آنحضرتؐ نے ان کا عذر قبول نہیں فرمایا اور کچھ بلاعذر ہی اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔ پس اللہ نے ان کے بارے میں سورۂ توبہ میں یہ وحی فرمائی:

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌo ''کچھ عرب معذرت کرنے آئے تاکہ ان کو بیٹھے رہنے کی اجازت دیدی جائے اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو جھوٹا مانا بیٹھ رہے۔ عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے کفر اختیار کیا دردناک عذاب لاحق ہو جائے گا۔'' (آیت ۹۰)

نبی اکرمؐ کو معلوم ہوا کہ کچھ منافق افراد یہودیوں کے ایک گھر میں جمع ہوئے ہیں اور لوگوں کو جنگ سے روک

رہے ہیں اور رومیوں کا مقابلہ کرنے سے ڈرا رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے اس خیال سے کہ ان کا خطرہ بڑھنے نہ پائے اور لوگوں میں چھوڑ کر علیحدہ ہو جانے کا سلسلہ نہ شروع ہو جائے ان سے کوئی باز پرس نہیں کی۔ البتہ آپ نے طلحہ بن عبیداللہ کو اپنے کچھ اصحاب کے ساتھ ان کی طرف روانہ فرمایا اور اس گھر میں آگ لگوادی۔ پس ان میں سے ایک شخص گھر کے پیچھے سے بھاگا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ باقی بے تحاشہ بھاگ کر آگ سے بچے اور دوسروں کے لئے نظیر بن گئے۔ اس کے بعد کوئی اس قسم کی حرکت کھلے بندوں نہیں کرسکا اور اس سختی کا منافقوں کے چھوڑ چھوڑ کر بھاگ جانے پر خاصا اثر ہوا۔

چنانچہ صاحبان ثروت حسب مقدور لشکر کی تیاری پر خرچ کرنے لگے۔

سیرت کی بعض کتابوں میں عبدالرحمٰن بن سمرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عثمان بن عفان نے لشکر کی تیاری میں اپنے حصے کے طور پر ایک ہزار دینار نبی اکرمؐ کو لا کر دیئے۔ راوی کے خیال کے مطابق آنحضرتؐ نے ان کو اپنی آستین میں ڈال لیا اور رسول اللہؐ ان کو اپنے ہاتھ سے الٹتے پلٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ آج کے بعد سے عثمان جو کچھ بھی کریں وہ اسے نقصان نہ پہنچائے گا۔

تاریخ خمیس کے مصنف نے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے اور انہوں نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان اس لشکر کے لئے ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے لے کر آئے۔ اسی طرح حذیفہ سے حدیث روایت کی گئی ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کے لئے دس ہزار دینار لائے اور ان کو آنحضرتؐ کے سامنے ڈال دیا۔ آنحضرتؐ ان کو الٹتے پلٹتے رہے اور فرماتے جاتے تھے کہ اے اللہ عثمان کے پچھلے اور اگلے گناہوں کو جو ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہوں، معاف فرمادے۔ عثمان آج کے بعد سے جو کرتا رہے اسے کوئی پروانہیں۔

اس کے متعلق روایات میں اختلاف ہے کہ اس غزوہ کے لئے حضرت عثمان نے کیا پیش کیا اور ان کے مضامین میں ٹکراؤ ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ سب کی سب یہ ظاہر کرتی ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ آج کے بعد سے عثمان جو کچھ کریں وہ ان کو نقصان نہ دے گا۔ علماء درایت میں یہ امر طے شدہ ہے کہ روایتوں کے مضامین کا اختلاف ان کے کمزور ہونے اور ناقابل اعتماد ہونے کا باعث ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض کو بکری نے اپنی تاریخ میں غریب قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ یہ مرسل احادیث میں سے ہے اور مرسل ہونا روایت کے عیبوں میں شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح اپنے محل وقوع کے لحاظ سے بھی ظاہر ہے کہ یہ ایسے امور پر مشتمل ہے جو منطقی قرائن کے خلاف ہیں کیونکہ اس میں کہا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ آج کے بعد سے عثمان جو کچھ کریں اس سے ان کو نقصان نہ ہوگا حالانکہ قرآن کہتا ہے کہ:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○ ''پس جو کوئی ذرہ برابر نیک عمل کرے گا وہ اس کے سامنے آجائے گا اور جو کوئی ذرہ برابر برا عمل کرے گا وہ بھی اس کے سامنے آجائے گا۔'' (سورۃ زلزال: آیت ۷۔۸)

یہ ضرور ممکن ہے کہ اس لشکر کی تیاری میں حضرت عثمان نے بھی حصہ لیا ہوگا جس طرح دوسرے مسلمانوں نے حصہ

لیا تھا۔ جیسا کہ بیشتر روایات میں ہے کہ عورتوں نے بھی اس غزوہ میں اپنے زیورات کے ذریعے حصہ لیا اور اس معاملے میں مردوں کے ساتھ شریک رہیں۔

سیرت کی بعض کتابوں میں کہا گیا ہے کہ عورتیں جوشن، دست بند، پازیب، کڑے اور انگوٹھیوں میں سے جو کچھ بھی ان سے ہوسکا ان کے ذریعے وہ شریک ہوئیں۔

آنحضرتؐ کے پاس سات مفلس اور تہی دست مسلمانوں نے آکر درخواست کی کہ ان کے لئے ایسا ساز و سامان مہیا کردیں جس سے آنحضرتؐ کے ساتھ ان کا جانا ممکن ہوجائے۔ آنحضرتؐ نے ان لوگوں سے معذرت کی کہ میرے پاس ایسا سامان نہیں ہے کہ تم لوگوں کو لے جاسکوں۔ اس پر وہ لوگ آنحضرتؐ کے پاس سے واپس ہوئے تو ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ لوگوں نے ان کو بکائین (زار و قطار رونے والوں) کا نام دیدیا اور اللہ نے نبی اکرمؐ پر وہ آیات نازل فرمائیں جو یہ حد مقرر کرتی ہیں کہ کس پر جہاد واجب ہے اور کس پر سے ساقط ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلاَ عَلَى الْمَرْضٰى وَلاَ عَلَى الَّذِيْنَ لاَ يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ وَلاَ عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْکَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لاَ اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلاَّ يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ○ ''کمزوروں، بیماروں اور ان لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ اگر وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے خیرخواہ ہیں نیکوکاروں پر کسی طرح کا الزام نہیں ہے اور خدا بخشنے والا مہربان ہے اور نہ ان لوگوں پر جو آپ کے پاس اس لئے آئے تھے کہ آپ ان کی سواری کا انتظام کردیں اور آپ نے کہہ دیا کہ میرے پاس تمہاری سواری کا انتظام نہیں ہے تو وہ واپس پلٹ گئے اور ان کی آنکھوں میں اس رنج کے باعث آنسو بھرے ہوئے تھے کہ ان کے پاس خرچ کرنے کے لئے کچھ نہ تھا۔'' (سورۂ توبہ: آیت ۹۱-۹۲)

تاریخ طبری میں ہے کہ یامین بن عمیر بن کعب نضری کی ملاقات ابالیل عبدالرحمٰن بن کعب اور عبداللہ بن مغفل سے ہوئی وہ دونوں رو رہے تھے۔ اس نے ان دونوں سے کہا کہ تمہیں کس چیز نے رلایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہؐ کے پاس آئے تھے لیکن ان کے پاس کوئی سواری نہ تھی جس پر وہ ہم کو لے چلتے۔ نہ ہمارے پاس کچھ تھا جس سے ہم آنحضرتؐ کے ساتھ جاسکتے۔ اس پر اس نے ان کو ایک آب بردار اونٹ دیدیا اور غذا کے لئے کھجوروں کی ایک مقدار دیدی۔ پس وہ دونوں نبی اکرمؐ کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ نبی اکرمؐ نے لشکر کو ساز و سامان سے لیس کرلیا تو وہ تیس ہزار تک اور ایک قول کے مطابق چالیس ہزار تک اور ایک قول کے مطابق ستر ہزار تک ہوگیا۔ مؤرخوں اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس غزوہ میں آنحضرتؐ نے امام علیؑ کو حکم دیا کہ مدینہ میں رہیں اور یہ تنہا ایسا غزوہ ہے جس میں امام علیؑ نے شرکت نہیں کی۔ آنحضرتؐ نے ان کو مدینہ میں اس خوف کی وجہ سے چھوڑا تھا کہ کہیں منافق اور وہ عرب جو لالچ اور خوف کی وجہ سے

اسلام لے آئے تھے، شہر پر چڑھائی نہ کردیں اور نبی اکرمؐ جانتے تھے کہ اس اہم کام کے لئے ان سے زیادہ کوئی اور موزوں نہ تھا۔

اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ جو منافق اور عرب پیچھے رہ گئے تھے وہ تعداد میں اتنے تھے جتنے آنحضرتؐ کے ساتھ گئے تھے کیونکہ سیرت کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو عبداللہ بن اُبَی کے ساتھ پیچھے رہ گئے تھے وہ ان کے اندازے کے مطابق دو لشکروں سے کم نہ تھے۔

یہ مان بھی لیں کہ اس تعداد میں مبالغہ ہے جیسا کہ بعید بھی نہیں ہے پھر بھی یہ یقینی ہے کہ یہ لوگ بڑی تعداد میں تھے اور ان کے لئے عین ممکن تھا کہ اگر مدینہ کا انتظام ایسے شخص کے ہاتھ میں نہ ہوتا جس کا خوف بیٹھا ہوا ہو اور جو کسی کو نگاہ میں نہ لاتا ہو خواہ وہ قوت اور حیثیت میں کتنا ہی بڑھا چڑھا ہو تو یہ لوگ مدینہ اور اس کے باہر گڑبڑ پھیلا سکتے تھے اور یہ خصوصیت رسول اللہؐ کے بعد امام علیؑ کے سوا کسی اور میں نہ پائی جاتی تھی۔

ایک قول یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے امام علیؑ کو اپنے اہل و عیال اور خاص معاملات کے لئے پیچھے چھوڑا تھا اور مدینہ کے انتظام کے لئے سباع بن عرفطہ انصاری کو مقرر فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی قول ہیں۔

اور ابن عبدالبر نے استیعاب میں اسی قول کو قابل قبول مانا ہے کہ آنحضرتؐ نے مدینہ پر امام علیؑ کے سوا کسی اور کو مقرر نہیں فرمایا تھا۔ یعقوبی سے بھی ان کی تاریخ میں یہی ظاہر ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے مدینہ میں امام علیؑ کو چھوڑا۔ اس کے بعد کچھ زیادہ لکھا ہی نہیں۔

شیخ مفید اپنی ارشاد میں اور دوسرے شیعہ محدثین اسی پر زور دیتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ لشکر کے ساتھ تشریف لے گئے تو منافقوں کو امام علیؑ کا مدینہ میں باقی رہ جانا بہت برا لگا اور انہوں نے کہا کہ آنحضرتؐ نے ان کو مدینہ میں صرف اس لئے چھوڑا ہے کہ آنحضرتؐ ان کو برا سمجھتے اور ان سے نفرت کرتے ہیں۔ یہ بات اس لئے پھیلائی کیونکہ یہ لوگ ارادہ کئے ہوئے تھے کہ رسول اللہؐ کی غیر موجودگی میں مدینہ میں گڑبڑ پھیلائیں گے اور امام علیؑ کی موجودگی ان کے ارادوں اور منصوبوں کے درمیان حائل ہو جاتی تھی۔ پس ان لوگوں نے سوچا کہ اگر وہ اس قسم کی خبریں پھیلا کر امام علیؑ کو اکسا دیں تو شاید وہ جا کر رسول اللہؐ کے ساتھ شامل ہو جائیں گے اور آنحضرتؐ ان کی بجائے کسی اور کو مقرر فرما دیں گے جو اُن سے کمزور ہوگا اور ان کے خفیہ ارادوں میں حائل نہ ہو سکے گا۔

جب ان کی بات مدینہ میں پھیل کر امام علیؑ تک پہنچ گئی تو آپ اپنے ہتھیار سجا کر جرف کے مقام پر نبی اکرمؐ سے جا ملے۔ آپ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ یا رسول اللہؐ! منافق یہ سمجھ رہے ہیں کہ آپ نے مجھ کو اس لئے پیچھے چھوڑا ہے کہ آپ پر میں گراں گزرتا ہوں اور مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر جیسا کہ تاریخ طبری، سیرت ابن ہشام اور تاریخ ابوالفداء وغیرہ میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ میں نے تم کو ان حالات کی وجہ سے چھوڑا ہے جو میرے پیچھے ہیں۔ اور شیخ مفید نے مزید لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مدینہ کے حالات میرے یا تمہارے بغیر درست نہیں رہ سکتے کیونکہ تم

میرے اہل خاندان میں، میرے مقام ہجرت میں اور میری قوم میں میرے جانشین ہو۔ کیا تم اس سے مطمئن نہیں ہو کہ تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ مؤرخین اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی اکرمؐ نے امام علیؑ سے فرمایا کہ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِی۔ (کیا تم اس سے مطمئن نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا)۔

اسی طرح یہ صحاح ستہ اور دوسری کتب حدیث کے مطالعے سے ظاہر ہوجاتا ہے۔ نیز مستدرک صحیحین میں یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مدینہ کے حالات میرے یا تمہارے بغیر درست نہیں رہ سکتے۔ مسند احمد میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ میرے لئے اس وقت تک کہیں جانا مناسب نہیں ہے جب تک کہ تم میرے جانشین نہ ہو۔ فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ میں ہے کہ خصائص نسائی جلد۲، صفحہ۲۰۳، حافظ ابوالقاسم دمشقی کی موافقات اور ہیثمی کی مجمع الزوائد وغیرہ میں یہ حدیث اسی فقرے کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ (فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ، جلد۱، صفحہ۲۹۹، ومابعد)

نبی اکرمؐ کے حکم کے مطابق امام علیؑ مدینہ واپس چلے آئے۔ پیچھے رہنے والوں میں ابوخثیمہ بھی تھے جو بنی سالم کے ایک فرد تھے۔ جب رسول اللہؐ کئی دن کی مسافت پر جاچکے تو یہ اپنے گھر والوں کے پاس آئے۔ ان کی دو بیویاں تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک نے چبوترے پر پانی چھڑکا ہے اور ان کے لئے کھانا اور پانی تیار کیا ہے۔ انہوں نے دونوں چبوتروں کے دروازے پر کھڑے ہو کر اپنی دونوں بیویوں کو اور جو کچھ ان دونوں نے ان کے لئے تیار کیا تھا اس کو دیکھا اور کہنے لگے کہ رسول اللہؐ دھوپ، ہوا اور گرمی میں مبتلا ہیں اور ابوخثیمہ ٹھنڈے سائے میں، تیار کھانے کے ساتھ اپنی خوبصورت بیویوں اور دولت کے درمیان ہے، یہ کوئی انصاف نہیں ہے۔ قسم بخدا! میں تم میں سے کسی ایک کے شامیانے میں بھی داخل نہ ہوں گا تاآنکہ میں رسول اللہؐ سے نہ جاملوں۔ پس میرے لئے سامان تیار کردو۔ ان دونوں نے سامان تیار کردیا۔ جب تیاری پوری ہوگئی تو انہوں نے اپنا سامان بردار اونٹ لاکر اس پر اپنا سامان لادا اور رسول اللہؐ سے جاملے۔ راستے میں ان کی ملاقات عمیر بن وہب جمحی سے ہوئی جو خود بھی رسول اللہؐ کی خدمت میں جارہے تھے۔ پس دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہے اور رسول اللہؐ سے تبوک میں جاملے۔

رسول اللہؐ اپنے راستے پر گامزن تھے تو ان لوگوں میں سے جو آنحضرتؐ کے ساتھ مدینہ سے چلے تھے بعض افراد علیحدہ ہو کر پیچھے رہ جاتے تھے۔ جب کبھی کوئی شخص ساتھ چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتا تو آپ کے اصحاب آپ سے کہتے کہ یارسول اللہؐ فلاں شخص علیحدہ ہوگیا ہے تو آنحضرتؐ فرماتے کہ اس کو جانے دو اگر اس کے لئے بھلائی ہے تو اللہ اس کو تم سے ملا دے گا اور اگر ایسا نہیں ہے تو اللہ نے تم کو اس سے نجات دلادی۔

جب آنحضرتؐ مقام حجر پر پہنچے جہاں قوم ثمود کے مکانوں کے کھنڈر تھے جو پہاڑوں میں کھود کر بنائے گئے تھے، تو رسول اللہؐ نے اترنے کا حکم فرمایا لوگوں نے وہاں کے ایک کنوئیں سے پانی حاصل کیا۔ جب آپ برآمد ہوئے تو آپ

نے لوگوں سے فرمایا کہ یہ پانی بالکل نہ پینا، نہ نماز کے لئے اس سے وضو کرنا اور جو آٹا اس سے گوندھا ہو وہ اونٹوں کو کھلا دو، خود اس میں سے بالکل نہ کھانا۔ نہ تم میں سے کوئی شخص رات کے وقت کسی کو ساتھ لئے بغیر باہر نکلے اور جس کے پاس اونٹ ہو اس کو اچھی طرح اس کی رسی سے باندھ کر رکھے۔ اس لئے کہ اس مقام سے جب کوئی گزرتا ہے تو کبھی آندھی اور کبھی ریت کے طوفان آجاتے ہیں جو انسانوں اور اونٹوں کو دبا دیتے ہیں ان لوگوں میں سے بنی ساعدہ کے دو آدمی باہر نکلے۔ ایک رفع حاجت کے لئے اور دوسرا اپنے اونٹ کی تلاش میں۔ ان میں سے ایک کو آندھی اڑا لے گئی اور دوسرے کو ریت کے طوفان نے دبالیا اور لوگوں نے دیکھا کہ کنوئیں کو بھی ریت نے پاٹ دیا ہے اور اس میں پانی بالکل نہیں رہا۔ چنانچہ یہ لوگ اپنے طویل راستے میں پیاس سے بے چین ہوتے رہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب آنحضرتؐ مقام حجر سے گزرے تو آپ نے اپنی رفتار تیز کردی یہاں تک کہ آپ وادی اور حجر سے نکل گئے۔ یہ وادی حضرت صالحؑ کی قوم کی تھی اور یہاں ان کے مکانات تھے۔ یہ وہی ثمود تھے جو اس وادی میں رہا کرتے تھے اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے گھروں میں مت داخل ہونا جہاں وہ گناہ کرتے رہے تھے ورنہ تم روؤ گے اور تم کو وہی مصیبتیں لاحق ہوں گی جو اُن کو لاحق ہوئی تھیں۔

راوی مزید بیان کرتا ہے کہ حجر سے گزرنے کے بعد جب صبح ہوئی تو آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب کے پاس پانی بالکل نہ تھا اور یہ لوگ بغیر چشمہ کے مقام پر اترے ہوئے تھے۔ آپ کے اصحاب نے پیاس کی شکایت کی تو آپ نے قبلے کی سمت معلوم کی اور دعا فرمائی جبکہ آسمان پر بادل بالکل نہ تھے۔ آپ مصروف دعا رہے یہاں تک کہ ہر جانب سے بادل اکٹھے ہوگئے اور آپ اپنے مقام سے ہٹنے نہ پائے تھے کہ بارش ہوئی اور پھر بادل چھٹ گئے۔ چنانچہ لوگوں نے خوب سیراب ہو کر پیا اور اپنے برتن بھی پانی سے بھر لئے۔ کسی مسلمان نے ایک منافق سے کہا کہ وائے ہو تجھ پر یہ کیسی انہونی بات ہے، کیا اب بھی تجھ کو کوئی شک باقی رہ گیا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ یہ تو گزرتی ہوئی بدلی تھی۔

لشکر تبوک کی طرف چلتا رہا۔ وہاں پہنچنے سے پہلے یہ لوگ ایک مقام پر اترے۔ وہاں رسول اللہؐ کا ناقہ ادھر ادھر ہوگیا۔ آپ کے اصحاب اس کی تلاش میں نکلے تو زید بن صلت قینقاعی جو ایک منافق تھا، کہنے لگا کہ محمدؐ اپنے خیال میں تمہیں آسمان کی باتوں سے آگاہ کرتے ہیں جبکہ ان کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ ان کا ناقہ کہاں ہے؟ اس کی اس بات کا علم وحی کے ذریعے آنحضرتؐ کو ہوگیا تو آپ نے جبکہ عمارہ بن حزم آپ کے پاس موجود تھا، فرمایا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ محمدؐ تم کو آسمان کی خبروں سے آگاہ کرتے ہیں اور اتنا نہیں جانتے کہ خود ان کا اونٹ کہاں ہے؟ قسم بخدا! میں صرف اتنا ہی جانتا ہوں جو میرا اللہ مجھ کو بتا دیتا ہے۔ اب اللہ نے مجھ کو اس کے متعلق نشاندہی کردی ہے، وہ وادی میں ہے اور اس کی مہار ایک جھاڑی میں پھنسی ہوئی ہے۔ لوگ اس کو لینے کے لئے چل پڑے۔ جب گئے تو اس کو ویسا ہی پایا جیسا رسول اللہؐ نے بتلایا تھا۔

رسول اللہؐ چل پڑے لیکن اب بعض مسلمانوں کی سواریاں ناقابل سفر ہوچکی تھیں۔ ان میں ابوذر غفاریؓ بھی تھے۔ وہ اپنے اونٹ کا علاج کرنے لگے تاکہ لشکر سے جاملیں لیکن ان کی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ جب وہ مایوس ہوگئے تو اونٹ

سے اپنا سامان اتار کر اپنی کمر پر لا دلیا اور اونٹ کو اسی جگہ چھوڑ کر تیز تیز چل دیئے تا کہ نبی اکرمؐ سے جا ملیں۔ ایک مسلمان نے یہ دیکھ کر کہ ایک شخص تیز تیز چلا آ رہا ہے تا کہ لوگوں کے ساتھ آ ملے تو رسول اللہؐ کو بتا دیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ ابوذرؓ پر رحم فرمائے، وہ اکیلے پیدل چل رہے ہیں، اکیلے ہی مریں گے اور اکیلے ہی اٹھائے جائیں گے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم اکیلے ہی زندگی گزارو گے جس طرح اکیلے چل رہے ہو۔

رسول اللہؐ نے بالکل سچ فرمایا تھا کیونکہ ابوذرؓ نے تنہا زندگی گزاری اور بہت ہی کم تعداد میں اصحاب رسول کے ساتھ راہ حق پر گامزن رہے اور ظالموں اور سرکشوں کی حکومت کا مقابلہ کرتے رہے۔ جب ان لوگوں کو ان کے خاموش کرنے کا کوئی طریقہ نظر نہ آیا تو ان کو زمین کے ایسے ناہموار علاقے میں جلاوطن کر دیا جو بسنے والوں سے خالی اور انسانوں سے بہت دور واقع تھا۔ یہاں تک کہ وہاں کوئی بھی نہ جاتا تھا۔ انہوں نے اپنی باقی زندگی وہاں اس طرح گزاری کہ کبھی کسی متنفس سے ملنے تک کا اتفاق نہ ہوا کیونکہ ان سے ملنے کی کوشش کرنے والے ہر شخص کو ڈرایا اور دھمکایا جاتا تھا۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی اور ان کی ایک لڑکی کے سوا کوئی نہ تھا۔ بالآخر وہ اسی مقام پر تمام انسانوں سے دور وفات پا گئے۔ اللہ نے ان کے لئے کوفے سے ایک قافلے والوں کو بھیج دیا جو حجاز کی جانب جا رہے تھے۔ ان کی بیوی نے ان لوگوں سے فریاد کی اور ان کو ابوذرؓ کے مرتبے سے آگاہ کیا تب معلوم ہوا کہ ان لوگوں میں وہ اصحاب رسول بھی ہیں جو اُن کو پہچانتے تھے اور رسول اللہؐ سے سن چکے تھے کہ رسول اللہؐ ان کی کیا تعریفیں بیان فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ وہ قول بھی سنا تھا جو آنحضرتؐ نے تبوک کے راستے میں فرمایا تھا۔

تاریخ الخمیس میں ہے کہ اس قافلے میں عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے اور انہوں نے قافلے والوں کو رسول اللہؐ کا ارشاد بھی سنایا۔ اگر یہ قافلہ نہ آ گیا ہوتا تو ان کی بیوی کو ان کے دفن کا طریقہ بھی نہ سوجھتا۔

جیسا کہ رسول اللہؐ نے جو صادق بھی ہیں اور امین بھی فرمایا ہے کہ ابوذرؓ دسیوں ہزار صحابہ میں سے تنہا اٹھائے جائیں گے اور وہ حق کا علم اٹھائے ہوں گے۔ پس جو کوئی ان کے ساتھ برا سلوک کرے گا وہ عذاب میں گرفتار ہوگا اور اس کو ان سے دور کر دیا جائیگا۔ ہم ابوذرؓ کی زندگی کے حالات کا کچھ حصہ ان کے اسلام قبول کرنے کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

رسول اللہؐ کی خواہش تھی کہ اس غزوہ میں ان کے ہمراہ منافق شریک نہ ہوں، خاص کر عبداللہ ابن اُبیّ سلول کے واپس چلے جانے کے بعد یا جیسا کہ بعض روایات میں ہے نبی اکرمؐ کے اس کو واپس کر دینے کے بعد۔ پس جو لوگ عبداللہ ابن اُبَیّ سلول کے لشکر کے ساتھ واپس چلے گئے ان کی تعداد دوسرے لشکر سے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کم نہ تھی، پھر بھی آنحضرتؐ کا لشکر پس و پیش کرنے والوں اور منافقوں سے بالکل خالی نہ تھا۔

ابن ہشام نے اپنی سیرت میں ابن اسحٰق سے روایت کی ہے کہ منافقوں کی ایک جماعت رسول اللہؐ کے لشکر میں موجود تھی۔ ان میں بنی عمرو بن عوف کا ودیعہ بن ثابت اور بنی سلمہ کے حلیفوں میں سے مخشن بن حمیر وغیرہ تھے یہ لوگ رسول اللہؐ کی جانب اشارہ کر کر کے جب آنحضرتؐ تبوک کی طرف چل رہے تھے تو ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ دیکھو

بنی اصفر سے لڑنا ایسا ہے کہ عرب عرب سے لڑیں۔ قسم بخدا! ہمیں تو ایسا لگتا ہے کہ ہم کل قید کر لئے جائیں گے۔ وہ لوگ مسلمانوں کو ڈرانے اور چھوڑ کر بھاگ جانے کی ترغیب دینے کے لئے ایسا کہہ رہے تھے۔ ان میں سے کسی شخص کو یہ علم ہوگیا کہ رسول اللہؐ کو ان کی باتوں اور ان کے موقف کا علم وحی کے ذریعے سے ہو جائے گا تو وہ بولا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جانے کا فیصلہ صادر ہو جائے اور میں اپنے بارے میں قرآن نازل ہونے کی قسم کھاؤں۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنی بات لوگوں میں پھیلاتے، رسول اللہؐ پر وحی نازل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو ان کے قول کی اطلاع دیدی تاکہ آنحضرتؐ ان کے اس قول کے نتائج کے بارے میں احتیاطی تدابیر اختیار فرمالیں۔

چنانچہ رسول اللہؐ نے عمار بن یاسرؓ سے فرمایا کہ اے عمارؓ! ان لوگوں کے پاس جاکر دریافت کرو کہ وہ کیا کہہ رہے تھے؟ اگر وہ انکار کریں تو ان کو بتادینا کہ تم لوگ ایسا ایسا کہہ رہے تھے۔ عمار بن یاسرؓ گئے اور جونہی انہوں نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ وہ کیا باتیں کر رہے تھے، وہ لوگ تیزی سے رسول اللہؐ کی خدمت میں معذرت کرنے کے لئے آگئے اور ودیعہ نے بڑھ کر آنحضرتؐ کے ناقے کی مہار تھام لی اور بولا: یارسول اللہؐ! ہم لوگ تو آپس میں باتیں کر رہے تھے اور کھیل رہے تھے اور جو کچھ بھی ہم نے کہا اس میں سنجیدہ نہیں تھے۔ نبی اکرمؐ نے ان کو معاف فرمادیا اور اللہ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيَاتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ۝ ''اگر آپ ان سے دریافت کریں گے تو کہہ دیں گے کہ ہم تو باتیں کر رہے تھے اور کھیل رہے تھے۔ آپ کہیئے کہ کیا تم اللہ کا، اس کی آیات کا اور اس کے رسولؐ کا مذاق اڑا رہے تھے۔'' (سورۂ توبہ: آیت ۶۵)

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت مہاجرین وانصار کے ایک گروہ کے بارے میں نازل ہوئی جو نبی اکرمؐ کے ساتھ تبوک میں موجود تھے اور وہ بارہ افراد تھے۔ انہوں نے باہم عہد و پیمان کیا تھا کہ جب نبی اکرمؐ تبوک سے واپس ہو رہے ہوں گے تو ان کو دھوکے سے مار ڈالیں گے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا تھا کہ اگر ہم ایسا نہ کرسکے اور آنحضرتؐ نے ہم سے پوچھا کہ تم کیا کر رہے تھے؟ تو ہم آنحضرتؐ سے کہہ دیں گے کہ ہم باتیں کر رہے تھے اور کھیل رہے تھے۔ جیسا کہ آیت میں ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں کا مذاق اڑا رہے تھے۔ اب عذرخواہی مت کرو۔ تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کرلیا ہے۔

بحارالانوار میں شیخ ابوبکر احمد بیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ سے عروہ بن زبیر پر منتہی ہونے والی سند سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ جب رسول اللہؐ نے تبوک سے مدینہ کی جانب واپسی کا سفر کیا تو جب آپ کسی راستے میں تھے تو آپ کے اصحاب میں سے کچھ لوگوں نے آپ کے ساتھ چال چلی اور سازش کی کہ آنحضرتؐ کو وادی میں گرادیں اور ارادہ کیا کہ اس غرض سے آپ کو وادی کی طرف سے لے کر چلیں۔ ادھر رسول اللہؐ کو ان کی بات معلوم ہوگئی۔ آنحضرتؐ نے

اپنے اصحاب سے کہا کہ تم میں سے جو چاہے وادی کے اندر سے جائے کیونکہ وہ تمہارے لئے خاصی کھلی ہے اور خود نبی اکرمؐ نے پہاڑی راستا اختیار کیا اور لوگوں نے وادی کا راستا لیا۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ چال چلنے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ یہ لوگ تیار ہو گئے اور انہوں نے اپنے چہرے ڈھانپ لئے۔ رسول اللہؐ کے حکم سے حذیفہ بن یمانؓ اور عمار بن یاسرؓ دونوں آپ کے ساتھ پیدل چلے۔ آپ نے عمارؓ کو حکم دیا کہ ناقے کی مہار تھامیں اور حذیفہؓ اس کو ہنکائیں۔

یہ لوگ چل ہی رہے تھے کہ انہوں نے اپنے پیچھے سے لوگوں کو سنا کہ وہ ان کو نیزے سے کھسکا رہے تھے۔ رسول اللہؐ کو غصہ آ گیا اور آپ نے حذیفہؓ کو حکم دیا کہ ان کو دیکھیں اور پہچان کر آئیں۔ چنانچہ وہ پلٹ کر گئے اور ان کے پاس ایک ہک دار ڈنڈا تھا، ان کو آگے آگے ان لوگوں کی سواریوں کے منہ ملے، انہوں نے ان کو اپنے ڈنڈے سے مارا اور ان لوگوں کو دیکھ لیا۔ لیکن وہ چہروں کو ڈھانپے ہوئے تھے۔ وہ حذیفہ کو دیکھ کر ڈر گئے اور سمجھ گئے کہ ان کی چال آشکارا ہو گئی ہے۔ پس وہ جلدی سے جا کر لوگوں میں گھل مل گئے۔ حذیفہ بڑھ کر رسول اللہؐ سے جا ملے تو رسول اللہؐ نے فرمایا: اے حذیفہؓ! تم ناقے کو مارو اور اے عمارؓ! تم پیدل چلو۔ یہ لوگ جلدی جلدی اس پہاڑی درّے سے نکل کر لوگوں کا انتظار کرنے لگے۔ نبی اکرمؐ نے حذیفہ سے کہا کہ اے حذیفہ کیا تم نے ان میں سے کسی کو پہچانا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے فلاں اور فلاں کے سواری کے جانور پہچان لئے۔ رات کا اندھیرا ان کو پوشیدہ کئے ہوئے تھا اور وہ چہرے ڈھانکے ہوئے تھے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: تم سمجھے کہ وہ کس حال میں تھے اور کیا چاہتے تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں یارسول اللہؐ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: انہوں نے یہ سوچا تھا کہ میرے ساتھ چلتے رہیں یہاں تک کہ جب میں پہاڑی کو طے کروں تو مجھ کو اس میں دھکیل کر گرا دیں۔ انہوں نے کہا کہ کیا جب یہ لوگ آئیں گے تو آپ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں گے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: مجھ کو یہ اچھا نہیں لگتا کہ لوگ آپس میں یہ کہا کریں کہ محمدؐ نے اپنے اصحاب کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے ان سب کے نام لے لے کر بتا دیئے۔[1]

اس سازش کا قصہ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں مختصر طریقے پر بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ صاحب سرّ النبی حذیفہ بن یمانؓ کہا کرتے تھے کہ میں ان سب کو ان کے ناموں سے پہچانتا ہوں۔

نبی اکرمؐ کے تبوک پہنچنے سے پہلے ہی آپ کے متعلق خبریں روم پہنچ گئی تھیں جیسا کہ اس سے پہلے ان تمام جنگوں میں جو آنحضرتؐ کے اور قریش اور دوسرے عرب قبائل کے مابین ہوتی رہیں۔ آنحضرتؐ کی پے در پے کامیابیوں کی خبریں ان لوگوں تک پہنچتی رہی تھیں۔ چنانچہ خطرات مجسم بن کر ان کے سامنے آ گئے تھے اور وہ سمجھ رہے تھے کہ اگر حضرت محمدؐ اس معرکے میں بھی کامیاب ہو گئے تو آپ یہیں رک کر نہ رہ جائیں گے بلکہ اس کامیابی کے بعد مزید آگے بڑھیں گے۔

۱۔ واقعات کی رفتار سے یہ بات واضح ہے کہ جب معاملہ بڑے صحابہ سے متعلق ہوتا ہے تو ان کے نام صراحت سے بیان نہیں کئے جاتے۔ ان کی طرف صرف فلاں فلاں کہہ کر اشارہ کر دیا جاتا ہے۔ ایسے ہر موقع پر پوری جماعت مراد ہوتی ہے اور راوی ان کے ناموں کی صراحت کرنے سے ڈرتا ہے۔ البتہ اگر واقعے کا تعلق بڑے صحابہ سے نہ ہو تو نام صراحت سے بیان کر دیئے جاتے ہیں جیسا کہ مطالعہ کرنے والوں پر ظاہر ہو چکا ہے۔ ہم نے بھی غزوۂ احد کے متعلق اپنے بیان میں اس پہلو پر بحث کی ہے۔

اسی لئے پوری رومی سلطنت مسلمانوں کے لشکر سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوگئی تھی کیونکہ انہیں کامیابیوں نے طاقت کے تمام اسباب فراہم کردیئے تھے اور فتح کا ذائقہ چکھ لینے کے باعث انہیں صرف کامیابی ہی کا خیال رہتا تھا، کوئی دوسرا خیال آتا ہی نہیں تھا۔ خاص کر اس لئے بھی کہ مسلمان لشکری دنیاوی زندگی کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا تھا۔ وہ اس زندگی سے دائمی حیات اور ابدی نعمت کی طرف چلے جانے کو ترجیح دیتا تھا۔

رومی ان سب باتوں کو سمجھتے تھے اور انہوں نے ان خطرات کا بھی اندازہ کرلیا تھا جو اُن کو ایسے لشکر سے ٹکر لینے پر درپیش تھے جس کا یہ اعتقاد تھا کہ اگر وہ لڑ کر شہید ہوگئے تب بھی انہیں جنت ملے گی اور اگر انہوں نے کسی کو قتل کردیا تب بھی جنت ملے گی۔ اسی لئے ان لوگوں نے وہاں سے اپنے اندرونی علاقوں میں چلے جانے کو ترجیح دی تاکہ اپنے قلعوں میں رہ کر مسلمانوں کے حملوں سے بچاؤ کریں۔

جب مسلمان تبوک پہنچ گئے اور ان کو معلوم ہوا کہ وہ لوگ وہاں سے اپنے اندرونی علاقوں میں چلے گئے ہیں تو وہ وہیں اتر پڑے اور جو ان کی راہ میں حائل ہوا اس سے برسرپیکار ہوتے رہے۔

اس علاقے میں رہنے والے امراء میں ایک یوحنا بن روبہ تھا۔ نبی اکرمؐ نے اس کی جانب ایک خط روانہ فرمایا جس میں اس کو اسلام قبول کرنے یا جزیہ ادا کرنے کی پیشکش کی۔ پس یوحنا آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا اور اس کے سینے پر سونے کی صلیب آویزاں تھی۔ اس نے نبی اکرمؐ کو اپنی اطاعت کی پیشکش کی، تحفے دیئے اور آپ سے ہر سال تین سو دینار جزیہ دینے پر مصالحت کرلی۔ اسی طرح آنحضرتؐ سے اہل جرباء اور اذرح [1] نے بھی جزیہ دینے پر مصالحت کرلی اور آنحضرتؐ کے اور ان لوگوں کے مابین تحریریں لکھ لی گئیں جن میں شرائط صلح درج تھیں جن کے مطابق مسلمانوں کو جزیہ دینے کا اور جان و مال کی سلامتی کے ساتھ ان علاقوں میں آنے جانے کی ضمانت دی گئی تھی اور ان علاقوں کے باشندوں کے لئے عقیدے کی آزادی اور اپنے مسلمان پڑوسیوں کے ساتھ امن و سلامتی سے رہنے کی بھی ضمانت تھی۔

ان قبیلوں سے جو حجاز کی سرحدوں سے ملے ہوئے تھے معاہدہ ہو جانے پر نبی اکرمؐ کو اطمینان ہوگیا اور اکیدر بن عبدالملک کندی کے سوا جو دومہ کا حکمران تھا، آنحضرتؐ کے مقابلے میں اور کوئی نہ رہا۔ آنحضرتؐ کو یہ اندیشہ دامن گیر تھا کہ اگر رومیوں نے حجاز پر حملہ کیا تو کہیں یہ ان کے ساتھ تعاون نہ کرے۔ پس آپ نے اس کی طرف خالد بن ولید کو پانچ سو مسلمان سواروں کے ساتھ بھیجا اور اس سے کہا کہ وہ تم کو جنگلی بیل کا شکار کرتا ہوا ملے گا۔ خالد ابھی راستے ہی میں تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ اکیدر چاندنی رات میں اپنے ایک بالاخانے پر ہے۔ وہ اپنے محل کے بالاخانے پر ہی بیٹھا تھا کہ ایک جنگلی بیل نے اس کے محل کے دروازے کو اپنے سینگوں سے ٹکریں لگانا شروع کردیں۔ اس کی بیوی نے کہا کہ ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا؟ وہ بولا کہ نہیں قسم بخدا۔ پھر وہ اپنے محل سے نیچے اترا اور اس کے ساتھ اس کا بھائی حسان اور اس کی جماعت کے کچھ لوگ بھی تھے۔ وہ لوگ جنگلی بیل کو بھگانے میں لگے ہوئے تھے کہ خالد بن ولید ان میں سے ایک ایک کے ساتھ ٹکر لیتا رہا۔ پس

۱۔ جرباء عمان کے زیرنگیں ایک بستی تھی اور اذرح شام کے اطراف میں بلقاء و عمان کے نواح میں حجاز کی سرحدوں سے ملتا ہوا ایک شہر تھا۔

اکیدر مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا۔ اس کے بھائی حسان نے مقابلے کی کوشش کی لیکن وہ فوراً مارا گیا۔ خالد اکیدر کو قید کر کے رسول اللہؐ کے پاس لے چلے۔ یہ شخص ریشم کا لباس پہنے تھا جس پر سونے کا کام بنا ہوا تھا۔ خالد نے اس سے یہ لباس اتروالیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیج دیا۔ مسلمانوں نے اس لباس کو دیکھا تو تعجب کے ساتھ چھوچھو کر دیکھنے لگے۔ تب رسول اللہؐ نے ان سے کہا کہ تم اس پر تعجب کر رہے ہو قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے زیادہ حسین ہیں۔

جب خالد اکیدر کو لے کر نبی اکرمؐ کی خدمت میں آئے تو آنحضرتؐ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا لیکن اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا۔ تب آنحضرتؐ نے اس سے جزیہ پر مصالحت کرلی جس طرح آپ نے دوسروں کے ساتھ کی تھی اور آنحضرتؐ کے اور اس کے مابین تحریر تیار کرلی گئی اور اس کو جانے دیا گیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ خالد بن ولید نے اکیدر کو گرفتار کر کے اس کو دومہ کے دروازے کھولنے کے لئے قتل کی دھمکی دی۔ چنانچہ شہر والوں نے اپنے قیدی کی جان کے خوف سے اس کے دروازے کھول دیئے اور خالد وہاں سے دو ہزار اونٹ آٹھ سو بکریاں، چارسو اونٹوں پر لادنے کے برابر گیہوں، چارسو زرہیں اور اس سامان کے ساتھ اکیدر کو لے کر رسول اللہؐ کی خدمت میں آئے۔ چنانچہ اکیدر نے اسلام قبول کرلیا اور اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے واپس چلا گیا۔

تبوک میں تقریباً بیس دن قیام کرنے کے بعد نبی اکرمؐ بغیر کسی لڑائی کے دومہ سے مال غنیمت حاصل کر کے جیسا کہ سابقہ روایت میں ہے، مدینہ واپس تشریف لے گئے۔ چنانچہ مسلمانوں کو ایسی کامیابی حاصل ہوئی جو اپنے معنی میں مسلمانوں کے لئے بدر وحنین وغیرہ کی کامیابیوں سے زیادہ نفع بخش تھی۔ خاص طور پر اس لئے کہ عظیم رومی سلطنت جو حجاز کی سرحدوں سے ملی ہوئی تھی اور جس کے حجاز کے بعض قبیلوں سے روابط تھے سب خطروں سے زیادہ خطرناک تھی۔

کیونکہ یہ سلطنت اس خیال میں تھی کہ جو انقلاب حجاز میں اس سرے سے اس سرے تک آیا ہے اور جم کر قائم ہوگیا ہے ان کے لئے خطرہ بنا ہوا ہے۔ اس سبب سے دشوار تھا کہ حجاز میں امن قائم ہوسکے اور حالات پرسکون ہوسکیں۔ اسی لئے لاکھوں کی تعداد میں لشکر سرحدوں پر جمع ہوگیا تاکہ حجاز پر چڑھائی کردیں۔ جب نبی اکرمؐ کو خبر ملی تو آپ مدینہ سے تیس ہزار یا اس سے زیادہ افراد کے ساتھ چل پڑے۔ جب رومیوں کو آنحضرتؐ کے بارے میں خبریں پہنچیں تو ان پر خوف طاری ہوگیا اور آنحضرتؐ کے لشکر سے ڈر کر یہ لوگ اپنے قلعوں کے اندر پناہ گزیں ہوگئے۔ جب آنحضرتؐ تبوک پہنچے تو وہاں مقامی باشندوں کے سوا کوئی اور نہ ملا۔ ان لوگوں نے آنحضرتؐ کی شرائط قبول کر کے آپ سے معاہدہ کرلیا کہ آپ کے خلاف کسی سے تعاون نہ کریں گے اور اپنے علاقے کو سرزمین حجاز پر فوج کشی کا مرکز نہ بننے دیں گے۔ اس طرح نبی اکرمؐ نے اس غزوہ میں ایسی فتح حاصل فرمائی جو دوسرے غزووں میں سے کسی اور میں حاصل نہ ہوئی تھی کیونکہ دو لاکھ یا اس سے زیادہ لشکر کا تتر بتر ہوکر مقابلے کے مقام سے بھاگ کر اپنے قلعوں اور لشکرگاہوں میں جا گھسنا ان کی مرعوبیت کا سبب بنا اور اس طرح حجاز کی سرحدوں سے ملنے والے یہ علاقے مسلمانوں کے لئے محفوظ ہوگئے کیونکہ یہاں کے باشندوں نے جزیہ دینا

قبول کر کے نبی اکرمؐ سے معاہدے کر لئے کہ آپ کے خلاف کسی سے تعاون نہ کریں گے۔

لیکن بیشتر مسلمان ان نتائج کو جو اس غزوے میں حاصل ہوئے تھے باور کرنے سے قاصر رہے اور انہوں نے اس غزوے کو کوئی اہمیت نہ دی بلکہ منافق اس کے طرز اختتام کا مذاق اڑانے لگے کیونکہ اس غزوے نے ان کو دوسرے غزوات کی طرح کا مادی نفع نہیں پہنچایا تھا اور ان کو وہ مقاصد حاصل نہیں ہوئے تھے جو وہ اس سے وابستہ کئے ہوئے تھے۔

ان لوگوں میں سے جو پیچھے بیٹھ رہے تھے کچھ افراد آنحضرتؐ کی خدمت میں معذرت کرنے کے لئے آئے لیکن آپ نے ان کی معذرت قبول نہیں کی اور آپ منافقوں کے معاملات میں ایسی سختی فرمانے لگے جس سے وہ پہلے دوچار نہ ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ پر ظاہر ہوگیا تھا کہ عبداللہ ابن اُبی سلول کا لشکر جس میں ابن ہشام اور ابن سعد وغیرہ کی روایت کے مطابق خود آنحضرتؐ کے لشکر سے کم افراد نہ تھے، ان کے ساتھ نرم برتاؤ کی وجہ سے گڑبڑ پھیلانے اور مسلمانوں کی صفوں میں لاقانونیت ابھارنے کی جرأت پیدا کر رہا تھا۔

قرآن کریم آنحضرتؐ کو ان کے متعلق بہت سی خبروں اور کارکردگیوں سے آگاہ کرتا رہتا تھا اور ان کی چالوں اور برے منصوبوں سے متنبہ کر کے حکم دیتا تھا کہ دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے ان سے مدد نہ لیں اور نہ ان کی معذرت قبول کریں۔ چنانچہ سورۂ توبہ میں اللہ کا فرمان ہے:

> فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخَالِفِيْنَo وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَo ''اگر اللہ ان کے کسی گروہ کو آپ کی طرف بھیجے اور وہ آپ سے جنگ پر چلنے کی اجازت طلب کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز میرے ساتھ نہیں چلو گے اور نہ میرے ساتھ دشمن سے لڑو گے۔ تم پہلی ہی مرتبہ بیٹھے رہنے پر راضی رہے تو ان پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے ہی رہو۔ اور نہ ان میں سے کسی پر جو مر جائے کبھی نماز پڑھئے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوئیے۔ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے انکار کیا اور بدکار کی حیثیت میں مرے۔'' (سورۂ توبہ: آیت ۸۳۔۸۴)

سورۂ توبہ میں یہ بھی ہے کہ:

> يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَo سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَo ''جب آپ لوگ ان کی طرف واپس آتے ہیں تو وہ آپ سے معذرت کرنے لگتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ معذرت مت کرو ہم تمہاری بات نہ مانیں

گے۔ اللہ نے ہم کو تمہاری خبروں سے آگاہ کر دیا ہے۔ اللہ اور اس کا رسول تمہارے اعمال کو دیکھتا رہتا ہے پھر تم عالم غیب وشہود کی طرف پلٹائے جاؤ گے اور اللہ تم کو بتائے گا کہ تم کیا کرتے رہتے تھے۔ جب آپ ان لوگوں میں واپس آئیں گے تو وہ آپ کے سامنے اللہ کی قسم کھائیں گے تاکہ آپ ان سے درگزر کریں۔ پس آپ ان سے علیحدہ رہیے وہ یقیناً بدی پر ہیں اور جو کچھ وہ حاصل کرتے رہے ہیں اس کے بدلے میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔" (آیت۹۴-۹۵)

اسی قبیل کی بہت سی آیات ہیں جو اُن کے حالات پیش کرتی ہیں اور ان کی حقیقت بیان کرتی ہیں اسی بنا پر سورۂ توبہ کو جو منافقوں کو اور ان کے ان اعمال اور نیتوں کو آشکارا کرتی ہے جو وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف چھپائے رہتے تھے فاضحہ کا نام دیا گیا ہے۔

ان ہی منافقین میں جو نبی اکرمؐ کے مدینہ میں تشریف لانے کے ابتدائی سالوں ہی سے اسلام کی نقاب اوڑھے ہوئے تھے ابوحبیبہ بن ازعر، ثعلبہ بن حاطب، ہلال بن امیہ، معتب بن قشیر، ودیعہ بن ثابت اور عباد بن حنیف تھے اور ان کی جماعت میں اور بھی تھے۔ مجمع البیان میں ان افراد کی تعداد بارہ بتائی گئی ہے۔ یہ سب اس مسجد کے بنانے میں شریک ہوئے جس میں نماز ادا کرنے سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے منع کر دیا اور اس کو مسجد ضرار کا نام دیا۔

مسجد ضرار

مجمع البیان وغیرہ میں ہے کہ بنی عمر بن عوف نے مسجد قبا تعمیر کر کے نبی اکرمؐ سے درخواست کی کہ اس میں نماز ادا فرمائیں۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے آکر اس میں نماز ادا فرمائی اور یہ مسجد جمع ہونے اور مسلمانوں کی بھلائی کے معاملات پر غور کرنے کا مرکز بن گئی۔ بنی غنم بن عوف کے منافقین کے کچھ افراد کو اس پر حسد ہوا اور انہوں نے ارادہ کیا کہ اس کے مقابل میں ایک مسجد بنا دیں تاکہ لوگ ان مسلمانوں کے ساتھ جمع نہ ہوسکیں جو اپنے اسلام میں پُرخلوص ہیں۔ یہ بارہ یا بقولے اس سے بھی زیادہ افراد تھے۔ جب انہوں نے اس کی تعمیر پوری کر لی تو وہ لوگ رسول اللہؐ کی خدمت میں آئے جبکہ آنحضرتؐ جیسا کہ تفسیر وسیرت کی بعض کتابیں بتلاتی ہین تبوک کیلئے ساز وسامان مہیا کر رہے تھے اور ان لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہؐ! ہم نے مریضوں اور ضرورت مندوں کے لئے اور بارش والی راتوں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ اس میں نماز ادا فرمائیں اور ہمارے لئے دعائے برکت فرمائیں۔ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ میں سفر کے لئے پابہ رکاب ہوں۔ جب ہم لوگ واپس آئیں گے تب انشاء اللہ اس میں نماز ادا کریں گے۔ چنانچہ جب نبی اکرمؐ تبوک سے واپس آئے اور آپ نے اس میں نماز ادا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس مسجد کے بارے میں سورۂ توبہ کی یہ آیات نازل ہوئیں:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ.... وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ○ "یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اس لئے مسجد بنائی ہے کہ نقصان پہنچائیں، کفر اختیار

کریں، مومنین میں تفرقہ ڈالیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ سے پہلے سے برسرپیکار ہے اس کو دیکھتے رہیں۔ یہ لوگ قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ صرف بھلائی کا ہے جبکہ اللہ گواہی دے رہا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اس میں کبھی قیام نہ فرمایئے۔ وہ مسجد جو اول روز سے تقویٰ پر بنائی گئی ہے زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں قیام فرمائیں۔ اس میں وہ افراد ہیں جو چاہتے ہیں کہ وہ پاک رہیں اور اللہ پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ پس وہ جس نے اپنی بنیاد اللہ کے تقویٰ اور رضا پر رکھی ہے بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی بنیاد ڈگمگاتے ہوئے کنارے پر رکھی ہے جس کے ساتھ وہ خود بھی جہنم میں جا گرے گا۔ اللہ بداعمالوں کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔'' (سورۂ توبہ: آیت ۱۰۷تا۱۰۹)

منافقوں میں ایک ابوعامر راہب بھی تھا۔ اسی نے لوگوں کو اس مسجد کے بنانے کو کہا تھا۔ اس نے زمانۂ جاہلیت میں رہبانیت اختیار کر کے بالوں کا لباس پہننا شروع کر دیا تھا۔ جب نبی اکرمؐ مدینہ تشریف لے آئے تو یہ آنحضرتؐ کے خلاف کارروائیاں کرتا رہا۔ فتح مکہ کے بعد ابوعامر نے طائف میں پناہ لی پھر جب اہل طائف نے اسلام قبول کرلیا تو وہ شام میں جا کر عیسائی ہوگیا۔ وہاں سے اس نے منافقوں کو کہلا بھیجا کہ وہ مسجد بنائیں اور اس میں جلدی کریں۔ اس نے ان لوگوں سے وعدہ کیا کہ وہ قیصر روم سے مل کر اس کو حضرت محمدؐ اور ان کے ساتھ والے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے مدینہ کی طرف ایک لشکر روانہ کرنے پر آمادہ کرے گا۔ چنانچہ منافق اس کی قوی توقع کر رہے تھے۔ لیکن یہ شخص شاہِ روم سے ملاقات کرنے سے پہلے ہی مرگیا اور اللہ نے اپنے بندوں اور شہروں کو اس سے نجات دلا دی۔

جب نبی اکرمؐ پر وحی نازل ہوئی اور آپ کو اس مسجد کے بارے میں معلوم ہوگیا تو آنحضرتؐ نے اس کو مسمار کرنے اور جلانے کا حکم دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس کی جگہ کو گندگی اور کوڑے کا مقام قرار دے لیں۔

کافی میں امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ ایک حلبی نے آپ سے اس مسجد کے بارے میں دریافت کیا جو تقویٰ پر قائم کی گئی ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ وہ مسجد قبا ہے جس کو بنوعوف نے بنایا تھا اور وہ مدینہ کے جنوب میں دو میل پر واقع ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ مسجد جو اول روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی مسجد رسول اللہؐ ہے جس کی تعمیر آنحضرتؐ نے مدینہ آتے ہی شروع کر دی تھی اور اس پر کام کرنے میں آنحضرتؐ خود ممتاز انصار اور مہاجرین کے ساتھ شریک رہے تھے۔

فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ اَنْ يَتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ٥ ''اس میں وہ لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ وہ پاک رہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔'' (سورۂ توبہ: آیت ۱۰۸)

یہ مسجد جو اول روز سے قائم کی گئی یہ اللہ کے لئے اور انسانوں کی بھلائی اور عبادت کے لئے قائم کی گئی تھی نہ کہ فساد، نفاق اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے کے لئے جیسے کہ وہ مسجد جو ان ظاہراً اسلام لانے والوں نے قائم کی تھی جو مسجد کو ایسا اڈہ بنانا چاہتے تھے جہاں سے وہ تخریب کاری، اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے عمل پیرا ہوا کریں۔

مختصر یہ کہ وہ مسجدیں جو آج یا آج سے پہلے ان اغراض کے لئے بنائی گئی ہوں جن کا کوئی تعلق دین سے نہ ہو،

ان میں اور اس مسجد میں کوئی فرق نہیں ہے جو ابتدائے اسلام کے زمانے میں مسلمانوں کی ضرر رسانی کے لئے، ان میں تفرقہ پیدا کرنے اور اسلام کے خلاف جاسوسی کرنے کے لئے بنائی گئی تھی اور نبی اکرمؐ نے اس کو گرانے اور جلانے کا حکم دیا تھا۔

مسجد ضرار کے بارے میں جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے نبی اکرمؐ کا موقف صرف ان اغراض کی نشاندہی کے لئے تھا جن کے لئے مسجدوں اور ان عوامی اداروں کا بنایا جانا ضروری ہوتا ہے جو ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں۔ ضروری ہے کہ یہ مسجدیں اور عوامی ادارے اللہ کے لئے ہوں نہ کہ شیطان کے لئے۔ بھلائی کے لئے ہوں نہ کہ برائی کے لئے اور انسانوں میں الفت پیدا کرنے اور ان کو حق و ہدایت پر یکجا کرنے کے لئے ہوں نہ کہ دشمنی، نفاق اور ان بے فائدہ کاموں کے لئے جو نہ دین کی خدمت کرتے ہیں نہ انسانیت کی۔

وہ لوگ جو دین کا دکھاوا کر کے عوامی اداروں یا مسجدوں کی تعمیر کے ذریعے ایسی اغراض حاصل کرتے ہیں جن سے دین کے دشمنوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور ان کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا اڈہ بنائے رکھتے ہیں، زیادہ ضرر رساں اور برے ہیں۔ جب ایسے لوگوں کو نیکوکاروں میں سے مدد کرنے والے یا اغراض و مقاصد سے ہم آہنگی رکھنے والے مل جاتے ہیں جیسے ابو عامر راہب کو مدینہ کے منافقوں اور یہودیوں میں سے ایسے افراد مل گئے تھے جو اس کی مدد کرتے تھے تو جلد یا بہ دیر ایسے لوگوں کی حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے اور پھر ان کو اللہ کی طرف سے اس کا بدلہ مل جاتا ہے۔ جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔ سچ ہے بدکار کی چال اسی کو برباد کر کے چھوڑتی ہے۔

عبداللہ بن اُبَی کی موت

عبداللہ بن اُبَی منافقوں کا سردار اور ان کا ایک ممتاز فرد تھا۔ سختیوں اور مصیبتوں کے وقت اسی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ باوجودیکہ نبی اکرمؐ اور اسلام سے دشمنی میں وہ سب سے زیادہ بڑھا چڑھا ہوا تھا۔ یہودیوں کا حلیف اور ہر اس شخص کا مددگار رہتا تھا جو اسلام کے خلاف کوئی بری کارروائی کرے۔ پھر بھی اس کے بیٹے کے خیال سے جو اللہ سے کئے ہوئے وعدے میں سچا تھا، نبی اکرمؐ مسلمانوں کو ہدایت فرماتے رہتے تھے کہ کوئی اس کے ساتھ برائی نہ کرے۔ جب وہ نبی اکرمؐ کے تبوک سے واپس آنے کے تقریباً دو مہینے کے بعد مرگیا تو آنحضرتؐ اس کی قبر تک دوسرے جانے والوں کے ساتھ رہے اور جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے اس کے جنازے پر نماز پڑھی حالانکہ ان لوگوں کے کہنے کے مطابق حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کو اس پر نماز پڑھنے سے منع بھی کیا تھا۔ یہ لوگ مزید کہتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ اس کی میت پر نماز پڑھنے کے لئے آگے بڑھے تو حضرت عمرؓ نے کوشش کی کہ آنحضرتؐ کو اس کے پاس سے ہٹا دیں لیکن آنحضرتؐ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اگرچہ صحیح احادیث یہی صراحت کرتی ہیں کہ نبی اکرمؐ نے اس پر نماز پڑھی پھر بھی دل مطمئن نہیں ہوتا لیکن احادیث کی رُو سے چونکہ یہ صحیح ہے اس لئے ضرور کوئی ایسی مصلحت ہوگی جس کے تحت آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا کرنے کا حکم ملا ہوگا۔

البتہ یہ بعید نہیں کہ ایسی احادیث جو یہ بتلاتی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کو منع کیا اور آپ کا دامن کھینچنے لگے کہ آنحضرتؐ کو اس کے جنازے سے ہٹالیں جبکہ آنحضرتؐ اس پر نماز پڑھنے میں مصروف تھے، ان موضوعات میں سے ہوں جو منافقوں نے سیرت النبیؐ میں چوری چھپے داخل کر دی ہیں تا کہ ان سے یہ ثابت کریں کہ بعض اوقات حضرت عمر، نبی اکرمؐ پر حاوی ہو جاتے تھے اور جیسا چاہتے ویسا آنحضرتؐ سے منوا لیتے تھے اور دخل انداز ہوتے رہتے تھے حتیٰ کہ الٰہی قانون کے معاملے میں بھی، جیسا کہ عبداللہ بن اُبَی پر نماز کے معاملے میں ان کی دخل اندازی فرض کی جاتی ہے اور عورتوں کے پردے کے بارے میں یا نبی اکرمؐ کی ازواج کے متعلق یا اذان کے قصے میں جس کا ذکر ہم پچھلے ابواب میں کر چکے ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے امور میں جو تاریخ وسیرت کی کتابوں کی تہوں میں موجود ہیں، ان کی دخل اندازی بتائی جاتی ہے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے نبی اکرمؐ کو اس پر نماز پڑھنے سے منع کیا اور آنحضرتؐ کے دامن کو کھینچا تا کہ آپ کو اس سے باز رکھیں تو یہ ان کے عمل کی برائی اور نبی اکرمؐ کے افعال و کارروائیوں پر عدم اطمینان کو ثابت کرتا ہے حالانکہ اللہ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

> وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ ''وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے، وہ صرف وہی کرتے ہیں جو اُن کو وحی کی جاتی ہے۔'' (سورۂ نجم: آیت ۳-۴)

پس جو لوگ حضرت عمرؓ سے یہ منسوب کرتے ہیں کہ وہ نبی اکرمؐ سے ٹکرا جایا کرتے تھے اور ایسے امور تجویز کر دیا کرتے تھے جن کا تعلق احکام اسلام سے ہوتا تھا تو وہ ان کے ساتھ بلا ارادہ برائی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

عمرو بن معدی کرب زبیدی کا قبول اسلام

شیخ مفید کی ارشاد میں ہے کہ جب نبی اکرمؐ تبوک سے واپس آ گئے تو عمرو بن معدی کرب، آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تب نبی اکرمؐ نے اس سے کہا: اے عمرو! اسلام قبول کرو، اللہ تم کو فزع اکبر (بڑے خوف) سے محفوظ رکھے گا۔ اس نے پوچھا: اے محمدؐ! فزع اکبر کیا ہے؟ میں تو کبھی خوفزدہ نہیں ہوتا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اے عمرو! وہ ایسا نہیں جیسا تم خیال کرتے یا سمجھتے ہو۔ لوگوں کو ایک زور دار آواز دی جائے گی۔ پس کوئی مُردہ ایسا نہ رہے گا جو اٹھ کھڑا نہ ہو اور کوئی زندہ ایسا نہ رہے گا جو مر نہ جائے، سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔ پھر ایک دوسری زور دار آواز دی جائے گی جس سے سب لوگ جو مر گئے تھے، اٹھ کھڑے ہوں گے اور سب کے سب حیران وششدر رہ جائیں گے۔ آسمان پھٹ جائے گا، زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی، پہاڑوں سے خرخراہٹ کی آوازیں نکلیں گی، آگ کے شعلے پہاڑوں کی طرح نکلتے ہوں گے، کوئی ذی روح نہ رہے گا، مگر یہ کہ اس کا دل باہر نکل پڑا ہوگا، وہ اپنے گناہوں کو بیان کر دے گا اور اپنے آپ میں محو ہو جائے گا، سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔ پس اے عمرو! تم ایسے میں کہاں ہوگے؟ اس نے کہا: بیشک آج میں بڑی بات سن رہا ہوں۔ پھر اس نے اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے، سب نے اسلام قبول کر لیا اور اپنی قوم میں مسلمان ہو کر واپس چلے گئے۔

ایک روز عمرو بن معدی کرب نے ابی بن عثعث خثعمی کو دیکھ لیا اور اسے گردن سے پکڑ کر رسول اللہؐ کے پاس لے آیا اور آنحضرتؐ سے کہنے لگا کہ مجھے اس بدکار کو قتل کر لینے دیجئے، اس نے میرے باپ کو قتل کیا تھا۔ نبی اکرمؐ نے اس سے کہا کہ اسلام نے جاہلیت کی تمام چیزیں منسوخ کر دی ہیں۔ اس پر عمرو چلا گیا اور اسلام سے منحرف ہو گیا اور بنی حارث بن کعب کی قوم پر لوٹ مار کرتا ہوا اپنی قوم میں چلا گیا۔ نبی اکرمؐ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے امام علیؑ کو بلا کر مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ عمرو بن معدی کرب کے ایک ہم جد قبیلے بنی زبید کی طرف بھیجا اور خالد بن ولید کو بلا کر عربوں کی ایک جماعت کے ساتھ بنی جعفی کی طرف بھیجا اور ان کو ہدایت کی کہ جب وہ علیؑ سے مل جائیں تو وہی تمام لوگوں پر سردار ہوں گے۔ پس علیؑ بنی زبید کی طرف روانہ ہوئے اور انہوں نے اپنے اگلے حصے پر خالد بن سعید بن عاص کو مقرر کیا جبکہ خالد اپنے اگلے حصے پر ابوموسیٰ اشعری کو مقرر کر کے بنی جعفی کی طرف چل دیئے۔ بنی جعفی نے جب لشکر کے بارے میں سنا تو پراگندہ ہو کر دو ٹکڑوں میں بٹ گئے۔ ایک ٹکڑا یمن کی طرف چلا گیا اور دوسرا بنی زبید سے مل گیا۔ جب امام علیؑ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے خالد بن ولید کو لکھا کہ میرا قاصد پہنچنے تک ٹھہرے رہو۔ لیکن وہ ٹھہرے نہیں۔ تب امام علیؑ نے خالد بن سعید کو لکھا کہ ان سے مل کر ان کو چلنے سے روک دیں۔ چنانچہ خالد نے ان کو روک کر آگے جانے سے منع کر دیا۔ جب امام علیؑ ان دونوں سے ملے تو یہ دونوں آپ کے ساتھ شامل ہو گئے اور سب مسلمان بنی زبید کی طرف چل پڑے۔ یہ سب لوگ ایک وادی میں جمع ہو گئے تھے جو کسر کہلاتی تھی۔ بنی زبید نے ان لوگوں کو دیکھا تو عمرو سے بولے کہ اے ابوثور! اب تمہارا کیا ہو گا جب یہ قریشی جوان تم سے ٹکرائے گا اور بدلہ اتارے گا؟ وہ بولا کہ جب ملے گا تب معلوم ہو جائے گا۔

جب دونوں فریق ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو عمرو بن معدی کرب مقابلہ طلبی کے لئے نکلا۔ اس طرف سے امام علیؑ نکلے اور خالد بن سعید نے بھی کھڑے ہو کر امام علیؑ سے اس کی مقابلہ طلبی کا جواب دینے کی اجازت طلب کی۔ امام علیؑ نے ان کو منع کر کے واپس کر دیا اور خود عمرو کی طرف بڑھ کر ایسی زور کی چیخ بلند کی جس سے وہ تھرتھرا اٹھا اور کانپنے لگا۔ پھر وہ ان کے سامنے سے بھاگ کھڑا ہوا اور اس کا بھائی اور اس کے بھائی کا بیٹا قتل ہو گئے۔ ان دونوں کو امام علیؑ نے قتل کیا۔ مسلمانوں نے اس کی بیوی رکانہ بنت سلامہ اور اس کے ساتھ بنی زبید کی عورتوں کو گرفتار کر لیا تاکہ ان کے صدقات پر قبضہ کر لیں اور ان کو احکام اسلام کی تعلیم دیں۔ جنگ ختم ہونے پر عمرو نے خالد بن سعید کے پاس آ کر پھر اسلام قبول کر لیا جس پر انہوں نے اس کی بیوی اور بچے جو قیدیوں میں تھے اسے واپس کر دیئے۔ عمرو نے اپنی تلوار جو صمصامہ کہلاتی تھی انہیں دیدی۔

شیخ مفید نے ارشاد میں یہ مزید بیان کیا ہے کہ امام علیؑ نے بنی زبید سے ایک کنیز اپنے لئے حاصل کر لی۔ اس پر خالد بن ولید نے بریرہ اسلمی کو نبی اکرمؐ کی خدمت میں بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ تیزی سے جائے اور لشکر سے پہلے مدینہ میں داخل ہو کر نبی اکرمؐ کو اس کنیز کے بارے میں بتلادے جس کو امام علیؑ نے اپنے لئے لے لیا تھا۔

بریدہ، رسول اللہؐ کے دروازے پر پہنچے تو حضرت عمرؓ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ اس غزوہ میں کیا ہوا؟ انہوں نے اس کے نتائج سے ان کو آگاہ کیا اور اس کنیز کے متعلق بھی بتایا جو امام علیؑ نے اپنے لئے رکھ لی تھی۔

حضرت عمرؓ نے بھی ان کو تاکید کی کہ نبی اکرمؐ کو اطلاع دیدیں۔ بریدہ خدمت نبی اکرمؐ میں خالد کا خط لئے ہوئے حاضر ہوئے اور خط دیتے ہوئے امام علیؑ نے جو کیا تھا اس سے بھی آگاہ کیا اور آنحضرتؐ سے کہا کہ اگر آپ لوگوں کو اس طرح کی اجازت دیدیں گے تو ان کا مال غنیمت جاتا رہے گا۔ اس پر نبی اکرمؐ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور آپ پر علامات غیض نمودار ہوگئیں اور آپ نے فرمایا: وائے ہو تم پر اے بریدہ! تم نے نفاق کی بات کی۔ امام علیؑ کے لئے غنیمت میں سے وہی حلال ہے جو میرے لئے حلال ہے اور وہ تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے بہترین فرد ہیں اور میری ساری امت کے لئے ان سب سے بہتر ہیں جن کو میں اپنے پیچھے چھوڑوں گا۔ اے بریدہ! اس سے بچے رہنا کہ تم امام علیؑ سے دشمنی کرو اور پھر اللہ تم سے دشمنی کرے۔

راوی مزید بیان کرتا ہے کہ اس پر بریدہ نے بیان کیا کہ میرا جی چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور مجھ کو نگل لے۔ میں کہنے لگا کہ میں اللہ کے غضب اور اس کے رسولؐ کے غضب سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ یارسول اللہؐ! آپ میرے لئے دعائے مغفرت فرما دیجئے۔ میں ہرگز علیؑ کو دشمن نہ رکھوں گا اور ان کے متعلق بھلائی کے سوا کچھ نہ کہا کروں گا۔ اس پر نبی اکرمؐ نے ان کے لئے مغفرت طلب فرمائی اور دعائے خیر کی۔

ابن ہشام وغیرہ نے عمرو بن معدی کرب کے نبی اکرمؐ کی خدمت میں آنے اور اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ اسلام قبول کرنے کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ وہ اپنے اسلام پر باقی رہا یہاں تک کہ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد مرتد ہوگیا۔ انہوں نے اس کے آنحضرتؐ کی خدمت میں آنے کو اس طریقے سے بیان نہیں کیا جس طرح مفید نے کیا ہے جو ایک سیرت نگار ہیں۔ البتہ یہ جو مفید کی روایت میں ہے کہ امام علیؑ نے بنی زبید کے قیدیوں میں سے ایک کنیز اپنے لئے لے لی تھی اس کی تائید تاریخ کی اسناد سے نہیں ہوتی۔

بیشتر روایات میں یہ ہے کہ امام علیؑ نے کسی طریقے سے بھی سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ زہراؑ کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کی۔ صرف وہی ان کی تنہا بیوی رہیں اور ان کے علاوہ وہ کسی عورت کو نہ جانتے تھے یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔ اس سلسلے میں امام علیؑ نے بالکل اسی طرح جناب سیدہؑ سے برتاؤ رکھا جس طرح رسول اللہؐ نے ان کی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کے ساتھ برتاؤ رکھا تھا۔

غزوۂ ذات السلاسل

اس غزوہ کو محمد بن جریر طبری اور ابن ہشام وغیرہ نے ہجرت نبویؐ کے آٹھویں سال کے واقعات میں بیان کیا ہے اور اس میں امام علیؑ ابن ابی طالبؑ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

اس کے متعلق طبری نے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے عمرو بن عاص کو سرزمین بلی و عذرہ کی جانب شام کے غزوہ کے لئے آدمی تلاش کرنے کے لئے بھیجا اور اس مہم کے لئے ابن عاص کو اس لئے منتخب کیا کہ اس کی

وادی ام عاص اسی علاقے کی تھی۔

عمرو بن عاص اپنے ساتھ والوں کو لے کر چلا اور زمین جزام کے ایک چشمے پر پہنچا جس کو سلاسل کہا جاتا تھا۔ وہاں سے اس نے نبی اکرمؐ کی خدمت میں مدد طلب کرنے کا پیام بھیجا۔ پس رسول اللہؐ نے ابوعبیدہ بن جراّح کو مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا جس میں حضرات ابوبکر و حضرت عمرؓبھی تھے۔ آنحضرتؐ نے ابوعبیدؓہسے کہا کہ تم لوگ آپس میں اختلاف نہ کرنا۔ جب ابوعبیدؓہاس مقام پر پہنچے جہاں عمرو بن عاص تھا تو عمرو نے ان سے کہا کہ میں سب لوگوں پر امیر ہوں۔ ابوعبیدؓہنے اس سے اختلاف نہیں کیا۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے عمرو بن عاص کو تین سو لڑنے والے افراد کی معیت میں بنی قضاعہ کی طرف بھیجا تھا کیونکہ آنحضرتؐ کو اطلاع ملی تھی کہ وہ لوگ اطراف مدینہ میں حملہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جب اس کو ان کی کثرت تعداد کا علم ہوا تو اس نے نبی اکرمؐ سے مدد طلب کی۔ آنحضرتؐ نے اس کی مدد کے لئے ابوعبیدؓہکو دو سو مہاجرین و انصار کے ساتھ روانہ کر دیا۔

اس غزوہ کے متعلق ارشاد میں جو کچھ آیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک اعرابی نے آ کر نبی اکرمؐ کو خبر دی کہ کچھ عرب وادی رمل میں جمع ہوئے ہیں اور انہوں نے اس پر اتفاق رائے کیا ہے کہ رات کی تاریکی میں آپ پر مدینہ میں حملہ کریں اور اس نے آنحضرتؐ کو ان کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ پس آنحضرتؐ نے ان کی طرف حضرت ابوبکر کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا۔ وہ گئے یہاں تک کہ ان کی سرزمین کے قریب پہنچ گئے جو بہت پتھریلی تھی اور وہ لوگ وادی کے بیچ میں رہتے تھے۔ جب وہ اور ان کے ساتھ والے وادی میں پہنچ گئے تو ان لوگوں نے نکل کر مسلمانوں کی ایک جماعت کو قتل کر ڈالا اور حضرت ابوبکر اپنے ساتھیوں سمیت بھاگ آئے۔ پھر نبی اکرمؐ نے حضرت عمرؓکو بھیجا۔ ان کا حال بھی ان کے ساتھی کا سا ہوا۔ تب آنحضرتؐ نے عمرو بن العاص کو بھیجا۔ انہوں نے بھی اپنے دونوں ساتھیوں ہی کا سا عمل پیش کیا۔ بالآخر جب آنحضرتؐ نے امام علیؑ کو بھیجنا ضروری سمجھا تو آپ نے ان کو ایک جماعت کے ساتھ بھیجا جس میں حضرت ابوبکر، حضرت عمرؓاور عمرو بن عاص اور دوسرے مہاجرین و انصار بھی شامل تھے۔ امام علیؑ اپنے ساتھ والوں کے ساتھ عراق کی سمت رخ کر کے چلے جس سے ان کے ساتھ والوں نے خیال کیا کہ وہ کسی اور طرف کا ارادہ رکھتے ہیں۔ امام علیؑ ان کی جانب غیر معروف راستے سے چلے۔ اس کے بعد ان کی طرف مڑے اور اس وادی میں جا پہنچے جہاں وہ لوگ تھے۔ آپ رات میں چلتے اور دن میں پوشیدہ رہتے تھے۔

جب وہ وادی کے قریب پہنچے تو عمرو بن عاص کو کوئی شک نہ رہا کہ فتح انہی کے ہاتھوں ہوگی۔ پس اس نے حضرت ابوبکر کے پاس جا کر کہا کہ امام علیؑ ابن ابی طالبؑ سے زیادہ میں اس وادی کو جانتا ہوں۔ یہاں لگڑ بھگے اور بھیڑیے بہت ہوتے ہیں جو ہمارے لئے بنی سلیم سے زیادہ شدت خیز ہوں گے۔ اگر وہ ہمارے اوپر ٹوٹ پڑے تو ہمارے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔ پس آپ ان سے بات کریں کہ وہ ہم کو وادی کے اوپر چلے جانے دیں۔ اس پر حضرت ابوبکر نے

جا کر امام علیؑ کے سامنے یہ خیال پیش کیا لیکن امام علیؑ نے کوئی توجہ نہ دی۔ پھر ان کے پاس حضرت عمرؓ پہنچے لیکن انہوں نے کوئی پروا نہ کی بلکہ امیر المؤمنینؑ صبح تک اپنے مقام پر ڈٹے رہے۔ پھر انہوں نے ان لوگوں پر ان کی غفلت کی حالت میں حملہ کر دیا اور اللہ نے ان کے لئے ان لوگوں پر قابو پالینا ممکن کر دیا۔ انہوں نے ان کے سات بڑے بہادروں کو قتل کر ڈالا اور فتح ان کے ہاتھوں اتمام کو پہنچی۔

اس موقع پر نبی اکرمؐ پر سورۂ والعادیات نازل ہوئی۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے اپنے اصحاب کو فتح کی خوشخبری سنادی اور ان کو حکم دیا کہ امام علیؑ کا استقبال کریں۔ امام علیؑ ان لوگوں کے پاس سے مال غنیمت اور قیدیوں کو لئے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور شہر کے قریب پہنچے تو آپ نے نبی اکرمؐ کو مسلمانوں کے ساتھ اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو آپ اپنے گھوڑے سے اتر کر پیدل ہو گئے۔ تب نبی اکرمؐ نے ان سے فرمایا کہ سوار ہو جاؤ کیونکہ اللہ اور اس کا رسولؐ دونوں تم سے خوش ہیں۔ اس پر امیر المؤمنینؑ خوشی کے مارے رو پڑے۔ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ! اگر مجھ کو یہ خوف نہ ہوتا کہ میری امت کے کچھ لوگ تمہارے بارے میں وہی کہنے لگیں گے جو عیسائی لوگ عیسیٰؑ کے متعلق کہتے ہیں تو میں ایسی بات کہتا کہ جب تم لوگوں کی کسی جماعت کی طرف سے گزرتے تو وہ تمہارے قدموں کے نیچے کی مٹی لے لیا کرتے۔

سید حمیری اس غزوے کے بارے میں کہتے ہیں:

وفی ذات السلاسل من سلیم غداۃ اتاھم الموت المبیر
وقد ھزموا ابا حفص و عمروا وصاحبہ مرارًا فاستطیروا
وقد قتلوا من الانصار رھطًا فحل النذر او وجبت نذور
ازار الموت مشیخہ ضخامًا جحاجحۃ تسد بھا الثغور

''ذات سلاسل میں بنی سلیم کو صبح سویرے تکلیف دہ موت نے آدبوچا حالانکہ انہوں نے عمر کو، عمرو بن عاص کو اور اس کے ساتھ (ابوبکر) کو مار بھگایا تھا اور نذر پوری ہو گئی تھی۔ مگر پھر موت نے ان کے بڑے بڑوں کو آلیا اور دوزخ ان سے پٹ گیا۔''

طبرسی کی مجمع البیان میں امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ سورۂ عادیات اس وقت نازل ہوئی جب نبی اکرمؐ نے امام علیؑ کو ذات سلاسل بھیجا اور وہ حضرت ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے جبکہ ان سے پہلے آنحضرتؐ دوسرے صحابہ کو بھیج چکے تھے اور وہ مایوس واپس آ گئے تھے۔ جب یہ سورت نبی اکرمؐ پر نازل ہوئی تو آنحضرتؐ صبح کی نماز پڑھانے کے لئے نکلے اور آپ نے یہ سورت نماز میں پڑھی۔ جب آپ فارغ ہوئے تو مسلمانوں نے کہا کہ ہم اس سورت سے ناآشنا تھے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ علیؑ کو اللہ کے دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی ہے اور آج رات اس کی بشارت مجھ کو جبرئیلؑ نے دی ہے۔ چند دن کے بعد امام علیؑ مال غنیمت اور قیدیوں کو لے کر آ پہنچے۔

اس غزوے کا نام ذات سلاسل ہونے کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ جب امام علیؑ نے ان کے کچھ آدمیوں

کو قتل کر کے ان پر غلبہ پالیا تو ان کے قیدیوں کے ہاتھوں کو رسی سے اس طرح باندھا گویا وہ زنجیروں میں ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ سلاسل اس مقام پر واقع ایک چشمے کا نام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ مشرکین نے ایک دوسرے کو زنجیروں سے باندھ لیا تھا تاکہ جنگ سے بھاگ نہ سکیں۔

سید امین اعیان الشیعہ میں کہتے ہیں کہ اس غزوہ کا حال اس نوعیت سے راوندی نے کتاب خرائج میں، علی بن ابراہیم نے اپنی تفسیر میں، نیز زجاج، مقاتل، وکیع، سدی اور ایک جماعت نے جن کو انہوں نے شمار کیا ہے بیان کیا ہے۔

قبیلہ طے کی جانب امام علیؑ کے ساتھ سریہ اور عدی بن حاتم کا قبول اسلام

بیشتر سیرت نگاروں نے طے کے شہروں پر مسلمانوں کے حملے، مسلمانوں کا اس غزوہ سے قیدیوں کو لے کر آنا جن میں سفانہ بنت حاتم طائی بھی تھی، اس کے بھائی عدی بن حاتم طائی کا شام کی طرف بھاگ جانا اور پھر مدینہ واپس آ کر اسلام قبول کرنا یہ سب کچھ ذکر کیا ہے لیکن اس سریہ کے قائد کا نام کا اور اس لشکر کی تعداد کا ذکر نہیں کیا۔

البتہ بعض روایتوں میں ہے کہ طے کے علاقے میں آنحضرتؐ نے امام علیؑ کو ایک سو پچاس افراد کے سریہ کے ساتھ روانہ کیا تاکہ وہ اس بت کو منہدم کر دیں جس کو وہ لوگ خدا مانتے تھے اور وہ ایک مقام پر تھا جو فلس کہلاتا تھا۔ چنانچہ وہ ماہ ربیع الثانی ۹ ھ میں اپنے ساتھ والوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ امام علیؑ اس سریہ کی قیادت کرتے ہوئے چلے تو بعض عرب قبیلوں کے قریب جا پہنچے جو طے سے دوستانہ روابط رکھتے تھے۔ صبح ہوتے ہوتے اپنے ساتھیوں سمیت طے کے قبیلوں میں پہنچ کر آپ نے ان پر یکبارگی دھاوا بول دیا جس سے وہ حواس باختہ ہو گئے۔ ان کے کچھ افراد قتل ہو گئے۔ کچھ قید کر لئے گئے اور باقی بھاگ نکلے۔ آپ نے ان کے کچھ جانوروں پر قبضہ کر لیا اور اس بت کو توڑ ڈالا جس سے وہ لوگ عقیدت رکھتے تھے اور اس کے خزانے سے تین تلواریں اور تین زرہیں پائیں۔ ان کا سردار عدی شام کی طرف بھاگ گیا۔ امام علیؑ قیدیوں اور مال غنیمت کو لے کر مدینہ واپس آ گئے۔ سفانہ بنت حاتم ان لوگوں کے ساتھ تھی۔ قیدی مسجد کے پہلو میں ایک احاطے میں ٹھہرا دیئے گئے جو اس مقصد سے تیار کر دیا گیا تھا۔

نبی اکرمؐ ان قیدیوں کی طرف سے گزرے تو سفانہ نے جو عقلمند اور باوقار تھی، کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہؐ! والد مر چکے ہیں اور مددگار لاپتا ہو گیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: تمہارا مددگار کون ہے؟ اس نے کہا: عدی بن حاتم۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے بھاگا ہے اور آپ چلے گئے۔

دوسرے روز آنحضرتؐ گزرے تو امام علیؑ نے اس کو اشارہ کیا کہ آپ سے بات کرے۔ چنانچہ جیسا کہ سیرت کی بعض کتابوں میں ہے کہ اس نے آنحضرتؐ سے بات کی جس کے دوران اس نے کہا: اے محمدؐ! آپ مجھ کو آزاد کر دیجئے اور عرب قبیلوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے کیونکہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں اور میرا باپ خاندان کا حامی تھا، مصیبت زدوں کا مددگار تھا، بھوکوں کو کھانا کھلانے والا تھا، لباس کے ضرورت مندوں کو لباس مہیا کرتا تھا اور لوگوں میں امن پھیلاتا

تھا۔ آپ میرے اوپر احسان فرمائیے، اللہ آپ پر احسان کرے گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں ضرور احسان کروں گا، تم جلدی نہ کرو تا آنکہ تم کو ایسا معتبر شخص مل جائے جو تم کو تمہارے علاقے میں پہنچادے اور جب تم جانے کا ارادہ کرو تو مجھ کو بتلا دینا۔ وہ آپ کے پاس عزت و اکرام کے ساتھ رہتی رہی یہاں تک کہ طے کا ایک وفد آ گیا۔ تب اس نے آنحضرتؐ کو اطلاع دی کہ اس وفد میں اس کے لئے قابل اعتماد و قابل اطمینان لوگ ہیں۔ پس آنحضرتؐ نے اس کو لباس مہیا کیا۔ اونٹ پر سوار کرایا اور اس کو اتنا خرچ عطا فرمادیا جو اس کی ضروریات کے لئے کافی تھا۔ اس نے آنحضرتؐ کی عطا دیکھ کر کہا: یہ ہاتھ آپ کا شکر گزار ہے جو مالدار رہنے کے بعد محتاج ہوگیا تھا۔ آپ پر ایسا ہاتھ غالب نہ ہو جو محتاجی کے بعد مالدار ہوا ہو، اللہ آپ کو بھلائی کرنے کے مواقع عطا کرتا رہے، آپ کو کسی بے عزت شخص کے سامنے صاحب حاجت نہ بنائے اور کسی صاحب عزت سے نعمت سلب نہ کرے، مگر یہ کہ آپ کو اس کی نعمت اس کو واپس کرنے کا ذریعہ قرار دیدے۔

سیرت ابن ہشام اور تاریخ طبری میں ہے کہ طے واپس پہنچنے کے بعد سفانہ جلدی سے اپنے بھائی کے پاس شام چلی گئی۔ اس کے پاس پہنچ کر اس نے اس کو ملامت، کرنا شروع کردی اور بولی کہ اے بے رخ! اے ظالم! تم اپنے اہل وعیال اور بچوں کو تو لے گئے مگر اپنے باپ کی باقی اولاد اور ناموس کو چھوڑ کر چلے آئے۔ اس نے کہا کہ تم جو کہتی ہو کہہ لو کیونکہ میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔

پھر وہ بولی کہ میری رائے ہے کہ قسم بخدا تم محمدؐ سے ملنے میں جلدی کرو کیونکہ اگر یہ شخص نبی ہے تو اس کی طرف سبقت کرنا شرف ہے اور اگر وہ بادشاہ ہے تو ایک صاحب سعادت کی عزت کرنے سے تم ذلیل نہ ہو جاؤ گے۔ سفانہ اپنی رائے کی خوبی اور صحیح سوچ کے لئے مشہور تھی۔ اس کی اس نصیحت نے اس کے بھائی کے ذہن پر اچھا اثر کیا اور اس نے فوراً نبی اکرمؐ کی خدمت میں جانے کے لئے سفر اختیار کرلیا۔

مؤرخوں نے عدی سے روایت کی ہے کہ اس نے بیان کیا کہ میں نبی اکرمؐ کی خدمت میں گیا تو آنحضرتؐ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ جب میں نے آنحضرتؐ کو سلام کیا اور اپنا تعارف کرایا تو آنحضرتؐ کھڑے ہوگئے اور مجھ کو اپنے بیت الشرف لے کر چلے۔ قسم بخدا! وہ میرے ساتھ چل رہے تھے کہ ان کو بہت کمزور بوڑھی عورت مل گئی جس نے آنحضرتؐ کو دیر تک ٹھہرائے رکھا۔ آپ کھڑے ہوئے اس سے اس کی ضرورت کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ بخدا یہ بادشاہ نہیں ہوسکتا۔

پھر آنحضرتؐ مجھ کو اپنے بیت الشرف لے گئے اور چمڑے کا ایک گدا لاکر جس میں پتے بھرے ہوئے تھے میری طرف بچھادیا اور فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ اس پر آپ تشریف رکھیئے۔ لیکن آپ نہ مانے۔ چنانچہ میں اس پر بیٹھ گیا اور آنحضرتؐ زمین پر بیٹھ گئے۔ تب میرے دل نے مجھ سے کہا کہ بادشاہ ایسا نہیں کیا کرتے۔

پھر آنحضرتؐ نے کہا: اے عدی کیا تم رکوسی[1] نہیں تھے؟ میں نے کہا: جی ہاں تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا تم

۱۔ رکوسی۔ رکوسیہ سے ماخوذ ہے۔ عیسائیوں اور صابئیوں کے مابین ایک دین کے پیرو۔

اپنی قوم میں مرباع (مال غنیمت کا چوتھائی حصہ) نہیں لیا کرتے تھے؟ میں نے کہا: جی ہاں ایسا ہی تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ تمہارے دین میں تمہارے لئے جائز نہ تھا؟ میں نے کہا: ضرور۔ اور میں سمجھ گیا کہ وہ یقیناً اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں کیونکہ وہ غیر معلوم کو بھی جانتے ہیں۔

بعدازاں آنحضرتؐ نے فرمایا: اے عدی! شاید تم کو اس دین میں داخل ہونے سے یہ امر مانع ہے کہ تم ان لوگوں کو صاحب حاجت پاتے ہو۔ قسم بخدا! عنقریب ان کے پاس اس قدر دولت آجائے گی کہ اس کو لینے والے نہ ملیں گے۔ شاید تم کو یہ بات بھی اس میں داخل ہونے سے روکتی ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ ان کے دشمن زیادہ ہیں اور ان کی اپنی تعداد کم ہے۔ قسم بخدا! عنقریب تم سنو گے کہ ایک عورت قادسیہ سے اپنے اونٹ پر سوار ہو کر اس مکان تک آئے گی اور کسی سے نہ ڈرے گی۔ شاید تم کو اس میں داخل ہونے سے یہ بات روکتی ہے کہ حکومت اور ملکیت دوسروں کے ہاتھوں میں ہے۔ قسم ہے اللہ کی عنقریب تم سنو گے کہ سرزمین بابل کے سفید قصروں کے دروازے ان کے لئے کھل گئے ہیں۔

عدی خاموش تھا بالکل نہیں بول رہا تھا۔ البتہ ان لمحوں میں وہ فکر کے گھوڑے دوڑا رہا تھا اور بادشاہوں، فرمانرواؤں، کاہنوں، جادوگروں اور تمام ان لوگوں کے متعلق سوچ رہا تھا جن کو وہ اپنے ذہن میں لاسکتا تھا۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی محمدؐ کے مانند نہ پاتا تھا اور نہ جو کچھ دیکھ رہا تھا یا سن رہا تھا اس کی کوئی تفسیر پاتا تھا سوائے نبوت کے، جس کو اللہ کا ارادہ آگے بڑھا رہا تھا اور اس طرح ترقی دے رہا تھا کہ کسی اور کو ایسا کرنے کی طاقت نہ تھی۔ چنانچہ اس نے جلدی سے اسلام قبول کرلیا اور اپنے اسلام میں پرخلوص رہا اور اس میں شک نہیں کہ پورے یقین کے بعد ایسا کیا۔ نہ کہ لالچ خوروں اور ان بزدلوں کے اسلام کی طرح جو اسلام کی قوت سے مغلوب ہو جانے پر اس میں شامل ہو گئے اور پھر خفیہ طور پر اسی جھنڈے کو جب موقع ملا تباہ کرنے لگے جس کے نیچے چل رہے تھے۔ لیکن یہ شخص اپنی زندگی بھر اسلام کا ستون بنا رہا۔

راویوں نے اسی سے روایت کی ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ جب نماز کا وقت شروع ہوتا تو میں اس کی طرف اشتیاق کرتا تھا اور جب سے میں نے اسلام قبول کیا جب بھی نماز قائم کی جاتی تو میں باوضو ہوتا تھا۔

سیرت نبویؐ لکھنے والوں کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ کے تبوک سے واپس آنے کے بعد آپ کی خدمت میں پے در پے وفد آتے رہے۔ ان ہی لوگوں میں بنی قضاعہ کے کچھ افراد تھے۔ یہ لوگ رویفع بن ثابت بلوی کے یہاں ٹھہرے۔ پھر وہ ان کو لے کر رسول اللہؐ کی خدمت میں آیا جبکہ آنحضرتؐ اپنے اصحاب کے درمیان جلوہ افروز تھے۔ آپ نے ان پر خوشی کا اظہار فرمایا۔ تب رویفع نے کہا کہ یارسول اللہؐ یہ لوگ آپ کی خدمت میں اسلام کا اقرار کرنے کے لئے آئے ہیں اور یہ اپنی قوم کے نمائندے ہیں جو اُن کے پیچھے ہے۔ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جس کو اللہ بھلائی دینا چاہتا ہے اس کو اسلام کی ہدایت کرتا ہے۔

پھر اس وفد کا قائد ابوالضبیب آگے بڑھ کر نبی اکرمؐ کے سامنے بیٹھ گیا اور بولا کہ یارسول اللہؐ! ہم آپ کی خدمت میں اس لئے آئے ہیں کہ آپ کی تصدیق کریں اور گواہی دیں کہ آپ اللہ کی طرف سے نبی ہیں اور ہم ان سب کو چھوڑ

دیں جن کی پرستش ہم اور ہمارے آباء کرتے رہے ہیں۔ رسول اللہؐ نے ان کے لئے دعائے خیر کی اور ان کو اصول اسلام کی اور اس کے کچھ احکام کی تعلیم دی اور ان کو عطیات دیئے جیسا کہ آنحضرتؐ بیشتر وفود کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ پھر ان کو ان کے علاقوں کی طرف واپس بھیج دیا۔

آنحضرتؐ کی خدمت میں بنی تمیم بھی آئے۔ ان کا سردار حاجب بن زرارہ بن عدس تھا۔ ان میں اقرع ابن حابس، زبرقان بن بدر، عمرو بن اہتم اور قیس ابن عاصم وغیرہ شامل تھے جو تمیم کے ممتاز افراد تھے۔ یہ لوگ مسجد میں داخل ہوئے اور نبی اکرمؐ سے پکار کر کہنے لگے کہ ہمارے طرف نکل کر آیئے تاکہ ہم آپ سے مقابلہ فخر کریں۔ ہم اس وفد کی طرف عینیہ بن حصن کے سریہ میں اشارہ کرچکے ہیں جو بنی تمیم کی ایک شاخ بنی عنبر کی طرف بھیجا گیا تھا۔

قبیلہ حمیر کا وفد اور ان کی طرف رسول اللہؐ کا مکتوب

حمیر کے فرمانرواؤں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں کچھ افراد کے ساتھ ایک خط اپنے قبول اسلام کے بارے میں بھیجا۔ اسی طرح زرعہ ذویزن نے اپنے قبول اسلام کے بارے میں مالک بن مرہ رہاوی کو بھیجا۔ پس رسول اللہؐ نے ان لوگوں کو خط بھیجا جس میں تھا کہ:

محمد رسول اللہؐ کی جانب سے حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال، نعمان ذی رُعینی، معافر اور ہمدان کی طرف!
میں اللہ کی حمد بجالاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ہمارے پاس تمہارے ایلچی پہنچے جو سرزمین روم سے ہوکر آئے ہیں۔ جو کچھ تم نے بھیجا وہ مل گیا۔ انہوں نے ہم کو تمہارے قبول اسلام کی اور مشرکین کو قتل کرنے کی اطلاع دی اور یہ کہ اللہ نے تم کو اپنی ہدایت سے سرفراز کیا۔ اب تم کو چاہیئے کہ اپنی اصلاح کرو، اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دیتے رہو اور مال غنیمت میں سے خمس جو اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا حصہ ہے ادا کرتے رہو۔ اس کے بعد جیسا کہ سیرت ابن ہشام وغیرہ میں ہے اپنے خط میں رسول اللہؐ نے ان کے لئے یہ بیان کیا کہ زکوٰۃ کن چیزوں میں واجب ہے اور زمین کی پیداوار، اونٹوں، گائے، بیلوں اور بکریوں میں اس کی مقدار کتنی ہوتی ہے۔

آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ ایک فریضہ ہے جو اللہ نے اپنے بندوں پر عائد کیا ہے۔ پس جو اس کو ادا کرتا رہے گا اور مسلمانوں کی مشرکوں کے مقابلے پر مدد کرتا رہے گا وہ مومنین میں سے ہوگا۔ اس کا وہی حق ہوگا جو سب مومنین کا حق ہے اور اس پر وہی فرض عائد ہوگا جو سب مومنین پر عائد ہے۔ جو کوئی اپنی یہودیت یا عیسائیت پر قائم رہے گا تو اس کو اس سے نکالا نہیں جائے گا البتہ اس پر جزیہ عائد ہوگا۔ ہر صورت میں خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام۔ دینار میں دیا جائے یا اس کی قیمت کا یمنی کپڑا۔ جو کوئی انکار کرے گا وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا دشمن ہے۔

پھر آنحضرتؐ نے ان کی طرف معاذ بن جبل، عبداللہ بن زید، مالک بن عبادہ، عقبہ بن نمر اور مالک بن مرہ کو بھیجا۔
آنحضرتؐ نے زرعہ بن ذی یزن کو لکھا کہ جو کچھ صدقات اور جزیہ ان کے پاس ہو اس کو جمع کر کے آپ کے

ان قاصدوں کے حوالے کر دیں۔ ان کے سردار معاذ ابن جبل تھے۔ آنحضرتؐ نے زرعہ بن ذی یزن کو خط میں یہ مزید لکھا کہ تمہارے ایلچی مالک بن مرۃ نے مجھ کو بتایا کہ تم حمیر میں سابق اسلام تھے اور یہ کہ تم نے مشرکین کو قتل بھی کیا میں تم کو حمیر کے ساتھ بھلائی کا حکم دیتا ہوں۔ نہ خیانت کرنا، نہ ایک دوسرے کو چھوڑنا کیونکہ اللہ کا رسولؐ تمہارے مالدار کا بھی سرپرست ہے اور تمہارے بے زر کا بھی اور صدقہ محمدؐ کے اور ان کے اہلبیت کے لئے حلال نہیں ہے بلکہ یہ بے زر مسلمانوں اور مسافروں کے لئے ہے اور آپ نے اس کو وفد کے ساتھ بھلائی کرنے کی ہدایت کی۔

رسول اللہؐ کی خدمت میں تمام اطراف سے قبول اسلام کے لئے پے در پے وفد آتے رہے۔ نبی اکرمؐ ان میں سے ہر وفد کا خیر مقدم کرتے ان سے خوشی کا اظہار فرماتے اور کبھی خود ان کو اسلام کی تعلیم دیتے اور کبھی اپنے اصحاب میں سے کسی ایک کو حکم فرماتے کہ وہ اس کام کو سرانجام دے۔ آپ ان کے لئے خطوط لکھتے جن میں بیشتر احکام اسلام ہوتے تھے۔ جیسا کہ آپ نے عمرو بن حزم کے ساتھ یہی اہتمام فرمایا جب ان کو بنی حارث بن کعب کے وفد کے ساتھ بھیجا اور اسی طرح معاذ ابن جبل وغیرہ کے ساتھ فرمایا جن کو وفود کے ساتھ ان کے علاقوں میں بھیجتے رہے۔

نویں سال کے باقی حصے میں آنحضرتؐ کی خدمت میں وفد آتے رہے جو اسلام قبول کرتے، اطاعت کا قرار کرتے اور آپ کے ساتھ عہد و پیمان کرتے کہ نہ خیانت کریں گے، نہ منحرف ہوں گے اور نہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ تعاون کریں گے۔ غزوۂ تبوک کا یہی فوری اثر تھا کہ عربوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ پرخطر گروہ جو دولاکھ سے زیادہ لڑنے والے افراد پر مشتمل تھا۔ اس پر ایسا خوف و ہراس طاری ہوا کہ حجاز کی سرحدوں سے ہٹ کر اندر چلا گیا حالانکہ ہرقل نے اس کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے تیار کیا تھا لیکن اس کے بجائے وہ اپنی پناہ گاہوں اور قلعوں میں شہروں کے بیچ میں جا گھسا اور ان سرحدوں کو جو حجاز کی سرحدوں سے ملتی تھیں، مسلمانوں کے ہاتھوں شکار کی حیثیت میں چھوڑ گیا تاکہ وہ ان پر اپنی حکومت اور اقتدار قائم کرلیں اور اس کے لئے ان کو خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہانا پڑا۔

اس پرخطر گروہ کے بھاگ جانے کا بعینہٖ یہی اثر یمن، حضرت موت، عمان اور دیگر جنوبی قبیلوں کے ذہنوں پر بھی پڑا۔ چنانچہ یہ بھی اسلام کی طرف بڑھے اور مدینہ آنے لگے تاکہ اپنی اطاعت اور قبول اسلام کا اعلان کریں اور اسلامی وحدت میں شامل ہو کر علم اسلام کے زیر سایہ رہیں اور اس طرح فارس اور رومیوں کی بالادستی سے نجات حاصل کرلیں۔

سیرت کی کتابیں بیان کرتی ہیں کہ بنی سعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ کو رسول اللہؐ کی خدمت میں بھیجا تاکہ ان کے لئے دیکھ کر آئے کہ آنحضرتؐ کیا پیام رکھتے ہیں۔ اس نے اپنی سواری تیار کی اور مدینہ کی راہ پر چل پڑا۔ اس نے اپنا اونٹ مسجد کے دروازے پر بٹھایا اور اس کی مہار باندھ کر رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچا۔ آنحضرتؐ اپنے اصحاب کے درمیان جلوہ افروز تھے۔ یہ قوی ہیکل شخص تھا اور دو زلفیں رکھتا تھا۔ وہ مسجد میں موجود لوگوں کی طرف بڑھا اور بولا: تم میں سے کون ابن عبدالمطلب ہے؟ رسول اللہؐ نے فرمایا: میں ابن عبدالمطلب ہوں۔ اس نے کہا: کیا آپ ہی محمدؐ ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: اے ابن عبدالمطلب میں آپ سے سوال کروں گا اور سوالوں میں آپ کے ساتھ اصرار کروں گا، آپ

میری وجہ سے بددل نہ ہوجائیے گا۔ اس پر نبی اکرمؐ نے اس سے فرمایا: پوچھو تمہارے دل میں کیا ہے؟ تب وہ بولا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جو آپ کا معبود ہے، آپ سے پہلے والوں کا بھی معبود ہے اور آپ کے بعد ہونے والوں کا بھی معبود ہے، کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم صرف اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور یہ کہ ہم ان بتوں کو ترک کردیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے رہے ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: اللہ کی قسم ہاں۔ اس نے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جو آپ کا معبود ہے اور آپ سے پہلے والوں کا بھی، کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم پانچ نمازیں ادا کیا کریں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: قسم بخدا! ہاں۔ پھر وہ ایک ایک فریضے کو بیان کرتا رہا اور آنحضرتؐ کو اللہ کی قسم دے دے کر پوچھتا رہا اور نبی اکرمؐ ہاں میں جواب فرماتے رہے۔ اس نے اسلام کا کوئی فریضہ ایسا نہ چھوڑا جس کے لئے اللہ کی قسم دے کر پوچھ نہ لیا ہو۔ جب ان کی تعداد پوری ہوگئی تو اس نے کہا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ پھر اس نے اپنے اوپر اللہ کو گواہ قرار دیا کہ وہ تمام فرائض ادا کیا کریگا جو اسلام نے عائد کئے ہیں اور ہر اس چیز سے باز رہے گا جس سے اسلام نے منع کیا ہے۔

اس کے بعد وہ مسجد سے باہر گیا اور اپنے اونٹ کی مہار کھول کر مدینہ سے اپنی قوم کی طرف چل پڑا۔ وہ ان کے پاس پہنچا تو وہ سب اس کے پاس جمع ہوگئے۔ اس نے ان سے پہلی بات جو کہی وہ یہ تھی کہ کیسے خراب ہیں لات اور عزیٰ؟ اس پر وہ کہنے لگے: اے ضمام! برص، کوڑھ اور پاگل ہو جانے سے ڈرو کیونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ جو کوئی ان دونوں کی توہین کرتا ہے اس کو ان میں سے کوئی مرض لاحق ہوجاتا ہے۔

ضمام نے ان سے کہا: وائے ہو تم سب پر۔ قسم بخدا! یہ دونوں نہ نقصان پہنچاتے ہیں نہ فائدہ بخشتے ہیں۔ اللہ نے ایک رسولؐ بھیجا ہے اور ان پر کتاب نازل کی ہے جو تم کو اس سے نکالنے والی ہے جس میں تم پڑے ہوئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور محمدؐ اس کے بندے ہیں اور اس کے رسولؐ ہیں۔ میں ان کے پاس سے تمہارے لئے وہ لایا ہوں جس کا وہ تم کو حکم دیتے ہیں اور جس سے وہ تم کو منع کرتے ہیں۔ چنانچہ اس روز شام نہ ہونے پائی تھی کہ جتنے مرد اور عورتیں اس کے پاس آئے تھے سب نے اسلام قبول کرلیا۔

ایسی ہی ان لوگوں کی بہت مثالیں ہیں جو آنحضرتؐ کی خدمت میں آکر اپنے قبول اسلام کا اور آنحضرتؐ کی رسالت اور اس کے اصول پر ایمان کا اعلان کرتے تھے اور معدودے چند افراد کے سوا کوئی اسلام کا مخالف باقی نہیں رہا اور یہ لوگ وہ تھے جن پر غرور چھایا ہوا تھا اور یہ اپنے اپنے قبیلوں میں استثناء کی حیثیت رکھتے تھے جیسے بنی عامر بن صعصعہ میں سے عامر بن طفیل اور اربد اور بنی حنیفہ میں مسیلمہ کذاب وغیرہ۔

چنانچہ سیرت رسول لکھنے والوں نے بیان کیا ہے کہ بنی عامر بن صعصعہ کے کچھ لوگ مدینہ آئے تا کہ اپنی قوم کے قبول اسلام کا اعلان کریں۔ ان میں تین ایسے افراد تھے جو درپردہ شرک اختیار کئے ہوئے تھے اور حضرت محمدؐ بن عبداللہ کو چھپ کر قتل کرنے کے لئے ان کے ساتھ آئے تھے۔

عامر بن طفیل کی قوم والوں نے اس سے کہا تھا کہ لوگوں نے اسلام قبول کرلیا ہے جس طرح تمہاری قوم والوں نے کرلیا ہے۔ تب اس نے ان سے کہا: قسم بخدا! میں نے عہد کیا تھا کہ میں نہ مانوں گا جب تک پورا عرب میرے پیچھے نہ چلے گا۔ کیا میں اس قریشی جوان کے پیچھے چلوں اور اس کی اطاعت کروں؟ جب وہ وفد کے ساتھ گیا تو اس نے ارید سے کہا کہ جب میں اس شخص (آنحضرتؐ) کے پاس جاؤں گا تو میں ان کا چہرہ تمہاری طرف سے ہٹالوں گا۔ جب تم مجھ کو ایسا کرتے دیکھو تو ان کو تلوار سے مار ڈالنا۔ چنانچہ جب وہ لوگ رسول اللہؐ کی خدمت میں گئے اور وفد آنحضرتؐ کے پاس پہنچ گیا اور ان لوگوں میں عامر اور ارید بھی تھے تو عامر نے آنحضرتؐ سے کہا: میرے ساتھ تنہائی میں ہو جایئے تاکہ میں اکیلا آپ سے بات کروں۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا: نہیں قسم بخدا! تاوقتیکہ تم صرف ایک اللہ پر ایمان نہ لے آؤ۔ وہ رسول اللہؐ سے اپنی بات بار بار کہتا رہا اور ارید سے چاہ رہا تھا کہ وہ کام کرلے جس کا دونوں نے آپس میں وعدہ کیا تھا۔ ارید کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیسے کرے؟ جب وہ ارید سے مایوس ہوگیا تو اس نے نبی اکرمؐ سے کہا: قسم بخدا! میں اس شہر کو آپ کے خلاف گدھوں اور آدمیوں سے پر کردوں گا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: اے اللہ مجھے عامر بن طفیل سے محفوظ رکھنا۔

جب وہ دونوں نبی اکرمؐ کے پاس سے ہٹے تو عامر نے ارید سے کہا: اے ارید! میں نے جو تم سے کہا تھا وہ کہاں گیا؟ قسم بخدا! صفحۂ ارض پر میرے نزدیک میرے لئے تم سے زیادہ ہیبت والا کوئی نہ تھا لیکن اللہ کی قسم آج کے بعد میں تم سے کبھی خوف نہ کھاؤں گا۔ ارید نے اس سے کہا: میرے متعلق جلدی فیصلہ نہ کرو کہ میں تمہاری پروا نہیں کرتا ہوں۔ قسم بخدا! میں جب اس امر کا ارادہ کرتا تھا جس کا حکم تم نے مجھ کو دیا تھا تو میں دیکھتا تھا کہ تمہارا چہرہ میرے اور اس شخص (آنحضرتؐ) کے مابین حائل ہوتا تھا، تو کیا میں تمہارے اوپر تلوار چلا دیتا؟ جب وہ لوگ ایک رات سفر کرتے ہوئے جارہے تھے تو عامر بن طفیل کی گردن میں طاعون ہوگیا اور وہ چلنے کے قابل نہ رہا۔ وہ بنی سلول کی ایک عورت کے گھر میں ٹھہر گیا اور وہیں مرگیا۔ وہ یہی دہرا رہا تھا کہ اے ابن عامر، طاعون اور وہ بھی اونٹ کے طاعون کی مانند، اور موت وہ بھی ایک سلولی عورت کے گھر میں۔ پس اس کے ساتھیوں نے اس کو دفن کردیا اور چلے گئے۔

جب وہ لوگ اپنی قوم میں پہنچے تو بنو عامر نے ارید سے کہا: اے ارید تمہارے پیچھے کیا ہے؟ اس نے کہا: کچھ نہیں، قسم بخدا! انہوں نے ایک چیز کی عبادت کی دعوت دی، میرا جی چاہتا ہے کہ اس وقت وہ میرے پاس ہوتے تو ان کو اپنے اس تیر سے مار کر ہلاک کردیتا۔ یہ کہنے کے دو دن بعد وہ اپنا اونٹ لے کر فروخت کرنے کے لئے نکلا، پس اللہ نے اس پر اور اس کے اونٹ پر بجلی گرادی جس نے دونوں کو جلا ڈالا۔ لیکن عامر بن طفیل اور ارید کی دشمنی نے ان کی قوم کو اسلام میں داخل ہونے سے اور اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے سے نہیں روکا۔

مسیلمہ کذاب

مسیلمہ بن حبیب المعروف بالکذاب ان افراد میں سے تھا جن پر جہالت اور غرور چھایا ہوا تھا۔ وہ بنی حنیفہ کے ایک وفد کے ہمراہ مدینہ آیا۔ یہ لوگ نبی اکرمؐ کی خدمت میں گئے تو اس کو کپڑوں سے چھپائے ہوئے تھے۔ نبی اکرمؐ بیٹھے

ہوئے تھے اور آپ کے ہاتھ میں کھجور کی شاخ تھی جس کے سرے پر پتیاں تھیں، جب وہ نبی اکرمؐ کے قریب پہنچ گیا تو اس سے آنحضرتؐ نے بات کی اور سوالات کئے۔ رسول اللہؐ نے اس سے فرمایا: بخدا! اگر تم مجھ سے یہ شاخ بھی مانگو گے تو میں تمہیں نہ دوں گا۔

ابن اسحٰق نے بنی ضبعہ کے ایک بزرگ شخص سے روایت کی ہے کہ جب یہ لوگ رسول اللہؐ کی خدمت میں گئے تو مسیلمہ کو اپنی سواریوں میں چھوڑ گئے۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تو اس کی حالت کو یاد کر کے کہنے لگے کہ یارسول اللہؐ ہم اپنے پیچھے اپنے ایک ساتھی کو اپنی سواریوں کے پاس چھوڑ آئے ہیں اور وہ ہمارے لئے ان کی حفاظت کر رہا ہے۔ رسول اللہؐ نے اس کے لئے وہی حکم فرمایا جو اُن لوگوں کے لئے فرمایا تھا اور کہا: تمہارے بشر کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ آپ کی اس سے مراد یہ تھی کہ وہ تمہاری چیزوں کی حفاظت کر رہا ہے۔ جب یہ لوگ یمامہ واپس پہنچے تو اس نے یہ ادعا کیا کہ میں نبی اکرمؐ کے ساتھ نبوت میں شریک ہوں اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ محمدؐ نے تم سے یہ کہ تمہارے بشر کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے اپنے اس علم کی وجہ سے کہا ہے کہ میں ان کے ساتھ اس معاملے میں شریک ہوں۔ وہ اپنی قوم کے سامنے گانے لگا اور گفتگو میں ایسے فقرے استعمال کرنے لگا جو قرآن سے مشابہ تھے۔ اس کی باتوں کی مثالوں میں یہ فقرہ ہے کہ: لقد انعم اللّٰه علی الحبلی فاخرج منها نسمة تسعی من بین صفاق وحشا. (اللہ نے حاملہ پر انعام فرمایا پس اس سے ایک جاندار چیز نکلی دوڑتی ہوئی کھال اور آنت کے مابین)۔

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن مسعود کے پاس آکر بیان کیا کہ بنی حنیفہ کی مسجد کی طرف سے گزرا تو میں نے ان کو وہ چیز پڑھتے ہوئے سنا جو حضرت محمدؐ بن عبداللہ پر نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ تم نے ان کو کیا کہتے ہوئے سنا؟ اس نے بتلایا کہ میں نے ان کو کہتے سنا: والطاحنات طحنا والعاجنات عجنا والخابزات خبزا والثاردات ثردا واللاقمات لقما. عبداللہ بن مسعود نے ان کو بلوایا تو وہ ستر افراد تھے۔ ان کا سردار عبداللہ بن نواحہ تھا۔ انہوں نے حکم دیا اور عبداللہ کو قتل کردیا گیا۔

تاریخ طبری میں ہے کہ مسیلمہ نے نبی اکرمؐ کو خط میں لکھا: ''رسول خدا مسیلمہ کی طرف سے محمد رسول اللہؐ کو سلام۔ امابعد! میں آپ کے اس معاملے میں شریک ہوں۔ پس آدھی زمین ہماری ہے اور آدھی قریش کی۔''

اس نے یہ خط دو ایلچیوں کے ہاتھ بھیجا۔ جب وہ دونوں نبی اکرمؐ کے پاس مسیلمہ کا خط لے کر آئے تو آنحضرتؐ نے ان دونوں سے کہا کہ تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم وہی کہتے ہیں جو وہ کہتا ہے۔ تب نبی اکرمؐ نے ان دونوں سے کہا کہ اگر یہ نہ ہوتا کہ ایلچی کو قتل نہیں کیا جاتا ہے تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔

پھر آپ نے مسیلمہ کذاب کو لکھا: محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ امابعد! زمین اللہ کی ملکیت ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث مقرر کرے اور نیک انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

ان لوگوں اور ان جیسے فریب خوردہ افراد کے علاوہ جزیرہ کے اطراف میں رہنے والوں نے اسلام قبول کیا اور قبائل کے معزز افراد اپنے قبائل کے وفود لیکر بت پرستی سے کنارہ کشی کر کے آنحضرتؐ کے پاس آتے تھے اور آپ کھلے دل سے انہیں خوش آمدید کہتے تھے اور ان کی عزت افزائی کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ دین اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ آخرکار نتیجہ یہ نکلا کہ جزیرہ نمائے عرب کے بہت بڑے حصے میں اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کا نام تک باقی نہ رہا۔ پھر غزوۂ تبوک کے بعد اسلام کو اور زیادہ فروغ نصیب ہوا اور اہل عرب کسی جنگ اور خونریزی کے بغیر جوق درجوق اسلام میں شامل ہونے لگے۔ دوسرے مؤلفین کی طرح میں ان وفود کی تعداد بیان کرنے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

فرزند رسولؐ حضرت ابراہیم کی وفات

ہجرت کا نواں سال جو کہ رسول اکرمؐ کے دل کی خوشی کا سال تھا کیونکہ اس سال آپ نے شرک اور بت پرستی کے خلاف کامیابی حاصل کی تھی اور آپ اپنی قوم کو جہل کی تاریکیوں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لانے میں پوری طرح کامیاب ہوئے تھے۔ آپ نے لوگوں کو اسلامی پرچم کے تحت اسلامی اخوت میں جمع کیا اور یہ دینی اخوت خونی رشتوں سے کہاں زیادہ پائیدار تھی۔

مسلمان جزیرۂ عرب میں پوری طرح سے مطمئن ہونے کے بعد جزیرے سے باہر ممالک کی طرف بھی دیکھنے لگ گئے تھے۔ نبی اکرمؐ ایسی مطمئن فضا میں زندگی کے ایام بسر کر رہے تھے۔ پھر ۹ھ کے آخری مہینوں میں آپ کے فرزند ابراہیم بیمار ہوئے۔ اس وقت ابراہیم دوسرے سال کا نصف اول مکمل کر چکے تھے۔ اپنے معصوم بیٹے کو دیکھ کر کھل اٹھتے تھے اور دن گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی خوشیوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ نبی اکرمؐ اپنے فرزند پر بڑی شفقت کرتے تھے اور اس کے ساتھ کھیلتے تھے اور اس کی بچگانہ حرکات اور جلدی بڑھوتری سے محظوظ ہوتے تھے۔

مشہور روایات کے مطابق جب ابراہیم سترہ ماہ کے ہوئے تو بیمار ہوگئے اور روز بروز مرض کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا اور ابراہیم کی زندگی خطرے میں پڑگئی۔

پھر ابراہیم کو ان کی والدہ ماریہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ ان کی والدہ کھجوروں کے ایک جھنڈ کے قریب رہتی تھیں جسے مشربہ ام ابراہیم کہا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ماریہ اور ان کی بہن سیرین اور ابراہیم کی دایہ ام سیف ان کی تیمارداری میں مصروف ہوگئیں۔ مگر بیماری روز بروز شدت اختیار کرتی گئی یہاں تک کہ ان پر نزع کا عالم طاری ہوا۔

نبی اکرمؐ کو اطلاع ملی تو آپ تیزی سے اپنے فرزند کے پاس آئے۔ اس وقت وہ معصوم بچہ اپنی ماں کی گود میں آخری ہچکیاں لے رہا تھا۔ رسول اکرمؐ نے اپنے فرزند کو ان کی ماں کی گود سے لیا اور اپنی گود میں سلایا۔ آپ کے چہرے پر غم والم کے آثار نمایاں تھے۔ پھر آپ نے کہا: ابراہیم! ہم تجھے خدا سے نہیں بچا سکتے۔

جب ابراہیم کی روح نے قفس عنصری سے پرواز کی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور آپ نے فرمایا: ابراہیم! اگر موت حتمی امر نہ ہوتی اور ہمارے آخری فرد نے پہلے سے ملحق نہ ہونا ہوتا تو ہم اس سے بھی زیادہ تجھ پر غم کرتے۔

آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آپ کہہ رہے تھے: اگرچہ آنکھیں رو رہی ہیں اور دل غمگین ہے لیکن ہم
ایسی کوئی بات نہیں کریں گے جو رب کی ناراضگی کا سبب ہو۔ ابراہیم! ہم تمہاری موت پر غم زدہ ہیں۔
آپ کے کچھ صحابیوں نے آپ کا غم ہلکا کرنا چاہا۔ انہیں اس کے علاوہ اور کوئی چارہ دکھائی نہ دیا کہ وہ آپ کو
آپ کے فرمان کی طرف متوجہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ کیا آپ نے ہمیں اس سے منع نہیں کیا تھا؟
آنحضرتؐ نے فرمایا: میں نے غم سے منع نہیں کیا تھا۔ میں نے بلند آواز کے ساتھ رونے سے منع کیا تھا اور اس
وقت تم جو کچھ دیکھ رہے ہو یہ تو دل کی محبت اور رحمت کے آثار ہیں۔

ام بردہ نے ابراہیم کو غسل دیا اور اسے ایک چھوٹی سی چارپائی پر لٹایا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان کا جنازہ
اٹھایا اور انہیں جنت البقیع میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ دفن کیا۔

ابراہیم کی وفات کے دن اتفاق سے سورج گرہن لگا۔ چند مسلمانوں نے کہا کہ ابراہیم کی موت کی وجہ سے سورج
گرہن ہوا ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے اس کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ نبی اکرمؐ نے یہ محسوس کیا کہ اگر آپ اس
موقع پر خاموش رہے تو لوگ اوہام پرستی کا شکار ہو جائیں گے اور اس بات کو اپنا عقیدہ بنالیں گے اور یہ اوہام پرستی مسلمانوں
کی نسلوں میں منتقل ہوتی رہے گی جبکہ ستاروں کا ایک منظم نظام ہے اور وہ اس کے مطابق حرکت کرتے رہتے ہیں۔
اس طرح قائم ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے نظام سے یا اپنے مقررہ راستے سے انحراف کر سکے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ساری
کائنات تباہی اور بربادی سے دوچار ہو جائے۔ اسی لئے نبی اکرمؐ نے اس تصور اور اس قسم کی طرز فکر کے پھیلنے کا موقع نہیں
چھوڑا اور مسلمانوں سے کہا کہ آفتاب اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جو کسی کی موت پر خواہ وہ عظمت میں
کتنا ہی بلند ہو گہن میں نہیں آتے اور نہ اس کی زندگی کی وجہ سے قائم رہتے ہیں۔ پس جب تم ایسا دیکھو تو اللہ کی بارگاہ میں
گڑگڑا کر نماز اور دعا کیا کرو۔

سورۂ توبہ

جب نویں سال کا ماہ ذی الحجہ آیا اور سورۂ توبہ (سورۂ برأت) کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو نبی اکرمؐ نے ابوبکر
کو بھیجا کہ لوگوں کے ساتھ حج ادا کریں۔ مشرکین بھی مسلمانوں کے ساتھ ادائے حج میں شریک رہا کرتے تھے اور اس طرح
حج کے زمانے میں جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے تھے وہ بھی اور جو لوگ جبت و طاغوت بتوں پر ایمان رکھتے تھے وہ بھی یکجا ہو
جایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر اپنے ساتھ کے مسلمانوں کو لے کر چلے تاکہ اس سال حج کے لئے پہنچ سکیں یہاں تک کہ
ذوالحلیفہ پہنچ گئے جو میقات ہے اور ہمارے اس زمانے میں مسجد شجرہ کے نام سے مشہور ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ
محو سفر تھے کہ نبی اکرمؐ پر وحی نازل ہوئی اور آنحضرتؐ کو حکم دیا گیا کہ حضرت ابوبکر کی جگہ امام علیؑ کو بھیجیں اور آنحضرتؐ سے
کہا کہ اس کو یا آپ پہنچائیں یا وہ شخص جو آپ سے ہو۔ پس نبی اکرمؐ نے امام علیؑ کو روانہ کیا اور ان کو حکم دیا کہ حضرت
ابوبکر سے آیات لے کر ان کو خود پہنچائیں۔ پس امام علیؑ ان سے جا ملے جبکہ وہ ذوالحلیفہ پر تھے۔ آپ نے ان سے وہ

آیتیں لے لیں۔ حضرت ابوبکر مدینہ واپس آ گئے اور ڈرے ہوئے تھے کہ ضرور ان کے بارے میں ایسی چیز نازل ہوئی ہے جس نے نبی اکرمؐ کو غصہ دلا دیا ہے۔ انہوں نے نبی اکرمؐ سے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! کیا میرے بارے میں کچھ نازل ہوا ہے؟ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ ان کو یا میں پہنچاؤں یا ایسا آدمی جو مجھ سے ہو۔ امام علیؑ گئے یہاں تک کہ مکہ پہنچ گئے۔ آپ نے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ سورۂ توبہ کی ابتدائی آیتیں لوگوں کو پڑھ کر سنائیں جیسا کہ البدایہ والنہایہ میں ابن کثیر کی روایت میں ہے اور انہوں نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ اس سال کے بعد مکہ میں کوئی مشرک داخل نہ ہونے پائے گا اور نہ خانۂ کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرے گا اور جنت میں صرف مسلمان نفس ہی داخل ہوگا اور جس کسی کے ساتھ رسول اللہؐ کا عہد یا پیمان ہوگا وہ اپنی مدت تک جاری رہے گا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ امام علیؑ نے لوگوں کے سامنے سورۂ توبہ کی تلاوت کی یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچے:

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ ''پس مشرک نجس ہیں لہٰذا اس رواں سال کے بعد سے خانۂ کعبہ کے قریب نہ جائیں۔ اگر تم کو تنگدستی کا خوف ہے تو عنقریب اللہ اپنے فضل سے تم کو غنی کر دے گا انشاء اللہ۔ بے شک اللہ جاننے والا صاحب دانش ہے۔'' (آیت ۲۸)

پھر انہوں نے ان کے سامنے اس اعلان کو دہرایا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ ننگا ہو کر طواف کرے گا اور جس کا رسول اکرمؐ سے کوئی معاہدہ ہے تو معاہدے کا عرصہ پورا ہونے تک اسے مہلت ہے۔

مشرکین نے لرزتے دلوں سے اس اعلان کو سنا اور اس اعلان نے انہیں حسد کی آگ میں جلا کر رکھ دیا اور انہوں نے ایک دوسرے کو ملامت کی اور آپس میں کہا: اب تم کیا کرو گے جبکہ حالت یہ ہے کہ قریش اور عرب کی اکثریت اسلام قبول کر چکی ہے۔ اس سوچ کا نتیجہ یہ نکلا کہ چار ماہ گزرنے سے پہلے ان کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔

حاکم نے مستدرک صحیحین میں اپنی اسناد سے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے اس سال حضرت ابوبکر کو امیر حج بنا کر روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ان باتوں کا اعلان کریں۔ پھر آپ نے اِن کے پیچھے امام علیؑ کو روانہ کیا اور انہیں اپنی اونٹنی پر سوار کیا۔ ابھی حضرت ابوبکر نے کچھ سفر طے کیا تھا کہ انہوں نے رسول اکرمؐ کی اونٹنی کی بلبلاہٹ کی آواز سنی تو وہ گھبرا گئے اور انہوں نے سمجھا کہ رسول اکرمؐ بذات خود تشریف لا رہے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد امام علیؑ نمودار ہوئے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر سے سورۂ توبہ کی آیات لے لیں۔

حضرت ابوبکر، رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اکرمؐ نے فرمایا: اس پیغام کو یا تو میں خود پہنچا سکتا ہوں یا وہ شخص جو مجھ سے ہو۔

امام علیؑ مکہ آئے آپ نے اس حکم کی تبلیغ کی جس کا حکم انہیں رسول اکرمؐ نے دیا تھا۔

اس روایت کو نسائی نے اپنی اسناد کے ساتھ سعد بن عبادہ اور انس بن مالک کی زبانی بھی نقل کیا ہے۔

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں احمد بن حنبل کے حوالے سے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ

نے حضرت ابوبکر کو سورۂ توبہ کی آیات کی تبلیغ کے لئے مکہ روانہ کیا۔ جب وہ ذی الحلیفہ پہنچے تو آنحضرتؐ نے فرمایا: ''اس پیغام کی تبلیغ یا تو میں خود کرسکتا ہوں یا میرے اہلبیت میں سے کوئی شخص کرسکتا ہے۔''

پھر آپ نے امام علیؑ کو روانہ کیا اور انہوں نے حضرت ابوبکر سے وہ آیات لے لیں۔

ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حماد بن سلمہ سے نیز احمد بن حنبل نے مسند میں ان الفاظ کا اضافہ کیا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: لَا يَذْهَبُ بِهَا اِلَّا رَجُلٌ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْهُ. ان آیات کو وہی شخص لیکر جاسکتا ہے جو مجھ سے ہو اور میں اس سے ہوں۔

امام علیؑ کو سورۂ توبہ کے ساتھ روانہ کرنا اور نبی اکرمؐ کا یہ فرمانا کہ ''اس کی تبلیغ یا میں کرسکتا ہوں یا وہ جو مجھ سے ہو اور میں اس سے ہوں'' شیعہ اور سنی محدثین میں متفق علیہ ہے۔ (فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ، جلد۱، صفحہ ۳۴۳)

البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ امام علیؑ کو جس مہم پر بھیجا گیا تھا کیا اس کے ساتھ حضرت ابوبکر کو بھی کسی دوسری مہم کے لئے روانہ کیا گیا تھا یا نہیں۔ یا یہ کہ حضرت ابوبکر راستے سے ہی لوٹ آئے تھے اور وہ دوبارہ مکہ نہیں گئے تھے اور حج کی تمام مہمات امام علیؑ بن ابی طالبؑ نے ہی سرانجام دی تھیں۔

اس سلسلے میں شیعہ اور کچھ سنی محدثین یہ کہتے ہیں کہ حج کی تمام مہمات رسول اکرمؐ نے امام علیؑ کے سپرد کردی تھیں جبکہ اہلسنت کے محدثین کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ اس سال رسول اکرمؐ نے حضرت ابوبکر کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا جبکہ امام علیؑ نے سورۂ توبہ کی تبلیغ کی تھی اور انہوں نے چار نکات کا ہی اعلان کیا تھا جس کا حکم سورۂ توبہ کی آیات میں دیا گیا تھا۔

سریہ امام علیؑ بطرف یمن

ابن سعد طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام علیؑ کو دو مرتبہ یمن روانہ کیا تھا۔ پہلی مرتبہ انہیں ۸ھ میں روانہ کیا تھا اور وہ سریہ صرف ہمدان قبیلے کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔ خالد نے پورے چھ ماہ تک انہیں اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ پھر رسول اکرمؐ نے امام علیؑ کو ان کی طرف روانہ کیا۔ براء بن عازب کا بیان ہے کہ جب ہم ان لوگوں کے قریب گئے تو وہ ہمارے پاس آئے۔ امام علیؑ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ پھر ہم ایک جماعت بن گئے۔ یعنی خالد بن ولید کے سپاہی بھی امام علیؑ کی تحویل میں آگئے۔ امام علیؑ قبیلہ ہمدان کی طرف بڑھے اور ان کے سامنے رسول اکرمؐ کا خط پڑھا جس کا اثر یہ ہوا کہ ہمدان کا پورا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔ امام علیؑ نے ان کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع رسول اکرمؐ کو بھجوائی۔

امام علیؑ کو دوسری بار ۱۰ھ میں ماہ رمضان میں تین سو سواروں کے دستے کے ساتھ مذحج کی طرف روانہ کیا گیا۔ رسول اکرمؐ نے اپنے ہاتھوں سے ان کے لئے پرچم باندھا اور اپنے ہاتھ سے انہیں دستار بندھائی اور آپ نے امام علیؑ کو یہ ہدایت کی کہ جب تک قبیلہ مذحج کی طرف سے جنگ کی ابتدا نہ ہو تو اس وقت تک وہ جنگ شروع نہ کریں۔

کچھ سیرت نگاروں نے اس بات کا اضافہ کیا کہ رسول اکرمؐ نے امام علیؑ سے فرمایا: تم انہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ

رَسُوْلُ اللّٰہِ کی دعوت دینا۔ اگر وہ اس بات کو قبول کرلیں تو انہیں نماز کا حکم دینا۔ اس کے علاوہ ان سے اور کسی بات کا مطالبہ نہ کرنا۔ خدا کی قسم! اگر تیرے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ایک بھی شخص کو ہدایت کردے تو یہ تیرے لئے اس جاگیر سے کہیں بہتر ہے جس پر سورج نے طلوع یا غروب کیا ہو۔

البدایہ والنہایہ میں امام علیؑ سے منقول ہے کہ رسول اکرمؐ نے مجھے یمن روانہ کیا تو میں نے عرض کی: آپ مجھے ایک قوم کی طرف روانہ کررہے ہیں جبکہ میں صغیر سن ہوں اور ابھی تک مجھ میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے۔

آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا: اے اللہ ان کی زبان میں پختگی دے اور ان کے دل کو ہدایت عطا کر۔ پھر فرمایا کہ جب تمہارے سامنے دو جھگڑنے والے آئیں تو دوسرے کو سنے بغیر فیصلہ نہ کرنا کیونکہ ایسا کرنے سے فیصلہ تم پر واضح ہو جائے گا۔ امام علیؑ فرماتے ہیں کہ قسم بخدا! مجھ کو کبھی دو فریقوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں پس و پیش نہیں ہوا۔

ابن سعد اپنی طبقات میں لکھتے ہیں کہ امام علیؑ یمن میں تین سو سواروں کو لے کر داخل ہوئے۔ پہلے سوار مذحج کے علاقے میں داخل ہوئے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو متفرق کردیا اور ان لوگوں نے ان کے قبیلوں سے قیدی بنائے اور مال غنیمت جمع کیا۔ پھر آپ ان کی جماعت سے برسر مقابلہ ہوئے۔ پہلے آپ نے ان کو اسلام کی پیشکش کی لیکن انہوں نے انکار کردیا اور مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسانے لگے۔ تب آپ نے اپنے ساتھیوں کی صف آرائی کر کے ان پر حملہ کردیا اور ان کے بیس آدمیوں کو تہہ تیغ کردیا۔ اس پر وہ پراگندہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ آپ نے ان سے دستبردار ہو کر پھر ان کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ اب انہوں نے قبول کرلیا اور ان کے سرداروں میں سے کچھ افراد نے آپ کی بیعت کرلی اور کہا کہ ہم اپنے قوم کے نمائندے ہیں اور یہ ہمارے صدقات ہیں ان میں سے آپ اللہ کا حق لے لیجئے۔

پھر امام علیؑ نے مال غنیمت جمع کر کے اس میں سے خمس علیحدہ کیا اور باقی اپنے ساتھیوں پر تقسیم فرمادیا۔ اس کے بعد واپس آگئے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اسی سال نبی اکرمؐ حج کے لئے روانہ ہوئے اور امام علیؑ آپؐ سے مکہ میں آکر ملے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ مدینہ سے حجۃ الوداع کے لئے روانہ ہونے سے پہلے نبی اکرمؐ نے امام علیؑ کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ نجران بھیجا تاکہ ان لوگوں سے وہ اشیاء وصول کریں جن پر ان کے اور نبی اکرمؐ کے درمیان معاہدہ ہوا تھا۔ جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ نبی اکرمؐ فریضہ حج ادا کرنے کے لئے روانہ ہوگئے ہیں تو آپ نے مکہ کی جانب تیزی سے بڑھنا شروع کردیا اور امیر لشکر ایک شخص کو مقرر کردیا جو آپ کے ساتھ تھا۔ اس شخص نے اپنی طرف سے مال غنیمت میں سے ایک ایک جوڑا کپڑا ہر شخص کو تقسیم کردیا تاکہ اس سے مزین ہو جائے۔ اس لشکر کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے امام علیؑ نے اس کا استقبال کیا اور دیکھتے کیا ہیں کہ وہ لوگ جوڑے پہنے ہوئے ہیں۔ تب آپ نے قائد سے کہا: وائے ہو تم پر! یہ کیا کیا؟ وہ کہنے لگا: میں نے ان کو اس لئے پہنا دیئے کہ لوگوں سے ملنے سے پہلے یہ لوگ اچھے لگیں۔ امام علیؑ نے وہ سب ان سے اتروا کر غنیمت میں واپس کردیئے۔ اس پر لوگوں نے ان کی شکایت کی۔ رسول اللہؐ نے سن کر فرمایا: اے لوگو! علیؑ کی شکایت نہ کیا کرو۔ قسم بخدا! وہ اللہ کے معاملے میں اس سے زیادہ سخت ہیں کہ ان کی شکایت کی جاسکے۔

البدایہ والنہایہ میں ابو بریدہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں امام علیؑ سے ایسا شدید بغض رکھتا تھا کہ

ایسا کسی اور سے نہ رکھتا تھا۔ میں قریش کے ایک شخص سے صرف اس لئے محبت کرتا تھا کہ وہ امام علیؑ سے دشمنی رکھتا تھا۔ یہ شخص سواروں کے ساتھ بھیجا گیا اور میں بھی اس کے ساتھ ہولیا کیونکہ وہ امام علیؑ سے دشمنی رکھتا تھا۔ ہم نے کچھ قیدی بنائے اور اس شخص نے رسول اللہؐ کی خدمت میں لکھ بھیجا کہ کسی کو بھیجدیں جو اُن میں سے خمس نکالے۔ آنحضرتؐ نے امام علی کو بھیجا۔ ان قیدیوں میں ایک نوکرانی لڑکی تھی جو قیدیوں میں سب سے اچھی تھی۔ آپ نے خمس علیحدہ کر کے باقی مال تقسیم فرمادیا۔ پھر آپ ہماری طرف نکلے تو آپ کے سر سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ ہم نے کہا اے ابوالحسن یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم نے اس نوکرانی لڑکی کو نہیں دیکھا جو قیدیوں میں تھی؟ وہ خمس میں پڑی اور اہلبیت نبی میں آگئی۔ اس شخص نے اس معاملے کی بابت رسول اللہؐ کو لکھ بھیجا۔ میں نے اس سے کہا کہ اپنے لکھے کی تائید میں مجھے بھی بھیجدے۔ جب میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو خط پڑھنے لگا اور کہتا جاتا تھا کہ اس نے سچ کہا ہے یارسول اللہؐ۔ اس پر رسول اللہؐ نے میرا ہاتھ اور وہ خط پکڑ کر فرمایا: کیا تم علیؑ سے دشمنی کرتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: اس سے دشمنی مت رکھو۔ اگر تم اس کو دوست رکھتے ہو تو زیادہ دوست رکھنے کی کوشش کرو کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، خمس میں آل علیؑ کا حصہ اس نوکرانی لڑکی سے زیادہ اور بہتر ہے۔

اسی طرح ابن کثیر نے اپنی بدایہ میں ابن اسحٰق اور انہوں نے ابان بن صالح سے عمرو بن شاس اسلمی پر منتہی ہونے والی سند سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں امام علیؑ کے ساتھ سواروں کے اس رسالے میں تھا جس کے ساتھ رسول اللہؐ نے ان کو یمن بھیجا تھا۔ امام علیؑ نے مجھ پر کچھ سختی کی اور میں نے ان کی مخالفت اپنے دل میں بٹھالی۔ جب میں مدینہ پہنچا تو میں ان کی شکایت مدینہ کی نشستوں میں کرتا رہا جس کسی کو ملا اس سے امام علیؑ کی شکایت کی۔ ایک روز میں رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچا جبکہ آنحضرتؐ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ جب آنحضرتؐ نے دیکھا کہ میں آپ کی آنکھوں پر نظر جمائے ہوں، آپ مجھ کو دیکھتے رہے یہاں تک کہ میں آپ کی طرف جابیٹھا۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا: اے عمرو بن شاس! تم نے مجھ کو دکھ پہنچایا ہے۔ میں نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف پلٹنے والے ہیں)۔ میں اس امر سے اللہ اور اسلام کی پناہ کا طالب ہوں کہ میں رسول اللہؐ کو دکھ پہنچاؤں۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا: جو کوئی علیؑ کو دکھ پہنچاتا ہے وہ مجھ کو دکھ پہنچاتا ہے۔

سیرت نگاروں نے ابوبریدہ سے اس کنیز کا قصہ بھی روایت کیا جس کو بنی زبید کے غزوہ میں امام علیؑ نے خود اپنے لئے لے لیا تھا اور ہم اس کے بارے میں اسی مقام پر کچھ خیالات پیش کر چکے ہیں۔

بہت ممکن ہے کہ خالد بن ولید یا ان کے علاوہ مہاجرین میں سے کسی اور نے ابوبریدہ کو اس پر آمادہ کیا ہو کہ وہ اس طریقے سے یا اور طرح علیؑ کو داغدار بنائیں تاکہ علیؑ کے بارے میں نبی اکرمؐ کا موقف بدل سکے لیکن نتیجہ اس کے برعکس ہوا جو وہ لوگ چاہ رہے تھے جیسا کہ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے۔

البدایہ والنہایہ میں عمرو بن شاس سے منقول ہے کہ نبی اکرمؐ کا جواب اس کے لئے اور جو لوگ اس دن کے لئے اس طرح کی دسیسہ کاریوں میں مصروف تھے، ان سب کے لئے ایک سخت صدمہ کا پیغام ثابت ہوا۔

— ۲۳ —

حَجَّۃُ الْوَدَاع

۱۰ھ میں جیسے ہی ماہ ذی القعدہ شروع ہوا تو نبی اکرمؐ نے اعلان کیا کہ میں اس سال حج بیت اللہ کے لئے مکہ جاؤں گا اور اللہ نے جو حج کے احکام نازل کئے ہیں ان کی عملی تبلیغ کروں گا۔ جیسے ہی یہ خبر مدینہ اور اس کے اردگرد اور جزیرہ نمائے عرب میں پھیلی تو عرب کے تمام شہروں، دیہاتوں اور صحراؤں اور جہاں جہاں اسلام پھیل چکا تھا وہاں سے لوگ سمٹ کر مدینہ آئے اور نبی اکرمؐ کے پرچم تلے آ کر جمع ہوئے اور مدینہ کے باہر ہزاروں افراد کے خیموں کا شہر بس گیا۔

پچیس ذی القعدہ کو نبی اکرمؐ ہزاروں کے جلوس کو اپنے جلو میں لئے ہوئے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ کچھ مؤرخین نے ان کی تعداد نوے ہزار اور کچھ نے ایک لاکھ سے اوپر بیان کی ہے۔ یہ سب لوگ ایمان کے زیر سایہ سفر کر رہے تھے اور ان کے دل ایسی خوشی سے لبریز تھے جس کا مشاہدہ تاریخ عرب نے اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ حج کے اس کارواں میں جزیرہ نمائے عرب کے چاروں اطراف کے لوگ موجود تھے جو ایک پرچم اور ایک ہدف کے ساتھ محو سفر تھے اور وہ ان کلمات کو دہرا رہے تھے جس میں رسول اکرمؐ کی تعلیمات کا نچوڑ مضمر تھا اور جن کی خاطر آنحضرتؐ کو جنگوں کا سامنا کرنا پڑا تھا یعنی:

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لاَ شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکُ لاَ شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ. اے اللہ! میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں ہر طرح کی حمد، نعمت اور ملک تیرے لئے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں ہے، میں حاضر ہوں۔

تاریخ ابن کثیر میں ہے کہ رسول اکرمؐ نے اس سال جو حج کیا اسے ''حج البلاغ، حج الاسلام اور حج الوداع'' کہا جاتا ہے کیونکہ آنحضرتؐ نے ہجرت کے بعد صرف اسی سال حج کیا تھا۔

آپ نے ہجرت سے قبل دو یا تین مرتبہ حج اور ہجرت کے بعد دو مرتبہ عمرہ ادا کیا۔ پہلی مرتبہ صلح حدیبیہ کے اگلے سال اور دوسری مرتبہ اس سال جس میں مکہ فتح ہوا۔ چنانچہ آپ غزوۂ حنین اور طائف کے محاصرے کے بعد جعرانہ سے وہاں عمرہ ادا کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

اس کا نام حج بلاغ اس لئے پڑ گیا کہ اس میں حج وغیرہ سے متعلق اسلامی احکام کی تبلیغ کی گئی تھی۔ اس خطبے میں جو آنحضرتؐ نے مکہ میں دیا آپ نے فرمایا: کوئی چیز ایسی نہیں رہی ہے جو تم کو اللہ سے قریب کرے مگر یہ کہ میں نے وہ تم کو بتلادی ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں رہی جو تم کو اللہ سے دور کرتی ہے مگر یہ کہ میں نے تم کو اس سے منع کردیا ہے۔ بیشتر محدثین نے اس کو حجۃ الوداع کہا ہے کیونکہ اس کے بعد آنحضرتؐ نے کوئی حج نہیں کیا۔ اسی میں آپ نے لوگوں کو رخصت کیا اور ان کو اپنی وفات کے قریب ہونے کی جانب اشارہ فرمایا تھا۔ آپ نے ان سے کہا تھا کہ اے لوگو! قریب ہے کہ مجھ کو بلالیا جائے اور میں قبول کرلوں۔

شیخ مفید نے ارشاد میں کہا ہے کہ جب رسول اللہؐ نے فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے مکہ کا قصد فرمایا تو لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ چنانچہ تمام علاقوں سے جہاں جہاں اسلام پھیل چکا تھا لوگوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ چلنے کی تیاریاں کرلیں اور مدینہ میں کثیر خلقت جمع ہوگئی۔ پس آنحضرتؐ ماہ ذی القعدہ کے ختم ہونے سے پانچ دن پہلے جمعرات کو لوگوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ روانہ ہونے والوں کی تعداد اختلاف روایات کا لحاظ کرتے ہوئے چالیس ہزار اور ایک لاکھ بیس ہزار کے درمیان تھی۔ یہ تعداد مکہ اور اس کے اطراف اور یمن وغیرہ کے باشندوں کے علاوہ تھی جنہوں نے آپ کے ساتھ حج ادا کیا آپ کے ساتھ آپ کی نو ازواجؓ اور آپ کی بیٹی حضرت فاطمہؑ بھی تھیں۔ آپ نے ان میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ ہودج مہیا فرمایا جو اُنہی کے لئے مخصوص رہتا تھا۔ آپ نے مدینہ میں سماک بن خرشہ ساعدی کو مقرر فرمایا جو ابودجانہ انصاری کے لقب سے مشہور تھے۔ ایک قول ہے کہ سباع بن عرفطہ غفاری کو مقرر فرمایا۔ آپ ظہر کی چار رکعت نماز ادا کر کے ذوالحلیفہ روانہ ہوئے اور وہاں آپ نے نماز عصر دو رکعت ادا فرمائی اور رات وہیں گزاری۔

ارشاد میں ہے کہ مکہ روانہ ہونے سے کئی روز پہلے نبی اکرمؐ نے امام علیؑ کو جن کو آپ نے ایک جماعت کے ہمراہ یمن بھیجا تھا لکھا کہ آپ سے مکہ میں حج کے لئے ملاقات کریں اور اس میں حج کی نوعیت جس کا آپ نے ارادہ فرمایا تھا بیان نہیں کی۔ آنحضرتؐ حج قران کے لئے قربانی کے جانور لے کر روانہ ہوئے تھے۔ آپ نے ذوالحلیفہ سے احرام اختیار کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہی احرام باندھا۔ آپ نے بیداء کے قریب واقع سنگ میل سے تلبیہ کہنا شروع فرمایا۔ یہ لوگ بلند آواز سے لبیک کہتے جارہے تھے یہاں تک کہ کراع الغمیم پر پہنچ گئے۔ آپ کے ساتھ کے لوگ سواری پر بھی تھے اور پیدل بھی۔ پیدل چلنے والوں پر چلنا باعث تکلیف ہو رہا تھا اور ان کو تھکائے جارہا تھا۔ ان لوگوں نے آنحضرتؐ سے شکایت کی اور آپ سے سواری کی درخواست کی۔ آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو بتلایا کہ آپ کے پاس ان کی اعانت کے لئے کچھ نہیں اور ان کو حکم دیا کہ سست اور تیز رفتار کو ملا کر چلیں۔ یعنی کبھی اپنے قدموں کو قریب رکھ کر تیزی سے چلیں اور کبھی ایسے قدموں سے چلیں جو دوڑنے اور چلنے کے مابین ہوں۔

سیرت حلبیہ میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کا اونٹ قوی اور تیز قدم تھا اور اس کے اوپر وزن ہلکا تھا اور حضرت صفیہؓ کا اونٹ سست رفتار تھا اور اس کا وزن بھاری تھا جو قافلے کو مجبور کرتا تھا کہ حضرت صفیہؓ کے انتظار میں رک کر چلے۔ اس پر

نبی اکرمؐ نے ایک منزل پر حکم فرمایا کہ حضرت صفیہؓ کی عماری حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر رکھ دیں اور حضرت عائشہؓ کی عماری حضرت صفیہؓ کے اونٹ پر۔ نبی اکرمؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: اے امِ عبداللہ! تمہاری عماری ہلکی ہے اور تمہارا اونٹ تیز رفتار ہے جبکہ صفیہؓ کی عماری بھاری ہے اور ان کا اونٹ سست رفتار ہے۔ یہ قافلہ کو سست رفتار رکھتا ہے اس لئے ہم نے تمہاری عماری ان کے اونٹ پر اور ان کی عماری تمہارے اونٹ پر منتقل کردی ہے۔ اس پر انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا اور آپ خیال کرتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے ان سے کہا کہ کیا تم کو اس میں شک ہے۔ تب انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ پھر آپ کو کیا ہوگیا ہے کہ آپ انصاف نہیں کرتے؟ ان کی بات ان کے باپ حضرت ابوبکر نے سن لی اور انہوں نے ان کے چہرے پر ایک تھپڑ مار دیا۔ اس پر رسول اللہؐ نے ان کو ملامت کی تو وہ بولے کہ آپ نے نہیں سنا کہ اس نے کیا کہا تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس کو جانے دو یہ بڑی حاسد عورت ہے بلند و پست کو نہیں پہچانتی ہے۔

''ارشاد'' میں ہے کہ امام علیؑ یمن سے اپنے لشکر کی معیت میں مکہ کے ارادے سے روانہ ہوئے تا کہ نبی اکرمؐ کے ساتھ اسی سال حج کریں اور آپ کے ساتھ وہ پوشاکیں بھی تھیں جو آپ نے نجران سے وصول کی تھیں۔ جب آپ یمن کی طرف سے مکہ کے قریب پہنچے تو آپ نے لشکر کو چھوڑ دیا اور اس پر ایک شخص کو امیر مقرر فرما کر خود جلدی سے چل پڑے تا کہ نبی اکرمؐ کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ملاقات کرلیں۔ چنانچہ آپ آنحضرتؐ سے اس وقت ملے جب آپؐ مکہ میں داخل ہونے والے تھے۔ آپ نے آنحضرتؐ کو سلام کر کے جو کچھ کارروائی انجام دی تھی، اس سے اور جو مال غنیمت، پوشاکیں وغیرہ لائے تھے اس کی اطلاع دی۔ رسول اللہؐ اس سے مسرور ہوئے اور آپ سے ملاقات ہو جانے پر بھی خوش ہوئے اور دریافت کیا کہ تم نے حج کے لئے کیا نیت کی ہے؟ انہوں نے کہا: یارسول اللہؐ! آپ نے مجھ کو اپنی نیت کے بارے میں نہیں لکھا تھا اور میں اس کو سمجھ نہ سکا اس لئے میں نے اپنی نیت کو آپ کی نیت سے وابستہ کردیا ہے اور یہ کہا کہ اے اللہ! اسی نیت سے جو نیت تیرے نبی کی ہے اور میں اپنے ساتھ چونتیس قربانی کے اونٹ لایا ہوں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: اللہ اکبر! میں چھیاسٹھ لایا ہوں اور تم میرے حج میں میری قربانی اور میرے جانوروں میں میرے ساتھ شریک ہو۔ پس تم اپنے احرام پر قائم رہو اور اپنے لشکر کی طرف جا کر ان کو جلدی جلدی لے آؤ تا کہ ہم سب مکہ میں یکجا ہو جائیں۔

لیکن ابن ہشام کی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے امام علیؑ سے کہا تھا کہ کیا تم اپنے ساتھ قربانی لے کر آئے ہو؟ امام علیؑ نے عرض کیا کہ نہیں۔ آنحضرتؐ نے انہیں اپنی قربانی میں شریک کیا اور آپ اپنے احرام پر باقی رہے یہاں تک کہ نبی اکرمؐ اور امام علیؑ حج سے فارغ ہوگئے اور رسول اکرمؐ نے دونوں کی طرف سے قربانی کو نحر کیا۔

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ امام علیؑ جس قربانی کو یمن سے اپنے ساتھ لائے تھے وہ اس وقت پہنچی تھی جب رسول اکرمؐ قربانی کر چکے تھے جیسا کہ حلبی نے اپنی سیرت میں ان روایات کو جمع کیا ہے۔

واقعات خواہ کچھ بھی ہوں روایات اس بات پر متفق ہیں کہ امام علیؑ نے رسول اکرمؐ کے حج کے مطابق حج کیا تھا اور حج قران تب صحیح ہے جب قربانی ساتھ لائی جائے اسی لئے دو میں سے ایک بات کو لازماً تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام علیؑ

اپنے ساتھ قربانی لے کر آئے ہوں گے جیسا کہ پہلی روایت میں مذکور ہے یا پھر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ نبی اکرمؐ نے انہیں اپنے ساتھ قربانی میں شریک کیا ہوگا۔

ہم نے جن پوشاکوں کا ذکر کیا ہے وہ لشکر نے اس وقت آپس میں بانٹ لی تھیں جب امام علیؑ مکہ میں داخل ہونے سے قبل رسول اکرمؐ سے ملاقات کرنے گئے تھے اور ہم نے وہاں یہ بھی بیان کیا کہ امام علیؑ نے وہ پوشاکیں اپنے لشکر سے کس طرح واپس وصول کی تھیں اور اہل لشکر نے نبی اکرمؐ سے امام علیؑ کے اس رویے کی شکایت کی تھی اور آنحضرتؐ نے انہیں جواب دیا تھا۔

محدثین اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ نبی اکرمؐ کے منادی نے دخول مکہ سے قبل آنحضرتؐ کی طرف سے یہ اعلان کیا تھا کہ تم میں سے جو اپنے ساتھ قربانی لے کر نہ آیا ہو تو وہ طواف، سعی اور تقصیر کے بعد احرام کھول دے اور اُسے عمرہ قرار دے۔ پھر جب عرفات کے لئے روانہ ہو تو حج کا احرام باندھے اور جو اپنے ساتھ قربانی لے کر آیا ہو تو وہ مناسک حج مکمل ہونے تک احرام میں رہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ اور اللہ کی خوشنودی کے لئے حج وعمرہ کو مکمل کرو۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۹۶)

آنحضرتؐ نے فرمایا: قیامت تک کے لئے عمرہ حج میں داخل ہو چکا ہے۔

پھر آپ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالیں اور فرمایا: اگر میں بعد والا کام پہلے کرتا تو اپنے ساتھ قربانی لے کر ہی روانہ نہ ہوتا۔

آپ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ اگر احرام باندھنے کے وقت مجھے اس بعد والے مسئلے کا پتا چل جاتا جو مجھے آج معلوم ہوا ہے کہ قربانی ساتھ لانے والا حج تمتع نہیں کرسکتا اور اسے حج قران کرنا پڑتا ہے تو میں قربانی کو اپنے ساتھ لے کر ہی نہ آتا تاکہ میرا حج بھی حج قران کی بجائے حج تمتع ہوتا کیونکہ حج تمتع حج قران سے افضل ہے۔

فقہاء نے حج کی تین قسمیں بیان کی ہیں: (۱) اِفراد (۲) قِران (۳) تمتّع۔

اِفراد اور قِران اہل مکہ اور مکہ کے قرب وجوار میں رہنے والوں کے لئے ہیں اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ حج افراد میں احرام باندھ کر عرفات، مزدلفہ اور منیٰ میں جانا پڑتا ہے۔ پھر قربانی، رمی جمرات، طواف اور سعی کرنی پڑتی ہے جبکہ حج قران میں حاجی کو حج کے مہینوں میں عمرہ و حج کی نیت کرنا پڑتی ہے۔ وہ پہلے عمرہ کرتا ہے اور اعمال حج کی تکمیل تک احرام نہیں کھول سکتا اور اسے حج وعمرہ کے اعمال ایک ہی احرام میں ادا کرنے ہوتے ہیں اور اسے قربانی بھی کرنا ہوتی ہے۔

جبکہ حج تمتع میں حاجی اپنے ساتھ قربانی لے کر نہیں آتا۔ چنانچہ وہ طواف، سعی اور تقصیر کے بعد احرام کھول دیتا ہے اور اسے اپنے لئے عمرہ قرار دیتا ہے۔ پھر جب وہ عرفات کے لئے روانہ ہوگا تو اسے حج کے لئے دوبارہ احرام باندھنا ہوگا۔ رسول اکرمؐ نے بھی مسلمانوں کو اس حج تمتع کا حکم دیا تھا۔ کچھ لوگوں نے آپ کے فرمان کی اطاعت کی تھی اور کچھ

لوگوں نے اس کی مخالفت کی تھی۔ اس موقع پر مسلمانوں کی ایک جماعت نے کہا تھا: بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نبی اکرمؐ تو پراگندہ مو اور غبار آلود ہوں اور ہم دوسرے کپڑے پہنیں اور بیویوں سے ہم آغوش ہوں؟

ایک اور گروہ نے یہ کہا: کیا تمہیں حیا نہیں آتی کہ تم احرام سے آزاد ہو جاؤ اور تمہارے سروں سے غسل جنابت کے پانی کے قطرات ٹپک رہے ہوں اور رسول اکرمؐ حالت احرام میں ہوں؟

رسول اکرمؐ نے مخالفت کرنے والوں کی باتوں کو ٹھکرا دیا اور فرمایا: اگر میں قربانی کے جانور اپنے ساتھ لیکر نہ آیا ہوتا تو احرام کھول دیتا اور اسے عمرہ میں بدل دیتا۔ تم میں سے جو قربانی ساتھ نہیں لایا تو وہ احرام سے آزاد ہو جائے۔

آنحضرتؐ کے اس فرمان کو کچھ لوگوں نے تسلیم کیا اور کچھ اپنی مخالفت پر اڑے رہے۔

سنن نسائی میں براء بن عازب سے منقول ہے کہ اس نے کہا: جب رسول اکرمؐ نے امام علیؑ کو یمن روانہ کیا تھا تو میں بھی امام علیؑ کے ساتھ تھا۔ جب امام علیؑ یمن سے حج کے لئے مکہ آئے اور رسول اکرمؐ سے ملاقات کر چکے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ رسول اکرمؐ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے حج کی نیت کیسے کی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے نیت کی تھی کہ میں حج رسولؐ کی نیت کر رہا ہوں یعنی میری وہی نیت ہے جو رسول اکرمؐ کی نیت ہے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ میں قربانی ساتھ لایا ہوں اور میں حج قران کر رہا ہوں۔

آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: اگر میں بعد والا کام پہلے کرتا تو میں بھی تمہاری طرح سے مناسک بجالاتا لیکن میں اپنے ساتھ قربانی لایا ہوں اور حج قران کر رہا ہوں۔

صحیح مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرمؐ چار ذی الحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ میرے پاس غصہ کی حالت میں تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! آپ کو کس نے غضبناک کیا ہے؟ خدا اسے دوزخ میں داخل کرے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں نے لوگوں کو حکم دیا ہے مگر وہ تردد کر رہے ہیں۔ اگر میں نے اس کام کو آگے کیا ہوتا جسے پیچھے کیا ہے تو میں اپنے ساتھ قربانی لے کر نہ آتا اور اس کی بجائے قربانی کا جانور خریدتا اور احرام سے یوں آزاد ہو جاتا جیسا کہ دوسرے آزاد ہو چکے ہیں۔

رسول اکرمؐ نے متعۃ الحج کا حکم ان لوگوں کو دیا تھا جو اپنے ساتھ قربانیاں لے کر نہیں آئے تھے اور انہوں نے حج و عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھا تھا۔

عمرہ تمتع کے اس استفادے کو متعۃ الحج کہا جاتا ہے اور یہ ان دو متعوں میں سے ہے جن سے حضرت عمرؓ نے منع کیا تھا اور ان دونوں کو بجالانے والے کو سزا کی دھمکی دی تھی جیسا کہ اس مشہور حدیث میں آیا ہے جو اُن ہی سے روایت کی گئی ہے۔ یعنی دو متعہ ایسے ہیں جو رسول اللہؐ کے عہد میں تھے میں نے ان دونوں کو حرام قرار دیدیا ہے اور میں ان دونوں پر سزا دوں گا۔ وہ دونوں ہیں متعۃ الحج جس کا حکم نبی اکرمؐ نے ہر اس شخص کو دیا تھا جس پر حج قران فرض ہو اور متعۃ النساء جس

کو اسلام نے جائز قرار دیا تھا اور جو رسول اللہؐ کی وفات کے بعد مسلمانوں میں جاری رہا تھا اور اس کے مطابق شرع ہونے پر قرآن کا حکم موجود ہے اور اس کے بارے میں اتنی احادیث وارد ہوئی ہیں جو تواتر کی حد تک پہنچتی ہیں لیکن اپنی عادت کے بموجب وہ بعض اوقات کسی چیز کو نبی اکرمؐ اور قرآن کے احکام کے مقابلے میں بہتر خیال کرتے تو اپنی رائے پر ڈٹ جاتے تھے۔ حدیبیہ کے موقع پر ان کا موقف اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

بہرحال نبی اکرمؐ مکہ میں پانچویں ذی الحجہ کو کداء کی جانب سے داخل ہوئے اور آپ نے اپنے خیمے ابطح میں نصب کئے اور آگے چلتے رہے یہاں تک کہ باب شیبہ پر پہنچے جو باب السلام کے نام سے مشہور ہے۔ آنحضرتؐ نے حرم کعبہ میں داخل ہو کر سات مرتبہ خانۂ کعبہ کا طواف فرمایا پھر مقام ابراہیمؑ کے عقب میں نماز ادا فرمائی اور پھر مسلمانوں کی معیت میں صفا و مروہ کے درمیان سعی فرمائی۔

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ جب رسول اکرمؐ صفا کے قریب ہوئے تو آپ نے سورۂ بقرہ کی یہ آیت پڑھی اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ. (آیت ۱۵۸) اور سعی کی ابتداء صفا سے فرمائی۔ آپ اس کے سب سے اونچے حصے پر کھڑے ہوئے یہاں تک کہ آپ خانۂ کعبہ کو دیکھ پائے۔ پھر آپ نے قبلہ رخ ہو کر اللہ کی توحید و تکبیر یوں بیان فرمائی: لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ اَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ. پھر آنحضرتؐ اتر آئے یہاں تک کہ آپ کے پیر وادی میں جم گئے۔ تب آپ مروہ کی جانب سعی کرتے ہوئے گئے اور اوپر چڑھے یہاں تک کہ آپ کو خانۂ کعبہ نظر آ گیا۔ تب آپ نے اللہ کی توحید اور تکبیر اسی طرح بیان فرمائی جس طرح صفا پر فرمائی تھی۔ اسی طرح آپ اعمال بجالا رہے تھے اور لوگ آپ کے آگے اور پیچھے ہجوم کئے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ سعی ختم کر کے احرام ہی کی حالت میں اپنے بیت الشرف چلے گئے۔

مکہ سے عرفات کی جانب روانہ ہونے سے پہلے آنحضرتؐ نے خانۂ کعبہ میں لوگوں میں خطبہ دیا، نصیحتیں کیں اور حج وغیرہ کے احکام بتلائے۔ وہاں سے آپ آٹھویں تاریخ عرفہ کی جانب چلدیئے اور اس کے راستے میں منیٰ سے گزرے اور وہاں ٹھہرے بھی۔

نویں تاریخ کی صبح سے پہلے آپ وہاں سے عرفات کی طرف روانہ ہوئے اور دن کے باقی حصے میں وہیں مقیم رہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کل عرفہ مقام وقوف ہے سوائے درمیانی حصے کے۔ جب ظہر کا وقت ہوا تو آنحضرتؐ کے حکم سے آپ کا ناقہ قصواء تیار کیا گیا اور اس پر سوار ہو کر اس انبوہ کثیر کے سامنے جو وہاں جمع تھا، کھڑے ہوئے اور آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: اللہ اپنے اس بندے کے چہرے کو روشن فرمائے گا جو میری بات سن کر سمجھے گا، یاد رکھے گا اور اس تک پہنچائے گا جس نے اس کو نہیں سنا ہے کیونکہ کبھی کبھی احکام کا حامل احکام سے ناواقف ہوتا ہے اور کبھی کبھی احکام کا حامل ایسے کے پاس لے جاتا ہے جو اس سے زیادہ واقف احکام ہوتا ہے۔ تین چیزیں ایسی ہیں جن کے ہوتے ہوئے مسلمان شخص کا دل دھوکہ نہیں کھا سکتا۔ عمل جو خالصتاً اللہ کے لئے ہو، نصیحت جو حق

کے مطابق ہو اور مسلمانوں کی جماعت سے وابستہ رہنا کیونکہ دعوت حق ان کو پیچھے کی جانب سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے لوگو! سمجھ لو کہ تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم سب کے لئے اسی طرح واجب الاحترام ہیں جس طرح تمہارا یہ مہینہ، تمہارا یہ شہر اور تمہارا یہ آج کا دن۔

آنحضرتؐ عرفات میں اتنی دیر تک مقیم رہے کہ آفتاب غروب ہوگیا اور مشرق کی طرف کی زردی زائل ہوگئی۔ اس وقت آپ اپنے ناقہ پر سوار ہو کر چلے یہاں تک کہ مزدلفہ پہنچ گئے۔ وہاں آپ نے مغرب وعشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا کیں اور ان دونوں میں کوئی فاصلہ نہیں رکھا۔ آپ نے رات وہیں بسر فرمائی۔ صبح ہو جانے پر آپ وہاں سے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے چل دیئے۔ جب وادی سے نکل گئے تو آپ اتر کر چلے اور جمرہ عقبہ پر کنکریاں ماریں اور قربانی کا جانور ذبح فرمایا۔

سیرت الحلبیہ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ منیٰ سارے کا سارا مقام ذبح ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنے دست مبارک سے تریسٹھ جانور ذبح فرمائے اور امام علیؑ نے اپنے ہاتھ سے سینتیس ذبح کئے۔ اس طرح پورے سو ہوگئے۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کا گوشت لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اسی طرح آپ نے حکم دیا کہ ہر قربانی کے جانور سے ایک ایک ٹکڑا لیا جائے۔ چنانچہ سب میں سے لے لئے گئے اور پھر پکائے گئے۔ اسی میں سے آپ نے اور جو لوگ آپ کے ساتھ تھے انہوں نے کھایا۔ اسی روز آنحضرتؐ نے اپنا سر منڈوایا۔ اس روز کے اعمال سے فارغ ہونے کے بعد آپ سوار ہو کر ساتھی مسلمانوں کی معیت میں مکہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے بیت اللہ کا طواف فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے وہیں نماز ظہر ادا کی۔ پھر آپ چشمہ زمزم پر گئے۔ وہاں بنی عبدالمطلب پانی لے رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے ایک بالٹی پانی لے کر اس میں سے پیا اور باقی اپنے اوپر چھڑک لیا۔

سیرت کی بیشتر کتابوں میں ہے کہ قربانی کے روز آنحضرتؐ نے لوگوں کے سامنے ایک جامع خطبہ دیا۔ اس میں آپ نے اللہ کی حسب شان حمد وثناء کے بعد فرمایا: ہم اللہ کی پناہ کے طالب ہیں اپنے نفوس کی فتنہ خیزیوں سے اور اپنے اعمال کی برائیوں سے۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمدؐ اس کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں۔ اے لوگو! میں تم کو تقوی الٰہی اور اطاعت الٰہی کی نصیحت کرتا ہوں۔

بعد ازاں اے لوگو! جو کچھ میں تمہارے سامنے بیان کر رہا ہوں اس کو سنو کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ میں اس سال کے بعد اور اس مقام پر تم سے پھر ملاقات کرسکوں گا۔ تمہارے خون اور تمہارے مال تمہارے اوپر واجب الاحترام ہیں تا آنکہ تم اپنے اللہ سے جاملو۔ اسی طرح جیسے تمہارے لئے آج کا یہ دن، تمہارا یہ مہینہ اور تمہارا یہ شہر واجب الاحترام ہے۔ دیکھو جس کے پاس کوئی امانت ہو اس کو چاہیئے کہ وہ اسی کو واپس دیا کرے جس نے اس کو اس پر امین بنایا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں بہائے ہوئے خونوں کا ذمہ اٹھا لیا گیا ہے۔ پہلا خون جس سے میں اس حکم کی ابتدا کرتا ہوں وہ عامر بن ربیعہ بن حرث بن

عبدالمطلب کا خون ہے۔[1] خانۂ کعبہ کی نگہبانی اور حاجیوں کی سیرابی کے سوا زمانہ جاہلیت کے سب طریقے منسوخ کئے جاتے ہیں۔ قتل عمد کا بدلہ قتل ہے۔ غیر عمد قتل کے لئے سخت سرزنش اور سو اونٹ ہیں۔

اے لوگو! شیطان کو مایوسی ہوگئی ہے کہ اب اس زمین پر اس کی عبادت نہ کی جائے گی۔ لیکن وہ خوش ہے کہ یہاں کے علاوہ ان برے اعمال کے ذریعے جو تم کرو گے اس کی اطاعت ہوتی رہے گی۔

اے لوگو! یہ بڑھا ہوا مہینہ کفر کو بڑھاتا ہے۔ اس کے ذریعے سے کافروں کو مزید گمراہ کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ ایک سال اس مہینے کو حلال قرار دیتے ہیں پھر دوسرے سال اسی مہینے کو حرام قرار دے دیتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کئے ہوئے کی تعداد پوری کردیں۔ دیکھو زمانہ گردش میں رہتا ہے۔ اس روز کی مانند جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا۔

سیرت حلبیہ میں اس فقرے کی تفسیر میں ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ حج میں ہر سال گیارہ دن کی تاخیر کردیا کرتے تھے یہاں تک کہ تینتیس سال میں دور پورا ہو جاتا تھا اور پھر حج اپنے پہلے وقت پر ذی الحجہ کے پہلے حصے میں آجاتا تھا۔ اس میں اور بھی اقوال ہیں۔

کہا گیا ہے کہ یہ لوگ محرم میں لڑائی کرلیا کرتے تھے اور اس کی حرمت ماہ صفر پر عائد کردیتے تھے۔ جب صفر آتا تھا تو اس میں لڑائی کر لیتے اور اس کے بدلے میں ماہ ربیع الاول میں لڑائی کو حرام قرار دیتے تھے اور اسی طرح آگے ... جب اسلام آگیا تو معاملہ اصل حالت پر پلٹ گیا۔

رسول اللہؐ نے اپنے خطبے میں مزید فرمایا کہ اللہ کے نزدیک کتاب خدا میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ ان میں سے چار قابل احترام ہیں، تین متواتر ہیں، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور ایک قبیلہ مضر کا رجب[2] جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان میں ہے۔

اے لوگو! عورتوں کا تمہارے اوپر حق ہے اور ان پر تمہارا حق ہے۔ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے ہوتے ہوئے کسی دوسرے سے تعلق نہ رکھیں اور کوئی بدکاری نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اللہ نے تم کو اجازت دی ہے کہ تم ان سے کنارہ کشی کرلو، ان کو تنہائی میں رکھو، اس طرح مارو کہ سخت چوٹ نہ آئے، اگر وہ باز آجائیں تو تم پر ان کا نفقہ، لباس، عام اچھے معیار کا واجب ہے۔ عورتیں تمہارے پاس مددگار کی حیثیت سے ہیں، وہ اپنے لئے کچھ نہیں رکھتیں، تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے، تم نے ان کے جسم کو اپنے لئے اللہ کے کلمہ کے ذریعہ حلال قرار دیا ہے۔ پس عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔

اے لوگو! سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کسی شخص کو اس کے بھائی کا مال سوائے اس کی اپنی مرضی کے جائز نہیں ہے۔ پس میرے بعد کافر مت ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو کیونکہ میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے

۱۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ بنی ہذیل نے ان پر بلاوجہ حملہ کر کے ان کو قتل کردیا تھا۔

۲۔ آنحضرتؐ نے رجب کو مضر سے منسوب کردیا کیونکہ وہ اس کو دوسرے مہینوں سے زیادہ قابل عظمت مانتے تھے۔

کہ جس کو تم اپنائے رکھو گے تو میرے بعد کبھی گمراہی میں نہ پڑو گے۔ کتاب خدا اور میری عترت میرے اہلبیت۔

اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تم سب کے سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔ تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ کرنے والا ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر تقویٰ کے سوا کسی وجہ سے برتری حاصل نہیں ہے۔ دیکھو تم میں جو حاضر ہے وہ غیر حاضر تک پہنچا دے۔

اے لوگو! اللہ نے میراث میں ہر وارث کا حصہ مقرر فرمادیا ہے۔ کسی صاحب میراث کو ایک تہائی سے زیادہ کے بارے میں وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔ بچہ صاحب بستر سے منسوب ہوگا اور زنا کار کو سنگساری ملے گی۔ جو کوئی اپنے باپ کے علاوہ کسی کا بچہ ہونے کا دعویٰ کرے گا یا ایسے کا والی بنے گا جس کا وہ والی نہیں ہے، تو اس پر اللہ کی، اس کے ملائکہ کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی۔ اللہ اس کے نہ کسی عمل کو قبول کرے گا نہ منصفانہ کارروائی کو۔

تاریخ ابن کثیر میں ہے کہ نبی اکرمؐ بولتے جاتے تھے اور امام علیؑ آنحضرتؐ کے خطبے کو بلند آواز سے نشر کرتے جاتے تھے تا کہ اس کو سب لوگ سن لیں۔ اس کے علاوہ اور بھی قول ہیں۔

نبی اکرمؐ اور مسلمان منیٰ میں اپنے اعمال پورے کر چکے تو وہاں سے روانہ ہوگئے اور محصب پر اتر کر رات وہیں بسر کی۔ محصب جیسا کہ البدایہ والنہایہ میں ہے کہ ایک مقام تھا، جہاں قریش نے کنانہ کے ساتھ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے خلاف معاہدہ کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے قریش کے معاملات کو چلنے نہ دیا اور ان کو ناکام واپس کر کے اپنے دین کو کامیاب کیا، اپنے نبی کی مدد کی اور اللہ نے کافروں کا غصہ ان ہی پر پلٹا دیا۔ چنانچہ ان کو کچھ نہ ملا۔ صبح کے وقت نبی اکرمؐ نے سفر کا حکم دے دیا اور آپ خود اور آپ کے اصحاب سوار ہو کر مکہ پہنچے اور وہاں طواف رخصت کر کے مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

— ۲۴ —

غدیرِ خُم

نبی اکرمؐ مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے تو آپ کے ہمراہ ایسے وفود تھے جن کے سامنے مکہ نے اپنی طویل تاریخ میں آج کے روز کی سی نظیر پیش نہیں کی تھی۔ جب آپ رابغ کی سمت میں جحفہ کے قریب ایک مقام پر پہنچے جہاں سے سب لوگ اپنی اپنی سمت میں علیحدہ علیحدہ جانے والے تھے تو اللہ نے آنحضرتؐ پر آیۂ بلّغ نازل فرمائی:

''یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ. اے رسولؐ! جو پیغام آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے یہ پیغام نہ پہنچایا تو گویا آپ نے کارِ رسالت انجام ہی نہیں دیا اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔'' (سورۂ مائدہ: آیت ۶۷)

تو آپ اس مقام پر جنگل میں ایسی جگہ اتر پڑے جہاں نہ پانی تھا نہ ہریالی تھی کیونکہ اس وقت آپ کے لئے اللہ کے دیئے ہوئے حکم کو بجالانے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہ تھا، خصوصاً اس لئے کہ اس نے ضمانت لی تھی کہ وہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

فطری طور پر لازمی تھا کہ یہ حکم جس کے انجام دیئے جانے کے لئے اللہ اس قدر سختی کر رہا تھا اور اس کے لئے اس نے اپنے رسولؐ کو اس انداز سے حکم دیا تھا جو آنحضرتؐ کے لئے تنبیہ کی حیثیت رکھتا تھا کہ اگر اس کو انجام نہ دیا تو گویا آپ نے اپنے پروردگار کی رسالت ہی نہیں پہنچائی تو لازمی طور پر یہ معاملہ امر رسالت کی پیش رفت اور اس کے مستقبل سے وابستہ تھا اور یہ بھی لازمی تھا کہ اس حکم کا ٹکراؤ مسلمانوں کی ایک جماعت کی خواہشات اور منصوبوں سے ہو رہا تھا جیسا کہ اللہ کے اس قول سے محسوس ہو جاتا ہے کہ اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔

ابن کثیر نے اپنی البدایہ والنہایہ میں زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ جب نبی اکرمؐ حجۃ الوداع سے واپس آئے اور غدیر خم میں اترے تو آنحضرتؐ کے حکم سے بڑے بڑے درخت صاف کر دیئے گئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ معلوم ہوتا

ہے کہ مجھ کو بلا لیا گیا ہے اور میں نے قبول کرلیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا:

"اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ فَانْظُرُوْا کَیْفَ تَخْلُفُوْنِیْ فِیْهِمَا فَاِنَّهُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ. یعنی میں تم لوگوں میں دو وزنی چیزیں چھوڑ رہا ہوں، ایک کتاب خدا اور دوسری میری عترت میرے اہلبیت۔ پس خوب خیال رکھنا کہ تم لوگ میرے بعد ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو کیونکہ یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں۔"

پھر آنحضرتؐ نے فرمایا:

"اَللّٰہُ مَوْلَایَ وَاَنَا وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ وَ مُؤْمِنَةٍ وَاَخَذَ بِیَدِ عَلِیٍّ وَقَالَ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَهٰذَا عَلِیٌّ وَلِیُّهٗ. اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ. اللہ میرا مولا ہے اور میں ہر مومن مرد اور مومن عورت کا ولی ہوں۔ اور آپ نے امام علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں یہ علیؑ اس کا ولی ہے۔ اے اللہ! محبت رکھ اس سے جو اس سے محبت رکھے اور دشمنی رکھ اس سے جو اس سے دشمنی رکھے۔

البدایہ والنہایہ میں اس پر مزید لکھا ہے کہ راوی نے زید بن ارقم سے پوچھا کہ کیا تم نے خود یہ رسول اللہؐ سے سنا ہے تو اس پر وہ بولے کہ اس وسیع میدان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو اور کانوں سے نہ سنا ہو۔

ابن کثیر نے اس کو عدی بن ثابت سے بھی اور انہوں نے براء بن عازب سے روایت کیا ہے۔ براء کی روایت میں ہے کہ جب نبی اکرمؐ خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت عمرؓ نے امام علیؑ سے کہا: هَنِیْئًا لَکَ یَا ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ لَقَدْ اَصْبَحْتَ وَ اَمْسَیْتَ مَوْلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ وَ مُؤْمِنَةٍ. مبارک ہو اے فرزند ابوطالبؑ! آپ ہر مومن مرد اور مومن عورت کے مولا ہو گئے ہیں۔

صاحب البدایہ والنہایہ نے اس حدیث کو ان دونوں کے علاوہ صحابہ کی ایک اور جماعت سے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اصل حدیث متواتر ہے۔ اس سے ان کی مراد نبی اکرمؐ کا یہ قول ہے کہ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَهٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ. اور وہ اضافہ یعنی اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ. ان کے مطابق اس کے اسناد بھی قوی ہیں۔

رباح بن حارث سے روایت ہے کہ کوفہ میں کچھ لوگ امام علیؑ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے آپ کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَامَوْلَانَا کہہ کر سلام کیا تو امام علیؑ نے ان سے پوچھا کہ میں تمہارا مولا کیسے ہوں جبکہ تم قوم عرب ہو؟ تب انہوں نے کہا: ہم نے رسول اللہؐ کو غدیر خم میں یہ کہتے ہوئے سنا ہے: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَهٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ. رباح کا بیان ہے کہ جب وہ لوگ وہاں سے نکلے تو میں بھی ان کے پیچھے پیچھے گیا اور ان کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ لوگ کون ہیں تو مجھ کو بتایا گیا کہ یہ انصار کے افراد ہیں اور ان میں ابوایوب انصاریؓ بھی ہیں۔

روایت ہے کہ ابوہریرہ مسجد میں داخل ہوئے تو لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے۔ ایک جوان نے کھڑے ہو کر ان

سے کہا کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ کیا آپ نے غدیر خم کے روز نبی اکرمؐ کو امام علیؑ کے لئے مَنْ کُنْتُ مَوْلاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلاہُ، اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ. یہ کہتے سنا تھا تو ابو ہریرہ بولے: اَللّٰھُمَّ نَعَمْ خدا کی قسم! ہاں۔

ابو ہریرہ سے ایک اور روایت ہے کہ جب نبی اکرمؐ نے امام علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: مَنْ کُنْتُ مَوْلاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلاہُ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ پر آیۂ اکمال الدین اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. ''آج میں نے مکمل کردیا تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کردی تمہارے اوپر اپنی نعمت اور تمہارے لئے دین اسلام سے خوش ہوگیا'' نازل فرمائی۔ (سورۂ مائدہ: آیت ۳)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کی گئی ہے کہ میں نے امام علیؑ کو رحبہ میں لوگوں کو اللہ کی قسم دلاتے ہوئے دیکھا۔ وہ فرما رہے تھے کہ میں ہر اس شخص کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں جس نے رسول اللہؐ کو غدیر خم میں یہ کہتے سنا ہو کہ: مَنْ کُنْتُ مَوْلاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلاہُ. تو وہ کھڑے ہو کر گواہی دے۔ چنانچہ بارہ بدری صحابہ کھڑے ہوئے۔ گویا میں ان میں سے ایک ایک کو دیکھ رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے غدیر خم میں رسول اللہؐ کو یہ کہتے سنا ہے: اَلَسْتُ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَ اَزْوَاجِیْ اُمَّھَاتُھُمْ. (کیا میں مومنوں پر خود ان کی جانوں سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا اور کیا میری بیویاں ان کی مائیں نہیں ہیں)۔ اس پر ہم سب نے کہا: بے شک یارسول اللہؐ۔ تب رسول اکرمؐ نے فرمایا: مَنْ کُنْتُ مَوْلاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلاہُ، اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ.

البدایہ والنہایہ میں یہ حدیث رحبہ مختلف سندوں سے وارد ہوئی ہے لیکن مضمون کے لحاظ سے وہ متفق ہیں اور سب کی سب ثابت کرتی ہیں کہ جن لوگوں نے اس کے حدیث رسولؐ ہونے کی گواہی دی وہ بارہ بدری صحابہ تھے۔ جبکہ بعض روایت میں یہ ہے کہ اس کی گواہی سترہ بدریوں نے دی تھی۔

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ محمد بن جریر طبری نے (جو صاحب تفسیر اور تاریخ ہیں۔ تاریخ الامم والملوک۔ طبری اور جامع البیان فی تفسیر القرآن، طبری) حدیث غدیر کے بارے میں دو جلدیں تالیف کی ہیں جن میں انہوں نے حدیث کی اسناد اور الفاظ جمع کئے ہیں اور ان میں صحیح وسقیم اور باقیمت و بے قیمت کو الگ الگ کیا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ حاکم اور ابن عساکر نے خطبۂ غدیر کے متعلق بکثرت حدیثیں لکھی ہیں۔ ہم ان روایتوں میں سے خاص خاص پیش کر رہے ہیں اور ہم نے اس کی اس موضوع پر پیش کی ہوئی حدیثوں میں سے بعض ہی کا ذکر کیا ہے۔

باوجودیکہ ابن کثیر نے ان حدیثوں کو جو نبی اکرمؐ کا غدیر خم کے روز کا موقف بیان کرتی ہیں اسناد کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا ہے پھر بھی آخر میں یہ اعتراف کیا ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ تاہم اس کے خیال میں یہ شیعوں کو فائدہ نہیں پہنچاتی ہے۔

بہرحال حدیث غدیر اسی متن کے ساتھ جو ہم نے بیان کیا ان میں سے ہر ایک نے روایت کی ہے۔ یعنی محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی نے سنن ابن ماجہ میں، امام احمد بن حنبل شیبانی مروزی نے مسند احمد میں، محمد بن عبداللہ حاکم

نیشاپوری نے مستدرک علی الصحیحین میں، حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اس آیت اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ کی تفسیر میں، حافظ ابُونعیم اصفہانی نے حِلیة الاولیاء میں، احمد بن علی خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں، احمد بن شعیب بن علی نسائی نے کتاب الخصائص فی فضل علیؑ ابن ابی طالبؑ میں، احمد بن عبداللہ محبّ طبری نے الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ میں، ابن حجر مکی ہیثمی نے صواعق المحرقہ فی الرد علی اهل بدع والزندقه میں، شیخ علاؤالدین متقی حسام الدین البرہان پوری حیدرآباد دکنی نے کنزالعمال من سنن الاقوال والافعال میں، عزالدین ابن اثیر جزری نے اسدالغابه فی معرفة الصحابه میں، عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری نے الامامة والسیاسة میں، طحاوی نے مشکل الآثار میں، مناوی نے فیض القدیر میں اور حافظ نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی نے مجمع الزوائد و منبع الفوائد میں۔

علاوہ بریں امام احمد بن حنبل نے مسند احمد میں، امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی نے تفسیر الکبیر میں، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں، محبّ طبرانی نے اپنی ذخائر العقبیٰ میں، مناوی نے فیض القدیر میں اور محبّ طبری نے ریاض النضرة میں صراحت کی ہے کہ جب نبی اکرمؐ اپنے خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت عمرؓ نے امام علیؑ کو مبارکباد دی اور ان سے کہا کہ آپ ہر مومن مرد اور مومن عورت کے مولا ہوگئے۔

محدثین کی ایک جماعت نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے امام علیؑ سے کہا کہ اے ابن ابی طالبؑ! آپ ہمارے مولا اور ہر مومن مرد اور مومن عورت کے مولا ہوگئے۔ اسی طرح ایک جماعت نے یہ بیان کیا ہے کہ جب نبی اکرمؐ نے اپنا خطبہ تمام کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیۂ اکمال الدین اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. نازل فرمائی۔

فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں آیۂ بلّغ یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کی شان نزول کے ذیل میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

اس آیت کے اسباب نزول میں دسواں سبب یہ ہے کہ یہ امام علیؑ ابن ابی طالبؑ کی فضیلت میں نازل ہوئی۔ پس جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی اکرمؐ نے امام علیؑ کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر فرمایا: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ، اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ. اس کے بعد انہوں نے مزید کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے ملاقات کر کے کہا کہ مبارک ہو آپ میرے اور ہر مومن مرد اور مومن عورت کے مولا ہوگئے۔ (فضائل الخمسہ من الصحاح الستہ، سید مرتضیٰ فیروز آبادی، جلد۱، صفحہ ۳۵۰، وما بعد تا صفحہ ۳۸۶)

تاریخ یعقوبی میں ہے کہ نبی اکرمؐ مکہ سے رات کے وقت مدینہ روانہ ہوئے اور ۱۸/ ذی الحجہ کو جحفہ کے قریب ایک مقام پر جو غدیر خم کہلاتا تھا پہنچے تو آپ وہاں اتر پڑے۔ آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور امام علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اَلَسْتُ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ. سب نے کہا: بے شک یارسول اللہؐ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: فَمَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ

مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ۔ پھر آپ نے فرمایا: جب تم حوض کوثر پر آؤ گے میں تم سے پہلے وہاں موجود ہوں گا۔ جب تم میرے پاس پہنچو گے تو میں تم سے ثقلین کے بارے میں دریافت کروں گا۔ پس خوب خیال رکھنا کہ تم ان دونوں کے ساتھ میرے بعد کیسا سلوک کرتے ہو۔ لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہؐ! ثقلین کیا ہیں؟ رسول اکرمؐ نے فرمایا: ثقل اکبر اللہ کی کتاب ہے۔ پس تم اس سے وابستہ رہنا نہ گمراہ ہونا نہ بدلنا اور ثقل اصغر میری عترت میرے اہلبیت ہیں۔

شیخ مفید نے ارشاد میں، حاکم نے مستدرک میں، علی بن برہان الدین شافعی حلبی نے سیرت حلبیہ (انسان العیون فی الامین المامون) میں اور نسائی نے اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ اَبَداً فَانْظُرُوْا کَیْفَ تَخْلُفُوْنِیْ فِیْھِمَا فَاِنَّھُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ۔ ''اللہ کی کتاب اور میری عترت میرے اہلبیت۔ اگر تم ان دونوں سے وابستہ رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ پس خوب خیال رکھنا کہ تم میرے پیچھے ان دونوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہو کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر آئیں۔''

صاحب سیرت حلبیہ نے حدیث غدیر پوری کی پوری روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح حدیثوں میں سے ہے اور جو کوئی اس کی صحت میں عیب نکالے وہ قابل اعتنا نہیں ہے، جیسے ابوداؤد اور ابوحاتم رازی۔

شیخ مفید نے ارشاد میں بیان کیا ہے کہ اپنا خطبہ ختم فرمانے کے بعد نبی اکرمؐ نے امام علیؑ کے لئے علیحدہ خیمہ نصب کرایا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ جوق درجوق ان کے پاس جاکر ان کو امیرالمومنین کہہ کر سلام کریں چنانچہ سب لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ نیز آنحضرتؐ نے اپنی ازواج کو اور تمام ان مومنین کی بیویوں کو جو آپ کے ساتھ تھے، ایسا ہی کرنے کا حکم دیا اور حضرت عمرؓ نے اس روز امام علیؑ سے کہا: بَخٍ بَخٍ لَکَ یَا عَلِیُّ اَصْبَحْتَ مَوْلَایَ وَ مَوْلَا کُلِّ مُؤْمِنٍ وَ مُؤْمِنَۃٍ. مبارک ہو، مبارک ہو آپ کو یاعلیؑ! آپ میرے مولا اور ہر مومن مرد اور مومن عورت کے مولا ہوگئے۔

حسان بن ثابت آنحضرتؐ سے ملتمس ہوئے کہ وہ امام علیؑ کے بارے میں اس روز کی مناسبت سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ پس آنحضرتؐ نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی اور وہ ایک بلند تر مقام پر کھڑے ہوگئے اور مسلمان ان کا کلام سننے کے لئے ایک دوسرے سے اونچے ہونے لگے۔ تب انہوں نے یہ اشعار کہے:

يناديهم يوم الغدير نبيهم — نجم و اسمع بالنبی منادیا
وقال فمن مولاکم و ولیکم — فقالوا ولم یبدوا هناک التعامیا
الهک مولانا و انت و لینا — ولن تجدن منا لک الیوم عاصیا
فقال له قم یاعلی فاننی — رضیتک من بعدی اماما و هادیا
فمن کنت مولاه فهذا ولیه — فکونوا له انصار صدق موالیا
هناک دعا اللّٰهم وال ولیه — وکن للذی عادی علیا معادیا

''غدیر کے روز خم کے مقام پر نبی اکرمؐ نے لوگوں کو آواز دی تو منادی نے لوگوں کو نبی اکرمؐ کا فرمان سننے کے لئے بلایا۔ تب آنحضرتؐ نے کہا کہ تمہارا مولا اور تمہارا ولی کون ہے؟ اس وقت کسی نے تجاہل سے کام نہیں لیا اور سب نے کہا کہ آپ کا اللہ ہمارا مولا ہے اور آپ ہمارے ولی ہیں اور آج آپ کسی کو اس سے انکار کرنے والا نہ پائیں گے۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ کھڑے ہو جاؤ کیونکہ میں اس سے خوش ہوں کہ تم میرے بعد امام اور ہادی ہو۔ پس جس جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ بھی مولا ہے۔ تم سب لوگ صدق دل سے اس کے حامی رہنا اور اسی وقت آنحضرتؐ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کے دوست کو دوست رکھنا اور جو اس سے دشمنی رکھے اس کا دشمن رہنا۔''

تب نبی اکرمؐ نے ان سے کہا کہ اے حسان! تم نے جس طرح ہماری نصرت زبان سے کی ہے اسی طرح ہمیشہ تائید کرتے رہنا۔

کافی میں زرارہ، فضیل بن یسار، بکیر بن اعین، محمد بن مسلم اور برید بن معاویہ کی سند سے امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو علیؑ کی ولایت کا حکم دیا اور آیۂ ولایت اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ آمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ○ ''بے شک تم سب کا ولی اللہ ہے اور اس کا رسولؐ ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں جبکہ وہ رکوع کی حالت میں ہوتے ہیں۔'' (سورۂ مائدہ: آیت ۵۵) کی آیت اتاری تو لوگ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ یہ ولایت کیا ہے؟ اس لئے اللہ نے آنحضرتؐ کو حکم دیا کہ لوگوں کے لئے ولایت کی تفسیر فرمادیں جس طرح آنحضرتؐ نے نماز کی، زکوٰۃ کی، حج کی اور روزے کی تفسیر فرما کر بتلادی تھی۔ آنحضرتؐ کو اللہ کی طرف سے یہ حکم ملا تو آپ کو تنگی قلب محسوس ہوئی اور خوف ہوا کہ لوگ دین سے منحرف ہو کر آپ کو جھٹلائیں گے۔ پس آپ نے اللہ سے رجوع کیا اور اللہ نے آپ کو آیۂ بلّغ وحی فرمائی۔ پس آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور غدیر خم کے روز امام علیؑ کی ولایت کا قیام عمل میں لائے۔ اس کے بعد اللہ نے آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ.... نازل فرمائی۔

آیت ولایت اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ کے سلسلے میں مجمع البیان میں ابوذر غفاریؓ تک پہنچنے والی سند سے روایت ہے کہ ایک روز میں نے نماز ظہر رسول اللہؐ کے ساتھ ادا کی تو مسجد میں ایک سائل نے سوال کیا لیکن اس کو کسی نے کچھ نہ دیا۔ تب سائل نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کے کہا: اے اللہ! گواہ رہنا کہ میں نے تیرے رسولؐ کی مسجد میں سوال کیا لیکن کسی نے مجھے کچھ نہیں دیا۔ اس وقت امام علیؑ رکوع میں تھے، آپ نے اپنے داہنے ہاتھ کی چھنگلی سے جس میں آپ انگوٹھی پہنے ہوئے تھے اشارہ فرمایا۔ چنانچہ اس سائل نے بڑھ کر آپ کی چھنگلی سے وہ انگوٹھی لے لی۔

یہ سب رسول اللہؐ کے سامنے ہوا۔ جب نبی اکرمؐ اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے اپنا سر اقدس آسمان کی جانب بلند کر کے فرمایا: ''اے اللہ! میرے بھائی موسیٰؑ نے تجھ سے سوال کیا تھا کہ اے پروردگار میرے سینے کو کشادہ کردے،

میرے کام کو میرے لئے آسان بنادے، میری زبان کی رکاوٹ کو دور کردے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے لئے میرے اہل خانہ سے میرا وزیر قرار دے۔ یعنی میرے بھائی ہارونؑ کو اور ان کے ذریعے سے میری کمر کو مضبوط کردے اور ان کو میرے کام میں شریک کردے۔ تب ان پر آیت اتری تھی کہ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا بِآيَاتِنَا أَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُونَ. (ہم عنقریب تمہارے بازو کو تمہارے بھائی کے ذریعے قوی کریں گے اور تم دونوں کو اقتدار دیں گے۔ ہماری آیتوں کی قسم پھر لوگ تمہارے قریب نہ آسکیں گے)۔ اے اللہ! میں تیرا نبیؐ اور تیرا منتخب بندہ ہوں۔ اے اللہ! میرے سینے کو کھول دے، میرے کام کو آسان کردے اور میرے لئے میرے اہلبیت میں سے علیؑ کو میرا وزیر قرار دے اور ان کے ذریعے میری کمر کو مضبوط بنادے۔“

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ قسم بخدا! ابھی نبی اکرمؐ کی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ آنحضرتؐ کے پاس جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ! پڑھئے۔ آپ نے فرمایا: کیا پڑھوں؟ انہوں نے کہا پڑھئے: إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ○

مجمع البیان میں اس کے علاوہ یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ حضرت ابوذرؓ کی اس روایت کو ثعلبی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ پھر کہا ہے کہ ابوبکر رازی نے احکام القرآن میں مغربی سے نقل کئے ہوئے حالات میں اور رومانی اور طبری نے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب امام علیؑ نے اپنی انگوٹھی حالت رکوع میں صدقہ کے طور پر دی۔ یہی مجاہد اور سدی کا قول ہے اور امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ اور اہلبیتؑ کے تمام علماء سے روایت ہوئی ہے۔ علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ نے تفسیر المیزان میں جمع بین الصحاح الستہ سے، مناقب ابن مغازلی شافعی اور خطیب خوارزمی سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت امام علیؑ کی شان میں اس وقت نازل ہوئی تھی۔

حسان بن ثابت سے روایت ہے کہ انہوں نے یہ اشعار کہے:

ابا حسن تفديک نفسی و مهجتی	و کل بطیء فی الهدی و مسارع
فأنت الذی أعطیت اذکنت راكعًا	فدتک نفوس القوم یا خیر راکع
بخاتمک المیمون یا خیر سید	ویا خیر شار ثم یا خیر بائع
فانزل فیک اللّٰه خیر ولایة	و ثبتها فی محکمات الشرائع

”اے ابوالحسنؑ! میری جان اور جسم اور ہدایت پایا ہوا ہر سست اور تیز فرد آپ پر فدا ہو کیونکہ آپ وہ ہیں جس نے رکوع کرتے ہوئے عطا کیا۔ آپ پر پوری قوم کی جانیں نثار ہوں۔ اے بہترین رکوع کرنے والے آپ نے اپنی مبارک انگوٹھی دے ڈالی۔ اے بہترین سردار، اے بہترین اشارہ کرنے والے اور اے بہترین سودا کرنے والے۔ چنانچہ اللہ نے آپ کے لئے ولایت کا بہترین تحفہ نازل کیا اور اس کو احکام اسلام میں واضح طور پر قائم کردیا۔“

اس کے علاوہ حدیث دار اِنَّ هٰذَا اَخِیْ وَوَصِیِّیْ وَخَلِیْفَتِیْ مِنْ بَعْدِیْ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِیْعُوْهُ ہے جس کی صحت کا اعتراف بڑے بڑے سنی محدثین اور مؤرخین نے کیا ہے جیسے طبری، ابن اسحٰق، ابن حاتم، ابن مردویہ، ابونعیم، بیہقی، نسائی، ثعلبی اپنی تفسیر میں، سیوطی، بغوی اور صاحب سیرت حلبیہ وغیرہ اور حدیثِ منزلت اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی ہے یعنی اے علیؑ! میرے نزدیک تمہارا مقام و مرتبہ وہی ہے جو موسیٰؑ کے نزدیک ہارونؑ کا تھا اور اسی حدیث میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے لئے جانا مناسب نہیں ہے سوائے اس وقت جب تم میرے جانشین ہو۔

اس کے علاوہ بہت سے ایسے مواقع ہیں جن میں کبھی آنحضرتؐ اپنے بعد کے لئے انؑ کے خلیفہ ہونے کی صراحت فرما دیتے تھے اور کبھی ایسے اشارے فرما دیتے تھے جن کو بہت سے لوگ سمجھ لیتے تھے۔ ہم نے نبی اکرمؐ کی اپنے چچاؤں اور چچاؤں کی اولاد کی دعوت کے بیان کے سلسلے میں ذکر کیا تھا کہ اگر رسول اللہؐ کے بعد مسلمان خلافت امام علیؑ کے سپرد کرتے اور اقتدار کی کنجیاں ان کو دے دیتے تو اس کے لئے تنہا حدیث دار ہی حکم قرآن کے برابر تھی جس کے نہ سامنے باطل آ سکتا ہے نہ عقب میں۔ لیکن جب اسلامی خلافت نے غیر شرعی سمت اختیار کرلی اور اس صورت سے آگے بڑھی جس پر وہ بالآخر منتہی ہوئی تو عام مسلمان اور محدثین حتیٰ کہ فقہاء بھی ان احکام میں جو قابل تاویل نہ تھے، تحریف کرنے لگے اور جن کی تاویل کی جاسکتی تھی ان کی تاویل کرنے لگے۔ خواہ اس سے حق کی، واقعات کی اور ان دسیوں قرائن کی مخالفت ہوتی ہو جو اُن کے چاروں طرف پائے جاتے تھے اور جو صورت بھی وقوع پذیر ہوگئی اسی کو صحیح ماننے لگے۔ خواہ وہ صورت نیکوکاروں اور پاک نفس افراد کو مفلوج کر کے ہی حاصل کی گئی ہو اور یہ صورت حال ہر دور اور ہر زمانے میں واقع ہوتی رہی جس میں کمزور پر طاقتور اور حق پرست پر باطل کوش مسلط ہوتا رہا۔ چنانچہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مقولے کے مطابق عملاً رجحان خیال ہمیشہ طاقتور اور ظالم کی طرف قائم رہتا ہے اور اس طرح شرعی احکام، انصاف، حق وغیرہ جو کچھ بھی نظام الٰہیہ کا مفہوم ہے اس کو بھلا دیا جاتا ہے گویا وہ محض الفاظ ہیں جن کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

بلکہ رائے عامہ بیشتر صورتوں میں ان مفہوموں کو طاقتور، ظالم، خود پسند اور غاصب کی خواہشات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش میں لگ جاتی ہے اور اس کی کوئی تفسیر نہیں سوائے اس کے کہ جو ہوگیا ہو اسی کو مان کر عقل، شرع اور حق کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ اس تخریبی طرز فکر کو اور لوگوں کے اس کی جانب مائل رہنے کو حالانکہ یہ نہ عقل پر مبنی ہے نہ علم پر واضح کرتے ہوئے علامہ جواد مغنیہ اپنی کتاب فلسفۃ التوحید والولایہ میں لکھتے ہیں کہ:

شروع شروع میں مسلمانوں میں سے چند افراد نے خلافت کے لئے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرلی اور حالات اور ترکیبوں نے عوام کو کھینچ لینے میں ان کی مدد کی اور تمام صحابہ میں سے ان کو اقتدار مل گیا۔ چنانچہ وہ خلیفہ رسول اللہؐ کے نام سے صاحب امر و نہی قرار پا گئے۔ سنی حضرات حضرت ابوبکر کی خلافت کا استدلال اسی بیعت کی صحت پر کرتے ہیں نہ کہ کسی آیت یا روایت پر اور نہ اجماع اور عقل پر۔ استدلال کے لئے انہوں نے ایک عام اصول یہ نکالا کہ اسلام میں خلافت کبریٰ مسلمانوں میں سے تھوڑے سے افراد کے بیعت کر لینے سے شرعاً قائم ہوجاتی ہے اور عقلاً اور عوامی نقطۂ نظر سے صحیح ہوتی

ہے۔ درآنحالیکہ منطق اور عقل کی رو سے ان کے لئے زیادہ مناسب یہ تھا کہ تھوڑے سے افراد کے بیعت کرنے کی بنا پر اس کے فاسد ہونے پر استدلال کرتے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ:

ماوردی نے اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ کے شروع میں کہا ہے کہ کم سے کم تعداد جن سے امامت قائم ہوجاتی ہے پانچ افراد ہیں کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت حضرت عمرؓ، ابوعبیدہؓ، اُسید بن خُضیرؓ، بشیر بن سعدؓ اور حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام سالمؓ کی بیعت سے قائم ہوئی تھی اور حضرت عمرؓ نے خلافت صحابہ میں سے چھ افراد میں قرار دیدی تھی تاکہ ان میں سے ایک باقی کی مرضی سے خلیفہ ہوجائے۔ اس پر ماوردی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ یہی قول بصرہ کے بیشتر فقہاء اور علماء علم کلام کا ہے۔

دوسرے کوفہ کے علماء کا قول ہے کہ وہ تین افراد سے بھی قائم ہو جاتی ہے جب ان میں سے کوئی ایک دو کی مرضی سے اس کو اختیار کرلے۔ ایک اور جماعت کا کہنا ہے کہ بیعت ایک فرد سے بھی قائم ہو جاتی ہے۔

کتاب المواقف اور اس کی شرح کے باب الامامۃ میں ہے کہ اہل اسلام پر امامت کے قیام کے لئے ارباب حل و عقد میں سے ایک یا دو ہی افراد کافی ہیں کیونکہ ان کے خیال میں حضرت ابوبکر کی بیعت کے لئے صحابہ نے صرف حضرت عمرؓ کے بیعت کرنے لینے کو اور حضرت عثمان کے لئے عبدالرحمٰن کی بیعت کو کافی مانا ہے۔ فلسفہ التوحید والولایہ کے مؤلف مزید کہتے ہیں کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر حضرت عمرؓ یا کوئی دوسرا شخص امام علیؑ کی بیعت کر لیتا تو خلافت کا اتمام ان پر ہو جاتا اور وہ اس کے لئے حضرت ابوبکر سمیت تمام صحابہ سے زیادہ قابل ترجیح ہو جاتے۔ اس کے بعد آپ کی خلافت اور آپ کی اولاد میں سے معصومین کی ولایت کے متعلق تمام احکامات سند اور استدلال کی رو سے قطعی ہو جاتے۔

اس کے آگے وہ لکھتے ہیں کہ امام علیؑ اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان جنگ ہوئی اور حالات اور قدرت نے چاہا کہ معاویہ اول، ثانی اور ثالث کی طرح حکومت کرگزریں۔ سنیوں نے معاویہ کی حکومت کو مان لیا اور اس کا اقرار کر کے اس کی حمایت کرنے لگے کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ وہ سربراہ حکومت ہوگیا تھا حالانکہ وہ پوری طرح جانتے تھے کہ معاویہ اور ان کا باپ ایک لمحے کے لئے بھی اسلام کے لئے پرخلوص نہیں رہے تھے۔

یہ حدیث رسول اللہؐ سے تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ ''عمارؓ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ یہ ان لوگوں کو جنت کی دعوت دیتے ہوں گے اور وہ لوگ ان کو جہنم کی طرف دعوت دیتے ہوں گے۔'' یہ حدیث رسول اللہؐ سے اس قدر تواتر کے ساتھ وارد ہوئی ہے کہ گویا آیت قرآنی ہے خاص کر جبکہ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری نے بھی اس کو صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب التعاون فی بناء المسجد میں روایت کیا ہے کہ عمارؓ بن یاسرؓ کو معاویہ نے قتل کیا۔ پھر بھی سنیوں نے معاویہ کو باغی قرار نہیں دیا جبکہ رسول اللہؐ نے جو کوئی بات بھی خواہش نفس کے تحت نہیں کرتے اسے باغی قرار دیا تھا۔ انہوں نے اس سے انکار کیا حالانکہ قول رسولؐ کو مانتے رہے اور یہ کہا کہ معاویہ نے فیصلہ کرنے میں غلطی کی، اس لئے وہ عمارؓ کے قتل کرنے اور امام علیؑ کو برسرمنبر برا کہنے میں قابل معذرت بلکہ مستحق اجر ہیں۔

اس میں شک نہیں ہے کہ اگر امام علیؑ کے ساتھ جنگ میں معاویہ کامیاب نہ ہوتے اور حکومت ان کو حاصل نہ ہوتی تو اسی متواتر حدیث کی بنا پر سنی ان کو باغی جماعت ضرور کہہ دیتے۔

اسود عنسی

جب رسول اللہؐ وہ اہم کام انجام دے چکے جس کے ادا کرنے کا حکم ان کو اللہ نے غدیر خم میں دیا تھا اور پھر ہزارہا افراد میں سے ہر ایک آنحضرتؐ سے علیحدہ ہوکر اپنے اپنے وطن کی طرف روانہ ہوگیا تب آنحضرتؐ بھی اپنے ساتھ کے باقی افراد سمیت مدینہ کی طرف چل دیئے اور وہاں پہنچ کر باقی ماہ ذی الحجہ وہیں مقیم رہے۔ ماہ محرم کے ساتھ گیارہواں سال شروع ہوگیا۔ اس وقت آپ جزیرہ نمائے عرب میں اس سرے سے اس سرے تک اسلام کے پھیل جانے پر مطمئن تھے اور آپ نے اپنی توجہ ان ملکوں پر مرکوز فرما رکھی تھی جو روم اور فارس کے زیر اثر تھے۔ جیسے شام، مصر اور عراق وغیرہ۔

اسی اثناء میں جبکہ آنحضرتؐ دعوت اسلام کو حجاز سے باہر پھیلانے کا خاکہ تیار فرما رہے تھے کہ آپ کو کچھ اطلاعات ملیں جن میں باذان کی موت کی خبر بھی تھی جس کو آنحضرتؐ نے جب وہ اور اس کی قوم والے اسلام لے آئے تھے یمن پر حاکم مقرر کردیا تھا جبکہ قبول اسلام سے پہلے وہ اسی علاقے میں کسریٰ کی طرف سے مقرر تھا۔ جیسا کہ ہم گزشتہ ابواب میں بیان کرچکے ہیں۔ جب آنحضرتؐ کو حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد اس کی موت کی خبر ملی تو آپ نے اس علاقے کو جس پر باذان حاکم تھا اپنے صحابہ کی ایک جماعت میں تقسیم کردیا۔ البتہ صنعا کا علاقہ اس کے بیٹے شمر بن باذان کے لئے چھوڑ دیا۔ آپ نے مآرب میں ابوموسیٰ اشعری کو بھیجا لشکر پر یعلی بن امیہ کو، ہمدان پر عامر بن شمر ہمدانی کو، عک اور اشعریین پر طاہر بن ابی ہالہ اور اسی طرح ہر ہر علاقے میں اپنے اصحاب میں سے ایک ایک آدمی کو بھیجا تاکہ وہ وہاں کے انتظام کو سنبھالیں اور صدقات وصول کرتے رہیں۔

عبہلہ بن کعب جو اسود عنسی کے نام سے مشہور تھا، ایک ماہر فن شعبدہ باز تھا جو عجائبات دکھاتا رہتا اور لوگوں کو اپنی خوش گفتاری سے اپنی طرف متوجہ کرتا رہتا تھا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور مذحج اور دوسرے قبیلوں کے بہت سے لوگوں نے اس کو مان لیا اور اس نے یمن کے بیشتر علاقوں میں اپنا اثر جمالیا۔ وہ سات سو سوار لے کر صنعا جاپہنچا۔ وہاں کا حاکم شمر بن باذان اس کے مقابلے کے لئے نکلا لیکن اسود نے اس پر غلبہ پالیا اور اس کو قتل کر کے اس کی بیوی سے تزویج کرلی۔ اس کا اقتدار یمن کے شہروں میں پھیل گیا۔ مسلمان اس سے الگ تھلگ رہے لیکن ان میں سے کچھ افراد اسلام سے منحرف ہوگئے۔ اس کے بڑھتے ہوئے معاملات نے نبی اکرمؐ کی توجہات پر کچھ زیادہ اثر نہیں ڈالا اور اس سے زیادہ کوئی اہتمام کرنے پر آمادہ نہیں کیا کہ آنحضرتؐ نے یمن میں اپنے کارکنوں کو لکھ بھیجا کہ اس کو گھیر کر قتل کرڈالیں۔

جب اس کا خطرہ یمن میں خوب پھیل گیا اور اس نے قیس بن عبدیغوث، فیروز اور دادویہ پر اپنا غلبہ جمانا چاہا۔ ازاد جس سے اسود نے اس کے شوہر ابن باذان کو قتل کرنے کے بعد تزویج کرلی تھی فیروز کی چچازاد بہن تھی۔ نبی اکرمؐ کے کارکنوں نے ان تینوں کی پناہ حاصل کرلی۔ اسود نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو یہ تینوں اس سے بھاگ کر اس کی بیوی

(ازاد) کے پاس پناہ گزیں ہوگئے اور اسود کو اس بات کا علم نہ ہوسکا۔ ازاد نے ان کو ایک گھر میں رکھ دیا اور ان کے معاملے کو پوشیدہ رکھا۔ اسود اس کے پاس آیا تو قیس بن عبد غوث اور اس کے ساتھ فیروز بھی وہاں پہنچ گئے اور دونوں نے اسے اس عورت کے گھر میں قتل کر ڈالا جیسا کہ تاریخ ابن خلدون کی روایت میں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اسی عورت نے اپنے شوہر کا انتقام لینے کے لئے اس کے قتل کا اہتمام کیا تھا۔ اسود کے قتل ہوجانے پر اس کے پیرو بھر گئے لیکن بالآخر سب امن و امان کی طرف پلٹ آئے اور بیشتر اسلام پر واپس آگئے۔ نبی اکرمؐ کے کارندے اپنے اپنے کاموں پر واپس ہوگئے۔ صنعا کا عامل قتل ہوگیا تو یہ لوگ آپس میں جھگڑ پڑے لیکن بعد میں اس بات پر متفق ہوگئے کہ معاذ بن جبل ان کو نماز پڑھائیں اور ان لوگوں نے جو کچھ واقعات ہوئے تھے لکھ کر رسول اللہؐ کو ان کی اطلاع دیدی۔ آنحضرتؐ کو جبرئیلؑ نے عنسیٰ کے قتل کی خبر اسی وقت دیدی تھی جب وہ قتل ہوا تھا اور آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو اس سے آگاہ کردیا تھا۔ جب قاصد عنسیٰ کی موت کی خبر لے کر مدینہ پہنچا تو نبی اکرمؐ کی وفات ہوچکی تھی۔ اس نے لوگوں کو عنسیٰ کا قصہ اور اس کے قتل کی تاریخ بتائی تو اس کی خبر اس سے متفق تھی جو نبی اکرمؐ نے ان لوگوں کو اس کے قتل ہوتے ہی بتلادی تھی۔

—۲۵—

لشکرِ اُسامہ

ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ جب حجاز کے عرب اسلام قبول کر چکے اور وہاں شرک پر کوئی باقی نہ رہا جس کی طاقت سے آنحضرتؐ کو خوف ہوتا تو آپ جزیرۂ نما کی شمالی سرحدوں کے بارے میں فکر فرمانے لگے۔ وہاں سے آپ کو اس لئے اطمینان نہ ہوتا تھا کہ اس سمت میں اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی سلطنت آپ کی تمام کارروائیوں پر نگاہ رکھے ہوئے تھی اور آپ کو عیسائیت کے لئے اور اپنے لئے یہودیوں کے خطرے سے زیادہ بڑا خطرہ سمجھ رہی تھی اور دوسری ان حکومتوں سے بھی زیادہ خطرناک سمجھ رہی تھی جو اپنا اپنا اثر پھیلانے کے لئے اس کے ساتھ مقابلہ کر رہی تھیں۔

آنحضرتؐ کا اندازہ تھا کہ یہ عظیم سلطنت اپنی سرحدوں کی جانب سے حجاز کے اندر داخل ہوگی اور آپ اس کے حملہ آور ہونے اور لاکھوں افراد کے ساتھ فوج کشی کرنے سے پہلے خود اس پر حملہ کر دینا بہتر سمجھتے تھے تاکہ اس پر اپنا وجود اور ہیبت وقوت ثابت کر دیں۔ اسی لئے آنحضرتؐ نے اپنا پہلا سریہ موتہ روانہ کیا تھا۔ جس سے مسلمان واپسی مناسب خیال کر کے پلٹ آئے جبکہ ان کی ایک تعداد اور ان کے تین بڑے قائد شہید ہوگئے۔ پھر آنحضرتؐ نے خود بنفس نفیس ان پر تیس ہزار افراد کے ساتھ فوج کشی کی۔ یہاں تک کہ آپ تبوک پہنچے اور ملاحظہ کیا کہ وہ لوگ اپنے شہروں کے اندر کی جانب اور قلعوں میں چلے گئے ہیں۔ پس جب حجاز کی سرحدوں سے ملنے والے علاقے کے صاحبان اقتدار نے آپ سے امن و امان کی خواہش کی تو آپ ان سے یہ معاہدہ کر کے کہ وہ آپ کے خلاف کسی سے تعاون نہ کریں گے مدینہ واپس آگئے۔

مسلمان حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد زیادہ دیر قیام نہ کرنے پائے تھے کہ نبی اکرمؐ نے ایسے لشکر کی تیاری کا حکم دیا جو غالباً ان تمام لشکروں میں سب سے بڑا تھا جن سے اس سے قبل مدینہ واقف تھا اس وجہ سے بھی کہ اس لشکر میں ممتاز مہاجرین جیسے ابوبکر، عمر اور عثمان وغیرہ اور انصار یکجا تھے جیسا کہ سیرت اور تاریخ کی کتابیں بتلاتی ہیں اس لشکر پر آنحضرتؐ نے اسامہ بن زید کو امیر مقرر فرمایا جو اس وقت اپنی جوانی کی ابتدا میں تھے اور عمر میں زیادہ سے زیادہ اندازے کے مطابق بیس سال سے آگے نہ بڑھے تھے اور مسلمانوں میں ایسے افراد موجود تھے جو سخت کوشی میں ان سے زیادہ شدید اور جنگوں کی مشق آزمائی اور لشکروں کی قیادت آرائی میں بڑھے ہوئے تھے جس کی وجہ سے بڑے بڑے صحابہ میں ان کے امیر بنائے

جانے سے حیرت اور بددلی پیدا ہوگئی اسی وجہ سے اس لشکر کی ان کی قیادت میں تیاری کے لئے آنحضرتؐ کی پے در پے تاکیدات کے باوجود لوگ آپ کے احکام کی تعمیل میں تساہل کرتے رہے اور آپ مجبور ہوئے کہ لوگوں کے سامنے برآمد ہو کر ان کو اسامہ کی قیادتؓ میں چلنے اور جہاد کرنے کے لئے آمادہ کریں اور جب لوگوں نے آنحضرتؐ سے مطالبہ کیا کہ آپ ان کے علاوہ کسی اور کو ان کے اوپر مقرر فرمادیں تو آپ پر بے چینی اور سختی کے آثار نمودار ہوگئے۔ آپ نے ان لوگوں سے کہا کہ مجھے اپنی عمر کی قسم آج تم اس کے امیر ہونے کے بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہو وہی کچھ اس سے پہلے اس کے باپ کے امیر ہونے پر تم نے کہا تھا۔ وہ ضرور امارت کا ویسا ہی سزاوار ہے جیسے اس سے پہلے اس کا باپ سزاوار تھا۔

محدثین کے درمیان ایک مشہور روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ بار بار فرماتے تھے کہ اسامہ کا لشکر تیار کرو۔ اللہ لعنت کرے اس پر جو لشکر اسامہ سے پیچھے ہٹا رہے۔ علاوہ بریں آپ پر مرض کا اثر طاری ہونے لگا تھا اور ہر گھڑی اس کا حملہ آپ پر بڑھتا جارہا تھا۔

سیرت کی بعض کتابوں میں ہے کہ ان اسباب میں جن کی وجہ سے نبی اکرمؐ نے اس لشکر کے بھیجنے کا ارادہ فرمایا یہ سبب بھی تھا کہ رومی سلطنت ہر اس شخص کو دربدر کرنے اور قتل کرنے لگی تھی جو اُن کی رعایا میں سے اسلام میں داخل ہو جاتا تھا۔ جن لوگوں کو اس حکومت نے قتل کیا ان میں فروہ بن عمرو جزامی تھا جو سرزمین شام میں معان اور اس کے اطراف میں حاکم مقرر تھا۔ اس نے اسلام قبول کر کے نبی اکرمؐ کو اس کی اطلاع دیدی۔ جب اس کی خبر رومیوں کو ہوئی تو ان کو اس پر غصہ آ گیا اور انہوں نے اس پر لشکر بھیج کر حملہ کیا اور اس کو گرفتار کر کے اپنے ایک قید خانے میں ڈال دیا۔ پھر اس کو موت کے گھاٹ اتار دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس کو نکال کر سرزمین فلسطین میں ایک مقام پر لے گئے جہاں ایک چشمہ تھا جو عفراء کہلاتا تھا۔ اس مقام پر اس کو شہید کیا اور پھر اس کی لاش کو وہیں ایک لکڑی پر لٹکا دیا تاکہ جو کوئی قبول اسلام کا خیال کرے اس کے لئے عبرت ہو۔

کہا جاتا ہے کہ جب اس کو قتل کے لئے لے جایا جانے لگا تو اس نے یہ شعر پڑھا:

بلغ سراة المسلمین بأننی مسلم لربی اعظمی و دمائی

''بزرگ مسلمانوں کو بتادو کہ میری ہڈیاں اور میرا خون اپنے اللہ کے آگے سرنگوں ہے۔''

اس لشکر کے تیار کرنے کے اسباب خواہ کچھ بھی ہوں، نبی اکرمؐ نے اسامہ بن زید کو حکم دیا کہ وہ سواروں کو سرزمین فلسطین میں بلقاء اور داروم کے مقامات تک لے جائے جو موتہ کے قریب ہیں جہاں ان کے باپ کو قتل کیا گیا تھا اور اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر صبح کے اندھیرے میں ٹوٹ پڑے اور ان میں خوب قتل و غارت اور بھگدڑ مچادے اور یہ کام زیادہ سے زیادہ ممکن تیزی سے انجام دے قبل اس کے کہ ان لوگوں کو اس کی خبریں پہنچیں۔

اسامہ لشکر کو لے کر مدینہ کے قریب مقام جرف تک چلا گیا اور وہیں لشکر ٹھہرادیا تاکہ اس کے ساز و سامان کو اتمام تک پہنچالے۔ اسی اثناء میں نبی اکرمؐ پر مرض کی زیادتی ہوگئی اور لشکر کو اپنے مقام سے نہ چلنے دینے کی کوششیں شروع ہوگئیں۔ خاص کر اس لئے کہ لوگوں کو محسوس ہو رہا تھا کہ نبی اکرمؐ کا مرض ہر آن بڑھ رہا تھا اور آپ کی زندگی کے لئے

خطرے کی صورت پیدا کرتا جارہا تھا۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ روم پر چڑھائی کے لئے تیار ہو جائیں اور آپ نے اسامہ کو بلا کر کہا: اپنے باپ کے قتل ہونے کے مقام پر جا پہنچو اور ان پر سواروں کو دوڑا دو کیونکہ میں نے تم کو اس لشکر پر سردار بنا دیا ہے۔ پس تم ان پر صبح صبح ٹوٹ پڑو اور چلنے میں جلدی کرو تا کہ خبریں تم سے پہلے ان تک نہ پہنچ جائیں۔ اگر تم ان پر کامیاب ہو جاؤ تو ان کے درمیان کم سے کم ٹھہرنا۔ تم اپنے ساتھ رہبروں کو لے جانا اور دیکھنے والوں کو اور معلومات حاصل کرنے والوں کو اپنے آگے آگے بھیجنا۔ انہوں نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ مہاجرین و انصار کے ممتاز افراد میں کوئی ایسا نہیں بچا مگر یہ کہ آنحضرتؐ نے اس کو حکم دیا کہ اس غزوہ میں شریک ہو۔

ابن ہشام نے اپنی سیرت میں کہا ہے کہ رسول اکرمؐ کو معلوم ہوا کہ لوگ اسامہ کو بھیجنے میں دیر کر رہے ہیں جبکہ آنحضرتؐ کا درد شدید ہو چکا تھا۔ پس آپ سر میں پٹی باندھے ہوئے نکلے اور آپ نے لوگوں کو چلنے کے لئے ابھارنا شروع کر دیا اور فرمایا: اے لوگو! بہت قریب ہے کہ مجھ کو بلا لیا جائے اور میں قبول کرلوں اور میں تمہارے درمیان دو وزنی چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور میری عترت۔ اللہ کی کتاب رسی ہے جو آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی ہے۔ میری عترت میرے اہلبیت ہیں۔ اللہ نے جو باخبر اور لطف کرنے والا ہے، مجھ کو خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے تا آنکہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں۔ پس خیال رکھنا تم لوگ میرے بعد ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہو۔ شیخ مفید نے آنحضرتؐ کا یہ قول ارشاد میں درج کرنے کے بعد یہ اضافہ کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اے لوگو! ایسا نہ ہو کہ میں تم کو دیکھوں کہ تم پلٹ کر کافر ہوتے جا رہے ہو اور ایک دوسرے کی گردن مار رہے ہو۔ پس مجھ سے ملو گے ایک فوجی رسالے میں تیز بہاؤ والے دھارے کی مانند۔ دیکھو علیؑ ابن ابی طالبؑ میرا بھائی اور میرا وصی ہے، وہ میرے بعد تاویل قرآن کے لئے اسی طرح جنگ کرے گا جس طرح میں نے اس کی تنزیل پر کی ہے۔

آنحضرتؐ کے حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد سے آپ کے مواقف اور خطبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ وحی کے ذریعے اپنی وفات کے قریب ہونے کو جانتے تھے۔

اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ سیرت و حدیث کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے غلام ابومویہبہ کو بلا کر کہا کہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں اہل بقیع کے لئے طلب مغفرت کروں تو آج رات تم میرے ساتھ چلو۔ چنانچہ آدھی رات میں آنحضرتؐ اس کے ساتھ نکلے اور جب وہاں پہنچے تو آپ نے فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْمَقَابِرِ. قابل مبارکباد ہو تم لوگ جس حال میں تم ہو بہ نسبت اس کے جس میں اور لوگ ہیں۔ فتنے اندھیرا پھیلانے والی رات کی مانند بڑھ بڑھ کر آ گئے ہیں اور ایک کے بعد دوسرا چلا آ رہا ہے اور ہر دوسرا پہلے والے سے زیادہ شرانگیز ہے۔

ابومویہبہ کہتے ہیں کہ پھر امام علیؑ نے آ کر کہا: اے ابومویہبہ! مجھ کو دنیا و آخرت کے خزانوں کی کنجیاں اور اس میں ہمیشہ کی زندگی اور بعد میں جنت کی پیشکش کی گئی اور مجھ کو اس میں اور اپنے پروردگار کی ملاقات اور جنت میں اختیار کا موقع دیا گیا تو میں نے اپنے پروردگار کی ملاقات اور جنت کو اختیار کرلیا۔ اس پر میں نے عرض کیا: میرے ماں اور باپ

آپ پر فدا ہو جائیں آپ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں اور اس میں ہمیشہ کی زندگی پھر جنت اختیار فرما لیجئے۔ آپ نے فرمایا: نہیں قسم بخدا! اے ابومویہبہ میں نے اپنے پروردگار سے ملاقات کو اختیار کرلیا ہے۔ پھر آپ نے اہل بقیع کے لئے مغفرت طلب فرمائی اور واپس آ گئے۔

شیخ مفید کی روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ بقیع امام علیؑ کے ساتھ گئے تھے اور اس پر انہوں نے اس حدیث کا اضافہ کیا ہے جو ہم نے بیان کی کہ آنحضرتؐ نے امام علیؑ سے فرمایا: ہر سال جبرئیلؑ میرے سامنے ایک مرتبہ قرآن پیش کیا کرتے تھے لیکن اس سال انہوں نے اس کو میرے سامنے دو مرتبہ پیش کیا۔ میں اس کو اپنی موت کا پیش خیمہ خیال کرتا ہوں۔ شیخ مفید مزید کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ ہر سال ماہ رمضان کے آخری دس روز اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور اس سال آنحضرتؐ نے بیس روز اعتکاف کیا۔

اس سے پہلے جب آنحضرتؐ آخری سال مکہ میں تھے جس میں آپ نے حج ادا کیا تو آپ نے مسلمانوں سے خطاب کے دوران فرمایا تھا کہ بہت ممکن ہے کہ میں تم سے اس سال کے بعد نہ ملوں۔ ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ قریب ہے کہ میں بلایا جاؤں اور میں قبول کرلوں۔

شرح نہج البلاغہ جلد۳ میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہمارے نبیؐ نے ہم کو اپنی موت کی اطلاع خود اپنی موت سے ایک مہینے پہلے دیدی تھی۔ ہم لوگ اپنی ماں عائشہؓ کے گھر میں جمع تھے کہ آنحضرتؐ نے ہم پر نظر ڈالی اور آپ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور آپ نے فرمایا: خوشا نصیب تمہارا اللہ تم سب کو زندہ رکھے، اللہ تم پر رحم کرے، اللہ تم کو پناہ دے، تم کو محفوظ رکھے، تم کو توفیق دے، تم کو رزق دے، تمہاری مغفرت کرے اور تم کو ہدایت دے۔ میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی ہدایت کرتا ہوں اور تم پر اللہ کو نگہبان کرتا ہوں، میں تمہارے لئے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں، اللہ کے بندوں اور شہروں پر بڑائی مت ظاہر کرنا کیونکہ اس نے مجھ سے اور تم سے کہا ہے کہ:

تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَo ''یہ دار آخرت ہم نے ان لوگوں کے لئے قرار دیا ہے جو زمین پر بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔'' (سورۂ قصص: آیت ۸۳)

اس پر ہم نے کہا: یارسول اللہؐ! آپ کی وفات کب ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: جدائی قریب ہے۔ اب پلٹ جانا ہے اللہ کی طرف، سدرۃ المنتہیٰ کی طرف، بزرگ مہربان کی طرف، جنت کی جائے پناہ کی طرف۔ ہم نے کہا: یارسول اللہؐ! آپ کو غسل کون دے گا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: میرے اہل خانہ میں جو قریب سے قریب تر ہوں گے۔ یہ پوری حدیث شرح نہج البلاغہ جلد۳ صفحہ ۱۸۹ و ۱۹۰ میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اور تصریحی بیانات اور اشارے ہیں جن سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آنحضرتؐ کو اپنی وفات کا علم تھا۔

اس مقام پر ہر مطالعہ کرنے والے کے لئے جس سوال کا اٹھانا ممکن ہے وہ یہ ہے کہ نبی اکرمؐ برابر جان رہے تھے کہ آپ کی موت قریب ہے اور چند ایام کے دوران آپ کی وفات ہونے والی ہے۔ پھر کیوں آپ نے اصرار کیا اور اپنے

آخری سانس تک اصرار فرماتے رہے کہ حجاز کی سرحدوں کے اس پار جانے کے لئے اسامہؓ بن زیدؓ کی قیادت میں لشکر تیار کیا جائے جبکہ وہ ایک نوجوان تھے اور عمر میں بیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ آنحضرتؐ یہ بھی جانتے تھے کہ منافقوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو اسلام کی نقاب ڈالے ہوئے ہیں اور وہ اسلام کے بدترین دشمن اور اس کے سخت ترین مخالف ہیں۔ جھگڑا اٹھانے اور فساد پھیلانے کے لئے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ آنحضرتؐ کی وفات پر ان کو اتنے عرصے میں جبکہ امام علیؑ اور آل رسولؐ آنحضرتؐ کی تجہیز و تدفین میں مصروف ہوں گے اور عام مہاجرین و انصار اسامہ بن زیدؓ کی قیادت میں شہر سے باہر ہوں گے انہیں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے فضا سازگار مل جائے گی۔ نیز یہ کہ آنحضرتؐ نے اس لشکر میں حضرت ابوبکر و عمر کو شامل رکھا تھا جیسا کہ سیرت اور احادیث کے مجموعوں سے ظاہر ہوتا ہے اور آنحضرتؐ ان دونوں کے اس لشکر میں شریک رہنے کے شدید خواہشمند تھے جبکہ آپ نے امام علیؑ کو مدینہ میں رہنے دیا تھا۔ حالانکہ آنحضرتؐ کی جنگوں اور غزووں میں ان دونوں کی آنحضرتؐ کے ساتھ رہنے کی تاریخ میں کوئی کارگزاری سامنے نہیں آئی اور نہ ان دونوں نے سخت وقت میں کوئی مصیبت دور کی بلکہ آنحضرتؐ کی تمام جنگوں اور غزووں میں فتح و کامرانی کی کنجیاں رسول اللہؐ کے بعد امام علیؑ کے ہاتھ میں رہتی تھیں۔ پھر کیوں آنحضرتؐ نے اس لشکر کی قیادت کے لئے اسامہؓ بن زیدؓ کو منتخب کیا۔ حالانکہ مسلمانوں میں بہت سے ایسے قائد اور ہم پلہ افراد موجود تھے جنہوں نے کارزاروں میں حصہ لیا تھا۔ جہاں پختگی عقل اور ثابت قدمی سے کارگزاریاں کیں تھیں اور ان سے کامران و فتح مند آئے تھے۔

یہ سوالات بہت سے مطالعہ کرنے والوں کے ذہن میں ابھرتے ہیں اور جیسا کہ شرح نہج البلاغہ جلد۴ صفحہ۱۷۲ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض سوالات پہلے بھی اٹھائے گئے ہیں۔ چنانچہ قاضی القضاۃ عبدالجبار مغزلی نے اس لشکر میں حضرات ابوبکر و عمر کو شامل رکھنے کے لئے نبی اکرمؐ کے اصرار کے بارے میں شیعہ تفسیر پر غور کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو لشکر اسامہ میں اس لئے رکھا تھا کہ یہ لوگ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مدینہ سے دور رہیں اور ان کو خلافت پر قبضہ کرنے کا موقع نہ ملے اس لئے آنحضرتؐ نے امام علیؑ کو اس لشکر میں نہیں رکھا جبکہ اس میں حضرات ابوبکر و عمر اور ان کے علاوہ دوسرے افراد کو رکھا تھا تاکہ معاملہ کسی نزاع کے بغیر امام علیؑ کے حق میں اتمام پذیر ہو جائے۔

لیکن انہوں نے اپنی اس عادت کے بموجب کہ جو شبہ یا اتہام خلفاء پر عائد ہو اس کا دفاع کیا جائے انہوں نے اس نکتہ کا جواب دیا ہے اور اس سے انکار کیا ہے کہ حضرت ابوبکر ان افراد میں سے تھے جن کو اس لشکر میں شامل کرنے پر آنحضرتؐ اصرار فرماتے رہے تھے۔ حالانکہ تمام مستند بیانات اس پر زور دیتے ہیں کہ وہ ان ہی افراد میں سے ایک تھے۔

اس لشکر پر اسامہ بن زید کو امیر مقرر کرنے کے بارے میں علاوہ اس کے کہ وہ اس کے اہل تھے، نبی اکرمؐ چاہتے تھے کہ آزاد کردہ غلاموں کی شان کو اونچا کردیں اور ان لوگوں کے احساس برتری کو ٹھیس لگادیں جو بڑے بنے پھرتے تھے اور کوشش کرتے رہتے تھے کہ صرف اس لئے نمایاں رہیں کہ آنحضرتؐ ان کو اپنے قریب رکھتے تھے اور اسلام کی بلند مصلحتوں کی خاطر ان کے افعال سے چشم پوشی فرمالیا کرتے تھے۔

رہا اس لشکر کی غیر موجودگی میں مدینہ پر منافقوں کا خطرہ تو اگر رسول اللہؐ اس طرف سے مطمئن نہ ہوتے خواہ اسی

وجہ سے سہی کہ امام علیؑ کچھ صحابہ اور بنی ہاشم وہاں موجود تھے تو ناممکن ہے کہ آنحضرتؐ لشکر کو مدینہ چھوڑنے کا حکم دیتے۔

بہرحال حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ کا مرض شدت پکڑ گیا۔ اس وقت آنحضرتؐ حضرت میمونہؓ کے گھر میں تھے۔ آپ نے اپنی ازواج کو بلا کر ان سب سے اجازت لی کہ آپ کی تیمارداری میرے گھر میں ہو۔ ان سب نے اجازت دیدی تو آنحضرتؐ اپنی ازواج کے پاس سے دو مردوں کی مدد سے نکلے، ان میں سے ایک فضل بن عباس تھے اور دوسرے ایک اور تھے۔ آپ زمین پر اپنے پیر گھسیٹتے ہوئے چل رہے تھے اور سر اقدس پر پٹی باندھے ہوئے تھے، یہاں تک کہ گھر میں داخل ہو گئے۔

طبری نے اپنی تاریخ میں اور دوسروں نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ یہ حدیث میں نے عبداللہ بن عباس سے بیان کی تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ جانتے ہو کہ یہ دوسرا شخص کون تھا؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ تو وہ بولے وہ علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے لیکن عائشہؓ کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ ان کا ذکر کسی بھلائی کے ساتھ کریں حالانکہ وہ کر سکتی تھیں۔ آنحضرتؐ کی تکلیف زیادہ بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا: میرے اوپر سات مشکیزے پانی کے الگ الگ کنوؤں سے لئے ہوئے ڈالو تاکہ میں لوگوں کے پاس جاؤں اور ان سے عہد و پیمان کرلوں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ کو نہانے کے ٹب میں بٹھایا جو حفصہؓ کا تھا اور ہم آپ پر پانی ڈالتے رہے یہاں تک کہ آپ نے اشارے سے فرمایا بس کرو بس کرو۔

عطاء نے اور انہوں نے فضل بن عباس سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہؐ کی خدمت میں گیا تو آپ کو کمزور پایا اور آپ کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ نے مجھ سے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑلو۔ میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا یہاں تک کہ آپ منبر پر بیٹھ گئے۔ تب آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو آواز دے کر بلاؤ۔ میں نے سب کو بلند آواز سے پکارا۔ جب لوگ آپ کے پاس آگئے تو آپ نے فرمایا:

> ''اے لوگو! میں تمہارے سامنے اللہ کی حمد بجالاتا ہوں، میں تمہارے درمیان سے اٹھنے والا ہوں، پس جس کسی کو میں نے پشت پر کوڑا مارا ہو تو یہ میری پشت حاضر ہے مجھ سے بدلہ چکالے، اگر میں نے کسی کا مال لیا ہو تو میرا مال حاضر ہے وہ اس میں سے لے لے، کوئی یہ نہ کہے کہ مجھے رسول اللہؐ کی نفرت کرنے سے ڈر لگتا ہے کیونکہ نفرت کرنا میری فطرت میں نہیں ہے اور نہ میرے مرتبہ کے شایان شان ہے۔ دیکھو مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ■ ہے جو مجھ سے اپنا حق لے لے، یا مجھ کو بری کردے تاکہ میں اللہ سے ملاقات کروں تو صاف دل ہو کر ملوں۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح میں بری الذمہ نہ ہوسکوں گا جب تک میں تمہارے سامنے بار بار نہ آؤں۔''

پھر آپ نے نیچے اتر کر نماز ظہر ادا فرمائی اور منبر پر واپس جاکر اپنی پہلی بات دہرائی۔ تب ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ یارسول اللہؐ آپ کے اوپر میرے تین درہم ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہم نہ کسی کہنے والے کو جھٹلاتے ہیں اور نہ اس سے قسم کھانے کو کہتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: اے فضل اس کو دیدو۔ بعدازاں آپ نے کلام جاری رکھا کہ جو کوئی اپنے

آپ سے کسی وجہ سے خائف ہے وہ کھڑا ہو جائے میں اس کے لئے دعا کروں گا۔ اس پر ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہؐ! میں جھوٹ بولتا رہا ہوں، بدکاری کرتا رہا ہوں اور میں بہت سونے والا ہوں۔ آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو سچ بولنا عطا کر اور نیک عمل عطا کر اور جب یہ ارادہ کرے اس کی نیند دور کردے۔

ایک اور آدمی نے نبی اکرمؐ کے روبرو اپنے عیب بیان کئے تو حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ اے شخص تو نے اپنے آپ کو ذلیل کر ڈالا۔ تب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اے ابن خطاب دنیا کی بے عزتی آخرت کی بے عزتی سے کہیں کم ہے۔

طبری نے ارقم بن شرحبیل سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ابن عباس سے دریافت کیا کہ رسول اللہؐ نے کوئی وصیت کی؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: یہ کیسے؟ انہوں نے کہا: رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میرے پاس علیؑ کو بلوادو، تو حضرت عائشہؓ بولیں کہ آپ حضرت ابوبکر کو بلا لیتے اور حفصہ بولیں کہ آپ حضرت عمرؓ کو بلا لیتے اور سب آنحضرتؐ کے پاس جمع ہو گئے۔ تب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تم سب چلے جاؤ۔ اگر مجھ کو ضرورت ہوگی تو میں تم کو بلوالوں گا۔

ایک مرتبہ صبح ہونے کے قریب بلالؓ آئے جبکہ آنحضرتؐ کا مرض شدت پر تھا اور انہوں نے ندا دی "الصلوٰۃ" اللہ تم سب پر رحم فرمائے۔ اب یہاں سے روایات میں اختلاف ہے۔

طبری حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابوبکر کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ ابوبکر نرم دل آدمی ہیں۔ آنحضرتؐ نے اپنی بات دہرائی اور انہوں نے بھی آنحضرتؐ سے پھر وہی کہا۔ آنحضرتؐ کو غصہ آ گیا اور آپ نے فرمایا کہ تم یوسف والی عورتیں ہو اور آنحضرتؐ خود دو آدمیوں پر سہارا لئے ہوئے نکلے۔ آپ کے قدم زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ابوبکر نماز پڑھ رہے ہیں، انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آنحضرتؐ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر قائم رہو۔ چنانچہ ابوبکر اپنی جگہ پر رہے اور نبی اکرمؐ ان کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اس طرح حضرت ابوبکر نبی اکرمؐ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر کی نماز کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔

اس بارے میں سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب بلالؓ نے آنحضرتؐ سے لوگوں کو نماز پڑھانے کے لئے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ جاؤ کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے۔ پس عبداللہ بن زمعہ نکلے۔ ان کو راستے میں حضرت عمرؓ مل گئے۔ انہوں نے ان سے کہا کہ کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھادو۔ ان کے قول کے مطابق حضرت ابوبکر موجود نہ تھے۔ جب انہوں نے تکبیر کہی اور رسول اللہؐ نے ان کی آواز سنی تو حضرت ابوبکر کو بلوایا۔ وہ اس وقت آئے جب حضرت عمر نماز ختم کر چکے تھے۔ پس انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

شیخ مفید نے ارشاد میں اہلبیت اطہار علیہم السلام سے روایت کی ہے کہ جب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ لوگوں کو کوئی شخص نماز پڑھادے کیونکہ میں اپنے حال میں گرفتار ہوں، تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ابوبکر سے کہدو اور حضرت حفصہ نے کہا کہ حضرت عمرؓ سے کہدو۔ تب رسول اللہؐ نے فرمایا: چپ رہو، تم سب یوسف والی عورتیں ہو۔ آنحضرتؐ جلدی سے کھڑے ہوئے حالانکہ آپ ضعف کے باعث زمین پر کھڑے نہ رہ سکتے تھے۔ چنانچہ آپ نے امام علیؑ اور فضل بن عباس

کے ہاتھ پکڑ لئے اور ان دونوں پر ٹک گئے۔ کمزوری کی وجہ سے آپ کے دونوں پیر زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔ جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ابوبکر محراب تک پہلے پہنچ چکے ہیں۔ پس آپ نے ان کو اشارہ کیا کہ وہ وہاں سے ہٹ جائیں۔ چنانچہ وہ ہٹ گئے اور آنحضرتؐ نے ان کی جگہ کھڑے ہو کر تکبیر کہی اور وہ نماز پھر سے شروع کی جو ابوبکر شروع کر چکے تھے اور اس کا کوئی خیال نہیں کیا جو وہ ادا کر چکے تھے۔

یہ روایات ان اختلافات اور باہمی ٹکراؤ کے باوجود جو اُن میں پایا جاتا ہے اس پر متفق ہیں کہ آنحضرتؐ خود باہر تشریف لائے حالانکہ آپ کو بہت زیادہ ضعف تھا اور آپ فضل بن عباس اور حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق ایک دوسرے شخص کا اور دوسروں کی روایت کے مطابق امام علیؑ کا سہارا لئے ہوئے تھے۔ پس اگر یہ صحیح ہو کہ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور اس جماعت کا خیال ہے جنہوں نے یہ روایت بیان کی ہے تو اس کے بعد آپ خود کیوں باہر تشریف لائے جبکہ آپ کو اس قدر زیادہ ضعف تھا کہ آپ دو آدمیوں پر سہارا لئے ہوئے تھے جو آپ کو اپنے کاندھوں کے سہارے تھامے ہوئے مسجد تک لائے۔ اگر آپ حضرت ابوبکر کی تائید کرنا چاہتے تھے جیسا کہ بیشتر اہلسنت کا خیال ہے تو ان کی تائید کے لئے آنحضرتؐ کا ان کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم اور لوگوں کا ان کے پیچھے نماز پڑھ لینا ہی کافی ہوتا لیکن آنحضرتؐ کا خود باہر تشریف لانا اور وہ بھی اس حالت سے جبکہ آپ کو یہ علم ہو گیا تھا کہ حضرت ابوبکر نماز شروع کر چکے ہیں، روایات کے اس حصے پر شبہ پیدا کر دیتا ہے اور روایات کا یہ پہلو قابل ترجیح ہو جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے کسی کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم نہیں دیا تھا اور بالفعل یہ ضرور ہوا کہ آنحضرتؐ باہر تشریف لائے۔ آپ نے حضرت ابوبکر کو محراب سے الگ کھسکایا اور جتنی نماز وہ پوری کر چکے تھے اس کا کوئی خیال نہیں کیا۔

علاوہ بریں وہ روایات جو حضرت ابوبکر کی نماز کو بیان کرتی ہیں کل کی کل یہ بتاتی ہیں کہ آنحضرتؐ ان کے پہلو میں بیٹھے اور حضرت ابوبکر، نبی اکرمؐ کی نماز پر نماز پڑھ رہے تھے اور سب لوگ حضرت ابوبکر کی نماز پر نماز پڑھ رہے تھے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ حضرت ابوبکر ایک ہی وقت میں امام بھی تھے اور ماموم بھی۔ میرے خیال میں کوئی بھی اس کے جواز کو نہیں مان سکتا۔

مزید یہ کہ حضرت عائشہؓ ہی تنہا ان روایات کی راوی ہیں جو اُن کے باپ کے لوگوں کو نماز پڑھانے کے بارے میں اور ان کی خلافت کی تیاری کے متعلق بیان کی جاتی ہیں جیسا کہ ان روایات کی سندوں کے مطالعے سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ البدایہ والنہایہ میں ہے کہ حضرت عائشہؓ، آنحضرتؐ سے روایت کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھ کو پلیٹ یا تختی لا دو تاکہ میں ابوبکرؓ کے لئے کچھ لکھ دوں جس سے کوئی ان کی مخالفت نہ کرے۔ اس وقت عبدالرحمٰن بن ابی بکر موجود تھے جب وہ پلیٹ لینے گئے تو حضرت عائشہؓ کے خیال کے مطابق ان کو واپس بلا لیا اور فرمایا: اے ابوبکر! اللہ اور مومنین تمہارے بارے میں اختلاف نہ کریں گے۔ اسی طرح کی اور روایات ہیں جو آنحضرتؐ کے بعد امام علیؑ کے خلیفہ ہونے کے بارے میں صحیح روایات اور صریحی احکام کے مقابلے پر حضرت عائشہؓ نے بنالی ہیں یا ان کی زبانی بنائی گئی ہیں۔

اگر ہم استدلال کی خاطر مان بھی لیں کہ اس روز حضرت ابوبکر نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو یہ ان کی خلافت کے

لئے کیا دلیل ہو سکتی ہے جبکہ نماز کی امامت کوئی بڑی چیز نہیں ہے جو نماز پڑھانے والے کی عظمت کی دلیل ہو سکے اور نہ یہ مسلمانوں کے امام کی خصوصی صفات میں سے ہے بلکہ یہ ہر ایک کے لئے صحیح ہے خصوصاً اہلسنت میں جو ایسے فرد کی امامت بھی قبول کر لیتے ہیں جو سب سے جاہل اور سیرت کے لحاظ سے سب سے زیادہ غیر معروف ہو۔ حتیٰ کہ اس سے زیادہ عالم یا شہرت والے کی موجودگی میں بھی اور امامت نماز کے لئے اسلام سے زیادہ کوئی اور شرط قرار نہیں دیتے۔

نبی اکرمؐ کے زمانے میں مسلمان اس کے عادی تھے کہ ایک دوسرے کے لئے امام نماز ہوتے رہیں اور نبی اکرمؐ اس کو پسند فرماتے تھے اور جو کوئی امام کی حیثیت سے نماز ادا کرتا اس کے لئے دوسرے لوگوں میں سے کسی پر کوئی فوقیت یا فضیلت قرار نہیں دیتے تھے۔

جب آنحضرتؐ اس نماز سے جس کے لئے تشریف لے گئے تھے، اپنے مقام پر واپس آ گئے تو آپ نے ابوبکرؓ و عمرؓ اور ان مسلمانوں کو جو مسجد میں موجود تھے بلوایا کیونکہ آپ کو ان سب کا لشکر میں نہ شامل ہونا باعث اضطراب ہوا تھا اور یہ لشکر مدینہ کے نواح میں جرف کے مقام پر ٹھہرا ہوا تھا اور آپ نے فرمایا کہ کیا میں نے تم کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ لشکر اسامہ کے ساتھ چلے جاؤ؟ وہ بولے کہ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے میرے حکم کو کیوں ٹالا؟ اس پر حضرت ابوبکر بولے کہ میں گیا تھا، پھر آپ سے عہد کرنے کے لئے واپس آ گیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں اس لئے نہیں گیا کہ مجھ کو یہ اچھا نہیں لگا کہ آپ سے سواری کی درخواست کروں۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جیش اسامہ کے ساتھ چلے جاؤ اور اس کو تین مرتبہ دہرایا۔ اس کے بعد درد اور اس اذیت کے باعث جو آپ کو ان لوگوں کے حکم نہ ماننے سے ہوئی تھی آپ پر غشی طاری ہوگئی۔

آپ خاصی دیر تک غش کی حالت میں رہے جس کی وجہ سے مسلمان رونے لگے اور آپ کی ازواج، آپ کی بیٹی اور مومنین کی عورتیں اور سب حاضرین کی چیخیں بلند ہوگئیں۔

آنحضرتؐ کو افاقہ ہوا تو آپ نے ان لوگوں کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ مجھ کو قلم و قرطاس لا دو تا کہ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے مگر پھر آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ جو لوگ موجود تھے ان میں سے ایک شخص قلم و قرطاس لینے چلا تو حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ واپس آ جاؤ کیونکہ یہ بہک رہے ہیں۔ چنانچہ وہ پلٹ آیا۔ البتہ وہ لوگ جو وہاں موجود تھے قلم و قرطاس کے نہ لانے پر پشیمان تھے۔ جب آنحضرتؐ کو افاقہ ہوا تو ان میں سے کسی نے کہا کہ یارسول اللہؐ! کیا ہم آپ کے لئے قلم و قرطاس نہ لائیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، جو کچھ تم نے کہا اس کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہی۔ البتہ میں تم کو اپنے اہلبیت کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ پھر آپ نے ان لوگوں کی طرف سے اپنا رخ پھیر لیا اور لوگ اٹھ کر چلے گئے۔

صحیح بخاری کی جلد۴، کتاب المرض والطب میں ابن عباس کی سند سے ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہؐ کی خدمت میں گھر کے اندر متعدد افراد موجود تھے ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ آؤ میں تم کو ایک تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ نبیؐ پر درد غالب ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے۔ بس ہم کو کتاب اللہ کافی ہے۔ جو لوگ موجود تھے ان میں اختلاف پیدا ہوگیا اور وہ جھگڑنے لگے۔ کچھ نے کہا کہ

آنحضرتؐ کے لئے سامان لا دو تا کہ وہ تمہارے لئے ایسی چیز لکھ دیں کہ اس کے بعد تم اختلاف نہ کرو۔ کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ کا کہا مان لیا۔ جب ان لوگوں کے درمیان نبی اکرمؐ کی حضوری میں فضول گوئی اور اختلاف میں زیادتی ہوئی تو آنحضرتؐ نے ان سب سے کہا "قوموا عنی" میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔

اس کے بعد بخاری نے مزید بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن عباس کہا کرتے تھے کہ وہ کیسی بڑی مصیبت تھی جس نے آنحضرتؐ کو لوگوں کے لئے وہ تحریر لکھنے سے روک دیا۔

نیز انہوں نے اپنی صحیح کی تیسری جلد باب مرض النبیؐ میں سعید بن جبیر کی سند سے روایت کی ہے کہ ابن عباس کہا کرتے تھے کہ جمعرات کے روز رسول اللہ کی تکلیف بڑھ گئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے پاس آؤ میں تم کو ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ گمراہ نہیں ہو گے۔ تو لوگ جھگڑنے لگے حالانکہ نبیؐ کی موجودگی میں جھگڑنا مناسب نہیں ہے۔ تب لوگوں نے کہا کہ ان کو کیا ہو گیا، یہ بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں، ان سے دریافت کرو۔ چنانچہ آپ کے پاس دوبارہ پوچھنے کے لئے گئے تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو رہنے دو کیونکہ جس حال میں میں ہوں اس سے بہتر ہے جس میں تم مجھ کو بلا رہے ہو۔ پھر آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو تین باتوں کی وصیت فرمائی پہلی یہ کہ مشرکوں کو جزیرۂ عرب سے نکال دینا، دوسری یہ کہ جو وفد آنحضرتؐ کی خدمت میں آتے رہتے تھے ان کو اسی طرح عطیات دیتے رہنا جیسے آپ دیا کرتے تھے اور تیسری پر راوی نے خاموشی اختیار کر لی یا یہ کہا کہ میں اس کو بھول گیا۔

اس روایت کو محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں، ابن سعد نے اپنی طبقات میں، ابن کثیر نے اپنی بدایہ میں اور مسلم نے اپنی صحیح میں اسی طرح روایت کیا ہے جیسے بخاری نے بیشتر صورت میں اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور یہ روایت سنیوں اور شیعوں کی تمام کتب احادیث میں بیان ہوئی ہے۔

ابن سعد نے اپنی طبقات میں اس کو مختلف سلسلہ ہائے رواۃ سے روایت کیا ہے۔ ان لوگوں میں جن سے انہوں نے روایت کیا ہے خود حضرت عمرؓ بھی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ ہم رسول اللہؐ کی خدمت میں تھے اور ہمارے اور عورتوں کے درمیان پردہ پڑا ہوا تھا۔ تب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ مجھ کو سات مشکیزوں سے نہلا دو اور مجھ کو قلم و قرطاس لا دو تا کہ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اس پر عورتوں نے کہا کہ رسول اللہؐ کے لئے ان کی مطلوبہ چیزیں لا دو۔ میں نے ان سے کہا کہ چپ رہو۔ تم تو یوسفؑ والی عورتیں ہو۔ ان کو مرض ہو جاتا ہے تو آنسو بہانے لگتی ہو اور جب وہ اچھے ہوتے ہیں تو ان کی گردن پر سوار ہو جاتی ہو۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ وہ سب تم لوگوں سے بہتر ہیں۔

تمام وہ روایات جو نبی اکرمؐ کے مرض کے بارے میں وارد ہوئی ہیں صراحت کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے یہ ارادہ فرمایا تھا کہ لوگوں کے لئے ایک تحریر لکھ دیں کہ آپ کے بعد وہ لوگ گمراہ نہ ہوں اور سب کی سب یہ بھی صراحت کرتی ہیں کہ حضرت عمرؓ وہ شخص تھے جو لکھنے کی راہ میں حائل ہو گئے۔ انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ یہ اپنی باتوں میں بہک رہے ہیں یعنی تم لوگوں سے بلا سمجھے بوجھے باتیں کر رہے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ وہ تحریر جو آنحضرتؐ لکھنا چاہتے تھے، اس کے سوا نہ تھی کہ وہ اسی کی تاکید ہو جس کی آپ اس سے قبل امام علیؑ کو خلیفہ مقرر کرنے کے بارے میں بارہا صرحت فرما چکے تھے یا اس کی طرف اشارے کر چکے تھے۔ حضرت عمرؓ اس کو سمجھ گئے تھے اور اسی طرح وہ سب لوگ جو اس وقت موجود تھے اس کو سمجھ گئے تھے۔ اسی لئے وہ آنحضرتؐ اور اس کے لکھے جانے کے مابین حائل ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ بہک رہے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ایسی عبارت وارد ہوئی ہے جس سے یہ معنی اخذ ہوتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ آنحضرتؐ پر درد کا غلبہ ہے جس کے نتیجے میں ایسی حالت میں آپ کا فعل اور قول بچوں یا دیوانوں کے فعل وقول کی مانند ہے۔ چنانچہ اگر وہ ایسا کہنے والوں کے سامنے تحریر لکھ بھی دیتے تو جب تک وہ اس غیر طبعی حالت میں تھے ان کی تحریر کی کوئی وقعت نہ ہوتی۔

نبی اکرمؐ کو اندازہ تھا کہ وہ لوگ ایسا یا اس سے بھی زیادہ کہیں گے اسی لئے جب ان لوگوں نے پھر سے لکھنے کے لئے آپ سے کہا تو آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تم نے کہا ہے وہ بہت دور کی بات ہے اور آنحضرتؐ نے لکھنے سے احتراز فرما کر ان لوگوں کو تین امور کی وصیت فرمائی۔ لیکن ان لوگوں نے ان میں سے صرف دو وصیتوں کو یاد رکھا اور ان کے خیال کے مطابق تیسری کو بھول بیٹھے۔ اس میں شک نہیں ہوسکتا کہ یہ تیسری وہی وصیت تھی جس کے لئے چاہتے تھے کہ اس کو اپنی تحریر میں قلم بند فرمادیں۔ اگر اس کے علاوہ ہوتی تو یہ لوگ اس کو بھی بیان کر دیتے جیسے دوسری وصیتوں کو بیان کیا۔

بیشتر ان روایات میں جو نبی اکرمؐ کے مرض کا بیان کرتی ہیں ہے کہ جب کبھی عبداللہ بن عباس اس روز کو یاد کرتے تھے تو حسرت و افسوس کیا کرتے اور بعض اوقات روتے بھی تھے کہ ایسا موقع نکل گیا کہ اگر اتمام کو پہنچ جاتا تو ان کے خیال کے مطابق امام علیؑ کے بارے میں کوئی دو آدمی بھی اختلاف نہ کرتے۔

میری رائے تو یہ ہے کہ اگر نبی اکرمؐ ان لوگوں کے لئے بیس کتابیں بھی لکھ دیتے تو یہ لوگ بحثیں کرتے اور ان کے مضامین کی تاویلیں اپنی مصلحتوں کے مطابق کر لیتے بلکہ اس سے بھی آگے چلے جاتے چنانچہ جب آنحضرتؐ کو افاقہ بھی ہوگیا تو اسی امر نے آپ کو لکھنے سے باز رکھا۔

البدایہ والنہایہ میں دونوں صحیحوں سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ نبی اکرمؐ کے مرض کے دوران آپؐ کی بیویاں آپ کے پاس جمع تھیں کہ حضرت فاطمہؑ تشریف لائیں۔ آپ چل رہی تھیں تو آپ کی چال اپنے والد بزرگوارؐ کی چال سے ذرا مختلف نہ تھی۔ پس آنحضرتؐ نے ان کو مرحبا کہا اور ان کو اپنے داہنی جانب بٹھا کر ان کو کوئی بات بتلائی جس پر وہ رو پڑیں۔ پھر آنحضرتؐ نے دوسری بار ان سے کچھ بتایا جس پر وہ ہنس پڑیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ سے آنحضرتؐ نے چپکے سے ایسی باتیں کہیں جس پر آپ ایک بار روئیں اور ایک بار ہنسیں۔ جب وہ چلنے لگیں تو میں نے ان سے کہا کہ مجھے بھی بتایئے کہ آنحضرتؐ نے آپ سے کیا کہا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ کا راز افشا نہ کروں گی۔ پس جب رسول اللہؐ وفات پا گئے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ میرا آپ پر جو حق ہے اس کا واسطہ۔ کیا اب بھی آپ مجھے نہ بتائیں گی؟ حضرت فاطمہؑ نے کہا کہ ہاں اب ٹھیک ہے۔ پہلے آنحضرتؐ نے مجھ کو اپنی وفات کے قریب ہونے کی اطلاع

دی تھی اور مجھ کو تقویٰ اور صبر کی وصیت فرمائی تھی، اس پر میں روئی تھی۔ دوسری مرتبہ آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم تمام جہانوں کی خواتین کی سردار ہو، اس پر میں ہنس پڑی تھی۔

ایک قول یہ ہے کہ دوسری مرتبہ آنحضرتؐ نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا تھا کہ میرے اہلبیت میں تم سب سے پہلے آ کر مجھ سے ملوگی۔ پس وہ اس پر مسرور ہوگئیں کہ اللہ کے پاس حاضر ہونے والی ہیں اور اپنے والد بزرگوار سے دار آخرت ایسے باعزت مقام میں انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ملاقات کریں گی۔

رسول اکرمؐ کی تکلیف اور آپ کی زندگی کے لئے خطرہ لحہ بہ لحہ بڑھتا جارہا تھا۔ اس کے باوجود آنحضرتؐ بار بار لوگوں کو یہ ندا دینے سے نہ رکتے تھے کہ اسامہ کے لشکر میں شامل ہو جائیں اور اس کی روانگی میں جلدی کریں۔ نیز آپ اسامہ پر بھی روانگی میں جلدی کرنے پر زور دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ اسامہ نے آپ سے کہا کہ میرے ماں اور باپ آپ پر نثار ہوں کیا آپ مجھے اجازت دیدیں گے کہ میں چند روز ٹھہرا رہوں تاکہ اللہ آپ کو شفا عطا کردے؟ لیکن آنحضرتؐ نے ان کو رکے رہنے کی اجازت نہیں دی۔

جب آپ پر مرض کا غلبہ اور بڑھ گیا تو آپ ہاتھ میں پانی لیتے اور فرماتے کہ کس قدر بے چینی ہے۔ اس پر حضرت فاطمہؑ فرماتیں کہ اے باباجان! آپ کی تکلیف سے مجھ کو بھی اذیت ہوتی ہے۔ آنحضرتؐ فرماتے کہ آج کے بعد سے تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

بعض روایات میں ہے کہ وفات سے قبل آپ نے اپنے آپ میں بشاشت محسوس فرمائی اور آپ کے بخار کی گرمی کم ہوگئی۔ تب آپ امام علیؑ اور فضل بن عباس کا سہارا لئے ہوئے باہر نکل کر مسجد تک تشریف لائے اور لوگوں کی طرف بڑھ کر ایسی بلند آواز کر کے کہ جو لوگ مسجد کے باہر تھے وہ بھی سن رہے تھے آپ نے فرمایا: اے لوگو! آگ بھڑک اٹھی ہے اور فتنے اندھیری رات کی طرح بڑھے چلے آرہے ہیں۔ قسم بخدا! میں سمجھ رہا ہوں کہ تم میرے ساتھ کسی چیز میں وابستہ نہیں ہو۔ میں نے حلال نہیں قرار دیا سوائے اس کے جو قرآن نے حلال قرار دیا اور میں نے حرام قرار نہیں دیا سوائے اس کے جو قرآن نے حرام قرار دیا۔ اللہ اس قوم پر لعنت فرمائے جنہوں نے اپنی قبروں کو مسجدیں بنالیا ہے۔[1]

مسلمانوں نے نبی اکرمؐ کی ظاہری حالت میں راحت اور اطمینان کو دیکھا تو حضرت ابوبکر نے آنحضرتؐ سے اجازت لی کہ سنخ چلے جائیں جہاں ان کی بیوی بنت خارجہ قیام کئے ہوئے تھیں اور وہ آنحضرتؐ کے پاس سے چلے گئے۔ کچھ اور لوگ بھی آپ کے پاس سے اپنے اپنے کاموں کے لئے چلے گئے کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ بشاشت جو آپ پر

۱۔ اگر یہ روایت صحیح ہے اور اس کا آخری فقرہ نبی اکرمؐ کا ہی ہے تو یہ لازماً ان ہی لوگوں پر منطبق ہوتی ہے جو اپنے مُردوں کی قبروں پر عمارتیں کھڑی کر لیتے ہیں اور اپنے جذبات محبت و قرابت کی وجہ سے ان کو مساجد قرار دے لیتے ہیں خواہ وہ اس وجہ سے کوئی امتیاز حاصل نہ کرسکیں۔ البتہ وہ افراد جو اپنے نیک اعمال اور افعال سے اسلام اور قرآن کی تعلیمات اور صحیح دینی احکام کی عکاسی کرتے ہوں جیسے انبیاءؑ، ائمہ ہدیٰؑ اور دیگر صالح اور نیک افراد تو یہ بہت بعید ہے کہ نبی اکرمؐ ان کی قبروں پر عمارات بنانے اور ان میں اللہ کی نمازیں ادا کرنے کو منع فرمائیں کیونکہ ان پر عمارتوں کا تعمیر کرنا اور ان کی تعظیم کرنا ان بلند مرتبہ خوبیوں کی نشانہ ہی ہے جو اُن افراد کے ناموں سے وابستہ ہوتی ہیں اور یہ حق، نیکی اور فضیلتوں کے معنی پیش کرتی ہیں۔ نیز ہر زمانے اور ہر مقام کی نسلوں کے لئے بلند پایہ مثالیں بنی رہتی ہیں۔

نمودار تھی آپ کی شفایابی کی نشاندہی کر رہی ہے اور سلامتی کی طرف گامزن ہے۔ لیکن اللہ کا حکم اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا جو اصحاب اور چاہنے والوں کی امیدوں سے کہیں آگے تھا کیونکہ آپ کے پروردگار نے آپ کو دار آخرت میں آپ کے برادر نبیوں اور مرسلین کی رفاقت کے لئے منتخب کر لیا تھا۔

چنانچہ جونہی آنحضرتؐ مسجد سے واپس تشریف لائے ضعف بھی واپس آ گیا اور بہت بڑھ گیا۔ آنحضرتؐ یہ کہتے ہوئے سنے گئے بل الرفیق الاعلیٰ. اس سے لوگ سمجھ گئے کہ آنحضرتؐ نے اس دنیا کی زندگی کے مقابلے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ملاقات کرنا قبول فرما لیا ہے۔

امام علیؑ نے یہ دیکھ کر کہ آنحضرتؐ موت سے ہم کنار ہو رہے ہیں، آپ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور جیسا کہ ابن سعد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ، امام علیؑ کے سینے ہی پر تھے کہ آپ نے اپنی سپرد حق فرما دی۔

حاکم نے مستدرک میں جناب ام سلمیٰ پر منتہی ہونے والی سند سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم کھائی جاتی ہے بہ لحاظ زمان امام علیؑ، رسول اللہؐ سے قریب ترین تھے۔ وہ مزید کہتی ہیں کہ ہم ایک صبح کو رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنحضرتؐ کہہ رہے تھے: ''علیؑ آئے، علیؑ آئے۔'' اور یہی بار بار کہے جا رہے تھے۔ آپ سے حضرت فاطمہؑ نے کہا کہ غالباً آپ ہی نے ان کو کسی کام سے بھیجا ہے جب وہ آ گئے تو مجھ کو خیال ہوا کہ آنحضرتؐ کو ان سے کوئی ضروری کام ہوگا اس لئے ہم گھر سے نکل گئے اور دروازے کے قریب بیٹھ گئے۔ میں آنحضرتؐ سے اور لوگوں میں سب سے زیادہ قریب تھی، پس رسول اللہؐ ان پر جھک گئے اور ان سے چپکے چپکے باتیں کرنے لگے۔ پھر اسی روز رسول اللہؐ کی روح مبارک قبض ہوئی۔ لہٰذا بہ لحاظ زمان امام علیؑ، آنحضرتؐ سے قریب ترین فرد تھے۔

آنحضرتؐ کی وفات پیر کے روز ہوئی جیسا کہ راویوں میں مشہور ہے۔ بیشتر امامیہ حضرات کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات پیر کے روز جب ماہ صفر میں دو روز باقی تھے واقع ہوئی۔

محمد بن یعقوب کلینیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ماہ ربیع الاول کی بارہ راتیں گزرنے پر وفات پائی۔ ایک قول ہے کہ اس ماہ کا دوسرا روز تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

نبی اکرمؐ نے رفیق اعلیٰ کی ملاقات کو قبول فرما لیا اس دنیا میں زندگی گزارنے کے مقابلے میں جو فتنوں، ظلم اور سرکشی سے بھری ہوئی ہے اور ایسی قوم میں رہے جانے کے مقابلے میں جن کے لئے آپ وہ سب کچھ لے کر آئے تھے جو اُن کو اللہ کے قریب کر دے، ان کے معاملات درست کر دے اور ان سب کو ایک اللہ پر ایمان لانے اور ایک شریعت کی پابندی کرنے پر مجتمع کر دے۔ آنحضرتؐ نے ان کو دعوت دی جہاد کی، انصاف کی، ظلم اور بے راہ روی کے خلاف بچاؤ کی، بلند اخلاق کی، رحم کی، کمزور مردوں عورتوں اور بچوں کے بچاؤ کی اور ہر اس چیز کی جو لوگوں کو دنیا اور آخرت میں پر مسرت زندگی بہم پہنچائے۔ آنحضرتؐ بیس سال سے زیادہ اس طرح رہے کہ آپ نے اس درمیان میں راحت کا مزہ نہیں چکھا۔ آپ جہاد فرماتے رہے اور اس نظام کی برتری کے لئے مسلسل کوشاں رہے جس کے لئے آپ تشریف لائے تھے۔ آپ اس کی طرف دعوت دیتے رہے تاکہ وہ ہر زمانے اور ہر مقام پر آنے والی نسلوں کے لئے میراث کی مانند (ایک سے دوسرے

کو) منتقل ہوتا رہے۔ اس اثناء میں جبکہ آنحضرتؐ مستقبل کے لئے موسعی و پیکار تھے آپ پورے لحاظ سے بھلائی، رحم اور محبت بنے ہوئے تھے۔ لیکن جب ان لوگوں کا قریبی مستقبل آنحضرتؐ کے سامنے آتا تھا تو آپ دیکھتے تھے کہ گویا وہ پیٹھ پھیر کر اسلام سے منحرف ہوگئے ہیں اور جاہلیت کے قدیم دور میں پلٹ گئے ہیں۔ اس طرح کہ ان میں سے کوئی بھی نہیں بچا بالکل آزاد چھوڑے ہوئے مویشیوں کے مانند۔ جیسا کہ بخاری اور دوسرے محدثین کی روایت میں آیا ہے۔

آنحضرتؐ نے اپنے مرض کے دوران جب آپ ناقابل برداشت تکلیف سے دوچار تھے ان لوگوں کو اللہ کی قسم دلائی کہ آپ ان کے لئے ایسی تحریر لکھ دیں کہ جس کے بعد وہ گمراہ نہ ہوں جیسا کہ احادیث و تاریخ کی کتابیں متفق ہیں لیکن ان لوگوں نے آنحضرتؐ کے اس کہنے کو ہذیان اور بے معنی قرار دیدیا اور آپ نے ان لوگوں سے مایوس ہوکر رفیق اعلیٰ اور اپنے برادر انبیاءؑ و مرسلین کے پاس چلا جانا پسند فرمالیا۔ آنحضرتؐ نے اپنا آخری سانس اس حالت میں لیا کہ آپ امام علیؑ کے سینے پر تھے اور ان سے باتیں کر رہے تھے اور اسرار وجود، زندگی اور انسانوں کی فطرت اور مختلف واقعات اور ذمہ داریوں کی تعلیم دے رہے تھے۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ کی وفات واقع ہوئی تو آپ کا سر اقدس ان کی گود میں تھا۔ ایک ہی بات ہے کہ یہ صحیح ہے یا وہ صحیح ہے یا یہ کہ آپ کی وفات آپ کے بستر پر ہوئی کیونکہ یہ بجائے خود کسی شخص کے لئے فضیلت کا موجب نہیں ہے تاوقتیکہ وہ سیرت، اخلاق اور قربانیوں میں رسول اللہؐ جسی بلند مرتبہ مثال نہ ہو۔

تمام محدثین اس پر متفق ہیں کہ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت حضرت ابوبکر مدینہ سے غیر حاضر تھے۔ جونہی مسلمانوں نے عورتوں کی چیخیں سنیں وہ اس واقعے سے حواس باختہ ہوگئے کیونکہ چند ہی گھنٹے پہلے انہوں نے دیکھا تھا کہ آنحضرتؐ نے باہر تشریف لاکر لوگوں کو نماز پڑھائی تھی اور آپ پر بشاشت اور صحتیابی کے آثار نمودار تھے۔ حضرت عمرؓ نے آکر آپ کا چہرۂ مبارک کھولا اور کہا: منافقوں میں سے کچھ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ حضرت محمدؐ مر گئے ہیں لیکن یقیناً وہ مرے نہیں ہیں بلکہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں گئے ہیں جس طرح موسیٰؑ بن عمران چلے گئے تھے۔ چنانچہ اپنی قوم سے چالیس روز تک غائب رہ کر پھر ان کے پاس آگئے تھے حالانکہ وہ لوگ یہی کہتے رہے تھے کہ وہ مر گئے ہیں۔ قسم بخدا! رسول اللہؐ بھی ضرور واپس آجائیں گے جس طرح حضرت موسیٰؑ واپس آئے تھے۔ میں ان لوگوں کے ہاتھ پیر کاٹ کے رکھ دوں گا جو یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ مرگئے ہیں۔ اگر مجھ کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں میں سے کوئی سمجھتا ہے کہ حضرت محمدؐ مرگئے ہیں تو میں اس کو اپنی اس تلوار سے قتل کردوں گا۔ چنانچہ وہ اپنی تلوار لہراتے ہوئے لوگوں کو ڈراتے دھمکاتے باہر نکل گئے۔

ابن سعد کی طبقات اور ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اور مغیرہ نے اندر آکر آنحضرتؐ کے چہرۂ اقدس سے کپڑا ہٹایا اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہؐ کو کیسی شدید غشی طاری ہے۔ مغیرہ نے کہا کہ بخدا رسول اللہؐ مرگئے۔ اس پر انہوں نے اس سے کہا کہ تم غلط کہتے ہو وہ مرے نہیں ہیں بلکہ اپنے پروردگار کے پاس گئے ہیں جس طرح حضرت موسیٰؑ بن عمران گئے تھے۔

اب وہ نکل کر لوگوں میں آئے، مرد اور عورتیں سب کے سب رو رہے تھے۔ لوگوں کے درمیان چیخنے لگے کہ

(حضرت) محمدؐ مرے نہیں ہیں بلکہ اپنے پروردگار سے ملنے گئے ہیں اور عنقریب واپس آجائیں گے جس طرح حضرت موسیٰ اپنی قوم سے چالیس روز تک غیر حاضر رہنے کے بعد واپس آ گئے تھے۔ وہ خاصی دیر تک اسی طرح ہر اس شخص کو جو یہ کہتا ہے کہ ''(حضرت) محمدؐ مر گئے ہیں'' ڈراتے دھمکاتے رہے۔ ان کے اس کہنے نے لوگوں کے ذہنوں کو اس طرف سے ہٹا دینے اور ماؤف کر دینے کا کام کیا۔ ان کے حامیوں نے اس کا اتنا پرچار کیا یہ بات عوام کے ذہنوں پر چھا گئی۔ اس عمیق دانشمندی اور دور اندیشی سے وہ بہت سے افراد کے ذہنوں کو آنحضرتؐ کی وفات اور آنحضرتؐ کے بعد شرعی جانشین کے خیال سے ہٹانے میں کامیاب ہوگئے۔ وہ لوگوں کو برابر ڈراتے دھمکاتے اور ان میں یہ اعلان کرتے رہے کہ حضرت محمدؐ غائب ہو گئے ہیں اور عنقریب واپس آجائیں گے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر اپنے اس گھر سے جو خیال کیا جاتا ہے کہ مدینہ کے باہر (سنح میں) تھا پہنچ گئے اور ایسے فرد کو منتخب کر لینے کے لئے فضا تیار ہوگئی جس کو یہ لوگ چاہتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نبی اکرمؐ کے حجرے میں گئے، انہوں نے آنحضرتؐ کے چہرۂ اقدس پر نظر ڈالی اور لوگوں کے پاس باہر آ گئے۔ حضرت عمرؓ ان لوگوں میں پکار پکار کر کہے جا رہے تھے کہ حضرت محمدؐ مرے نہیں ہیں اور نہ مریں گے۔ شروع میں وہ حضرت ابوبکر کی بات بھی سننے کو تیار نہ تھے۔ پھر حضرت ابوبکر نے کہا کہ اے لوگو! جو کوئی حضرت محمدؐ کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ آپؐ مر گئے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا ہے وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے اور مرنے والا نہیں ہے۔ اس کے بعد انہوں نے لوگوں کے سامنے سورۂ آل عمران کی آیت ۱۴۴ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ''محمدؐ رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم پیٹھ پھیر کر واپس ہو جاؤ گے اور جو کوئی پیٹھ پھیر کر واپس ہو جائے گا وہ اللہ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اللہ عنقریب شکر کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔'' پڑھی تو حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے کیونکہ اب ان کی مہم ختم ہوگئی تھی۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ قسم بخدا! ایسا لگتا تھا کہ گویا جب تک حضرت ابوبکرؓ نے اس آیت کی تلاوت نہیں کی تھی لوگ اس کے نازل ہونے سے واقف ہی نہ تھے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان لمحات میں حضرت عمرؓ کے بیان کا عوام پر— جو رسول اللہؐ کی وفات کی خبر سن کر پریشان ہوگئے تھے— کتنا گہرا اثر ہوا تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے اعلان کیا کہ آنحضرتؐ زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے تاآنکہ آپ کا دین تمام ادیان پر غالب آجائے۔ حضرت عمرؓ ایسے عام آدمی نہ تھے کہ ان کے کہنے پر کوئی شخص دھیان نہ دے۔ اسی لئے وہ عوام کی ایک بڑی تعداد کو متاثر کر لینے میں کامیاب ہو گئے کیونکہ یہ لوگ ہر اس خیال کو قبول کر لینے پر آمادہ ہوتے ہیں جو سامنے آجائے اور صرف نقل اور اندھی تقلید کرنا ہی جانتے ہیں اور ان کی عقل اور قوت فیصلہ مفقود ہو جاتی ہے۔ خصوصاً جب اس کے ساتھ ساتھ ایسے عوامل بھی جیسے کہنے والے کی شخصیت اور اس کی رائے کی سختی اثرانداز ہو رہے ہوں۔ رائے کی سختی کو حضرت عمرؓ نے اسی وقت ظاہر کر دیا تھا جب انہوں نے حواس باختہ لوگوں کو خطاب کیا اور ایک طرف ان کو ایسی ہستی کی زندگی کی امید دلا دی جو اُن کو سب سے زیادہ پیاری تھی اور دوسری طرف اگر وہ ان کی زندگی کے قائل نہ ہوں تو ان کو قتل یا ہاتھ پیر کاٹے جانے سے ڈرا دیا تھا۔ اسی لئے ان کی رائے کا اثر

لوگوں پر ہوا جن پر ایسے حالات میں ہیجان خیز جذبات چھائے ہوئے تھے اور وہ اوہام میں مبتلا ہو رہے تھے خصوصاً اس لئے کہ ان سے بچھڑنے والی عظیم ہستی وہ تھی جس کے بارے میں وہ امور ممکن ہو سکتے تھے جو دوسروں کے لئے ممکن نہ تھے۔

حضرت عمرؓ اس قسم کے اوہام سے سب سے زیادہ دور رہنے والے شخص تھے اور ان کو نبی اکرمؐ کی وفات کے بارے میں ایک لحہ بھی پس و پیش نہیں ہوا لیکن جب سے آنحضرتؐ کے مرض میں شدت ہوئی تھی ان کو یقین تھا کہ آنحضرتؐ عنقریب اپنے پروردگار کے حضور میں چلے جائیں گے۔ اسی لئے وہ لشکر اسامہ سے کنارہ کش رہے اور اس کے نہ جانے کی کوشش میں لگے رہے۔ جب نبی اکرمؐ نے قلم و کاغذ طلب فرمایا تا کہ لوگوں کو ایک دستاویز لکھوادیں تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ آنحضرتؐ (معاذاللہ) بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں اور ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے۔ اگر ان کو یہ یقین ہوتا کہ آنحضرتؐ مریں گے نہیں تو آپ کے دستاویز لکھا دینے سے خواہ کسی کے نام ہوتی کیا نقصان تھا اور ان کے اس قول کے کہ ''ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے'' سوائے اس کے کوئی اور معنی نہیں ہیں کہ آپ کی موت کے بعد ہم کو اللہ کی کتاب کافی ہوگی۔ ہم کو آپ کی کتاب (یعنی دستاویز) کی ضرورت نہیں ہے۔

میرا خیال ہے کہ کوئی شخص جو حضرت عمرؓ کو سمجھتا ہے وہ یہ نہیں مانے گا کہ حضرت عمرؓ جو کچھ کہتے تھے وہی سوچتے اور خود بھی مانتے تھے سوائے ان بے سمجھ شیعوں کے جو اُن پر بڑے بڑے معاملات سے ناواقف رہنے کا الزام عائد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو اُن سے ناواقف ہو خلافت کے لئے کیسے موزوں ہوسکتا ہے؟ اور ان سنیوں کے سوا جو اُن کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے بار بار یہی رٹ لگائے رہتے ہیں کہ خبر کے صدمے سے ان کو ایسی دہشت لاحق ہوگئی تھی جس نے ان کو حواس باختہ کر دیا تھا۔

بات یہ تھی کہ وہ اور دوسرے مسلمان جانتے تھے کہ نبی اکرمؐ نے ایک سے زیادہ بار امام علیؑ کے لئے خلافت کا حکم صادر فرما دیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ خاص اس وقت میں اسامہ کا بھیجنا اور ان کے اس صورت سے عمل پیرا ہونے پر نبی اکرمؐ کا اصرار اور لشکر مین شامل نہ ہونے پر آنحضرتؐ کا حضرت ابوبکر اور ان (حضرت عمر) سے ناراض ہونا اسی لئے تھا کہ فضا امام علیؑ کے لئے صاف ہو جائے اور ان دونوں کی غیر موجودگی میں خلافت کسی نزاع کے بغیر امام علیؑ کے حق میں اتمام کو پہنچ جائے۔ نیز وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ دستاویز جو آنحضرتؐ ان لوگوں کے لئے لکھنا چاہتے تھے اس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ آنحضرتؐ کے بعد امام علیؑ کی خلافت پر قطعی حکم ہو جائے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے رخنہ ڈال کر وہ فقرہ کہا جس کی وجہ سے نبی اکرمؐ دستاویز لکھانے سے دستبردار ہو گئے۔

نبی اکرمؐ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کو خوف ہوا کہ حضرت ابوبکر کی مدینہ سے غیر موجودگی میں لوگ امام علیؑ کے حق میں مجتمع ہو جائیں گے خصوصاً اس لئے کہ ان میں سے اکثر کے ذہنوں میں ان کے علاوہ کوئی اور تھا بھی نہیں۔ پس انہوں نے یہ چاہا کہ لوگوں کی توجہ ان سے ہٹا کر ایک دوسری جانب کر دیں اور لوگوں کو اس قسم کی باتوں میں الجھا دیں کہ وہ سردست کسی شخص کی بیعت کرنے کے خیال سے غافل ہو جائیں۔ دراصل عام مہاجرین اور انصار کو اس میں قطعاً شک نہ تھا کہ رسول اللہؐ کے بعد امام علیؑ ہی وہ ہیں جو صاحب حکومت ہوں گے جیسا کہ شرح نہج البلاغہ جلد۲ صفحہ ۸ میں محمد بن اسحٰق سے زبیر بن بکار کی روایت میں آیا ہے۔

—۲۶—

سقیفہ بنی ساعدہ

مؤرخین اور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرمؐ کی وفات سے متعلق حضرت عمرؓ کا ردعمل حضرت ابوبکر کے آنے اور لوگوں کے سامنے آیت کی تلاوت کرنے پر ختم ہوگیا۔ اس کے بعد یہ دونوں حضرات اس مکان سے جہاں نبی اکرمؐ کا جسد بے جان رکھا ہوا تھا نکل گئے اور اس کو آنحضرتؐ کے اہل خاندان اور بیویوں پر چھوڑ گئے۔ البتہ دونوں کس طرف گئے، کہاں اکٹھا ہوئے اور دونوں کیا منصوبہ بنا رہے تھے اس کے متعلق تاریخ و سیرت کی کتابیں خاموش ہیں۔

لیکن اگر ہم شیخین اور اُن کے ہمنواؤں کے موقف پر اور اُن کے اس عزم پر نظر بصیرت ڈالیں کہ لوگوں کی نظریں امام علیؑ سے ہٹی رہیں تو شواہد کی کثرت کے باعث ہمارے اس قول کے سامنے کوئی اور قول نہیں ٹھہر سکتا کہ یہ دونوں حضرات نبی اکرمؐ کو بے گور و کفن چھوڑ کر بیعت کا معاملہ حضرت ابوبکر کے حق میں طے کرانے کے لئے نکلے تھے اور یہ کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں انصار کا موقف بڑے بڑے مہاجرین کے موقف کا جواب تھا۔ یہ اس لئے کہ جب انصار پر واضح ہوگیا کہ مہاجرین کی اکثریت امام علیؑ کو حق خلافت سے محروم رکھنے پر متفق ہوگئی ہے تو چونکہ وہ امام علیؑ کے علاوہ کسی اور میں فضیلت نہ پاتے تھے اس لئے انہوں نے آخری حربے کے طور پر یہ ارادہ کیا کہ وہ بھی مقابلے میں شامل ہو جائیں۔ چنانچہ وہ سعد بن عبادہ انصاری کو منتخب کرنے کے لئے سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔

اس کی تائید زبیر بن بکار کی روایت سے ہوتی ہے جو شرح نہج البلاغہ میں موجود ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ جب حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ہوگئی تو وہ گروہ جس نے ان کی بیعت کی تھی ان کو جلوس کی شکل میں مسجد نبویؐ کی طرف لیکر چلا۔ جب دن ختم ہونے کو آیا تو کچھ مہاجرین اور کچھ انصار آپس میں بحث کرنے لگے۔ اس وقت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا: اے گروہ انصار! یقیناً تم صاحب فضیلت، صاحب نصرت اور صاحب سبقت ہو لیکن تم میں کوئی ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؑ اور ابوعبیدہؓ جیسا نہیں ہے۔ اس پر زید بن ارقمؓ بولے: اے عبدالرحمٰن! جن لوگوں کے نام تم نے لئے ہیں ہم ان کے مرتبے سے انکار نہیں کرتے لیکن ہم میں بھی تو سیدالانصار سعد بن عبادہؓ ہیں جن کیلئے رسول اللہؐ نے حکم دیا تھا کہ ان کو سلام کیا جائے اور ان

سے قرآن سیکھا جائے۔ ہم میں معاذ بن جبلؓ بھی ہیں جو روز قیامت علماء کے امام ہوں گے، ہم ہی میں خزیمہ بن ثابتؓ ہیں جن کی ایک شہادت کو رسول اللہؐ نے دو شہادتوں کے برابر قرار دیا تھا۔ بیشک ہم جانتے ہیں کہ قریش میں سے جن کے نام تم نے لئے ہیں ان میں علیؑ ابن ابی طالبؑ بھی ہیں کہ اگر وہ اپنے حق کو طلب کریں تو کوئی اس میں ان سے جھگڑا نہ کرے گا۔

زید بن ارقمؓ انصار کے سرداروں میں سے ہیں۔ ان کا آخری فقرہ صاف بتلا رہا ہے کہ خلافت کے معاملے میں انصار کا موقف یہ نہ ہوتا اگر وہ یہ نہ جان گئے ہوتے کہ اکثر مہاجرین نے امام علیؑ کو اس سے محروم رکھنے پر اتفاق کرلیا ہے۔ اسی سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ان کا موقف مہاجرین کے موقف کا اور امام علیؑ کو خلافت سے محروم رکھنے کے لئے ان کے اتفاق کر لینے کا جواب تھا۔

سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی کا مختصر حال جیسا کہ ابن ہشام نے ابن عباسؓ سے اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے جنہوں نے کہا کہ جب رسول اللہؐ وفات پا گئے تو انصار نے ہماری مخالفت کی اور اپنے ممتاز افراد کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوگئے جبکہ امام علیؑ ابن ابی طالبؑ، زبیر بن عوامؓ اور ان کے ساتھی ہم سے علیحدہ رہے۔ مہاجرین ابوبکرؓ کے حق میں متفق ہوگئے تو میں نے ابوبکر سے کہا کہ ہمارے ساتھ اپنے ان انصار بھائیوں کے پاس چلو۔ چنانچہ ہم ان کو دیکھتے ہوئے چلے یہاں تک کہ ہم ان کے دو نیک افراد یعنی مَعْن بن عَدِیّ بَلَوِیّ اور عُوَیم بن ساعدہ سے ملے جنہوں نے ہم کو بتایا کہ ان لوگوں نے مل کر کیا طے کیا ہے۔ شرح نہج البلاغہ میں واقدی سے روایت ہے کہ یہ دونوں حضرت ابوبکرؓ کے مخالفین میں سے تھے۔

واقدی کی روایت بتلاتی ہے کہ معن بن عدی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور ان کے حامیوں کو سقیفہ لے گئے قبل اس کے کہ وہاں سعد بن عبادہؓ کی بیعت اتمام کو پہنچتی۔

البتہ حضرت عمرؓ کی روایت کے مطابق معن اور عویم نے کہا کہ اے گروہ مہاجرین! تمہارے لئے ضروری ہے کہ ان لوگوں کے پاس جاؤ اور اپنے معاملے کا فیصلہ کرلو۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ اس پر میں نے ان دونوں سے کہا کہ ہاں قسم بخدا! ہم ضرور ان کے پاس جائیں گے۔ پس ہم ان کے پاس سقیفہ بنی ساعدہ پہنچ گئے۔ وہاں ان کے درمیان ایک شخص چادر اوڑھے ہوئے بیٹھا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ سعد بن عبادہ ہیں۔

جب ہم بیٹھ گئے تو انصار کے مقرر نے شہادتین پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی شایان شان حمد و ثناء کی۔ اس کے بعد کہا کہ ہم اللہ کے انصار اور اسلام کی فوج ہیں۔ اے گروہ مہاجرین! تم ہم ہی میں سے ایک جماعت ہو۔ تمہاری قوم میں سے چلنے والے آگے بڑھ گئے کیونکہ انہوں نے چاہا کہ ہم کو جڑ سے اکھاڑ ڈالیں اور حکومت ہم سے چھین لیں۔ حضرت عمرؓ مزید بیان کرتے ہیں کہ جب ان کا مقرر خاموش ہوا تو میں نے بولنا چاہا اور میں نے اپنے ذہن میں ایسی باتیں تیار کرلی تھیں جو مجھ کو پسند تھیں اور میں چاہتا تھا کہ ان کو ابوبکر کے سامنے کہوں اور ان پر جو بعض الزامات لگائے گئے ہیں ان کو دور کروں۔

البتہ حضرت ابوبکر نے کہا کہ اے عمر! ذرا ٹھہرو۔ پس میں ٹھہر گیا کیونکہ میں ان کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پھر وہ بولے اور وہ مجھ سے زیادہ عالم اور زیادہ پروقار تھے۔ قسم بخدا! میری تیار کی ہوئی تقریر میں ایسا کوئی فقرہ نہ تھا جو انہوں نے ازخود ویسا ہی یا اس کے مانند یا اس سے بہتر بیان نہ کیا ہو یہاں تک کہ وہ خاموش ہوگئے۔ وہ مزید بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم نے جو اپنی خوبیاں بیان کیں اس کے تم سزاوار ہو لیکن عرب امر حکومت کے لئے قریش کے صرف اسی قبیلے کو مناسب سمجھتے رہے ہیں جو نسب اور قبیلے کے لحاظ سے سارے عرب کا نمائندہ ہے۔ ہم تمہاری خاطر اس پر راضی ہیں کہ دو آدمیوں میں سے جس کو چاہو بیعت کے لئے منتخب کرلو۔ انہوں نے میرا اور ابوعبیدہ بن جراحؓ کا ہاتھ پکڑا جو ہمارے درمیان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی کہی ہوئی کوئی بات مجھ کو ناپسند نہ تھی لیکن بخدا مجھ کو لے جاکر میری گردن اڑا دینا میرے لئے اس سے زیادہ محبوب تھا کہ میں ایسے لوگوں پر حکومت کروں جن میں ابوبکر شامل ہوں۔

حضرت عمرؓ آگے بیان کرتے ہیں کہ تب انصار کے ایک شخص نے کہا کہ میں ہوں اس کا کھرے کھوٹے کو پہچاننے والا اور میں ہوں اس کو سہارا دینے والا۔ اے گروہ قریش! ایک حکمران ہم میں سے ہو جائے اور ایک حکمران تم میں سے ہوجائے۔ اس پر بات بڑھی اور آوازیں بلند ہوئیں اور مجھ کو خوف ہوا کہ اختلاف ہوجائے گا۔ پس میں نے کہا کہ اے ابوبکر! اپنا ہاتھ بڑھاؤ۔ انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور میں نے ان کی بیعت کرلی۔ بعدازاں مہاجرین نے ان کی بیعت کرلی اور انصار نے بھی ان ہی کی بیعت کرلی۔

حضرت عمرؓ کی روایت یہاں آ کر رک جاتی ہے اور اس میں حضرت ابوبکر کی تقریر میں سے دو یا تین جملوں سے زیادہ بیان نہیں ہوئے۔ اسی طرح اس نے حباب بن منذر کا موقف پوری طرح سے بیان نہیں کیا۔ نہ ہی بشیر بن سعد اور حباب بن منذر کے مابین ہونے والی گفتگو بیان کی اور نہ ہی حضرت عمر کا حباب بن منذر کے ساتھ تبادلۂ استدلال بیان کیا۔

تاریخ ابن خلدون اور شرح نہج البلاغہ جلد۱ صفحہ ۱۲۸ میں ہے کہ جب ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم کو انصار کے اجتماع کا علم ہوا تو وہ سقیفہ بنی ساعدہ جا پہنچے کیونکہ انصار نے سعد بن عبادہ کے متعلق ارادہ کیا تھا۔ تب حضرت ابوبکر نے کہا کہ ہم نبی اکرمؐ کے دوست اور ہم نسب ہیں اور ہم ہی ان کے امر خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں اور ہمارے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تم لوگوں کو سبقت کا اور نصرت کا حق حاصل ہے لیکن ہم حکمران ہیں اور تم ہمارے وزراء ہو۔

ان کے بعد حباب بن منذر نے زوردار آواز میں انصار کے موقفوں اور جہادوں کا ذکر کیا اور انصار سے کہا کہ اپنے موقف پر جمے رہیں اور خلافت رسولؐ میں اپنے حق سے دستبردار نہ ہوں اور اس سے کم پر نہ مانیں کہ حکمرانی مہاجرین اور انصار کے درمیان مشترک رہے تاکہ ہر فریق کا ایک ایک حکمران رہے۔

ان کے جواب کے لئے حضرت عمرؓ اٹھے اور بولے کہ افسوس! ایک نیام میں دو تلواریں یکجا نہیں ہوسکتیں۔ قسم بخدا! عرب اس بات کو نہ مانیں گے کہ وہ حکمران تم کو بنالیں جبکہ ان کے نبیؐ تمہارے علاوہ دوسرے قبیلے سے ہوں۔ البتہ عربوں کو یہ ناگوار نہ ہوگا کہ وہ حکمرانی ایسے فرد کے سپرد کریں جن کے قبیلے میں نبوت بھی رہی تھی۔ اقتدارِ محمدؐ میں ہم سے

کون جھگڑا کر سکتا ہے جبکہ ہم ان کے دوست اور ہم نسب ہیں۔

حباب پھر دوسری بار خطاب کرنے کے لئے آئے لیکن بغیر اس لہجے کے جس میں انہوں نے پہلی بار بات کی تھی۔ انہوں نے انصار کو مخاطب کر کے کہا کہ اپنی قوت پر بھروسا کرو اور اس شخص کی اور اس کے ساتھیوں کی بات مت سنو۔ ورنہ یہ اس معاملۂ حکومت سے تمہارا حصہ لے جائیں گے۔ اگر یہ تم کو محروم رکھیں تو ان کو اس علاقے سے نکال باہر کرو۔ تم اس حکومت کے زیادہ حقدار ہو کیونکہ لوگوں نے یہ دین تمہاری تلواروں کی بدولت حاصل کیا ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ میں ہوں اس کا کھرے کھوٹے کا پہچاننے والا اور میں ہوں اس کا سہارا دینے والا۔ قسم بخدا! اگر تم چاہو تو ہم اس کو پھر سے تازہ دم بنا دیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ اللہ تم کو مار ڈالے۔ حباب نے بھی ان کو ویسا ہی جواب دیا۔ اب اس جھگڑے میں جو اپنی انتہا تک پہنچ گیا تھا، ابوعبیدؓہ کو ایسا بیچ بچاؤ کرانے کا موقع ملا جو حضرت ابوبکر کے مفاد میں ہو جائے۔ چنانچہ وہ بولے کہ اے گروہ انصار! تم ضرور نصرت کرنے میں اور بوجھ سنبھالنے میں اول ہو۔ پس تم اس کو بدلنے اور اس میں تغیر کرنے میں اول مت بنو۔

اس ہدایت آسا اسلوب سے انصار کے قبیلے میں افتراق کے آثار نمودار ہونے لگے۔ چنانچہ بشیر بن سعد نے اٹھ کر کہا کہ اے گروہ انصار! خیال رکھو کہ حضرت محمدؐ قریش میں سے ہیں اور ان کی قوم کا حق فائق ہے۔ قسم بخدا! میں ہرگز اس معاملے میں اِن لوگوں سے جھگڑا نہ کروں گا۔

اس موقع پر حضرت ابوبکر نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں سے کہا کہ دو آدمیوں میں سے ایک کی بیعت کرلو۔ حضرت عمرؓ کی یا حضرت ابوعبیدؓہ کی۔

حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدؓہ ٹھٹھک سے گئے۔ گویا وہ دونوں اس پر تیار نہ تھے اور بولے کہ معاذ اللہ! قسم بخدا آپ افضل المہاجرین ہیں اور نماز میں رسول اللہؐ کے جانشین رہے ہیں۔ آپ اپنا ہاتھ بڑھایئے۔ انہوں نے بلا پس و پیش ہاتھ بڑھا دیا۔ جیسے وہ سب اس انداز پر ایکا کئے ہوئے تھے اور ان دونوں نے ان کی بیعت کرلی اور بشیر بن سعد بھی ان کی طرف لپک پڑے کیونکہ فطرتاً قبیلۂ اوس کو سعد کا خلیفہ ہونا گوارا نہ تھا اور وہ لوگ چاہتے تھے کہ یہ منصب کوئی اور لے لے۔

پس جب عمر بن خطابؓ، ابوعبیدہ بن جراحؓ اور بشیر بن سعدؓ نے ان کی بیعت کرلی تو اُسَید بن حُضَیر نے اپنے قبیلے اوس والوں کو بلایا کہ بیعت میں جلدی کریں تاکہ ان کو خلیفہ کے نزدیک برتری حاصل رہے۔ چنانچہ وہ سب لپک پڑے اور لوگ ان کی بیعت کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ سعد کو اپنے پیروں سے کچل ڈالیں۔

پھر وہ سب ان کا جلوس لے کر مسجد نبویؐ کی طرف چلے گئے جبکہ امام علیؑ اور بنی ہاشم اور چند مہاجرین اور انصار رسول اللہؐ کو آپ کی آخری آرام گاہ تک پہنچانے کی تیاری میں مصروف ہونے کی وجہ سے کچھ نہ جانتے تھے کہ کیا ہو گیا۔

سقیفہ کے متعلق حضرت عمرؓ کے اس بیان سے جو ابن ہشام نے اپنی ''سیرت'' میں درج کیا ہے ظاہر ہوتا ہے کہ انصار کا اجتماع اس کے جواب میں تھا کہ مہاجرین کے ایک گروہ نے خلافت پر قبضہ کر لینے کے لئے باہمی

اتفاق کرلیا تھا جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں۔

اسی کی طرف انصار کے ترجمان کی تقریر اشارہ کرتی ہے کہ تمہاری قوم میں سے چلنے والے آگے بڑھ گئے اور انہوں نے چاہا کہ ہم کو جڑ سے اکھاڑ ڈالیں اور حکومت ہم سے چھین لیں۔ یہی زید بن ارقمؓ کے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے جس میں زید نے کہا تھا کہ اگر امام علیؑ اس کو طلب کرتے تو ان سے اس کے بارے میں کوئی جھگڑا نہ کرتا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ اگر مخالفت نہ کی گئی ہوتی تو انصار اپنی طرف سے امام علیؑ کے حق سے وابستہ تھے۔ جب ان کے علاوہ دوسروں نے اس کو لینا چاہا تب انہوں نے اپنے آپ کو ان دوسروں سے زیادہ حقدار قرار دے کر اس کو خود لینا چاہا۔

دوسری چیز جو ہمارے اس بیان کی تائید کرتی ہے وہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہؓ کا سقیفہ آنا اور حضرت ابوبکرؓ کا طویل گفتگو کے بعد یہ کہنا کہ ان دو آدمیوں میں سے کسی ایک کی بیعت کرلو اور ان کے صرف اتنا کہہ دینے پر حضرت عمرؓ کا جلدی سے ان کی بیعت کر لینا ہے۔ یہ سب ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ پہلے سے ایکا کئے ہوئے تھے کہ خلافت ان تینوں میں یکے بعد دیگرے چلتی رہے گی۔ اسی کی طرف حضرت عمرؓ کا وہ قول اشارہ کرتا ہے جو انہوں نے اس وقت کہا جب ابولؤلؤ نے ان کو زخمی کیا کہ اگر ابوعبیدہؓ زندہ ہوتے تو وہ ان کو نظرانداز نہ کرتا۔

علاوہ بریں جس طور سے خلافت حضرت ابوبکرؓ کے حق میں قرار پائی اس سے اس کے علاوہ اور کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمرؓ نے اس کو حضرت ابوبکرؓ کے لئے اسی وقت طے کر دیا تھا جب انہوں نے بشیر بن سعدؓ کو سنا کہ وہ خلافت کے لئے مہاجرین کے حق کو تسلیم کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ معلوم ہے کہ بشیر بن سعدؓ نے ان میں سے کسی کا نام نہیں لیا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے بڑھ کر حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرلی گویا کہ خلافت تنہا ان ہی کے لئے تھی اور وہ سینکڑوں مہاجرین نیز بنی ہاشم کو جن کے راس الرئیس امام علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے ناواقف بنے رہے جن کو اس کارروائی کا علم اس کے پورا ہو جانے سے پہلے نہیں ہوا۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ ہے کہ جیسا کہ شرح نہج البلاغہ میں طبری کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو نماز میں رسول اللہؐ کا جانشین ہونے کی وجہ سے سب سے مقدم قرار دیا حالانکہ یہ امر تاریخ سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

اگر ہم یہ فرض بھی کرلیں تو بھی نمازیوں کی امامت تو عام مسلمانوں کو حاصل رہتی تھی اور نبی اکرمؐ لوگوں کو اس کی طرف ابھارتے رہتے اور ان کو اس کی ترغیب دیتے رہتے تھے اور امام کے لئے اس سے زیادہ کوئی شرط قرار نہ دیتے تھے کہ اس کے ناجائز افعال اور گناہ پوشیدہ ہوں۔ وہ کھل کر ان کا ارتکاب نہ کرتا ہو بلکہ عام اہلسنت کے نزدیک اس کے لئے صرف اسلام کا ظاہر کرنا ہی کافی ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے لوگوں کو نماز پڑھا دینے کو ان کے رسول اللہؐ کے بعد خلیفہ ہونے اور حکومت کی کنجیاں حاصل کرنے سے منسلک کر دیا لیکن وہ یہ بھول گئے کہ دعوت ذوالعشیرہ پر رسول اللہؐ نے امام علیؑ سے فرمایا تھا کہ تم

میرے بھائی، میرے جانشین اور میرے بعد میرے خلیفہ ہو۔ جنگ خندق کے روز جب امام علیؑ، عَمرو بن عبدوَدّ عامری کے مقابلے کے لئے چلے تھے تو رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ کل ایمان، کل کفر کی طرف جا رہا ہے اور جنگ خیبر میں آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ کل میں علم ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ کو اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہیں اور غزوۂ تبوک میں آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ تم مجھ سے وہی منزلت رکھتے ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور یہ کہ میرے لئے جانا مناسب نہیں ہے سوائے اس وقت جب تم میرے جانشین ہو۔ حدیث مباہلہ اور غدیر خم کے موقع پر ایک لاکھ سے زائد افراد کے سامنے جیسا کہ بیشتر سنی اور شیعہ روایات میں بیان ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔ اے اللہ! دوست رکھ اس کو جو اسے دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو اسے دشمن رکھے۔ نیز حدیث ثقلین اور ان کے علاوہ آنحضرتؐ کے مختلف موقعوں کے کثیر التعداد اقوال جن پر سنی اور شیعہ راویوں کا اتفاق ہے حضرت عمرؓ ان سب سے ناواقف بنے رہے اور ان کو ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو امام علیؑ کو خلیفہ مقرر کرنا نہ سہی، خلافت کے بارے میں آنحضرتؐ کی رائے ہی کی جانب اشارہ کرتی ہو۔ البتہ ان کو نبی اکرمؐ کے مرض کے دوران حضرت ابوبکرؓ کے لوگوں کو نماز پڑھانے کے لئے جانے میں آنحضرتؐ کی رائے کے نہ ہوتے ہوئے بھی ان کا خلافت مسلمین کے لئے سب سے زیادہ حقدار ہونا نظر آ گیا۔ اللہ نے کیا سچ کہا ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَأْئِن مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا○ ''محمدؐ نہ تھے مگر ایک رسول۔ ان سے پہلے بھی رسول گزرے ہیں۔ تو اگر وہ مر جائیں گے یا قتل ہو جائیں گے تو تم لوگ اپنی پیٹھ پیچھے پلٹ جاؤ گے اور جو کوئی اپنی پیٹھ پیچھے پلٹ جائے گا وہ ہرگز اللہ کو نقصان نہ پہنچائے گا۔''

نبی اکرمؐ کی تجہیز و تدفین

مؤرخین اور محدثین میں یہ امر قریب قریب متفق علیہ ہے کہ جب سے نبی اکرمؐ کے جسم میں مرض سرائیت کر گیا تھا، امام علیؑ، بنی ہاشم اور چند مہاجرین و انصار نبی اکرمؐ کی تیمارداری میں اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد آپ کی تجہیز میں اور پرسہ دینے کے لئے آنے والوں کے استقبال میں مصروف رہے۔ ان کو اس کا کوئی علم نہ تھا کہ امام علیؑ کو خلافت سے محروم رکھنے کے لئے کیا ہو رہا تھا یہاں تک کہ اگر ان کو ان تدابیر کا علم بھی ہو جاتا جو لوگوں نے اختیار کی تھیں، تب بھی وہ نبی اکرمؐ کے جسم بے جان کو آنحضرتؐ کے مکان میں چھوڑ کر اپنے حق کا مطالبہ کرنے کے لئے جانے والے نہ تھے جبکہ جو کچھ ہوا وہ اس اندھا دھند جلد بازی کا سزاوار نہ تھا۔

یہ بات مسلّم ہے کہ امام علیؑ، بنی ہاشم اور کچھ مہاجرین و انصار کو اس کا علم تب ہوا جب وہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کو سقیفہ سے جلوس کی شکل میں مسجد نبوی کی طرف لے جا رہے تھے۔ وہ ان کا نام لے رہے تھے اور انہیں جو کوئی مل جاتا اس

کو مسجد نبویؐ میں آ کر بیعت کا حکم دیتے تھے۔ اس طرح شروع شروع میں لوگوں کو اس معاملے سے ویسی ہی دہشت ہوئی جیسی رسول اللہؐ کی وفات سے ہوئی تھی۔

سیرت ابن ہشام کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی گئی تو لوگ رسول اللہؐ کی تجہیز کی طرف متوجہ ہوئے اور آنحضرتؐ کی تجہیز میں علی ابن ابی طالبؑ، عباس بن عبدالمطلبؓ، ان کے دونوں بیٹے فضلؓ اور قثمؓ اور اسامہ بن زیدؓ لگے ہوئے تھے۔ اسامہؓ اور ان کے اس لشکر کے ساتھی جو جرف میں ٹھہرا ہوا تھا واپس آ گئے تھے۔ رسول اللہؐ کا غلام شقرانؓ آنحضرتؐ کو اپنے سینے پر ٹکائے ہوئے تھا، عباس بن عبدالمطلبؓ اور ان کے دونوں بیٹے آنحضرتؐ کو پلٹتے جاتے تھے، اسامہؓ آپؐ پر پانی ڈالتے جاتے تھے اور امام علیؑ آپؐ کو غسل دیتے جا رہے تھے۔ آپ کی قمیض آپؐ کے جسم مبارک پر موجود تھی، امام علیؑ آپ کو کپڑے کے اوپر سے دھوتے تھے، ان کے جسم مبارک کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوتے تھے اور کہتے جا رہے تھے کہ **"کس قدر پاک ھیں آپ زندہ بھی اور مردہ بھی."**

شیخ مفید کہتے ہیں کہ جب امام علیؑ نے نبی اکرمؐ کو غسل دینے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے فضل بن عباسؓ کو بلایا اور ان سے پانی منگوایا۔ جب آپ غسل اور حنوط سے فارغ ہو گئے تو آپ نے آگے بڑھ کر آنحضرتؐ پر تنہا نماز ادا کی اور آپ کے ساتھ آنحضرتؐ پر نماز پڑھنے میں کوئی اور شریک نہیں ہوا جبکہ مسلمان مسجد نبویؐ میں یہ سوچ رہے تھے کہ ان میں سے کس کو علیؑ، آنحضرتؐ پر نماز پڑھنے کے لئے اشارہ کرتے ہیں اور آنحضرتؐ کہاں دفن کئے جائیں گے؟ پس امام علیؑ نکل کر ان لوگوں کے پاس آئے اور آپ نے ارشاد فرمایا: **"رسول اللہؐ زندہ اور مردہ ھر حال میں ھمارے امام ھیں."** پس گروہ کے بعد گروہ آ کر آنحضرتؐ پر امام کے بغیر نماز پڑھیں اور چلے جائیں۔ جب اللہ کسی نبی کی قبض روح کرتا ہے تو اس کو دفن بھی وہیں کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اب میں آنحضرتؐ کو آپ کے حجرے ہی میں دفن کر رہا ہوں جہاں آپ کی روح قبض ہوئی ہے۔ اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

ابن عبدالبر نے استیعاب میں روایت کیا ہے کہ جب امام علیؑ اور بنی ہاشم آنحضرتؐ پر نماز پڑھ کر نکل آئے تب مہاجرین داخل ہوئے، پھر انصار اور پھر باقی لوگ۔ سب آنحضرتؐ پر امام کے بغیر نماز پڑھتے رہے۔

جب لوگ آنحضرتؐ پر نماز پڑھ چکے تو عباس بن عبدالمطلبؓ نے ابوعبیدہؓ کو بلوایا کیونکہ یہی اہل مکہ کے لئے قبر کھودتے اور ضریح تیار کیا کرتے تھے اور انہوں نے زید بن سہل کو بلوایا جو اہل مدینہ کے لئے قبر کھودتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ رسول اللہؐ کے لئے قبر کھودیں۔ انہوں نے آنحضرتؐ کے لئے قبر تیار کی اور امام علیؑ، عباسؓ، فضلؓ اور اسامہ بن زیدؓ، آنحضرتؐ کو دفن کرنے کے لئے لے آئے۔ اس وقت انصار گھر کے پیچھے سے پکارے کہ اے علیؑ! ہم آپ کو اللہ کے واسطے سے رسول اللہؐ پر آج کے دن کا اپنا حق یاد دلاتے ہیں کہ ضائع نہ ہو جائے۔ آپ ہم میں سے ایک شخص کو لے لیجئے تاکہ رسول اللہؐ کو تہہ خاک پوشیدہ کرنے میں ہمارا بھی حصہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اوس بن خولی آ جائے جو بنی عوف کے ذی شرف بدری تھے۔ جب وہ آ گئے تو امام علیؑ نے ان سے فرمایا کہ قبر میں اتر جاؤ، وہ اتر گئے اور امام علیؑ نے رسول اللہؐ کو

اپنے ہاتھوں پر لے کر نیچے کی طرف دے دیا۔ جب وہ آنحضرتؐ کو قبر میں رکھ چکے تو آپ نے ان سے کہا کہ اب نکل آؤ۔ وہ نکل آئے تو امام علیؑ نے خود اتر کر رسول اللہؐ کا چہرۂ مبارک کھول کر آپ کا رخسارہ زمین پر رکھ دیا اور چہرہ قبلہ رخ کر دیا۔ پھر اینٹیں رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی اور قبر کو سطح زمین سے ایک بالشت اور بقولے اس سے کچھ تھوڑا سا زیادہ اونچا کر دیا۔

آنحضرتؐ کو کس روز دفن کیا گیا اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ بیشتر میں یہ ہے کہ آپ اپنی وفات کے دوسرے دن دفن ہوئے، بعض میں یہ ہے کہ آپ منگل کے روز آخری حصے میں دفن ہوئے۔

آنحضرتؐ کے دفن کے وقت آپ کی پارۂ جگر حضرت فاطمہ زہراؑ قبر مطہر پر تشریف لائیں اور بولیں کہ کیا تم لوگ رسول اللہؐ پر مٹی ڈال کر خوش ہو گئے؟ پھر آپ نے قبر کی مٹی اٹھا کر اپنی چشم ہائے مبارک پر لگائی اور یہ بین کرنے لگیں:

ماذا علی من شم تربة احمدٌ ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

صبت علیَّ مصائب لو انها صبت علی الایام عدن لیالیا

''جو کوئی قبر رسولؐ کی مٹی سونگھ لے پھر وہ عمر بھر کسی اور خوشبو کو سونگھنا گوارا نہ کرے گا۔ بابا جان! آپ کے بعد مجھ پر ایسی مصیبتیں پڑ گئی ہیں کہ اگر دنوں پر پڑتیں تو وہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔''

آج اس عظیم الشان شخصیت نے اس دنیا کو چھوڑا ہے جس سے زیادہ صاحب عزت چشم تاریخ نے نہ دیکھا تھا۔ اس نے انسانیت کو جو کچھ عطا کیا اس سے قبل کسی نے بھی عطا نہیں کیا۔ اس نے انسانیت کے لئے وہ لازوال سرمایہ چھوڑا جو اس سے قبل کسی نے بھی نہیں چھوڑا۔ اس نے ہر دور اور ہر زمانے کے لئے ایسا معجزانہ پیغام دیا جس نے ساری دنیا کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک چودہ سو سال سے ہلا رکھا ہے اور جو تاریخ کے باقی رہنے تک انسانیت کا ایسا انسان اول رہے گا جو ظالموں، سرکشوں، بادشاہوں اور سخت مزاج حکمرانوں کو دہلاتا رہے گا۔

آپ کی سیرت حق، عدالت، عقیدہ اور اعلیٰ مقاصد کی راہ میں قربانیوں کی مکمل خزانہ بنی رہے گی اور جب تک دنیا میں دین، شریعت اور انسانیت کا وجود باقی ہے آپ کی شریعت انسان کے لئے اول درجے کا معجزہ بنی رہے گی۔

دعا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ میرے اس عمل کو شرف قبولیت بخشے اور مجھ کو اس کا وہی ثواب عطا کرے جو اس کی راہ میں سعی و عمل کرنے والوں کو ملتا ہے۔ وہی ہمارا ملجا و ماویٰ ہے اور ساری بزرگی اسی کے لئے ہے۔

تمت

کتابیات

القرآن الکریم

مجمع البیان ...... ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی

تفسیر المیزان ...... سید حسین الطباطبائی

تفسیر الکاشف ...... شیخ محمد جواد مغنیة

التفسیر الکبیر ...... فخر الدین الرازی

تفسیر القرآن ...... سید عبداللہ شبر

السیرت النبویة ...... عبدالملک ابن ہشام الحمیری

السیرت النبویة ...... محمد بن اسحاق

السیرت الحلبیة ...... علی بن برہان

حیات محمدؐ ...... محمد حسین ہیکل

فقہ السیرة ...... شیخ محمد الغزالی

محمدؐ رسول الحریة ...... عبدالرحمن الشرقاوی

عظمة الرسول ...... شیخ محمد الابرشی

تاریخ الامم والملوک ...... محمد بن جریر الطبری

مروج الذہب ...... مسعودی

البدایة والنہایة ...... ابن کثیر

تاریخ ...... ابن واضح الیعقوبی

تاریخ البشر ...... علامہ ابن خلدون

المختصر فی اخبار البشر ...... عماد الدین اسماعیل ابوالفداء

تاریخ التمدن الاسلامی ...... جرجی زیدان

الارشاد .... محمد بن نعمان (شیخ مفید)
الصحیح .... محمد بن اسماعیل البخاری
الکافی .... محمد بن یعقوب الکلینی
فضائل الخمسة من الصحاح الستة .... سید مرتضی الفیروزآبادی
المجلد الثانی من اعیان الشیعة .... سید محسن الامین
نهایة الارب فی احوال العرب .... شهاب الدین النویری
احکام القرآن .... احمد بن علی الجصاص
عبقریة محمدؐ .... محمود عقاد
عبقریة الامام علیؑ .... محمود عقاد
اتقان المقال فی علم الرجال .... شیخ محمد طٰهٰ
منهج المقال .... مرزا محمد
تهذیب التهذیب .... ابن حجر
المیزان فی احوال الرجال .... ابن حجر
میزان الاعتدال فی نقد الرجال .... محمد احمد الذهبی
تاریخ العرب .... هاشم جواد
الغدیر .... شیخ عبدالحسین الامینی
تاریخ الخمیس .... شیخ حسین الدیار بکری
شرح نهج البلاغة .... ابن ابی الحدید المعتزلی
بحارالانوار (جلد ۶) .... علامه مجلسی
مجمع البحرین .... فخرالدین الطریحی
الطبقات الکبریٰ .... محمد بن سعد
الموضوعات فی الآثار والاخبار .... مؤلف
دراسات فی الکافی للکلینی والصحیح للبخاری .... مؤلف

مؤلف کی دیگر کتابیں

- عقیدة الشیعة الامامیة
- تاریخ الفقه الجعفری
- المبادیء العامة للفقه الجعفری
- الشیعة بین الاشاعرة والمعتزلة
- نظریة العقد فی الفقه الجعفری
- دراسات فی الکافی للکلینی والصحیح للبخاری
- المسؤولیة الجزائیة
- الموضوعات فی الآثار والاخبار
- ولایة القاضی فی الفقه الاسلامی
- سیرة المصطفیٰ ؐ
- سیرة الائمة الاثنیٰ عشرؑ (دو جلدیں)

جامعہ تعلیماتِ اسلامی پاکستان سیرت مصطفیٰ ﷺ اور سیرت ائمہ اہلبیت علیہم السلام

کے نام سے آخری دو کتابیں اردو میں شائع کر چکی ہے

جامعہ تعلیماتِ اسلامی پاکستان کی مطبوعات

اسلام دین فطرت

اسلام دین معاشرت

اسلام دین معرفت

اسلام دین حکمت (مجلد)

فلسفۂ معجزہ

فلسفۂ شہادت

فلسفۂ ولایت

فلسفۂ حجاب

فلسفۂ احکام

تاریخ عاشورا

گفتارِ عاشورا

بنائے کربلا

مرگِ گُل رنگ

مکتبِ رسولؐ

مکتبِ تشیّع (عقائد امامیہ)

پاسدارانِ اسلام (شیعہ در اسلام)

مکتب اسلام

آخری فتح / انتظارِ امامؑ

حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ

حضرت فاطمۃ الزہراؑ

حضرت زینب علیا مقامؑ

نماز معراج مومن

توضیح المسائل —— آیت اللہ سیستانی

مناسک حج —— آیت اللہ سیستانی

وسیلۃ النجات (دعائیں اور زیارتیں)

حیاتِ انسان کے چھ مرحلے

ابو طالبؑ۔ مظلومِ تاریخ

البیان (تفسیر سورۂ الحمد)

تفسیر سورۂ حجرات

بُت شکن

مَردِ انقلاب

ہار جیت

بہلول دانا

سیر و سلوک

مقالاتِ مطہری

انسانِ کامل

سخن (مجلد)

حکایات القرآن //

اسلامی داستانیں //

اسلامی قانون سزا //

حیات پنجتنؑ //

سیرت مصطفیٰؐ //

سیرت ائمہ اہلبیتؑ //

دعائے خلیلؑ نوید مسیحاؑ //

بچوں کے لئے یسرنا القرآن اور ایمان افروز کہانیاں بھی دستیاب ھیں

[illegible]

عقائد امامیہ
مکتب تشیع
شیعہ در اسلام
اسلامی داستانیں
ولایت
مقالات مطہری
البیان
حکایات القرآن
تاریخ عاشورا
وسیلۃ النجات
خدیجۃ الکبریٰ